ذخیرۃ الجنان
فی
فہم القرآن
جلد سوم
افادات
امام اہلسنت حضرت شیخ الحدیث والتفسیر
مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ
مولانا محمد نواز بلوچ
فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
ناشر
لقمان اللہ میر برادران
سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ

ذخیرۃ الجنان

فی

فہم القرآن

جلد 3 ⟸ حصہ 7،8،9

افادات

امام اہلسنت حضرت شیخ الحدیث والتفسیر

مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نظر ثانی

مولانا علامہ زاہد الراشدی

شیخ الحدیث نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

جمع و ترتیب

مولانا محمد نواز بلوچ

فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

ناشر

لقمان اللہ میر برادران

سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ۔

ناشر
لقمان اللہ میر برادران
سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ۔

نام کتاب .... ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن
جلد 3 ⟸ حصہ 7، 8، 9

افادات .... امام اہلسنت حضرت شیخ الحدیث والتفسیر
مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ

مرتب .... مولانا محمد نواز بلوچ
فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

نظر ثانی .... مولانا علامہ زاہد الراشدی
شیخ الحدیث نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

سرورق .... محمد خاور بٹ، گوجرانوالہ

طابع وناشر .... لقمان اللہ میر برادران
سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ۔

فون .... 0300 - 8741292
0321 - 8741292

قیمت ....

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

من ابی الزاہد

الی جمیع اولادی واحبابی وتلامذتی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

راقم اثیم گکھڑ میں قرآن کریم و حدیث شریف
کا پنجابی میں جو درس دیتا رہا اس درس
قرآن کریم کا بڑی عرقریزی کے ساتھ اردو میں ترجمہ
مولانا محمد نواز بلوچ صاحب نے کیا جسکی طباعت
کا انتظام الحاج میر محمد لقمان اللہ صاحب
نے اور ان کے بھائیوں نے کیا ہے راقم اثیم
طباعت کے حقوق انکو دیتا ہے ہاں اگر علمی
طور پر اصلاح کی ضرورت پڑے تو راقم اثیم
کے بچے مثلاً عزیزم زاہد اور عزیزم قارن کلاھما اللہ
تعالیٰ وغیرہ مشورہ دے سکتے ہیں باقی
سب حقوق طباعت جناب میر صاحب
کو دیدیئے ہیں واللہ الموفق۔

ابو الزاہد محمد سرفراز عفی عنہ
۱۴ صفر ۱۴۲۳ھ
۲۸ اپریل ۲۰۰۲ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡاَعۡرَافِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇦ وَلَوۡ اَنَّنَا ، قَالَ الۡمَلَاُ
(۸) (۹)

فہرست عنوات

ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن

(حصہ ہفتم)

اہلِ علم سے گزارش

بندۂ ناچیز امام المحدثین مجدد وقت شیخ الاسلام حضرت العلام مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد بھی ہے اور مرید بھی۔

اور محترم لقمان اللہ میر صاحب حضرت اقدس کے مخلص مرید اور خاص خدام میں سے ہیں۔

ہم وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے جایا کرتے۔ خصوصاً جب حضرت شیخ اقدس کو زیادہ تکلیف ہوتی تو علاج معالجہ کے سلسلے کے لیے اکثر جانا ہوتا۔ جانے سے پہلے ٹیلیفون پر رابطہ کر کے اکٹھے ہو جاتے۔ ایک دفعہ جاتے ہوئے میر صاحب نے کہا کہ حضرت نے ویسے تو کافی کتابیں لکھی ہیں اور ہر باطل کا رد کیا ہے مگر قرآن پاک کی تفسیر نہیں لکھی تو کیا حضرت اقدس جو صبح بعد نمازِ فجر درس قرآن ارشاد فرماتے ہیں وہ کسی نے محفوظ نہیں کیا کہ اسے کیسٹ سے کتابی شکل سے منظر عام پر لایا جائے تا کہ عوام الناس اس سے مستفید ہوں۔ اور اس سلسلے میں جتنے بھی اخراجات ہوں گے وہ میں برداشت کروں گا اور میرا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے، شاید یہ میرے اور میرے خاندان کی نجات کا سبب بن جائے۔ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمائی تھی۔

اس سے تقریباً ایک سال قبل میر صاحب کی اہلیہ کو خواب آیا تھا کہ ہم حضرت شیخ اقدس کے گھر گئے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت کیلوں کے چھلکے لے کر باہر آرہے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے دے دیں میں باہر پھینک دیتی ہوں۔ حضرت نے وہ مجھے دے دیے اور میں نے باہر پھینک دیے۔

چوں کہ حضرت خواب کی تعبیر کے بھی امام ہیں۔ میں نے مذکورہ بالا خواب حضرت سے بیان کیا اور تعبیر پوچھنے پر حضرت نے فرمایا کہ میرا یہ جو علمی فیض ہے اس سے تم بھی فائدہ حاصل کرو گے۔ چنانچہ وہ خواب کی تعبیر تفسیر قرآن "ذخیرۃ الجنان" کی شکل میں سامنے آئی۔

میر صاحب کے سوال کے جواب میں مَیں نے کہا اس سلسلے میں مجھے کچھ معلوم نہیں حضرت اقدس سے پوچھ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب گکھڑ حضرت کے پاس پہنچ کر بات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ درس دو تین مرتبہ ریکارڈ ہو چکا ہے اور محمد سرور منہاس کے پاس موجود ہے ان سے رابطہ کر لیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ گکھڑ والوں کے اصرار پر میں یہ درسِ قرآن پنجابی زبان میں دیتا رہا ہوں اس کو اُردو زبان میں منتقل کرنا انتہائی مشکل اور اہم مسئلہ ہے۔

اس سے دو دن پہلے میرے پاس میرا ایک شاگرد آیا تھا اس نے مجھے کہا کہ میں ملازمت کرتا ہوں تنخواہ سے اخراجات

پورے نہیں ہو پاتے، دورانِ گفتگو اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایم۔اے پنجابی بھی کیا ہے۔اس کی یہ بات مجھے اس وقت یاد آگئی۔میں نے حضرت سے عرض کی کہ میرا ایک شاگرد ہے اس نے پنجابی میں ایم۔اے کیا ہے اور کام کی تلاش میں ہے، میں اس سے بات کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ہم حضرت کے پاس سے اٹھ کر محمد سرور منہاس صاحب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی خواہش رکھی انھوں نے کیسٹیں دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔کچھ کیسٹیں ریکارڈ کرانے کے بعد اپنے شاگرد ایم۔اے پنجابی کو بلایا اور اس کے سامنے یہ کام رکھا اُس نے کہا کہ میں یہ کام کر دوں گا، میں نے اسے تجرباتی طور پر ایک عدد کیسٹ دی کہ یہ لکھ کر لاؤ پھر بات کریں گے۔دینی علوم سے ناواقفی اس کے لیے سدّ راہ بن گئی۔وہ قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور عربی عبارت سمجھنے سے قاصر تھا۔تو میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام خود ہی کرنے کا ہے میں نے خود ایک کیسٹ سنی اور اُردو میں منتقل کر کے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی۔حضرت نے اس میں مختلف مقامات میں سے پڑھ کر اظہارِ اطمینان فرمایا۔اس اجازت پر پوری تن دہی سے متوکل علی اللہ ہو کر کام شروع کر دیا۔

میں بنیادی طور پر دنیاوی تعلیم کے لحاظ سے صرف پرائمری پاس ہوں، باقی سارا فیض علمائے ربانیین سے دورانِ تعلیم حاصل ہوا۔اور میں اصل رہائشی بھی جھنگ کا ہوں وہاں کی پنجابی اور لاہور، گوجرانوالا کی پنجابی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔لہٰذا جہاں دشواری ہوتی وہاں حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلالپوری شہیدؒ سے رجوع کرتا یا زیادہ ہی الجھن پیدا ہو جاتی تو براہِ راست حضرت شیخؒ سے رابطہ کر کے تشفی کر لیتا لیکن حضرت کی وفات اور مولانا جلالپوریؒ کی شہادت کے بعد اب کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جس کی طرف رجوع کروں۔اب اگر کہیں محاورہ یا مشکل الفاظ پیش آئیں تو پروفیسر ڈاکٹر اعجاز سندھو صاحب سے رابطہ کر کے تسلی کر لیتا ہوں۔

اہل علم حضرات سے التماس ہے کہ اس بات کو بھی مدنظر رکھیں کہ یہ چونکہ عمومی درس ہوتا تھا اور یادداشت کی بنیاد پر مختلف روایات کا ذکر کیا جاتا تھا اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جو روایت جس کتاب کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے وہ پوری روایت اسی کتاب میں موجود ہو۔بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ روایت کا ایک حصہ ایک کتاب میں ہوتا ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے مگر باقی تفصیلات دوسری کتاب کی رِوایت بلکہ مختلف روایات میں ہوتی ہیں۔جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ کے اساتذہ اور طلبہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لیے ان دروس میں بیان کی جانے والی روایات کا حوالہ تلاش کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا جائے۔

علاوہ ازیں کیسٹ سے تحریر کرنے سے لے کر مسودہ کے زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے تک کے تمام مراحل میں اس مسودہ کو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ میں بذاتِ خود اور دیگر تعاون کرنے والے احباب مطالعہ اور پروف ریڈنگ کے دوران غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور حتی المقدور اغلاط کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔کمپوزنگ اور اغلاط کی نشاندہی کے بعد میں

ایک مرتبہ دوبارہ مسودہ کو چیک کرتا ہوں تب جا کر انتہائی عرق ریزی کے بعد مسودہ اشاعت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔لیکن بایں ہمہ ہم سارے انسان ہیں اور انسان نسیان اور خطا سے مرکب ہے غلطیاں ممکن ہیں۔لہٰذا اہل علم سے گزارش ہے کہ تمام خامیوں اور کمزوریوں کی نسبت صرف میری طرف ہی کی جائے اور ان غلطیوں سے مطلع اور آگاہ کیا جائے تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔

العارض

محمد نواز بلوچ

فارغ التحصیل مدرسہ نصرۃ العلوم وفاضل وفاق المدارس العربیہ، ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ٥
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ٥

آیاتہا ۲۰۶ ⑦ سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ ۳۹ رکوعاتہا ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿الٓمّٓصٓ ۚ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ یہ ایک کتاب ہے جو نازل کی گئی ہے آپ کی طرف ﴿فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ﴾ پس نہ ہو آپ کے سینے میں ﴿حَرَجٌ مِّنْهُ﴾ کوئی تنگی اس کے بارے میں ﴿لِتُنْذِرَ بِهٖ﴾ تاکہ آپ ڈرائیں اس کے ذریعے ﴿وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور نصیحت ہے ایمان والوں کے لیے ﴿اِتَّبِعُوْا﴾ پیروی کرو ﴿مَآ﴾ اس چیز کی ﴿اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ﴾ جو نازل کی گئی تمہاری طرف ﴿مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ تمہارے پروردگار کی جانب سے ﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ﴾ اور نہ پیروی کرو اس سے ورے ورے کارسازوں کی ﴿قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ بہت کم ہے جو تم نصیحت حاصل کرتے ہو ﴿وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ﴾ اور کتنی بستیاں ہیں ﴿اَهْلَكْنٰهَا﴾ جن کو ہم نے ہلاک کر دیا ﴿فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا﴾ پس آئی ہماری گرفت ان کے پاس رات کے وقت ﴿اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ﴾ یا وہ دوپہر کے وقت قیلولہ کر رہے تھے ﴿فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ﴾ پس نہیں تھی ان کی پکار ﴿اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ﴾ جس وقت آئی ان پر ہماری گرفت ﴿اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا﴾ مگر یہ کہ انھوں نے کہا ﴿اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ بے شک تھے ہم ظلم کرنے والے ﴿فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ﴾ پس ہم ضرور پوچھیں گے ان لوگوں سے ﴿اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ﴾ جن کی طرف رسول بھیجے گئے ﴿وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور البتہ ہم ضرور سوال کریں گے پیغمبروں سے ﴿فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ﴾ پس ہم ضرور بیان کریں گے ان پر اپنے علم کے مطابق ﴿وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ﴾ اور ہم غیر حاضر نہیں تھے ﴿وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ﴾ اور وزن اس دن برحق ہے ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ پس جس شخص کے اعمال نامے بھاری ہو گئے ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ پس وہ لوگ فلاح پانے والے ہیں ﴿وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ اور جس کے اعمال نامے ہلکے ہو گئے ﴿فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ﴾ پس وہ وہی لوگ ہیں ﴿خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ جنھوں نے خسارے میں ڈالا اپنے نفسوں کو ﴿بِمَا كَانُوْا﴾ بہ سبب اس کے کہ تھے ﴿بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ﴾ ہماری آیتوں کے ساتھ زیادتی کرتے ﴿وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے قدرت دی تم کو زمین میں ﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ﴾ اور بنائی ہم نے تمہارے لیے ﴿فِيْهَا مَعَايِشَ﴾ زمین میں روزیاں ﴿قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾ بہت کم تم شکریہ ادا کرتے ہو۔

اس سورۃ کا نام سورۃ الاعراف ہے۔ اعراف جنت اور دوزخ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ اس جگہ میں وہ لوگ

رہیں گے جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی۔ نہ نیکیاں بدیوں سے زیادہ ہوں گی کہ جنت میں داخل ہو جائیں اور نہ بدیاں نیکیوں سے زیادہ ہوں گی کہ دوزخ میں جائیں۔ لیکن بالآخر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

چونکہ اس سورت میں اعراف والوں کا ذکر ہے ﴿وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ﴾ اس وجہ سے اس سورت کا نام اعراف رکھا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں انتالیسویں نمبر پر نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے اڑتیس [۳۸] سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ ﴿الٓمّٓصٓ﴾ یہ حروف مقطعات ہیں اور قرآن کریم کی انتیس (۲۹) سورتیں ایسی ہیں جن کی ابتدا حروف مقطعات سے ہوئی ہے۔ جیسے: الٓمّٓ، الٓر، حٰمٓ، یٰسٓ، قٓ وغیرہ۔ مُقَطَّعٌ کا معنیٰ ہے، حرف کا کسی لفظ سے کٹا ہوا ہونا تاکہ اس لفظ کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا جائے۔ مثلاً: کسی آدمی کا نام ہے محمد شفیع، اس کو اختصاراً م۔ش لکھ دیا جائے۔ اور یہ طریقہ ہر زبان میں استعمال ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ناموں کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً: الف سے مراد اللہ جَلَّ جَلَالُهٗ ہے جو اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے اور لام سے مراد لطیف ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ اس کا معنیٰ ہے باریک بین۔ میم سے مراد مالک، مقتدر اور مقیت بھی ہو سکتا ہے اور صاد سے مراد صبور ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ایک ایک حرف کو الگ کر کے اختصاراً ذکر کیا گیا ہے۔

﴿كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ یہ ایک کتاب ہے جو نازل کی گئی آپ کی طرف ﴿فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ﴾ پس نہ ہو آپ کے سینے میں کوئی تنگی اس کے بارے میں۔ جس زمانے میں قرآن پاک نازل ہوا اس وقت سرزمین عرب ایسے کافروں سے بھری ہوئی تھی جو مسئلہ توحید اور قیامت کے منکر تھے اور بڑے ضدی اور منہ پھٹ لوگ تھے ایسے لوگوں کے سامنے مسئلہ توحید و رسالت اور قیامت کا مسئلہ بیان کرنا بڑے حوصلے کی بات تھی اور بیان کرنے والے کو طبعی طور پر تنگی اور تکلیف ہوتی تھی اور ان کے سخت ردِ عمل کی وجہ سے ہونی بھی چاہیے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ کا سینہ تنگ نہ ہو اس کتاب کی وجہ سے کہ یہ کتاب کیوں نازل کی گئی؟

نافرمانوں کی سرزنش

فرمایا ﴿لِتُنْذِرَ بِهٖ﴾ تاکہ آپ ڈرائیں اس کے ذریعے نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کہ اگر تم کفر و شرک سے باز نہ آئے تو دنیا میں بھی تم پر عذاب آ سکتا ہے اور آخرت کا عذاب الگ ہے ﴿وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور نصیحت ہے ماننے والوں کے لیے ﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ پیروی کرو اس چیز کی جو اُتاری گئی تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے کہ عقیدہ بھی اس کے مطابق بناؤ اور عبادات بھی اس کے مطابق بناؤ ﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ﴾ اور نہ پیروی کرو اس سے ورے ورے کارسازوں کی۔ یعنی جو شخص کتاب اللہ کے ماسوا کسی دوسری چیز سے رہنمائی حاصل کرے گا وہ گمراہ ہو جائے گا۔ مگر ان واضح احکام کے باوجود ﴿قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ بہت کم ہے جو تم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

﴿وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا﴾ اور کتنی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا کہ اُنھوں نے پیغمبروں کی زبان پر اعتماد نہ کیا اوران کی طرف جو کتاب نازل کی گئی اس پر ایمان نہ لائے اس کی پیروی نہ کی ﴿فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا﴾ پس آئی ہماری گرفت ان کے پاس رات کے وقت یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب ایسے وقت آیا کہ وہ نیند کی مستیوں میں تھے ﴿اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ﴾ یا وہ دوپہر کے وقت قیلولہ کر رہے تھے۔ قیلولہ کا معنیٰ ہے دوپہر کے وقت تھوڑا سا آرام کرنا۔ حدیث پاک میں آتا ہے: ((مِنْ دَاْبِ الصّٰلِحِيْنَ الْقَيْلُوْلَةُ)) "نیک آدمیوں کی عادت میں سے دوپہر کوتھوڑا سا آرام کرنا ہے۔" دوپہر کو سونا تہجد کے لیے تمہید ہے۔ راتیں چھوٹی ہوں دن لمبے ہوں تو آدمی اگر دوپہر کو تھوڑا سا سو جائے تو رات کو تہجد پڑھنا آسان ہو جاتا ہے۔ تو معنیٰ بنے گا یا وہ دوپہر کو قیلولہ کر رہے تھے کہ ان پر عذاب آیا۔ تو بعضوں پر رات کو سوتے ہوئے عذاب آیا اور بعضوں پر دوپہر کو قیلولہ کرتے ہوئے عذاب آیا۔ جیسے: ۳۱ مئی ۱۹۳۵ء میں کوئٹہ تباہ ہوا۔ کچھ لوگ آرام کر رہے تھے، کوئی کسی شغل میں تھا، کوئی کسی شغل میں۔ ﴿فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ﴾ پس نہیں تھی ان کی پکار ﴿اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ﴾ جس وقت آئی ان پر ہماری گرفت اور عذاب ﴿اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ مگر یہ کہ اُنھوں نے کہا بے شک تھے ہم ظلم کرنے والے۔ بھائی! اب اقرار کرنے کا کیا فائدہ؟ ؎

اب پچھتائے کیا ہوت
جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

عذاب آجانے کے بعد اپنے ظالم ہونے کا اقرار کرتے ہوئے توبہ کرنا رب تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچا سکتا۔

فرمایا ﴿فَلَنَسْــَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ﴾ پس ہم ضرور پوچھیں گے ان لوگوں سے جن کی طرف رسول بھیجے گئے۔ کیا پوچھیں گے؟ دوسرے مقام میں آتا ہے ﴿مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ [قصص: ۶۵، پارہ: ۲۰] "تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا؟" ﴿وَلَنَسْــَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور البتہ ہم ضرور سوال کریں گے پیغمبروں سے۔ کیا سوال ہوگا؟ اس کا ذکر دوسرے مقام پر ہے ﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ﴾ "جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ رسولوں کو ﴿فَيَقُوْلُ﴾ پس کہے گا ﴿مَاذَآ اُجِبْتُمْ﴾ [المائدہ: ۱۰۹، پارہ: ۷] تمھیں کیا جواب ملا قوموں کی طرف سے؟" پھر سب اپنی اپنی طرف سے جواب دیں گے۔ پیغمبر بھی جواب دیں گے اور قومیں بھی۔ ﴿فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ﴾ پس ہم ضرور بیان کریں گے ان پر اپنے علم کے مطابق ﴿وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ﴾ اور ہم غیر حاضر نہیں تھے کہ کوئی ہماری نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ حاضر و ناظر ہونا یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس میں کسی اور کو شریک ٹھہرانا کفر ہے۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے۔

فرمایا ﴿وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ﴾ وزن اس دن برحق ہے کہ نیکیاں اور بدیاں قیامت والے دن تلیں گی ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مَوَازِيْنُ مَوْزُوْنٌ کی جمع ہے۔ معنیٰ ہوگا پس جس شخص کے عمل بھاری ہوئے ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ پس وہ لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قیامت والے دن نیکیاں برائیاں تلیں گی اَلْمِيْزَانُ حَقٌّ ترازو حق ہے۔ مگر ایک فرقہ معتزلہ ہے جو پہلے بھی تھا اور آج بھی موجود ہے وہ ہر چیز کو عقل پر پرکھتے ہیں۔ وہ

اعمال کے ترازو پر تلنے کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ترازو مان لیں تو اس سے رب تعالیٰ کی جہالت لازم آتی ہے، معاذ اللہ تعالیٰ۔ کیوں کہ تولنے کی ضرورت اس کو پڑتی ہے جس کو علم نہ ہو۔ لہٰذا ترازو کوئی شے نہیں ہے صرف کہو کہ عدل ہے۔ یعنی ترازو سے مراد یہ ہے کہ عدل ہوگا۔ حالانکہ ان کا یہ کہنا کہ اس سے رب تعالیٰ کی جہالت لازم آتی ہے غلط ہے۔ کیوں کہ رب تعالیٰ نے اپنے علم کے لیے نہیں تولنا بلکہ بندوں کے علم کے لیے تولنا ہے کہ ان کو ان کے اعمال معلوم ہو جائیں کہ نیکیاں کتنی ہیں اور بدیاں کتنی ہیں۔

پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اعمال اعراض کی قسم سے ہیں جو ہر نہیں ہیں ان کو کس طرح تولا جائے گا؟ عرض اُسے کہتے ہیں جس کا رہنا کسی وجود کے ساتھ ہو جیسے رنگ ہے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ان کی الگ کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ہم جو باتیں کرتے ہیں قیامت والے دن یہ جسم کی شکل میں سامنے آئیں گی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم جو زبان سے قول کرتے (بولتے) ہیں ان کا وہاں جسم ہوگا اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ میری طرف سے اپنی امت کو سلام کہنا اور پیغام دینا کہ اِقْرَأْ مِنِّي اُمَّتَكَ السَّلاَمَ "میری طرف سے اپنی امت کو سلام کہنا۔" ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلام کا جواب دیتے ہیں عَلَيْهِ وَعَلٰى نَبِيِّنَا وَعَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَاءِ الصَّلٰوتُ وَ التَّسْلِيْمَاتُ۔ اور پیغام یہ کہ جنت کی زمین بڑی زرخیز ہے، زمین بڑی اچھی ہے، پانی بڑا اچھا ہے لیکن چٹیل میدان ہے، وہاں کوئی شے نہیں ہے۔ اس کے لیے پودے اور درخت کیا ہیں؟ ایک دفعہ سبحان اللہ پڑھو گے جنت میں ایک درخت لگ جائے گا، ایک دفعہ الحمد للہ پڑھو گے ایک درخت لگ جائے گا، اللہ اکبر پڑھو گے ایک درخت لگ جائے گا، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ پڑھو گے ایک درخت لگ جائے گا۔ یہ ترمذی شریف کی روایت ہے۔ اور "مجمع الزوائد" حدیث کی کتاب ہے اس میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غَرَاسُ الْجَنَّةِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ کہ جنت کے درخت سبحان اللہ، الحمد للہ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ اور اللہ اکبر ہیں۔ پھر اگر کسی شخص کو اس طرح اعمال کا تُلنا سمجھ نہیں آتا کہ ہمارے اعمال جسم کی شکل میں سامنے آئیں گے تو وہ اس طرح سمجھے کہ ہمارے اعمال رجسٹروں میں درج کیے جاتے ہیں وہ رجسٹر تولے جائیں گے۔

حساب کتاب کا ضابطہ

چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ فلاں شخص کو بلاؤ۔ اس کو حساب کے لیے بلایا جائے گا، اس کے ننانوے رجسٹر ہوں گے گناہوں کے اور اتنے بڑے بڑے ہوں گے کہ مَدَّ بَصَرِہٖ کہ نگاہ بڑی مشکل سے ان کی انتہا کو پہنچے گی اور نیکیوں کا ایک چھوٹا سا پرچہ ہوگا۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے تیری نیکیاں اور بدیاں تولنی ہیں۔ وہ شخص

کہے گا اے میرے پروردگار! مَاهٰذِهِ الْبِطَاقَةُ مَاهٰذِهِ السِّجِلَّاتُ " کیا یہ پرچی اور کیا یہ ننانوے رجسٹر، تولنے کی کیا ضرورت ہے آپ جو فیصلہ فرمائیں میں ماننے کے لیے تیار ہوں۔" رب تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرا ضابطہ یہ ہے کہ نیکیاں بھی تلیں گی اور بدیاں بھی۔ چنانچہ جب تولی جائیں گی تو وہ پرچی تمام رجسٹروں پر بھاری ہوگی۔ وہ کہے گا پروردگار! مجھے دکھاؤ کہ اس میں کون سی نیکی درج ہے؟ اس کو نیکی دکھائی جائے گی۔ اس میں درج ہوگا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ یعنی صرف ایمان والی نیکی ہوگی۔

لیکن کسی مغالطہ کا شکار نہ ہونا کہ موج بن گئی کہ چلو جتنے بھی گناہ کرتے ہیں کلمہ شہادت تو پڑھتے ہیں۔ آگے پیچھے نہ سہی جب جنازے میں شریک ہوتے ہیں تو آواز آتی ہے کلمہ شہادت، تو اس وقت پڑھ لیتے ہیں اور کلمہ شہادت ایک دفعہ پڑھ لیا کام ٹھیک ہو گیا۔ لہٰذا یاد رکھنا! یہ ہر آدمی کے متعلق نہیں ہے بلکہ اس آدمی کے متعلق ہے کہ جس نے ساری زندگی کفر و شرک میں گزاری اور نزع کی حالت طاری ہونے سے پہلے رب تعالیٰ نے اس کو توبہ کی توفیق عطا فرمائی، کلمہ پڑھا اور فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کو نیکی کا موقع نہیں ملا۔ دیکھو! قاعدہ کے مطابق برائیاں تو ساری لکھی ہوئی تھیں مگر ایمان نے سب برائیوں کو مٹا دیا۔ ایمان لانے کے بعد ان کا کوئی وزن نہ رہا۔ ضابطہ ہے اَلْاِسْلَامُ یَهْدِمُ مَاكَانَ قَبْلَهٗ "اسلام اپنے سے پہلے سارے گناہ مٹا دیتا ہے۔"

تو اعمال کے تلنے کے دو طریقے تو آپ حضرات نے سمجھ لیے کہ مجسم ہو کر بھی تل سکتے ہیں اور جن رجسٹروں میں تحریر ہیں ان کے ذریعے بھی تل سکتے ہیں۔ اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اعراض نہیں تل سکتے۔ فرماتے ہیں کہ انسان کے بدن میں بخار کا اندازہ تھرمامیٹر کے ذریعے لگا لیتے ہیں کہ سو درجے کا ہے یا ایک سو ایک یا ایک سو دو درجے کا ہے۔ اگر تمھارے پاس یہ آلہ ہے کہ جس سے بدن کی حرارت معلوم کر لیتے ہو تو اگر اللہ تعالیٰ کے پاس ایسا آلہ ہو جو اعمال و اقوال کا وزن کر لے تو کیا بعید ہے۔

دوسری مثال مقیاس الحرارت اور مقیاس البرودت کی ہے۔ دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ ان کے ذریعے تم درجہ حرارت اور درجہ برودت معلوم کرتے ہو اور محکمہ موسمیات والوں سے سنتے رہتے ہو کہ آج فلاں علاقے میں اتنی گرمی تھی اور فلاں علاقے میں اتنی سردی تھی تو تمہارے پاس گرمی، سردی معلوم کرنے کے آلات موجود ہیں تو رب تعالیٰ کے پاس نیکیاں، بدیاں معلوم کرنے کے آلات ہوں تو کیا بعید ہے۔ اسی طرح تمہارے پاس "مقیاس الھواء" ہوا معلوم کرنے کا ترازو ہے کہ جس کے ذریعے تم گاڑیوں کی ہوا معلوم کرتے ہو کہ اگلے ٹائروں میں اتنی ہوا ہے اور پچھلے ٹائروں میں اتنی ہوا یا اتنے پونڈ ہوا بھر دو۔ ہوا کو اگر ترازو پر تولو گے تو کبھی نہیں تلے گی مگر آلے کے ساتھ تل گئی۔ تو اگر تمہارے پاس ایسے آلات موجود ہیں جن کے ذریعے ہوا تول لیتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی آلہ ہو جس پر نیکیاں، بدیاں تلیں تو کیا بعید از قیاس ہے؟ اور کون سی انکار والی بات ہے۔ لہٰذا یاد رکھنا! ترازو حق ہے، نیکیاں بدیاں تولی جائیں گی۔

فرمایا ﴿وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ﴾ اور جس کے اعمال نامے ہلکے ہو گئے ﴿فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ پس وہ وہی

لوگ ہیں جنھوں نے خسارے میں ڈالا اپنے نفسوں کو ﴿بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ﴾ بہ سبب اس کے کہ تھے ہماری آیتوں کے ساتھ زیادتی کرتے اور انکار کرتے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے قدرت دی تم کو زمین میں کہ تم چلتے پھرتے ہو اس پر اور بستے ہو ﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ﴾ اور بنائی ہم نے تمھارے لیے زمین میں روزیاں۔ کسی جگہ گندم، کسی جگہ مکئی، کسی جگہ مونجی پیدا ہوتی ہے۔ اور کسی جگہ کچھ اور کسی جگہ کچھ پیدا ہوتا ہے۔ ﴿قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾ بہت کم تم شکریہ ادا کرتے ہو ان نعمتوں کا۔

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا ہے تم کو ﴿ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ﴾ پھر تمھاری صورتیں بنائیں ﴿ثُمَّ قُلْنَا﴾ پھر کہا ہم نے ﴿لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾ فرشتوں کو ﴿اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ سجدہ کرو آدم علیہ السلام کو ﴿فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ﴾ پس انھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس ﴿لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ﴾ نہ تھا وہ سجدہ کرنے والوں میں سے ﴿قَالَ﴾ فرمایا رب تعالیٰ نے ﴿مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ﴾ کس چیز نے روکا تجھ کو اس بات سے کہ تو نے سجدہ نہ کیا ﴿اِذْ اَمَرْتُكَ﴾ جب میں نے تجھے حکم دیا تھا ﴿قَالَ﴾ کہا ابلیس نے ﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ﴾ میں بہتر ہوں اس سے ﴿خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ﴾ پیدا کیا تو نے مجھ کو آگ سے ﴿وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ اور پیدا کیا تو نے اس کو مٹی سے ﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿فَاهْبِطْ مِنْهَا﴾ پس اُتر جا تو اس سے ﴿فَمَا يَكُوْنُ لَكَ﴾ پس تجھے کوئی حق نہیں پہنچتا ﴿اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا﴾ یہ کہ تو تکبر کرے اس میں رہ کر ﴿فَاخْرُجْ﴾ پس نکل جا تو ﴿اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ﴾ بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے ﴿قَالَ﴾ کہا ابلیس نے ﴿اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ تو مہلت دے مجھے اس دن تک جب یہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے ﴿قَالَ﴾ فرمایا پروردگار نے ﴿اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ﴾ بے شک تو مہلت دیئے ہوؤں میں سے ہے ﴿قَالَ﴾ کہا ابلیس نے ﴿فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ﴾ پس بہ سبب اس کے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے ﴿لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ﴾ البتہ میں ضرور بیٹھوں گا ان کے لیے ﴿صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ تیرے سیدھے راستے پر ﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ﴾ پھر ضرور آؤں گا میں ان کے پاس ﴿مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ﴾ ان کے آگے سے ﴿وَمِنْ خَلْفِهِمْ﴾ اور ان کے پیچھے سے ﴿وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ﴾ اور ان کے دائیں طرف سے ﴿وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ﴾ اور ان کے بائیں طرف سے ﴿وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ﴾ اور نہیں پائے گا تو ان میں سے اکثروں کو ﴿شٰكِرِيْنَ﴾ شکر گزار۔

قرآن کریم میں مختلف مقامات پر اس کا تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو فرشتوں کو حکم دیا اور ابلیس کو بھی کہ سجدہ کرو۔ فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس اکڑ گیا اور سجدہ نہ کیا۔ اب جو رب تعالیٰ کے حکم کے سامنے اکڑتے ہیں وہ

ابلیس کا ٹولہ ہیں اور جو رب تعالیٰ کے احکام کو مانتے ہیں وہ فرشتہ صفت لوگ ہیں۔اب تمہاری مرضی ہے کہ ابلیس کے راستے پر چلتے ہو یا فرشتہ صفت بنتے ہو۔

انسان کی تخلیق

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا تم کو۔بخاری شریف کی روایت میں ہے نطفہ ماں کے رحم میں چالیس دن تک نطفے کی شکل میں رہتا ہے پھر چالیس دن کے بعد لوتھڑا بن جاتا ہے پھر اس کے بعد وہ بوٹی بن جاتا ہے۔قرآنِ کریم میں بھی اس کا ذکر ہے، پھر بوٹی کو اللہ تعالیٰ شکل بنا دیتے ہیں۔لڑکا ہو یا لڑکی، شکل ماں کے رحم ہی میں بنتی ہے۔چار ماہ کے بعد اس میں جان پڑتی ہے۔تو ہماری تخلیق اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

﴿ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ﴾ پھر تمھاری صورتیں بنائیں۔آدم علیہ السلام کی جب شکل وصورت بن گئی اور اس میں روح ڈال دی گئی ﴿ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾ پھر ہم نے کہا فرشتوں کو ﴿اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ سجدہ کرو آدم علیہ السلام کو۔

سجدۂ تعظیمی

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک سجدہ تعظیمی جائز تھا۔سجدہ تعظیمی اور عبادت میں فرق صرف نیت سے ہوتا تھا اگر نیت سجدہ تعظیمی کی ہے تو سجدہ تعظیمی ہے اور اگر نیت عبادت کی ہے تو سجدہ عبادت ہے باقی سجدے کا مفہوم ایک ہی تھا کہ پیشانی اور ناک زمین پر لگائی جائے۔اور ہماری شریعت میں سجدہ تعظیمی کی اجازت نہیں ہے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت قیس ابن سعد رضی اللہ عنہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں محکمہ پولیس کے انچارج یعنی آئی جی تھے۔یہ عراق کے علاقہ حیرہ میں تشریف لے گئے۔وہ اُس زمانے میں بین الاقوامی منڈی تھی مختلف ملکوں کے لوگ وہاں آتے اور کئی کئی دنوں تک سامان بیچتے اور خریدتے تھے۔عیسائیوں کا اس علاقے میں بڑا زور تھا انھوں نے وہاں دیکھا کہ وہاں کے عوام اپنے مولویوں اور پادریوں کو سجدہ کرتے ہیں، سجدۂ تعظیمی۔حضرت قیس ابن سعد رضی اللہ عنہ جب واپس تشریف لائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر کیا کہ میں حیرہ کے علاقے میں گیا تھا، میں نے دیکھا کہ وہاں کے عام لوگ اپنے بڑوں کو سجدہ کرتے ہیں فَاَنْتَ اَحَقُّ اَنْ نَسْجُدَ لَكَ "پس آپ زیادہ حق دار ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔" ظاہر بات ہے کہ صحابی ہیں، موحد ہیں، سجدۂ تعظیمی کی اجازت مانگ رہے ہیں، سجدۂ عبادت کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری شریعت میں کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت نہیں ہے اگر اجازت ہوتی تو میں عورت کو حکم دیتا کہ خاوند کو سجدہ کرے۔" کیونکہ خاوند کے بیوی پر بڑے حقوق ہیں۔لہٰذا ہماری شریعت میں سجدۂ تعظیمی جائز نہیں ہے اور اس شریعت میں جائز تھا۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور ابلیس کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو ﴿فَسَجَدُوْٓا﴾ پس انھوں نے فوراً سجدہ کیا اور

دوسرے مقام پر آتا ہے:﴿ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴾[الحجر:۳۰] "تمام فرشتوں نے اکٹھے سجدہ کیا۔" جیسے ہم جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اکٹھے رکوع، سجود کرتے ہیں۔کوئی فرشتہ سجدے سے خالی نہیں رہا﴿ اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ﴾ مگر ابلیس نے نہ کیا۔ یہ بھی اس وقت فرشتوں میں رہتا تھا﴿ لَمْ یَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ ﴾ نہ تھا وہ سجدہ کرنے والوں میں سے۔﴿ قَالَ ﴾ رب تعالیٰ نے فرمایا﴿ مَا مَنَعَكَ ﴾ تجھے کس چیز نے روکا﴿ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ﴾ اس بات سے کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ یہ﴿ اَمَرْتُكَ ﴾ کا جملہ بتلا رہا ہے کہ سجدے کا حکم جس طرح فرشتوں کو تھا، ابلیس کو بھی تھا۔﴿ قَالَ ﴾ کہا ابلیس نے﴿ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ﴾ میں بہتر ہوں آدم سے، بہتری کی دلیل کیا ہے﴿ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ ﴾ پیدا کیا تو نے مجھے آگ سے﴿ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ﴾ اور پیدا کیا تو نے آدم کو مٹی سے۔یہ ابلیسی منطق تھی رب تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں۔حالانکہ اگر فرشتے اس منطق سے کام لیتے تو ان کی منطق کا وزن زیادہ ہوتا، کیوں کہ وہ نوری مخلوق ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے خُلِقَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ نُّوْرٍ "فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔" اور نور کا درجہ نار سے زیادہ ہے۔لیکن یاد رکھنا! یہ نور جس سے فرشتے پیدا کیے گئے ہیں مخلوق ہے، رب تعالیٰ کی صفت نہیں ہے۔وہ نور جو رب تعالیٰ کی صفت ہے اس سے کوئی چیز نہیں نکلی۔تو فرشتے کہہ سکتے تھے کہ ہم خاکی کو کیوں سجدہ کریں؟ مگر وہ فرماں بردار تھے کوئی حجت نہیں گھڑی مگر ابلیس لعین اکڑ گیا اور حجت بازی شروع کر دی۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ان کی کتاب مثنوی شریف توحید، احیائے سنت اور تصوف کے ساتھ بھری ہوئی ہے۔مولانا اس واقعہ کو سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اور ایاز کے واقعہ کے ضمن میں سمجھاتے ہیں۔سلطان محمود غزنوی خلفائے راشدین کی صف میں سے تو نہیں تھا البتہ نیک عادل مجاہد قسم کا بادشاہ تھا۔جیسے: صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ یا سلطان بایزید رحمۃ اللہ علیہ نیک بادشاہ تھے۔خلافت کا مقام تو بہت اونچا ہے۔

سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجلس میں ایاز کو بٹھاتے تھے جو ایک نوعمر سا لڑکا تھا۔وزیروں نے اعتراض کیا کہ آپ اس نوعمر لڑکے کو بڑوں کی مجلس میں کیوں بٹھاتے ہیں؟ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ مسکرائے اور خاموش ہو گئے اور اپنے ملازم کو کہا کہ فلاں دن جب میں عدالت میں بیٹھوں گا تو ایک پتھر کی سل اور ہتھوڑا لا کر مجلس میں رکھ دینا۔اُس نے حکم کی تعمیل کی۔

سلطان محمود غزنوی نے جب سومنات کا مندر فتح کیا تھا تو یہاں سے بڑے قیمتی ہیرے اور لعل و جواہرات لے گیا تھا۔ ان میں سے ایک قیمتی ہیرا نکال کر دیا اور ایک وزیر کو کہا کہ ہیرے کو پتھر پر رکھ کر ہتھوڑے سے توڑ دے۔اس نے کہا بڑا قیمتی ہیرا ہے۔یہ توڑنے کے قابل نہیں ہے۔دوسرے کو کہا اس نے بھی یہی جواب دیا۔تیسرے، چوتھے، پانچویں، چھٹے وزیر کو کہا، سب نے یہی جواب دیا اور کسی وزیر مشیر نے وہ ہیرا نہ توڑا۔پھر ایاز سے کہا بیٹا! ہیرے کو توڑ دو۔اس نے ہیرا پتھر پر رکھ کر ہتھوڑے سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔سلطان محمود غزنوی نے کہا بیٹے ان کی بات تو تو نے سن لی تھی کہ یہ ہیرا بڑا قیمتی ہے تو تُو نے کیوں توڑ دیا؟ ایاز نے کہا حضرت! ایک طرف ہیرے کی قیمت تھی اور دوسری طرف میرے آقا کے حکم کی قیمت تھی اور آقا کے

حکم کی قیمت زیادہ تھی اس لیے میں نے اس کی تعمیل کی۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ یہ واقعہ بیان کر کے فرماتے ہیں کہ ابلیس کے ذہن میں تو ایاز جتنی بات بھی نہ آئی۔ چلو ایک منٹ کے لیے مان لو، فرض کر لو کہ وہ بہتر ہے مگر یہ نہ دیکھا کہ مجھے حکم کون دے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں اکڑ گیا اور اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

﴿قَالَ﴾ رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَاهْبِطْ مِنْهَا﴾ پس اُتر جا، نکل جا اس جنت سے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا ڈھانچا وادیٔ معرۃ النعمان جو عرفات کا ایک کونہ ہے میں بنایا گیا۔ پھر ڈھانچا جنت میں پہنچایا گیا اور روح جنت میں ڈالی گئی اور حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے یہیں جنت میں ہوئی تھی۔ تو رب تعالیٰ نے فرمایا اُتر جا ﴿فَمَا يَكُوْنُ لَكَ﴾ پس تجھے کوئی حق نہیں پہنچتا ﴿اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا﴾ یہ کہ تو تکبر کرے اس جنت میں رہ کر۔ یہ تو متواضعین کی جگہ ہے۔ متکبرین کی جگہ تو دوزخ ہے۔ ﴿فَاخْرُجْ﴾ فوراً نکل جا ﴿اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ﴾ بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے کہ تو نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی۔ ﴿قَالَ﴾ کہا ابلیس نے ﴿اَنْظِرْنِیْۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ تو مہلت دے مجھے اس دن تک جب یہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے یعنی مجھے موت نہ آئے کیوں کہ موت بڑی سخت چیز ہے۔

"کتاب الآثار" امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے اس میں یہ روایت منقول ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو فوت ہوئے کافی سال گزر گئے تھے کہ ان کے ساتھیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بِاِذْنِ اللہ زندہ کرو ہم ان سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بمع اپنے حواریوں کے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی قبر پر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: یٰیَحْیٰی قُمْ بِاِذْنِ اللہِ "اے یحییٰ علیہ السلام! اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھ کھڑا ہو۔" حضرت یحییٰ علیہ السلام قبر سے باہر نکل آئے۔ حواریوں نے دیکھا کہ ان کے سر کے بال آدھے سفید تھے۔ ساتھیوں نے پوچھا کہ حضرت! جب آپ کی وفات ہوئی تھی سر کے سارے بال کالے تھے اور اب آدھے سفید ہیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آواز دی قُمْ تو میں نے سمجھا قیامت آگئی ہے تو قیامت کے ہول سے میرے بال سفید ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا حضرت! اگر آپ چاہیں تو میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کروں کہ آپ کو کچھ عرصہ مزید دے۔ فرمایا معاف رکھنا! مجھے پہلی موت کی تلخی نہیں بھولی زندہ رہا تو پھر مروں گا۔ وہ تلخی کون برداشت کرے گا۔ موت بڑی سخت چیز ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کے پاس پانی پڑا تھا۔ اس میں ہاتھ ڈبو ڈبو کر ہونٹوں کو تر کرتے تھے اور فرماتے تھے اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰى سَكَرَاتِ الْمَوْتِ اے پروردگار! موت کی سختیوں میں میری مدد فرما۔ تو ابلیس نے کہا کہ تو مجھے اس دن تک زندہ چھوڑ دے جس وقت لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ ﴿قَالَ﴾ رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ﴾ بے شک تو مہلت دیے ہوؤں میں سے ہے۔ فرشتوں کو بھی مہلت ہے اور تجھے بھی۔ لیکن اس وقت تک نہیں جس وقت تک کی اس نے چھٹی مانگی ہے دوسری جگہ اس کی تفصیل ہے ﴿اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ﴾ [الحجر:۳۸] وقت معلوم تک یعنی نفخۂ اولیٰ تک جس میں ساری دنیا تباہ ہو گی اور وہ نفخہ ثانیہ تک مہلت مانگ رہا تھا کہ موت سے بچ جاؤں۔ جب دوسرے لوگ

کھڑے ہوں میں بھی کھڑا ہو جاؤں۔ نفخہ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ کے درمیان چالیس سال تک وقفہ ہوگا

آگے ابلیس کی منطق دیکھو کیا کہہ رہا ہے ﴿قَالَ﴾ کہا ابلیس نے ﴿فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ﴾ پس بہ سبب اس کے کہ تو نے گمراہ کیا ہے۔ دیکھو! اپنے ذمے کچھ نہیں لیا کہ میرا بھی کوئی جرم ہے۔ رب سے خطاب کر کے کہہ رہا ہے تو نے مجھے گمراہ کیا ہے۔ ﴿لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ﴾ البتہ میں ضرور بیٹھوں گا ان کے لیے ﴿صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ تیرے سیدھے راستے پر ﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ﴾ پھر میں آؤں گا ان کے پاس جو سیدھے راستے پر چلیں گے ﴿مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ﴾ ان کے آگے سے ﴿وَمِنْ خَلْفِهِمْ﴾ اور ان کے پیچھے سے آؤں گا ﴿وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ﴾ اور ان کے دائیں طرف سے آؤں گا ﴿وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ﴾ اور ان کے بائیں طرف سے آؤں گا یعنی ہر طرف سے ان پر حملہ آور ہوں گا۔ ابلیس کو فوق کا لفظ یاد نہیں رہا کہ اوپر بھی تو ایک طرف ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی رحمت کے لیے راستہ رہ گیا ﴿وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ﴾ اور نہیں پائے گا تو ان میں سے اکثروں کو شکر گزار۔ اکثریت ہمیشہ گمراہ ہوگی۔ کہتے ہیں کہ اس وقت دنیا کی کل آبادی ساڑھے پانچ ارب کے قریب ہے۔ ان میں سے سوا ارب مسلمان ہیں۔ وہ بھی کلمہ پڑھنے والے۔ باقی ان میں سے صحیح معنیٰ میں مسلمان کتنے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ واقعات ہمیں سمجھانے کے لیے بتائے ہیں کہ شیطان کے راستے پر نہ چلنا، رحمان کے راستے پر چلنا۔ رب تعالیٰ سب کو اپنے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ [آمین]

﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿اخْرُجْ مِنْهَا﴾ نکل جاؤ یہاں سے ﴿مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا﴾ مذمت کیا ہوا، پھٹکارا ہوا ﴿لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ﴾ البتہ جو شخص پیروی کرے گا تیری ان میں سے ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ میں ضرور بھروں گا جہنم کو تم سب سے ﴿وَيٰٓاٰدَمُ﴾ اور اے آدم ﴿اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ﴾ ٹھہرو تم اور تمھاری بیوی ﴿الْجَنَّةَ﴾ جنت میں ﴿فَكُلَا﴾ پس کھاؤ ﴿مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا﴾ جہاں سے چاہو تم دونوں ﴿وَلَا تَقْرَبَا﴾ اور قریب نہ جانا تم دونوں ﴿هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ اس درخت کے ﴿فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ پس ہو جاؤ گے زیادتی کرنے والوں میں سے ﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ﴾ پس وسوسہ ڈالا دونوں کے لیے شیطان نے ﴿لِيُبْدِيَ لَهُمَا﴾ تاکہ ظاہر کر دے ان دونوں کے لیے ﴿مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا﴾ وہ چیز جو چھپائی گئی ہے ان دونوں سے، ان کی شرم گاہ سے ﴿وَقَالَ﴾ اور کہا شیطان نے ﴿مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا﴾ نہیں منع کیا تم دونوں کو تمہارے رب نے ﴿عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ﴾ اس درخت سے ﴿اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ﴾ مگر یہ کہ ہو جاؤ تم فرشتے ﴿اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ﴾ یا ہو جاؤ تم ہمیشہ رہنے والوں میں سے ﴿وَقَاسَمَهُمَآ﴾ اور قسم اٹھائی ابلیس نے ان دونوں کے سامنے

﴿اِنِّیۡ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیۡنَ﴾ بے شک میں دونوں کے لیے خیر خواہوں میں سے ہوں ﴿فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوۡرٍ﴾ پس اُتار لایا ان دونوں کو دھوکے کے ساتھ ﴿فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ﴾ پس جس وقت چکھا ان دونوں نے درخت کو ﴿بَدَتۡ لَهُمَا سَوۡاٰتُهُمَا﴾ ظاہر ہو گئیں ان دونوں کے سامنے ان دونوں کی شرمگاہیں ﴿وَطَفِقَا﴾ اور شروع کیا ان دونوں نے ﴿یَخۡصِفٰنِ عَلَیۡهِمَا﴾ جوڑنے لگ گئے اپنے اوپر ﴿مِنۡ وَّرَقِ الۡجَنَّةِ﴾ جنت کے پتوں سے ﴿وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ﴾ اور پکارا ان دونوں کو، ان دونوں کے پروردگار نے ﴿اَلَمۡ اَنۡهَكُمَا﴾ کیا میں نے تم دونوں کو منع نہیں کیا تھا ﴿عَنۡ تِلۡكُمَا الشَّجَرَةِ﴾ اس درخت سے ﴿وَاَقُلۡ لَّكُمَاۤ﴾ اور نہیں کہا تھا میں نے تم دونوں کو ﴿اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ﴾ کہ بے شک شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے ﴿قَالَا﴾ کہا ان دونوں نے ﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے رب! ﴿ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا﴾ ہم نے زیادتی کی اپنی جانوں پر ﴿وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا﴾ اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا ﴿وَتَرۡحَمۡنَا﴾ اور ہم پر رحم نہیں کرے گا ﴿لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ﴾ تو البتہ ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

پچھلے سبق میں آپ حضرات نے پڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا ڈھانچا بنایا اور اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ اس میں روح پھونکی۔ ان میں زندگی اور حیات آ گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور ابلیس کو حکم دیا کہ آدم کو سجدۂ تعظیمی کرو۔ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس اکڑ گیا اور کہنے لگا، میں اس سے بہتر ہوں اس کو سجدہ کیوں کروں۔ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے۔

﴿قَالَ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اخۡرُجۡ مِنۡهَا مَذۡءُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا﴾ نکل جا یہاں سے مذمت کیا ہوا، پھٹکارا ہوا۔ تجھے میں نے رحمت سے دور کر دیا آج بُرے سے بُرے کام کرنے والا بھی شیطان کو بُرا سمجھتا ہے چاہے وہ خود شیطانی کاموں میں ڈوبا ہوا ہو مگر شیطان کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔ فرمایا ﴿لَمَنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ﴾ البتہ جو شخص پیروی کرے گا تیری انسانوں میں سے ﴿لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ﴾ میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو تم سب سے۔ جو تیری پیروی کریں گے وہ سب دوزخ میں جائیں گے۔

پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ آدم علیہ السلام کا ڈھانچا زمین پر وادی معرۃ النعمان میں جو عرفات کا ایک کونہ ہے، میں بنایا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے اس کو جنت میں پہنچایا اور اس میں روح پھونکی گئی۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا اور فرمایا ﴿وَیٰۤاٰدَمُ﴾ اے آدم! ﴿اسۡكُنۡ اَنۡتَ وَزَوۡجُكَ الۡجَنَّةَ﴾ ٹھہرو تم اور تمہاری بیوی جنت میں ﴿فَكُلَا مِنۡ حَیۡثُ شِئۡتُمَا﴾ پس کھاؤ جہاں سے چاہو تم دونوں۔ جنت میں بے شمار درخت ہیں ہر قسم کا پھل ہر قسم کا میوہ کھا سکتے ہو لیکن ﴿وَ

﴿لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ اور قریب نہ جانا تم دونوں اس درخت کے۔ بعض کہتے ہیں کھجور کا درخت تھا، بعض کہتے ہیں انگور کا درخت تھا، بعض کہتے ہیں بادام کا درخت تھا، بعض کہتے ہیں اخروٹ کا درخت تھا اور بعض کہتے ہیں املوک کا درخت تھا۔ لیکن جمہور مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ گندم کا درخت تھا۔ دنیا میں گندم کے درخت نہیں ہوتے چھوٹے چھوٹے پودے ہوتے ہیں۔ لیکن جنت میں گندم کے بڑے بڑے درخت ہوں گے۔

تو فرمایا کہ اس درخت کے قریب نہ جانا کیونکہ اگر تم نے اس درخت کا پھل کھالیا تو ﴿فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ پس ہو جاؤ گے زیادتی کرنے والوں میں سے ﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ﴾ پس وسوسہ ڈالا دونوں کے لیے شیطان نے۔ سوال یہ ہے کہ ابلیس کو تو جنت سے نکال دیا گیا تھا اور وہ دونوں جنت میں رہتے ہیں تو ابلیس نے ان کے دلوں میں وسوسہ کس طرح ڈالا؟ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ اور دوسرے مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جنت کے دروازے سے اندر داخلہ ممنوع تھا باہر کھڑا ہو سکتا تھا۔ آدم اور حوا علیہما السلام جنت کے اندر تھے اور یہ دروازے سے باہر تھا۔ جیسے عموماً لوگ دروازے سے باہر کھڑے ہو کر گھر والوں سے گفتگو کرتے ہیں اس نے بھی کی۔

وہ وسوسہ کیا تھا اس کا ذکر آگے آرہا ہے لیکن وسوسہ قبول کرنے کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ ﴿لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا﴾ تاکہ ظاہر کر دے ان دونوں کے لیے وہ چیز جو چھپائی گئی ہے ان دونوں سے ﴿مِنْ سَوْاٰتِهِمَا﴾ ان کی شرم گاہوں سے یعنی اس پھل کھانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے جنت کا لباس چھین لیا۔ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام دونوں بالکل ننگے ہو گئے۔

مسئلہ یہ ہے کہ مرد کا ناف سے لیکر گھٹنوں تک کا حصہ ستر ہے اس کا چھپانا فرض ہے اور عورت کا سارا بدن سوائے ہاتھ پاؤں اور چہرے کے سارا ستر ہے۔ اس کا چھپانا فرض ہے۔ چند مقام ایسے ہیں جہاں ننگے ہونے کی اجازت ہے۔ حاجت کے وقت، میاں بیوی کے ملنے کے وقت، غسل کے وقت، اس کے علاوہ کسی مقام پر ننگا ہونا جائز نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: يَا عَلِيُّ لَا تَنْظُرْ اِلٰى فَخِذِ حَيٍّ وَّلَا مَيِّتٍ "اے علی! کسی زندہ آدمی کی ران کو بھی نہیں دیکھنا اور کسی مردے آدمی کی ران کو بھی نہیں دیکھنا۔"

غسلِ میت

اسی لیے مردے کو غسل دیتے وقت ناف سے لے کر گھٹنوں تک کپڑا ڈال دینا سنت ہے تاکہ اس کی ران پر نگاہ نہ پڑے۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس شخص نے کسی مردے کو غسل دیا تو اللہ تعالیٰ اس کے چالیس کبیرہ گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ یعنی مردے کو غسل دینا بڑی عبادت ہے۔ اور یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ جو امام مردوں کو غسل دے اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ مجھے آج تک یہ مسئلہ کسی کتاب میں نہیں ملا۔ ہاں! بعض لوگوں نے اس کو پیشہ بنایا ہوا ہے اور نیک، بد میتوں کو غسل دیتے ہیں، یہ بُرا ہے۔ اور ایک ہے احیاناً کبھی کبھی کسی کو غسل دینا، یہ کارِ ثواب ہے۔

تو فرمایا کہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی شرمگاہیں ننگی ہوگئیں۔ ابلیس کا وسوسہ کیا تھا؟ وہ یہ تھا ﴿وَقَالَ﴾ اور کہا ابلیس نے ﴿مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ﴾ نہیں منع کیا تم دونوں کو تمھارے رب نے اس درخت سے ﴿إِلَّآ أَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ﴾ مگر یہ کہ ہو جاؤ تم فرشتے۔ یعنی اس درخت کی تاثیر یہ ہے کہ اس کا پھل کھانے سے تم فرشتے بن جاؤ گے ﴿أَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ﴾ یا ہو جاؤ گے تم ہمیشہ رہنے والوں میں سے کہ تم اس درخت کا پھل چکھو گے تو ہمیشہ جنت میں رہو گے ورنہ یہاں سے نکال دیے جاؤ گے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے ذہول ہوگیا اور اس طرف دھیان نہ گیا کہ فرشتہ بن جاؤں گا تو پھر کیا ہو جائے گا فرشتوں نے تو مجھے سجدہ کیا ہے اور اس نے دوسری منطق یہ لڑائی کہ پھل چکھو تو ہمیشہ جنت میں رہو گے ورنہ یہاں سے نکال دیے جاؤ گے۔ تو یہ حرص اور لالچ مار گئی۔

﴿وَقَاسَمَهُمَآ﴾ اور قسم اٹھائی ابلیس نے ان دونوں کے سامنے ﴿إِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ﴾ بے شک میں تم دونوں کے لیے خیر خواہوں میں سے ہوں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خطا کی ایک وجہ تو ابلیس کی قسم تھی کہ اس نے رب تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ آدم علیہ السلام نے سوچا کہ یہ رب تعالیٰ کی قسم اٹھا کر تو جھوٹ نہیں بولے گا تو قسم سے مغالطہ کھا گئے۔

دوسری وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے ﴿لَا تَقْرَبَا﴾ کی نہی کو نہی تنزیہی خیال فرمایا کہ تنزیہی ہے تحریمی نہیں ہے۔ تنزیہی کا مطلب ہے کہ اس سے بچ جانا بہتر ہے لیکن اگر کوئی کرے تو گناہ بھی نہیں ہے۔ اور نہی تحریمی کا مطلب ہے کہ اس کے قریب نہ جاؤ۔

تیسری وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ اس درخت کے قریب نہ جاؤ۔ تو اُنھوں نے سمجھا کہ خاص جس درخت کی طرف اشارہ فرمایا ہے یہ مراد ہے کہ اس کے قریب نہیں جانا چنانچہ اس کے قریب نہیں گئے۔ اسی جنس کے دوسرے درخت سے پھل کھایا لیکن اللہ تعالیٰ کی مراد یہ تھی کہ اس جنس کے جتنے درخت ہیں وہ سب ممنوع ہیں۔

چوتھی وجہ معالم التنزیل والے یہ بیان فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ شاید اللہ تعالیٰ نے پہلا حکم منسوخ کر دیا ہے۔ ابلیس کو اس کی منسوخی کا علم ہوگیا ہے مجھے علم نہیں ہوا۔

بہرحال کوئی بھی وجہ ہو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ﴾ پس اتار لایا ان دونوں کو دھوکے کے ساتھ جنت سے۔ قسم بھی دھوکہ دینے کے لیے کھائی اور تمام باتیں فریب والی کہیں ﴿فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ﴾ پس جب ان دونوں نے چکھا اس درخت کے پھل کو ﴿بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا﴾ ظاہر ہوگئیں ان دونوں کے سامنے ان دونوں کی شرم گاہیں۔ جنت کا لباس اتار لیا گیا اور دونوں کی شرم گاہیں ننگی ہوگئیں ﴿وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ﴾ اور ان دونوں نے اپنے اُوپر جنت کے پتے جوڑنے شروع کیے تاکہ ان کی شرم گاہیں چھپی رہیں۔ اس آیت کریمہ کی تشریح میں تفسیروں میں بھی لکھا ہے اور احادیث میں بھی آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جس درخت کے قریب جاتے رب تعالیٰ کی قدرت کہ اس کی ٹہنیاں اونچی ہو جاتی تھیں۔ کسی درخت نے

پتے نہ لینے دیے۔ بالآخر انجیر کے درخت نے سخاوت کی اور پتے لینے دیے۔ ان پتوں سے اُنھوں نے ستر پوشی کی۔

اور پکارا ان دونوں کو، ان دونوں کے پروردگار نے

﴿وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ﴾ اور پکارا ان دونوں کو ان کے پروردگار نے ﴿اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ﴾ کیا میں نے تم دونوں کو منع نہیں کیا تھا اس درخت سے ﴿وَ اَقُلْ لَّكُمَاۤ﴾ اور نہیں کہا تھا میں نے تم دونوں کو ﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ﴾ کہ بے شک شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اس سے محتاط رہنا۔ مگر پھر بھی تم اس کے بہکاوے میں آگئے ﴿قَالَا رَبَّنَا﴾ کہا ان دونوں نے اے ہمارے رب! ﴿ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا﴾ ہم نے زیادتی کی اپنی جانوں پر۔

اقرارِ غلطی:

اپنی غلطی کا اقرار کرلیا کوئی بہانہ اور ابلیس کی طرح حجت بازی نہیں کی۔ غیر مشروط طور پر کہا اے پروردگار! ہم سے غلطی ہوئی ہے۔ یہی انسان کی شان ہے اور نیک آدمی کی شرافت ہے کہ غلطی ہو تو اس کو تسلیم کر لیتا ہے اور برا آدمی ابلیس کی طرح اکڑ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے کیا کیا ہے، میری کیا غلطی ہے؟

تو فرمایا کہ ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے ﴿وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا﴾ اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا، ہماری غلطی کو ﴿وَ تَرْحَمْنَا﴾ اور ہم پر اپنی رحمت نازل نہیں کرے گا ﴿لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ تو البتہ ہم نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

پہلے پارے میں آتا ہے ﴿فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ﴾ "پس حاصل کیے آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے کچھ کلمات تو اللہ تعالیٰ نے ان کا قصور معاف کردیا۔" جن کلمات کے ساتھ آدم اور حوا علیہما السلام نے معافی مانگی، یہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذہن میں ڈالے اور انھوں نے اپنی لغزش سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے معاف کردیا کہ تمہاری لغزش ہے لیکن میں تمھیں معاف کرتا ہوں۔ انسان سے جب بھی کوئی غلطی ہو تو اس پر اکڑنا نہیں چاہیے۔

فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ صغیرہ گناہ بار بار کرنے سے کبیرہ ہو جاتے ہیں اور کبیرہ گناہ پر اصرار کرنے سے بسا اوقات کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ لہٰذا غلطی جیسی بھی ہو، قولی ہو یا فعلی ہو آدمی کو چاہیے کہ اس کا اقرار کرے اور رب تعالیٰ سے فوراً معافی مانگے۔

﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ اُتر جاؤ بعض تمہارے بعض کے دشمن ہوں گے ﴿وَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ﴾ اور تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنے کی جگہ ہے ﴿وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ﴾ اور فائدہ اٹھانا ہے ایک وقت تک ﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿فِیْهَا تَحْیَوْنَ﴾ اسی زمین میں تم زندہ رہو گے ﴿وَ فِیْهَا تَمُوْتُوْنَ﴾ اور اسی میں تم مرو گے ﴿وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ﴾ اور اسی زمین سے تم نکالے جاؤ گے ﴿یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ﴾ اے آدم علیہ السلام

کی اولاد ﴿قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا﴾ تحقیق ہم نے اُتارا تمہارے لیے لباس ﴿يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ﴾ جو چھپاتا ہے تمہاری شرمگاہوں کو ﴿وَرِيْشًا﴾ اور زینت کا ذریعہ ہے ﴿وَلِبَاسُ التَّقْوٰى﴾ اور تقوے کا لباس ﴿ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ وہ بہت ہی بہتر ہے ﴿ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ہے ﴿لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ اے آدم علیہ السلام کی اولاد ﴿لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ﴾ ہرگز فتنے میں نہ ڈالے تم کو شیطان ﴿كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ﴾ جیسا کہ اس نے نکالا تمھارے ماں باپ کو جنت سے ﴿يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا﴾ کھینچ لیا اس نے ان دونوں سے لباس ﴿لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا﴾ تاکہ دکھائے ان کو ان کی شرمگاہیں ﴿اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ﴾ بے شک وہ دیکھتا ہے تم کو ﴿هُوَ وَقَبِيْلُهٗ﴾ وہ اور اس کا قبیلہ ﴿مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ﴾ جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھتے ﴿اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ﴾ بے شک ہم نے بنادیا ہے شیطان کو دوست ﴿لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے جو ایمان نہیں لاتے ﴿وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً﴾ اور جس وقت کرتے ہیں وہ بے حیائی ﴿قَالُوْا﴾ کہتے ہیں ﴿وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا﴾ پایا ہم نے اس پر اپنے باپ دادا کو ﴿وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ حکم نہیں دیتا بے حیائی کا ﴿اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ﴾ کیا تم کہتے ہو اللہ تعالیٰ پر ﴿مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ وہ بات جس کو تم نہیں جانتے۔

گزشتہ درس میں آپ حضرات نے پڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کو جنت میں ایک درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا۔لیکن اُنھوں نے غلطی سے اس کو چکھ لیا جس پر اللہ تعالیٰ نے ناراضی کا اظہار فرمایا کہ کیا میں نے تمھیں منع نہیں کیا تھا کہ اس درخت کے قریب نہ جانا۔حضرت آدم اور حضرت حوا علیہا السلام نے بغیر کسی بہانے اور حجت کے معافی مانگی ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾ دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنے نفسوں کے ساتھ زیادتی کی ہے ﴿وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ اور اگر آپ ہمیں نہیں بخشیں گے اور ہم پر رحم نہیں کریں گے تو ہم گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔رب تعالیٰ نے معاف کر دیا اور جنت سے اُترنے کا حکم دیا۔

﴿قَالَ﴾ فرمایا رب تعالیٰ نے ﴿اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ اتر جاؤ بعض تمہارے بعض کے دشمن ہوں گے ﴿اهْبِطُوْا﴾ جمع کا صیغہ ہے۔اس میں حضرت آدم اور حضرت حوا علیہا السلام اور ان سے آگے جو نسل ہونے والی تھی سب کو خطاب ہے۔اس اعتبار سے جمع کا صیغہ لائے ہیں۔انسان کی انسان کے ساتھ دشمنی تو ظاہر بات ہے۔انسان، انسان کا گلا کاٹ رہا ہے اور اس وقت دنیا میں انسان کے ہاتھوں انسانوں کی جو تباہی ہو رہی ہے وہ بھی سب کے سامنے ہے۔

فرمایا ﴿وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ﴾ اور تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنے کی جگہ ہے ﴿وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ﴾ اور فائدہ اٹھانا

ہے ایک وقت تک ﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿فِيهَا تَحْيَوْنَ﴾ اسی زمین میں تم زندہ رہو گے ﴿وَفِيهَا تَمُوتُونَ﴾ اور اسی میں تم مرو گے ﴿وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ﴾ اور اسی زمین سے تم نکالے جاؤ گے۔ یہ اکثریتی قاعدہ ہے کہ انسان نے زمین پر زندہ رہنا ہے اور یہیں مرنا ہے اور زمین ہی سے نکالا جائے گا۔ اگر کچھ جزئیات اس کے خلاف ہوں تو اس قاعدہ پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ جیسا کہ مرزائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اعتراض کرتے ہیں کہ ان کا آسمانوں پر زندہ رہنا ﴿فِيهَا تَحْيَوْنَ﴾ کے خلاف ہے۔ کیوں کہ اہل حق کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ ہی آسمانوں پر اٹھالیا گیا تھا اور وہ اب دوسرے آسمان پر تشریف فرما ہیں قیامت سے پہلے نازل ہوں گے۔ دجال کو قتل کریں گے، یہود کے ساتھ لڑیں گے اور نصاریٰ کے ساتھ بھی لڑائی ہوگی۔ جن علاقوں میں عیسیٰ علیہ السلام کا اثر ورسوخ ہوگا وہاں پر ایک بھی کافر باقی نہیں رہے گا اور چالیس سال تک حکومت کریں گے۔ اس کے بعد ان کی وفات ہوگی۔

انگریز کے دور میں مرزائیوں کا بڑا زور تھا اور اب بھی ہے۔ بیرون ممالک میں بھی اڈے قائم کیے ہوئے ہیں اور انتہائی زور وشور سے تبلیغ کرتے ہیں۔ تو وہ اہل حق کے اس عقیدے پر اعتراض کرتے ہیں کہ دیکھو جی! تم کہتے ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ ہیں اور رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فِيهَا تَحْيَوْنَ﴾ اسی زمین میں تم زندہ رہو گے۔ تو وہ آسمانوں پر کس طرح زندہ ہیں؟ تو اہل حق جواب دیتے ہیں کہ یہ اکثریتی ضابطہ ہے۔ اگر کوئی جزئی اس کے خلاف ہو تو اس ضابطہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

دیکھو! امریکہ اور روس نے جو خلائی جہاز بنائے ہیں۔ ان میں لوگ مہینوں تک زندہ رہتے ہیں۔ اسی طرح امریکہ نے چاند پر اپنے آدمی اُتارے، وہ چاند پر رہے، وہیں انھوں نے کھایا، پیا اور زندہ رہے۔ تو اس سے ضابطے پر کیا فرق پڑا کہ اکثریت زمین پر زندہ رہتی ہے اور اکثریت زمین پر مرتی ہے۔ ورنہ ایسے لوگ بھی ہیں جو دریاؤں میں مرتے ہیں مچھلیاں اور مگر مچھ ان کو کھا جاتے ہیں۔ تو اگر کچھ جزئیات خلاف ہوں تو ضابطے پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَبَنِيٓ اٰدَمَ﴾ اے آدم علیہ السلام کی اولاد! ﴿قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا﴾ تحقیق ہم نے اُتارا تمہارے لیے لباس۔ اُتارنے کا مطلب یہ ہے کہ لباس جن چیزوں سے تیار ہوتا ہے۔ مثلاً: کپاس ہے کہ اس کے پودوں کے لیے بارش اللہ تعالیٰ نازل فرماتے ہیں۔ تو گویا اصل مادہ بارش ہے جو آسمان کی طرف سے اُتاری گئی۔ اسی طرح اُون ہے، پشم ہے کہ اس سے لباس بنتا ہے۔ تو جن جانوروں سے اُون اور پشم حاصل ہوتی ہے ان کی خوراک گھاس اور چارا ہے اور یہ بھی بارش کے سبب سے پیدا ہوتا ہے اور بارش آسمان کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔ تو گویا تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف سے اُتاری ہیں۔ یہ معنیٰ ہے لباس کے اُتارنے کا۔

دوسرے مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿اَنْزَلْنَا﴾ کا معنیٰ خَلَقْنَا بھی آتا ہے۔ اس وقت معنیٰ ہوگا ہم نے پیدا کیا تمہارے لیے لباس ﴿يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ﴾ جو چھپاتا ہے تمہاری شرم گاہوں کو ﴿وَرِيْشًا﴾ اور تمہارے لیے زینت کا ذریعہ ہے۔ شرعی دائرے میں رہتے ہوئے مرد وخواتین حضرات اچھے سے اچھا صاف ستھرا لباس پہن سکتے ہیں۔ اچھا لباس بھی

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ اور اچھے لباس کی توفیق ہوتے ہوئے ادنیٰ لباس پہننے کو شریعت پسند نہیں کرتی۔

ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا۔ کپڑے اس کے پھٹے پرانے اور میلے کچیلے تھے۔ سر کے بال بکھرے ہوئے اور ان میں مٹی پڑی ہوئی تھی جیسے چڑیل ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا او خدا کے بندے! تیرے پاس صابن نہیں کہ تو کپڑے دھولے، تیرے پاس تیل نہیں کہ تو سر کو لگا کر کنگھی کر لے۔ اس نے کہا میرے اوپر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔ اتنے اونٹ ہیں، اتنی بکریاں ہیں، اتنی بھیڑیں ہیں، اتنے میرے غلام ہیں اور اتنی میری دکانیں ہیں، بڑا وسیع کاروبار ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں فَلْيُرٰى اَثَرُ نِعْمَتِهٖ عَلَيْكَ تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اثر تیرے بدن پر نظر آنا چاہیے۔

تو اچھا اور ستھرا لباس پہننا، شرعی دائرے میں رہتے ہوئے، یہ رب تعالیٰ کی نعمتوں کا عملی طور پر شکر یہ ہے۔ تو یہ ظاہری لباس ہے۔ اور ایک دوسرا لباس بھی ہے ﴿وَلِبَاسُ التَّقْوٰى﴾ اور تقوے کا لباس ﴿ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ وہ بہت ہی بہتر ہے۔ جس طرح تم ظاہری لباس کی حفاظت کرتے ہو کہ صاف ستھرا ہو کوئی داغ دھبہ نہ لگا ہوا ہو، اس پر کوئی چھینٹ وغیرہ نہ پڑی ہوئی ہو، اسی طرح تقوے کے لباس کا بھی خیال کرو کہ جھوٹ نہ بولو، کسی کی غیبت نہ کرو، گالی نہ دو، دوسرے کا مال نہ کھاؤ، کسی کے خلاف ناجائز کارروائی نہ کرو، اپنے جذبات پر کنٹرول رکھو، کیوں کہ یہ تمام چیزیں لباسِ تقویٰ کو تار تار کرنے والی چیزیں ہیں۔ لہٰذا ہر مرد اور ہر عورت کو یہ عزم کرنا چاہیے کہ میں برائی نہیں کروں گا، نہ قولاً نہ فعلاً۔ ﴿ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔ اس لیے بیان کیا ہے ﴿لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور اس پر عمل کریں۔

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ اے آدم علیہ السلام کی اولاد ﴿لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ﴾ ہرگز فتنے میں نہ ڈالے تم کو شیطان ﴿كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ﴾ جیسا کہ اس نے نکالا تمہارے ماں باپ کو جنت سے یعنی جنت سے نکالنے کا سبب بنا کہ دھوکے سے وہ پھل کھلا دیا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو جنت سے نکال دیا۔ لہٰذا کہیں تم اس کے دھوکے میں نہ آجانا ﴿يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا﴾ کھینچ لیا اس نے ان دونوں سے لباس۔ یعنی اترنے کا سبب بنا کہ شیطان نے کہا کہ اس درخت سے کھالو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا لباس بھی سلب ہو گیا۔ اتارا اللہ تعالیٰ نے ﴿لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا﴾ تاکہ دکھائے ان کو ان کی شرم گاہیں۔ ظاہر بات ہے کہ لباس اُتر جائے تو شرم گاہیں نظر آتی ہیں ﴿اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ﴾ بے شک وہ دیکھتا ہے تم کو وہ اور اس کا قبیلہ، برادری ﴿مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ﴾ جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھتے۔

یقین جانو! جنات ہر جگہ کثرت سے موجود ہیں۔ ناری مخلوق ہے۔ ان میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی ہیں، ہندو اور سکھ وغیرہ بھی ہیں۔ قرآن کریم میں مستقل سورت ہے، سورت جن۔ اس میں جنات کا اپنا بیان ہے ﴿مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا﴾ "ہم میں نیک بھی ہیں یعنی مسلمان اور کوئی اور طرح کے یعنی کافر۔ ہمارے کئی طرح کے مذہب ہیں۔" ان میں جو مومن ہیں وہ ہماری طرح نماز، روزہ اور دوسری دین کی باتوں کی پابندی کرتے ہیں۔ جیسے ہم کرتے ہیں۔ وہ ہمیں دیکھتے

ہیں اور ہم ان کو نہیں دیکھتے اور کسی وقت جنات اصل شکل میں یا کسی حیوان کی شکل میں آئیں تو انکار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے مختلف شکلیں بدلنے کا اختیار دیا ہے۔ لہٰذا بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ میں نے سانپ دیکھا یا مرغی دیکھی یا بکری اور پھر وہ غائب ہوگئی، یہ ٹھیک ہے۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ ایک نوجوان صحابی کی نئی نئی شادی ہوئی تھی غزوہ خندق کے موقع پر، دوپہر کے وقت کہنے لگا حضرت! مجھے تھوڑی دیر کے لیے اجازت دیں کہ میں گھر جا کر کچھ کھانے پکانے کے لیے دے آؤں۔ میرے گھر میں صرف میری بیوی ہے جس کو میں بیاہ کر لایا ہوں۔ گھر میں کوئی اور چھوٹا بڑا فرد نہیں ہے اور وہ ناواقف ہے بازار نہیں جا سکتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ لیکن ہوشیاری کے ساتھ اور ہتھیار ساتھ لے کر جاؤ کہیں یہود تجھ پر بے خبری میں حملہ نہ کر دیں۔ یہ نوجوان جب گھر گیا تو دیکھا بیوی گھر کے دروازے پر اس طرح کھڑی ہے جیسے کسی کو جھانک رہی ہے، کسی کا انتظار کر رہی ہے۔ اس کو بڑا غصہ آیا، غیرت آئی کہ کل ہی تو میں اس کو بیاہ کر لایا ہوں اور آج اس نے باہر جھانکنا شروع کر دیا ہے۔ اس نے تیر کمان میں رکھ کر سیدھا کیا اس کو مارنے کے لیے۔

اس عورت نے کہا اللہ کے بندے! جلد بازی سے کام نہ لو پہلے میری مجبوری سن لو۔ تو نوجوان رک گیا۔ عورت نے کہا کہ ایک ہی کمرہ تھا اور اس میں ایک اژدہا بل ڈال کر بیٹھ گیا اور اپنا پھن اوپر اٹھا لیا۔ میں بھاگ کر دروازے پر آئی کہ کوئی آدمی نظر آئے تو اس کو کہوں۔ ورنہ میں نہ بدنیت ہوں اور نہ بُری ہوں۔ نوجوان سمجھ گیا کہ واقعی مجبوری تھی۔ دروازے پر کھڑے ہو کر نوجوان نے سانپ کو نیزہ مارا۔ سانپ بھی مر گیا اور ساتھ ہی خود بھی مر گیا۔ اس کی برادری آنحضرت ﷺ کے پاس آئی کہ حضرت! آپ اس کے لیے دعا کریں کہ یہ زندہ ہو جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ زندہ تو قیامت والے دن ہوگا تم اس کو جا کر دفنا دو۔ فرمایا اگر گھر میں سانپ نظر آئے خصوصاً سفید رنگ کا فَتَحَرَّجُوْا عَلَیْهِ ثَلٰثًا تین دفعہ اس کو خبردار کرو۔ پھر بھی اگر غائب نہ ہو اور شکل بھی نہ بدلے تو اس کو قتل کر دو۔ تو جنات مختلف شکلوں میں آ سکتے ہیں۔ وہ اب ہمیں دیکھ کر ہنستے ہوں گے کہ ہماری باتیں ہو رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ﴾ بے شک ہم نے بنا دیا ہے شیطان کو دوست ﴿لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے جو ایمان نہیں لاتے ﴿وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً﴾ اور جس وقت کرتے ہیں وہ بے حیائی ﴿قَالُوْا﴾ کہتے ہیں ﴿وَجَدْنَا عَلَیْهَآ اٰبَآءَنَا﴾ پایا ہم نے اس پر اپنے باپ دادا کو ﴿وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔

بخاری وغیرہ میں روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ، مرد عورتیں، مادرزاد ننگے ہو کر طواف کرتے تھے۔ پہلوانوں کی طرح تھوڑا کپڑا اگلی طرف اور تھوڑا سا پچھلی طرف رکھ لیتے تھے۔ ہاں! اگر قریش ان کو کپڑا دے دیتے تو وہ پہن لیتے تھے اور جب ان سے پوچھا جاتا کہ اس طرح کیوں کرتے ہو؟ تو کہتے ہمارے باپ دادا اسی طرح کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے اور دلیل یہ دیتے تھے کہ ہم جب ماں باپ کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے تو کون سا سوٹ پہن کر آئے تھے لہٰذا جس

حالت میں پیدا ہوئے تھے اسی حالت میں طواف کریں گے۔ بعض کہتے تھے کہ کپڑا بھی دنیا کی شے ہے رقم سے ملتا ہے۔ لہٰذا ہم دنیا دار ہو کر کعبۃ اللہ کا طواف کیوں کریں؟ بعض یہ جواب دیتے تھے کہ ان کپڑوں میں ہم نے گناہ کیے ہیں تو گناہ والے کپڑوں میں طواف کیوں کریں؟ اگر یہ منطق ان کی صحیح تھی تو جن اعضاء کے ساتھ گناہ کیے ہیں ان کو کاٹ کر طواف کرتے۔ تو عجیب عجیب منطق لڑاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔

﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہہ دیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ حکم نہیں دیتا بے حیائی کا ﴿اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ کیا تم کہتے ہو اللہ تعالیٰ پر وہ بات جو تم نہیں جانتے۔ یہ سب تمہاری خود ساختہ بے حیائی کی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ [آمین]

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ﴾ حکم دیا ہے میرے رب نے انصاف کا ﴿وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ اور قائم رکھو اپنے چہروں کو ﴿عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ ہر مسجد کے پاس ﴿وَّادْعُوْهُ﴾ اور پکارو اس کو ﴿مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ خالص کرتے ہوئے اس کے لیے دین کو ﴿كَمَا بَدَاَكُمْ﴾ جیسے اس نے ابتداءً تمھیں پیدا کیا ہے ﴿تَعُوْدُوْنَ﴾ اسی طرح تم دوبارہ لوٹو گے ﴿فَرِيْقًا هَدٰى﴾ ایک گروہ کو اس نے ہدایت دی ہے ﴿وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ﴾ اور ایک گروہ ایسا ہے جس پر گمراہی لازم ہو چکی ہے ﴿اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ﴾ بے شک انھوں نے بنا لیا شیطانوں کو ﴿اَوْلِيَآءَ﴾ دوست ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ سے درے درے ﴿وَيَحْسَبُوْنَ﴾ اور وہ خیال کرتے ہیں ﴿اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ کہ بے شک وہ ہدایت پانے والے ہیں ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ اے بنی آدم ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ﴾ لے لو اپنی زینت ﴿عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ ہر مسجد کے پاس ﴿وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا﴾ اور کھاؤ اور پیو ﴿وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ اور اسراف نہ کرو ﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿مَنْ حَرَّمَ﴾ کس نے حرام کی ہے ﴿زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ﴾ اللہ تعالیٰ کی زینت جو ﴿اَخْرَجَ﴾ اس نے نکالی ہے ﴿لِعِبَادِهٖ﴾ اپنے بندوں کے لیے ﴿وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ اور پاکیزہ رزق ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لائے ہیں ﴿فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی میں ﴿خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ اور یہ خالص ہوں گی ان کے لیے قیامت کے دن ﴿كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ﴾ اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیتیں ﴿لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ ایسی قوم کے لیے جو جانتی ہے۔

کل کے سبق میں آپ نے یہ بات سنی تھی کہ زمانہ جاہلیت میں مرد عورتیں ننگا طواف کرتے تھے۔ سوائے ان کے کہ جن

کو قریش کپڑے دیتے تھے۔ جب ان سے کہا جاتا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو تو کہتے ہمارے پاس سو دلیلوں کی ایک ہی دلیل ہے ﴿وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا﴾ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسے طریقے پر پایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے کہ ہمارے باپ دادا کوئی بے وقوف تھوڑے تھے کہ خود ایسا کرتے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا اور شرم گاہوں کو ننگا کرنا بے حیائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذمے تم ایسی چیزیں لگاتے ہو جن کا تمھیں علم نہیں ہے۔ ان چیزوں کا تمھیں رب تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔ رب تعالیٰ نے کن چیزوں کا حکم دیا ہے آگے ان کا تذکرہ ہے۔

فرمایا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ﴾ حکم دیا ہے میرے رب نے انصاف کا۔ اپنے ہوں یا پرائے بات کرو انصاف کی، کام کرو انصاف کا ﴿وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ اور قائم رکھو اپنے چہروں کو ﴿عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ ہر مسجد کے پاس کعبے کی طرف یعنی ہر نماز کے وقت اپنا چہرہ کعبے کی طرف سیدھا کرو۔ بعض لوگوں کی عادت ہے کہ تکبیر تحریمہ کہتے وقت سر نیچے جھکا لیتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ اس طرح کرنے سے تو چہرہ پاؤں یا زمین کی طرف ہوا کعبہ کی طرف تو نہ ہوا۔ لہٰذا نیت کرتے وقت سر سیدھا اور چہرہ کعبے کی طرف کرنا ہے۔

شرائط نماز

استقبال قبلہ نماز کی شرائط میں سے ہے۔ جس طرح طہارت یعنی وضو شرط ہے، جگہ کا پاک ہونا شرط ہے، کپڑوں کا پاک ہونا شرط ہے، نماز کا وقت ہونا شرط ہے۔ اگر کعبۃ اللہ سامنے نظر آتا ہو تو عین کعبہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے اگر کعبے سے رخ اِدھر اُدھر ہٹا ہوا ہوگا تو نماز نہیں ہوگی اور اگر کعبۃ اللہ نظر نہیں آتا تو اس وقت جہت اور سمت معتبر ہے چاہے آدمی مکہ مکرمہ ہی میں کیوں نہ ہو۔ پھر عین کعبہ کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں ہے سمت کعبہ کافی ہے۔ ہماری مسجدوں کے رخ عین کعبہ کی طرف نہیں ہیں کوئی ایک ڈگری ہٹی ہوئی ہے، کوئی دو ڈگری، کوئی تین چار ڈگری ہٹی ہوئی ہے۔ لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا نماز بالکل صحیح ہے۔ ﴿وَادْعُوْهُ﴾ اور پکارو اس کو ﴿مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ خالص کرتے ہوئے اس کے لیے دین کو۔

اخلاص عبادت

عبادت کا صحیح ہونا اس پر موقوف ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہو اور اس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خیال بھی نہ آئے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند سوال کیے۔ ایک سوال یہ تھا مَا الْاِحْسَانُ احسان کیا ہے، اخلاص کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ)) "یہ کہ تو عبادت کرے اللہ کی اس طرح کہ گویا تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے آنکھوں سے فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ اگر تمھیں یہ کیفیت حاصل نہ ہو فَاِنَّهٗ يَرَاكَ تو پھر یہ یقین رکھو کہ رب تمھیں دیکھ رہا ہے۔" تو عبادت کا صحیح ہونا اخلاص پر موقوف ہے۔

﴿كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ﴾ جیسے اس نے تمھیں ابتداءً پیدا کیا ہے اسی طرح تم دوبارہ لوٹو گے۔ تمھیں دنیا میں آنے کے

بارے میں کوئی شک نہیں ہے کہ یقیناً تم دنیا میں آچکے ہو۔ تو جو ذات تمھیں دنیا میں لائی ہے وہی تمھیں قیامت والے دن اٹھائے گی۔ قیامت کا یقین رکھنا ضروری ہے۔ ﴿فَرِيْقًا هَدٰى﴾ ایک گروہ کو رب تعالیٰ نے ہدایت دی ہے جو ہدایت کا طالب ہوا۔ سورۃ الشوریٰ میں آتا ہے ﴿وَيَهْدِيْ إِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ﴾ "اور ہدایت دیتا ہے اس کو جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔" ﴿وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ﴾ اور ایک گروہ ایسا ہے جس پر گمراہی لازم ہو چکی ہے۔ وہ کون سا گروہ ہے فرمایا ﴿إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ أَوْلِيَآءَ﴾ بے شک انھوں نے بنالیا شیطانوں کو دوست ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے ورے ورے۔ رب تعالیٰ کو چھوڑ کر اور اس کے حکموں کو چھوڑ کر اور رب تعالیٰ کے پیغمبروں کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست بنالیا ہے اور شیطان والے کام کرتے ہیں۔ لازمی بات ہے کہ شیطان گمراہ ہے تو وہ اپنے دوستوں کو بھی گمراہی پر آمادہ کرے گا تو ان پر گمراہی ہی لازم ہوگی۔ پھر گمراہ ہونے کے باوجود ﴿وَيَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت پانے والے ہیں۔ ہر باطل سے باطل فرقہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے۔

باطل فرقے:

پاکستان میں بہت سے باطل فرقے ہیں۔ ہندو، سکھ، عیسائی، یہودی، پارسی، رافضی، قادیانی، بہائی، ذکری وغیرہ۔ آپ کسی سے پوچھ کر دیکھ لیں وہ یہی کہے گا کہ ہم حق پر ہیں اور جو کچھ کر رہے ہیں صحیح کر رہے ہیں۔ کوئی بھی نہیں کہے گا کہ ہم غلط کر رہے ہیں۔ ضابطہ یاد رکھیں۔ جو بھی قرآن وسنت سے ہٹ گیا، اجماع امت سے ہٹ گیا، گمراہ ہو گیا۔ ہدایت قرآن پاک اور حدیث شریف میں پھر امت کے اجماع میں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر، تابعین تبع تابعین کو چھوڑ کر، ائمہ دین، فقہائے کرام، محدثین عظام رحمہم اللہ کو چھوڑ کر کوئی دین کو نہیں سمجھ سکتا اور ان حضرات سے الگ ہو کر کوئی دین سمجھنا چاہے تو:

این خیال است و محال است و جنوں

ان بزرگوں نے دین کو سمجھا اور اس پر عمل کیا حَاشَا وَكَلَّا ان کو چھوڑ کر کوئی دین نہیں سمجھ سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يٰبَنِيْ اٰدَمَ﴾ اے بنی آدم ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ لے لو اپنی زینت ہر مسجد کے پاس یعنی ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کرو۔

مسئلہ اچھی طرح سمجھ لو۔ نماز انسان ایسے لباس میں پڑھے جو صاف ستھرا ہو اور وہ لباس پہن کر کسی مجلس میں جانے سے نہ شرمائے۔ اور ایسا میلا کچیلا لباس جس کو پہن کر کسی مجلس یا شادی خوشی میں شامل ہونا پسند نہ کرے ایسے لباس کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ کہ ہر نماز کے وقت اپنی زینت لے لو۔ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری اچھے لباس میں ہونی چاہیے۔

اسی لیے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ مسجدوں میں جو ٹوپیاں رکھی ہوتی ہیں ان کو پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اس

لیے کہ ان کو پہن کر کوئی شادی میں شامل نہیں ہوتا نہ ان کو پہن کر کوئی مجلس یا بازار میں جانا پسند کرتا ہے۔ تو ایسا لباس جس کو پہن کر آدمی کسی اچھی مجلس میں جانا پسند نہ کرے اس کو پہن کر مسجد میں آئے یہ رب تعالیٰ کی تعظیم کے خلاف ہے اور مکروہ تحریمی ان علماء کی تحقیق ہے۔ میری تحقیق یہ ہے کہ مکروہ تحریمی تو نہیں مکروہ تنزیہی ہے۔

بہر حال مسجد میں صاف ستھرا اچھا لباس پہن کے آؤ کہ جس کے پہننے میں آپ کو ہچکچاہٹ اور عار محسوس نہ ہو۔ اور نوجوانو! یاد رکھنا عام طور پر گلی محلے اور بازار میں بھی ننگے سر پھرنا بڑی بری بات ہے۔ ہاں گھر میں ہو یا گرمی ہو تو ٹوپی اتارنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ جو شخص ننگے سر بازار اور گلیوں میں پھرے وہ مردود الشھادۃ ہے یعنی اس کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔ انگریز پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جس نے یہ تمام خرابیاں پیدا کی ہیں کہ آج نوجوان دفتر میں جائیں گے تو ننگے سر، بازار جائیں گے تو ننگے سر، عزیز رشتہ داروں کو ملنے جائیں گے تو ننگے سر، یہ بری عادت ہے۔ لہٰذا سر پر پگڑی باندھو، ٹوپی پہنو۔ ہم نے اپنے بزرگوں کو دیکھا کہ اگر کوئی تعلیم کے دوران میں ننگے سر ہوتا تو اس کو جماعت سے اُٹھا دیتے تھے۔ لہٰذا قرآن کریم کے درس اور حدیث کی تعلیم میں بھی ننگے سر نہیں بیٹھنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا﴾ اور کھاؤ اور پیو ﴿وَ لَا تُسْرِفُوْا﴾ اور اسراف نہ کرو۔ اسراف کہتے ہیں ضرورت سے زیادہ کو اور تبذیر کہتے ہیں کہ جہاں خرچ کرنے کی اجازت نہیں وہاں خرچ کیا جائے۔

اور یہ بھی یاد رکھنا کہ تفسیر روح المعانی اور فوائد عثمانی وغیرہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ تھوڑا کھانا بھی اسراف ہے۔ اتنا تھوڑا کہ جس سے قوتِ بدنی اور صحت برقرار نہ رہ سکے۔ تمہارے فائدے کی بات کر رہا ہوں۔ اتنا کھاؤ کہ تمہاری قوتِ بدنی برقرار رہے، نماز پڑھ سکو، روزہ رکھ سکو، کام کر سکو۔ فرمایا ﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ﴾ کس نے حرام کی ہے اللہ کی زینت ﴿الَّتِيْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ﴾ جو اس نے نکالی ہے اپنے بندوں کے لیے ﴿وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ اور پاکیزہ رزق۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ جب حج کے لیے آتے کیوں کہ حج حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ تھا تو یہ ان میں برائے نام جاری تھا۔ ننگے طواف کرتے اور گھی، گوشت، مچھلی، انڈے نہیں کھاتے تھے اور دودھ نہیں پیتے تھے۔ کہتے ہم رب کی عبادت کے لیے آئے ہیں کھانے پینے کے لیے تو نہیں آئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان سے پوچھو یہ چیزیں کس نے حرام کی ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو پیغمبروں کو حکم دیا ہے ﴿كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ [المومنون: ۵۱] پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور رب تعالیٰ کی عبادت کرو یہ رب تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ ہاں اگر کوئی چیز کسی کے مزاج کے موافق نہ آتی ہو تو اس کو چھوڑ دے۔ مثلاً: کسی کو گرم چیز موافق نہیں ہوتی، کسی کو ٹھنڈی چیز موافق نہیں ہوتی۔

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ یہ اچھی چیزیں اور پاکیزہ رزق ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لائے ہیں یہ ان کے مستحق ہیں اور دوسروں کو ان کے واسطے سے ملتا ہے ﴿فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی میں ﴿خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ اور یہ چیزیں خالص ہوں گی ان کے لیے قیامت کے دن۔ کافروں کو وہاں کوئی شے نہیں ملے گی سوائے گرم پانی کے جو

ہونٹوں کو جلا دے گا اور انتڑیوں کو باہر نکال دے گا اور زخموں کی پیپ ملے گی اور ضریع اور زقوم جیسی چیزیں ان کو ملیں گی۔ اللہ تعالیٰ بچائے اور محفوظ فرمائے۔ دوزخی جنتیوں سے کہیں گے تمھیں جو رزق ملا ہے اس میں سے اور پانی ہمیں بھی دو۔ جنتی کہیں گے ﴿اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ [اعراف: ۵۰، پارہ: ۸] "بے شک اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں چیزیں کافروں پر حرام قرار دی ہیں ہم نہیں دے سکتے۔" تو اتنی بات آپ حضرات نے سمجھ لی کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حلال کی ہیں ان کو کھاؤ پیو۔ ان کو حرام نہ قرار دو۔

آج دنیا میں ٹھگ قسم کے عاملوں کی بھرمار ہے۔ ایمان بھی لوٹتے ہیں اور رقم بھی لوٹتے ہیں اور خواہ مخواہ لوگوں کو وساوس میں مبتلا کرتے ہیں کہ تجھ پر کسی نے وار کیا ہے، تجھے جنات نے گھیرا ہوا ہے، تیرے اوپر کوئی پھر گیا ہے اور نہ معلوم کیا کیا خرافات بولتے ہیں اور ضعیف الاعتقاد لوگ ان کی باتوں پر یقین کرتے ہیں۔ اور وہ تعویذ دھاگے کے ساتھ پابندیاں بھی لگاتے ہیں کہ فلاں فلاں چیز نہیں کھانی خصوصاً عورتیں اس بیماری کا بہت شکار ہیں۔ میرے پاس بھی کئی عورتیں تعویذ لینے آتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہمیں کوئی چیز منع کرو میں کہتا ہوں جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہیں ان سے کون منع کر سکتا ہے۔ پھر کہیں گی نہیں جی کوئی چیز ضرور بتاؤ جو ہم نہ کھائیں۔ ایسے ہی ایک بی بی بڑی لیچڑ تھی جو جان نہیں چھوڑتی تھی کہ کوئی چیز میرے لیے منع کرو میں نے کہا تم میرا دماغ نہ کھاؤ باقی ساری چیزیں کھاؤ۔ فرمایا ﴿كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ﴾ اسی طرح ہم بیان کرتے ہیں آیتیں ﴿لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ ایسی قوم کے لیے جو جانتی ہے۔ اور جو نہ جاننا چاہے اس کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

~~~

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ﴾ حرام قرار دیا ہے میرے رب نے بے حیائیوں کو ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ جو ظاہراً کی جاتی ہوں ان میں سے اور جو پوشیدہ طور پر کی جاتی ہوں ﴿وَالْاِثْمَ﴾ اور گناہ کو حرام کیا ہے ﴿وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ اور زیادتی کو حرام کیا ہے جو ناحق ہو ﴿وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ﴾ اور یہ کہ تم شریک ٹھہراؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿مَا﴾ ایسی مخلوق کو ﴿لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا﴾ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری ﴿وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ﴾ اور یہ کہ تم کہو اللہ تعالیٰ پر ﴿مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ جو تم نہیں جانتے ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ﴾ اور ہر امت کے لیے ایک میعاد ہے ﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ﴾ پس جس وقت ان کی میعاد آئے گی ﴿لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً﴾ تو نہ پیچھے ہو سکیں گے ایک گھڑی ﴿وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ اور نہ آگے ہو سکیں گے ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ اے بنی آدم ﴿اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ﴾ اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم میں سے ﴿يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ﴾ جو بیان کریں تم پر میری آیتیں ﴿فَمَنِ اتَّقٰى﴾ پس جس نے تقویٰ اختیار کیا ﴿وَاَصْلَحَ﴾
~~~

اور اس نے اصلاح کی ﴿فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ﴾ اور تکبر کیا ان سے ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ یہی لوگ ہیں دوزخ والے ﴿هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

مشرکین کا حلال اشیاء کو حرام قرار دینا

اس سے پہلے سبق میں یہ بیان ہوا تھا کہ مشرکین نے اپنی مرضی سے کچھ چیزیں حرام قرار دی تھیں۔ خصوصاً حج کے دنوں میں کہ گوشت، مچھلی، انڈا وغیرہ نہیں کھاتے تھے کہ ہم عبادت کے لیے آئے ہیں کھانے پینے کے لیے نہیں آئے اور کہتے تھے کہ ہمارے باپ دادا اسی طرح کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی کہ اللہ نے ایسا کوئی حکم ان کو نہیں دیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی باتیں لگاتے ہیں جو نہیں جانتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ وہ چیزیں بیان فرماتے ہیں جو اس نے حرام قرار دی ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿قُلْ﴾ آپ ﷺ کہہ دیں ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ﴾ پختہ بات ہے حرام قرار دیا ہے میرے رب نے بے حیائیوں کو ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ جو ظاہراً کی جاتی ہیں ان میں سے۔ جیسے: رقص ہے، ناچ ہے، سود ہے۔ یہ تمام چیزیں کھلی بے حیائی ہیں اور تم لوگ یہ سب کام کرتے ہو۔ ان کا کوئی مجمع ناچ سے خالی نہیں ہوتا تھا اور آج بھی بڑے بڑے لوگ محفلوں میں ناچتے ہیں اور کئی دوسرے لوگوں کو نچاتے ہیں اور حیوانوں کو نچاتے ہیں۔ یہ رب تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ ﴿وَمَا بَطَنَ﴾ اور جو پوشیدہ طور پر کی جاتی ہیں بے حیائی کی چیزیں ان کو بھی رب تعالیٰ نے حرام کیا ہے اور تم ان کی کوئی پروا نہیں کرتے۔

﴿وَ الْاِثْمَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کا گناہ حرام قرار دیا ہے قولی ہو یا فعلی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو توڑنا ہو یا آنحضرت ﷺ کے حقوق کو ضائع کرنا ہو یا بندوں کے حقوق کو پامال کرنا ہو، اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ ﴿وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ اور زیادتی جو ناحق ہو وہ بھی اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دی ہے۔ ایک زیادتی ناحق ہوتی ہے اور ایک زیادتی حق ہوتی ہے۔ زیادتی ناحق یہ ہے کہ بلاوجہ کسی کو مکا مار دیا یا ڈنڈا مار دیا اور زیادتی حق یہ ہے کہ ایک آدمی نے مکا مارا اور اس نے جواب میں بدلہ لینے کے لیے مکا مارا تو یہ زیادتی حق ہے۔ حقیقت میں یہ زیادتی تو نہیں ہے لیکن شکل اس کی چونکہ زیادتی کے ساتھ ملتی ہے اس وجہ سے اس کو بھی زیادتی کہہ دیتے ہیں کہ جی اس نے اس کے ساتھ زیادتی کی اور اس نے اس کے ساتھ زیادتی کی اور حالانکہ دوسرے نے بدلہ لیا ہے لیکن ہم شکل ہونے کی وجہ سے اس کو بھی زیادتی کہا جاتا ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ جوابی مکا اتنا مارے جتنا اس نے مارا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس نے پانچ سیر کا مکا مارا ہے اور یہ دس سیر کا مکا مار دے، اب یہ ظالم بن جائے گا اور معاف کر دینا بہتر ہے کہ کہیں تمہارے مکا مار دینے میں زیادتی نہ ہو جائے۔ کیوں کہ انسان جب غصے اور جوش میں ہوتا ہے تو بہت کچھ کر لیتا ہے۔ لہٰذا معاف کرنا ہی بہتر ہے۔

آنحضرت ﷺ کے سامنے دو آدمی لڑ رہے تھے ان میں سے ایک کی رگیں پھولی ہوئی تھیں، چہرہ سرخ اور بڑے غصے میں تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ وہ کلمہ پڑھ لے جو میں بتلاتا ہوں تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ وہ کلمہ یہ ہے کہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھے اور پانی پیے۔ وہ چونکہ غصے میں تھا اس نے خود تو بات نہ سنی ساتھیوں نے اس کو کہا کہ آنحضرت ﷺ فرمارہے ہیں کہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھ لے۔ کہنے لگا کہ میں کوئی پاگل ہوں۔ تو غصے کی حالت میں اس نے یہ کہا۔ تو غصہ بُری چیز ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم پہلوان کسے کہتے ہو؟ کہنے لگے حضرت! پہلوان وہ ہوتا ہے جو میدان میں دوسرے کو پچھاڑ دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ مَنْ یَّمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ)) "پہلوان وہ نہیں ہے جو میدان میں دوسرے کو پچھاڑ دے پہلوان وہ ہے جو غصے پر قابو پائے۔"

﴿وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰہِ﴾ اور یہ کہ تم شریک ٹھہراؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا﴾ ایسی مخلوق کو جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے کہ تم مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناؤ۔ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے، نہ فرشتوں میں، نہ پیغمبروں میں، نہ عام انسانوں میں اس کا کوئی شریک ہے۔ اور یاد رکھنا! اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم اٹھانا بھی شرک ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((لَا تَحْلِفُوْا بِاٰبَآئِكُمْ)) "اپنے باپ دادا کی قسمیں نہ اٹھاؤ" ((مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰہِ فَقَدْ اَشْرَكَ بِاللّٰہِ)) جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا۔" اور یہ بھی اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے ﴿وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور یہ کہ تم کہو اللہ تعالیٰ پر جو تم نہیں جانتے۔ جو چیز رب تعالیٰ نے حرام نہیں کی تم کہتے ہو کہ رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ یہ حرام ہے۔ یہ رب تعالیٰ پر بہتان ہے اور اس سے بڑا کون ظالم ہے جو رب تعالیٰ پر بہتان باندھتا ہے۔

﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ﴾ اور ہر امت کے لیے ایک میعاد ہے۔ ہر گروہ اور ہر طبقہ کے لیے ﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ﴾ پس جس وقت ان کی میعاد آئے گی ﴿لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً﴾ تو نہ پیچھے ہو سکیں گے ایک گھڑی ﴿وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ اور نہ آگے ہو سکیں گے۔ جس وقت انسان کی موت کا وقت آتا ہے تو فرشتوں کو دیکھ کر منتیں کرتا ہے اور کہتا ہے ﴿لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ "کیوں نہ تو نے مجھے مہلت دی تھوڑی سی کہ میں صدقہ خیرات کرتا اور نیکوں میں داخل ہو جاتا۔" حالانکہ ﴿وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا﴾ [المنافقون: ۱۱-۱۰، پارہ: ۲۸] "ہرگز مہلت نہیں دیتا اللہ تعالیٰ کسی نفس کو جب اس پر موت آجاتی ہے۔" لوگوں نے غلط قصے کہانیاں بنائی ہوئی ہیں کہ فلاں شخص کا یہ نام تھا فرشتے کو مغالطہ لگ گیا اور اس نام کے دوسرے شخص کی جان نکال کر لے گیا حَاشَا وَكَلَّا! ایسی کوئی بات نہیں ہے اور رب تعالیٰ کے نظام میں کوئی مغالطہ نہیں ہے، بندوں کو مغالطہ لگ سکتا ہے۔

چنانچہ انگریز کے دور میں مولانا فضل حق رام پوری انگریز کے خلاف تھے اور ایک تھے مولانا فضل حق خیر آبادی۔ تو مولانا

فضل حق رام پوری کے خلاف وارنٹ جاری ہوئے اور بجائے مولانا رام پوری کے، مولانا فضل حق خیر آبادی کو گرفتار کر کے کالے پانی لے گئے۔ بیچارے کالے پانی میں رہے اور وہیں ان کی وفات ہوئی۔ لیکن رب تعالیٰ کے کارندوں کو کوئی مغالطہ نہیں لگتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ﴾ اے اولادِ آدم! ﴿اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ﴾ اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم میں سے ﴿یَقُصُّوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ﴾ جو بیان کریں تم پر میری آیتیں ﴿فَمَنِ اتَّقٰی﴾ پس جس نے تقویٰ اختیار کیا ﴿وَ اَصۡلَحَ﴾ اور اس نے اصلاح کی ﴿فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ﴾ پس نہ ان پر کوئی خوف ہوگا ﴿وَ لَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ﴾ اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

قادیانیوں نے اس آیت کریمہ سے اجراءِ نبوت پر استدلال کیا ہے کہ نبوت جاری ہے ختم نہیں ہوئی اور استدلال اس طرح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ﴾ اے اولادِ آدم! اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم میں سے۔ معلوم ہوا کہ بنی آدم کے پاس پیغمبر آتے رہیں گے اور حکم ہے کہ جب پیغمبر آئے تو اس پر ایمان لاؤ۔ تو ہم بھی بنی آدم ہیں ہمارے پاس پیغمبر آئے تو ہم کیوں نہ مانیں۔

جواب یہ ہے کہ جب نسلِ انسانی چلی تھی اللہ تعالیٰ نے اس وقت ہی فرما دیا تھا کہ اے بنی آدم! تمہارے پاس پیغمبر آتے رہیں گے۔ اس ارشاد کے مطابق پیغمبر آتے رہے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ﴾ [صف:۶، پارہ:۲۸] کی بشارت سنائی۔ "اور میں خوش خبری سنانے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا نام احمد بھی ہے اور محمد بھی۔ اور جب آپ دنیا میں تشریف لے آئے تو رب تعالیٰ نے فرما دیا ﴿مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ وَ لٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ﴾ [الاحزاب:۴۰، پارہ:۲۲] "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے لیکن رسول ہے اللہ تعالیٰ کا اور مہر سب نبیوں پر ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین بیٹے تھے حضرت قاسم، حضرت عبداللہ، حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہم حضرت عبداللہ کا لقب طاہر بھی تھا اور طیب بھی تھا۔ تینوں نابالغ فوت ہوئے ہیں، رجل کوئی نہیں بنا، بالغ کوئی نہیں ہوا۔

اور چار بیٹیاں تھیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا۔ پہلے ان دونوں کا نکاح ابولہب کے بیٹوں کے ساتھ ہوا تھا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی وجہ سے ان کو طلاق ہوئی۔ عدت ختم ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔ یہ فوت ہو گئیں تو پھر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا۔ اور آپ کی بڑی لڑکی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ابو العاص بن ربیع کے نکاح میں تھیں یہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور آپ کی سب سے چھوٹی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ تو ﴿اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ﴾ کا خطاب ہر زمانے کے بنی آدم کو نہیں ہے یہ ابتداء تھا سلسلہ نبوت چلتا رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔

خاتم النبیین ﷺ

آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد دنیا میں کوئی سچا نبی پیدا نہیں ہوسکتا۔ ترمذی شریف صحاح ستہ کی کتاب ہے اس میں اور دیگر احادیث کی کتابوں میں صحیح روایات موجود ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ "بے شک رسالت اور نبوت ختم اور منقطع ہو چکی ہے فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ بَعْدِیْ سو میرے بعد نہ تو کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی۔" یعنی نہ کوئی شریعت والا نبی پیدا ہوسکتا ہے اور نہ بغیر شریعت کے اور یہ بھی آنحضرت ﷺ نے فرمایا: وَاِنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ كَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ "اور بے شک میری امت میں تیس کے قریب بڑے بڑے جھوٹے ہوں گے كُلُّهُمْ يَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِیُّ اللّٰهِ ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ میں نبی ہوں وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد اور کوئی نبی نہیں ہے۔" [ابوداؤد، ص ۲۲۸، ج ۲]

ان دجالوں میں ایک مرزا غلام احمد قادیانی بھی ہے۔ اور ان کی تبلیغ اب بھی جاری ہے اور تبلیغ کے لحاظ سے سب سے نرم فرقہ قادیانیوں کا ہے۔ بڑے آہستہ اور دیمک کی طرح چاٹتے ہیں لہٰذا ان کے دھوکے میں نہ آنا۔ اللہ تعالیٰ نے نبوت حضرت محمد ﷺ پر ختم کر دی ہے۔

فرمایا ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ﴾ اور تکبر کیا ان سے، انکار کیا ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ یہی لوگ ہیں دوزخ والے ﴿هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس شخص کے دل میں حَبَّةُ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا یہ فرمان جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا تو پریشان ہوگئے، تکبر کا صحیح مفہوم نہ سمجھ سکے کہنے لگے حضرت! ہم تو تکبر کرتے ہیں۔ تو پھر ہم میں سے کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا۔ ہر آدمی چاہتا ہے کہ اچھا لباس ہو، پٹے رکھے ہوئے ہوں تیل لگا ہوا ہو، کنگھی کی ہوئی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھے لباس کا نام تکبر نہیں ہے یہ تو تجمل ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُّحِبُّ الْجَمَالَ "اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔" فرمایا تکبر ہے غَمْطُ النَّاسِ وَبَطَرُ الْحَقِّ "لوگوں کو حقیر سمجھنا اور حق کو ٹھکرا دینا۔" شرعی دائرے میں رہ کر اچھا لباس پہننا اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہے۔

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ﴾ پس کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے ﴿افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ جس نے افترا باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا ﴿اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ﴾ یا اس نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو ﴿اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ﴾ یہی لوگ ہیں جن کو پہنچے گا ان کا حصہ ﴿مِّنَ الْكِتٰبِ﴾ جو کتاب میں لکھا ہوا ہے ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا﴾ یہاں تک کہ جب آجائیں ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ﴿يَتَوَفَّوْنَهُمْ﴾ جو ان کی جان نکالتے ہیں ﴿قَالُوْٓا﴾ ان کو

کہتے ہیں ﴿ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ کہاں ہیں وہ جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے تھے ﴿ قَالُوْا ﴾ وہ کہتے ہیں ﴿ ضَلُّوْا عَنَّا ﴾ وہ ہم سے غائب ہو گئے ہیں ﴿ وَشَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ﴾ اور گواہی دیں گے اپنی جانوں پر ﴿ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴾ کہ بے شک تھے وہ کفر کرنے والے ﴿ قَالَ ﴾ فرمائے گا اللہ تعالیٰ ﴿ ادْخُلُوْا فِيْۤ اُمَمٍ ﴾ داخل ہو جاؤ ان امتوں میں ﴿ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ جو تم سے پہلے گزری ہیں ﴿ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ﴾ جنوں اور انسانوں میں سے ﴿ فِي النَّارِ ﴾ دوزخ میں ﴿ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ ﴾ جب کبھی داخل ہو گی کوئی امت ﴿ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ﴾ لعنت کرے گی دوسری پر ﴿ حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ﴾ یہاں تک کہ جب سارے جمع ہو جائیں گے دوزخ میں ﴿ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ ﴾ کہے گی پچھلی ان میں سے ﴿ لِاُوْلٰىهُمْ ﴾ پہلوں کے بارے میں ﴿ رَبَّنَا ﴾ اے ہمارے پروردگار! ﴿ هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا ﴾ انھوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا ﴿ فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ﴾ پس دے تو ان کو دُگنا عذاب آگ میں ﴿ قَالَ ﴾ رب تعالیٰ فرمائے گا ﴿ لِكُلٍّ ضِعْفٌ ﴾ ہر ایک کے لیے دُگنا عذاب ہے ﴿ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴾ اور لیکن تم نہیں جانتے ﴿ وَ قَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ ﴾ اور کہیں گے ان کے پہلے پچھلوں کو ﴿ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ ﴾ پس نہ ہوئی تمھارے لیے ہمارے اوپر کوئی فضیلت ﴿ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ ﴾ پس چکھو عذاب ﴿ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴾ بہ سبب اس کے جو تم کماتے تھے۔

ظلم اور ظالموں کی اقسام

دنیا میں ظلم کی بھی بڑی قسمیں ہیں اور ظالموں کی بھی بڑی قسمیں ہیں۔ ظلم بھی بہت ہیں اور ظالم بھی بہت ہیں مگر جو شخص اللہ تعالیٰ پر افترا باندھتا ہے وہ اَظْلَمُ ہے۔ اَظْلَمُ اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس طرح اکبر اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کا معنیٰ ہے اللہ سب سے بڑا ہے۔ تو اظلم کا معنیٰ سب سے بڑا ظالم۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ ﴾ پس کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے ﴿ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴾ جس نے افترا باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا۔ یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں حالانکہ وہ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ہے۔ اپنی ذات میں بھی اور اپنی صفات میں بھی، اپنے افعال میں بھی ایک۔ تو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے بڑا ظالم ہے۔ سورۃ لقمان میں ہے ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ "بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔" مشرک بڑا ظالم ہے۔

دوسرا اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا بھی بڑا ظلم ہے۔ یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا ﴿ وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ا۟بْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ﴾ اور عیسائیوں نے کہا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور مشرکوں نے کہا

فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ﴿وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ﴾ [پارہ:۱۴،سورۃ النحل:۵۷] "اور بناتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں۔"

رب تعالیٰ کو گالیاں دینے کا مطلب؟

حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ((یَشْتِمُنِیْ ابْنُ آدَمَ وَلَمْ یَکُنْ لَهٗ ذٰلِكَ وَیُکَذِّبُنِیْ ابْنُ آدَمَ وَلَمْ یَکُنْ لَهٗ ذٰلِكَ اَوْ کَمَا قَالَ عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ)) "ابن آدم مجھے گالیاں دیتا ہے حالانکہ اسے گالیاں دینے کا کوئی حق نہیں ہے اور مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ اسے جھٹلانے کا حق نہیں پہنچتا۔" گالیاں کس طرح دیتا ہے؟ یَدْعُوْا اِلَیْ وَلَدًا "میری طرف اولاد کی نسبت کرتا ہے۔" رب کی طرف اولاد کی نسبت کرنا رب تعالیٰ کو گالیاں دینا ہے۔ جس طرح ہماری اولاد کے متعلق کوئی یہ کہے کہ یہ تیری اولاد نہیں ہے، یہ گالی ہے۔ تکذیب اس طرح کرتا ہے کہ کہتا ہے لَنْ یُعِیْدَنِیْ "اللہ تعالیٰ مجھے دوبارہ ہرگز نہیں اٹھائے گا۔" بعث بعد الموت کا انکار کرتا ہے حالانکہ میں کہتا ہوں کہ ضرور اٹھاؤں گا۔

﴿اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ﴾ یا اس نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو۔ تو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلانے والا بھی بڑا ظالم ہے۔ آج کتنے ظلم کی بات ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے بھی شرعی احکام کی مخالفت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ بچائے۔ ﴿اُولٰٓئِكَ یَنَالُهُمْ نَصِیْبُهُمْ﴾ یہی لوگ ہیں جن کو پہنچے گا ان کا حصہ ﴿مِّنَ الْكِتٰبِ﴾ جو کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ سزا اسے دنیا میں بھی پہنچے گی اور آخرت میں بھی۔ اللہ تعالیٰ نے سزا کا جو حصہ لکھا ہے وہ ان کو ضرور پہنچے گا ﴿حَتّٰٓی اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا﴾ یہاں تک کہ جب آجائیں ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ﴿یَتَوَفَّوْنَهُمْ﴾ جو ان کی جان نکالتے ہیں ﴿قَالُوْٓا﴾ فرشتے ان کو کہتے ہیں ﴿اَیْنَ مَا﴾ کہاں ہیں وہ ﴿کُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے تھے ﴿قَالُوْا﴾ مرنے والے کہتے ہیں ﴿ضَلُّوْا عَنَّا﴾ وہ ہم سے غائب ہو گئے ہیں ﴿وَشَهِدُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ﴾ اور گواہی دیں گے اپنی جانوں پر ﴿اَنَّهُمْ کَانُوْا کٰفِرِیْنَ﴾ کہ بے شک تھے وہ کفر کرنے والے۔ اس وقت کفر، شرک کے اقرار کا کیا فائدہ کہ موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی۔

اب پچھتائے کیا ہوت
جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

روح قبض کرنے والا ایک ہے یا زیادہ ہیں؟

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جان نکالنے والا فرشتہ ایک ہے یا زیادہ ہیں۔ علماء کا ایک طبقہ کہتا ہے، ایک فرشتہ سب کی جان نکالتا ہے۔ اور دلیل دیتے ہیں ﴿مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ﴾ [السجدہ:۱۱، پارہ:۲۱] "موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔" اور علماء کا دوسرا طبقہ کہتا ہے نہیں بلکہ یہ ایک مستقل محکمہ ہے اس میں بے شمار فرشتے ہیں اور ملک الموت ان کا انچارج ہے۔ ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے ﴿حَتّٰٓی اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا﴾ "یہاں تک کہ جب آجائیں ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے۔" تو یہ جمع کا صیغہ ہے اور آگے ﴿قَالُوْٓا﴾ ہے کہ وہ فرشتے کہتے ہیں یہ جمع کا صیغہ ہے جو تعدد پر دلالت کرتا ہے۔ اور سورۃ محمد میں آتا

ہے ﴿فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ "پس کیا حال ہوگا اس وقت جب فرشتے اُن کی جانیں نکالیں گے۔" یہاں جمع کا صیغہ ہے۔ لہٰذا جان نکالنے والا ایک فرشتہ نہیں ہے بلکہ بے شمار فرشتے ہیں جن کا سربراہ ملک الموت ہے۔

عذاب قبر حق ہے؟

ایک اور مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ اہل حق کا مذہب ہے کہ قبر میں عذاب بھی حق ہے اور ثواب بھی حق ہے اور اس دعوے پر صحیح احادیث بھی موجود ہیں اور قبر میں سوال و جواب بھی حق ہے۔ اگر مرنے والا نافرمان ہو تو اس کے سوال و جواب کے لیے منکر نکیر آتے ہیں علیہما الصلاۃ و السلام۔ اور اگر نیک ہو تو اس کے لیے مُبَشِّر بَشِیْر آتے ہیں اور پوچھتے ہیں مَنْ رَّبُّكَ تیرا رب کون ہے؟ مَنْ نَّبِيُّكَ تو کس کو نبی مانتا ہے؟ مَادِيْنُكَ تو کس دین پر ہے؟

اور کئی مُلحِد جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں وہ عذاب قبر اور قبر میں سوال جواب کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس طرح کرتے ہیں کہ ہم قبر میں مردے کے ساتھ ایک زندہ آدمی کو بھی لٹا دیتے ہیں۔ فرشتے سوال کریں گے تو زندہ آدمی آکر ہمیں بتلائے گا کہ واقعی فرشتوں نے آکر سوال کیے ہیں اور میں نے سنے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ہم نے تجربہ کیا ہے ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بھائی! بات یہ ہے کہ یہ چیزیں عالم غیب سے تعلق رکھتی ہیں اور ایمان بالغیب ضروری ہے۔ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے ہم سے مخفی رکھی ہیں۔

قبر میں مردے کے ساتھ لیٹنے کی کیا ضرورت ہے مرنے والے سے فرشتوں کا سوال کرنا تو اسی آیت کریمہ میں موجود ہے اور مرنے والے کا جواب بھی موجود ہے کہ فرشتے جب ان کی جان نکالتے ہیں ﴿قَالُوْٓا﴾ کہتے ہیں ﴿اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کہاں ہیں وہ جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے تھے ﴿قَالُوْا﴾ وہ جواب دیتے ہیں ﴿ضَلُّوْا عَنَّا﴾ وہ ہم سے غائب ہو گئے ہیں۔ لہٰذا قبر میں لیٹنے کی بجائے مرنے والے کے سرہانے بیٹھ جاؤ اور یہ جو باقاعدہ گفتگو ہوتی ہے جس کا ابھی ذکر ہوا اس کو سنو۔ کیا تم سن سکتے ہو یا کبھی کسی نے سنی ہے؟ جب کہ یہ نص قطعی سے ثابت ہے۔ تو قبر میں تم کس طرح سن سکتے ہو؟ یہ باتیں ایمان بالغیب ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں بتلا دے تو ایمان بالغیب نہیں رہتا حالانکہ ہم سے ایمان بالغیب مطلوب ہے۔ فرمایا ﴿يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾ ہدایت یافتہ وہ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ منکرین کے جواب کے لیے اس آیت کو نہ بھولنا۔

تو مرتے وقت کافر مشرک اپنے کفر شرک کا اقرار کریں گے ﴿قَالَ﴾ فرمائے گا اللہ تعالیٰ ﴿ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ﴾ داخل ہو جاؤ ان امتوں میں ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ جو تم سے پہلے گزری ہیں ﴿مِّنَ الْجِنِّ﴾ جنات میں سے ﴿وَالْاِنْسِ﴾ اور انسانوں میں سے ﴿فِي النَّارِ﴾ دوزخ میں جا چکی ہیں تم بھی ان کے ساتھ جا ملو تمہارا ٹھکانا بھی دوزخ ہے۔

جنات کو بھی عذابِ جہنم ہوگا؟

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنات بھی دوزخ میں جائیں گے اور انسان بھی۔ بعض مُلحِد قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ

جنات کی تخلیق آگ سے ہے اور دوزخ میں بھی آگ ہے۔تو آگ سے آگ کو کیا تکلیف ہوگی؟ تو یہ ان کا ڈھکوسلہ ہے۔دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہے۔اتنی تیز آگ میں ان کو تکلیف ہو تو کوئی عجیب بات نہیں ہے۔پھر جہنم کے طبقوں میں تفاوت بھی ہے۔حدیث پاک میں آتا کہ جہنم کے بعض طبقوں نے دوسرے طبقوں کی شکایت کی کہ اے رب مجھے وہ کھا گیا ہے، اس کی آگ مجھے کھا گئی ہے اور زمہریر بھی دوزخ کا ایک ٹھنڈا طبقہ ہے۔اس نے بھی دوسرے طبقے کی شکایت کی کہ یہ مجھے کھا گیا ہے۔رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک سانس لے لو۔بخاری اور مسلم کی روایت میں آتا ہے کہ ایک سانس آگ نے لیا۔فرمایا دنیا میں جو تم شدید گرمی محسوس کرتے ہو یہ اس سانس کی بھاپ ہے اور جو تم شدید سردی محسوس کرتے ہو جس میں پانی اور تیل بھی جم جاتا ہے یہ اس ٹھنڈے طبقے کا ایک سانس ہے۔

﴿كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ﴾ جب کبھی داخل ہوگی کوئی امت ﴿لَّعَنَتْ أُخْتَهَا﴾ اخت کے معنیٰ بہن کے ہیں اور مراد دوسرا ساتھی ہے۔لعنت کرے گی دوسری پر۔او ملعونو! ہم تو آئے ہیں تم بھی آئے ہوئے ہو۔﴿حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا﴾ یہاں تک کہ جب سارے جمع ہو جائیں گے دوزخ میں ﴿قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ﴾ کہے گی ان میں سے پچھلی پہلوں کے بارے میں ﴿رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا﴾ اے ہمارے پروردگار! انھوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، یہ ہمارے بڑے تھے ہم ان کے پیچھے چلتے رہے ﴿فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ﴾ پس دے ان کو دُگنا عذاب آگ میں۔

یاد رکھنا! اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کو اتنی سمجھ دی ہے کہ وہ کھوٹی کھری چیز کا امتیاز کر سکتا ہے۔آج بھی کسی بھولے سے بھولے آدمی کو پھٹا پرانا نوٹ دو تو نہیں لے گا۔جب دنیا میں ہم اتنی تمیز کر سکتے ہیں تو پھر عقیدے اور عمل کے صحیح اور غلط ہونے کی تمیز کیوں نہیں کر سکتے؟ لیکن اگر کوئی بغیر سوچے سمجھے غلط لوگوں کے پیچھے لگا رہے تو اس کا کیا علاج ہے؟ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بار بار دعوت دی ہے أَفَلَا تَعْقِلُونَ "کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔" ﴿أَفَلَا يَعْقِلُونَ﴾ "کیا وہ عقل سے کام نہیں لیتے۔" قیامت والے دن دوزخ میں جلنے والے کہیں گے ﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ [سورۃ الملک، پارہ:۲۹] "اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو دوزخیوں میں نہ ہوتے۔" رب تعالیٰ نے عقل بڑی دولت اور نعمت عطا فرمائی ہے اگر ہم اس سے کام لیں۔

﴿قَالَ﴾ رب تعالیٰ فرمائیں گے ﴿لِكُلٍّ ضِعْفٌ﴾ ہر ایک کے لیے دُگنا عذاب ہے۔ان کے لیے تو اس وجہ سے کہ اُنھوں نے خود کفر شرک کیا اور دوسروں کو کفر شرک کے راستے پر چلایا اور تمہارے لیے اس وجہ سے کہ تم نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا اور سوچا سمجھا نہیں، پہلی امتوں کے حالات سے عبرت حاصل نہیں کی۔لہٰذا تمہارے لیے بھی ڈبل عذاب ہے۔

اور سورۃ النبا میں ہے ﴿فَذُوقُوا فَلَن نَّزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا﴾ "پس مزہ چکھو ہم تم پر عذاب ہی بڑھاتے جائیں گے۔" روز بہ روز کافروں کے عذاب میں اضافہ ہوتا جائے گا اور مومنوں کے لیے جنت میں نعمتوں اور خوشیوں میں اضافہ ہوتا جائے گا۔جنت میں پہلے دن جو پھل ملیں گے اسی شکل کے دوسرے دن ملیں گے لیکن پہلے دن سے ذائقہ علیحدہ ہوگا، تیسرے دن کا ذائقہ الگ ہوگا، چوتھے دن کا ذائقہ علیحدہ ہوگا اور کافروں کے عذاب میں اضافہ ہوتا جائے گا ﴿وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ﴾ اور لیکن تم نہیں

جانتے۔ کہ دوسروں کو ملعون کرنے والے تم بھی ڈبل سزا کے مستحق ہو ﴿وَ قَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ﴾ اور کہیں گے ان کے پہلے پچھلوں کو ﴿فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ﴾ پس نہ ہوئی تمھارے لیے ہمارے اوپر کوئی فضیلت۔ تم نے ہماری شکایت کی تھی ہمیں مجرم قرار دینے کی کوشش کی تھی مگر اس کا تمھیں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ عذاب سے تو تم بھی نہ بچ سکے۔ یہ نوک جھونک دوزخ میں ہوتی رہے گی۔

فرمایا ﴿فَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾ پس چکھو عذاب ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ﴾ بہ سبب اس کے جو تم کماتے تھے۔ جو عقیدہ اور عمل تم نے کمایا آج اس کی سزا بھگتو۔ اللہ تعالیٰ دوزخ سے اور دوزخ کے کاموں سے بچائے اور محفوظ رکھے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ بے شک وہ لوگ جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا﴾ اور تکبر کیا ان سے ﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ﴾ نہیں کھولے جائیں گے ان کے لیے ﴿اَبْوَابُ السَّمَآءِ﴾ آسمان کے دروازے ﴿وَ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ﴾ اور نہ داخل ہوں گے وہ جنت میں ﴿حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ﴾ یہاں تک کہ داخل ہو جائے اونٹ ﴿فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ سوئی کے سوراخ میں ﴿وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ﴾ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں مجرموں کو ﴿لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ﴾ ان کے لیے جہنم میں بچھونے ہوں گے ﴿وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ﴾ اور اوپر پردے ہوں گے ﴿وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور انھوں نے عمل کیے اچھے ﴿لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا﴾ ہم نہیں تکلیف دیتے کسی نفس کو ﴿اِلَّا وُسْعَهَآ﴾ مگر اس نفس کی طاقت کے مطابق ﴿اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ﴾ وہ لوگ جنت والے ہیں ﴿هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے ﴿وَنَزَعْنَا﴾ اور ہم نکال دیں گے ﴿مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ جو کچھ ان کے سینوں میں ہوگا کینہ ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ﴾ جاری ہوں گی ان کے نیچے نہریں ﴿وَ قَالُوا﴾ اور کہیں گے ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہماری رہنمائی کی اس مقام تک ﴿وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ﴾ اور نہیں تھے ہم ہدایت پانے والے ﴿لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ﴾ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ دیتا ﴿لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾ البتہ تحقیق آچکے ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ ﴿وَ نُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ﴾ اور ان کو پکارا جائے گا کہ یہ ہے وہ جنت ﴿اُوْرِثْتُمُوْهَا﴾ جس کے تم وارث بنائے گئے ہو ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ بہ سبب اس کے جو تم عمل کرتے تھے۔

اس سے قبل کافروں اور مشرکوں کا ذکر تھا اور اب ان کے انجام کا ذکر ہے۔ کیونکہ ہر عمل کا کوئی نہ کوئی نتیجہ ہوتا ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا عمل نہیں ہے جس کا نتیجہ نہ ہو۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا﴾ بے شک وہ لوگ جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿وَاسۡتَکۡبَرُوۡا عَنۡهَا﴾ اور تکبر کیا ان سے، ان کو نہ مانا اور رد کر دیا اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ فرمایا ﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمۡ اَبۡوَابُ السَّمَآءِ﴾ نہیں کھولے جائیں گے ان کے لیے آسمان کے دروازے۔

صحیح روایات میں آتا ہے اور قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ وضاحت کر رہی ہے کہ آسمانوں کے دروازے ہیں اور فرشتے ان سے آتے جاتے ہیں۔ نیک لوگوں کے اعمال اوپر جاتے ہیں اور رب تعالیٰ کی رحمتیں نیچے نازل ہوتی ہیں۔

انسان کی وفات کا جب وقت آتا ہے تو فرشتے روح نکالنے کے لیے آتے ہیں۔ ایک فرشتہ آگے ہو کر روح نکالتا ہے اور اس کے پیچھے اٹھارہ معاون فرشتے قطار میں کھڑے ہوتے ہیں۔ اگر مرنے والا آدمی نیک ہے تو اس کی روح کے لیے جنت سے کپڑا اور خوشبوئیں لاتے ہیں اور اگر بُرا آدمی ہے تو اس کے لیے جہنم سے بدبودار ٹاٹ لاتے ہیں وہ فرشتہ روح نکال کر دوسروں کے حوالے کر دیتا ہے۔ وہ فرشتے روح لے کر آسمان تک پہنچتے ہیں۔ نیک شخص کی روح کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں، ساتوں آسمانوں سے گزار کر علّیین کے مقام پر پہنچا دیتے ہیں جو نیک لوگوں کی ارواح کا ٹھکانا ہے۔ اگر کافر مشرک نافرمان ہے تو اس کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے۔ وہاں سے اس کو گرا کر ساتویں زمین کے نیچے سجّین کے مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ وہ کافروں، مشرکوں اور نافرمانوں کی ارواح کا ٹھکانا ہے۔ عِلّیّین اور سِجّین دونوں کا ذکر تیسویں [۳۰] پارے میں موجود ہے۔

ایک تو مکذّبین اور متکبرین عن آیات اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلانے والے اور انکار کرنے والوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھلیں گے اور کیا ہوگا؟ فرمایا ﴿وَلَا یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ﴾ اور نہ داخل ہوں گے وہ جنت میں ﴿حَتّٰی یَلِجَ الۡجَمَلُ فِیۡ سَمِّ الۡخِیَاطِ﴾ یہاں تک کہ اونٹ داخل ہو جائے سوئی کے سوراخ میں۔ جس میں دھاگا بھی بڑی مشکل سے داخل ہوتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں تَعۡلِیۡقُ بِالۡمَحَال کسی چیز کو محال چیز کے ساتھ معلق کرنا کہ جس طرح اونٹ سوئی کے سوراخ میں سے نہیں گزر سکتا اسی طرح کافر بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتے ﴿وَکَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُجۡرِمِیۡنَ﴾ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں مجرموں کو۔

اس کے علاوہ اور کیا ہوگا؟ فرمایا ﴿لَهُمۡ مِّنۡ جَهَنَّمَ مِهَادٌ﴾ ان کے لیے دوزخ میں بچھونے ہوں گے۔ گرمی میں لوگ سوتے وقت عموماً نیچے دری چادر وغیرہ بچھا لیتے ہیں ﴿وَّمِنۡ فَوۡقِهِمۡ غَوَاشٍ﴾ اور اوپر پردے ہونگے۔ گرمی میں مکھی مچھر سے بچنے کے لیے لوگ اُوپر چادر لے لیتے ہیں اور سردی کے زمانے میں نیچے گدا اور اوپر تلائی، رضائی لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جہنمیوں کے اوپر نیچے آگ ہوگی۔ گدا، دری بھی آگ اور چادر رضائی بھی آگ ہوگی ﴿وَکَذٰلِکَ نَجۡزِی الظّٰلِمِیۡنَ﴾ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو۔

اب مومنوں کا نتیجہ بھی سن لو۔ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے عمل کیے اچھے یعنی خالی ایمان نہیں بلکہ ساتھ اچھے عمل بھی کیے۔ محض ایمان کے دعوے سے آدمی مسلمان نہیں ہوتا جب تک ساتھ اعمال صالحہ نہ ہوں۔ ان کی جزا کیا ہوگی؟ فرمایا ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ﴾ وہ لوگ جنت والے ہیں ﴿هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے درمیان میں جملہ مُعْتَرِضَہْ ہے ﴿لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ﴾ ہم نہیں تکلیف دیتے کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو کوئی ایسا حکم نہیں دیا جو نہ کر سکتے ہوں یا ان کی ہمت سے زیادہ ہو اور وہ نہ کر سکتے ہوں۔

چوبیس گھنٹوں میں پانچ نمازیں فرض ہیں کوئی بڑے آرام سے بھی پڑھے تو ایک گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں لگتا۔ تو چوبیس گھنٹوں میں ایک گھنٹہ کوئی بڑی بات نہیں ہے پھر اگر کوئی کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھ لے اور اگر بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتا تو اشارے سے پڑھ لے اور سال کے بارہ مہینوں میں سے ایک مہینے کے روزے ہیں۔ باقی گیارہ مہینوں میں کوئی روزہ فرض نہیں ہے۔ اور زکوٰۃ اس پر ہے جس کے پاس رقم ہو اور صاحب نصاب ہو اور جس کے پاس رقم نہیں ہے اس پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔ تو یہ اعمال کرنے والے جنتی ہیں اور ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ اور ہم نکال دیں گے جو کچھ ان کے سینے میں ہوگا کینہ۔ دنیا میں انسانوں کے جھگڑنے کے بڑے اسباب ہیں۔ مالی لحاظ سے، رشتے کی وجہ سے، عہدے کی وجہ سے ایک دوسرے کے خلاف بغض اور کینہ بھی ہوتا ہے، عداوت بھی ہوتی ہے۔ اور بسا اوقات شرارتی لوگ بھی آپس میں لڑا دیتے ہیں۔ دنیا میں شرارتی لوگ بھی بڑے ہیں۔ تو دنیا میں ایک دوسرے کے خلاف بغض، کینہ ذاتیات کی وجہ سے تھا یا شرارتی لوگوں کے اُکسانے کی وجہ سے تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم مومنوں کے دلوں سے نکال دیں گے۔ وہ کہاں نکالیں گے؟ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ پُل صراط سے گزر کر جنت سے پہلے ایک پُل ہے ھِيَ قَنْطَرَةٌ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّار "وہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پُل ہے۔" اس پر جب پہنچیں گے تو اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کے خلاف جو بغض اور کینہ ہوگا اس کو نکال دیں گے۔ پھر ایک دوسرے کے ساتھ پیار، محبت اور الفت ہوگی۔ ایک دوسرے کے خلاف جذبات ختم ہو جائیں گے۔ دل شیشے کی طرح صاف ہو جائیں گے۔

﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ﴾ جاری ہوں گی ان کے نیچے نہریں۔ جنت کے ہر علاقے میں نہریں چلتی ہوں گی ﴿وَقَالُوا﴾ اور مومن کہیں گے ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ﴿الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا﴾ جس نے ہماری رہنمائی کی اس مقام تک اور ہم یہاں تک پہنچے ﴿وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ﴾ اور نہیں تھے ہم ہدایت پانے والے ﴿لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ﴾ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ دیتا۔ رب تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی تو ہمیں ہدایت نصیب ہوئی۔ رب تعالیٰ نے ہدایت کس طرح دی؟ فرمایا ﴿لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾ البتہ تحقیق آ چکے ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ۔ وہ ہمارے لیے رہبر اور ہادی بن کر آئے، اُنھوں نے ہمیں ہدایت کے راستے بتائے، نیکی، بدی سے آگاہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں پر کتابیں نازل فرمائیں، صحیفے نازل فرمائے جن میں ہدایت کا پروگرام تھا اور ہر زمانے میں حق کی آواز بلند کرنے والے کھڑے کیے اور ہمیں اللہ تعالیٰ

نے عقل جیسی دولت سے نوازا۔ یہ تمام ہدایت کے اسباب اللہ تعالیٰ نے مہیا فرمائے۔

﴿ وَ نُوْدُوْۤا ﴾ اور ان کو پکارا جائے گا ﴿ اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا ﴾ یہ ہے وہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو۔ اور وارث کیوں بنائے گئے ہو؟ ﴿ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ بہ سبب اس کے جو تم عمل کرتے تھے۔ عمل جنت میں داخلے کا سبب ہے اور داخلے کی علت تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

ہر شخص فضل الٰہی سے جنت میں جائے گا نہ کہ عمل سے ؟

ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ اس کا عمل اس کو جنت میں داخل کرے جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل شامل نہ ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا حضرت! ہمارے عمل تو خیر کیا ہوں گے آپ ﷺ بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جا سکتے؟ حدیث پاک میں آتا ہے فَوَضَعَ يَدَهُ عَلٰى هَامَتِهٖ " آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک اپنے سر پر رکھا اور فرمایا: وَ لَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللهُ بِفَضْلٍ مِّنْهُ وَ رَحْمَةٍ اور میں بھی صرف عمل کے زور پر جنت میں نہیں جا سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوگی۔"

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سمجھانے کے لیے اپنے زمانے اور دور کے لحاظ سے مثال دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں گاڑی ہے اس کا انجن ہے اس کے ڈرائیور اور معاونین اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اس میں چلنے کے تمام کل پرزے موجود ہیں اور چلانا اس کو ڈرائیور نے ہے لیکن گارڈ جب تک سبز جھنڈی نہیں ہلائے گا اس وقت تک چلے گی نہیں۔ یہ اعمال سمجھو گاڑی ہے، انجن ہے، ڈرائیور ہے، سب کچھ ہے۔ لیکن رب تعالیٰ کی رحمت کی جھنڈی جب تک نہیں ہلے گی تب تک بندہ جنت میں نہیں جا سکے گا۔ تو اعمال سبب ہیں اور رب تعالیٰ کا فضل و کرم جنت میں داخلے کی علت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنتیوں اور دوزخیوں کے حالات بتائے ہیں۔ مزید بحث آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿ وَ نَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ ﴾ اور پکاریں گے جنت والے دوزخ والوں کو ﴿ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا ﴾ کہ بے شک ہم نے پالیا ہے ﴿ مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا ﴾ جس کا وعدہ کیا تھا ہم سے ہمارے رب نے بالکل حق ﴿ فَهَلْ وَجَدْتُّمْ ﴾ پس کیا تم نے پالیا ہے ﴿ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ﴾ جو وعدہ کیا تمہارے پروردگار نے سچ ﴿ قَالُوْا نَعَمْ ﴾ دوزخی کہیں گے ہاں ﴿ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ ﴾ پس اعلان کرے گا ایک اعلان کرنے والا ان کے درمیان ﴿ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ظالموں پر ﴿ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ جو روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿ وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ﴾ اور تلاش کرتے ہیں اس میں کجی ﴿ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴾ اور وہ

آخرت کے منکر ہیں ﴿وَبَیْنَهُمَا حِجَابٌ﴾ اوران دونوں کے درمیان ایک پردہ ہوگا ﴿وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ﴾ اوراعراف پر کچھ مرد ہوں گے ﴿یَعْرِفُوْنَ كُلًّا﴾ جو پہچانیں گے ہرایک کو ﴿بِسِیْمٰهُمْ﴾ ان کی نشانی کے ساتھ ﴿وَنَادَوْا أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ﴾ اور وہ پکاریں گے جنت والوں کو ﴿أَنْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ﴾ کہ بے شک سلام ہو تم پر ﴿لَمْ یَدْخُلُوْهَا﴾ وہ ابھی داخل نہیں ہوئے ہوں گے ﴿وَهُمْ یَطْمَعُوْنَ﴾ اور وہ امید رکھتے ہوں گے ﴿وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ﴾ اور جب پھر جائیں گی ان کی نگاہیں ﴿تِلْقَاءَ أَصْحٰبِ النَّارِ﴾ دوزخ والوں کی طرف ﴿قَالُوْا﴾ اعراف والے کہیں گے ﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے رب ﴿لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ نہ کرنا ہمیں ظالم قوم کے ساتھ۔

اس سے پہلے مومنوں اور کافروں کے انجام کا ذکر تھا کہ کافر مشرک دوزخ میں ہوں گے اوران کے اوپر نیچے آگ ہوگی اور مومن جنت والے ہیں اور ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ جنت کا محلِ وقوع ایسا ہوگا جیسے بالا خانہ ہوتا ہے کہ اوپر والی منزل والے نیچے والوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ جہنم نیچے ہوگی جنتی جہنمیوں کو چلتے پھرتے، آگ میں جلتے، چیخیں مارتے دیکھیں گے عجیب منظر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ اور جنتی جنت کے عیش وآرام میں ہوں گے جنت میں نہریں جاری ہوں گی حور وغلمان ہوں گے جو چاہیں گے رب ان کو فوراً دے گا بس ارادہ کرنے کی ضرورت ہوگی۔ روایات میں آتا ہے کہ ایک بہت اُونچا درخت ہوگا اس کی چوٹی پر پکے ہوئے پھل ہوں گے۔ یہ پھل کھانے کا ارادہ کرے گا اُدھر ﴿قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ﴾ وہ ٹہنی خود بخود جھک کر سامنے آجائے گی اس کو اُوپر چڑھ کر اُتارنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ پرندہ اُڑ رہا ہوگا یہ اس کو کھانے کا خیال کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ذبح ہوکر روسٹ شدہ (بھنا ہوا) اس کے سامنے پلیٹ میں رکھا ہوگا۔ رب تعالیٰ کی قدرت بہت وسیع ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَنَادٰى أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ﴾ اور پکاریں گے جنت والے ﴿أَصْحٰبَ النَّارِ﴾ دوزخ والوں کو ﴿أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا﴾ کہ بے شک ہم نے پالیا ہے اس چیز کو جس کا وعدہ کیا تھا ہمارے ساتھ ہمارے رب نے بالکل حق ﴿فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا﴾ پس کیا تم نے پالیا ہے اس چیز کو جس کا تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا سچ۔ کہ تمھیں دوزخ میں سزا ہوگی سانپ ڈسیں گے، بچھو ڈسیں گے اور خاردار جھاڑیاں تمھاری خوراک ہوگی، گرم پانی تمہارے سروں پر ڈالا جائے گا تمہارے چمڑے اُتر کر نیچے گر جائیں گے اور جو اندر جائے گا انتڑیاں کاٹ کر پاخانے کے راستے نکال دے گا۔ اس کو تم نے حق پایا ہے یا نہیں؟ ﴿قَالُوْا نَعَمْ﴾ دوزخی کہیں گے ہاں سچ پایا ہے۔ اقرار کے سوا کیا چارہ ہوگا ﴿فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ﴾ پس اعلان کرے گا ایک اعلان کرنے والا، وہ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ ہوگا ﴿بَیْنَهُمْ﴾ جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان۔ ان کو بھی سنائے گا اوران کو بھی سنائے گا اوراس کی آواز ایسی ہوگی یَسْمَعُ مَنْ بَعُدَ كَمَا یَسْمَعُ مَنْ قَرُبَ دور والا ایسے ہی سنے گا جیسے قریب والا سنے گا۔ وہ فرشتہ کہے گا ﴿أَنْ لَّعْنَةُ اللهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ظالموں پر جنھوں نے شرک کیا کیوں کہ ﴿إِنَّ

الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔ اور شرک سے نیچے ظلم کی بہت سی قسمیں ہیں۔ تو ظلم کرنے والوں پر رب تعالیٰ کی لعنت ہو۔

ظالم کون ہیں؟ ﴿الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ جو روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے۔ قولاً بھی اور فعلاً بھی روکتے ہیں۔ بعض افعال ایسے ہیں آدمی کرتا ہے تو اس کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی کرتے ہیں زبان سے چاہے نہ کہے۔ اس لیے مسئلہ یہ ہے کہ سنتیں اور نفلیں گھر میں پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے۔ اس لیے کہ جب بڑے گھر میں پڑھیں گے تو چھوٹوں کا ذہن بنے گا۔ بچے دیکھیں گے کہ ابو کیا کر رہا ہے، دادا کیا کر رہا ہے، ہم نے بھی اسی طرح کرنا ہے۔ یہ وضو گھر میں کریں ان کی طرف دیکھ کر بچے بھی وضو کا طریقہ سیکھیں گے اور اسی لیے حکم یہ ہے کہ حتی الوسع بڑی عمر کی عورتیں سر سے دوپٹا نہ اتاریں کہ ان کی طرف دیکھ کر چھوٹی بچیاں بھی سر سے کپڑا اتار دیں گی کہ دادی اماں نے اتارا ہوا ہے، نانی اماں نے اتارا ہوا ہے اور عملی سبق کا اثر زیادہ ہوتا ہے بہ نسبت زبانی سبق کے۔

تو یہ قولاً بھی اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں اور فعلاً بھی کہ ایسے کام کرتے ہیں جن کی وجہ سے لوگ حق سے رکتے ہیں ﴿وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾ اور تلاش کرتے ہیں اس میں کجی۔ کجی کا مطلب یہ ہے کہ نام اسلام کا لیں اور مرضی اپنی کریں۔ اس وقت ہمارے لیڈر یہی کچھ کر رہے ہیں۔ شریعت بہت بڑی شے ہے کون مسلمان ہے جو شریعت کو نہیں مانتا مگر اس کا نفاذ اور اس پر عمل کرنا بڑا مشکل ہے۔ دیکھ لینا یہ شریعت بل بالکل منظور نہیں ہوگا ان کی موجودگی میں۔ ہاں! اللہ تعالیٰ طالبان کی طرح کوئی آدمی لے آئے تو بات بنے گی کہ جو خود بھی عمل کرے اور دوسروں سے بھی عمل کروائے اور جنھوں نے خود کچھ نہیں کرنا وہ دوسروں پر شریعت کیسے نافذ کریں گے اور وہ اسلام ہے بھی نہیں ان کی مرضی ہے ﴿وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ﴾ اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔ بعض تو وہ ہیں جو زبانی اور کھلے طور پر منکر ہیں کہ اسلام کو مانتے ہی نہیں اور بعض عملی طور پر منکر ہیں یعنی زبان سے کلمہ پڑھتے ہیں، قیامت کو مانتے ہیں مگر نہ کلمہ کے مطابق عمل کرنے کے لیے تیار ہیں اور نہ قیامت کی تیاری کرتے ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے کہ ایک آدمی سکول میں داخل ہو جاتا ہے مگر پڑھتا نہیں ہے سال مکمل ہونے پر اس نے کیا امتحان دینا ہے جس نے ایک دن بھی نہیں پڑھا۔ تو ایک آدمی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے مگر اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ تو یہ عملی طور پر منکر ہے عمل کے بغیر کچھ نہیں ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

جو لوگ عمل نہیں کرتے اور زبانی طور پر کہتے ہیں قبر حق ہے، ثواب وعذاب حق ہے صرف اپنے نفس کو دھوکا دیتے ہیں۔ یہ بڑا ظلم ہے، زیادتی ہے اور حرام خوری ہے۔

﴿وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ﴾ اور ان دونوں کے درمیان ایک پردہ ہوگا هُمَا کی ضمیر جنت دوزخ کی طرف راجع ہے۔ جنت

دوزخ کے درمیان ایک بہت بڑا جزیرہ ہوگا یا ایک بہت بڑا پلیٹ فارم ہوگا، سمجھانے کے لیے کہہ رہا ہوں، اس کا نام اعراف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ﴾ اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے

اعراف کی وضاحت اور اہلِ اعراف؟

اَعْرَاف عَرَفَ یَعْرِفُ سے ہے۔ اس کا معنیٰ ہے پہچاننا۔ تو وہاں جو لوگ ہوں گے وہ جنتیوں کو بھی پہچانیں گے اور دوزخیوں کو بھی پہچانیں گے اس لیے اس کو اعراف کہتے ہیں۔

فرمایا ﴿يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ﴾ جو پہچانیں گے ہر ایک کو ان کی نشانی کے ساتھ۔ جنتیوں کو ان کی نشانی سے اور دوزخیوں کو ان کی نشانی سے۔ جنتیوں کی نشانی ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ﴾ کچھ چہرے روشن ہوں گے، عمدہ لباس پہنے ہوئے ہوں گے، بڑے صحت مند ہوں گے۔ اور کافروں کی نشانی ﴿وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾ اور کتنے چہرے سیاہ ہوں گے، بُری شکلیں ہوں گی، زار وقطار روئیں گے اور چیخیں گے لیکن حاصل کچھ نہیں ہوگا۔

اعراف میں کون لوگ ہوں گے؟ ایک تفسیر اس کی وہ ہے جو حدیث میں آئی ہے مَنِ اسْتَوَتْ حَسَنَاتُهٗ وَسَيِّاٰتُهٗ" جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔" کہ نیکیاں بھی پچاس ہیں اور برائیاں بھی پچاس ہیں۔ تو یہ لوگ کچھ عرصہ اعراف میں رہیں گے۔ دوزخ میں تو نہ جائیں گے کیوں کہ برائیاں غالب نہیں ہیں اور جنت میں بھی اول دخول نصیب نہیں ہوگا کیوں کہ نیکیوں کا پلڑا بھاری نہیں ہے۔ اعراف میں کتنا عرصہ رہیں گے؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اس کا علم ہمارے پاس نہیں ہے اور جنت میں نہ پہنچنا یہ بھی ایک قسم کی اذیت ہی ہے۔ اس کی تفصیل اگلے رکوع میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ فترت کے زمانے کے لوگ ہوں گے ﴿عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ﴾ فترت کا زمانہ وہ تھا کہ ایک نبی دنیا سے چلا گیا اور دوسرا ابھی آیا نہیں تو یہ درمیان کا جو عرصہ ہے یہ فترت کا زمانہ کہلاتا ہے۔ پہلے نبی کی تعلیم صحیح نہ رہی اس لیے وہ لوگ اتنے مجرم نہیں جتنے پیغمبر کے تشریف لے آنے کے بعد کے لوگ مجرم ہوتے ہیں جو تسلیم نہ کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا نہ کوئی سچا نبی پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن اُمت مرحومہ نے الحمد للہ! آج تک اپنے دین کی حفاظت کی ہے اور قیامت تک حفاظت ہوتی رہے گی۔

ایک حدیث میں آتا ہے عُلَمَآءُ اُمَّتِيْ كَاَنْبِيَآءِ بَنِيْ اِسْرَآءِيْلَ" کہ میری امت کے علماء ایسے ہی ہیں جیسے بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے۔" یعنی جس طرح انھوں نے اپنے اپنے دور میں دین کی حفاظت کی اسی طرح یہ دین کی حفاظت کریں گے۔ حدیث کا یہ مطلب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں بیان کیا ہے اور فرماتے ہیں اگر چہ حدیث ضعیف ہے مگر مفہوم صحیح ہے۔ اگر چہ اہل بدعت نے دین میں بڑی بڑی خرافات پیدا کی ہیں لیکن ہر جگہ میں آپ کو اصل دین ملے گا۔ الحمد للہ! اس امت نے فرائض، واجبات، سنن، مستحبات اور جائز ناجائز تک کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کی حفاظت کی ہے۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ مومن جنات اعراف میں ہوں گے۔لیکن جمہور کہتے ہیں کہ مومن جن بھی جنت میں جائیں گے۔
اور چوتھی تفسیر یہ ہے کہ اعراف والے وہ لوگ ہوں گے جو مقروض فوت ہوئے۔

قرضہ بھی بہت بُری چیز ہے ایک سوئی بھی کسی کے ذمہ ہو تو وہ بھی بڑی بھاری ہے۔کئی دفعہ سن چکے ہو کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "غنیۃ الطالبین" میں واقعات نقل کرتے ہیں۔ان واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ فرماتے ہیں ایک بہت بڑے بزرگ نیک، پرہیزگار آدمی کی وفات ہوگئی۔وفات کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیا گزری۔فرمایا مجھے سزا تو نہیں ہوئی لیکن جنت کے دروازے کے اندر داخلہ ممنوع ہے۔مجھے کہتے ہیں کہ تو نے ہمسائے سے سوئی مانگ کر لی تھی کپڑا سینے کے لیے وہ تو نے واپس نہیں کی۔جب تک وہ سوئی تیرے ورثاء واپس نہیں دیں گے تُو جنت میں نہیں جاسکتا۔

اندازہ لگاؤ کسی کے حق کا۔سوئی کتنی بھاری ہے؟ اور یہاں تو لوگ دوسروں کی مشینیں، کارخانے، دکانیں اور مکان غائب کر جاتے ہیں اور کوئی پروا نہیں ہے۔یاد رکھنا! حقوق العباد بہت سخت چیز ہے جب تک صاحب حق معاف نہیں کرے گا رب بھی معاف نہیں کرے گا چاہے حق باپ کا ہو، بھائی کا ہو، چچے کا ہو، پھوپھی کا ہو، بہن کا یا کسی اور کا ہو حق کی معافی نہیں ہے۔

پانچویں تفسیر یہ ہے کہ اصحاب اعراف وہ ہیں جنھوں نے جہاد کیا اور عُصَاۃٌ لِاٰبَآئِهِمْ اپنے ماں باپ کے نافرمان ہیں۔شہادت بھی بڑی چیز ہے مگر یاد رکھنا! ماں باپ کی فرماں برداری فرض عین ہے۔

والدین کا حق

فتح الباری وغیرہ تمام کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے اور اس پر علماء اور محدثین کا اتفاق ہے کہ جہاد اگر فرض عین ہو تو پھر ماں باپ کی اجازت کے بغیر اس میں شریک ہوسکتا ہے۔اور فرض عین اس وقت ہوتا ہے کہ جس وقت ملک پر براہِ راست حملہ ہوجائے اور اگر دوسرے علاقے میں جاکر لڑنا پڑے تو پھر ماں باپ کی اجازت کے بغیر جانا حرام ہے۔ایسا آدمی اگر مرا تو شہید تو ہوگا لیکن فوراً جنت میں نہیں جاسکتا۔کچھ عرصہ اس کو اعراف میں رہنا پڑے گا۔بہت سارے نوجوان جذبات میں آکر ماں باپ کی کوئی قدر نہیں کرتے آنکھیں بند ہونے کے بعد پتا چلے گا کہ ماں باپ کا کیا حق ہے۔

آج کل ماں باپ کے سامنے بعض دفعہ اولاد ایسے بات کرتی ہے جیسے اپنے دشمن کے ساتھ کوئی بات کر رہا ہے۔حالانکہ قرآن پاک کا حکم ہے کہ ان کے سامنے اُف بھی نہ کرو۔رئیس التابعین حضرت سعید ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ماں باپ کے سامنے اولاد کو ایسے بات کرنی چاہیے جیسے سخت مزاج آقا کے سامنے غلام بات کرتا ہے۔لیکن آج اولاد اُچھل اُچھل کر حملہ کرتی ہے تجربہ شاہد ہے۔

﴿ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ﴾ اور وہ پکاریں گے جنت والوں کو ﴿ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ﴾ کہ بے شک ہماری طرف سے تم پر

سلام ہو ﴿لَمْ يَدْخُلُوْهَا﴾ اور وہ اعراف والے ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے ﴿وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ﴾ اور وہ امید رکھتے ہوں گے کہ ہم ایک نہ ایک دن جنت میں داخل ہو جائیں گے ﴿وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ﴾ اور جب پھیری جائیں گی ان کی نگاہیں، اعراف والوں کی ﴿تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ﴾ دوزخ والوں کی طرف اور وہ ان کو دیکھیں گے تو ﴿قَالُوْا﴾ کہیں گے ﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے رب ﴿لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ نہ کر ہمیں ظالم قوم کے ساتھ۔ کیونکہ ہم تو درمیان میں ہیں۔ اِدھر بھی جا سکتے ہیں اور اُدھر بھی جا سکتے ہیں۔ لیکن اے ہمارے پروردگار! ہماری دعا ہے کہ ہمیں ظالموں کے ساتھ نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں حقیقت بتلا دی ہے۔ رب تعالیٰ ہمیں سمجھنے کی اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

~~~

﴿وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا﴾ اور پکاریں گے اعراف والے کچھ آدمیوں کو ﴿يَّعْرِفُوْنَهُمْ﴾ جن کو وہ پہچانیں گے ﴿بِسِيْمٰهُمْ﴾ ان کی علامتوں سے ﴿قَالُوْا﴾ کہیں گے ﴿مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ﴾ نہ کفایت کی تم کو تمہاری جماعت نے ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ اور جو کچھ تم تکبر کرتے تھے ﴿اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ﴾ کیا یہ وہ لوگ ہیں ﴿اَقْسَمْتُمْ﴾ کہ تم قسمیں اٹھاتے تھے ﴿لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ﴾ کہ اللہ ان کو رحمت نہیں پہنچائے گا ﴿اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ﴾ (ان کو تو حکم ہو چکا ہے) داخل ہو جاؤ جنت میں ﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ﴾ نہ خوف ہو گا تم پر ﴿وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ﴾ اور نہ تم غمگین ہو گے ﴿وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ﴾ اور دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے ﴿اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ﴾ کہ بہا دو ہمارے اوپر کچھ پانی ﴿اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾ یا جو کچھ اللہ نے تمھیں روزی دی ہے ﴿قَالُوْۤا﴾ جنت والے کہیں گے ﴿اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو حرام کر دیا ہے کافروں پر ﴿الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا﴾ جنھوں نے ٹھہرایا اپنے دین کو کھیل ﴿وَّلَعِبًا﴾ اور تماشا ﴿وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ اور دھوکے میں ڈالا ان کو دنیا کی زندگی نے ﴿فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ﴾ پس آج ہم ان کو فراموش کر دیں گے ﴿كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا﴾ جیسا کہ انھوں نے فراموش کیا اپنے اس دن کی ملاقات کو ﴿وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ﴾ اور جیسے وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے ﴿وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے ان کو کتاب دی ہے ﴿فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ﴾ جس کو ہم نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے علم کے ساتھ ﴿هُدًى وَّرَحْمَةً﴾ جو ہدایت ہے اور رحمت ﴿لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو ایمان لائے۔

جن کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جنت میں داخل ہو جائیں گے اور جن کی برائیوں کا پلڑا بھاری ہوگا وہ دوزخ میں چلے جائیں گے اور جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی وہ اعراف کے مقام میں رہیں گے جو جنت
~~~

اور دوزخ کے درمیان بہت بڑا پلیٹ فارم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہاں کتنا عرصہ رہیں گے لیکن ایک وقت آئے گا کہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ یہ بات دلائل سے ثابت ہے کہ اہل توحید میں سے جو گنہگار عملی کمزوریوں کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے ایک وقت آئے گا کہ وہ دوزخ سے نکل کر جنت میں چلے جائیں گے۔ تو اعراف والے تو ان سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ آگے اعراف والوں کے مکالمے کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ نَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا﴾ اور پکاریں گے اعراف والے کچھ آدمیوں کو ﴿یَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِیْمٰىهُمْ﴾ جن کو وہ پہچانیں گے ان کی علامتوں سے۔ جیسے ہم ایک دوسرے کی شکل وصورت دیکھ کر پہچانتے ہیں یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَهُمْ قیامت والے دن بھی باقاعدہ تعارف ہوگا۔ اور یہ تفسیر بھی کرتے ہیں کہ ان کی نشانیوں سے پہچانیں گے کیوں کہ ان کی شکلیں تو وہاں رات کی طرح سیاہ ہو چکی ہوں گی ﴿عَلَیْهَا غَبَرَةٌ ۙ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ﴾ [سورۃ عبس، پارہ: ۳۰] "ان پر گرد پڑ رہی ہوگی اور سیاہی چڑھ رہی ہوگی۔"

﴿قَالُوْا﴾ اعراف والے کہیں گے ﴿مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ﴾ نہ کفایت کی تم کو تمہاری جماعت نے۔ تم گھمنڈ کرتے تھے کہ ہم زیادہ ہیں ہماری جماعت طاقت ور ہے آج وہ جماعت کچھ کام نہ آئی ﴿وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ اور جو کچھ تم تکبر کرتے تھے کہ ہمارے پاس مربعے ہیں، کارخانے ہیں، مال و دولت ہے، کرسیاں ہیں، ہمارے نمائندے اتنے ہیں۔ آج کچھ بھی تمہارے کام نہ آیا ﴿اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ﴾ کیا یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے بارے میں تم قسمیں کھاتے تھے ﴿لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ﴾ کہ اللہ ان کو رحمت نہیں پہنچائے گا، رحمت سے نہیں نوازے گا، ان کو بھلائی کہاں ملے گی، ان کو کبھی خوش نصیبی نہیں ملے گی کہ کافر دنیا میں ان کی غربت دیکھتے، پھٹے پرانے کپڑے ہوتے، رہنے کے لیے مکان نہیں، بھوک کی وجہ سے چہرے مرجھائے ہوئے ہیں تو کہتے کہ رب نے ان کو یہاں نہیں دیا وہاں کیا دے گا؟ اور ہم یہاں بھی مزے کر رہے ہیں کہ مال، اولاد، عزت وغیرہ ہمیں حاصل ہے اور آگے بھی ہمارے مزے ہوں گے۔

تو اعراف والے جنتیوں کی طرف اشارہ کر کے دوزخیوں کو کہیں گے اے کافرو! جن کے بارے میں تم قسمیں اٹھاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کو رحمت سے نہیں نوازے گا دیکھو! آج وہ کیسے مزے کر رہے ہیں۔ ان کو تو رب تعالیٰ نے فرما دیا ہے ﴿اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ﴾ داخل ہو جاؤ جنت میں ﴿لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمْ﴾ نہ خوف ہوگا تم پر ﴿وَ لَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ﴾ اور نہ تم غمگین ہوگے۔ خوف کہتے ہیں آئندہ کسی چیز کے خدشے کو اور غم کہتے ہیں گزشتہ کسی شے پر افسوس کو۔ تو جنتیوں کو نہ تو کسی قسم کا خوف ہوگا کہ ہمیں جنت سے نکالا جائے گا یا کوئی بیماری لگے گی یا بھوک پیاس کا خطرہ یا گرمی سردی کا ڈر، قطعاً کسی شے کا خوف نہیں ہوگا اور نہ گزشتہ پر غم کہ ہم نے اعمال صحیح نہیں کیے۔ جیسا کہ دوزخی افسوس کریں گے کاش! کہ دنیا میں ہم ایمان لاتے، اعمال اچھے کرتے۔ جنتیوں کو ایسا کوئی غم نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ کی رضا شامل حال ہوگی ﴿سَلٰمٌ ۟ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ﴾ [سورۃ یٰسین] اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی خود جنتیوں کو سلام کرے گی، حوریں سلام کہیں گی خود جنتی ایک دوسرے کو سلام کہیں گے ﴿تَحِیَّتُهُمْ یَوْمَ

یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ﴾[الاحزاب:۴۴]

﴿وَ نَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ اور پکاریں گے دوزخ والے ﴿اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ﴾ جنت والوں کو ﴿اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ﴾ کہ بہادو ہمارے اُوپر کچھ پانی۔ جب دیکھیں گے جنتیوں کو ٹھنڈے پانی، شربت، شراب طہور پیتے ہوئے تو کہیں گے ﴿اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾ یا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمھیں روزی دی ہے اس میں سے کچھ تھوڑی سی ہمیں بھی بھیج دو۔ جنتیوں کی منتیں کریں گے۔

جنتیوں کا جواب!

﴿قَالُوْۤا﴾ جنتی کہیں گے ﴿اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِیْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو حرام کر دیا ہے کافروں پر۔ پانی بھی اور روٹی بھی کافروں کے لیے حرام ہے۔ ہم دینے کے مجاز نہیں ہیں اور نہ تمہارے لیے حلال ہیں۔ کسی سے کچھ مانگنا، خوراک مانگنا بڑی چیز ہوتی ہے۔ تو یہ دنیا کے بڑے بڑے مال دار اور مغرور جنتیوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں گے وہ کھرا کھرا جواب دیں گے کہ یہ پانی اور خوراک کافروں کے لیے حرام ہے۔ کافر کون ہیں؟ فرمایا ﴿الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا﴾ جنھوں نے ٹھہرایا اپنے دین کو کھیل اور تماشا۔ اپنے دین سے کیا مراد ہے؟ تو یہ تفسیر بھی کی گئی کہ دین جس طرح ہمارے لیے ہے کافروں کے لیے بھی ہے ہم نے قبول کر لیا اور اُنھوں نے اس کو کھیل تماشا بنایا اور اس کا مذاق اُڑاتے۔

چھٹے پارے میں تم پڑھ چکے ہو کہ نماز کے ساتھ مسخرہ کرتے تھے، اذان کا مذاق اڑاتے تھے اور نویں پارے میں آئے گا ﴿مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَیْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ تَصْدِیَةً﴾ [الانفال:۳۵] "اور نہیں ہے ان لوگوں کی نماز خانہ کعبہ کے پاس مگر سیٹی بجانا اور تالی بجانا۔" یہ کعبۃ اللہ کے سامنے قوالی کرتے تھے جیسے آج کل کئی جاہل قسم کے لوگ قوالی کو عبادت سمجھتے ہیں۔ اچھے اشعار جو شریعت کے مطابق ہوں تو ان میں کوئی کلام نہیں ہے بشرطیکہ ساتھ باجا وغیرہ نہ ہو اور قوالی تو باجے کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس کا سننا بھی گناہ ہے، کرنا بھی گناہ اور دیکھنا بھی گناہ ہے۔

انگریز کا دور تھا ۱۹۳۷ء ۱۹۳۵ء کی بات ہے۔ گوجرانوالا میں ہندوؤں کا سینما ہوتا تھا۔ اُنھوں نے خبر شائع کرائی اور اشتہارات دیے کہ ہم حج فلم دکھائیں گے۔ تمام طبقوں کے علماء اکٹھے ہوئے اور سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ حج ہماری عبادت ہے اس کو کھیل کے طور پر پیش کرنا یہ ہمارے دین سے مذاق ہے۔ چنانچہ اس کے خلاف جلوس نکالا گیا اور میں خود اس جلوس میں شریک تھا۔ انگریز سمجھ گیا کہ اس سے ان کے جذبات مجروح ہوئے ہیں اس نے حج فلم پر پابندی لگا دی۔ انگریز دفع ہو گیا اور ہماری اپنی حکومت آئی تو انھوں نے خانۂ خدا فلم چلا دی۔

شیخوپورہ میں جلسہ تھا مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کی تقریر تھی اور میری صدارت تھی۔ ایک پرچی آئی کہ انگریز کے دور میں حج فلم چلتی تھی تو ہمارے علماء اس کے خلاف احتجاج کرتے تھے اور اب "خانۂ خدا" نام سے فلم چل رہی ہے تو تم خاموش ہو

تمہاری خاموشی کس معنیٰ میں ہے؟ پرچی موٹے موٹے حرفوں سے لکھی ہوئی تھی میں اُسے پڑھ رہا تھا کہ مولانا کی نظر اس پر پڑ گئی۔ اُنھوں نے وہ پرچی مجھ سے لے لی اور فرمایا کہ میں خود اس کا جواب دوں گا۔ مولانا نے جواب دیا اور فرمایا کہ دیکھو بھئی! انگریز کے دور میں بھی ہم احتجاج کرتے تھے اور آج بھی ہم سختی سے تردید کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے قوت ہمارے پاس نہیں ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ ایک ماں سگی ہوتی ہے اور ایک سوتیلی ہوتی ہے۔ سوتیلی ماں بچے کو مارتے ہوئے جھجکتی ہے کہ لوگ کہیں گے کہ سوتیلی ہے اس لیے مار رہی ہے اور سگی ماں مارتے ہوئے جھجکتی نہیں ہے کیوں کہ اس کا سگا بیٹا ہے۔ پہلے ہماری سوتیلی بے بے تھی حکومت برطانیہ، وہ ڈرتی تھی اور اب ہماری سگی بے بے ہے حکومت پاکستان، یہ جو چاہے کرے ڈرتی نہیں ہے۔ اب جو کچھ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے سگی بے بے کا معاملہ ہو رہا ہے۔

سگی بے بے جو کچھ ہمارے ساتھ کر رہی ہے ایسی خرافات کبھی نہیں ہوئی تھیں۔ فحاشی کا بازار گرم ہے۔ کوئی اخبار فحش تصاویر سے خالی نہیں ہے، کوئی رسالہ خالی نہیں ہے۔ انسان حیران ہوتا ہے کہ یہ مسلمانوں کا ملک ہے؟ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے طالبان کو ان کے کسی اخبار میں کسی جان دار کی تصویر نہیں ہوتی۔ کاش! کہ ہمارے ملک میں بھی وہی سچا اسلام آجائے جس کو طالبان نے اپنے ملک میں نافذ کیا ہے۔ تمام خرابیاں ختم ہو جائیں گی اور امن قائم ہو جائے گا اور سب صحیح معنیٰ میں مسلمان ہو جائیں گے۔

﴿ وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ﴾ اور دھوکے میں ڈالا ان کو دنیا کی زندگی نے۔ دنیا کی زندگی پر مفتون ہوئے ﴿ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ ﴾ آج ہم ان کو فراموش کر دیں گی ﴿ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ﴾ جیسا کہ اُنھوں نے فراموش کیا اپنے آج کے دن کی ملاقات کو۔ نسیان کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف مجازی ہے ورنہ ﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا [مریم: ۶۴] ''اور تمہارا رب بھولتا نہیں ہے۔'' مطلب یہ ہے کہ ایسے منکرین کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے گا جو کسی فراموش شدہ آدمی کے ساتھ کیا جاتا ہے یا یوں سمجھ لو کہ اُنھوں نے آخرت کی تیاری کو چھوڑ دیا آج ہم ان کو چھوڑ دیں گے اور رحمت سے الگ کر دیں گے ﴿ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴾ اور جیسے وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے اور آخرت کی تیاری چھوڑ دی اور اگر وہ کہیں کہ ہم بے خبر تھے تو غلط ہے کیوں کہ ﴿ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے ان کو کتاب دی ہے، قرآن کریم۔ ﴿ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ ﴾ جس کو ہم نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے علم کے ساتھ۔ قرآن کریم میں اصول، قانون، کلیات بیان ہوئے ہیں ﴿ هُدًى ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی نری ہدایت ہے۔ اس کو پڑھنا ثواب، ہاتھ لگانا ثواب، دیکھنا ثواب، سمجھنا ثواب، اس پر عمل کرنا ثواب ﴿ وَّرَحْمَةً ﴾ اور نری رحمت ہے۔

یاد رکھنا! یہ قرآن صرف مولویوں، قاریوں اور حافظوں کے لیے نہیں ہے، صرف مردوں کے لیے نہیں ہے، بلکہ تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ مولوی ہوں غیر مولوی ہوں، مرد ہوں یا عورتیں ہوں، پڑھے ہوں یا اَن پڑھ ہوں قیامت والے دن اللہ تعالیٰ پوچھیں گے میں نے ایک کتاب تمہاری طرف نازل کی تھی تم نے اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا؟ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اللہ تعالیٰ کے ہاں استغاثہ دائر کریں گے ﴿ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴾ [الفرقان: ، پارہ: ۱۹] ''بے شک میری قوم نے

اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔" یہ کتاب باعث رحمت ہے ﴿لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو ایمان لائے اور جس نے نہیں ماننا اس کے لیے کچھ نہیں ہے۔

﴿هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِیْلَهٗ﴾ وہ نہیں انتظار کرتے مگر اس کی حقیقت کے ظاہر ہونے کا ﴿یَوْمَ یَاْتِیْ تَاْوِیْلُهٗ﴾ جس دن سامنے آئے گی اس کی حقیقت ﴿یَقُوْلُ الَّذِیْنَ﴾ کہیں گے وہ لوگ ﴿نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ﴾ جنھوں نے بھلا دیا اس قرآن کو اس سے پہلے ﴿قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾ تحقیق آئے ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ ﴿فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ﴾ پس کیا ہمارے لیے کوئی سفارشی ہیں ﴿فَیَشْفَعُوْا لَنَآ﴾ جو سفارش کریں ہمارے لیے ﴿اَوْ نُرَدُّ﴾ یا ہم لوٹا دیے جائیں ﴿فَنَعْمَلَ﴾ پس عمل کریں ہم ﴿غَیْرَ الَّذِیْ﴾ سوا اس کے ﴿كُنَّا نَعْمَلُ﴾ جو ہم عمل کرتے تھے ﴿قَدْ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ﴾ تحقیق انھوں نے گھاٹے میں ڈالا اپنے نفسوں کو ﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ﴾ اور گم ہوگئیں ان سے وہ باتیں ﴿مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ﴾ جن کا وہ افترا باندھتے تھے ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ﴾ بے شک تمہارا پروردگار اللہ ہے ﴿الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ﴿فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ﴾ چھ دنوں میں ﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ پھر مستوی ہوا عرش پر ﴿یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ﴾ وہ ڈھانپ دیتا ہے رات کو دن پر ﴿یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا﴾ طلب کرتا ہے وہ اس کو تیزی سے ﴿وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ﴾ اور سورج اور چاند اور ستارے ﴿مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ﴾ جو اس کے حکم کے تابع ہیں ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾ خبردار اسی کی ہے مخلوق اور اسی کا ہے حکم ﴿تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ اللہ برکت والا ہے، تمام جہانوں کا پروردگار ہے ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ﴾ پکارو اپنے رب کو ﴿تَضَرُّعًا﴾ عاجزی کرتے ہوئے ﴿وَّخُفْیَةً﴾ اور آہستہ آہستہ ﴿اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ﴾ بے شک وہ محبت نہیں کرتا تجاوز کرنے والوں سے۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جو تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں سے اعلیٰ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج تک اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے عقائد، عبادات، اور معاملات کے اصول بیان فرمائے ہیں۔ اپنوں کے بھی اور غیروں کے بھی۔ یہ ایسی کتاب ہے کہ آج تک دنیا میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ مسائل کو عقلی اور نقلی دلائل سے سمجھایا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں ذکر تھا ﴿وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰی عِلْمٍ﴾ "اور البتہ تحقیق ہم نے ان کو کتاب دی جس کو ہم نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا علم کے ساتھ۔" تو فرمایا جو لوگ اس کتاب پر ایمان نہیں لاتے وہ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں؟ فرمایا ﴿هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِیْلَهٗ﴾ نہیں انتظار کرتے مگر اس کی حقیقت کے ظاہر ہونے کا ﴿یَوْمَ

﴿یَاْتِیْ تَاْوِیْلُهٗ﴾ جس دن سامنے آئے گی اس کی حقیقت۔ یعنی قرآن کریم نے جو کچھ بیان کیا ہے جب اس کی حقیقت سامنے آئے گی مرنے کے بعد، قیامت برپا ہونے کے بعد میدانِ محشر قائم ہوگا پھر مانیں گے۔

﴿یَقُوْلُ الَّذِیْنَ﴾ کہیں گے وہ لوگ ﴿نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ﴾ اُنھوں نے بھلا دیا اس قرآن کو اس سے پہلے اور اس کے احکامات کی طرف پیٹھ کی وہ کہیں گے ﴿قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾ تحقیق آئے ہمارے پاس ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ مگر ہم نے تسلیم نہیں کیا تھا ﴿فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ﴾ پس کیا ہمارے لیے ہے کوئی سفارشی ﴿فَیَشْفَعُوْا لَنَآ﴾ جو سفارش کریں ہمارے لیے ﴿اَوْ نُرَدُّ﴾ یا ہم لوٹا دیے جائیں دنیا کی طرف ﴿فَنَعْمَلَ غَیْرَ الَّذِیْ﴾ پھر عمل کریں ہم سوا اس کے ﴿كُنَّا نَعْمَلُ﴾ جو ہم عمل کرتے تھے۔ کفریہ، شرکیہ، رب تعالیٰ کی نافرمانی کہ اگر ہمیں دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے تو اب ہم وہ کام نہیں کریں گے۔ مگر اب اس جہان سے اس جہان کی طرف جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ تحقیق اُنھوں نے گھاٹے میں ڈالا اپنے نفسوں کو ﴿وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ﴾ اور گم ہوگئیں ان سے وہ باتیں جن کا وہ افترا باندھتے تھے اور کہتے تھے ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [یونس:۱۸، پارہ:۱۱] "یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے پاس۔" ہم ان کی پوجا اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں رب کے قریب کر دیں ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ [الزمر:۳، پ ۲۳:] "ہم ان کو اس لیے پوجتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں گے۔" وہاں نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا اور نہ ہی کوئی رب کے قریب کرنے والا ہوگا۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ﴾ بے شک تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ رب کا معنیٰ ہے پالنے والا، یہ لفظ تربیت سے ہے۔ اور مخلوق کی تربیت کے لیے جتنی چیزوں کی ضرورت ہے وہ تمام رب کے مفہوم میں داخل ہیں کہ خوراک کی ضرورت ہے، پانی کی ضرورت ہے، ہوا کی ضرورت ہے، ان سب چیزوں کا خالق رب تعالیٰ ہے۔ اور ان چیزوں کے پیدا کرنے کے جتنے ذرائع اور اسباب ہیں مثلاً: زمین، پانی، ہوا، چاند، سورج، ستارے، سب رب تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں۔ اگر کوئی شخص رب کا مفہوم ہی سمجھ لے تو ان شاء اللہ کبھی شرک میں مبتلا نہیں ہوگا۔ اور اللہ، اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے اور ننانوے صفاتی نام مشہور ہیں۔ ویسے پانچ ہزار (۵۰۰۰) صفاتی نام اللہ تعالیٰ کے صحیفوں اور کتابوں میں اور پیغمبروں کی وحی میں آئے ہیں۔ ان تمام ناموں میں رب کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی ذات کو زیادہ واضح کرتا ہے اور ذاتی نام لفظ اللہ ہے۔ جیسے: کسی شخص کا نام عبداللہ ہو اور وہ حافظ، قاری، مولوی، حاجی، منشی، اور پہلوان بھی ہو تو عبداللہ کے علاوہ سارے اس کے صفاتی نام ہیں۔

بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے رشتہ میں رکاوٹ ہو تو وہ آدمی یہ تین لفظ یارحیمُ، یا کریمُ، یالطیفُ پڑھے تو اللہ تعالیٰ رشتے کی رکاوٹ کو دور فرما دیں گے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان تینوں ناموں کے عدد اور اپنے اور اپنی والدہ کے نام کے عدد نکال کر جمع کر لیں اتنی تعداد کے مطابق اکتالیس دن پڑھیں ان شاء اللہ نتیجہ ظاہر ہو جائے گا۔

اور رزق کی تنگی کے لیے یَارحیمُ یَاکریمُ یَارزّاق کا وظیفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر نام میں اثر ہے ﴿الَّذِیْ خَلَقَ

﴿السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ﴿فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ﴾ چھ دنوں میں۔ یہ دن تو اس وقت نہیں تھے لہٰذا اتنا وقت مراد ہے کہ چھ دنوں کے وقت میں پیدا کیا۔ پیدا تو وہ ایک لمحے میں کر سکتا تھا مگر یہ اس کی حکمت تھی۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ چھ دنوں میں پیدا کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اس سے مخلوق کو سمجھانا مقصود ہے کہ کام دفعتاً نہیں بلکہ تدریجاً، آہستہ آہستہ ہوتا ہے۔ باوجود اس کے کہ رب تعالیٰ قادر مطلق ہے اس نے بھی چھ دنوں میں پیدا کیا ہے۔

﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ پھر وہ مستوی ہوا عرش پر۔ مستوی کا ایک معنیٰ تو مجازی ہے کہ پوری کائنات پر اللہ تعالیٰ کی شاہی ہے۔ عرش پر بیٹھنا صاحب اقتدار ہونے کی علامت ہے۔ اور اِسْتَوٰی کا حقیقی معنیٰ بیٹھنا بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ کس طرح قائم اور بیٹھا ہے؟ ہم کسی سے اس کو تشبیہ نہیں دے سکتے۔ مثلاً: میں گدی پر بیٹھا ہوں اور آپ قالینوں پر بیٹھے ہیں، کوئی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے، کوئی پلنگ پر اور کوئی چٹائی پر، کوئی زمین پر۔ یہ بیٹھنا تو ہم دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بیٹھنے کو کسی کے ساتھ تشبیہ نہیں دے سکتے۔ ہاں! یہ کہیں گے کہ جو استواء اس کی شان کے لائق ہے، جو بیٹھنا اس کی شان کے لائق ہے اس طرح بیٹھا ہے۔ اس سے آگے ہمیں اس کی تشریح معلوم نہیں ہے اور کیفیت کا معلوم کرنا ضروری بھی نہیں ہے۔

اسی آیت کی تشریح میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کے متعلق امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ حضرت! یہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر کس طرح قائم ہے۔ تو فرمایا اَلْاِیْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ "اس پر ایمان لانا واجب ہے وَالْکَیْفِیَّةُ مَجْهُوْلَةٌ اور کیفیت اس کی مجہول ہے وَالسُّوَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ اور اس کے بارے میں کچھ پوچھنا بدعت ہے۔" جس چیز کی حقیقت کا علم نہ ہو اس کے پیچھے پڑنا ہی بدعت ہے اور دونوں معنوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی ماننا ہے کہ ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ [الحدید: ۴، پارہ: ۲۷] "وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔" اور اتنا قریب ہے کہ فرمایا ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾ [ق: ۱۶، پارہ: ۲۶] "اور ہم انسان کے زیادہ قریب ہیں شاہ رگ سے۔" شاہ رگ اور رگ جان اسے کہتے ہیں جو دل سے دماغ تک جاتی ہے۔ تو رب اس سے بھی زیادہ قریب ہے لیکن جس طرح اس کی شان کے لائق ہے معیت اور قرب۔

﴿یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ﴾ وہ ڈھانپ دیتا ہے رات کو دن پر۔ دن کی روشنی ختم ہو جاتی ہے رات آجاتی ہے ﴿یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا﴾ طلب کرتا ہے وہ اس کو تیزی سے۔ یہ دن رات ایک دوسرے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں رات دن کو دوڑتے ہوئے طلب کرتی ہے اور دن رات کو دوڑتے ہوئے طلب کرتا ہے ﴿وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ﴾ اور سورج، چاند اور ستارے ﴿مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ﴾ جو اس کے حکم کے تابع ہیں۔ رب تعالیٰ نے ان کی جو رفتار اور راستے مقرر کیے ہیں، اس کے مطابق چل رہے ہیں۔ ﴿اَلَا﴾ خبردار ﴿لَهُ الْخَلْقُ﴾ اسی کی ہے مخلوق ﴿وَالْاَمْرُ﴾ اور اسی کا حکم مخلوق پر نافذ ہوگا۔

انگریز کے دور میں ہم چھوٹے چھوٹے ہوتے تھے انگریز جب کوئی نیا حکم جاری کرتا تھا تو منادی کرنے والا ڈھول کے ساتھ منادی کرتا اور کہتا مخلوق خدا کی اور حکم انگریز کا اور پھر حکم سناتا کہ تمہارے لیے یہ حکم ہے۔ بھائی! جب مخلوق خدا کی ہے تو حکم

بھی خدا کا۔ لیکن آج حکم اپنے ہیں اسی لیے مسلمان قوموں پر خدا کا عذاب نازل ہوا ہے کہ مخلوق خدا کی اور حکم چاہے برطانیہ کا اور تائے امریکہ کا۔ سعودی عرب تک اس کا تسلط ہے اور جس ملک میں بھی جاؤ اس کا سکہ چلتا ہے۔ پاکستانی سکہ دکھاؤ نہیں لیں گے توڑ الردوڑ کر لیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مخلوق بھی اللہ تعالیٰ کی اور حکم بھی اللہ تعالیٰ کا ﴿تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اللہ برکت والا ہے، تمام جہانوں کا پروردگار ہے، پالنے والا صرف وہی ہے۔

ذکر بلند آواز سے کرنا چاہیے یا آہستہ؟

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾ پکارو اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور آہستہ آہستہ۔ بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت ہے کہ خیبر کے سفر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض نے اونچی اونچی ذکر کرنا شروع کر دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِرْبَعُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ "اپنی جانوں پر رحم کرو لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے اِنَّكُمْ تَدْعُوْنَ سَمِيْعًا قَرِيْبًا بے شک تم اس ذات کو پکارتے ہو جو سننے والی اور قریب ہے وَ هُوَ مَعَكُمْ اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔" [بخاری، ص ۶۰۵، ج ۲]

اس حدیث کی شرح میں فتح الباری عمدۃ القاری وغیرہ میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ اونچی آواز میں ذکر کو مکروہ سمجھتے تھے مکروہ تحریمی کے درجے میں سوائے ان جگہوں کے کہ جہاں شریعت نے اجازت دی ہے۔ مثلاً: اذان ہے، تکبیر ہے، تلبیہ ہے لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ اور بڑی عید کے موقع پر عیدگاہ جاتے ہوئے اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ پڑھنا یا جن نمازوں میں قرأت بلند آواز سے ہے وغیرہ اور جن جگہوں میں بلند آواز سے پڑھنے کا حکم نہیں ہے وہاں آہستہ پڑھنا ہے۔ جیسے عید الفطر کے موقع پر عیدگاہ جاتے ہوئے تکبیر آہستہ پڑھنی ہے۔ بلند آواز سے پڑھو گے تو بدعت کے مرتکب ہو گے۔

خلاصہ یہ ہے جہاں بلند آواز سے پڑھنے کا حکم ہے وہاں بلند آواز سے ورنہ آہستہ آواز سے پڑھنا ہے اور چاروں امام ،امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ متفق ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے۔ اور امام صاحب کی عبارت یہ ہے: اِنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ بِدْعَةٌ مُخَالِفٌ لِاَمْرٍ فِيْ قَوْلِهٖ تعالٰى اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً "کہ بے شک آواز کا بلند کرنا ذکر کے ساتھ اور دعا کے ساتھ بدعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس امر ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾ کے خلاف ہے۔" کبیری، البحر الرائق، فتح القدیر میں امام صاحب کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔ البتہ اگر آدمی بالکل تنہا ہے اور اس کے بلند آواز سے ذکر کرنے کی وجہ سے کسی کی نیند یا نماز اور مطالعہ میں خلل نہیں پڑھتا اور کسی بیمار کو تکلیف نہیں ہوتی تو اونچی آواز سے پڑھنے کی اجازت ہے۔ مگر اتنی بلند آواز سے نہیں کہ لوگ ڈر جائیں۔ باقی مجلس اور مسجد کے متعلق تفسیر

مظہری میں صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ اگر ایک نمازی بھی نماز پڑھ رہا ہو تو بلند آواز سے قرآن کریم بھی پڑھنا جائز نہیں ہے۔
مگر آج تو لوگوں نے مسجدوں کو اکھاڑا بنایا ہوا ہے اور یہ جو کچھ کرتے ہیں سب بدعات ہیں اور بڑے ظلم کی بات ہے۔ان کے امام احمد رضا خان بریلوی جن کا رتبہ یہ دوسرے اماموں سے بھی زیادہ سمجھتے ہیں ان کے فتاوی رضویہ میں لکھا ہے کہ کسی نے پوچھا کہ یہ بتائیں کہ بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا، ذکر کرنا اور درود شریف اونچی پڑھنے کا کیا حکم ہے۔تو وہ فقہی حوالے دے کر بتاتے ہیں کہ درست نہیں ہے۔اور سوال کی دوسری شق یہ ہے کہ اگر کوئی نہ مانے تو پھر؟ اس کا جواب دیتے ہیں کہ اگر نہیں مانتا تو قوت ہے تو ہاتھ سے روکو، نہیں ہے تو زبان سے منع کرو، نہیں ہے تو دل سے بُرا مانو۔تو یہ لوگ ضد میں آکر اپنے امام کی بھی مخالفت کرتے ہیں اور ضد کا کوئی علاج نہیں ہے۔
ہاں! تعلیم کے لیے درست ہے جیسے قادری سلسلے میں کہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جب نئے نئے مرید آتے تھے تو جمعرات کے دن اونچی آواز سے ذکر کی تعلیم دیتے تھے مگر اتنی اونچی نہیں کہ کان کھا جائیں۔ویسے ذکر یعنی تعلیم کے علاوہ آہستہ ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے: خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ "بہترین ذکر آہستہ کرنا ہے۔" اور یہ بھی حدیث ہے کہ آہستہ ذکر کرنا اُونچی آواز میں ذکر کرنے سے ستر درجے زیادہ ہے۔تو قرآن کریم کا بھی یہی حکم ہے اور حدیث کا بھی اور فقہ حنفی کا بھی اور تمام فقہاء کا مسلک بھی یہی ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا درست نہیں ہے۔ذکر اس انداز سے کرے کہ اپنے کان سنیں۔
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔دیکھو! کتنے صاف لفظ ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنے والوں سے، شور مچانے والوں سے اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا۔اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہے۔

﴿وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ اور نہ فساد پھیلاؤ زمین میں ﴿بَعْدَ اِصْلَاحِهَا﴾ اس کی اصلاح کے بعد ﴿وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا﴾ پکارو اللہ تعالیٰ کو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے ﴿اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت ﴿قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ قریب ہے نیکی کرنے والوں کے ﴿وَهُوَ الَّذِيْ﴾ اور وہ وہی ذات ہے ﴿يُرْسِلُ الرِّيٰحَ﴾ جو چلاتا ہے ہواؤں کو ﴿بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ﴾ جو خوش خبری سناتی ہیں اس کی رحمت سے پہلے ﴿حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا﴾ یہاں تک کہ جب اٹھاتی ہیں وہ ہوائیں بادلوں کو جو بوجھل ہوتے ہیں ﴿سُقْنٰهُ﴾ ہم اس کو چلاتے ہیں ﴿لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ﴾ مردہ شہر کی طرف ﴿فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ﴾ پس ہم اتارتے ہیں اس سے پانی ﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ پس ہم نکالتے ہیں اس پانی کے ذریعے ہر قسم کے پھلوں کو ﴿كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى﴾ اسی طرح ہم نکالیں گے مردوں کو ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ﴿وَالْبَلَدُ

الطَّیِّبُ﴾ اور پاکیزہ شہر ﴿یَخْرُجُ نَبَاتُهُ﴾ نکلتا ہے اس کا سبزہ ﴿بِإِذْنِ رَبِّهٖ﴾ اس کے رب کے حکم سے ﴿وَالَّذِیْ خَبُثَ﴾ اور وہ جو ردی ہوتا ہے ﴿لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا﴾ نہیں نکلتا مگر نکما ﴿كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ﴾ اسی طرح ہم پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں آیتیں ﴿لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو شکر ادا کرتی ہے ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا﴾ البتہ تحقیق بھیجا ہم نے نوح علیہ السلام کو ﴿اِلٰی قَوْمِهٖ﴾ ان کی قوم کی طرف ﴿فَقَالَ﴾ پس کہا انھوں نے ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ﴾ نہیں ہے تمہارے لیے کوئی معبود ﴿غَیْرُهٗ﴾ اس کے سوا ﴿اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ﴾ بے شک میں خوف کرتا ہوں تم پر ﴿عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ﴾ بڑے دن کے عذاب کا ﴿قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ﴾ کہا اس کی قوم کے سرداروں نے ﴿اِنَّا لَنَرٰىكَ﴾ بے شک ہم دیکھتے ہیں تجھے ﴿فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ کھلی گمراہی میں۔

ربط آیات

اس سے پچھلی آیت کریمہ ہے ﴿اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ﴾ "بے شک اللہ تعالیٰ تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" آگے فرمایا ﴿وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ﴾ اور نہ فساد پھیلاؤ زمین میں ﴿بَعْدَ اِصْلَاحِهَا﴾ اس کی اصلاح کے بعد۔ معلوم ہوا کہ بلند آواز سے ذکر کرنا اور بلند آواز سے دعا کرنا فساد کا ذریعہ ہے کہ پہلے فرمایا ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً﴾ اور پھر فرمایا ﴿وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا﴾ اس لیے کہ ذکر جہری سے جس کی نیند میں خلل آئے گا وہ لڑے گا، کسی کے مطالعہ میں خلل آئے گا، کسی کی نماز میں خلل آئے گا، بیمار ہو تو اس کے آرام میں خلل آئے گا، اسی کا نام فساد ہے کہ دوسروں کو تنگ کرے۔ لوگوں نے چیخنے چلّانے کو ثواب سمجھ رکھا ہے اور قرآن کریم اس کو فساد کہتا ہے۔ لہٰذا جہاں بلند آواز سے دعا و ذکر کرنے کی اجازت نہیں ہے وہاں ذکر بالجہر اور دعا بلند آواز سے کرنا گناہ بھی ہے، مکروہ بھی ہے، حرام بھی ہے اور فساد بھی ہے ﴿وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا﴾ اور پکارو اللہ تعالیٰ کو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعا کو قبول فرمائے گا ﴿اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت قریب ہے نیکی کرنے والوں کے۔

رحمتِ خداوندی

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کیے۔ ان میں سے ننانوے حصے اپنے پاس رکھے اور ایک حصہ ساری مخلوق پر تقسیم کیا جس میں انسان، جنات، حیوانات وغیرہ سب شامل ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے اسی رحمت کی وجہ سے انسان اپنے بچوں سے پیار کرتا ہے، حیوان اپنے بچوں سے پیار کرتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک جہاد کا سفر تھا جس میں کچھ عورتیں بھی شریک تھیں کپڑے دھونے اور روٹی پکانے کے لیے۔ ایک عورت کی گود میں بچہ تھا اس نے ہانڈی

پکانے کے لیے پتھروں کا چولھا بنایا۔کھلا مقام تھا اور ہوا بڑی تیز تھی آگ کے شعلے اِدھر اُدھر نکل رہے تھے۔ایک طرف شعلہ آتا تو بچے کو لے کر دوسری طرف ہو جاتی اس طرف شعلہ آتا تو تیسری طرف ہو جاتی تیسری طرف شعلہ آتا تو چوتھی طرف ہو جاتی۔اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ میرا بچہ ہے میں اس کی ماں ہوں میرا ضمیر گوارا نہیں کرتا کہ اس کو آگ لگے۔کیا اللہ تعالیٰ کی ذات میں اتنی شفقت اور رحمت نہیں ہوگی جتنی ماں کو بیٹے سے ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی اور کہنے لگی حضرت! مجھے ایک بات بتائیں۔حضرت! میں نے چولھے پر ہنڈیا رکھی ہوئی تھی اور ہوا تیز تھی یہ میرا بچہ میری گود میں تھا جس طرف سے آگ کا شعلہ آتا میں اس کو لے کر دوسری طرف ہو جاتی۔چاروں طرف گھومتی رہی کہ میرے بچے کو آگ نہ لگے۔حضرت! کیا اللہ تعالیٰ میں ایسی شفقت اور رحمت نہ ہوگی بندوں کے حق میں جتنی میرے دل میں اپنے بچے کے حق میں ہے۔

ماں سے زیادہ بندوں سے پیار ومحبت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اَرْحَمُ لِعِبَادِہٖ مِنَ الْاُمِّ بِوَلَدِھَا "اللہ تعالیٰ زیادہ رحیم ہے اپنے بندوں پر اس سے جتنی ماں اپنے بچوں پر مہربان ہے۔" فرمایا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وہی محروم ہوگا جو سرکش ہوگا اور جو مطیع اور فرماں بردار ہوگا اس کو رب کی رحمت ضرور ملے گی۔اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کسی کو ناامید نہیں ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيٰحَ﴾ وہ وہی ذات ہے جو چلاتا ہے ہواؤں کو ﴿بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ﴾ جو خوش خبری سناتی ہیں اس کی رحمت سے پہلے۔رحمت سے مراد اس مقام پر بارش ہے۔عموماً بارش سے پہلے اور بارش کے بعد ہوائیں چلتی ہیں کہ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ بارش ہوگی۔محکمہ موسمیات والے جو بارش کے ہونے اور نہ ہونے کی پیش گوئی کرتے ہیں وہ ہواؤں کی نمی ہی سے اندازہ لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جنوری میں ہوگی، دسمبر میں ہوگی یا اس سال نہیں ہوگی۔ میں کہتا ہوں کہ ہواؤں کا چلانا اور ان میں نمی اور خشکی پیدا کرنا سب اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے۔اس سال بارشیں نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے گناہ گزشتہ سال کی نسبت زیادہ ہیں اور اگلے سال اور زیادہ ہو جائیں گے۔جوں جوں قیامت کا وقت قریب آئے گا ظلم، زیادتی اور گناہوں میں اضافہ ہوگا۔ہم تو یہی سمجھتے ہیں باقی سائنس دان جانیں اور ان کی سائنس جانے۔

﴿حَتّٰى إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا﴾ یہاں تک کہ جب اٹھاتی ہیں وہ ہوائیں بادلوں کو جو بوجھل ہوتے ہیں اور بارش سے بھرے ہوتے ہیں ﴿سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ﴾ ہم اس کو چلاتے ہیں مردہ شہر کی طرف۔جہاں سے کوئی شے اُگ نہیں سکتی ﴿فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ﴾ پس ہم اتارتے ہیں اس سے پانی ﴿فَأَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ پس ہم نکالتے ہیں اس پانی کے ذریعے ہر قسم کے پھلوں کو۔فصلیں پیدا ہوتی ہیں، پھل پیدا ہوتے ہیں انسانوں کے لیے، حیوانوں کے لیے اور دوسری مخلوقات کے لیے۔تو بارش کا برسانا بھی اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور ہواؤں کا چلانا بھی اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

جیٹھ کے مہینے میں گندم کی گہائی کا موسم ہوتا ہے، ہوائیں تیز چلتی ہیں۔ دو آدمی کھڑے تھے تیز ہوا چلی تو ایک نے کہا دوسرے سے کہ تجھے معلوم ہے ہوا کیوں چلی ہے؟ دوسرے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی سہولت کے لیے چلائی ہے۔ پہلے نے کہا نہیں بلکہ بابا بھڑی شاہ رحمان اور بابا گاجر گولے والے کی آپس میں مخالفت ہے۔ بابا گاجر گولے والا چراغ جلاتا ہے اور بابا بھڑی شاہ رحمان تیز ہوا چلا کر اس کے چراغ کو بجھاتا ہے، لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ دوسرا سمجھ دار تھا اس نے کہا اچھا جی! اگر یہ ان دونوں بزرگوں کا کھیل ہے تو ہمارا بھوسا کیوں اُڑاتے ہیں آپس میں لگے رہیں۔

بھڑی شاہ رحمان مشہور جگہ ہے ہمارے ضلع میں۔ یہ نیک بزرگ تھے جو اپنی قبروں میں آرام فرما رہے ہیں ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ بعد والے لوگوں نے خرافات گھڑی ہیں اور ان کی قبروں پر بدعات شروع کی ہیں۔

تو یاد رکھنا! ہواؤں کا چلانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہواؤں کو چلاتا ہے، بارش برساتا ہے، مردہ شہر کو زندہ کرتا ہے۔ فرمایا ﴿كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى﴾ اسی طرح ہم نکالیں گے مردوں کو جس طرح زمین سے فصلیں اور پھل اُگاتے ہیں۔ اسرافیل علیہ السلام بگل پھونکیں گے بس زمین سے مخلوق اُگے گی ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ بارش ہونے کے بعد ﴿وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ﴾ اور پاکیزہ شہر، اچھی زمین اچھا علاقہ ﴿یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ﴾ نکلتا ہے سبزہ اس کا، اس کے رب کے حکم سے۔ گندم بھی پیدا ہوتی ہے، مکئی، چاول اور دیگر سبزیاں وغیرہ بھی ﴿وَالَّذِیْ خَبُثَ﴾ اور وہ جو ردی ہوتا ہے۔ خبیث اور ناپاک علاقہ ہے ﴿لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا، نَكِدًا﴾ کا معنیٰ تھوڑا، قلیل اور نکما بھی آتا ہے۔ معنیٰ ہوگا نہیں نکلتا مگر نکما یعنی ایسی چیزیں پیدا ہوتی ہیں کہ لوگ ان کے نام بھی بُرے رکھتے ہیں مثلاً: پد پیڑے۔ اسی طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کی وحی روحانی بارش ہے یہ اچھے دلوں پر نازل ہوتی ہے تو اچھے خیالات، اچھے تصورات پیدا ہوتے ہیں اور اگر بُرے دلوں پر پہنچے تو بُرے خیالات (پد پیڑے) پیدا ہوتے ہیں۔ ﴿كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ﴾ اسی طرح ہم پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں آیتیں اس قوم کے لیے جو شکر ادا کرتی ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے چند پیغمبروں کے واقعات بیان فرمائے ہیں جو شرک قوم کے دور میں آئے ہیں۔

قومِ نوح، شرک کی بانی؟

حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے اور گناہ تو تھے مگر شرک نہیں تھا۔ پہلی قوم جس نے شرک کا ارتکاب کیا وہ نوح علیہ السلام کی قوم تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام کا نام عبدالغفار بن زمق بتاتے ہیں۔ چودہ سو سال کے قریب عمر پائی ہے۔ عرصہ دراز تک تبلیغ کی۔ قوم کی بُری عادات پر اتنے روئے کہ نوح لقب پڑ گیا اور اب اسی نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ﴾ البتہ تحقیق بھیجا ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف ﴿فَقَالَ﴾ پس کہا اُنھوں نے ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے

تمہارے لیے کوئی معبود اس کے سوا۔ کوئی مسجود نہیں، کوئی حاجت روا نہیں اس کے سوا، کوئی مشکل کشا نہیں، کوئی فریادرس نہیں، کوئی دستگیر نہیں اس کے سوا، کوئی دکھ دینے والا نہیں، کوئی سکھ دینے والا نہیں، کوئی بیمار کرنے والا نہیں، کوئی تندرست کرنے والا نہیں اس کے سوا، ان تمام کاموں کا اختیار اور قدرت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ مخلوق میں سے کسی کو کوئی اختیار نہیں ہے اگر مخلوق میں سے کسی کے پاس اختیار و قدرت ہوتی تو آنحضرت ﷺ کے پاس ہوتی مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں آپ ﷺ سے اعلان کروایا۔ فرمایا ﴿قُلْ﴾ "اے نبی کریم ﷺ! آپ ان لوگوں کو کہہ دیں ﴿لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ [الاعراف: ۱۸۸] میں اپنی جان کے لیے بھی نفع، نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔" اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے ﴿قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ [جن: ۲۱، پارہ: ۲۹] "آپ کہہ دیں بے شک میں تمہارے لیے ضرر اور نفع کا مالک نہیں ہوں۔" اعلان کر دیں تاکہ غلط کار لوگ فائدہ نہ اٹھائیں۔ جب آپ ﷺ کے قبضے میں نفع، نقصان نہیں، نہ اپنا اور نہ لوگوں کا تو "بہ دیگراں چہ رسد" اور کون کس باغ کی مولی ہے کہ اس کو یہ اختیارات حاصل ہوں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر کوئی ذات نہیں ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر "اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہے مختصر قصہ یہی ہے۔"

اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے سبق دیا ہے ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [الانعام: ۱۷] "اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ تکلیف پہنچائے تو اس کا دور کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور اگر وہ تجھ کو نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔" یعنی اے انسان اگر تجھے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے بغیر اس کو دور کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ تیرے اوپر رحمت نازل کرنا چاہے تجھے سکھ پہنچائے تو ساری دنیا مل کر بھی اس کو نہیں روک سکتی۔

تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اس کے سوا تمہارا کوئی مشکل کشا، حاجت روا نہیں ہے ﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ بے شک میں خوف کرتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب کا۔ کہ اگر تم نے میری بات نہ مانی، میری اطاعت نہ کی تو تم پر عذاب نازل ہوگا ﴿قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ﴾ کہا اس کی قوم کے سرداروں نے۔ مَلَأٌ کے لفظی معنیٰ ہیں بھرا ہوا۔ جو مال سے بھرے ہوئے ہیں اُنھوں نے کہا۔ اور اس کا معنیٰ جماعت کا کرتے ہیں کہ اس جماعت نے کہا، کیا کہا ﴿اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ بے شک ہم دیکھتے ہیں تجھے کھلی گمراہی میں۔ کہ ساری قوم ایک طرف ہے اور تو اکیلا ایک طرف ہے اور کہتا ہے کہ میں سچا ہوں یہ تو کھلی گمراہی ہے۔ اور دوسری جگہ ہے ﴿قَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ﴾ [القمر: ۹ پارہ: ۲۷] "اُنھوں نے کہا پاگل ہے اور اس کو جھڑک دیا گیا۔" آگے مزید ان کے حالات آئیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿قَالَ﴾ فرمایا نوح علیہ السلام نے ﴿یٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم ﴿لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ﴾ نہیں ہے مجھ میں گمراہی ﴿وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ اور لیکن میں رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے ﴿اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ﴾ میں پہنچاتا ہوں تم تک اپنے رب کے پیغام ﴿وَ اَنْصَحُ لَكُمْ﴾ اور تم کو نصیحت کرتا ہوں ﴿وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ﴾ اور میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ وہ چیزیں جو تم نہیں جانتے ﴿اَوَ عَجِبْتُمْ﴾ کیا تم نے تعجب کیا ہے ﴿اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ﴾ کہ آئی تمہارے پاس نصیحت ﴿مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ تمہارے رب کی طرف سے ﴿عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ﴾ ایک مرد پر تم میں سے ﴿لِیُنْذِرَكُمْ﴾ تاکہ وہ تمھیں ڈرائے ﴿وَ لِتَتَّقُوْا﴾ اور تاکہ تم بچ جاؤ ﴿وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿فَكَذَّبُوْهُ﴾ پس جھٹلایا ان لوگوں نے اس کو ﴿فَاَنْجَیْنٰهُ﴾ پس ہم نے بچالیا اس کو ﴿وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ فِی الْفُلْكِ﴾ اور ان کو جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے ﴿وَ اَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ﴾ اور ہم نے غرق کر دیا ان لوگوں کو ﴿كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا﴾ جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ﴾ بے شک وہ اندھی قوم تھی ﴿وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا﴾ اور قومِ عاد کی طرف بھیجا ہم نے ان کے بھائی ہود علیہ السلام کو ﴿قَالَ﴾ فرمایا اُنھوں نے ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ نہیں ہے تمہارے لیے کوئی معبود اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ کیا پس تم شرک سے بچتے نہیں ﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ کہا اس جماعت نے جس نے کفر کیا ﴿مِنْ قَوْمِهٖۤ﴾ اس کی قوم سے ﴿اِنَّا لَنَرٰىكَ﴾ بے شک ہم تجھے دیکھتے ہیں ﴿فِیْ سَفَاهَةٍ﴾ حماقت میں ﴿وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ﴾ اور بے شک ہم خیال کرتے ہیں تیرے بارے میں کہ تو جھوٹوں میں سے ہے ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿یٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم ﴿لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ﴾ میرے اندر بے وقوفی نہیں ہے ﴿وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ اور لیکن میں رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے۔

شرک کا آغاز کیسے ہوا؟

حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر چلا آ رہا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک ہزار سال سے زیادہ عمر عطا فرمائی۔ اس عرصہ میں بڑی مخلوق پھیلی۔ ان میں اور عملی کمزوریاں تو تھیں قتل، ظلم، زیادتی، نافرمانی، مگر شرک نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد نوح علیہ السلام تک مزید ایک ہزار سال تک کا زمانہ گزرا۔ اس زمانے میں بھی لوگوں میں شرک نہیں تھا۔ سب سے پہلے جس قوم کو شرک کی بیماری لگی وہ نوح علیہ السلام کی قوم تھی اور واقعہ اس طرح پیش آیا کہ پانچ بزرگ تھے جن کا ذکر قرآن کریم کی سورۃ نوح میں ہے۔ وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نَسر۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اَسْمَآءُ صَالِحِيْنَ مِنْ رِجَالِ قَوْمِہٖ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں یہ پانچ نیک اور بزرگ تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی میں لکھا ہے کہ وَدّ حضرت ادریس علیہ السلام کا لقب تھا اور حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں جَدُّ اَبِ نُوْحٍ "حضرت نوح علیہ السلام کے باپ کے دادا تھے۔" گویا حضرت نوح علیہ السلام کے پڑدادا تھے اور باقی چاروں بزرگ حضرت ادریس علیہ السلام کے بیٹے اور صحابی تھے۔

یہ بزرگ اپنے دور میں لوگوں کی اخلاقی تربیت کرتے تھے جس سے ان میں خدا خوفی اور حلال حرام کی تمیز ہوتی تھی۔ حضرت ادریس علیہ السلام کی وفات ہوگئی اور باقی بزرگ بھی اپنے اپنے دور میں گزر گئے۔ ان حضرات کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد لوگ پریشان ہو گئے۔ کیوں کہ ان کو روحانی غذا نہ ملی اور جس طرح جسم کو غذا کی ضرورت ہے اسی طرح روح کو بھی غذا کی ضرورت ہے۔ جو لوگ دین کو سمجھتے ہیں اور ان کا قرآن کریم اور حدیث شریف کے ساتھ ربط ہے اور قرآن وحدیث کا درس سنتے ہیں جس دن ان کا درس رہ جاتا ہے وہ یقیناً پریشان ہوتے ہیں اور ان کے دماغ پر بوجھ ہوتا ہے کیونکہ اس دن کی روحانی غذا نہیں ملی۔

چنانچہ ان بزرگوں کے فوت ہو جانے کے بعد وہ لوگ ایک مسجد میں پریشان بیٹھے تھے اور افسوس کر رہے تھے کہ اب ہم کیا کریں تو اتنے میں دیکھا کہ ایک بزرگ صفت آدمی چلا آ رہا ہے خوب صورت چہرہ اور عمدہ لباس ہے۔ اس نے آکر سلام کیا اور بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ تم لوگ کس وجہ سے پریشان ہو؟ ان حضرات نے کہا کہ ہم اس لیے پریشان ہیں کہ ہمارے بزرگ تھے وہ ہماری اخلاقی تربیت کرتے تھے اور ہمیں روحانی غذا پہنچاتے تھے اب وہ دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں ہمیں روحانی غذا نہیں ملتی اس لیے ہم پریشان ہیں۔ وہ کہنے لگا واقعی تمہارا صدمہ اتنا بھاری ہے کہ جتنا کہو کم ہے۔ اب اس کا علاج کیا ہے؟ وہ حضرات تو دنیا سے چلے گئے ہیں اور واپس آنا نہیں ہے۔ لہٰذا تم اس طرح کرو کہ ان کے مجسمے بنا کر یادگار کے طور پر اپنے پاس رکھ لو اور یوں سمجھو کہ وہ بزرگ ہمارے اندر موجود ہیں۔ چونکہ وہ پختہ ذہن کے لوگ تھے یہ تو نہ کہہ سکا کہ ان کو سجدہ کرو، رکوع کرو، ان کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھو مگر بنیاد اس نے ڈال دی۔ وہ ابلیس لعین تھا۔

ان لوگوں نے خیال کیا کہ چلو ہمارے بزرگوں کے مجسمے ہمارے گھروں میں موجود ہوں گے تو اس سے ہمیں کچھ راحت اور تسلی ہوگی ہم نے کون سی ان کی پوجا کرنی ہے۔ جس طرح آج کل لوگوں نے گھروں میں عزیز واقارب کے فوٹو رکھے ہوئے ہیں یادگار کے طور پر اور اپنے رکھے ہوئے ہیں مجبوری کے طور پر۔ کیوں کہ شناختی کارڈ بھی ضروری ہے، پاسپورٹ اور لائسنس بھی ضروری ہے۔ اور مسلمانوں میں کوئی بھی ان کی پوجا کا قائل نہیں ہے۔ اگرچہ یہ تصویریں ہیں ناجائز۔ اس کو جائز سمجھ کر نہ کرنا۔ اس کو یوں سمجھو کہ ظالم قانون نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے، ہے ناجائز۔

کیوں کہ جس چیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجائز قرار دیا ہے دنیا کی کوئی طاقت اس کو جائز قرار نہیں دے سکتی۔ حدیث

پاک میں آتا ہے کہ جو لوگ جان دار چیز کی تصویر بناتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ ان میں روح ڈالو تو روح کون ڈال سکتا ہے؟ فرمایا: اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ الْمُصَوِّرُوْنَ "لوگوں میں سب سے زیادہ سزا قیامت والے دن تصویریں بنانے والوں کو ہوگی۔" یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔ چاہے تصویر کوئی ہاتھ سے بنائے یا کیمرے سے یا اور کسی طریقے سے، سب برابر ہے اور ایک ہی حکم میں ہے۔ لیکن چونکہ ظالم قانون ہے اور ہم مجبور ہیں جیسے نوٹ ہیں ان پر بابا جناح بیٹھا ہوا ہے۔ اب کیا کریں پھینک تو سکتے نہیں اور نماز بھی پڑھنی ہے۔ اگر تصویر سامنے ہو تو رحمت کے فرشتے نہیں آتے اور اگر پوشیدہ ہو تو آتے ہیں ان کی ڈیوٹی ہے۔

بہر حال اُنھوں نے مجسموں کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ لوگ جب ختم ہو گئے اور نئی پود آئی تو ان کو ابلیس لعین نے یہ سبق دیا کہ تمہارے بڑے تو ان کی عبادت کرتے تھے تو اُنھوں نے ان کی عبادت شروع کر دی اور اس طرح شرک کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ پانچ بزرگ تھے ایک ادریس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور چار ان کے بیٹے اور آج بھی بعض علاقوں میں پنج پیر مشہور ہیں ان پانچ پیروں کی عبادت ہوتی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے تبلیغ شروع کی ﴿قَالَ یٰقَوْمِ﴾ فرمایا اے میری قوم! ﴿لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَۃٌ﴾ نہیں ہے مجھ میں گمراہی ﴿وَّلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ اور لیکن میں رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے ﴿اُبَلِّغُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ﴾ میں پہنچاتا ہوں تم تک اپنے رب کے پیغام ﴿وَاَنْصَحُ لَکُمْ﴾ اور تم کو نصیحت کرتا ہوں، تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں ﴿وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ چیزیں جو تم نہیں جانتے۔ حلال، حرام، جائز، ناجائز کے احکام و مسائل میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ رب تعالیٰ نے مجھے اسی لیے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے کہ تمھیں بتاؤں کہ یہ جائز ہے اور یہ ناجائز ہے، یہ کرنا ہے اور وہ نہیں کرنا۔

اور عذاب کا ذکر نوح علیہ السلام پہلے کر چکے تھے ﴿اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ﴾ بے شک میں خوف کھاتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب کا کہ میں تمھیں رب تعالیٰ کا پیغام پہنچا رہا ہوں اور تم نہیں مان رہے۔ مجھے علم ہے کہ نافرمانی کے بعد عذاب ضرور آئے گا ﴿اَوَعَجِبْتُمْ﴾ کیا تم نے تعجب کیا ہے ﴿اَنْ جَآءَکُمْ ذِکْرٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ﴾ کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ﴿عَلٰی رَجُلٍ مِّنْکُمْ﴾ ایک مرد پر تم میں سے، اس پر تم تعجب کرتے ہو ﴿لِیُنْذِرَکُمْ﴾ تاکہ وہ تمھیں ڈرائے ﴿وَلِتَتَّقُوْا﴾ اور تاکہ تم بچ جاؤ شرک سے، نافرمانی سے ﴿وَلَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے اللہ تعالیٰ کی رحمت تم پر نازل ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جب یہ کہا تو بارھویں پارے میں آتا ہے کہ ان کی قوم کے سرداروں نے کہا ﴿مَا نَرٰىکَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا﴾ [ہود: ۲۷] ہم تمھیں اپنے جیسا انسان خیال کرتے ہیں۔ بشر ہو کر آپ نبی کیسے بن گئے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پہلی مشرک قوم تھی جنھوں نے کہا کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا کہ ایک آدمی کھائے بھی، پیئے بھی اور نبی

بھی ہو۔ نبی کی بشریت کا انکار اس وقت سے چلا آرہا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر بشر ہی ہوتا ہے اور اس بات کی قرآن میں تصریح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو فرمایا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ﴾ "میں تمہاری طرح بشر ہوں میری طرف وحی آتی ہے۔" اسی طرح پندرھویں پارے میں مشرکوں کے مطالبات کا ذکر ہے کہ اُنھوں نے یہ مطالبات کیے کہ تو ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کردے یا تیرے لیے ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا اس کے درمیان میں نہریں چلتی ہوں یا ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرادے یا اللہ تعالیٰ فرشتے ہمارے سامنے لائے یا تمہارے لیے سونے کا گھر ہو وغیرہ۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کہہ دیں ﴿سُبْحَانَ رَبِّيْ﴾ میرا رب پاک ہے ﴿هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ میں نہیں ہوں مگر بشر رسول اور تم نے جو مطالبات کیے ہیں یہ تو خدائی کام ہیں۔ تو مشرک قوموں نے ہر دور میں نبی کی بشریت کا انکار کیا ہے۔

فرمایا تم اس پر تعجب نہ کرو کہ ایک مرد پر رب تعالیٰ نے وحی نازل کی ہے ﴿فَكَذَّبُوْهُ﴾ پس جھٹلایا ان لوگوں نے ان کو ﴿فَاَنْجَيْنٰهُ﴾ پس ہم نے بچالیا اس کو ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ﴾ اور ان کو جو اس کے ساتھ کشتی میں سوار تھے۔ ان کی تعداد پوری سو بھی نہیں تھی۔ حالانکہ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو سال دن رات ایک کر کے تبلیغ کی ﴿اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا﴾ "میں ان کو ظاہر اور پوشیدہ ہر طرح سمجھاتا رہا۔" مکان کی چھت پر چڑھ کر اور گھروں میں جا کر بھی سمجھایا ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ "اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارے لیے کوئی الٰہ اس کے سوا۔" لیکن اُنھوں نے نہیں مانا ﴿وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ اور ہم نے غرق کر دیا ان لوگوں کو جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔ غرق ہونے والوں میں حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان بھی نافرمان ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہ بچ سکا ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ﴾ بے شک وہ اندھی قوم تھی۔ ظاہری آنکھیں تو تھیں مگر دل کے اندھے تھے اور دل کا اندھا ہونا بہت بُرا ہے۔

اس کے بعد رب تعالیٰ نے دوسری قوم بھیجی، اس کا ذکر ہے۔ فرمایا ﴿وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا﴾ اور قومِ عاد کی طرف بھیجا ہم نے ان کے بھائی ہود کو۔ یہ احقاف کے علاقے میں رہتے تھے اور احقاف کا علاقہ بحرین، عمان، حضرموت اور مغربی یمن کے درمیان کا علاقہ ہے۔ آج کل اس کا نام نجران ہے۔ اس علاقے میں حضرت ہود علیہ السلام تشریف لائے۔ عاد قوم بڑے قدوقامت اور ڈیل ڈول والی اور صحت مند قوم تھی۔ ﴿قَالَ﴾ فرمایا ہود علیہ السلام نے ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارے لیے کوئی معبود اللہ تعالیٰ کے سوا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سجدے کے لائق نہیں ہے، نذر و نیاز کے قابل کوئی نہیں ہے۔ اس کے سوا کوئی حاجت روا، مشکل کشا نہیں ہے، فریادرس، دستگیر نہیں ہے۔ اس کے سوا سکھ پہنچانے والا کوئی نہیں ہے ﴿اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ کیا پس تم شرک سے بچتے نہیں، کفر سے بچتے نہیں۔

﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ﴾ کہا اس جماعت نے جس نے کفر کیا ﴿اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ﴾ بے شک ہم تجھے دیکھتے ہیں حماقت میں کہ سارے لوگ ایک طرف ہیں اور تو ایک طرف ہے۔ ان کو جھوٹا کہیں یا تمھیں جھوٹا کہیں۔ ظاہر بات

ہے کہ ساری دنیا تو بے وقوف نہیں ہوسکتی لہٰذا تم اکیلے ہی بے وقوف ہو۔ جس وقت برائی بڑھ جائے اور عام ہو جائے تو اس وقت یہی کچھ ہوتا ہے کہ اچھے لوگوں کو بے وقوف اور گمراہ کہا جاتا ہے۔ یہی حال ہے ہمارے زمانے کا کہ اکثریت بے دین ہو گئی ہے اور غیروں سے کوئی گلہ نہیں ہے گلہ ان سے ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں کہ وہ دین کے خلاف، قرآن وسنت کے خلاف بکواس کرتے ہیں، بڑا افسوس ہے۔

اور اُنھوں نے پیغمبر کو یہ بھی کہا ﴿وَاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ اور بے شک ہم خیال کرتے ہیں تیرے بارے میں کہ تو جھوٹوں میں سے ہے۔ معاذ اللہ تعالیٰ کس طرح پیغمبر کے منہ پر کہتے تھے اور وہ برداشت کرتے تھے پیغمبروں کے بڑے حوصلے تھے۔ آج کسی کو بے وقوف کہہ کر دیکھو یا تم نہیں یا وہ نہیں۔ اگرچہ واقعتاً وہ جھوٹا ہی ہو۔

آنحضرت ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر کہتے تھے سَاحِرٌ یہ جادوگر ہے كَذَّابٌ بڑا جھوٹا ہے۔ نوح علیہ السلام کے منہ پر کہا گیا مجنوں، پاگل ہے۔ ﴿كَذَّابٌ اَشِرٌ﴾ "بڑا جھوٹا ہے بڑا شرارتی ہے۔" ﴿قَالَ﴾ حضرت ہود علیہ السلام نے کہا ﴿يٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم۔ انداز دیکھو! کہ قوم جھوٹا اور بے وقوف کہتی ہے اور پیغمبر کہتا ہے "اے میری قوم" اس سے زیادہ نرمی اور کیا ہوگی؟ ﴿لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ﴾ میرے اندر بے وقوفی نہیں ہے ﴿وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور لیکن میں رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے۔ اس کے احکام تمہارے تک پہنچاتا اور سمجھاتا ہوں اور تمھیں نصیحت کرتا ہوں مجھے بے وقوف کہنا غلط ہے۔

﴿اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ﴾ میں پہنچاتا ہوں تم تک اپنے رب کے پیغامات ﴿وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ﴾ اور میں تمہارے لیے نصیحت کرنے والا امین ہوں ﴿اَوَعَجِبْتُمْ﴾ کیا تم نے تعجب کیا ﴿اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ اس بات پر کہ آئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ﴿عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ﴾ ایک مرد پر تم میں سے ﴿لِيُنْذِرَكُمْ﴾ تاکہ وہ تمھیں ڈرائے ﴿وَاذْكُرُوْٓا﴾ اور یاد کرو ﴿اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ﴾ جب تم کو خلیفہ بنایا زمین میں ﴿مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ﴾ نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد ﴿وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً﴾ اور زیادہ کیا تم کو پیدائش میں پھیلاؤ کے لحاظ سے ﴿فَاذْكُرُوْٓا﴾ پس یاد کرو تم ﴿اٰلَآءَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تاکہ تم کامیابی حاصل کرو ﴿قَالُوْٓا﴾ انھوں نے کہا ﴿اَجِئْتَنَا﴾ کیا آیا ہے تو ہمارے پاس ﴿لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ﴾ تاکہ ہم عبادت کریں اکیلے رب کی ﴿وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا﴾ اور چھوڑیں ان کو جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا ﴿فَاْتِنَا﴾ پس لاؤ تم ہمارے پاس ﴿بِمَا تَعِدُنَآ﴾ جس چیز سے تم ہمیں ڈراتے ہو ﴿اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ اگر تم سچوں میں سے ہو ﴿قَالَ﴾ کہا ہود علیہ السلام نے ﴿قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ تحقیق واقع ہو چکا تم

پر تمہارے رب کی طرف سے ﴿رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ﴾ عذاب اور غضب ﴿اَتُجَادِلُوْنَنِیْ﴾ کیا تم جھگڑا کرتے ہو میرے ساتھ ﴿فِیْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ﴾ ایسے ناموں کے بارے میں جو تم نے رکھے ہیں ﴿اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ﴾ تم نے اور تمھارے باپ دادانے ﴿مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کوئی سند نازل نہیں کی ﴿فَانْتَظِرُوْۤا﴾ پس تم انتظار کرو ﴿اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ﴾ بے شک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں ﴿فَاَنْجَیْنٰهُ﴾ پس ہم نے ان کو نجات دی ﴿وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ﴾ اور ان کو جو ان کے ساتھ تھے ﴿بِرَحْمَةٍ مِّنَّا﴾ اپنی طرف سے رحمت کرتے ہوئے ﴿وَ قَطَعْنَا﴾ اور کاٹ دی ہم نے ﴿دَابِرَ الَّذِیْنَ﴾ جڑ ان لوگوں کی ﴿كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا﴾ جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿وَ مَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴾ اور نہیں تھے وہ ایمان لانے والے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد وہی لوگ بچے جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے ان میں تین حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے تھے اور کچھ دوسرے لوگ تھے کہ جن کی تعداد سو تک نہیں پہنچتی تھی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں کہ کتنا زمانہ گزرا کہ ایک قوم پیدا ہوئی جس کا نام عاد تھا یہ احقاف کے علاقے میں آباد تھے۔ ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو وہی سبق دیا جو حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام نے دیا تھا۔

﴿اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ﴾ میں پہنچاتا ہوں تم تک اپنے رب کے پیغام۔ رِسٰلٰتٌ رِسَالَةٌ کی جمع ہے اور رِسَالَة کا معنیٰ ہے پیغام اور حکم۔ ﴿وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ﴾ اور میں تمہارے لیے نصیحت کرنے والا امین ہوں۔ رب تعالیٰ نے جو حکم دیا بعینہٖ وہی تم تک پہنچایا ہے اس میں کسی قسم کی کوئی خیانت نہیں کی۔ ﴿اَوَ عَجِبْتُمْ﴾ کیا تم نے تعجب کیا ہے ﴿اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ اس بات پر کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ﴿عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ﴾ ایک مرد پر تم میں سے۔ میں بھی تمہاری قوم کا فرد ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے تمہاری بھلائی کے لیے مجھ پر وحی نازل کی ہے تو اس پر کوئی تعجب کرنے کی بات نہیں ہے۔ ﴿لِیُنْذِرَكُمْ﴾ تاکہ وہ تمھیں ڈرائے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرو گے تو دنیا میں بھی عذاب میں مبتلا ہو گے اور مرنے کے بعد قبر میں، برزخ میں اور پھر آخرت کے عذاب میں۔ ﴿وَ اذْكُرُوْۤا﴾ اور یاد کرو ﴿اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ﴾ جب تم کو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ بنایا زمین میں ﴿مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ﴾ نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد۔ تم سے پہلے زمین کے اس خطے میں نوح علیہ السلام کی قوم آباد تھی ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمھیں خلافت دی ﴿وَّ زَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً﴾ اور زیادہ کیا تم کو پیدائش میں پھیلاؤ کے لحاظ سے۔ ﴿بَصْۜطَةً﴾ کا ایک معنیٰ یہ کرتے ہیں کہ ان کے قد بڑے بڑے تھے اور ان کے مکانات بھی بہ نسبت دوسروں کے اونچے ہوتے تھے اور اتنے طاقت ور تھے کہ ہاتھ سے پتھروں کو توڑ دیتے تھے ﴿وَ اِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ﴾ [شعرآء: ۱۳۰، پارہ: ۱۹]۔

اور ﴿بَصۜۡطَةً﴾ کا یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ تمہاری نسلیں پھیلائیں۔ پہلے تھوڑے تھے اللہ تعالیٰ نے تمھیں کتنا پھیلا دیا ﴿فَاذْكُرُوْٓا﴾ پس یاد کرو تم ﴿اٰلَآءَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو۔ ﴿اٰلَآءَ﴾ کا مفرد اِلْیٌ، اَلْیٌ، اُلْیٌ آتا ہے۔ معنیٰ ہے نعمت۔ اللہ تعالیٰ کی جسمانی نعمتیں بھی ہیں اور روحانی نعمتیں بھی ہیں، ظاہری نعمتیں بھی ہیں اور باطنی نعمتیں بھی ہیں اور بے شمار ہیں۔ یاد کرنے کا مطلب ہے کہ ان کا شکریہ ادا کرو ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ [ابراہیم: ۷، پارہ: ۱۳] "اگر تم شکریہ ادا کرو گے تو تمھیں زیادہ دوں گا۔"

﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تاکہ تم کامیابی حاصل کرو ﴿قَالُوْٓا﴾ اُنھوں نے کہا، ہود علیہ السلام کی قوم نے ﴿اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ﴾ کیا آیا ہے تو ہمارے پاس تاکہ ہم عبادت کریں اکیلے رب کی ﴿وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا﴾ اور چھوڑیں ان کو جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا۔

آباؤ اجداد کا دین نہ چھوڑیں گے؟

مشرک کے لیے یہی سب سے مشکل ہے کہ باپ دادا کا دین چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ کھرے لوگ تھے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ ہم باپ دادا کے خداؤں کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ مشرک اللہ تعالیٰ کی بھی عبادت کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کی بھی عبادت کرتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے وجود کے منکر نہیں تھے بلکہ اگر ظاہری طور پر دیکھا جائے تو عام کلمہ پڑھنے والوں کی بہ نسبت سکہ بند مشرک خدا کا زیادہ عقیدت مند ہوتا ہے۔ آٹھویں پارے میں ہے کہ مشرکوں کے کھیت جب تیار ہو جاتے تو دسویں ڈھیری اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرتے تھے اور گیارھویں ڈھیری شرکاء کے لیے۔ یعنی خدا کا حصہ پہلے نکالتے ہیں اور دوسرے معبودوں کا بعد میں۔ اسی طرح جانوروں میں دسواں جانور اللہ تعالیٰ کے لیے اور گیارھواں اوروں کے لیے۔ پھر اسی مقام پر یہ بھی مذکور ہے کہ اگر رب تعالیٰ کی ڈھیری میں سے کچھ دانے شرکاء کی ڈھیری کے ساتھ مل جاتے تو علیحدہ نہیں کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تو غنی ہے اور اگر شرکاء کے ڈھیری کے کچھ دانے اللہ تعالیٰ کی ڈھیری میں شامل ہو جاتے تو فوراً الگ کر لیتے تھے کہ یہ کمزور اور ضرورت مند ہیں ان کے حصے میں کمی نہ ہو۔ تو دیکھو! اللہ تعالیٰ کے کتنے عقیدت مند تھے۔

مشرک نبیوں، ولیوں کی عبادت اس لیے کرتے تھے کہ ہماری ان کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت بلند ذات ہے۔ جس طرح مکان کی چھت پر بغیر سیڑھی کے نہیں جاسکتے اسی طرح اللہ تعالیٰ تک ان سیڑھیوں کے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ ملک کے بادشاہ کو ملنے کے لیے ممبر وغیرہ کی سیڑھی کی ضرورت ہوتی ہے، وزیر اعظم تک پہنچنے کے لیے کمشنر ڈی، سی کی ضرورت پڑتی ہے براہ راست وہاں تک رسائی نہیں ہوسکتی تو اللہ تعالیٰ کی ذات تو بہت بلند ہے۔ ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [یونس: ۱۸] "یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔" ہم ان کی کوئی مستقل عبادت تو نہیں کرتے ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا

﴿لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ [الزمر: ۳] "ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔" دیکھو! اللہ تعالیٰ کے ساتھ کتنی عقیدت ہے اور اس کی بلندی اور بڑائی کے کتنے قائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب چودھویں پارے میں دیا۔ فرمایا ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ "اللہ تعالیٰ کے بارے میں مثالیں نہ بیان کرو بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشرک کو کتنی عقیدت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے اور ہم بہت پست ہیں بغیر واسطوں کے وہاں تک ہماری پہنچ نہیں ہے۔ کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے اور مخلوق واقعی پست ہے لیکن درمیان میں جو واسطوں والا عقیدہ نکالا ہے کہ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ تک رسائی ممکن نہیں ہے یہ غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾ [ق: ۱۶] "ہم انسان کے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔" تو یہاں تم سیڑھیاں کہاں لگاؤ گے؟ اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے جو سفارشیوں کا عقیدہ ہے اس سے کفر کی بنیاد پڑتی ہے کہ مثلاً: ایک شخص کہتا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سفارشی ہیں تو اس کو اس کے لیے چند صفات ماننا پڑیں گی کہ وہ عالم الغیب ہیں کہ میری تکلیف کو جانتے ہیں، وہ حاضر ناظر ہیں۔ مخلوق کے لیے یہ عقیدے ہی کفر کے ستون ہیں اور تمام فقہائے کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے: مَنْ قَالَ اَرْوَاحُ الْمَشَائِخِ حَاضِرَةٌ تَعْلَمُ یَکْفُرُ "جس آدمی کا یہ عقیدہ ہو کہ بزرگوں کی روحیں ہمارے پاس حاضر اور ہمارے حالات کو جانتی ہیں وہ پکا کافر ہے۔"

تو ظاہراً مشرک کی رب تعالیٰ کے ساتھ بڑی عقیدت ہوتی ہے لیکن درمیان میں جو واسطہ ڈھونڈتے ہیں اس سے شرک پیدا ہوتا ہے۔ اور مشرک رب تعالیٰ کی عبادت کا منکر نہیں ہوتا البتہ اس کو اکیلے رب کی عبادت گوارا نہیں ہے۔ یہی کچھ اُنھوں نے کہا، کیا تو آیا ہمارے پاس کہ ہم اکیلے رب کی عبادت کریں اور چھوڑ دیں ان کو جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے بس یہ ہمیں گوارا نہیں ہے ﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ﴾ پس لاؤ تم ہمارے پاس جس چیز سے تم ہمیں ڈراتے ہو، دھمکیاں دیتے ہو ﴿اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ اگر تم سچوں میں سے ہو۔

﴿قَالَ﴾ ہود علیہ السلام نے کہا ﴿قَدْ وَقَعَ عَلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ﴾ تحقیق واقع ہو چکا ہے تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غضب۔ ابھی آیا نہیں لیکن اتنا یقینی ہے کہ گویا واقع ہو چکا ہے ﴿اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْۤ اَسْمَآءٍ﴾ کیا تم جھگڑا کرتے ہو میرے ساتھ کچھ ناموں کے بارے میں ﴿سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ﴾ جو تم نے رکھے ہیں اور تمہارے باپ دادا نے ﴿مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کوئی سند نازل نہیں کی۔

بزرگوں کے بارے میں مشرکوں کے غلط نظریات:

مشرکوں نے مختلف بزرگوں کے نام رکھے ہوئے تھے کہ فلاں بارش برسانے والا ہے اور فلاں اولاد دینے والا ہے،

فلاں شادیاں کراتا ہے، فلاں کوڑھ کو ٹھیک کرتا ہے، فلاں بیماریاں دور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بات کو رد نہیں کرتا ان کے پاس جاؤ وہ تمہارے کام کرا دیں گے یہ ان کا شرک تھا۔ یقین جانو! آج کلمہ پڑھنے والوں کی اکثریت بھی یہی کچھ کر رہی ہے۔ یہ قبروں پر جانے والے، الا ماشاء اللہ۔ یہ قبروں والے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تھے اور اُنھوں نے دین کا بڑا کام کیا ہے۔ سارے ہندوستان میں اسلام ان بزرگوں کی برکت سے پھیلا ہے۔ یہاں اسلام بادشاہوں کی وجہ سے نہیں آیا ان بزرگوں کی وجہ سے آیا ہے۔ ان کی بڑی خدمات ہیں۔ خواجہ معین الدین چشتی کے ذریعے نوے ہزار ہندو مسلمان ہوئے علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جن کو لوگ داتا گنج بخش کہتے ہیں ان کے ہاتھ چالیس ہزار ہندو مسلمان ہوئے۔ آج ہمارے ہاتھ پر تو کوئی مسلمان صحیح مسلمان بننے کے لیے تیار نہیں چاہے جتنا مغز کھپاتے رہو۔

علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے "کشف المحجوب" اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ اس میں اُنھوں نے شرک کی تردید فرمائی ہے اور ان کی دوسری کتاب ہے "کشف الاسرار"۔ اس میں وہ لکھتے ہیں: "اے علی! خلقت تجھے گنج بخش کہتی ہے حالانکہ تیرے پاس ایک دانہ تک نہیں ہے تو اس بات پر فخر نہ کر کیوں کہ یہ غرور ہے۔ گنج بخش اور رنج بخش صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو بے مثل ہے اور جس کی مانند کوئی دوسرا نہیں۔" [کشف المحجوب، ص: ۱۴]

اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرک کی بڑی تردید فرمائی ہے۔ "فتوح الغیب" میں لکھتے ہیں: "ہم مومنوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسا رکھنا چاہیے یہ اعتقاد رکھ کر اللہ تعالیٰ کے تمام افعال اچھے اور حکمت اور مصلحت سے معمور ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مصلحت کو بندوں سے ہمیشہ مخفی رکھا ہے۔ بندہ کے لیے لازم ہے کہ وہ تسلیم و رضا اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے مصالح و حکم سے اتفاق کرے اور وہ اپنی گفتار یا حرکات یا سکنات میں اللہ تعالیٰ کے خلاف شکوہ و شکایت سے باز رہے۔

ان تمام باتوں کی سند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: اے لڑکے اللہ تعالیٰ کے حقوق کی نگہداشت کر اللہ تعالیٰ تیری اور تیرے حقوق کی نگہداشت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان اور پھر تو اسے اپنے سامنے موجود پائے گا۔ جب تو سوال کرے تو اللہ تعالیٰ سے کر اور جب مدد مانگے تو اللہ تعالیٰ سے مانگ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی قسمت میں جو کچھ لکھا ہے وہ ازل سے مقدر ہو چکا ہے اور اسے کوئی بدل نہیں سکتا۔ ہر شخص کو جو فائدہ پہنچنا ہے وہ پہنچ کر رہے گا اور جو نقصان پہنچنا ہے وہ پہنچ کر رہے گا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ پس ہر مومن کو چاہیے کہ اس حدیث کو اپنے قلب اور دماغ کے لیے رہنما بنائے اور نفس کے وساوس سے چھٹکارا پائے۔"

تو یہ سارے بزرگ موحد تھے، نیک تھے بعد والوں نے اپنی طرف سے خرافات گھڑ کے ان کے ذمے لگا دی ہیں کہ فلاں یہ کر سکتا ہے اور فلاں کو یہ اختیار ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ناموں پر کوئی سند نازل نہیں فرمائی اور تمہاری بدبختی انتہا کو پہنچ چکی ہے اور تمہاری طرف سے شرک سے باز آجانے کی اب کوئی امید باقی نہیں رہی لہٰذا

﴿فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ﴾ پس تم انتظار کرو بے شک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔
جب قوم سرکشی سے باز نہ آئی تو پھر ان کے لیے فیصلے کا وقت آن پہنچا۔خدا تعالیٰ نے اس قوم پر تین سال تک قحط مسلط کر دیا۔
جب یہ قوم عاد سخت قحط میں مبتلا ہوگئی تو ایک وفد دعا کے لیے مکہ مکرمہ بھیجا اور خود بتوں سے مانگنے لگے کہ قحط دور کردو۔

بہر حال ادھر قوم نے دعا کی ادھر وفد نے بارش کے لیے دعا کی تو بادل کا ایک ٹکڑا ان کی طرف متوجہ ہوا۔اُنھوں نے خوشی کے مارے بھنگڑا ڈالا کہنے لگے هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا "یہ بادل ہم پر بارش برسائے گا۔"اور ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ اس بادل کے ٹکڑے سے بھی آواز آئی: خُذْ رَمَدًا رِمَادًا لَا تَبْقِی مِنَ الْاَحَدِ مِنْ عَادٍ "یہ سیاہی مائل جلا ہوا بادل لے لو یہ قوم عاد میں سے کسی کو نہیں چھوڑے گا۔"

اُنھوں نے کانوں سے یہ آواز سنی مگر نہیں مانے۔اس میں رب تعالیٰ نے بڑی تیز ہوا چلائی۔ہوا نے ان کی پانچ پانچ، چھ چھ من کی لاشوں کو میل میل، دو دو میل دور پھینک دیا۔ایسے لگتے تھے جیسے درختوں کے تنے پڑے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاَنْجَیْنٰهُ﴾ پس ہم نے ہود علیہ السلام کو نجات دی ﴿وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ﴾ اور ان کو جو ان کے ساتھ تھے ﴿بِرَحْمَةٍ مِّنَّا﴾ اپنی طرف سے رحمت کرتے ہوئے ﴿وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا﴾ اور کاٹ دی ہم نے جڑ ان لوگوں کی جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو، نشانیوں کو، حکموں کو۔اس طرح جڑ کاٹی کہ ان مجرموں میں سے ایک بھی زندہ نہ رہا۔
بچے، بوڑھے، مرد، عورتیں، بیمار، تندرست، سب کے سب اللہ تعالیٰ نے تباہ کر دیے ﴿وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴾ اور نہیں تھے وہ ایمان لانے والے۔لہٰذا ان سب کافروں، مشرکوں کو ہلاک کر دیا۔

﴿وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا﴾ اور قومِ ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو بھیجا ﴿قَالَ﴾ انھوں نے کہا ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ نہیں ہے تمہارے لیے کوئی معبود اس کے سوا ﴿قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ تحقیق آچکی تمہارے پاس واضح دلیل تمہارے رب کی طرف سے ﴿هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے ﴿لَكُمْ اٰیَةً﴾ تمہارے لیے نشانی ﴿فَذَرُوْهَا﴾ پس چھوڑ دو اس کو ﴿تَاْكُلْ فِیْٓ اَرْضِ اللّٰهِ﴾ وہ کھائے اللہ کی زمین میں ﴿وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ﴾ اور نہ اس کو ہاتھ لگاؤ برائی سے ﴿فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ پس پکڑے گا تم کو دردناک عذاب ﴿وَاذْكُرُوْٓا﴾ اور یاد کرو تم ﴿اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ﴾ جب اللہ تعالیٰ نے بنایا تم کو خلیفے ﴿مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ﴾ قوم عاد کے بعد ﴿وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ﴾ اور ٹھکانا دیا تم کو زمین میں ﴿تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا﴾ بناتے ہو تم اس کی نرم جگہوں سے ﴿قُصُوْرًا﴾ محلات ﴿وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا﴾

اور تراشتے ہو پہاڑوں میں گھروں کو ﴿فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ﴾ پس یاد کرو تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ﴿وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ﴾ اور نہ پھرو زمین میں ﴿مُفْسِدِيْنَ﴾ فساد کرتے ہوئے ﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا﴾ کہا جماعت نے جنھوں نے تکبر کیا ﴿مِنْ قَوْمِهٖ﴾ اس کی قوم میں سے ﴿لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا﴾ ان لوگوں سے جو کمزور سمجھے جاتے تھے ﴿لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ﴾ جو ان میں سے ایمان لائے تھے ﴿اَتَعْلَمُوْنَ﴾ کیا تم جانتے ہو ﴿اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ کہ بے شک صالح علیہ السلام بھیجے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿قَالُوْۤا﴾ انھوں نے کہا ﴿اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴾ بے شک ہم اس چیز پر جس کے ساتھ وہ بھیجے گئے ہیں ایمان لانے والے ہیں ﴿قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا﴾ کہا ان لوگوں نے جو متکبر تھے ﴿اِنَّا بِالَّذِيْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ بے شک ہم اس چیز کا جس پر تم ایمان لائے ہو انکار کرنے والے ہیں ﴿فَعَقَرُوا النَّاقَةَ﴾ پس انھوں نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دیں ﴿وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ﴾ اور نافرمانی کی اپنے رب کے حکم کی ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا انھوں نے ﴿يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ﴾ اے صالح علیہ السلام لے آ تو ہم پر وہ چیز جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے ﴿اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اگر ہیں آپ رسولوں میں سے ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ پس پکڑا ان کو زلزلے نے ﴿فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ﴾ پس ہو گئے وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل گرنے والے ﴿فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ﴾ پس وہ پھرے ان سے ﴿وَقَالَ يٰقَوْمِ﴾ اور کہا اے میری قوم ﴿لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ﴾ تحقیق میں نے پہنچا دیا تم تک اپنے رب کا پیغام ﴿وَنَصَحْتُ لَكُمْ﴾ اور تم کو نصیحت کر چکا ﴿وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ﴾ اور لیکن تم پسند نہیں کرتے خیر خواہوں کو۔

قومِ صالح علیہ السلام کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو سمجھانے کے لیے قرآن کریم میں مختلف قسم کے لوگوں کے واقعات بیان فرمائے ہیں نیکوں کے بھی اور بُروں کے بھی۔ اس سے پہلے دو قوموں کا ذکر ہو چکا ہے۔ ایک نوح علیہ السلام کی قوم کا جو سیلاب میں تباہ ہوئی، دوسری ہود علیہ السلام کی قوم جن پر تند و تیز ہوا کا عذاب آیا اور اب تیسرے نمبر پر حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے جو حجر کے علاقہ میں آباد تھے اور حجر کا علاقہ تبوک اور خیبر کے درمیان سعودیہ میں واقع ہے۔

انھوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا﴾ اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو بھیجا۔ بھائی اس لیے فرمایا کیوں کہ وہ ان کی برادری میں سے تھے ﴿قَالَ﴾ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارے لیے کوئی معبود اس کے سوا۔ رب تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے

لائق نہیں ہے اس کے سوا کوئی خالق نہیں، کوئی مالک نہیں، کوئی رازق نہیں، کوئی صحت دینے والا نہیں، کوئی اولاد دینے والا نہیں، کوئی غنی کرنے والا نہیں، کوئی دکھ دینے والا نہیں، کوئی کاشفِ ضر نہیں، کوئی مشکل کشا نہیں، کوئی حاجت روا نہیں، کوئی فریادرس نہیں، کوئی مُقْتَدِرْ نہیں، یہ تمام صفات رب تعالیٰ کی ہیں۔

تفسیروں میں لکھا ہوا ہے کہ قوم اکٹھی ہو کر حضرت صالح علیہ السلام کے پاس آئی۔ کہنے لگے کہ ہم آپ کی بات مان لیں گے اگر آپ ہمارا مطالبہ پورا کر دیں اور ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ ہم جس چٹان پر ہاتھ رکھیں وہ پھٹ جائے اور اس میں سے اونٹنی نکلے اور بعض تفسیروں میں ہے کہ بچہ بھی ساتھ ہو۔

معجزہ اور کرامت کی حقیقت ؟

مسئلہ یہ ہے کہ معجزے رب تعالیٰ کے اختیار میں ہوتے ہیں پیغمبر کو اختیار نہیں ہوتا۔ سورۃ العنکبوت میں ہے ﴿اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ "پختہ بات ہے وہ معجزے تو سب خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔" اللہ تعالیٰ پیغمبروں کے ہاتھ پر ظاہر فرماتے ہیں۔ اسی طرح کرامت بھی اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتی ہے ولی کو اس پر اختیار نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ ولی کے ہاتھ پر ظاہر فرماتے ہیں ان کی بزرگی ظاہر کرنے کے لیے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا واقعہ ؟

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ کام تو رب تعالیٰ کا ہے لیکن اگر رب تعالیٰ میری تصدیق کے لیے ایسا کر دے کہ جس چٹان پر تم ہاتھ رکھو اس سے اونٹنی نکل آئے تو پھر مان جاؤ گے۔ کہنے لگے کیوں نہیں مانیں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے خود وقت مقرر کیا اور حجر شہر میں اس کا ڈھنڈورا پیٹا گیا اور مذاق کے انداز میں کہتے تھے کہ آؤ بھائی! آج چٹان سے اونٹنی نکلے گی۔ خوب منادی کرائی گئی مرد، عورتیں، بچے بھنگڑے ڈالتے ہوئے، تمسخر اڑاتے ہوئے اکٹھے ہوئے۔ قریب ہی پہاڑ تھا اس کی چٹان پر اُنھوں نے ہاتھ رکھا کہ اس چٹان سے اونٹنی نکل آئے تو ہم مان لیں گے۔ قادر مطلق نے ان کے سامنے متعین کردہ چٹان کو کھولا اور سچ مچ اس سے اونٹنی نکل آئی سب نے آنکھوں سے دیکھی مگر ایمان کوئی نہ لایا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ تحقیق آچکی تمہارے پاس واضح نشانی تمہارے رب کی طرف سے ﴿هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے، جو تم نے خود مانگی ہے رب تعالیٰ نے تمہارے سامنے ظاہر فرمادی ہے ﴿فَذَرُوْهَا﴾ پس چھوڑ دو اس کو چھیڑ تا نہ ﴿تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ﴾ وہ کھائے اللہ کی زمین میں ﴿وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ﴾ اور نہ اس کو ہاتھ لگاؤ برائی سے۔ بُرے ارادے سے مارنے کے لیے اس کو ہاتھ نہ لگاؤ ویسے تبرک سمجھ کر ہاتھ لگا سکتے ہو اور اس سے مٹی وغیرہ جھاڑ سکتے ہو۔

اس مقام پر ایک چشمہ تھا جس سے انسان اور جانور بھی پانی پیتے تھے۔ سورہ شعراء میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باری مقرر

کردی۔فرمایا﴿لَهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ "ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک معین دن تمہاری باری ہے۔" ایک دن اونٹنی چشمے سے پانی پیئے گی تمہارا کوئی جانور اس دن نہیں آئے گا اور ایک دن تمہارے جانور پئیں گے اس دن اونٹنی نہیں آئے گی۔یہ رب تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے امتحان اور آزمائش تھی۔

تفسیروں میں لکھا ہے کہ ایک بڑی اوباش قسم کی عورت تھی جس کا نام عنیزہ بنت غنم تھا اور اس کی نوعمر لڑکیاں تھیں اور اس کے پاس جانور بہت زیادہ تھے۔گائیں،بکریاں،بھیڑیں،اونٹ۔چشمے پر پانی پلاتے ہوئے اس کو بڑی پریشانی اٹھانی پڑتی تھی کیوں کہ ایک دن تو اونٹنی کی باری ہوتی اور دوسرے دن تمام لوگوں اور ان کے جانوروں کی باری ہوتی تھی۔حجر شہر میں نو غنڈے تھے جن کا ذکر سورۃ نمل میں آتا ہے﴿وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ﴾ "اور تھے شہر میں نو شخص﴿يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ جو فساد کرتے تھے زمین میں﴿وَلَا يُصْلِحُوْنَ﴾ اور نہیں اصلاح کرتے تھے۔"اس عورت نے ان بدمعاشوں سے رابطہ کیا اور ان سے کہا کہ میرے جانور پانی پینے کے لیے جاتے ہیں ایک دن پانی پیتے ہیں اور بعض جانوروں کی باری بھی نہیں آتی اور یہ ساری پریشانی صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی وجہ سے ہے۔اگر تم اس اونٹنی کا خاتمہ کرو تو تم میری جس لڑکی کی طرف اشارہ کرو گے اس کے ساتھ تمہارا نکاح کر دوں گی۔غنڈوں کو اور کیا چاہیے۔ان کے سرغنہ قیدار نے کہا کہ صرف اونٹنی کو الگ کرنے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا پہلے ہم صالح (علیہ السلام) کو بمع اہل وعیال کے ختم کرتے ہیں پھر اونٹنی کی خبر لیں گی۔﴿قَالُوْا﴾ "کہا انھوں نے ﴿تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ﴾ قسم کھاؤ اللہ کے نام کی﴿لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ﴾ کہ ہم رات کے وقت صالح علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو حملہ کر کے ہلاک کر دیں گے﴿ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ﴾ پھر ہم کہیں گے ان کے دعوے دار سے﴿مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ﴾ کہ ہم نہیں حاضر ہوئے ان کے اہل کے ہلاک ہونے کے وقت﴿وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ اور ہم سچے ہیں۔" بے شک ہم غنڈے ہیں مگر ایسی حرکت نہیں کر سکتے کہ نبی کو قتل کریں۔لیکن بعد میں ان کا پروگرام بدل گیا کہ نہیں پہلے اونٹنی کا کام تمام کرو۔

سورۃ ہود میں ہے﴿فَعَقَرُوْهَا﴾ "پس اُنھوں نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ دیئے۔"اس وقت اونٹنی کی ایک عجیب قسم کی آواز تھی جب حضرت صالح علیہ السلام نے وہ آواز سنی تو سمجھ گئے کہ ظالموں نے اونٹنی پر ظلم کیا ہے اور اب ان کی تباہی آئے گی۔حضرت صالح علیہ السلام نے آ کر اونٹنی کو دیکھا کہ اس نے چہرہ آسمان کی طرف کیا ہوا ہے تو فرمایا﴿تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ﴾ "فائدہ اٹھا لو اپنے گھروں میں تین دن تک﴿ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ﴾ یہ ایسا وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہوگا۔" اب رب تعالیٰ نے تمھیں تین دن کی مہلت دی ہے توبہ کر لو،کلمہ پڑھ لو ورنہ کل تمہاری شکلیں پیلی ہوں گی پرسوں تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے اس سے اگلے دن تمہارے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔علامتیں بھی ساری بتلا دیں۔اسی طرح سارا مرحلہ گزرا مگر وہ لوگ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔اللہ کرے کسی میں ضد اور ہٹ دھرمی نہ آئے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں﴿فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ پس پکڑے گا تم کو دردناک عذاب۔

قومِ عاد کا خلیفہ بنایا

اے میری قوم ﴿وَاذْكُرُوْٓا﴾ اور یاد کرو ﴿اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ﴾ جب اللہ تعالیٰ نے بنایا تم کو خلیفے عاد قوم کے بعد۔ پہلے وہ قوم یہاں آباد تھی پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو یہاں بسایا ان کا حشر سن لو کہیں تمہارا حشر وہ نہ ہو ﴿وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ اور ٹھکانا دیا تمھیں زمین میں۔ سارا علاقہ تمہارے قبضہ میں ہے ﴿تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا﴾ بناتے ہو تم اس کی نرم جگہوں سے محلات ﴿وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا﴾ اور تراشتے ہو پہاڑوں میں گھروں کو۔ سُهُوْل سَهْلٌ کی جمع ہے۔ تم ہموار میدانی زمین میں محل بناتے ہو۔ اور قُصُوْر قَصْرٌ کی جمع ہے بمعنی محل۔ بڑی بڑی چٹانوں کو تراشتے اور کہتے یہ باورچی خانہ ہے، یہ مہمان خانہ ہے، یہ ناچنے کا مکان ہے اور یہ رہائشی مکان ہیں۔ ساری زندگی ایسے ہی گزار دی ہتھوڑے اور دیگر آلات لے کر لگے رہتے تھے۔

دوسرے مقام پر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے اس پر تنقید کی کہ رب تعالیٰ نے جو تمھیں قیمتی وقت دیا ہے اس کو بے کار کاموں میں ضائع نہ کرو۔ ایک ایک چٹان بنانے میں تمہارے سوسو سال لگ جاتے ہیں یہ قیمتی وقت کسی اور طرف لگاؤ۔ اپنی بود و باش کے لیے مکان بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے مگر سارے چھوٹے بڑے ہتھوڑے اور دیگر آلات لے کر اسی میں زندگیاں کھپا دیں یہ صحیح نہیں ہے۔

﴿فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ﴾ پس یاد کرو تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ﴿وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ اور نہ پھرو زمین میں فساد کرتے ہوئے۔ رب تعالیٰ کی تعلیم کے مقابلے میں کفر و شرک فساد ہے۔ لوگ صرف ڈنڈا چلانے کو فساد سمجھتے ہیں فساد صرف چوری ڈکیتی کا نام نہیں ہے۔ دو رکوع پہلے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ بلند آواز سے دعا اور ذکر کرنا بھی فساد ہے۔ اس لیے کہ اس میں دوسروں کو اذیت پہنچتی ہے۔ کوئی نماز پڑھ رہا ہے، کوئی تلاوت کر رہا ہے، کوئی اپنا ورد، وظیفہ کر رہا ہے، کوئی مسافر ٹھہرا ہوا ہے، آرام کر رہا ہے اور تم بلند آواز سے دعا اور ذکر کر کے اپنے دل کا شوق پورا کرتے ہو اور ان سب کو اذیت پہنچاتے ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قَالَ الْمَلَاُ﴾ کہا اس جماعت نے ﴿الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا﴾ جنھوں نے تکبر کیا ﴿مِنْ قَوْمِهٖ﴾ اس کی قوم میں سے ﴿لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا﴾ ان لوگوں سے جو کمزور سمجھے جاتے تھے ﴿لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ﴾ جو ان میں سے ایمان لائے تھے۔ مضبوط متکبر کافروں نے کہا ان ایمان والوں سے جو مالی اور عددی لحاظ سے کمزور تھے ﴿اَتَعْلَمُوْنَ﴾ کیا تم جانتے ہو ﴿اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ کہ بے شک صالح علیہ السلام بھیجے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿قَالُوْٓا﴾ انھوں نے کہا ﴿اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴾ بے شک ہم اس چیز پر جس کے ساتھ وہ بھیجے گئے ہیں ایمان لانے والے ہیں۔ اب آگے ان کافروں کا جواب ہے۔

﴿قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا﴾ کہا ان لوگوں نے جو متکبر تھے ﴿اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ بے شک ہم اس چیز کا جس پر تم ایمان لائے ہوا نکار کرنے والے ہیں۔جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم اس کے منکر ہیں اب اس ضد کا کیا علاج ہے؟ اللہ تعالیٰ اپنی نافرمانی اور ضد سے بچائے اور اللہ تعالیٰ قرآن کریم سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔﴿فَعَقَرُوا النَّاقَةَ﴾ پس اُنھوں نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دیں ﴿وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ﴾ اور نافرمانی کی اپنے رب کے حکم سے ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا اُنھوں نے ﴿یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ﴾ اے صالح علیہ السلام! لے آؤ ہم پر وہ چیز جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو ﴿اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ اگر ہیں آپ رسولوں میں سے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ پس پکڑا ان کو زلزلے نے۔ یہاں رجفۃ کا لفظ ہے اور سورۃ حجر میں صَیْحَةٌ کا لفظ ہے چیخ، آواز۔حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایک ڈراونی آواز نکالی اس سے زلزلہ پیدا ہوا اور مجرم جہاں جہاں تھے ان کے دل پھٹ گئے ﴿فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ﴾ پس ہو گئے وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل گرنے والے۔جیسے ہم لوگ التحیات میں دوزانوں ہو کر بیٹھتے ہیں یہ بڑی عاجزی کی حالت ہے۔سارے دوزانو ہو کر توبہ توبہ کرنے لگے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا وہیں گر گئے۔عذاب ظاہر ہونے کے بعد کوئی قوم نہیں بچی سوائے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے۔﴿فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ﴾ پس وہ پھرے ان سے (حضرت صالح علیہ السلام) ﴿وَقَالَ﴾ اور اُنھوں نے کہا ﴿یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ﴾ اے میری قوم! تحقیق میں نے پہنچا دیا تم تک اپنے رب کا پیغام ﴿وَنَصَحْتُ لَكُمْ﴾ اور تم کو نصیحت کر چکا ﴿وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ﴾ اور لیکن تم پسند نہیں کرتے خیر خواہوں کو۔یہ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو خطاب کیا ان کے ہلاک ہو جانے کے بعد۔

مردوں کا سننا:

اس سے یہ مسئلہ سمجھ آ رہا ہے کہ مردے سنتے ہیں اور اگر نہیں سنتے تو ان کو خطاب کرنے کا کیا فائدہ؟ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے وہ کہتے ہیں کہ حضرت صالح علیہ السلام کا ان کو سنانا مقصود نہیں تھا بلکہ حیرت کا اظہار تھا۔لیکن اس مسئلے میں تفصیل ہے کہ مردے زندوں کی باتیں سنتے ہیں یا نہیں سنتے؟ ایک خاص مسئلہ ہے یعنی خواص کے متعلق ہے اور ایک عام مسئلہ ہے یعنی عوام کے متعلق ہے۔خاص انبیاء علیہم السلام کے متعلق ہے کہ وہ سنتے ہیں اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی قبور کے پاس کوئی آواز دے، درود شریف پڑھے تو وہ سنتے ہیں۔حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فتاویٰ رشیدیہ میں لکھتے ہیں اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ امداد الفتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ اس مسئلے پر امت کا اتفاق ہے کہ پیغمبر کی قبر کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھو تو وہ سنتے ہیں۔اس مسئلے پر ۱۹۷۴ء میں بعض لوگوں نے اختلاف پیدا کیا ہے۔

اور دوسرا مسئلہ تمام مردوں کے سننے کا ہے۔یہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک اختلافی چلا آ رہا

ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سماع کا انکار فرماتی ہیں اور فرماتی ہیں کہ مردے نہیں سنتے اور ابن کثیر، فتح الباری وغیرہ تفسیر کی کتابوں میں ہے خَالَفَهَا الْجمهورُ " جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے مخالف تھے۔" وہ فرماتے تھے کہ سنتے ہیں۔اور قبرستان جانے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ جب تم قبرستان جاؤ تو کہو: اَلسَّلاَمُ عَلَيْكُمْ يَا دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ اَنْتُمْ لَنَا سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ وَ اِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ نَسْئَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ. جمہور یعنی نوے [۹۰] فیصد مسلمان حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی، مُقلِّد اور غیر مُقلِّد اس کے قائل ہیں کہ مردے سنتے ہیں اور دس فیصد ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے۔

﴿وَلُوْطًا﴾ اور یاد کرو لوط علیہ السلام کا قصہ ﴿اِذْ قَالَ﴾ جس وقت کہا انھوں نے ﴿لِقَوْمِهٖٓ﴾ اپنی قوم کو ﴿اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ﴾ کیا تم کرتے ہو بے حیائی ﴿مَا سَبَقَكُمْ بِهَا﴾ نہیں سبقت لے گیا اس بے حیائی میں ﴿مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ جو نہیں کیا تم سے پہلے کسی نے جہان والوں میں سے ﴿اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ﴾ بے شک تم دوڑتے ہو مردوں پر ﴿شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ﴾ شہوت رانی کرتے ہوئے عورتوں کو چھوڑ کر ﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ﴾ بلکہ تم لوگ حد سے نکلنے والے ہو ﴿وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ﴾ اور نہیں تھا ان کی قوم کا جواب ﴿اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا﴾ مگر یہ کہ کہا انھوں نے ﴿اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ﴾ نکال دو ان کو اپنی بستی سے ﴿اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ﴾ بے شک یہ لوگ ہیں جو پاک بنتے ہیں ﴿فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ﴾ پس ہم نے نجات دی ان کو اور ان کے گھر والوں کو ﴿اِلَّا امْرَاَتَهٗ﴾ مگر اس کی بیوی ﴿كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ﴾ تھی وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا﴾ اور ہم نے برسائی ان پر ایک خاص قسم کی بارش ﴿فَانْظُرْ﴾ پس دیکھ ﴿كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ کیسا انجام ہوا مجرموں کا۔

قومِ لوط کا ذکر:

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے۔یہ عراق کے دارالخلافہ میں رہتے تھے۔اس وقت اس جگہ کا نام کُوثٰی بروزن طُوبٰی تھا آج کل کے جغرافیہ میں اس کا نام بابل ہے، اب یہ چھوٹا سا قصبہ ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر بھی یہیں رہتے تھے۔آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ہی کا نام ہے اور لوگوں نے ویسے ہی تاویلیں کی ہیں اور تاویلیں کس کس جگہ کریں گے قرآن میں، حدیث میں۔آزر کے ایک بیٹے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور دوسرے بیٹے کا نام حاران تھا "ح" حلوے والی۔لوط علیہ السلام حاران کے بیٹے تھے۔اس علاقے میں صرف یہ تین بزرگ شخصیات حق کو قبول کرنے والی تھیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہا السلام، اہلیہ محترمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام۔

ابراہیم علیہ السلام نے نبوت ملنے کے بعد تقریباً اسی [۸۰] سال قوم میں گزارے اور بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ تم عراق سے شام کی طرف ہجرت کر جاؤ اور حکم ہوا کہ دمشق میں لوگوں کو تبلیغ کرو۔ راستے میں کسی جگہ پر لوط علیہ السلام کو نبوت عطا ہوئی اور حکم ہوا کہ تم سدوم شہر میں جاؤ اور ان لوگوں کو تبلیغ کرو۔ سدوم بڑا شہر تھا یہ دس میل میں پھیلا ہوا تھا۔ آج کل اس کی جگہ بحر میت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلُوْطًا﴾ اور یاد کرو لوط علیہ السلام کا قصہ ﴿اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ﴾ جس وقت کہا اُنھوں نے اپنی قوم کو۔ وہ قوم جس کی طرف ان کو نبی بنا کر بھیجا گیا جن کا مرکزی شہر سدوم تھا۔ ﴿اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ﴾ کیا تم کرتے ہو بے حیائی ﴿مَا سَبَقَكُمْ بِهَا﴾ نہیں سبقت لے گیا اس بے حیائی میں ﴿مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کوئی ایک آدمی جہان والوں میں سے۔ تم سے پہلے یہ بے حیائی کسی نے نہیں کی۔ وہ بے حیائی کیا تھی؟ فرمایا ﴿اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً﴾ بے شک تم دوڑتے ہو مردوں پر شہوت رانی کرتے ہوئے اپنی شہوت مردوں پر پوری کرتے ہو ﴿مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ﴾ عورتوں کو چھوڑ کر۔ اللہ تعالیٰ نے مرد بھی پیدا فرمائے اور عورتیں بھی اور نسل انسانی کو باقی رکھنے کے لیے نکاح کا حکم فرمایا کہ جائز طریقے سے تم اپنی خواہش کو پورا کرو۔ لیکن وہ قوم اس سے ہٹ کر ہم جنس پرستی میں مبتلا ہوگئی تھی تو حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو سمجھایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو۔

حدیث پاک میں آتا ہے اُقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ "جو مرد آپس میں بے حیائی کریں دونوں کو قتل کر دو۔" اور حال یہ ہے کہ یورپ کے بعض ممالک میں یہ قانون پاس ہو چکا ہے کہ مرد، مرد سے نکاح کر سکتا ہے اور بعض ممالک اس قانون کے پاس کرانے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ ان بے حیا قوموں میں انسانیت ختم ہوگئی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس میں حرج کیا ہے۔

فرمایا ﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ﴾ بلکہ تم لوگ ہو حد سے نکلنے والے۔ تم خدا کے حکم کو چھوڑ کر آگے نکل گئے ہو ﴿وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ﴾ نہیں تھا ان کی قوم کا جواب ﴿اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا﴾ مگر یہ کہ کہا اُنھوں نے ﴿اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ﴾ نکال دو ان کو اپنی بستی سے۔ اس کو کہتے ہیں الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ مجرموں کو نکالنا چاہیے یا نیکوں کو؟ مگر جب مجرم زیادہ ہو جائیں تو پھر نیکوں پر سختیاں ہو جاتی ہیں۔ کیوں نکالو؟ ﴿اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ﴾ یہ لوگ ہیں جو پاک بنتے ہیں۔ ان کا انداز گفتگو دیکھو کہ یہ پاک بنے پھرتے ہیں۔ بھائی! یہ پاک بنے نہیں پھرتے بلکہ حقیقتاً یہ پاک ہیں۔

﴿فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ﴾ پس ہم نے نجات دی ان کو اور ان کے گھر والوں کو ﴿اِلَّا امْرَاَتَهٗ﴾ مگر اس کی بیوی کو نجات نہیں ملی۔ حضرت لوط علیہ السلام بیوی پیچھے سے تو لائے نہیں تھے انھی لوگوں میں شادی ہوئی مگر وہ اسلام نہیں لائی۔ اس وقت مسلمان کا نکاح کافر کے ساتھ جائز تھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے سولہ سال بعد تک کافروں کے ساتھ نکاح جائز رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تین بیٹیاں پہلے کافروں کے نکاح میں تھیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے نکاح میں تھیں اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا ابو العاص بن ربیع کے نکاح میں تھیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں ایک

عورت تھی اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کی وجہ سے اس کی کنیت اُمِّ بکر پڑی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ابوبکر کہلائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بڑی کوشش کی مگر وہ مسلمان نہیں ہوئی، کہتی تھی رب مجھے اسلام سے بچائے۔

جب دوسرے پارے کی یہ آیات نازل ہوئیں ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ "اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ ایمان لائیں ﴿وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ﴾ اور البتہ مومن لونڈی بہتر ہے مشرک عورت سے ﴿وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ﴾ چاہے وہ تم کو کتنی اچھی معلوم ہو ﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا﴾ اور نہ نکاح کرو مسلمان عورتوں کا مشرکوں کے ساتھ ﴿وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ﴾ اور البتہ مومن غلام بہتر ہے مشرک سے ﴿وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ﴾ چاہے وہ تم کو اچھا معلوم ہو۔" اس آیت کریمہ کے بعد مشرکوں سے نکاح منسوخ ہو گیا۔

یاد رکھنا! رشتہ کرتے وقت سب سے پہلے عقیدہ دیکھو۔ بچہ بچی مشرک کافر تو نہیں تا کہ اولاد کا ایمان خراب نہ ہو لیکن اب حالت یہ ہے کہ ہم لوگ شکل دیکھتے ہیں، کوٹھیاں کاریں دیکھتے ہیں، مال دیکھتے ہیں، دنیاوی تعلیم دیکھتے ہیں عقیدے کی طرف نگاہ کرنے والے لوگ بہت کم ہیں۔ آخرت کی فکر کرو دنیا تو گزر ہی جائے گی۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ ان کی لڑکی جوان ہوگئی رشتہ داروں نے رشتہ تلاش کیا اور کہا کہ حضرت! آپ لڑکی فلاں جگہ دے دیں۔ فرمایا میں لڑکی وہاں نہیں دوں گا۔ رشتہ داروں نے کہا حضرت! کیوں نہیں وجہ کیا ہے، کیا لڑکے کی شکل اچھی نہیں، بے کار ہے؟ فرمایا نہیں شکل بھی اچھی ہے اور عقل بھی، پڑھا لکھا، دین دار، پرہیزگار ہے اور سارا گھرانا دین داروں کا ہے مگر ان کے گھر میں لونڈیاں کام کرتی ہیں میری بیٹی کو ساس کی خدمت کا موقع میسر نہیں ہوگا جس سے اس کی آخرت ماری جائے گی۔ اس لیے میں بیٹی وہاں دینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ آخرت کا کتنا فکر ہے۔ آج تو ایسے لوگ بھی ہیں جو رشتہ کرتے وقت کہتے ہیں ہماری لڑکی روٹی نہیں پکائے گی، کپڑے نہیں دھوئے گی، جھاڑو نہیں پھیرے گی اس کو ٹرے میں تیار روٹی ملنی چاہیے۔ یاد رکھنا! اور عورتیں اس مسئلہ کو اچھی طرح یاد رکھیں۔ یہ جو گھر کے کام ہیں مثلاً: بچوں کو نہلانا، تیار کرنا، کپڑے دھونا، روٹی پکانا اور کھلانا، جھاڑو پھیرنا ان کا ثواب نفلی نماز، روزہ سے زیادہ ہے۔

تو فرمایا کہ ان کی بیوی کو نجات نہ ملی ﴿كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ﴾ تھی وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے کہ حضرت لوط علیہ السلام کو حکم تھا آپ جلدی سے یہاں سے چلے جائیں کہ آپ کے چلے جانے کے بعد ہم نے اس علاقے کو اُلٹا دینا ہے۔ وہ تشریف لے گئے اور یہ پیچھے مُعَذَّبِیْن میں رہ گئی۔ اس قوم پر چار قسم کے عذاب آئے۔

پہلا عذاب: ﴿فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ﴾ [سورۃ القمر] "ہم نے ان کی آنکھیں مٹا دیں آنکھوں کی بینائی ختم کر دی۔"

دوسرا عذاب: ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا﴾ [سورۃ النمل] "ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسائی۔"

تیسرا عذاب: سورۃ الحجر میں صَیْحَہ کے لفظ آتے ہیں "ڈراونی آواز۔"

چوتھا عذاب: ﴿جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا﴾ [سورۃ ہود] "ہم نے بستی کو الٹ کر اوپر نیچے کر دیا۔"

اس مقام پر دس میل کا بحیرہ مردار ہے۔ وہاں پر کسی قسم کی مچھلی یا آبی جانوروں کی قسم کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ حالانکہ چھوٹے چھوٹے تالابوں میں بھی کیڑے اور مچھلیاں ہو جاتی ہیں مگر ان پر ایسا عذاب آیا کہ آج تک وہاں ایک مچھلی بھی پیدا نہیں ہوئی۔

فرمایا ﴿وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا﴾ اور ہم نے ان پر برسائی ایک خاص قسم کی بارش ﴿فَانْظُرْ﴾ اے مخاطب دیکھ! ﴿كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ کیسا انجام ہوا مجرموں کا۔ اللہ تعالیٰ جرم سے بچائے اور گناہ سے بھی بچائے اور محفوظ رکھے آمین!

﴿وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا﴾ اور مدین قوم کی طرف بھیجا ہم نے ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو ﴿قَالَ﴾ فرمایا انھوں نے ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ نہیں ہے تمہارے لیے کوئی معبود اس کے سوا ﴿قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ﴾ تحقیق آچکی تمہارے پاس واضح دلیل ﴿مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ تمہارے رب کی طرف سے ﴿فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ﴾ پس پورا ماپ اور تول کرو ﴿وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ﴾ اور نہ کم کرو لوگوں سے ان کی چیزیں ﴿وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ اور نہ فساد کرو زمین میں ﴿بَعْدَ اِصْلَاحِهَا﴾ زمین کی اصلاح کے بعد ﴿ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ یہ چیزیں تمہارے لیے بہتر ہیں ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اگر ہو تم مومن ﴿وَ لَا تَقْعُدُوْا﴾ اور نہ بیٹھو ﴿بِكُلِّ صِرَاطٍ﴾ کسی بھی راستے پر ﴿تُوْعِدُوْنَ﴾ ڈراتے ہو تم لوگوں کو ﴿وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور روکتے ہو تم اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿مَنْ اٰمَنَ بِهٖ﴾ اس کو جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر ﴿وَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾ اور تلاش کرتے ہو اس راستے میں کجی ﴿وَ اذْكُرُوْٓا﴾ اور یاد کرو تم ﴿اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا﴾ جس وقت تم تھوڑے تھے ﴿فَكَثَّرَكُمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے تم کو زیادہ کر دیا ﴿وَ انْظُرُوْا﴾ اور دیکھو ﴿كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ کیسا انجام تھا فساد مچانے والوں کا ﴿وَ اِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ﴾ اور اگر ہے ایک گروہ تم میں سے ﴿اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ﴾ جو ایمان لایا اس چیز پر جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں ﴿وَ طَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا﴾ اور ایک گروہ ایسا ہے جو ایمان نہیں لایا ﴿فَاصْبِرُوْا﴾ پس تم صبر کرو ﴿حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ﴾ یہاں تک کہ فیصلہ کرے اللہ تعالیٰ ﴿بَيْنَنَا﴾ ہمارے درمیان ﴿وَ هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ﴾ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

قومِ شعیب کا تذکرہ :

مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا نام ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے جن کا ذکر

قرآن کریم میں ہے، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام۔ ان کے علاوہ تین بیٹے اور تھے جن کا ذکر تورات اور تاریخ کی کتابوں میں ہے، حضرت مدین، حضرت مدائن اور حضرت قیدار علیہم السلام۔ تو مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیٹا ہے۔ آگے ان کی نسل چلی اُنھوں نے ایک شہر آباد کیا جس کا نام مدین رکھا۔ بہت سارے شہروں کے نام قوموں کے نام پر ہیں۔ سننے میں آیا ہے کہ گکھڑ بھی ایک قوم تھی جن کے نام پر گکھڑ شہر آباد ہے۔

مدین اس علاقے کی بڑی مرکزی جگہ تھی۔ اس کے حدود اربعہ یعنی چاروں طرف بڑے بڑے جنگلات تھے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اَصْحٰبُ الْاَیْکَۃِ بھی کہا ہے، جنگل والے۔ اور مدین اس وقت بین الاقوامی منڈی تھی دور دراز سے تاجر آتے چیزیں بیچتے اور خریدتے تھے۔ بڑا بارونق اور آباد شہر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ اس کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا﴾ اور مدین قوم کی طرف بھیجا ہم نے ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو۔ حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں آتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام اپنے دور میں بڑے فصیح اللسان تھے بات بڑی صاف اور بڑے اچھے طریقے سے سمجھاتے تھے خطیب الانبیاء ان کا لقب ہے۔ نماز بڑے آرام اور آہستہ آہستہ پڑھتے تھے۔ سورۂ ہود میں آئے گا کافروں نے طعنہ دیا ﴿یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ﴾ "اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں ان چیزوں کو جن کی پوجا کرتے تھے ہمارے باپ دادا۔" یعنی یہ جو تو نماز پڑھتا ہے یہ تجھے حکم دیتی ہے۔ یہ کہہ کر وہ حضرت شعیب علیہ السلام کی نماز کا تمسخر اڑاتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دو بیٹیاں عطا فرمائی تھیں۔ بیٹیاں ہی بکریاں چراتی تھیں ان کا دودھ کچھ پی لیتے اور کچھ بیچ کر گھر کا نظام چلاتے ﴿قَالَ﴾ فرمایا حضرت شعیب علیہ السلام نے ﴿یٰقَوْمِ﴾ اصل میں یٰقَوْمِیْ تھا۔ "یٓ" متکلم کی تخفیفاً حذف کر دی گئی ہے۔ اے میری قوم! ﴿اعْبُدُوا اللّٰہَ﴾ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ﴾ نہیں ہے تمہارے لیے کوئی معبود اللہ تعالیٰ کے سوا۔ دنیا میں جتنے بھی پیغمبر تشریف لائے ہیں ان کا پہلا سبق ہی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی مسجود نہیں، کوئی حاجت روا نہیں، کوئی مشکل کشا نہیں، کوئی فریاد رس نہیں، کوئی دست گیر نہیں، کوئی مُقَنِّن نہیں، کوئی حاکم نہیں، ﴿اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ﴾ [یوسف: ۴۰] "حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔" تمام پیغمبروں نے پہلا سبق یہی دیا۔ سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ "اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم وحی کرتے تھے اس کی طرف کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر میں پس میری ہی عبادت کرو۔"

حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی وہی سبق دیا فرمایا ﴿قَدْ جَآءَتْکُمْ بَیِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ﴾ تحقیق آچکی تمہارے پاس واضح دلیل تمہارے رب کی طرف سے۔ ﴿بَیِّنَۃٌ﴾ کا معنیٰ تو معجزہ ہے اکثر پیغمبروں کے معجزات قرآن پاک میں مذکور ہیں لیکن شعیب علیہ السلام کا کوئی معجزہ صراحت کے ساتھ قرآن پاک میں مذکور نہیں ہے۔ میں نے بے شمار تفسیریں دیکھیں اور تلاش کرتا رہا کہ کوئی معجزہ مل

جائے ﴿بَيِّنَةٌ﴾ کا معنیٰ تو معجزہ ہے مگر اس کی تفصیل کیا ہے کہ وہ معجزہ کیا تھا معلوم نہیں۔ البتہ ایک بزرگ نے کتاب لکھی ہے "بَدَائِعُ الظُّهُوْرُ فِي وَقَائِعِ الدُّهُوْرِ" اس میں اُنھوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کا ایک معجزہ بیان کیا ہے کہ قوم نے شعیب علیہ السلام سے کہا کہ آپ ہمارے اِلٰہوں، بتوں اور اصنام کی تردید کرتے رہتے ہیں اگر آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں تو ان کو بلوائیں ہمارے بت بول کر کہیں کہ واقعی شعیب علیہ السلام کا سبق اور تعلیم صحیح ہے تو ہم مان لیں گے۔ ان کا خیال تھا کہ ان پتھروں کی مورتیوں نے کیا بولنا ہے؟ حضرت شعیب علیہ السلام نے دوسرے پیغمبروں کی طرح پہلا جواب تو یہ دیا کہ ﴿اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [العنکبوت: ۵۰] معجزے، خرق عادت چیزیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں پیغمبروں کے اختیار میں نہیں ہیں لیکن اگر اللہ تعالیٰ تمھارے منہ سے نکلا ہوا مطالبہ پورا کر دے تو مان لو گے۔ کہنے لگے ضرور مانیں گے۔

بَدَائِعُ الظُّهُوْرُ میں ہے کہ اُنھوں نے بت بڑے بنائے اور سنوارے ہوئے تھے اور ان پر پردے لٹکائے اور خوشبوئیں لگائی ہوئی تھیں۔ لوگ ایک دوسرے سے مذاق کرتے ہوئے اکٹھے ہوئے کہ آج ہمارے بتوں نے بولنا ہے اور شعیب (علیہ السلام) کی تصدیق کرنی ہے۔ مخلوق ساری اکٹھی تھی، میلے کا سماں تھا حضرت شعیب علیہ السلام جب قریب پہنچے تو بتوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو اس سبق کے متعلق جو میں ان لوگوں کو دیتا ہوں کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان بتوں کو گویائی کی طاقت عطا فرمائی سب لوگوں نے سنا کہ بتوں نے بلند آواز سے کہا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے وَاَنْتَ رَسُوْلُ رَبِّنَا اور آپ ہمارے رب کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے جس چیز کو چاہے بلوا سکتا ہے۔ مسلم شریف میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اس وقت بھی اس پتھر کو جانتا ہوں مکہ مکرمہ میں کہ میں جب اس کے پاس سے گزرتا تھا تو وہ مجھے سلام کرتا تھا۔

ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے دور چلے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ تھے۔ ایک آدمی ہل چلاتا تھا، تھک گیا، فارغ ہو کر واپس آنے لگا تو چھلانگ لگا کر بیل پر سوار ہو گیا۔ بیل اکڑ گیا اور کہنے لگا لَمْ نُخْلَقْ لِهٰذَا اِنَّمَا خُلِقْتُ لِلزِّرَاعَةِ "ہم سواری کے لیے نہیں پیدا کیے گئے میں تو کھیتی باڑی کے لیے پیدا کیا گیا ہوں نیچے اترو ہمارے ذریعے کھیتی باڑی کرو۔" لوگوں نے سنا کہنے لگے سُبْحَانَ اللّٰهِ بَقَرَةٌ تَكَلَّمَتْ "اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے، بیل بولتا ہے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا بھی ایمان ہے ابوبکر کا بھی ایمان ہے عمر کا بھی ایمان ہے (رضی اللہ عنہما) کہ رب تعالیٰ جس چیز کو چاہے بلوا سکتا ہے۔ وَمَا هُمَا ثَمَّةَ یہ دونوں بزرگ اس وقت ساتھ نہیں تھے۔ گویا ان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا اعتماد تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وکالت فرمائی۔

آگے چلے تو ایک موٹا تازہ بھیڑیا آیا اور اس نے ریوڑ سے ایک بکری اٹھالی۔ ریوڑ کا مالک بھی بڑا بہادر تھا اس کے پیچھے دوڑا پتھر وغیرہ مارے اور بھیڑیے سے بکری چھڑالی۔ وہ بھیڑیا ایک ٹیلے پر چڑھ کر کہنے لگا کہ آج تو تُو نے مجھ سے بکری چھڑالی ہے کل جب میری بادشاہی ہو گی تو کون چھڑائے گا؟ لوگوں نے کہا سُبْحَانَ اللّٰهِ ذِئْبٌ يَتَكَلَّمُ "اللہ تعالیٰ کی ذات پاک

ہے بھیڑیا باتیں کرتا ہے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہے بلوائے میرا بھی ایمان ہے ابوبکر کا بھی ایمان ہے عمر کا بھی ایمان ہے (رضی اللہ عنہما)۔

یہ ہمارے ہاتھ پاؤں آج تو نہیں بولتے مگر قرآن پاک میں آتا ہے قیامت والے دن یہ بولیں گے۔ چنانچہ سورۃ یٰسین میں آتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ﴾ "اور کلام کریں گے ہمارے سامنے ان کے ہاتھ ﴿وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ﴾ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں ﴿بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ جو کچھ وہ کماتے تھے۔" اور چوبیسواں پارہ سورۃ حٰمٓ سجدہ میں آتا ہے ﴿حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا﴾ "یہاں تک کہ وہ جب اس کے قریب پہنچیں گے ﴿شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ﴾ تو گواہی دیں گے ان پر ان کے کان اور ان کی آنکھیں ﴿وَجُلُوْدُهُمْ﴾ اور ان کی کھالیں ﴿بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اس چیز کی جو کچھ وہ کرتے تھے ﴿وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ﴾ اور وہ کہیں گے اپنے چمڑوں سے ﴿لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا﴾ کہ تم کیوں گواہی دیتے ہو ہمارے خلاف ﴿قَالُوْٓا﴾ وہ کہیں گے ﴿اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ ہم کو بلوایا ہے اس اللہ تعالیٰ نے جس نے ہر چیز کو بلوایا ہے۔" ہم تو بے اختیار ہیں بلوانے والے نے بلوایا ہے۔

تو بات ہو رہی تھی کہ ان کے بتوں نے کہا کہ حضرت شعیب علیہ السلام سچ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں مگر ضدی لوگ یہ سن کر بھی ایمان نہ لائے مدین چونکہ اس علاقے کا بڑا شہر تھا اور اس علاقے کی بڑی منڈی تھی تو یہ لوگ ناپ تول میں کمی کرتے تھے، ڈنڈی مارتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے فرمایا ﴿فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ﴾ پس پورا ماپ اور تول کر دو ﴿وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ﴾ اور نہ کم کر دو لوگوں سے ان کی چیزیں۔ اگر کسی دکان دار نے کہا کہ ایک کلو چیز ایک روپے کی دوں گا۔ عند اللہ اس شخص کا ایک کلو بن گیا اب اگر اس میں کمی کرے گا تو اس کا حق مارے گا اور اللہ تعالیٰ کا حق بھی توڑنے والا ہوگا۔ اسی طرح جس جنس اور رنگ اور کوالٹی کا وعدہ کیا ہے اگر اس میں کمی بیشی کرے گا تو دھوکا ہوگا اور قیامت والے دن اس کا جواب دہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا﴾ اور نہ فساد کرو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد۔ معلوم ہوا کہ کم تولنا بھی فساد ہے، شرک کرنا بھی فساد ہے، قبروں کو پوجنا بھی فساد ہے۔ فساد نہ مچاؤ ﴿ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ یہ چیزیں تمہارے حق میں بہتر ہیں ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اگر ہو تم ایمان والے۔ اور ان لوگوں نے ایجنٹ رکھے ہوتے تھے ڈاکو جو دور دراز جنگلوں میں چھپے ہوتے تھے قافلے والوں سے قیمتی چیز لوٹ لیتے تھے اور شہر میں بھی ایجنٹ ہوتے تھے جو دیکھتے کہ سونا کس نے خریدا ہے، ریشمی کپڑے کس نے خریدے ہیں، قیمتی سامان کس نے خریدا ہے۔ یہ ان کو آگاہ کرتے اور وہ ان کو لوٹ لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے فرمایا ﴿وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ﴾ اور نہ بیٹھو کسی بھی راستے پر ڈراتے ہوئے لوگوں کو۔ اور ڈاکوؤں میں ایسے بھی تھے جو لوٹتے بھی تھے اور اپنے مذہب کی تبلیغ بھی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ تم جب شہر میں جاؤ گے تو وہاں ایک بابا جی ہیں ان کا یہ حلیہ ہے ان کے قریب نہ جانا ان کی بات نہیں سننی۔ تو وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے

روکتے تھے کہ یہ ایمان نہ لائیں دوطرفہ لٹیرے تھے، مال بھی لوٹتے تھے اور ایمان بھی۔

فرمایا ﴿وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور روکتے ہو تم اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿مَنْ اٰمَنَ بِهٖ﴾ ان کو جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر ﴿وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾ اور تلاش کرتے ہو اس راستے میں کجی۔ کجی کہتے ہیں کہ نام تو اسلام کا لے اور کرے اپنی مرضی، جس طرح ہمارے حکمرانوں نے اسلام کو ٹیڑھا کر دیا ہے ﴿وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا﴾ اور یاد کرو تم جس وقت تم تھوڑے تھے ﴿فَكَثَّرَكُمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے تم کو زیادہ کر دیا ﴿وَانْظُرُوْا﴾ اور دیکھو ﴿كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ کیسا انجام تھا فساد مچانے والوں کا۔

سابقہ اقوام کا انجام:

تم سے پہلے جو فسادی لوگ تھے ان کا کیا انجام ہوا۔ لوط علیہ السلام کی قوم کا کیا حشر ہوا، صالح علیہ السلام کی قوم کا کیا حشر ہوا، عاد قوم کا کیا حشر ہوا، نوح علیہ السلام کی قوم کا کیا حشر ہوا یہ سب تمہارے سامنے ہے۔ کیوں کہ وہ لوگ جانتے تھے کہ ان لوگوں پر رب تعالیٰ کا عذاب آیا تھا کہ کسی کو رب تعالیٰ نے سیلاب میں تباہ کیا، کسی پر تند ہوا چلائی، کسی پر پتھر برسائے، کسی کو کسی شکل میں اور کسی کو کسی شکل میں تباہ کیا۔ ﴿وَ اِنْ كَانَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْكُمْ﴾ اور اگر ہے ایک گروہ تم میں سے ﴿اٰمَنُوْا بِالَّذِيْۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ﴾ جو ایمان لایا اس چیز کے ساتھ جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں۔ یہ تھوڑے سے لوگ تھے جو حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان لائے تھے جن کے متعلق کافر کہتے تھے ﴿وَ لَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ﴾ "شعیب اگر تیرے ساتھ یہ چند ساتھی نہ ہوں جن کی ہم تھوڑی سی شرم کرتے ہیں تو ہم تجھے پتھروں سے مار مار کر ختم کر دیں۔" حضرت شعیب علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا ﴿يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْۤ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ [ہود: ، پارہ: ۱۲] "اے میری قوم میرا خاندان زیادہ عزیز ہے تم پر اللہ تعالیٰ کی نسبت۔" ظالمو! میری برادری کا خیال کرتے ہو اور اس رب کا خیال نہیں کرتے جس نے تمھیں پیدا کیا ہے، تمھیں رزق دیا ہے، صحت دی ہے، مال دیا ہے، اولاد دی ہے۔

﴿ وَ طَآىِٕفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا﴾ اور ایک گروہ ایسا ہے جو ایمان نہیں لایا ﴿فَاصْبِرُوْا﴾ پس تم صبر کرو ﴿حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا﴾ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے ہمارے درمیان ﴿وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ﴾ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ کیوں کہ وہ ظاہر اور باطن کو جاننے والا ہے اس کا جو فیصلہ ہوگا وہ حق ہوگا اور دنیا کے جج غلط فہمی کا شکار ہو کر غلط فیصلے بھی کر جاتے ہیں اور بسا اوقات ڈنڈی بھی مار جاتے ہیں اللہ تعالیٰ نہ ڈنڈی مارتا ہے اور نہ غلط فہمی کا شکار ہوتا ہے اور نہ غلط فیصلہ کرتا ہے۔ اس قوم کے ساتھ کیا ہوا؟ اس کا ذکر آگے آئے گا۔

﴿قَالَ الْمَلَاُ﴾ کہا جماعت نے ﴿الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا﴾ وہ جنھوں نے تکبر کیا ﴿مِنْ قَوْمِهٖ﴾ ان کی قوم میں سے ﴿لَنُخْرِجَنَّكَ﴾ البتہ ہم ضرور نکالیں گے تم کو ﴿یٰشُعَیْبُ﴾ اے شعیب! ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ﴾ اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں ﴿مِنْ قَرْیَتِنَاۤ﴾ اپنی بستی سے ﴿اَوْ لَتَعُوْدُنَّ﴾ یا تم پلٹ آؤ ﴿فِیْ مِلَّتِنَا﴾ ہماری ملت میں ﴿قَالَ﴾ کہا شعیب علیہ السلام نے ﴿اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ﴾ کیا اگرچہ ہم اس کو ناپسند کرنے والے ہوں ﴿قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ تحقیق ہم نے افترا باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا ﴿اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ﴾ اگر ہم لوٹیں تمہاری ملت میں ﴿بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا﴾ بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات دی ﴿وَمَا یَكُوْنُ لَنَاۤ﴾ اور نہیں ہے ہمارے لیے حق ﴿اَنْ نَّعُوْدَ فِیْهَاۤ﴾ کہ ہم لوٹیں اس ملت میں ﴿اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر یہ کہ چاہے اللہ تعالیٰ ﴿رَبُّنَا﴾ ہمارا رب ﴿وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾ وسیع ہے ہمارا پروردگار ہر چیز پر علم کے اعتبار سے ﴿عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا﴾ اللہ تعالیٰ ہی پر ہم بھروسا کرتے ہیں ﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا﴾ اے ہمارے پروردگار حقیقت کھول دے ہمارے درمیان ﴿وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ﴾ اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ ﴿وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ﴾ اور تو سب سے بہتر ہے حقیقت کھولنے والوں میں سے ﴿وَقَالَ الْمَلَاُ﴾ اور کہا جماعت نے ﴿الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ﴾ ان لوگوں کی جنھوں نے کفر کیا شعیب علیہ السلام کی قوم میں سے ﴿لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا﴾ اگر تم نے پیروی کی شعیب علیہ السلام کی ﴿اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ﴾ تو بے شک تم اس وقت نقصان اٹھانے والے ہو گے ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ پس پکڑا ان کو زلزلے نے ﴿فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ﴾ پس ہو گئے وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل ﴿الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا﴾ وہ لوگ جنھوں نے جھٹلایا شعیب علیہ السلام کو ﴿كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا﴾ گویا وہ ان گھروں میں بسنے والے ہی نہیں تھے ﴿اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا﴾ وہ لوگ جنھوں نے جھٹلایا شعیب علیہ السلام کو ﴿كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ﴾ وہی تھے نقصان اٹھانے والے ﴿فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ﴾ پس پھرے ان لوگوں سے ﴿وَقَالَ﴾ اور کہا ﴿یٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم ﴿لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ﴾ البتہ تحقیق میں پہنچا چکا ہوں تم کو ﴿رِسٰلٰتِ رَبِّیْ﴾ اپنے رب کے پیغام ﴿وَنَصَحْتُ لَكُمْ﴾ اور میں تمھیں نصیحت کر چکا ہوں ﴿فَكَیْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ﴾ پس کیسے افسوس کروں اس قوم پر جو کافر ہے۔

قومِ شعیب کا ناپ تول میں بددیانتی کرنا

پہلے سے حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر چلا آرہا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم شرک کے ساتھ ساتھ ناپ تول میں کمی کی

بیماری میں بھی مبتلا تھی۔ مدین چونکہ بین الاقوامی منڈی تھی اور وہاں دور دراز سے تاجر آتے تھے اور مدین قوم میں بھی بڑے بڑے تاجر تھے اور انھوں نے مختلف قسم کے پیمانے رکھے ہوئے تھے خریدنے والا پیمانہ اور تھا اور بیچنے والا اور تھا۔ مثلاً: خریدتے وقت چھ کلو کا پیمانہ استعمال کرتے اور بیچتے وقت پانچ کلو کا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا اس طرح نہ کرو جس پیمانے سے خریدو اسی سے بیچو اور تولتے وقت ڈنڈی نہ مارو اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کرو اور وہ قوم ڈاکو بھی تھی اس سے بھی منع فرمایا کہ ڈاکے نہ مارو۔ تو قوم نے کیا جواب دیا؟

ارشاد ربانی ہے ﴿قَالَ الْمَلَاُ﴾ کہا جماعت نے ﴿الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ﴾ وہ جنھوں نے تکبر کیا ان کی قوم میں سے حق کو ٹھکرانے والے اور نہ ماننے والے۔ انھوں نے حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو دھمکی دی ﴿لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ﴾ البتہ ہم ضرور نکالیں گے تم کو اے شعیب! ﴿وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ﴾ اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں ﴿مِنْ قَرْیَتِنَاۤ﴾ اپنی بستی سے۔ جب غنڈوں، بدمعاشوں اور بدکرداروں کے ہاتھ میں اقتدار ہو تو نیکوں کے ساتھ پھر یہی سلوک ہوتا ہے اصولی طور پر تو غنڈوں، بدمعاشوں کو، مجرموں کو شہر سے نکالنا چاہیے لیکن یہاں مجرم اکٹھے ہو کر کہتے ہیں کہ ہم تمھیں نکالیں گے ﴿اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا﴾ یا تم پلٹ آؤ ہماری ملت میں ہماری طرح کافر مشرک بن جاؤ پھر چھوڑیں گے۔

عود کا ایک معنیٰ ہے کہ میں جس جگہ تھا لوٹ کر واپس وہاں آجاؤں اگر یہ معنیٰ کریں تو پھر تغلیبًا ہوگا کیوں کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھی تو پہلے مشرک تھے ان کے لیے عود کے لفظ کا استعمال اس معنیٰ میں صحیح ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اور پیغمبر پیدائشی طور پر موحد ہوتا ہے اس سے نہ نبوت سے پہلے شرک سرزد ہوتا ہے اور نہ بعد میں ایک لمحہ کے لیے بھی، تو یہ لفظ حضرت شعیب علیہ السلام کے لیے تغلیبًا استعمال کیا۔ اور عود کا معنیٰ آجانے کا بھی ہوتا ہے تو معنیٰ ہوگا تم ہماری ملت میں آجاؤ تو پھر یہاں رہ سکتے ہو ورنہ ہم تمھیں یہاں سے نکال دیں گے۔

﴿قَالَ﴾ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا ﴿اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ﴾ کیا اگرچہ ہم اس کو ناپسند کرنے والے ہوں کہ تمہاری ملت میں آجائیں ہم شرک کو پسند نہیں کرتے ﴿قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ تحقیق ہم نے افترا باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا ﴿اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ﴾ اگر ہم لوٹیں تمہاری ملت میں۔ دنیا میں مشرک سے بڑا مفتری کوئی نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ پر شرک کا افترا باندھتا ہے اگر ہم تمہاری ملت میں آجائیں تو تمہاری طرح مفتری ہو گئے، اللہ تعالیٰ کی ذات پر افترا باندھنے والوں میں سے ہو گئے ﴿بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا﴾ بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات دی ہے، ہم قطعاً تمہاری ملت میں نہیں آئیں گے ﴿وَ مَا یَكُوْنُ لَنَاۤ﴾ اور نہیں ہے ہمارے لیے حق ﴿اَنْ نَّعُوْدَ فِیْهَاۤ﴾ کہ ہم لوٹیں اس ملت میں ﴿اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا﴾ مگر یہ کہ چاہے اللہ تعالیٰ ہمارا پروردگار۔ معاذ اللہ تعالیٰ رب تعالیٰ اگر ہمیں مشرک بنادے تو ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے رب، رب ہے۔ باقی ہم اپنی مرضی سے تمہاری ملت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

﴿وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾ وسیع ہے ہمارا پروردگار ہر چیز پر علم کے اعتبار سے ﴿عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا﴾ اللہ تعالیٰ ہی پر ہم

بھروسا کرتے ہیں۔تم نے جو دھمکیاں دینی ہیں دیتے رہو اور جو کرنا ہے کرو حضرت شعیب علیہ السلام نے جب قوم کا فیصلہ سنا اور اپنا بھی سنا دیا تو فرمایا ﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ﴾ اے ہمارے پروردگار! حقیقت کھول دے ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ۔نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اب یہ ہمیں ہمارے گھروں میں بھی نہیں رہنے دیتے لہٰذا فیصلہ فرمادے۔

ظالم کا انجام

حدیث پاک میں آتا ہے اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُمْلِیَ الظَّالِمَ بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب پکڑتا ہے یک دم پکڑتا ہے پھر ڈھیل نہیں دیتا۔تو اللہ تعالیٰ ظالم کو اپنی مرضی سے ڈھیل دیتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچ گیا ہوں یہ اس کا وہم ہوتا ہے۔جتنے لوگ ظلم کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں بھی ذلیل کرے گا اور آخرت میں بھی۔

فرمایا ﴿وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ﴾ اور تو سب سے بہتر حقیقت کھولنے والوں میں سے ہے۔تجھ سے بہتر فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا کیوں کہ صحیح فیصلہ وہ کرے گا جو حقیقت سے واقف ہوگا اور رب تعالیٰ سے زیادہ حقیقت کو جاننے والا کون ہے؟ اور صحیح فیصلے کے لیے یہ بھی ہے کہ کسی کا ڈر خوف نہ ہو کہ کسی کے دباؤ میں نہ آئے اللہ تعالیٰ کو کس کا ڈر ہے؟ اور صحیح فیصلے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ لالچ نہ ہو۔یہ دنیا میں جتنے غلط فیصلے ہوتے ہیں ان کی یہی وجوہات ہیں تو اللہ تعالیٰ کو کوئی لالچ نہیں ہے۔

قوم کا شعیب علیہ السلام کو دھمکی دینا

ایک طرف تو قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام کو دھمکی دی کہ ہم تجھے اور تیرے ساتھیوں کو بستی سے نکال دیں گے اور شعیب علیہ السلام کا جواب بھی سن لیا پھر وہ لوگ ان کی قوم کے پاس گئے ﴿وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور کہا جماعت نے ان لوگوں کی جنھوں نے کفر کیا ﴿مِنْ قَوْمِهٖ﴾ ان کی قوم میں سے۔اور کہا جماعت نے جنھوں نے کفر کیا شعیب علیہ السلام کی قوم میں سے ﴿لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا﴾ اگر تم نے پیروی کی شعیب علیہ السلام کی ﴿اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ﴾ تو بے شک تم اس وقت نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگے۔اس دھمکی کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اگر تم نے شعیب علیہ السلام کی پیروی کی تو ہم تمہاری مرمت کریں گے ہم تمہارے ساتھ نمٹیں گے اور خسارے کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ تم نے اپنی ملت کفر، شرک والی چھوڑی تو مذہبی طور پر خسارے میں رہو گے اور سیاسی طور پر بھی خسارے میں رہو گے کیوں کہ کافر، مشرک اپنے آپ کو سچا سمجھتے تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی تباہی

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ پس پکڑا ان کو زلزلے نے۔اور سورۃ حجر میں صَیْحَہ کے لفظ آئے ہیں، آواز، چیخ۔حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک آواز نکالی اس کی وجہ سے زلزلے کی کیفیت پیدا ہوگئی مدین کے رہنے والے جتنے مجرم تھے ان میں سے ایک بھی نہ بچا اور وہاں رہنے والے جو مومن موحد تھے ان میں سے کسی ایک کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچا جو مومنوں

کو بستی سے نکالنا چاہتے تھے ان پر خدائی لعنت پڑی اور وہ دنیا سے چلے گئے ﴿فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ﴾ پس ہو گئے وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل بیٹھنے والے۔ جس طرح ہم التحیات میں بیٹھتے ہیں یہ بڑی عاجزی کی علامت ہے۔ اس وقت کہنے لگے اِنَّا اِذًا لَّظٰلِمِیْنَ بے شک ہم ظالم ہیں اب تو وقت ختم ہو گیا اب اقرار کا کیا فائدہ۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعَیْبًا﴾ وہ لوگ جنھوں نے جھٹلایا شعیب علیہ السلام کو ﴿کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا﴾ گویا وہ لوگ ان گھروں میں بسنے والے ہی نہیں تھے۔ وہ گھر جہاں ہر وقت رونقیں تھیں، چہل پہل تھی، جہاں ہر قسم کی بدمعاشی ہوتی تھی اب وہ گھر ایسے اجڑے جیسے یہاں کبھی کوئی رہا ہی نہیں۔ یہ خسارہ تو دنیا میں ہوا سب کچھ ہو گیا اور عذاب میں مبتلا ہوئے اور مرنے کے بعد کی سزا علیحدہ ہے۔ ﴿اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعَیْبًا کَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ﴾ وہ لوگ جنھوں نے جھٹلایا شعیب علیہ السلام کو وہی تھے نقصان اُٹھانے والے۔ اب معلوم ہوا نا کہ متبعین پیغمبر نقصان اٹھانے والے ہیں یا پیغمبر کو جھٹلانے والے خسارے میں پڑے۔

﴿فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ﴾ پس پھرے شعیب علیہ السلام ان لوگوں سے جب وہ تباہ ہو گئے ﴿وَقَالَ﴾ اور فرمایا ﴿یٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم ﴿لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ﴾ البتہ تحقیق میں پہنچا چکا ہوں تم کو اپنے رب کے پیغام ﴿وَنَصَحْتُ لَكُمْ﴾ اور تم کو نصیحت بھی کر چکا ہوں ﴿فَكَیْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ﴾ پس کیسے افسوس کروں اُس قوم پر جو کافر ہے۔

سماعِ انبیاء علیہم السلام میں کوئی اختلاف نہیں؟

میں پہلے بھی اس مسئلے کے متعلق عرض کر چکا ہوں کہ پیغمبر اور ان کے علاوہ جو دوسرے لوگ قبروں میں آرام کر رہے ہیں ان کی قبروں کے قریب کوئی بات کرے تو وہ سنتے ہیں یا نہیں؟ یعنی سماع موتی ہے یا نہیں؟ تو انبیائے کرام علیہم السلام کے سماع کے متعلق ساری امت کا اتفاق ہے کہ وہ سنتے ہیں اور امت میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فتاویٰ رشیدیہ میں فرماتے ہیں کہ اس مسئلے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر امت کا اتفاق اور اجماع ہے۔

اس مسئلے میں سب سے پہلے اختلاف پیدا کرنے والا سید عنایت اللہ شاہ گجراتی ہے۔ ہم نے اٹھارہ سال اکٹھے کام کیا ہے جس وقت اس نے یہ مسئلہ نکالا تو ہم نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ باقی رہا عام مُردوں کے سننے اور نہ سننے کا مسئلہ تو اس کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے سنتے ہیں اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ نہیں سنتے، ان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں وَخَالَفَهُمُ الْجُمْهُوْرُ باقی تقریباً سارے صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے مخالف ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ قبر کے پاس اگر کوئی سلام، کلام کرے تو مردے سنتے ہیں اور جمہور یعنی پچانوے فیصد امت مالکی، حنفی، شافعی، حنبلی اسی کے قائل ہیں۔ پہلے غیر مقلدین حضرات کا بھی یہی فتویٰ تھا اب ان میں سے کچھ تھوڑے سے بگڑ گئے ہیں شاہ صاحب کے مرید بن گئے ہیں۔

جو حضرات سماع موتی کے قائل ہیں ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے مُردوں کو سنایا اور فرمایا اے میری قوم! میں تمھیں اپنے رب کے پیغام پہنچا چکا ہوں پس کیسے افسوس کروں کافر قوم پر۔ اور جو کہتے ہیں کہ نہیں سنتے ان کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ افسوس کا اظہار ہے کہ مجھے اس قوم پر افسوس ہے میں ان کو سناتا رہا اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچاتا رہا لیکن انھوں نے میری بات نہیں سنی۔

﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی ﴿اِلَّاۤ اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا﴾ مگر یہ کہ پکڑا ہم نے وہاں کے باشندوں کو ﴿بِالْبَاْسَآءِ﴾ مالی پریشانی میں ﴿وَالضَّرَّآءِ﴾ اور بدنی پریشانی میں ﴿لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ﴾ تاکہ وہ عاجزی اور زاری کریں ﴿ثُمَّ بَدَّلْنَا﴾ پھر ہم نے بدل دیا ﴿مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ﴾ تکلیف کی جگہ راحت کو ﴿حَتّٰى عَفَوْا﴾ یہاں تک کہ وہ لوگ بڑھ گئے ﴿وَّقَالُوْا﴾ اور کہا انھوں نے ﴿قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا﴾ تحقیق پہنچی ہمارے باپ دادا کو بھی ﴿الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ﴾ بدنی تکلیف اور راحت ﴿فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً﴾ پس پکڑا ہم نے ان کو اچانک ﴿وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ﴾ اور وہ شعور نہیں رکھتے تھے ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى﴾ اور اگر بستیوں کے باشندے ﴿اٰمَنُوْا﴾ ایمان لائیں ﴿وَاتَّقَوْا﴾ اور گناہ سے بچتے رہیں ﴿لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ﴾ البتہ ہم کھول دیں ان پر ﴿بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمان اور زمین کی برکتیں ﴿وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا﴾ اور لیکن انھوں نے تکذیب کی ﴿فَاَخَذْنٰهُمْ﴾ پس ہم نے پکڑا ان کو ﴿بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ﴾ بہ سبب اس کمائی کے جو وہ کرتے تھے ﴿اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى﴾ کیا پس امن میں ہیں بستیوں والے ﴿اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا﴾ اس چیز سے کہ آئے ان پر ہمارا عذاب ﴿بَیَاتًا﴾ رات کے وقت ﴿وَّهُمْ نَآىٕمُوْنَ﴾ اور وہ سوئے ہوئے ہوں ﴿اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى﴾ اور کیا امن میں ہیں بستیوں والے ﴿اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا﴾ کہ ان پر ہماری گرفت آئے ﴿ضُحًى﴾ چاشت کے وقت ﴿وَّهُمْ یَلْعَبُوْنَ﴾ اور وہ کھیل رہے ہوں ﴿اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ﴾ کیا پس وہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے امن میں ہیں ﴿فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ﴾ پس نہیں بے فکر ہوتی اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے ﴿اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ مگر وہ قوم جو خسارہ اٹھانے والی ہو۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعات قدرے تفصیل سے بیان فرمائے۔ اب آگے اجمالی طور پر ارشاد ہے ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں ﴿مِّنْ نَّبِیٍّ﴾ کوئی نبی ﴿اِلَّاۤ اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا﴾ مگر پکڑا ہم نے وہاں کے رہنے والوں کو ﴿بِالْبَاْسَآءِ﴾ مالی

پریشانی میں۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے جس وقت حق کی بات لوگوں کو سنائی، ہدایت اور گمراہی سے آگاہ کیا اور اتمام حجت ہو چکا اور لوگوں نے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کو مالی پریشانی میں مبتلا کیا گیا۔ کبھی قحط ان پر مسلط کیا گیا، کبھی سیلاب آیا، کبھی چیزیں مہنگی ہو گئیں وغیرہ وغیرہ۔

﴿وَالضَّرَّآءِ﴾ اور بدنی تکلیف میں مبتلا کیا گیا۔ مختلف قسم کی بیماریاں ان پر مسلط کی گئیں ﴿لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ﴾ تاکہ وہ عاجزی اور زاری کریں رب کی طرف رجوع کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھائی کہ جب بھی کسی کو تکلیف پہنچے تو وہ فوری طور پر رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرے تکلیف چاہے مالی ہو یا بدنی ہو۔ اور جو غافل ہوتے ہیں ان کو قطعاً کسی چیز کی پروا نہیں ہوتی وہ حیوانوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ بہادر شاہ ظفر دہلی کا آخری بادشاہ تھا اور شاعر بھی، جس کے بیٹوں کے سر کاٹ کر انگریزوں نے اس کے سامنے رکھے تھے۔ ظفر مرحوم کہتے ہیں: ؎

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا، ہو وہ کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

انسانیت کا معیار؟

مرحوم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر تم نے انسان کی انسانیت دیکھنی ہے تو اس کی شناخت یہ ہے کہ عیش میں ہو تو رب تعالیٰ کو نہ بھولے اور تکلیف میں ہو تو رب تعالیٰ کو نہ بھولے۔ تکلیفیں رب تعالیٰ کی طرف سے اس لیے آتی ہیں کہ انسان کو تنبیہ ہو لہٰذا جب بھی کوئی تکلیف آئے تو رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔

پریشانی میں اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھنا؟

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر چراغ نہیں ہوتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد اندھیرے ہی میں پڑھتے تھے اور کوئی بھی نماز ہو اندھیرے میں بھی ہو جاتی ہے روشنی ہو تو نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ۔ ایک دو مواقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مٹی کا چراغ مہیا کیا تھا اس میں تیل تھا، میں لوگوں کے گھروں میں دیکھتی کہ چراغ جلتے ہیں مجھے بھی شوق ہوا تو میں نے ایک چراغ مہیا کیا۔

چراغ باہر جل رہا تھا تیز ہوا سے چراغ بجھ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ تو میں پریشان ہو گئی کیوں کہ میں یہ لفظ کسی کے مرنے پر یا بڑی مصیبت پر سنتی تھی میں نے کہا حضرت! خیر ہے آپ نے یہ پڑھا ہے۔ فرمایا چراغ کے بجھنے پر۔ کہنے لگیں یہ کون سی بڑی مصیبت ہے میں ان شاء اللہ دوبارہ جلا دوں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ چیز جو مسلمان کی پریشانی کا ذریعہ ہو وہاں انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنا چاہیے۔ کیوں کہ چراغ کے بجھنے سے ہمیں تکلیف ہوئی ہے اس لیے میں نے پڑھا۔ اور یہاں حال یہ ہے کہ لوگوں پر پریشانیوں کے طوفان گزر جاتے ہیں مگر رب تعالیٰ کی طرف رجوع

نہیں کرتے ان کو حوادثات زمانہ پر محمول کرتے ہیں۔

تو جب اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے حق کی تعلیم پیش کی اور قوم نے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مالی اور بدنی پریشانیوں میں مبتلا کیا تاکہ یہ لوگ رب تعالیٰ کی طرف زاری اور عاجزی کریں، رجوع کریں مگر وہ لوگ اتنے سنگ دل تھے کہ ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ لہٰذا جب ان کو عبرت حاصل نہ ہوئی تو فرمایا ﴿ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ﴾ پھر ہم نے بدل دیا تکلیف کی جگہ راحت کو۔ تکلیفیں ہٹالیں مال زیادہ کر دیا زمین کی پیداوار میں اضافہ کر دیا، درختوں پر پھل کثرت سے لگائے، اولاد کثرت سے دی تاکہ اللہ تعالیٰ کے انعامات دیکھ کر اس کا شکریہ ادا کریں لیکن اُنھوں نے رب تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہ کی۔ اللہ تعالیٰ دل کی سختی سے اپنی پناہ میں رکھے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: اِنَّ اَبْعَدَ الْقُلُوْبِ مِنَ اللهِ اَلْقَلْبُ الْقَاسِیْ "اللہ تعالیٰ سے وہ لوگ زیادہ دور ہوتے ہیں جن کے دل سخت ہوتے ہیں۔" ان کو رحمت سے بہت دوری ہوتی ہے۔ جب مال، دولت اور اولاد کی کثرت ہوئی ﴿حَتّٰى عَفَوْا﴾ یہاں تک کہ وہ لوگ بڑھ گئے۔ ہر لحاظ سے ان کو ترقی اور عروج مل گیا ﴿وَّقَالُوْا﴾ اور کہا اُنھوں نے ﴿قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ﴾ تحقیق پہنچی ہمارے باپ دادا کو بھی بدنی تکلیف اور راحت۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے دنیا کے دور اس طرح چلتے رہتے ہیں کبھی تکلیف اور کبھی راحت، کبھی بیماری کبھی صحت۔

تو جب اللہ تعالیٰ نے ان کو دونوں طرح آزمایا تکلیف دے کر بھی اور راحت دے کر بھی اور وہ آزمائش میں پورے نہ اُترے ﴿فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً﴾ پس پکڑا ہم نے ان کو اچانک ﴿وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور وہ شعور نہیں رکھتے تھے۔ عذاب کی آمد کا ان کو علم ہی نہیں تھا غفلت کی حالت ہی میں اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى﴾ اور اگر بستیوں کے باشندے ﴿اٰمَنُوْا﴾ ایمان لائیں ﴿وَاتَّقَوْا﴾ اور گناہ سے بچتے رہیں۔ کفر، شرک سے بچ جائیں، گناہوں سے بچ جائیں ﴿لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ﴾ البتہ ہم کھول دیں ان پر آسمان ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کی برکتیں۔ آسمان سے برکتیں برسائیں اس طرح کہ بارشیں ہوں دیکھو! دو مہینے ہو گئے ہیں بارشیں نہیں ہوئیں۔ لوگ کتنے پریشان ہیں اور بارانی علاقے کے لوگ روتے پھر رہے ہیں مگر رب تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ بہت کم علاقوں میں نماز استسقاء پڑھی گئی ہے کہ لوگوں نے توبہ، استغفار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تو قیامت تک رہیں گے لیکن اکثریت باغی لوگوں کی ہے۔ اور زمین کی برکتیں یہ ہیں کہ پیداوار زیادہ ہوگی ﴿وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا﴾ اور لیکن اُنھوں نے تکذیب کی بجائے ایمان لانے اور کفر و شرک سے بچنے کے گناہوں سے بچنے کے ﴿فَاَخَذْنٰهُمْ﴾ پس ہم نے پکڑا ان کو ﴿بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ بہ سبب اس کمائی کے جو وہ کرتے تھے۔ کفر، شرک، بدی اور گناہوں میں آلودہ تھے اس وجہ سے ہم نے ان کو تباہ کر دیا جن کے کچھ واقعات تفصیلاً اور اجمالاً تم سن چکے ہو۔

کیا یہ لوگ ﴿اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى﴾ کیا پس امن میں ہیں بستیوں والے ﴿اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا﴾ اس چیز سے کہ آئے اُن پر ہمارا عذاب رات کے وقت ﴿وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ﴾ اور وہ سوئے ہوئے ہوں۔ کیا بستیوں میں رہنے والے اس سے

بے خبر ہیں، کیا اُنھوں نے گزشتہ قوموں سے عبرت حاصل نہیں کی ان کے حالات ان کے سامنے نہیں ہیں کہ رات کے وقت عذاب آئے اور یہ تباہ ہو جائیں۔

۷ مئی ۱۹۳ء کے مہینے میں کوئٹہ میں جب زلزلے کی شکل میں رب کی طرف سے عذاب آیا تو لوگ اس وقت سوئے ہوئے تھے کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ مر گئے۔ ﴿اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى﴾ اور کیا امن میں ہیں بستیوں والے ﴿اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى﴾ کہ ان پر ہماری گرفت آئے چاشت کے وقت ﴿وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ﴾ اور وہ کھیل رہے ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہماری گرفت رات کو بھی آسکتی ہے اور دن کو بھی۔ آدمی کو ہر وقت رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہیے اور دنیا میں کوئی بھی آفت آئے تو یہی سمجھے کہ یہ میری وجہ سے ہے میرے گناہوں کی شامت ہے۔ لیکن حال یہ ہے کہ ہم لوگ تو اپنے آپ کو معصوم سمجھتے ہیں اور ہمیں ذاتی طور پر کوئی پریشانی یا تکلیف ہو تو کہتے ہیں کہ خدا جانے کیا گناہ کر بیٹھا ہوں کہ مجھے یہ تکلیف آئی ہے۔ او معصوم بننے والے! تُو تو سر سے لے کر پاؤں تک گناہوں سے گھرا ہوا ہے اور تجھے معلوم نہیں ہے کہ تو کون سے گناہوں میں پکڑا گیا ہے کتنا مچلا بنتا ہے۔ ہر آدمی اپنی کمزوریوں اور گناہوں اور اپنے عیبوں کو بخوبی جانتا ہے ویسے بھولا بن جائے تو الگ بات ہے اور اللہ تعالیٰ چاہے تو کسی چھوٹے گناہ میں پکڑ لے اس لیے گناہ کو گناہ سمجھو چاہے چھوٹا ہو یا بڑا۔

حدیث پاک میں آتا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "تم بعض چیزوں کو چھوٹے چھوٹے گناہ سمجھتے ہو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان کو "موبقات" یعنی ایسے گناہ سمجھتے تھے جو ہلاکت کا ذریعہ ہیں۔" اِيَّاكُمْ وَمُحَقِّرَاتِ الذُّنُوْبِ۔ حدیث پاک میں آتا ہے "جو گناہ تمھیں چھوٹے نظر آتے ہیں ان کو چھوٹا نہ سمجھو بڑا گناہ سمجھو۔" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ﴾ مکر کے معنیٰ حیلہ اور خفیہ تدبیر کے ہیں کیا پس وہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے امن میں ہیں، غافل ہیں اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا مدبر ہے وہ ایسی تدبیر کرتا ہے کہ اس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔

فرمایا ﴿فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ﴾ پس نہیں بے فکر ہوتی اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے ﴿اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ مگر وہ قوم جو خسارہ اٹھانے والی ہو۔ دوسرے تو رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں، توبہ کرتے ہیں، معافی مانگتے ہیں، نیکیوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

﴿اَوَلَمْ يَهْدِ﴾ اور کیا ہدایت نہیں ہوئی ﴿لِلَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کو ﴿يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ﴾ جو وارث ہوئے ہیں زمین کے ﴿مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ﴾ اس کے اہل کے ہلاک ہونے کے بعد ﴿اَنْ لَّوْ نَشَآءُ﴾ کہ اگر ہم چاہیں ﴿اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ﴾ ان کو بھی مصیبت میں مبتلا کر دیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ﴿وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ اور ہم مہر لگا دیتے

ہیں ان کے دلوں پر ﴿فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ﴾ پس وہ لوگ نہیں سنتے ﴿تِلْكَ الْقُرٰى﴾ یہ بستیاں ہیں ﴿نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا﴾ ہم بیان کرتے ہیں تجھ پر ان کے کچھ حالات ﴿وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ اور البتہ تحقیق آ چکے ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر ﴿فَمَا كَانُوْا﴾ پس نہیں تھے وہ لوگ ﴿لِيُؤْمِنُوْا﴾ کہ ایمان لاتے ﴿بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ﴾ اس چیز پر جس کو جھٹلا چکے تھے پہلے ﴿كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ مہر لگاتا ہے کافروں کے دلوں پر ﴿وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ﴾ اور نہیں پایا ہم نے ان میں اکثر کے لیے کوئی عہد ﴿وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ﴾ اور بے شک پایا ہم نے ان میں سے اکثر کو البتہ نافرمان ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا﴾ پھر بھیجا ہم نے ﴿مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى﴾ ان کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو ﴿بِاٰيٰتِنَآ﴾ اپنی نشانیوں کے ساتھ ﴿اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ﴾ فرعون اور اس کی جماعت کی طرف ﴿فَظَلَمُوْا بِهَا﴾ پس انھوں نے زیادتی کی ان نشانیوں کے ساتھ ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ پس دیکھ کیسا انجام ہوا فساد کرنے والوں کا ﴿وَقَالَ مُوْسٰى﴾ اور کہا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اے فرعون میں رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے ﴿حَقِيْقٌ﴾ حق دار ہوں ﴿عَلٰى اَنْ﴾ اس بات کا ﴿لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ﴾ کہ میں نہ کہوں اللہ تعالیٰ پر ﴿اِلَّا الْحَقَّ﴾ مگر حق ﴿قَدْ جِئْتُكُمْ﴾ تحقیق میں لا چکا تمہارے پاس ﴿بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ واضح دلیل تمہارے رب کی طرف سے ﴿فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ پس بھیج دے تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو ﴿قَالَ﴾ کہا فرعون نے ﴿اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ﴾ اگر تو لایا ہے کوئی نشانی ﴿فَاْتِ بِهَآ﴾ تو لا اس کو ﴿اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہے تو سچ کہنے والوں میں ﴿فَاَلْقٰى عَصَاهُ﴾ پس ڈالا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی کو ﴿فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ﴾ پس اچانک وہ اژدھا بن گیا کھلے طور پر ﴿وَّنَزَعَ يَدَهٗ﴾ اور نکالا انھوں نے اپنا ہاتھ ﴿فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ﴾ پس اچانک وہ سفید تھا دیکھنے والوں کے لیے۔

آٹھویں پارے کے آخر میں اور نویں پارے کی ابتداء میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے کچھ قوموں کے واقعات تفصیلاً اور کچھ کے اجمالاً بیان فرمائے کہ ان لوگوں کے پاس پیغمبر آئے مگر جب اُنھوں نے نافرمانی کی تو ان سب پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا یہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ﴾ اور کیا ہدایت نہیں ہوئی ان لوگوں کو ﴿يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ﴾ جو وارث ہوئے زمین کے ﴿مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ﴾ اس کے اہل کے ہلاک ہونے کے بعد۔ وارث بننے والوں سے پہلے جو زمین میں رہتے تھے ان کے ہلاک ہونے کے بعد اس وقت جو وارث ہیں ان کو ہدایت نہیں ہوئی؟ کس بات کی؟ ﴿اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ

بِذُنُوْبِهِمْ﴾ اس بات کی کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو بھی مصیبت میں مبتلا کر دیں ان کے گناہوں کی وجہ سے۔ پہلے لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوئے اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے ان لوگوں کو جو اس وقت زمین پر برسرِ اقتدار ہیں، رہتے سہتے ہیں کہ ان پر بھی نافرمانی کی وجہ سے عذاب آسکتا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اَلسَّعِيْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَيْرِهٖ "نیک بخت اور سعادت مند وہ شخص ہے جو دوسروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے۔" کہ جس طرح ان پر عذاب آیا ہے مجھ پر نہ آجائے اور اگر رب تعالیٰ نے کسی کو نعمت سے نوازا ہے تو رب تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرے تا کہ یہ بھی نعمتوں سے نوازا جائے اور بد بخت ہے وہ انسان کہ طوفان اوپر سے گزر جائیں اور ٹس سے مس نہ ہو، نہ اچھی باتوں سے نصیحت حاصل کرے اور نہ بُری باتوں سے عبرت حاصل کرے۔

﴿وَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ اور ہم مہر لگا دیتے ہیں ان کے دلوں پر ﴿فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ﴾ پس وہ لوگ نہیں سنتے۔ دیکھنا! بہت سارے لوگ جو لفظی ترجمہ پڑھتے ہیں ان کے سامنے جب اس طرح کی آیات آتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔" تو ان کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے ہدایت کا راستہ بند کر دیا تو پھر اس میں بندے کا کیا قصور ہے؟ یہ تو پھر مجبور ہوا اور اسی طرح متعدد مقامات پر یہ بھی آتا ہے ﴿يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ جس کو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

ایک بڑا اعتراض اور اس کا جواب

سطحی قسم کے لوگ کہتے ہیں رب تعالیٰ ہی گمراہ کرتا ہے اور رب تعالیٰ ہی ہدایت دیتا ہے تو پھر اس میں بندے کا کیا دخل ہے لہٰذا یہ دونوں باتیں غور سے سننے اور سمجھنے کے لائق ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ دلوں پر مہر لگا دیتا ہے اور دوسری یہ کہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ مہر لگانے کا مسئلہ اللہ تعالیٰ نے چوبیسویں پارہ سورہ حم میں سمجھایا کہ ہم مہر کب لگاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝﴾ "یہ قرآن اُتارا ہوا ہے رحمان اور رحیم کی طرف سے ﴿كِتٰبٌ﴾ ایک کتاب ہے ﴿فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ﴾ جس کی آیتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ﴿قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا﴾ یہ قرآن عربی زبان میں ہے ﴿لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو علم رکھتی ہے ﴿بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا﴾ خوش خبری دینے والا ہے اور ڈرانے والا ہے ﴿فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ﴾ پس اعراض کیا ان میں سے اکثر نے ﴿فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ﴾ پس وہ نہیں سنتے ایسا سننا کہ جس سے اس کو قبول کریں اور اس سے فائدہ اٹھائیں ﴿وَ قَالُوْا﴾ اور کہا انھوں نے ﴿قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ﴾ ہمارے دل پردوں میں ہیں، ہم نے دلوں کو پردوں میں چھپا کر رکھا ہوا ہے ﴿مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ﴾ اس چیز سے جس کی طرف آپ بلاتے ہیں، ایمان کی طرف، دین کی طرف، کلمے کی طرف ﴿وَ فِيْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ﴾ اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہیں تمہاری کوئی بات ہم نہیں سنتے ﴿وَّ مِنْۢ بَيْنِنَا وَ بَيْنِكَ

حِجَابٌ﴾ اور ہمارے درمیان اور آپ کے درمیان پردہ ہے انکار کا، دشمنی کا، عداوت کا ﴿فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ﴾ پس آپ اپنا کام کرتے جائیں بے شک ہم اپنا کام کر رہے ہیں۔"

اب بات سمجھیں کہ جب ان لوگوں نے اپنی مرضی اور اختیار سے اس چیز کو پسند کیا کہ اپنے لیے ہدایت کے سارے راستے بند کیے، دلوں پر پردے، کانوں میں ڈاٹیں، آنکھوں پر پردے ڈال لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا اگر تم اس بات پر راضی ہو تو ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ [بقرۃ: ۷] "مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے" کہ تم جس چیز کو اپنے لیے پسند کرتے ہو ہم اسی طرح کر دیتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی مرحلے میں جبراً ان کے لیے ہدایت کے راستے بند کر دیے ہوں بلکہ انھوں نے اپنی مرضی سے یہ چیزیں قبول کیں اور کہتے ﴿فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ﴾ پس آپ اپنا کام کرتے جائیں ہم اپنا کام کر رہے ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف: ۲۹] "پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے اپنی مرضی سے۔"

باقی رہا دوسرا مسئلہ: ﴿يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [فاطر: ۸] "گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔" اللہ تعالیٰ جبراً نہ تو کسی کو ہدایت دیتا ہے اور نہ کسی کو گمراہ کرتا ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے۔

چنانچہ سورۃ الرعد میں ارشاد ربانی ہے ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ "اور کہتے ہیں وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ﴿لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ کیوں نہیں اُتاری جاتی اس پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے ﴿وَيَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ﴾ اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع کرتا ہے۔ وہ رجوع کیسے کرے گا؟ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ﴾ اور مطمئن ہیں ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے۔" تو رب تعالیٰ ہدایت اس کو دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔

اور گمراہ کس کو کرتا ہے؟ اس کے متعلق بھی سمجھ لیں۔ سورۃ مومن میں ہے ﴿ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ﴾ "پھر کہا جائے گا ان سے ﴿اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ﴾ کہاں ہیں وہ جن کو تم شریک بناتے تھے ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا﴾ وہ کہیں گے گم گئے ہم سے ﴿بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا﴾ بلکہ ہم نہیں تھے بلاتے اس سے پہلے کسی چیز کو ﴿كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اسی طرح گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں کو۔" یعنی جو خود کفر کرتے ہیں ان کو گمراہ کرتا ہے۔ کفران کا اپنا فعل ہے۔ ﴿فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ [الصف: ۵، پارہ: ۲۸] "پس جب وہ ٹیڑھے چلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔" اللہ تعالیٰ جبراً کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ فرمایا ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ [النساء: ۱۱۵] "ہم پھیر دیتے ہیں جس طرف کوئی جانا چاہتا ہے۔" یہ میں نے تمھیں حوالے اس لیے بتلا دیے ہیں کہ اگر تمھیں کسی سے گفتگو کرنی پڑے تو آسانی ہو اور اس کو سمجھا سکو۔

تو فرمایا ﴿وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ اور ہم مہر لگا دیتے ہیں ان کے دلوں پر ﴿فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ﴾ پس وہ لوگ نہیں سنتے۔

ایسا سننا کہ جس سے وہ فائدہ حاصل کریں کیوں کہ کافر بہرے تو نہیں ہوتے کہ وہ سرے سے سنتے ہی نہیں ہیں۔ انہی کافروں کے متعلق فرمایا ﴿صُمٌّ﴾ بہرے ہیں ﴿بُكْمٌ﴾ گونگے ہیں ﴿عُمْيٌ﴾ اندھے ہیں۔ حالانکہ وہ سنتے بھی ہیں اور کئی کئی گھنٹے بولتے بھی ہیں اور دنیا کو دیکھتے بھی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حق سننے سے بہرے ہیں، حق بولنے سے گونگے ہیں، حق کی چیزیں دیکھنے سے اندھے ہیں۔

بخاری شریف میں روایت آتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ "قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ گونگے، بہرے، اندھے تمہارے بادشاہ بن جائیں گے۔" آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے کی بات ہے جب ہم نے یہ حدیث استاذ محترم حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب رحمہ اللہ سے پڑھی جو یہاں بھی کئی دفعہ تشریف لائے ہیں۔ پوچھا حضرت! لوگ گونگوں، بہروں، اور اندھوں کو بادشاہ بنائیں گے تو وہاں آنکھوں والے، بولنے والے، سننے والے نہیں ہوں گے؟ حضرت نے فرمایا میاں! آنکھیں ہوں گی، کان بھی ہوں گے، زبان بھی ہوگی مگر حق کی نشانیوں کو دیکھیں گے نہیں، حق کی بات سنیں گے نہیں، حق کی بات زبان سے نکالیں گے نہیں۔ آج وہ اندھے، بہرے، گونگے بادشاہ نظر آرہے ہیں حق کی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہیں اور حق کی بات کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور اگر کبھی بھول کر حق کی بات زبان سے نکل جاتی ہے تو اس پر پسپائی اختیار کرتے ہیں اور اس کی تاویل کرتے ہیں کہ ہمارا مطلب یہ نہیں تھا، یہ تھا۔

فرمایا ﴿تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا﴾ یہ بستیاں ہیں ہم بیان کرتے ہیں تجھ پر ان کے کچھ حالات جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ﴿وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ اور البتہ تحقیق آچکے ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر ﴿فَمَا كَانُوْا﴾ پس نہیں تھے وہ لوگ ﴿لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ﴾ کہ ایمان لاتے اس چیز پر جس کو وہ جھٹلا چکے تھے پہلے۔ پہلے قدم پر جس چیز کو جھٹلایا تھا آخر دم تک اپنی ضد پر قائم رہے اور تسلیم نہیں کیا ﴿كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اسی طرح ہم مہر لگاتے ہیں کافروں کے دلوں پر ﴿وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ﴾ اور نہیں پایا ہم نے ان میں سے اکثر کے لیے کوئی عہد ﴿وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ﴾ اور بے شک پایا ہم نے ان میں سے اکثر کو البتہ نافرمان۔ دنیا میں اکثریت ہمیشہ نافرمانوں کی رہی ہے۔ فرماں بردار بہت تھوڑے رہے ہیں۔

پانچ فرقوں کا ذکر

پیغمبروں کے اجمالاً ذکر کے بعد فرمایا ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى﴾ پھر بھیجا ہم نے ان کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو ﴿بِاٰيٰتِنَآ﴾ اپنی نشانیاں دے کر۔

موسیٰ علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آتا ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ سرزمین عرب پر مشرکین کے بعد مردم شماری کے اعتبار سے یہودیوں کا نمبر تھا مدینہ طیبہ اور اس کے آس پاس علاقوں پر بھی ان کا کنٹرول تھا اور خیبر سارا ان کا

تھا۔آبادی کے اعتبار سے تیسرے نمبر پر عیسائی تھے۔نجران وغیرہ کے علاقے میں عیسائی آباد تھے اور دوسرے علاقوں میں بھی تھوڑے تھوڑے آباد تھے۔ چوتھے نمبر پر صابی فرقہ تھا اور پانچویں نمبر پر مجوسی تھے۔آنحضرت ﷺ جب مبعوث ہوئے تو اس وقت یہ پانچ فرقے تھے جن کا ذکر قرآن کریم میں آتا ہے اور یہ عرب لوگ یہودیوں کے جلسوں اور محفلوں میں شریک ہوتے تھے وہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے تھے اور یہ سنتے تھے۔اس لیے یہ قصہ اپنی حقیقت کے ساتھ بار بار بیان ہوا ہے تاکہ وہ اس سے سبق حاصل کریں۔﴿اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡئِهٖ﴾ فرعون اور اس کی جماعت کی طرف نشانیاں دے کر موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا۔نشانیوں کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

فرعون مصر کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا جیسے روم کے بادشاہ کا لقب قیصر اور ایران کے بادشاہ کا لقب کسریٰ ہوتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو فرعون تھا اس کا نام تھا ولید بن مصعب بن ریان، بڑا خبیث اور شیطان آدمی تھا، بڑا چالاک اور ہوشیار، حق تلفی کرنے والا، ظلم اور گھپلے مارنے والا۔اس وقت جو بڑے لیڈر ہیں ان کا بھائی تھا۔یہ سب بدمعاش ہیں۔

﴿فَظَلَمُوْا بِهَا﴾ پس اُنھوں نے زیادتی کی نشانیوں کے ساتھ۔انکار کر گئے اور کسی کو تسلیم نہ کیا﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ پس دیکھ کیسا انجام ہوا فساد کرنے والوں کا۔فرعون کی لاش اس وقت بھی مصر کے عجائب گھر میں پڑی ہوئی ہے لوگ جا کر تماشا دیکھتے ہیں اور بھی کئی فرعون وہاں پڑے ہیں۔﴿وَ قَالَ مُوْسٰى﴾ اور فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿يٰفِرْعَوْنُ﴾ اے فرعون! ﴿اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ میں رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے ﴿حَقِيْقٌ﴾ حق دار ہوں ﴿عَلٰۤى اَنْ﴾ اس بات کا ﴿لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾ کہ میں نہ کہوں اللہ تعالیٰ پر مگر حق یعنی میں جو بات کہتا ہوں وہ رب تعالیٰ نے فرمائی ہے اس میں غلط بیانی نہیں ہے ﴿قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ تحقیق میں لا چکا تمھارے پاس واضح دلیل تمھارے رب کی طرف سے ﴿فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ﴾ پس بھیج دے تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو مطالبات کیے تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، رسالت کا مسئلہ آ گیا﴿رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ میں توحید کا مسئلہ آ گیا اور دوسرے مقام پر قیامت کا ذکر بھی ہے ﴿اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ﴾ [المؤمن:۵۹] اور سورۃ طٰہٰ میں نماز کا ذکر بھی ہے اور بھی کچھ نیکیاں ہیں۔ان بنیادی مسائل کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے ان کی آزادی بھی میرا مقصد ہے۔صدیوں سے تم ان سے بیگار لے رہے ہو ان کو آزاد کر کے میرے ساتھ بھیج میں ان کو ارضِ مقدس لے جانا چاہتا ہوں جو ہمارا آبائی علاقہ ہے۔تاکہ یہ کھل کر رب تعالیٰ کی عبادت کریں معلوم ہوا کہ اگر قوم غلام ہو تو اس کو آزاد کرانا بھی پیغمبروں کے سبق میں شامل تھا﴿قَالَ﴾ فرعون نے کہا﴿اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ﴾ اگر تو لایا ہے کوئی نشانی﴿فَاْتِ بِهَاۤ﴾ تو لے آ اس کو﴿اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہے تو سچ کہنے والوں میں سے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام دربارِ فرعون میں!

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کو دعوت دینے کے لیے تشریف لے گئے تو اس وقت ان کے ساتھ صرف ان کے بھائی

حضرت ہارون علیہ السلام تھے۔فرعون کا بہت بڑا تخت تھا اس پر کرسی تھی سر پر تاج رکھ کر اس پر بیٹھا ہوا تھا اس کے دائیں طرف اس کا وزیر اعظم ہامان بیٹھا ہوا تھا اور بائیں طرف وزیر دفاع بیٹھا ہوا تھا اور ان کے علاوہ باقی وزراء اور مشیر حضرات بھی بیٹھے ہوئے تھے۔بڑا شاہی حلقہ تھا موسیٰ علیہ السلام نے اُون کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔پہلے تو انھوں نے دیکھ کر مذاق اڑایا کہ ملنگ کہاں سے آ گیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب توحید و رسالت، قیامت کا مسئلہ بیان کرنے کے بعد جب بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا تو فرعون نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی نشانی لاؤ۔

معجزاتِ موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس عصا تھا ﴿فَاَلْقٰى عَصَاهُ﴾ پس ڈالا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی کو ﴿فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ﴾ پس اچانک وہ اژدھا بن گیا کھلے طور پر۔جب لاٹھی اژدہا بن گئی تو اژدہا نے فرعون کی طرف رخ کیا فرعون بدحواس ہو کر نیچے گرا اوپر اس کے کرسی، باقی سارے سہم گئے لیکن وہاں سے کوئی بھاگا نہیں کیوں کہ فرعون بڑا سخت گیر تھا۔سب پر خوف تھا کہ یہ نہ کہے کہ تم دوڑے کیوں تھے؟ ایسے موقع پر ہر ایک کو اپنی جان کی فکر ہوتی ہے۔

ایک معجزہ تو یہ دکھایا اور دوسرا ﴿وَّنَزَعَ یَدَهٗ﴾ اور نکالا انھوں نے اپنا ہاتھ ﴿فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ﴾ پس اچانک وہ سفید تھا دیکھنے والوں کے لیے۔موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ ایسا منور تھا کہ اس کے سامنے سورج کی روشنی بھی مات تھی۔باقی واقعہ آگے آئے گا۔ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿قَالَ الْمَلَاُ﴾ کہا جماعت نے ﴿مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ﴾ فرعون کی قوم سے ﴿اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ﴾ بے شک یہ موسیٰ (علیہ السلام) بڑا ماہر جادوگر ہے ﴿یُّرِیْدُ﴾ وہ ارادہ کرتا ہے ﴿اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ﴾ اس بات کا کہ تمھیں نکال دے تمہاری زمین سے ﴿فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ﴾ پس تم کیا حکم کرتے ہو ﴿قَالُوْٓا﴾ انھوں نے کہا ﴿اَرْجِهْ وَاَخَاهُ﴾ مہلت دے اس کو اور اس کے بھائی کو ﴿وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ﴾ اور بھیج دو شہروں میں جمع کرنے والے ﴿یَاْتُوْكَ﴾ لائیں گے تیرے پاس ﴿بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ﴾ ہر ایسے جادوگر کو جو علم والا ہوگا ﴿وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ﴾ اور آئے جادوگر فرعون کے پاس ﴿قَالُوْٓا﴾ کہنے لگے ﴿اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا﴾ بے شک ہمارے لیے کچھ اجر ہوگا ﴿اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ﴾ اگر ہم غالب ہو گئے ﴿قَالَ نَعَمْ﴾ فرعون نے کہا ہاں ﴿وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ﴾ اور البتہ تم مقربین میں سے ہو جاؤ گے ﴿قَالُوْا یٰمُوْسٰٓى﴾ کہا جادوگروں نے اے موسیٰ (علیہ السلام) ﴿اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ﴾ یا تو آپ ڈال دیں ﴿وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِیْنَ﴾ یا ہم ہوں ڈالنے والے ﴿قَالَ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ﴿اَلْقُوْا﴾

تم ڈالو ﴿فَلَمَّآ اَلْقَوْا﴾ پس جس وقت انھوں نے ڈالا ﴿سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ﴾ انھوں نے جادو کر دیا لوگوں کی آنکھوں میں ﴿وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ﴾ اور خوف زدہ کر دیا ان کو ﴿وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ﴾ اور لائے وہ بہت بڑا جادو ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى﴾ اور ہم نے وحی کی موسیٰ علیہ السلام کی طرف ﴿اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ﴾ کہ ڈال دو تم اپنی لاٹھی کو ﴿فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ﴾ پس اچانک وہ نگل گئی ﴿مَا يَاْفِكُوْنَ﴾ اس چیز کو جو وہ بناتے تھے ﴿فَوَقَعَ الْحَقُّ﴾ پس ثابت ہو گیا حق ﴿وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور باطل ہو گئی وہ کارروائی جو وہ کرتے تھے ﴿فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ﴾ پس وہ وہاں مغلوب ہو گئے ﴿وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ﴾ اور لوٹے وہ ذلیل ہو کر۔

موسیٰ علیہ السلام، فرعون اور ان کی قوم کا ذکر پہلے سے چلا آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت و رسالت عطا فرمائی اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی جو موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں تین سال بڑے تھے اور درجے اور رتبے کے لحاظ سے موسیٰ علیہ السلام بڑے تھے حضرت ہارون علیہ السلام ان کے وزیر، معاون اور امدادی تھے۔ دونوں بھائی فرعون کے دربار میں پہنچے، فرعون تخت پر کرسی پر بیٹھا ہوا تھا تاج شاہی پہن کر۔ اس کے وزیر، مشیر اور فوجی افسران بھی موجود تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں رب تعالیٰ کا رسول ہوں، توحید و رسالت کا مسئلہ بیان فرمایا اور فرمایا کہ قیامت کا عقیدہ یقینی ہے اور بنی اسرائیل کو آزاد کر کے میرے ساتھ بھیج دو۔ فرعون نے کہا کہ اگر تم پیغمبر ہو تو کوئی نشانی دکھاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈالا تو وہ اژدہا بن گیا فرعون پیچھے گر گیا اور باقی تمام گھبرا گئے۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ سورج سے زیادہ روشن تھا۔

یہ نشانیاں جب دیکھیں تو ﴿قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ﴾ کہا جماعت نے فرعون کی قوم سے جو اس کی کابینہ کے افراد، وزیر، مشیر اور بڑے بڑے فوجی افسر تھے ﴿اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ﴾ بے شک یہ موسیٰ (علیہ السلام) بڑا ماہر جادوگر ہے۔ فن کو جانتا ہے موسیٰ علیہ السلام کے دونوں معجزوں عصا اور ید بیضا کو جادو کے ساتھ تعبیر کیا (معاذ اللہ تعالیٰ)۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو علیم، فن کو جاننے والا ماہر کہا۔ ﴿يُرِيْدُ﴾ وہ ارادہ کرتا ہے چاہتا ہے ﴿اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ﴾ کہ تمھیں نکال دے تمہاری زمین سے، تمھیں مرعوب کر کے سرزمین مصر سے نکال دے اور گیارھویں پارے میں آتا ہے ﴿وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ﴾ [یونس: ۷۸] "اور ہو جائے بڑائی تم دونوں بھائیوں کی زمین میں۔" یعنی ہمیں نکال کر تم بڑا بننا چاہتے ہو ﴿فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ﴾ پس تم کیا حکم کرتے ہو اور مشورہ دیتے ہو اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اہم باتوں میں لوگ مشورہ کرتے ہیں۔

مشورہ کن امور میں کرنا چاہیے؟

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ [الشوریٰ: ۳۸، پارہ: ۲۵] "اور ان کا معاملہ آپس میں مشورے سے طے ہوتا ہے۔" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي

الْاَمْرِ﴾ [آل عمران:۱۵۹] "اور اہم معاملہ میں ان سے مشورہ کر لیا کریں۔" لیکن مشورہ ان چیزوں میں ہوگا جو منصوص نہیں ہیں یعنی جن کے متعلق شریعت میں واضح احکام نہیں ہیں اور جن کاموں کے متعلق شریعت میں واضح احکام موجود ہیں ان کے متعلق مشورے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مثلاً: شراب حرام ہے اس کے متعلق کوئی مشورہ کرے کہ اس کو جاری رہنا چاہیے یا بند کر دینا چاہیے تو یہ کوئی مشورہ نہیں ہے۔ زنا حرام ہے اس کے لیے چکلوں کی اجازت دینی چاہیے یا نہیں تو اس کے متعلق مشورے کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ یہ منصوص ہے اور وہ مسائل جو غیر منصوص ہیں شریعت میں ان کے متعلق واضح احکام موجود نہیں ہیں دنیا میں اس طرح کے بے شمار مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں ان کے متعلق شریعت نے مشورے کی اجازت دی ہے۔

تو کہا مشورہ دو ہمیں کیا کرنا چاہیے ﴿قَالُوْٓا﴾ ان لوگوں نے کہا ﴿اَرْجِهْ﴾ اس کو مہلت دے ﴿وَاَخَاهُ﴾ اور اس کے بھائی کو بھی اور دونوں کو تاریخ دے دو ﴿وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ﴾ اور بھیج دو شہروں میں جمع کرنے والے۔ وہ سب جادوگروں کو اکٹھا کر کے لائیں۔ یہاں پر اجمال ہے اور سورہ طٰہٰ میں تفصیل ہے ﴿فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ﴾ "پس ہم لائیں گے تیرے مقابلے اس جیسا جادو ﴿فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى﴾ پھر مقرر کر ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں نہ تم ایک کھلے میدان میں۔" فرعون اور اس کے ساتھیوں کے ذہن میں یہ ہوگا کہ موسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ میں حکومت کے ساتھ ٹکر نہیں لینا چاہتا حکومت جانے اور اس کا کام میں نے رب تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا ہے اور بات واضح طور پر سمجھا دی ہے اور اقتدار ہمارے پاس ہے۔ ہم خوب پروپیگنڈہ کریں گے کہ موسیٰ (علیہ السلام) رہ گیا ہے، ہار گیا ہے، مقابلے میں نہیں آیا۔

مگر ﴿قَالَ﴾ "موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى﴾ تمہارا وعدہ زینت کا دن ہے اور یہ کہ اکٹھے ہو جائیں لوگ دن چڑھتے وقت۔" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عید کا دن مقرر فرمایا جو ان کے دین کے مطابق عید تھی اور چاشت کا وقت مقرر فرمایا کہ لوگ چاشت کے وقت عید مناتے ہیں موسیٰ علیہ السلام کا جواب سن کر فرعون گھبرا گیا کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ یہ ہتھیار ڈال دے گا ﴿فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى﴾ [سورۃ طٰہٰ] "پس اکٹھا کیا اس نے اپنی تدبیر کو پھر آیا۔"

اس زمانے میں جادوگری بڑا اونچا فن سمجھا جاتا تھا اور مصر کا علاقہ بڑا زرخیز تھا کھیت، باغات، نہریں، دریائے نیل کی وجہ سے بڑی رونق تھی چپے چپے پر شہر آباد تھے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جادوگر آئے، کوئی سو میل کی مسافت سے، کوئی پچاس میل اور کوئی دو سو میل کی مسافت سے، کوئی ہزار اور کوئی دو ہزار میل کی مسافت سے۔ کسی کے ساتھ ایک خادم اور کسی کے ساتھ دو اور کسی کے ساتھ تین اور کسی کے ساتھ دس اور کسی کے ساتھ بیس خادم تھے۔ کوئی گھوڑے پر سوار اور کوئی خچر پر، کوئی اونٹ پر اور کوئی گدھے پر۔ عملہ خاصا پھیلا ہوا تھا۔ ان کی تعداد ستر ہزار بھی لکھی ہے، اسی اور بیاسی ہزار بھی لکھی ہے۔

﴿يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ﴾ لائیں گے تیرے پاس ہر ایسے جادوگر کو جو علم والا ہوگا ماہر ﴿وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ﴾ اور آئے جادوگر فرعون کے پاس اور ان کو مقابلے کی اجازت ملی۔ جادوگروں نے آپس میں مشورہ کیا کہ فرعون بڑا ظالم اور جابر آدمی

ہے۔ہم آتو گئے ہیں مگر پہلے اس سے طے کرلو کہ اگر ہم غالب آ گئے تو ہمیں کچھ اجرت بھی ملے گی؟ کیوں کہ ہم خرچ کر کے آئے ہیں،سواریاں ہیں، خادم ہیں، کسی کی اپنی سواری ہے کوئی کرائے پر لے کر آیا ہے اور کھانے پینے کا بھی خرچہ ہے لہٰذا ہمیں کوئی خرچہ ملے گا یا ہم سے ویسے ہی بیگار لی جارہی ہے۔

فرعون کا جادوگروں کو لالچ دینا

جادوگر فرعون کے پاس گئے اور ﴿قَالُوْٓا﴾ کہنے لگے ﴿اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ﴾ بے شک ہمارے لیے کچھ اجر ہوگا اگر ہم غالب ہو گئے۔کچھ خرچہ معاوضہ ہمیں ملے گا یا نہیں ﴿قَالَ نَعَمْ﴾ فرعون نے کہا ہاں باقاعدہ خرچہ ملے گا صرف خرچہ ہی نہیں ﴿وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾ اور البتہ تم مقربین میں سے ہو جاؤ گے۔تمھیں تمغے ملیں گے جس طرح حکومتیں تمغے دیتی ہیں۔انگریز کے زمانے میں کسی کو خان بہادر کا، کسی کو سر کا، کسی کو کچھ اور کسی کو کچھ تمغہ ملتا تھا۔سٹیج لگا ہوا ہے فرعون کرسی پر اور ہامان اس کے ساتھ بیٹھا ہے، ارا کین سلطنت بھی موجود ہیں۔ستر ہزار تو جادوگر تھے پبلک کتنی ہوگی اس کا خود اندازہ لگا لو۔دوسری طرف موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہیں مخالفوں کو اپنی کثرت پر گھمنڈ تھا۔

جادوگروں کا میدان میں رسیاں پھینکنا

جادوگروں کا وفد موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ﴾ اے موسیٰ علیہ السلام یا تو آپ ڈال دیں ﴿وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ﴾ یا ہم ہوں ڈالنے والے۔یعنی پہل آپ نے کرنی ہے یا ہم نے کرنی ہے ﴿قَالَ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿اَلْقُوْا﴾ تم ڈالو جو کچھ تم نے ڈالنا ہے ﴿فَلَمَّآ اَلْقَوْا﴾ پس جب ڈالا انھوں نے۔کیا ڈالا؟ اس چیز کا اس مقام پر ذکر نہیں ہے سورۃ طٰہٰ پارہ سولہ میں ہے ﴿فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ﴾ پس اچانک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ﴿يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى﴾ موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں اس طرح دکھائی دیتی تھیں ان کے سحر کی وجہ سے کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔اُنھوں نے رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں۔امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُنھوں نے رسیوں اور لاٹھیوں میں پارا ڈالا ہوا تھا اور پارا گرمی میں نقل و حرکت کرتا ہے۔پارہ اُنھوں نے کافی مقدار میں ڈالا ہوا تھا وہ پارے کے زور سے دوڑ رہی ہیں مگر دوسرے مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے جادو کے زور سے رسیاں اور لاٹھیاں سانپ بن گئے۔

جادو کا اثر

اور خود امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی پہلے پارے میں ہاروت اور ماروت کے واقعہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جادو میں اتنا اثر ہے کہ آدمی کو گدھا اور گدھے کو آدمی بنا دے اور کہتے ہیں کہ یہ اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔تو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ جب خود مانتے ہیں کہ جادو میں اتنا اثر ہے تو کچھ بعید نہیں ہے کہ وہ رسیاں اور لاٹھیاں حقیقتاً سانپ بن گئی ہوں۔بہتر ہزار جادوگر

ہیں ہر جادوگر نے دو سانپ نکالے ایک رسی اور ایک لاٹھی تو ایک لاکھ چوالیس ہزار سانپ میدان میں آ گئے۔ کیسا سماں ہوگا آج ایک چھوٹا سا سانپ نکل آئے تو لوگوں کے ہوش و حواس خطا ہو جاتے ہیں جان بچانے کے لیے دوڑ لگا دیتے ہیں۔ اور سورۃ نمل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ہے ﴿فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ﴾ "پس جب دیکھا موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی کو کہ وہ حرکت کر رہی ہے گویا کہ وہ سانپ ہے تو پشت پھیری موسیٰ علیہ السلام نے سورۃ طٰہٰ میں ہے تفسیر آیت ﴿قَالَ﴾ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿خُذْهَا وَلَا تَخَفْ﴾ اس کو پکڑ و اور ڈرو مت ﴿سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى﴾ ہم اس کو پہلی حالت پر پلٹ دیں گے لاٹھی بنا دیں گے۔" اس سے اندازہ لگاؤ کہ جب ایک لاکھ چوالیس ہزار کے قریب سانپ میدان میں ہوں گے کیا عالم ہوگا۔ فرعون زندہ باد کے نعرے لگ رہے ہیں۔ سورہ طٰہٰ میں ہے ﴿فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى﴾ "پس محسوس کیا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جی میں ڈر۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گھبرانے کی حقیقت

موسیٰ علیہ السلام کچھ گھبرائے اور گھبرائے اس بات سے نہیں کہ معاذ اللہ آج یہ غالب آ جائیں گے اور میں مغلوب ہو جاؤں گا حاشا وکلا! ایسی کوئی بات نہیں تھی گھبرائے اس بات سے کہ ان لوگوں نے سانپ دیکھ کر دوڑنا شروع کر دیا ہے جب میری باری آئی اور اُنھوں نے اچھی طرح نہ دیکھا تو پھر کیا ہوگا؟ یہ خوف تھا۔ اور دوسری وجہ مفسرین کرام رحمہم اللہ نے یہ لکھی ہے کہ اس بات کا خوف تھا کہ اُنھوں نے رسیاں اور لاٹھیاں ڈالی ہیں سانپ بن گئے ہیں میں ڈالوں گا اژدہا بن جائے گا۔ لوگ فرق کس طرح کریں گے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ النَّاسِ﴾ پس جس وقت اُنھوں نے ڈالا اُنھوں نے جادو کر دیا لوگوں کی آنکھوں میں ﴿وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ﴾ اور خوف زدہ کر دیا ان کو ﴿وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ﴾ اور لائے وہ بہت بڑا جادو ﴿وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰى﴾ اور ہم نے وحی کی موسیٰ علیہ السلام کی طرف ﴿اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ﴾ کہ ڈال دو تم بھی اپنی لاٹھی کو ﴿فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ﴾ پس اچانک وہ نگل گئی اس چیز کو جو وہ بناتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا اژدہا بن کر ایک لاکھ چوبیس ہزار سانپوں کو نگل گیا۔ جادوگر چونکہ اپنے فن کے ماہر تھے وہ سمجھ گئے یہ جادو نہیں ہے کیونکہ جادو میں اتنا ہی زور ہے کہ لاٹھی اور رسی سانپ نظر آئے اس میں حقیقت نہیں بدلتی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسروں کو کھا جائے کہ اژدہا ہمارے سانپوں کو ایک ایک کر کے نگل جائے جیسے مرغی دانے چگتی ہے لہٰذا یہ جادو نہیں ہے۔

﴿فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ پس ثابت ہو گیا حق اور باطل ہو گئی وہ کارروائی جو وہ کرتے تھے ﴿فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ﴾ پس وہ وہاں مغلوب ہو گئے ﴿وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ﴾ اور لوٹے وہ ذلیل ہو کر۔ آگے بات آئے گی کہ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ فرعون بھی مان لیتا اور اس کی کابینہ کے افراد، مشیر، وزیر بھی سر تسلیم خم کرتے لیکن کسی نے نہ مانا البتہ جادوگروں نے مان

لیا اور فرعون ان کے پیچھے پڑ گیا۔ اس کا ذکر ان شاء اللہ آئندہ آئے گا۔

﴿وَ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ﴾ اور ڈال دیئے گئے جادوگر سجدے میں ﴿قَالُوْٓا اٰمَنَّا﴾ کہا انھوں نے ہم ایمان لائے ﴿بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ رب العالمین پر ﴿رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ﴾ جو کہ رب ہے موسیٰ علیہ السلام کا اور ہارون علیہ السلام کا ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ﴾ کہا فرعون نے ﴿اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ﴾ تم ایمان لائے ہو اس پر اس سے پہلے کہ میں تم کو اجازت دیتا ﴿اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ﴾ بے شک یہ ایک داؤ ہے ﴿مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ﴾ جو تم نے شہر میں مکر کیا ہے ﴿لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا﴾ تا کہ نکالو تم اس کے ذریعے اس کے رہنے والوں کو ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب تم جان لو گے ﴿لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ﴾ البتہ میں ضرور کاٹوں گا تمہارے ہاتھ ﴿وَ اَرْجُلَكُمْ﴾ اور تمہارے پاؤں ﴿مِّنْ خِلَافٍ﴾ اُلٹے ﴿ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ پھر میں تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا ﴿قَالُوْٓا﴾ انھوں نے کہا ﴿اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ﴾ بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں ﴿وَ مَا تَنْقِمُ مِنَّآ﴾ اور تو نہیں انتقام لیتا ہم سے ﴿اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا﴾ مگر اس لئے کہ ہم ایمان لائے اپنے رب کی آیات پر جب وہ ہمارے پاس آچکیں ﴿رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا﴾ اے ہمارے رب! ڈال ہم پر صبر ﴿وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ﴾ اور وفات دے ہم کو اس حال میں کہ ہم مسلمان ہوں ﴿وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ﴾ کہا جماعت نے فرعون کی قوم سے ﴿اَتَذَرُ مُوْسٰى وَ قَوْمَهٗ﴾ کیا تو چھوڑتا ہے موسیٰ علیہ السلام کو اور اس کی قوم کو ﴿لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ تا کہ وہ فساد مچائیں زمین میں ﴿وَ يَذَرَكَ وَ اٰلِهَتَكَ﴾ اور وہ چھوڑ دیں تجھے اور تیرے معبودوں کو ﴿قَالَ﴾ کہا فرعون نے ﴿سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَ نَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ﴾ ہم ضرور قتل کریں گے ان کے بیٹوں کو اور زندہ رکھیں گے ان کی عورتوں کو ﴿وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ﴾ اور بے شک ہم ان پر غالب ہیں۔

گزشتہ درس میں یہ بیان ہوا تھا کہ مصر شہر میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے جادوگروں کا مقابلہ ہوا تھا بہت بڑا وسیع میدان تھا عید کا دن تھا چاشت کا وقت تھا فرعون، اس کی کابینہ، فوج اور پبلک اکٹھی تھی بہتر ہزار جادوگروں نے ایک ایک رسی اور ایک ایک لاٹھی میدان میں ڈالی، ایک لاکھ چوالیس ہزار سانپ میدان میں نکل آئے، نعرے پر نعرے لگنے شروع ہو گئے، لوگوں نے اِدھر اُدھر دوڑنا شروع کر دیا، عجیب قسم کا منظر تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنا عصا مبارک میدان میں ڈالا تو وہ اژدہا بن کر سب کو نگل گیا پھر موسیٰ علیہ السلام نے اس پر ہاتھ رکھا تو وہ لاٹھی بن گئی۔

یہ کارروائی دیکھ کر ﴿وَ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ﴾ اور ڈال دیئے گئے جادوگر سجدے میں۔ اُنھوں نے یقین کر لیا کہ موسیٰ

علیہ السلام کے ہاتھ پر جو کچھ ظاہر ہوا ہے جادو نہیں ہے معجزہ ہے ﴿قَالُوْٓا﴾ کہا اُنھوں نے ﴿اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ ہم ایمان لائے رب العالمین پر۔ کون رب العالمین؟ ﴿رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ﴾ جو رب ہے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا۔ یہ وضاحت اس لیے فرمائی کہ فرعون خبیث بھی دعویٰ کرتا تھا رب ہونے کا اور کہتا تھا ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾۔ اس لیے اُنھوں نے وضاحت فرمادی کہ رب سے مراد یہ بناوٹی رب نہیں ہے بلکہ کائنات کے رب پر ایمان لائے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا رب ہے۔

انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ جب فرعون کے وکیلوں نے تسلیم کر لیا تو فرعون کو بھی تسلیم کر لینا چاہیے تھا کیوں کہ وکیل کی ہار جیت مؤکل کی ہار جیت ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ وکیل ہار گیا اور مؤکل جیت گیا یہ جادوگر فرعون کے وکیل تھے اُنھوں نے ہار مان لی اور سب نے مان لی کیونکہ کسی کا استثناء نہیں ہے کہ کچھ نے مانا اور کچھ نے نہ مانا بلکہ سب کے سب مومن ہو گئے اور اپنی شکست تسلیم کر لی، سجدے میں گر گئے۔ لیکن ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ﴾ کہا فرعون نے ﴿اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ﴾ تم ایمان لائے ہو اس پر پہلے اس سے کہ میں تم کو اجازت دیتا۔

فرعونیت فرعون

فرعون اب غنڈہ گردی پر اتر آیا۔ کیوں کہ جس کے پاس اقتدار ہو تو وہ ایسا ہی کرتا ہے۔ اقتدار کا نشہ بہت بُری چیز ہے حق و باطل کو نہیں سمجھنے دیتا۔ کہنے لگا تمھیں بلایا میں نے تھا خرچہ تم پر میں نے کیا تھا اور میری اجازت کے بغیر اس پر ایمان لے آئے ہو ﴿اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِی الْمَدِیْنَةِ﴾ بے شک یہ ایک داؤ ہے جو تم نے شہر میں کیا ہے۔ یہاں اجمال ہے سورۃ طٰہٰ میں ہے ﴿اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ﴾ "یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمھیں جادو سکھایا ہے۔" یہ تمہارا اُستاد ہے تم اس کے شاگرد ہو اندر سے تم آپس میں ملے ہوئے ہو حکومت کے خلاف سازش کر رہے ہو ﴿لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا﴾ تاکہ نکالو تم اس کے ذریعے اس کے رہنے والوں کو اور تمہارا اقتدار قائم ہو جائے ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب تم جان لو گے ﴿لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ﴾ البتہ میں ضرور کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں الٹے۔ ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ دایاں ہاتھ کاٹوں گا بایاں پاؤں یا بائیں ہاتھ اور دائیں پاؤں کو کاٹوں گا ﴿ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾ پھر میں تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔ اور دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ میں ضرور تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا کیونکہ تم نے میری مخالفت کی ہے اس کی میں تمھیں سزا دوں گا۔

ایمان والوں کا جواب

فرعون کی اس دھمکی سے وہ جادوگر جو ابھی ابھی مومن ہوئے ہیں مرعوب نہیں ہوئے ﴿قَالُوْٓا﴾ کہا اُنھوں نے ﴿اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ﴾ بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اور سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ اُنھوں نے کہا ﴿فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ﴾ "پس کر لے تو جو بھی فیصلہ کرنے والا ہے ﴿اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا﴾ سوائے اس کے نہیں کہ تو صرف اس دنیا کی

زندگی کو ہی ختم کرسکتا ہے۔" اگر اس سے ہماری آخرت بن جائے تو سودا مہنگا نہیں ہے۔

قرآن کریم میں اس کی تفصیل نہیں ہے کہ فرعون نے اپنی دھمکی پر عمل کیا یا نہیں کیا۔ البتہ مختلف تفسیروں میں آتا ہے کسی میں اجمالاً اور کسی میں تفصیلاً کہ اس نے دھمکی پر عمل کیا۔

فرعون نے ستر کے ہاتھ پاؤں کاٹے

تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں ہے کہ فرعون نے ستر جادوگر جو سب جادوگروں سے بڑے تھے اور اب مسلمان ہو چکے تھے ان کے ہاتھ پاؤں بھی کاٹے اور ان کو سولی پر بھی لٹکایا۔ عجیب منظر تھا ہاتھ اور پاؤں کاٹے جا رہے تھے اور ہر ایک ہاتھ پاؤں کٹوانے کے لیے آگے بڑھ رہا تھا حالاں کہ نہ ان کو ہتھکڑیاں لگی ہوئی تھیں اور نہ پولیس کا پہرہ تھا اور ہر ایک کہتا تھا کہ میرا نمبر ہے پہلے میرے ہاتھ پاؤں کاٹو۔ ایمانی قوت بہت بڑی چیز ہے۔ ۱۹۵۳ء میں جب تحریک ختم نبوت چلی تو جنرل اعظم ظالم نے تقریباً دس ہزار نوجوان شہید کیا۔ ہمارے سامنے کی بات ہے نوجوان گریبان کھول کر آگے بڑھتے تھے کہ ہمیں گولی مارو، دوڑا کوئی نہیں۔

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کی استقامت

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ آنحضرت رضی اللہ عنہ کے پاس آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ کے سائے میں چادر کا تکیہ سر مبارک کے نیچے رکھے لیٹے ہوئے تھے حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے اپنی کمر سے کرتا اُٹھا کر دکھایا۔ کمر میں جلنے کی وجہ سے گڑھے بنے ہوئے تھے جس طرح ہمارے یہاں کیکر کے درخت کے کوئلے دیر سے بجھتے ہیں اسی طرح عرب میں ایک درخت ہے اس کو غَضَا کہتے ہیں اس کا کوئلہ بھی دیر تک جلتا رہتا ہے۔ اس کے کوئلے کو خوب جلا کر حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو پشت کے بل لٹا کر چھاتی پر پاؤں رکھ کر کہتے کہ بتا کلمہ چھوڑتا ہے کہ نہیں؟ وہ فرماتے کہ کلمہ چھوڑنے والی چیز تو نہیں ہے وہ تو پکڑنے اور قابو کرنے والی چیز ہے۔ بدن سے رطوبت نکلتی، خون نکلتا جس سے وہ کوئلے ٹھنڈے ہوتے۔ تو حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ گڑھے دکھائے اور عرض کیا حضرت ان کے لیے بددعا کریں اللہ تعالیٰ ان کا بیڑا غرق کرے۔

ایمان والوں کی استقامت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے خباب! دین کے سلسلے میں بڑی تکلیفیں آتی ہیں تم سے پہلے ایسے لوگ بھی گزرے ہیں کہ ظالموں نے ان کو زمین میں ناف تک گاڑ کر آری کے ساتھ چیر کر دو ٹکڑے کر دیا مگر انھوں نے ایمان نہیں چھوڑا، لوہے کنگھیوں سے ان کے بدن سے جلد اور گوشت نوچ دیا گیا مگر انھوں نے کلمہ نہیں چھوڑا۔ ایمان کی قوت بڑی قوت ہوتی ہے ہم ایمانی لحاظ سے کمزور لوگ ہیں اور بہت ہی کمزور ہیں۔ وہ تکلیفیں جوان حضرات پر آئی ہیں ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور ہم

چوں کہ کمزور لوگ ہیں اس لیے ہم پر اس طرح کے امتحان بھی نہیں آتے اللہ تعالیٰ ہمیں امتحانوں سے محفوظ رکھے۔ خدانخواستہ ہم پر اگر ایسی سختی آ گئی تو ہم برداشت کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ وہ لوگ دین میں مضبوط تھے آخرت کی زندگی کے مقابلے میں اس زندگی کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کا عشق رسول اور شہادت

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ نوجوان صحابی تھے۔ یہ مسیلمہ کذاب کے مقابلے میں لڑتے ہوئے گرفتار ہو گئے۔ مسیلمہ کذاب ہر ایک کا بیان سنتا تھا کہ تو کون ہے، کیوں آیا ہے، کیوں لڑتا ہے؟ یہ بڑے خوبصورت اور فصیح اللسان تھے بڑی سلجھی ہوئی بات کرتے تھے۔ مسیلمہ کذاب ان کی گفتگو سے بڑا متاثر ہوا۔ کہنے لگا میرے خلاف کیوں لڑنے آئے ہو؟ اُنھوں نے کہا اس لیے کہ تو نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا کافر ہے اور اس کے خلاف جہاد فرض عین ہے۔ اس نے کہا تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مانتے ہو؟ فرمایا ہاں! میرا تو ایمان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔ مسیلمہ کذاب نے کہا کہ میں بھی نبی ہوں حضرت حبیب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لَا اَسْمَعُ میں یہ لفظ سننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ مسیلمہ نے کہا اَتَسْمَعُ ذَاكَ وَ لَا تَسْمَعُ هٰذَا تو نے پہلی بات سن لی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور یہ بات تو سننے کے لیے تیار نہیں ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں۔ حضرت حبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ میرا ایمان ہے اس لیے میں نے سنی ہے اور یہ میرے ایمان سے خارج ہے اس لیے نہیں سنتا۔

مسیلمہ نے کہا لَاُقَطِّعَنَّكَ اِرْبًا اِرْبًا میں تیرا ایک ایک جوڑ کاٹ کر جدا کر دوں گا حضرت حبیب رضی اللہ عنہ نے کہا اَنْتَ وَ ذَاكَ جو تیرے دل میں آئے کر۔ مسیلمہ کذاب نے ان کے بازو ایک ایک جوڑ سے کاٹے پھر اسی طرح پاؤں ایک ایک جوڑ سے کاٹے اور آخر میں سینے میں نیزہ مار کر شہید کر دیا مگر وہ ایمان سے نہیں پھرے۔ تو ایمان بڑی طاقت ور چیز ہے اور اس کے لیے استقامت بھی مگر ہم بڑے ضعیف اور کمزور ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں تکالیف اور امتحانوں سے بچایا ہے اور آئندہ بھی محفوظ رکھے۔ کیوں کہ امتحان امتحان ہی ہوتا ہے اس میں قسمت والے کامیاب ہوتے ہیں۔

حلوا خوروں کا عشق رسول

تحریکِ ختم نبوت میں، میں سنٹرل جیل ملتان میں تھا کیوں کہ وہ کئی ضلعوں کی جیل تھی۔ میرے ساتھ میرے استاد مولانا عبدالقدیر صاحب بھی تھے۔ جیل میں تقریباً دو ہزار اخلاقی قیدی تھے اور دو سو سے زائد ہم تحریکی قیدی تھے جن میں علماء، طلباء، وکلاء، تاجر اور عوام تھے۔ جیل کا سپرنٹنڈنٹ اسلم خان چھچھ کے علاقے کا رہنے والا اور ہمارے استاد مولانا عبدالقدیر صاحب کے گاؤں کا قریبی تھا۔ یہ ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ سیٹی بجی دروازے بند ہو گئے۔ سپاہیوں نے کہا کہ دورہ ہے اس لیے دروازے بند ہو گئے ہیں سپرنٹنڈنٹ آ رہا ہے وہ قیدیوں سے حالات پوچھے گا کہ کسی کو کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔

چنانچہ اسلم خان نے آ کر سلام کیا اور پوچھا کہ مولانا کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ مولانا نے فرمایا الحمد للہ! ہم آرام میں ہیں ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ تمہارے ساتھیوں کی طرف سے میرے پاس ایک درخواست آئی ہے جس میں لکھا ہے کہ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ختم نبوت کا عقیدہ رکھیں گے لیکن درس، جمعہ اور تقریر میں بیان نہیں کریں گے لہٰذا ہمیں جیل سے نکال دو۔ یہ بات کر کے اسلم خان مسکرایا اور کہنے لگا مولانا! یہ لوگ کتنے سادہ ہیں ان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ مرکزی حکومت کے قیدی ہیں میں کون ہوتا ہوں ان کو نکالنے والا ان کو تو گورنر بھی نہیں نکال سکتا۔ میں تو قیدیوں کا چوکیدار ہوں کہ کتنے قیدی میرے پاس ہیں اور ان کا حال کیا ہے۔ پھر کہنے لگا مولانا! میرے پاس دو ہزار سے زیادہ اخلاقی قیدی ہیں کسی نے اتنی کمزوری نہیں دکھائی جتنی تمہارے مولویوں نے دکھائی ہے۔ ہم نے مولانا عبدالقدیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ حضرت! آپ اس سے ان مولویوں کے نام معلوم کریں تا کہ پتا چلے کہ کون کون سے مولوی صاحبان ہیں۔

دو چار دن کے بعد مولانا سپرنٹنڈنٹ سے ملے اور کہا کہ وہ جو میرے دوست مولوی حضرات ہیں جنھوں نے درخواست دی ہے ان کے نام مطلوب ہیں۔ وہ کہنے لگا کہ میں امین ہوں بتلا نہیں سکتا۔ مولانا نے فرمایا کہ میں نے ضرور لینے ہیں کیوں کہ اس سے سابقہ تعارف تھا اس نے نام بتلا دیئے۔ مولانا نام نوٹ کر کے لائے یقین جانیں سارے حلوا خور ہی تھے اہل حق میں سے ایک بھی نہیں تھا۔ حالاں کہ ہم رحمۃ اللہ علیہ۔ کلاس میں تھے کوئی مشقت نہیں تھی دوسروں کی نسبت کھانا بھی اچھا ملتا تھا اور وہاں ہم پڑھتے پڑھاتے بھی تھے۔ چار سبق میں پڑھاتا تھا۔ ترجمہ موطا امام مالک، حجۃ اللہ البالغہ، نخبۃ الفکر، ھدایہ وغیرہ کتابوں کے اسباق ہوتے تھے۔ صرف یہ کہ ہم گھر کے افراد سے جدا تھے اور کوئی تکلیف نہیں تھی مگر پھر بھی حلوا خوروں کا یہ حال تھا کہ درخواست لکھ ڈالی۔ چوں کہ میں بڑے مجرموں میں سے تھا اس لیے دس ماہ بعد رہا ہوا باقی ساتھی کوئی پانچ ماہ بعد، کوئی چھ ماہ بعد اور کوئی سات ماہ کے بعد رہا ہو گئے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بھائی ہم تو معمولی تکلیف بھی برداشت نہیں کر سکتے قربانیاں تو ان لوگوں کی ہیں جنھوں نے بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کیں ہیں۔

بہر حال ستر آدمیوں کے اُنھوں نے ہاتھ کاٹ ڈالے اور سولی پر لٹکایا لیکن کوئی بھی ایمان سے نہ پھرا بلکہ آگے آگے بڑھتے تھے۔ فرعون کا وزیر اعظم گھبرا گیا کہ ان پر تو کوئی اثر نہیں ہے اور اس سے بڑی بدنامی ہوگی اور بہت خوار ہوں گے یہ کہہ کر باقیوں کو بھیج دیا کہ آج وقت ختم ہو گیا ہے باقیوں کو کل سولی پر لٹکائیں گے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وہ صحابی تھے جو پہلے پہر جادوگر اور پچھلے پہر صحابی ہوئے اتنے امتحان میں بھی ایمان سے نہیں پھرے اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کے ایمان کی مضبوطی کا اندازہ لگاؤ۔ کیونکہ جتنا پیغمبر بلند ہوتا ہے اس کا صحابی بھی اتنا ہی بلند ہوتا ہے۔

رافضیوں کا عقیدہ:

مگر رافضی کیا کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد" ہمہ مرتد گشتند الا سہ کس یا چہار کس۔" کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمام صحابہ مرتد ہو گئے سوائے تین یا چار آدمیوں کے، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، حذیفہ رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ وغیرہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ نقل کفر کفر نا باشد) نامکمل تھی استاد کامل ہو تو شاگرد بھی کامل ہوتا ہے اور اگر استاد ناقص ہو تو شاگرد بھی ناقص ہوتا ہے۔

لہٰذا یاد رکھنا! یہ چیز تصور سے بھی باہر ہے جو کچھ رافضیوں نے کہا ہے۔ ہمارا ایمان ہے صحابہ سب کے سب مومن تھے اور مومن ہی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مہاجرین اور انصار کے متعلق فرمایا ہے ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ [الانفال: ۷۴] "پکی بات ہے کہ وہ سارے مومن ہیں۔" جادوگر جو ایک منٹ کے مومن تھے اُنھوں نے ایمان نہیں چھوڑا اور یہ تیئس [۲۳] سال کے مومن اور شاگرد ہیں آخری پیغمبر کے، یہ مرتد ہو گئے؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ لہٰذا نوجوان اس بات کو بھول نہ جائیں۔ آج بہت سے باطل فرقے برساتی مینڈکوں کی طرح پھرتے ہیں اور اتنی تبلیغ کرتے پھر رہے ہیں کہ تم اتنی نہیں کر سکتے۔ لہٰذا کسی باطل کے پھندے (فریب) میں نہ آنا۔

تو فرعون لعین نے کہا میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹوں گا، سولی پر لٹکاؤں گا۔ اُنھوں نے کہا بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں ﴿وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ﴾ اور تو نہیں انتقام لیتا ہم سے ﴿اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا﴾ مگر اس لیے کہ ہم ایمان لائے ہیں اپنے رب کی آیات پر ﴿لَمَّا جَآءَتْنَا﴾ جب وہ ہمارے پاس آچکیں ﴿رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا﴾ اے ہمارے رب! ڈال ہم پر صبر ﴿وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ﴾ اور وفات دے ہم کو اس حال میں کہ ہم مسلمان ہوں جانیں دیں ایمان نہ چھوڑیں ﴿وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ﴾ کہا جماعت نے فرعون کی قوم سے ﴿اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ﴾ تو چھوڑتا ہے موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم کو یعنی بنی اسرائیل کو ﴿لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ تاکہ وہ زمین میں فساد مچائیں۔ ان جادوگروں کو تو نے قتل کیا ہے موسیٰ اور اس کی قوم کو قتل کروا۔ دل سے فرعون اور ہامان سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں۔ چنانچہ انیسویں پارے میں آتا ہے ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ﴾ [النمل: ۱۴] "اور انکار کیا اُنھوں نے اس کا حالانکہ یقین کیا اس کے بارے میں ان کی جانوں نے ﴿ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾ مگر انکار کیا ظلم اور تکبر کی بنا پر۔" لہٰذا موسیٰ علیہ السلام پر ہاتھ ڈالنا آسان نہیں تھا وہ سمجھتا تھا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام پر ہاتھ ڈالا تو براہِ راست اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آجاؤں گا اس کی قوم نے یہ مشورہ دیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم کو قتل کیوں نہیں کرتا ﴿وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ﴾ اور وہ چھوڑ دیں تجھے اور تیرے معبودوں کو۔ تفسیر خازن وغیرہ میں ہے کہ فرعون نے کچھ تصویریں بنا کر لوگوں کو دی ہوئی تھیں کہ جب میں سامنے ہوں تو مجھے الٰہ سمجھو اور اگر میں سامنے نہ ہوں تو پھر یہ تمہارے الٰہ ہیں۔

فرعون نے حکومت بچانے کے لیے بچے قتل کروائے

﴿قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ﴾ کہا فرعون نے ہم ضرور قتل کریں گے ان کے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑیں گے ان کی عورتوں کو۔ ایک تو اس وقت قتل کیے تھے جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ یہ

تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں کہ بارہ ہزار بچے قتل ہوئے اور نوے ہزار حمل دیدہ دانستہ گرائے گئے کہ ہوسکتا ہے کہ لڑکا ہو اور ہمارے سامنے قتل کیا جائے اور ہماری ماممتا اس کو گوارا نہ کرسکے۔ اکبرالہ آبادی مرحوم ہائی کورٹ کے جج تھے بڑے متشرع آدمی تھے انھوں نے طنزیہ انداز میں بہت کچھ کہا ہے۔ اس موقع پر انھوں نے کہا کہ:۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ایسے ہی قتل کر کے بدنام ہوا کالج کھول کے بچوں کے ذہن بگاڑ دیتا۔ کالجوں میں عموماً بے دینی ہوتی ہے الا ما شاء اللہ۔ جن کے ماں باپ دین دار ہوں وہ کالجوں میں بھی ٹھیک رہتے ہیں اور جو خالی الذہن ہوتے ہیں وہ بچے کالجوں سے بے دین ہو کر نکلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بچائے اور محفوظ رکھے۔ تو یہ دوبارہ قتل کی وہی سزا تجویز کی کہ ان کے بچوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں کو زندہ چھوڑ دیا جائے ﴿وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ﴾ اور بے شک ہم ان پر غالب ہیں۔ یہ ہمارے مقابلے میں کیا کر سکتے ہیں مزید بحث آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ﴾ کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ﴿اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ﴾ مدد طلب کرو اللہ تعالیٰ سے ﴿وَ اصْبِرُوْا﴾ اور صبر کرو ﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ﴾ بے شک زمین اللہ تعالیٰ کی ہے ﴿يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ وارث بناتا ہے زمین کا جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے ﴿وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ اور اچھا انجام ہے پرہیزگاروں کے لیے ﴿قَالُوْۤا اُوْذِيْنَا﴾ کہا انھوں نے ہمیں اذیت دی گئی ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا﴾ پہلے اس سے کہ آپ ہمارے پاس آئے ﴿وَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا﴾ اور اس کے بعد کہ تم ہمارے پاس آچکے ﴿قَالَ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿عَسٰى رَبُّكُمْ﴾ قریب ہے کہ تمہارا رب ﴿اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ﴾ ہلاک کر دے تمہارے دشمن کو ﴿وَ يَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ اور تمھیں خلیفہ بنائے زمین میں ﴿فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾ پھر وہ دیکھے گا تم کیسے عمل کرتے ہو ﴿وَ لَقَدْ اَخَذْنَاۤ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے پکڑا ﴿اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ﴾ آل فرعون کو قحطوں کے ساتھ ﴿وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ﴾ اور پھلوں کی کمی کے ساتھ ﴿لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ﴾ پس جب آتی ان کے پاس کوئی راحت ﴿قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ﴾ کہتے یہ ہمارے لائق ہے ﴿وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ﴾ اور اگر پہنچتی کوئی تکلیف ﴿يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗ﴾ تو شگون لیتے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ ﴿اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ سن لو ان کا شگون اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ﴿وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن

اکثر ان کے جانتے نہیں ہیں ﴿وَ قَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ﴾ اور کہنے لگے جب بھی تم لاؤ گے ہمارے پاس کوئی نشانی ﴿لِّتَسْحَرَنَا بِهَا﴾ تا کہ تم ہم پر جادو کرو اس کے ساتھ ﴿فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ پس ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے۔

کل کے سبق میں تم نے سنا کہ فرعون نے ستر جادوگر جو نئے نئے مومن تھے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر سولی پر لٹکا یا کہ تم میری اجازت کے بغیر کیوں ایمان لائے ہو؟ اس پر فرعون کی کابینہ نے کہا کہ تو نے ان کو تو سزا دی ہے اور موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم کو چھوڑ دیا ہے جب کہ اصل علت تو وہ ہیں، اصل سزا کے لائق تو وہ ہیں۔ تو فرعون نے کہا کہ میں ان کو بھی سزا دوں گا ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑیں گے ہم ان پر غالب ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے خاندان نے جب یہ دھمکی سنی تو پریشان ہو گئے کیوں کہ وہ ایک دفعہ پہلے یہ سزا بھگت چکے تھے تو ان مظلوموں نے کہا کہ ہمیں پہلے بھی تکلیف دی گئی اور اب آپ کے آنے کے بعد پھر ہمیں تکلیف دی جائے گی۔

صبر کی اہمیت

﴿قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ﴾ کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ﴿اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا﴾ مدد حاصل کرو اللہ تعالیٰ سے اور صبر کرو تکالیف پر۔ ایمان بڑی قیمتی شے ہے اور جو چیز جتنی قیمتی ہوتی ہے اس کی اتنی ہی قیمت چکانا پڑتی ہے۔ لہٰذا صبر کرو اللہ تعالیٰ فضل کرے گا ﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ﴾ بے شک زمین اللہ تعالیٰ کی ہے ﴿يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ وارث بناتا ہے زمین کا جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔ یہ فرعون کا اقتدار عارضی ہے۔ کب تک زندہ رہے گا؟ ﴿قَالُوْٓا﴾ کہا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے ﴿اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا﴾ ہمیں اذیت دی گئی پہلے اس سے کہ آپ ہمارے پاس آئے۔ حضرت! آپ کے آنے سے پہلے بھی ہمیں یہ اذیت دی گئی کہ لڑکوں کو قتل کیا گیا اور عورتوں کو زندہ چھوڑا گیا۔

فرعون کے نجومیوں کی پیش گوئیاں

جس وقت نجومیوں نے یہ خبر دی تھی کہ تین سالوں کے اندر بنی اسرائیل کے خاندان میں بچہ پیدا ہوگا جو تیری حکومت کے زوال کا سبب بنے گا۔ فرعون نجومیوں کی بات سن کر بڑا گھبرایا کیوں کہ ان کی پیش گوئیاں اکثر سچی ثابت ہوتی تھیں۔ اس نے بنی اسرائیل کے گھروں پر پہرے لگا دیئے، عورتیں مقرر کیں، مرد مقرر کیے کہ جہاں کوئی لڑکا پیدا ہو فوراً اطلاع دو۔ چنانچہ جہاں لڑکا پیدا ہوتا فوراً قتل کر دیا جاتا، لڑکی پیدا ہوتی چھوڑ دی جاتی۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تاریخ سے ثابت ہے کہ ظالم نے بارہ ہزار بچے قتل کیے اور علامہ بونی رحمہ اللہ بہت بڑے بزرگ ہوئے ہیں وہ اپنی کتاب "شمس المعارف" میں لکھتے

ہیں کہ ستر ہزار بچے قتل ہوئے۔ بارہ ہزار بھی کوئی کم نہیں ہیں۔

تو موسیٰ علیہ السلام کی برادری نے اس کا حوالہ دیا کہ یہ سزا ہمیں آپ کے آنے سے پہلے بھی دی گئی ہے ﴿وَ مِنۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا﴾ اور آپ کے ہمارے پاس آجانے کے بعد بھی یہ سزا ہو تو ہمارے ساتھ بڑی زیادتی ہے۔ پہلے بھی ہمارے بچے ہوتے رہے ہیں تمھیں اللہ تعالیٰ نے بچانا تھا بچالیا اور اس واقعہ کا ذکر خود قرآن کریم میں موجود ہے۔ فرعون نے اس کے لیے مردوں کے علاوہ عورتوں کی مستقل پولیس بنائی۔ عورتیں آکر گھروں میں عورتوں کی تحقیق کرتی تھیں کہ کون حاملہ ہے اور کون غیر حاملہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا نام یُوْخَابَذْ آتا ہے، اردو والے یوکابد لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ یہ جب اُمید سے ہوئیں تو دیکھنے والی عورتوں کو شبہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ ان کے پیٹ میں کوئی شے ہے۔ ان کا مکان دریائے نیل کے کنارے تھا۔ موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو بڑی پریشان ہوئیں کہ ابھی کارندے آئیں گے اور اسے ہمارے سامنے قتل کردیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے جبرئیل علیہ السلام نے آکر کہا کہ اس بچے کو ایک صندوق میں ڈال کر دریا میں بہادو اور پروانہ کرنا ﴿وَ لَا تَخَافِیْ وَ لَا تَحْزَنِیْ﴾ "اور نہ خوف کھاؤ اور نہ غمگین ہو ﴿اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ﴾ بے شک ہم اس کو لوٹا دیں گے تیری طرف ﴿وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ [قصص: ۷] اور بنانے والے ہیں اس کو رسولوں میں سے۔" چنانچہ اُنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں بند کر کے دریا کی لہروں کے سپرد کردیا۔ یہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے سامنے پہنچا فرعون کی بیوی کی نگاہ صندوق پر پڑی اس نے نکلوایا ﴿وَ قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ﴾ "اور فرعون کی بیوی پکار اُٹھی ﴿قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَ لَكَ﴾ اے فرعون! یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔" تفسیروں میں آتا ہے کہ فرعون نے کہا یہ بچہ تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا میری آنکھوں کی نہیں۔ فرعون کے دل میں یہی بات آئی کہ کسی اسرائیلی نے اس بچے کو قتل سے بچانے کے لیے دریا میں بہا دیا ہے لہٰذا اسے قتل کردینا چاہیے مگر بیوی نے سفارش کی ﴿لَا تَقْتُلُوْهُ﴾ "اسے قتل نہ کرو یہ تو بڑا پیارا بچہ ہے۔"

اب بچے کی رضاعت یعنی دودھ پلانے کا مسئلہ درپیش آیا کہ اس کو دودھ کون پلائے۔ شاہی حکم پر بہت سی دودھ پلانے والی عورتوں کو آزمایا گیا مگر اللہ تعالیٰ کا حکم تھا ﴿وَ حَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ﴾ [قصص: ۱۲] "ہم نے اس سے پہلے ہی بچے پر دودھ پلانے والیوں کو ممنوع قرار دے دیا تھا۔" شہر میں مشہور ہوگیا کہ فرعون ایک بچے کی پرورش کرنا چاہتا ہے مگر وہ بچہ کسی عورت کا دودھ پینے کے لیے تیار نہیں ہے تو موسیٰ علیہ السلام کی بہن جو وہاں پہنچی ہوئی تھی کہنے لگی ﴿هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ﴾ "کیا میں تمھیں ایسے گھر کے متعلق نہ بتاؤں جو اس بچے کی تمہارے لیے کفالت کریں ﴿وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ﴾ اور وہ لوگ اس کے لیے خیر خواہ بھی ہوں گے۔" فرعون نے اس لڑکی کی بات کو تسلیم کرلیا اور حکم دیا کہ جس عورت کا پتہ دیتی ہو اس کو حاضر کرو موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو فوراً بلایا گیا جس وقت والدہ نے اپنی چھاتی کے ساتھ لگایا موسیٰ علیہ السلام نے دودھ پی لیا تو وہ خوش ہوگئے کہ بچے نے دودھ پی لیا ہے۔ فرعون نے کہا بی بی! ہم تجھے تنخواہ بھی دیں گے، خوراک بھی دیں گے، کمرہ بھی دیں گے اور ہر قسم کی سہولت میسر ہوگی تو یہاں رہ اور بچے کو دودھ پلا۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا کہ میرا گھر ہے، خاوند ہے، بچے ہیں میں یہاں نہیں رہ سکتی تم

نے جو کچھ دینا ہے مجھے دے دو میں اسے اپنے ساتھ گھر لے جاؤں گی۔ بڑے اصرار کے بعد فرعون مان گیا وظیفہ بھی مقرر ہوا اور سہولتیں بھی دی گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ لے کر گھر آ گئیں۔ سورہ قصص میں ہے ﴿فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ "پس ہم نے لوٹا دیا اس کو اس کی والدہ کے پاس تا کہ ٹھنڈی رہے اس کی آنکھ اور وہ غمگین نہ ہو اور تا کہ وہ جان لے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے۔"

اور فرعون نے یہ بھی کہا کہ ہفتہ دس دن کے بعد بچے کو لا کر دکھا جایا کرو تا کہ ہم دیکھیں کہ تو نے بچے کی پرورش صحیح کی ہے، بچے کی صحت ٹھیک ہے۔ اس سلسلے میں کافی زمانہ گزر گیا اور کسی کو وہم بھی نہ ہوا کہ بچہ جس بی بی کے گھر ہے اسی کا ہے۔

مثنوی شریف کا ایک اہم واقعہ

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بڑے بلند مرتبے کے بزرگ ہوئے ہیں۔ انھوں نے مثنوی شریف میں کہانی کی شکل میں ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک بڑا مال دار آدمی تھا مکان اس کا بڑا بلند قلعہ کی شکل میں تھا سونا چاندی، موتی، جواہرات اور قیمتی سامان اس کے گھر میں تھا۔ ڈاکوؤں نے اس کو لوٹنے کا منصوبہ بنایا اور کئی دنوں تک مشورہ کرتے رہے کہ کس طرح لوٹیں کہ دیواریں بہت بلند ہیں اور دروازے بڑے مضبوط ہیں۔ بالآخر مشورہ یہ طے پایا کہ دن کو جب مکان کے دروازے کھلے ہوتے ہیں ایک آدمی احتیاط سے اندر داخل ہو جائے اور مکان بڑا وسیع ہے کسی کونے میں چھپ کر بیٹھ جائے رات کو جب فلاں ستارہ طلوع ہو تو اندر سے کنڈی کھول دے ہم باہر سے اندر داخل ہو جائیں گے اور مل کر لوٹ لیں گے۔ چنانچہ مشورے کے مطابق ایک آدمی اندر داخل ہو کر چھپ کر بیٹھ گیا اور مقررہ وقت پر اس نے کنڈی کھول دی۔ آہٹ سے مالک مکان کی آنکھ کھل گئی اس نے فوراً اٹھ کر کنڈی لگا دی اور ڈاکوؤں کا ایجنٹ اندر ہی تھا سحری کے وقت جب وہ گہری نیند سوئے ہوئے تھے اس نے دروازہ کھولا اور وہ سب کچھ لوٹ کر لے گئے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

در بہ بست دزد اندر خانہ بود
حیلہ فرعون زیں افسانہ بود

"دروازہ بند کر دیا اور چور گھر کے اندر تھا فرعون کا معاملہ بھی اسی طرح تھا کہ جس سے خطرہ تھا وہ گھر میں پرورش پا رہا ہے، دودھ پلایا جا رہا ہے، والدہ کو تنخواہ دی جا رہی ہے۔"

مولانا یہ واقعہ بیان کر کے فرماتے ہیں کہ ہماری توبہ کا بھی یہی حال ہے کہ گناہوں کا چور تو ہمارے سینے میں ہوتا ہے اور زبان سے کہتے ہیں اللہ میری توبہ، اللہ میری توبہ۔ بھائی! پہلے چور کو تو اندر سے نکالو پھر توبہ کرو۔ تو قوم نے کہا حضرت! ہم آپ کے آنے سے پہلے بھی اذیت دیئے گئے اور اب پھر ہمیں وہی اذیت دی جائے گی ﴿قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے قریب ہے کہ تمھارا رب ﴿اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ﴾ ہلاک کر دے تمہارے دشمن کو ﴿وَ یَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ﴾ اور تمھیں خلیفہ

بنائے زمین میں ﴿فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾ پھر وہ دیکھے گا تم کیسے عمل کرتے ہو۔ضروری نہیں کہ اس کی دھمکی پوری ہو جائے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو پہلے ہی ختم کر دے۔سورۃ یونس میں آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون ، ہامان اور اس کی فوج کو بحر قلزم میں غرق کر دیا اور اس کے یہ سارے ارمان کہ دوبارہ اسرائیلیوں کے بچوں کو ذبح کرے گا اور عورتوں کو زندہ چھوڑے گا دل ہی میں رہ گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نو نشانیوں کا ذکر:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ لَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ﴾ اور البتہ تحقیق پکڑا ہم نے آل فرعون کو قحطوں کے ساتھ گناہوں کی وجہ سے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو قحط سالی میں مبتلا کیا اور عذاب گناہوں کی وجہ ہی سے آتا ہے۔آج پاکستان اور بھارت میں دھند ہی دھند چھائی ہوئی ہے اور معلوم نہیں کب تک رہتی ہے۔ہر چیز کا ایک ظاہری سبب ہوتا ہے اور ایک باطنی سبب ہوتا ہے۔دھند کا ظاہری سبب تو ایٹم بموں کا چلنا ہے کہ بھارت نے بھی تجربہ کیا ہے اور ہم نے بھی تجربہ کیا ہے اور باطنی سبب ہمارے گناہ ہیں مگر کسی نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کیا۔

﴿وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ﴾ اور پھلوں کی کمی کے ساتھ پکڑا۔تو پھلوں کا کم ہو جانا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا ہے کوئی نہ سمجھے تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔اب دیکھو! بارشیں نہیں ہو رہیں بارانی علاقے کے لوگ روتے ہیں کہ موسم پر بارش ہونی چاہیے تھی نہیں ہو رہی۔اس کا مطلب یہ ہے کہ فصلیں نہیں ہوں گی اور اگر ہوئیں بھی تو کم ہوں گی اس کے باوجود ہمارے گناہوں میں کوئی کمی نہیں آئی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں ہوا لوگ روزے پہلے بھی کھاتے تھے اور اب بھی کھاتے ہیں ، نمازیں پہلے بھی چھوڑتے تھے اور اب بھی چھوڑتے ہیں ، برائیاں بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔﴿قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے ان کو قحط سالی میں اور پھلوں کی کمی کی سزا اس لیے دی ﴿لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ﴾ پس جب آتی ان کے پاس کوئی راحت ، آرام ، بھلائی ﴿قَالُوْا﴾ کہتے ﴿لَنَا هٰذِهٖ﴾ یہ ہمارے لائق ہے ﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ﴾ اور اگر پہنچتی کوئی تکلیف ﴿يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ﴾ تو شگون لیتے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ۔نحوست اور بدفالی ان پر ڈالتے کوئی راحت پہنچتی تو کہتے ہماری وجہ سے ہے ، تکلیف آتی تو کہتے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی وجہ سے ہے۔تَطَيُّرٌ کے لفظی معنٰی ہیں پرندہ اُڑانا ، طیر پرندے کو کہتے ہیں۔

ہزار ہا سال سے یہ غلط نظریہ چلا آ رہا ہے کہ لوگ پرندوں کے ذریعے نیک فالی اور بد فالی لیتے ہیں وہ اس طرح کہ گھروں کے آس پاس درخت تو ہوتے تھے اور ان پر پرندے بھی ہوتے تھے یہ لوگ جب کوئی کام کرنا چاہتے تھے تو صبح کو اٹھ کر درخت پر پتھر مارتے اگر پرندہ اُڑ کر دائیں طرف جاتا تو کہتے ہمارا کام ہو جائے گا اور اگر بائیں طرف اُڑ کر جاتا تو کہتے ہمارا کام نہیں ہو گا۔سوال یہ ہے کہ پرندوں کے اڑنے کے ساتھ تمہارے کام کا کیا تعلق ہے؟ وہ پرندہ ہے دائیں طرف بھی اڑے گا

بائیں طرف بھی اڑے گا۔

تو لفظی معنیٰ ہے پرندے کا اُڑانا اور لازمی معنیٰ ہے نحوست اور بد فالی حاصل کرنا۔ فرمایا اَلَآ خبردار ﴿اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ان کا شگون اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ نحوست اور بد فالی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ان کے اعمال کی وجہ سے ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر ان کے جانتے نہیں ہیں کہ ہمارا بھی کوئی قصور ہے ﴿وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ﴾ اور کہنے لگے جب بھی تم لاؤ گے ہمارے پاس کوئی نشانی ﴿لِّتَسْحَرَنَا بِهَا﴾ تاکہ تم ہم پر جادو کرو اس کے ساتھ ﴿فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ پس ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے۔

نشانیاں گزر چکی ہیں ایک عصا والی کہ وہ اژدہا بن گیا اور دوسری نشانی یہ کہ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو سورج کی طرح چمکتا تھا اور تیسری نشانی قحط سالی اور چوتھی نشانی پھلوں کی کمی باقی نشانیوں کا ذکر اسی صفحے کے آخر میں آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ عموماً وہ لوگ نشانیوں اور معجزات کو جادو کے ساتھ تعبیر کرتے تھے اور اپنی ضد پر اڑے رہے۔ اور ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ﴾ پس بھیجا ہم نے ان پر طوفان ﴿وَالْجَرَادَ﴾ اور ٹڈی دل ﴿وَالْقُمَّلَ﴾ اور جوئیں ﴿وَالضَّفَادِعَ﴾ اور مینڈک ﴿وَالدَّمَ﴾ اور خون ﴿اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ﴾ یہ کھلے کھلے معجزے تھے ﴿فَاسْتَكْبَرُوْا﴾ پس انھوں نے تکبر کیا ﴿وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ﴾ اور وہ مجرم قوم تھی ﴿وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ﴾ اور جس وقت واقع ہوا ان پر عذاب ﴿قَالُوْا﴾ کہا انھوں نے ﴿يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا﴾ اے موسیٰ (علیہ السلام) دعا کر ہمارے لیے ﴿رَبَّكَ﴾ اپنے رب سے ﴿بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ﴾ جو کچھ اس نے تمہارے ساتھ عہد کر رکھا ہے ﴿لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ﴾ البتہ اگر تو دور کر دے ہم سے عذاب ﴿لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ﴾ تو ہم ضرور ایمان لائیں گے تجھ پر ﴿وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ اور ضرور بھیج دیں گے تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو ﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ﴾ پس جب دور کر دیا ہم نے ان سے عذاب ﴿اِلٰٓى اَجَلٍ﴾ ایک مدت تک ﴿هُمْ بٰلِغُوْهُ﴾ جس کو وہ پہنچنے والے تھے ﴿اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ﴾ اچانک وہ عہد کو توڑتے تھے ﴿فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾ پس ہم نے ان سے انتقام لیا ﴿فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ﴾ پس ہم نے ان کو غرق کر دیا دریا میں ﴿بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ اس وجہ سے کہ انھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ﴾ اور وہ ان نشانیوں سے غافل تھے ﴿وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ﴾ اور ہم نے وارث بنایا اس قوم کو ﴿كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ﴾ جو کمزور سمجھے جاتے تھے ﴿مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا﴾ اس زمین کے مشرق اور مغرب کے

اطراف میں ﴿الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا﴾ جس زمین میں ہم نے برکتیں ڈالی تھیں ﴿وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى﴾ اور پوری ہوگئی تیرے رب کی بات اچھی ﴿عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ بنی اسرائیل پر ﴿بِمَا صَبَرُوْا﴾ اس وجہ سے کہ انھوں نے صبر کیا ﴿وَ دَمَّرْنَا﴾ اور ہم نے ملیامیٹ کر دیا ﴿مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ﴾ اس چیز کو جو فرعون اور اس کی قوم بناتی تھی ﴿وَ مَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ﴾ اور جس کو وہ اُوپر چڑھاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نو معجزے عطا فرمائے۔ تسع آیات کا لفظ سورۃ بنی اسرائیل میں بھی ہے اور سورۃ نمل میں بھی ہے۔

ایک نشانی اور معجزہ: عصا کا سانپ بن جاتا تھا۔

اور دوسرا معجزہ: ہاتھ کا گریبان میں ڈال کر نکالنا اور اس کا سورج کی طرح چمکنا تھا۔

تیسری نشانی: فرعونیوں کو قحط سالی میں مبتلا کرنا کہ بارشیں رک گئیں زمین سے فصلیں نہ ہوئیں اور پھلوں کی کمی۔ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق قحط سالی تیسری نشانی تھی اور پھلوں کی کمی جدا نشانی تھی یعنی چوتھی نشانی تھی۔ جب کہ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ قحط سالی اور پھلوں کی کمی دونوں ایک نشانی تھی۔ قحط سالی کی وجہ سے پھل کم پیدا ہوئے۔ تو ان کے بیان کے مطابق تین نشانیاں یہ ہوئیں۔

چوتھی نشانی: ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ﴾ پس بھیجا ہم نے ان پر طوفان۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ معنیٰ کرتے ہیں اَلْمَوْتُ الْكَثِیْرُ ان پر ایسی بیماری مسلط کی مثلاً: طاعون وغیرہ کہ تھوڑے سے وقت میں بے شمار لوگ فوت ہو گئے۔ جب کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ طوفان سے سیلاب مراد لیتے ہیں کہ ان پر سیلاب آیا کہ جس سے وہ تباہ و برباد ہوئے۔ جب کہ تفسیر خازن وغیرہ میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر طوفان، ہوا کی شکل میں مسلط فرمایا جس طرح قوم عاد پر سخت اور تند ہوا مسلط کی گئی، اس میں بے شمار لوگ ختم ہو گئے۔

پانچویں نشانی: ﴿وَالْجَرَادَ﴾ اور ٹڈی دل، مکڑی۔ مکڑیوں کے لشکر بھیجے اس نے درختوں، کھیتوں، سبزیوں کو اس طرح کھا کر صاف کیا کہ کوئی درخت تو کیا گھاس بھی نظر نہیں آتا تھا۔ جس طرح ہم پر دھند کا عذاب مسلط ہے جو ہماری بداعمالیوں کا نتیجہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے بہت کم لوگ ہیں۔ لوگ ان چیزوں کو اسباب طبعی پر محمول کرتے ہیں۔ بے شک اسباب طبعی بھی ہوتے ہیں لیکن بڑا سبب بداعمالی ہے۔

چھٹی نشانی: ﴿وَالْقُمَّلَ﴾ قمل کا معنیٰ جوئیں کرتے ہیں جو بدن کو میلا کچیلا رکھنے سے بدن میں پیدا ہوتی ہیں اور اگر بدن کو صاف ستھرا رکھا جائے اور کپڑوں کو بھی تو پیدا نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے بطور سزا کے ان کے بدن میں جوئیں پیدا فرما دیں۔ ایک مارتے چار اور چمٹ جاتیں۔ خارش کرتے رہتے تھے نہ دن کو آرام نہ رات کو۔ بعض حضرات نے قمل کا معنیٰ

سسری کا کیا ہے۔گندم کو جو گھن لگ جاتا ہے چاولوں میں پڑ جاتی ہے۔ایسا عذاب مسلط کیا کہ ان کے دانوں اور کپڑوں کو گھن کھا جاتا۔

ساتویں نشانی: ﴿وَالضَّفَادِعَ﴾ اور مینڈک اس کثرت سے تھے کہ جہاں بیٹھتے وہاں مینڈک۔کھانے میں مینڈک پڑ جاتے منہ کھولتے تو مینڈک منہ میں چھلانگ لگا کر داخل ہو جاتا اللہ تعالیٰ کا عذاب تھا۔

اور نشانی ﴿وَالدَّمَ﴾ اور خون۔ان کا کھانا اور پانی خون کی شکل اختیار کر جاتا۔وہ لوگ کھانا بڑا عمدہ پکاتے ہلدی کی جگہ زعفران استعمال کرتے۔کھانا تیار ہوتا تو خون بن جاتا۔صاف ستھرا دودھ لاتے پینے کا ارادہ کرتے خون بن جاتا۔ہر قسم کا کھانا خون کی شکل اختیار کر جاتا۔

ہم غریب لوگ ہلدی استعمال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں ضرور کوئی نہ کوئی فائدہ رکھا ہے۔ہلدی میں اللہ تعالیٰ نے پٹھوں کو جوڑنے کا اثر رکھا ہے اور زخموں کو ملانے (مندمل کرنے) کا اثر بھی اس میں رکھا ہے۔پہلے حکیم کثرت سے ہلدی استعمال کراتے تھے تاکہ پھیپھڑوں کے زخم مل جائیں (مندمل ہو جائیں)۔بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ خون میں اتنا جوش پیدا ہو گیا کہ وہ سو بھی نہیں سکتے تھے جس کو آج کل بلڈ پریشر کہتے ہیں۔اس سے ان کے ہوش وحواس اڑ جاتے تھے۔یہ آٹھ نشانیاں ہو گئیں اور نویں نشانی کا ذکر سورۃ یونس میں آتا ہے طْمِسْ اَمْوَالَ کہ ان کے سونا، چاندی، ہیرے پتھروں کی شکل میں کر دیئے جس سے ان کی کوئی قیمت نہ رہی۔

فرمایا ﴿اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ﴾ یہ کھلے کھلے معجزے تھے۔اور یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ یہ نشانیاں فاصلے فاصلے سے آئیں، وقفے وقفے سے۔ایک نشانی آئی پھر کچھ دنوں کے وقفے کے بعد دوسری آئی پھر کچھ وقفے کے بعد تیسری آئی یعنی دفعۃً اکٹھی نہیں آئیں ﴿فَاسْتَكْبَرُوْا﴾ پس اُنھوں نے تکبر کیا ﴿وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ﴾ اور وہ مجرم قوم تھی نہ مانا اُنھوں نے۔

قومِ موسیٰ علیہ السلام کا مطالبہ دعا؟

﴿وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ﴾ اور جس وقت واقع ہوا ان پر عذاب ﴿قَالُوْا﴾ کہا اُنھوں نے ﴿يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ﴾ اے موسیٰ (علیہ السلام)! دعا کر اپنے رب سے ہمارے لیے ﴿بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ﴾ جو کچھ اس نے تمہارے ساتھ عہد کر رکھا ہے۔اپنے رب کو پکارو وہ ہماری تکلیف دور کر دے ﴿لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ﴾ البتہ اگر تو نے دور کر دیا ہم سے عذاب ﴿لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ﴾ تو ہم ضرور ایمان لائیں گے تجھ پر ﴿وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ اور ضرور بھیج دیں گے تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو۔

پہلے بات بیان ہو چکی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی کابینہ کے سامنے توحید، رسالت اور قیامت کے اصولی مسائل بیان کرنے کے بعد بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا کہ ان کو جو تو نے غلام بنا رکھا ہے ان سے بیگار لیتا ہے اور دیتا کچھ نہیں ہے ان کو آزاد کر میں ان کو اپنے آبائی علاقہ کنعان، شام، فلسطین لے جانا چاہتا ہوں۔تو جب رب تعالیٰ کا عذاب

آیا تو اُنھوں نے کہا کہ تو اپنے رب سے دعا کر یہ عذاب ہم سے ٹل جائے تو تجھ پر ایمان بھی لائیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی آزاد کر کے تمہارے ساتھ بھیج دیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ﴾ پس جب دور کر دیا ہم نے ان سے عذاب ﴿إِلَىٰ أَجَلٍ﴾ ایک مدت تک ﴿هُم بَالِغُوهُ﴾ جس کو وہ پہنچنے والے تھے ﴿إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ﴾ اچانک وہ عہد کو توڑتے تھے۔ جیسے ہمارے لیڈر اور حکمران ووٹوں کے دنوں میں وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اسلام نافذ کریں گے خلافت راشدہ کا نظام قائم کریں گے وقت گزرنے کے بعد بھول کر بھی نام نہیں لیتے۔ لوگوں کو دھوکا دے کر برسر اقتدار آجاتے ہیں اور وعدہ کوئی بھی پورا نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾ پس ہم نے ان سے انتقام لیا ﴿فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ﴾ پس ہم نے ان کو بحر شور میں غرق کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو نکالنا

یہاں اجمال ہے اور سورۃ طٰہٰ میں اس کی تفصیل ہے۔ ﴿وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے وحی بھیجی موسیٰ علیہ السلام کی طرف ﴿أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي﴾ کہ رات کے وقت میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ یہ تمھیں آزادی نہیں دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ساتھ یہ خفیہ پروگرام تیار کیا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے وہ لوگ جو مسلمان ہوئے تھے چل پڑے۔ فرعون کو بھی پتا چل گیا کہ یہ سارے چلے گئے ہیں۔ اُسے پریشانی ہوئی کہ ہم مفت میں کھاتے تھے یہ ہمارے غلام کام کرتے تھے زمینوں کو کاشت وہ کرتے تھے ہمارے جانوروں کو سنبھالتے تھے وغیرہ اب ہم کیا کریں گے۔

یقین جانو! اگر مزدور طبقہ نہ ہو تو نہ کوئی کام ہو اور نہ کوئی عمارت بنے مزدور مجبور ہیں نظام چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ ایک کو پیسے دیئے اور دوسرے کو قوت بدنی دی سب کام چل رہا ہے۔ اگر مزدور نہ ہوں تو پیسوں کا کوئی کیا کرے گا۔ تو فرعونی کافی پریشان ہوئے کہ یہ ہماری رعایا ہو کر ہماری اجازت کے بغیر جا رہے ہیں ہنگامی طور پر اعلان کر دیا کہ ان کا پیچھا کرو۔ عوام اور فوج کو لے کر پیچھے چل پڑا۔ اُنھوں نے فلسطین جانا تھا راستے میں بحر قلزم تھا، مرد بھی تھے، عورتیں بھی تھیں، بوڑھے اور بچے بھی تھے کشتی کسی کے پاس نہیں تھی۔ مُشْرِقِيْنَ کا لفظ آتا ہے، اشراق کا معنیٰ ہے سورج کا چمکنا، جب سورج کے چمکنے کا وقت آیا پیچھے سے فرعون کی فوجیں پہنچ گئیں۔ لوگ گھبرا گئے اور کہنے ﴿إِنَّا لَمُدْرَكُونَ﴾ ہم پکڑے گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ﴾ ہرگز نہیں! یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے میرے ساتھ میرا رب ہے وہ میری راہ نمائی کرے گا۔ جس وقت بحر قلزم پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا بحر قلزم پر اپنی لاٹھی مارو خشک راستے بن جائیں گے۔

بنی اسرائیل کے بارہ خاندان تھے۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا جس کا معنیٰ عبداللہ ہے۔ ان کے بارہ بیٹے تھے، بیٹی کوئی نہیں تھی، بیٹوں میں ایک حضرت یوسف علیہ السلام بھی تھے جو بعد میں نبی بنے۔ تو بارہ بیٹوں کی نسل بارہ خاندان ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے بارہ راستے بنا دیئے ہر خاندان کے لیے الگ الگ راستہ۔ جب یہ لوگ دریا عبور کر کے دوسری جانب جا

پہنچے تو فرعون، ہامان اور ان کی فوج بھی دریا کے کنارے آپہنچی بعض فوجی افسروں نے مشورہ دیا کہ چلو اب یہ نکل گئے ہیں ہمیں ان کا پیچھا نہیں کرنا چاہیے۔ فرعون بڑا جابر، ظالم اور موذی خبیث تھا کہنے لگا نہیں اور اپنے وزیر اعظم ہامان کو کہا تم آگے چلو تمہارے پیچھے فوج اور میں پیچھے ہوں گا تا کہ کوئی پیچھے نہ رہے۔

جب وہ سارے ان راستوں پر چڑھ گئے جن پر سے بنی اسرائیل نے نجات پائی تھی تو اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا کہ تو اپنی روانیوں کے ساتھ چل پڑ۔ وہ چل پڑا تو وہ وہاں سے سیدھے جہنم رسید ہوئے، غرق ہوتے وقت فرعون نے بڑا واویلا کیا۔ کہنے لگا ﴿اٰمَنْتُ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ﴾ "ایمان لایا میں رب العالمین پر جو رب ہے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا۔" بندے پر جب نزع کی حالت طاری ہو جائے تو پھر ایمان قبول نہیں ہوتا نہ ہی توبہ قبول ہوتی ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے گارا اُٹھا کر فرعون کے منہ میں ڈالا کہ پروردگار کو کہیں اس پر رحم نہ آجائے اُس کا منہ بند ہو گیا اور غرق ہو گیا۔

عبرت کے لیے فرعون کے جسم کا محفوظ ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً﴾ "پس آج کے دن ہم تیرے بدن کو نجات دیں گے تا کہ ہو جائے تو پچھلوں کے لیے نشانی۔" عام مفسرین رحمہم اللہ تو ﴿نُنَجِّیْكَ﴾ کا معنیٰ نجات کرتے ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اُلْقِیْكَ عَلٰی نَجْوَةِ الْبَحْرِ کرتے ہیں کہ ہم تجھے دریا کے کنارے ڈالیں گے۔ نَجْوَہ کا معنیٰ کنارہ۔ جب اس کو اللہ تعالیٰ نے کنارے پر ڈالا تو مشکیزہ بنا ہوا تھا منہ اور ناک سے پانی بہہ رہا تھا اور نہ جانے کہاں کہاں سے بہہ رہا تھا۔ آج تک فرعون کی لاش مصر کے عجائب گھر میں پڑی ہے اس کے علاوہ اور فرعونوں کی لاشیں بھی پڑی ہیں۔ خدا کی شان کیا انجام ہوا ایک وہ وقت تھا کہ کہتا تھا ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی﴾ "میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں۔" ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ﴾ [القصص:۳۸] "میں اپنے علاوہ تمہارے لیے کسی کو الٰہ نہیں جانتا۔" آج اس کا عجیب نقشہ بنا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا﴾ اس وجہ سے کہ وہ جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو ﴿وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ﴾ اور وہ ان نشانیوں سے غافل تھے کسی نشانی کی طرف اُنھوں نے توجہ نہیں کی ﴿وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا﴾ اور وارث بنایا ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے اس زمین کے مشرق اور مغرب کے اطراف میں ﴿الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا﴾ جس زمین میں ہم نے برکتیں ڈالی تھیں۔

مشہور تفسیر معالم التنزیل میں علامہ بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ مصر کی زمین کے وارث بنے مگر اپنے دور میں، فوراً نہیں۔ اگرچہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جس وقت فرعون غرق ہو گیا تو بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ واپس جا کر زمینوں پر قابض ہو گئے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ وہ اپنے دور میں مصر کی زمین کے وارث بنے مشرقی اطراف کے بھی اور مغربی اطراف کے بھی۔

مصر میں ظاہری برکتیں بھی تھیں اور باطنی بھی۔ ظاہری یہ کہ زرخیز علاقہ ہے پیداوار بہت ہوتی ہے اور باطنی اس لیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں آئے، حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں آئے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور نیک بندے آئے اور جہاں اللہ تعالیٰ کے نیک بندے کا قدم پڑ جائے وہ جگہ برکت والی ہو جاتی ہے۔

اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ برکت والی زمین سے شام کا علاقہ مراد ہے۔ اس وقت شام، کنعان کا علاقہ ایک ہی ہوتا تھا انگریز اور ظالم قوتوں نے اس کو علیحدہ علیحدہ کر دیا کہ یہ اکٹھے نہ ہو سکیں اور اس وقت حالت یہ ہے کہ کافروں کے ساتھ صلح ہو سکتی ہے مگر اردن، لبنان، فلسطین کی آپس میں صلح نہیں ہو سکتی۔ دشمن نے ان کے اتنے ذہن بگاڑ دیئے ہیں اور اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان کے گھروں میں یہودی اور عیسائی لڑکیاں ہیں۔ یاسر عرفات کے نکاح میں بھی عیسائی عورت ہے۔ ان سے کیا توقع کی جا سکتی ہے؟ قطعاً کسی قسم کی توقع نہیں کی جا سکتی یہ کافروں کے ایجنٹ ہیں۔ اور شام کے علاقہ میں ظاہری طور پر بھی برکتیں ہیں بڑا زرخیز علاقہ ہے۔ پانی صاف ستھرا بڑے پھل وہاں پیدا ہوتے ہیں اور لوگ بڑے خوشحال ہیں اور باطنی لحاظ سے بے شمار پیغمبر وہاں تشریف لائے اور بے شمار پیغمبروں کی قبریں وہاں موجود ہیں۔

﴿وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى﴾ اور پوری ہوگئی تیرے رب کی بات اچھی جو اس نے اچھا فیصلہ کیا تھا ﴿عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ بنی اسرائیل پر کہ ان سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ تم اگر ایمان پر قائم رہے تو ہم تمھیں برکت والی زمین کا وارث بنائیں گے ﴿بِمَا صَبَرُوْا﴾ اس وجہ سے کہ انھوں نے صبر کیا ﴿وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ﴾ اور ہم نے ملیامیٹ کر دیا اس چیز کو جو فرعون اور اس کی قوم نے بنائی تھی منصوبے وغیرہ ﴿وَ مَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ﴾ اور جس کو وہ اوپر اٹھاتے تھے۔ یعنی اپنے منصوبوں کی جو چھت بناتے تھے مکان کی چھت نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ انھوں نے اپنے منصوبوں کی جو عمارتیں کھڑی کی تھیں ہم نے ان کو برباد کر دیا اور مظلوموں کی مدد کی اور ان سے نجات دلائی۔

﴿وَ جٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ﴾ اور ہم نے پار کر دیا بنی اسرائیل کو دریا سے ﴿فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ﴾ پس وہ آئے ایک قوم کے پاس ﴿يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ﴾ جو جھکی ہوئی تھی اپنے بتوں پر ﴿قَالُوْا يٰمُوْسَى﴾ کہا انھوں اے موسیٰ علیہ السلام ﴿اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا﴾ آپ بنا دیں ہمارے لیے بھی الٰہ ﴿كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ﴾ جیسے ان کے لیے الٰہ ہیں ﴿قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ﴾ فرمایا بے شک تم جاہل قوم ہو ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ﴾ بے شک یہ لوگ ہیں ہلاک ہونے والے ﴿مَّا هُمْ فِيْهِ﴾ وہ چیز جس میں یہ مبتلا ہیں ﴿وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور باطل ہے وہ جو یہ عمل کر رہے ہیں ﴿قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ کے سوا تلاش کروں میں تمہارے لیے الٰہ ﴿وَّ هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ حالانکہ اُس نے تمھیں فضیلت دی ہے تمام جہان والوں پر ﴿وَ اِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ اور جس وقت ہم نے نجات

دی تم کو فرعونیوں سے ﴿یَسُوۡمُوۡنَکُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ﴾ چکھاتے تھے تم کو بُرا عذاب ﴿یُقَتِّلُوۡنَ اَبۡنَآءَکُمۡ﴾ قتل کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو ﴿وَیَسۡتَحۡیُوۡنَ نِسَآءَکُمۡ﴾ اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتوں کو ﴿وَفِیۡ ذٰلِکُمۡ بَلَآءٌ﴾ اور اس بات میں تمہارے لیے آزمائش تھی ﴿مِّنۡ رَّبِّکُمۡ عَظِیۡمٌ﴾ تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی۔

پیچھے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ کل تفصیل کے ساتھ سن چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یکے بعد دیگرے نو معجزے عطا فرمائے تھے لیکن فرعونیوں نے اس سے کوئی عبرت حاصل نہ کی بلکہ جب بھی کوئی تکلیف آئی تو موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھاگ کر آتے کہ آپ اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کریں یہ دور ہو جائے تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے مگر جب وہ تکلیف دور ہو جاتی تو ﴿اِذَا هُمۡ یَنۡکُثُوۡنَ﴾ اسی وقت عہد شکنی کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بحر قلزم میں غرق کر دیا۔

﴿وَجٰوَزۡنَا بِبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الۡبَحۡرَ﴾ اور ہم نے پار کر دیا بنی اسرائیل کو دریا سے۔ اللہ تعالیٰ نے بحر قلزم کو پھاڑ کر خشک رستے بنا دیئے، بنی اسرائیل نکل گئے فرعون، ہامان اور ان کی فوجیں تعاقب کے لیے پیچھے آئیں تو اللہ تعالیٰ نے پانی کو حکم دیا کہ چل پڑو، وہ چل پڑا تو یہ سارے غرق ہو گئے۔ فرعون کی لاش کو اللہ تعالیٰ نے کنارے پر ڈال دیا تا کہ آنے والوں کے لیے نشانی رہے۔

بنی اسرائیلی بحر قلزم کو پار کر کے آگے گئے تو وادی تیہ جس کو آج کل جغرافیہ میں وادی سینائی کہتے ہیں جس کی لمبائی چھتیس [۳۶] میل اور اور چوڑائی چوبیس [۲۴] میل ہے اور سطح سمندر سے پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے، اس سے پہلے کچھ آبادیاں تھیں۔ تفسیروں میں ایک شہر کا نام قَنَّسِرِین آتا ہے۔ یہ شہر وادی تیہ سے کچھ نیچے ہے۔ جب وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاَتَوۡا عَلٰی قَوۡمٍ یَّعۡکُفُوۡنَ عَلٰۤی اَصۡنَامٍ لَّهُمۡ﴾ پس وہ آئے ایک قوم کے پاس جو جھکی ہوئی تھی اپنے بتوں پر۔

یہ کنعانی لوگ بت پرست تھے اور یاد رکھنا! بت محض پتھر کا نام نہیں ہوتا بہت سارے لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ بت دراصل کسی بزرگ شخصیت کا نمونہ ہوتا ہے۔ آپ حضرات میں جو پرانے بزرگ ہیں اُنھوں نے دیکھا ہو گا کہ ہندو ایک من کی لکڑی اٹھا کر لاتے اس کو تیشے کے ساتھ چھیلتے جب وہ پانچ کلو رہ جاتی اور اس پر رام چندر کا یا کرشن جی کا نمونہ بن جاتا تو پھر اس کی وہ پوجا کرتے۔ اگر پتھر اور لکڑی کی پوجا ہوتی تو جب وہ ایک من کی تھی اس وقت اس کو پوجتے۔ تو یاد رکھنا! کسی قوم نے محض پتھر یا لکڑی کی پوجا نہیں کی۔ پوجا اس وقت کی جب وہ کسی بزرگ کی شکل پر ڈھل گئی تو اصل پوجا اس بزرگ کی ہوئی جس کی شکل پر اس کو بنایا گیا۔

اسی طرح کسی درخت یا دریا کی پوجا محض درخت یا دریا کی حیثیت سے نہیں کی گئی بلکہ اس درخت کی پوجا کی گئی کہ جس کے سائے میں ان کا کوئی بزرگ بیٹھا یا جس دریا سے کسی بزرگ نے وضو یا غسل کیا تو اس وجہ سے اس درخت اور دریا کو متبرک سمجھ کر پوجا کی گئی۔

صلح حدیبیہ کا مختصر پس منظر

قرآن پاک کی سورۃ الفتح میں ایک درخت کا ذکر ہے ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ [الفتح:۱۸] "البتہ تحقیق راضی ہوا اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے جب کہ وہ بیعت کر رہے تھے آپ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے۔" یہ کیکر کا درخت تھا حدیبیہ کے مقام پر۔ آج کل اس جگہ کا نام شُمَیْسَۃ ہے، مکہ مکرمہ سے چھ میل کے فاصلے پر، آج کل یہ جگہ حدودِ مکہ مکرمہ میں داخل ہو چکی ہے۔

اس بیعت کا پس منظر یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر قریش مکہ کے پاس بھیجا کہ ان کو بتاؤ کہ ہم عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں لڑنے کے لیے نہیں آئے۔ قریش مکہ نے ان کو قید کر لیا اور پھر خبر مشہور ہو گئی کہ ان کو شہید کر دیا گیا ہے حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ قید ہوئے تھے شہید نہیں ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم ان کا انتقام لیں گے اس لیے آپ نے بیعت لی تھی۔

اب وہ درخت درجے والا ہو گیا کہ جس کے نیچے اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سے افضل ترین شخصیت تشریف فرما ہوئے اور انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد تمام اُمتوں میں سے افضل ترین امت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔ جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود ہیں۔ تو پندرہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم بھی وہاں موجود ہیں تو وہ درخت کتنا متبرک ہو گیا۔ لوگ اس درخت کے نیچے اہتمام کے ساتھ آ کر بیٹھتے تھے کہ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی تھی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو اُنھوں نے فوجی بھیج کر اس درخت کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکوا دیا کہ اس زمانے کے لوگ تو سمجھ دار ہیں محض تبرک کے لیے بیٹھتے ہیں اور آئندہ نادان قسم کے لوگ اس کی پوجا شروع کر دیں گے اس لیے اُنھوں نے ایسا کیا۔

لہٰذا یاد رکھنا! محض پتھر، درخت کی کبھی پوجا نہیں ہوئی ہاں! جب اس کی کسی بزرگ کے ساتھ نسبت ہو گئی تو لوگوں نے اس کی پوجا شروع کر دی۔ اور جس لکڑی یا پتھر پر کسی بزرگ شخصیت کی تصویر بنائی جاتی ہے اس کو صنم کہتے ہیں اور صنم کی تعریف کرتے ہیں: اَلَّذِيْ يُتَّخَذُ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالنُّحَاسِ وَالْمَدَرِ وَالْخَشَبِ عَلَى الْاِنْسَانِ "عربی میں صنم اس چیز کو کہتے ہیں جو بنایا جائے سونے سے اور چاندی سے یا لوہے سے یا پیتل سے، تانبے سے اور مٹی سے یا لکڑی کا ہو انسان کی شکل پر۔" اور وَثَن بھی اسی کو کہتے ہیں جس طرح آج کل تصویریں ہیں۔ لوگوں نے اپنے دوستوں کی فوٹوز جیب میں رکھی ہوئی ہیں تو اس کاغذ کی تو کوئی حیثیت نہیں ہے اصل وہ تصویر ہے جو اس کے اُوپر بنی ہوئی ہے۔

تو وہ لوگ ان بتوں کے سامنے جو اُنھوں نے اپنے پیشواؤں کے نام پر بنائے ہوئے تھے، جھکے ہوئے تھے ﴿قَالُوْا يٰمُوْسَى﴾ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں مخلص اور پکے ساتھی بھی اور کچے بھی تھے اور ہر زمانے میں کچے پکے ہوتے ہیں تو جو کچے تھے اُنھوں نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام! ﴿اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ﴾ آپ بنا دیں ہمارے لیے بھی الٰہ جیسے ان کے لیے الٰہ ہیں

کہ ہمیں ہمارے الٰہ نظر آئیں ﴿قَالَ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ﴾ بے شک تم بڑی جاہل قوم ہو کہ تم ان جاہلوں کے ساتھ مشابہت کرتے ہو ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ﴾ بے شک یہ لوگ ہیں ﴿مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ﴾ ہلاک ہونے والی ہے وہ چیز جس چیز میں یہ مبتلا ہیں ﴿وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور باطل ہے وہ کارروائی جو یہ کر رہے ہیں۔ ایسے مشرک دنیا میں بھی خسارے میں اور آخرت میں بھی خسارے میں ہیں۔

تو جو کچے لوگ تھے اُنھوں نے کہا تھا کہ ہمیں ایسے خدا بنا دے۔ سارے کچے نہیں تھے، صحیح بھی تھے اور ایسے ہی کچے لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ [المائدہ: ۲۴] "پس جا تو اور تیرا پروردگار دونوں جا کر لڑو بیشک ہم تو یہاں بیٹھنے والے ہیں۔" یہ اُنھوں نے اس وقت کہا تھا جب وادی تیہ میں پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو عمالقہ قوم کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا تھا کہ وہ تو بڑی سخت قوم ہے ہم اُن کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چالیس سال تک وہ علاقہ ان پر ممنوع قرار دے دیا۔ ایسی قوم کو تو فوراً سزا ملنی چاہیے تھی مگر اللہ تعالیٰ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ہے۔ وہ کافروں کو بھی رزق اور اولاد دیتا ہے، مال بھی دیتا ہے، بہت کچھ دیتا ہے۔

ان لوگوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے مہربانی کی کہ وادی تیہ میں سایہ کوئی نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے سائے کا انتظام کیا۔ فرمایا ﴿وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ﴾ اور ہم نے سایہ کیا تم پر بادلوں کا۔ جونہی سورج چڑھتا بادل ان کے سر پر آ جاتا رات ہوتی بادل صاف ہو جاتا اور وہاں خوراک کا کوئی انتظام نہیں تھا ﴿وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى﴾ اللہ تعالیٰ نے من اور سلویٰ نازل فرمایا۔ پانی کی دقت تھی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی کو پتھر پر مار ﴿فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾ بارہ چشمے جاری ہو گئے کیوں کہ وہ بارہ خاندان تھے ہر خاندان کا الگ چشمہ تھا۔

تو کچے لوگوں نے یہ کہا تھا کہ ہمیں بھی ایسے الٰہ بنا دے ﴿قَالَ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا تلاش کروں میں تمہارے لیے الٰہ۔ الٰہ کے معنیٰ معبود، مسجود۔ او جاہلو! کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود، مسجود، عالم الغیب، حاظر ناظر، مختار کل، فریاد رس، مشکل کشا، دستگیر، مُقَنِّنْ (قانون بنانے والا) حاکم تلاش کروں ﴿وَّ هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ حالاں کہ اُس نے تمھیں فضیلت دی ہے تمام جہان والوں پر۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات گرامی تک چار ہزار پیغمبر اللہ تعالیٰ نے اس قوم میں بھیجے کسی قوم میں ایک نبی آ جائے تو اس قوم کا سر آسمان کے ساتھ لگ جاتا ہے۔ عرب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد صرف ایک پیغمبر آئے ہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کے بعد دنیا میں کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے اور جو اس کو مانے وہ بھی کافر ہے اور جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

جھوٹے نبی دنیا میں بڑے پیدا ہوئے ہیں مرزا قادیانی بھی انھی میں سے ہے۔ اس وقت بھی قادیانیوں نے یورپ میں فتنہ کھڑا کیا ہوا ہے۔ مسلمانوں کو اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ دو چار زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ کر دیں۔ قادیانیوں نے بہتر [۷۲]

زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا ہے اپنی مرضی کے مطابق۔ نوجوانو، یاد رکھنا! ہمیں کسی باطل فرقے سے چاہے وہ قادیانی ہو یا کوئی اور ہو کوئی ذاتی عداوت نہیں ہے۔ نہ زمین کا جھگڑا ہے، نہ رشتے کا اور نہ پرنالے کا۔ باطل فرقوں کا ذکر ہم اس لیے کرتے ہیں کہ تم کسی فتنے کا شکار نہ ہو جاؤ اور اپنے ایمان کو برباد نہ کر بیٹھو۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا ﴿وَ اِذْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ اور جس وقت ہم نے نجات دی تم کو فرعونیوں سے ﴿یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ﴾ چکھاتے تھے تم کو بُرا عذاب۔ وہ کیا تھا ﴿یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ﴾ قتل کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو ﴿وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ﴾ اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتوں کو ﴿وَ فِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ﴾ اور اس میں تمہارے لیے آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بڑی۔

فرعونیوں نے ایسا اس لیے کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے زمانے میں ایک بہت بڑا علم نجوم کا ماہر تھا اور اس کی اکثر پیشین گوئیاں سچی ثابت ہوتی تھیں۔ اس نے فرعون، ہامان اور ان کی کابینہ کو یہ بتایا کہ دو تین سالوں میں بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو فرعون کی حکومت کے زوال کا سبب بنے گا۔ فرعون، ہامان نے اس کی پیشین گوئی پر یقین کیا اور بنی اسرائیل کے گھروں پر پہرے لگا دیئے اور جو بی بی بھی حاملہ ہوتی تھی اس کا باقاعدہ ریکارڈ ہوتا تھا پھر اگر بچہ پیدا ہوتا تو ماں کے سامنے ذبح کر دیا جاتا تھا اور عورت کو زندہ چھوڑ دیا جاتا تھا اس طرح فرعون کے حکم سے بارہ ہزار بچے قتل ہوئے اور علامہ بونی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ستر ہزار بچے قتل ہوئے مگر بارہ ہزار بھی کوئی کم نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھو کہ اس بچے کو فرعون کے گھر میں پال کر دکھایا۔

﴿وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰی﴾ اور وعدہ کیا ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے ﴿ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً﴾ تیس راتوں کا ﴿وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ﴾ اور پورا کیا ہم نے ان کو دس کے ساتھ ﴿فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً﴾ پس پوری ہوگئی اس کے پروردگار کی مدت چالیس راتیں ﴿وَ قَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ﴾ اور فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو ﴿اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ﴾ تم میرے خلیفہ ہو میری قوم میں ﴿وَ اَصْلِحْ﴾ اور اصلاح کرتے رہنا ﴿وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ اور پیروی نہ کرنا فساد مچانے والوں کے راستے کی ﴿وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا﴾ اور جب آئے موسیٰ علیہ السلام ہمارے وعدے کے وقت پر ﴿وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ﴾ اور کلام کیا ان کے ساتھ ان کے رب نے ﴿قَالَ﴾ کہا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ﴾ اے میرے رب! تو مجھے اپنا دیدار کرا میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں ﴿قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے ﴿وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ﴾ اور لیکن دیکھ تو پہاڑ کی طرف ﴿فَاِنِ

اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ﴾ پس وہ اگر قائم رہا اپنی جگہ پر ﴿فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ﴾ تو پھر قریب ہے تو مجھے دیکھ سکے گا ﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ﴾ پس جس وقت تجلی ڈالی اس کے پروردگار نے پہاڑ پر ﴿جَعَلَهٗ دَكًّا﴾ تو کر دیا اس کو ریزہ ریزہ ﴿وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا﴾ اور گر پڑے موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر ﴿فَلَمَّآ اَفَاقَ﴾ پس جب موسیٰ علیہ السلام ہوش میں آئے ﴿قَالَ﴾ کہا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿سُبْحٰنَكَ﴾ تیری ذات پاک ہے ﴿تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مومنوں میں سے پہلا ہوں ﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ﴾ اے موسیٰ علیہ السلام بے شک میں نے تمھیں منتخب کیا ہے لوگوں پر ﴿بِرِسٰلٰتِيْ وَ بِكَلَامِيْ﴾ اپنے پیغام کے ساتھ اور اپنے کلام کے ساتھ ﴿فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ﴾ پس پکڑ تو وہ چیز جو میں نے تجھے دی ہے ﴿وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ اور ہو جاؤ تم شکر ادا کرنے والوں میں سے۔

آلِ فرعون بحر قلزم میں غرق ہوگئی اور بنی اسرائیل بحر قلزم پار کر کے وادی تیہ میں پہنچے تو کہنے لگے حضرت! جب ہم مصر میں تھے تو فرعونیوں کے غلام تھے اور اُنھی کا قانون چلتا تھا اور اب ہم آزاد قوم ہیں اور کوئی قوم بھی بغیر قانون کے وقت نہیں گزار سکتی اور زندہ نہیں رہ سکتی۔ آپ ہمیں پروردگار سے کوئی قانون لا کر دیں۔ کیوں کہ اگر معاملہ آدمیوں پر چھوڑا جائے تو کوئی کہے گا کہ میری رائے ٹھیک ہے اور کوئی کہے گا میری رائے ٹھیک ہے، فتنہ فساد برپا ہوگا۔ لہٰذا سب کے لیے ایک قانون ہونا چاہیے جس کے مطابق ہم زندگی بسر کریں اور اصول بھی یہی ہے کہ رب تعالیٰ کی زمین پر رب تعالیٰ کا قانون نافذ ہونا چاہیے ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ [یوسف: ۴۰] "حکم صرف اللہ تعالیٰ کا" کیوں کہ بندے جب قانون بنائیں گے تو اپنے مفادات کو سامنے رکھ کر بنائیں گے۔ اور یہ بات سب کے سامنے ہے کہ جب کافر، ظالم، غنڈے غالب آجاتے ہے تو وہ اپنا قانون بناتے ہیں اور قانون ایسا بناتے ہیں کہ جس میں ان کا ذاتی مفاد ہوتا ہے کہ ان کے کارخانوں پر کوئی زد نہ آئے، جائیداد محفوظ رہے اور ان کے کاروبار پر کوئی زد نہ آئے۔ اور رب تعالیٰ کا قانون سب کے لیے مساوی ہوتا ہے اس میں اعلیٰ وادنیٰ کا کوئی فرق نہیں ہوتا۔

چنانچہ بنو مخزوم قریش کا ایک خاندان تھا ابوجہل اسی خاندان سے تھا تو اس قبیلہ کی ایک نوجوان لڑکی نے چوری کی جس کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی۔ لڑکی نے خود اقرار کیا اگرچہ گواہ بھی موجود تھے۔ پوچھا گیا کہ اس کی سزا کیا ہوگی تو معلوم ہوا کہ اس کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ لڑکی کے والدین اور رشتہ دار سب پریشان ہوئے کہ ابھی تو ہم نے اس کی شادی کرنی ہے ہاتھ کاٹا گیا تو اس کو کون لے گا؟ سوچا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی سفارش کی جائے کہ جرمانہ لے لو، کوڑے مار لو یا قید کر لو، ہاتھ نہ کاٹو مگر سفارش کرے کون؟ ذہن میں آیا کہ حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے پیارے اور محبوب ہیں اور انھی دنوں میں ان کے والد جنگ موتہ میں شہید ہوئے تھے امید ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بات کو رد نہیں کریں گے۔

چنانچہ ان کو بھیجا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی عمر سولہ سترہ سال تھی، آ کر انھوں نے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹانگیں دبانا شروع کیں اور کہنے لگے حضرت! سنا ہے کسی بی بی نے چوری کی ہے۔ فرمایا ہاں۔ حضرت! وہ کون سے خاندان سے تعلق رکھتی ہے؟ فرمایا بنومخزوم سے۔ کہنے لگے حضرت! اب اس کا کیا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کہنے لگے حضرت! ہاتھ نہ کاٹا جائے اس کو قید کر دیا جائے، جرمانہ کر دیا جائے یا کوڑے لگا دیئے جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ یہ خود نہیں بول رہا اس کے اندر کوئی اور بول رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا اے اسامہ! اَتَشْفَعُ فِیْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ تَعَالٰی "اللہ تعالیٰ کی حد کو ٹالنے کے لیے سفارش کرتا ہے وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے ((لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ (ﷺ) سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ یَدَهَا اَوْ کَمَا قَالَ ﷺ))۔ "اگر میری پیاری بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔" یہ ہے مساواتِ محمدی۔ لیکن لوگوں نے اس کو کوٹھیوں اور مکانوں پر فٹ کیا ہوا ہے کہ اس میں سارے برابر ہوں اس میں کبھی برابری نہیں ہو سکتی۔ مساواتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب ہے کہ قانون ادنیٰ واعلیٰ سب کے لیے برابر ہو کوئی اس سے مستثنیٰ نہ ہو۔

تو بنی اسرائیل نے جب قانون کا مطالبہ کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ تم کوہِ طور پر آؤ اور تیس دن وہاں رہو ہم تمھیں قانون دیں گے۔ اس کا ذکر ہے۔ ﴿ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ﴾ اور وعدہ کیا ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے ﴿ ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً ﴾ تیس راتوں کا ﴿ وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ ﴾ اور پورا کیا ہم نے ان تیس کو دس کے ساتھ ﴿ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ﴾ پس پوری ہوگئی اس کے پروردگار کی مدت چالیس راتیں۔ مکمل کرنے کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ تیس روزے رکھ کر میرے پاس آؤ موسیٰ علیہ السلام نے حاضری سے پہلے مسواک کر لی جس سے خُلُوْفُ فَمِ صَآئِمٍ ختم ہوگئی۔

اور حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّآئِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰهِ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مِنْ رِیْحِ الْمِسْكِ مشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہے۔

تو حکم ہوا کہ دس روزے مزید رکھو چالیس پورے ہو جائیں گے تو پھر تورات ملے گی۔ اور دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ تیس راتیں پہلے انتظار میں گزاریں۔ تورات کی دس تختیاں تھیں روزانہ ایک تختی ملتی تھی تو اس طرح چالیس راتیں پوری ہوگئیں جس وقت موسیٰ علیہ السلام طور پر جانے لگے تھے ﴿ وَقَالَ مُوْسٰی ﴾ اور فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿ لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ ﴾ اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو ﴿ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ ﴾ تم میرے خلیفہ ہو میری قوم میں جب تک میں واپس نہ آؤں قوم میں رہو ﴿ وَاَصْلِحْ ﴾ اور اصلاح کرتے رہنا ﴿ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴾ اور پیروی نہ کرنا فساد مچانے والوں کے راستے کی۔ اس مقام پر ذکر نہیں ہے سورۃ طٰہٰ میں تفصیل آئے گی۔

واقعہ اس طرح ہوا کہ بنی اسرائیل کی ایک شاخ تھی بنو سامرہ۔ قبیلہ بنو سامرہ کا ایک شخص تھا موسیٰ بن ظفر۔ یہ بڑا منافق آدمی تھا۔ فرعون کی فوجیں غرق ہونے کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام گھوڑے پر سوار ہو کر آئے تھے ان کا گھوڑا جہاں قدم رکھ کر

اُٹھاتا تھا وہاں سبزہ اُگ آتا تھا۔ اس نے سوچا کہ اس میں کوئی کرشمہ ہے تو اس نے گھوڑے کے قدم کے نیچے کی تھوڑی سی مٹی اٹھا لی تھی۔ اِدھر بنی اسرائیل فرعونیوں کے جو زیورات لے کر آئے تھے ان کو استعمال کی اجازت نہیں تھی اُنھوں نے پھینک دیئے ،سامری نے ان کو ڈھال کر بچھڑا بنایا اور اس میں وہ مٹی جو جبرئیل علیہ السلام کے قدموں کی تھی ڈال دی تو بچھڑے نے ٹیں ٹیں شروع کر دی۔ سامری نے لوگوں کو کہا کہ بچھڑے میں جو ٹیں ٹیں کر رہا ہے یہی تمہارا رب ہے۔ (معاذ اللہ تعالیٰ)

سورۃ طٰہ میں ہے ﴿قَالَ﴾ "کہا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ﴾ پس کیا حال ہے تیرا اے سامری! ﴿قَالَ﴾ کہا اس نے ﴿بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ﴾ میں نے دیکھا اس چیز کو جس کو دوسروں نے نہیں دیکھا ﴿فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ﴾ پس میں نے بھر لی ایک مٹھی رسول (جبرئیل علیہ السلام) کے قدم سے ﴿فَنَبَذْتُهَا﴾ پس میں نے اس کو ڈال دیا ﴿وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ﴾ اور اس طریقے سے مجھے آمادہ کیا میرے نفس نے۔" تو اس طریقے سے سامری نے بچھڑا بنایا کہ اس سے ٹیں ٹیں کی آواز آنے لگ گئی اور اُنھوں نے اس کو رب بنالیا۔ قرآن پاک میں آتا ہے ﴿لَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا﴾ [طٰہ:۸۹] "وہ نہیں مالک ان کے نفع اور نقصان کا۔" صرف ٹیں ٹیں کرنے سے تو کچھ نہیں ہوسکتا مگر جب انسان کی عقل ماری جائے تو اس وقت اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ پھر یہ حیوانوں کی پوجا شروع کر دیتا ہے، پیغمبروں اور درختوں کی پوجا شروع کر دیتا ہے۔

تو موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور پر جانے کے بعد سامری نے یہ شرارت کی کہ لوگوں کو بچھڑے کی پوجا پر لگا دیا۔ سب کو نہیں، اچھے، مخلص اور یقین والے بھی تھے جو بچھڑے کی پوجا میں شریک نہیں ہوئے۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے مزاج سے واقف تھے اس لیے حضرت ہارون علیہ السلام کو فرمایا کہ ان کی اصلاح کرتے رہنا اور جو فسادی ہوں ان کے کہنے میں نہ آنا۔ سورۃ طٰہ میں ہے کہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے اور دیکھا کہ بچھڑے کی پوجا ہو رہی ہے تو ہارون علیہ السلام سے ناراض ہوئے۔ ان کی ڈاڑھی کو پکڑا، سر کے بال پکڑے۔ اُنھوں نے یہ خیال کیا کہ یہ نرم مزاج اور متحمل مزاج ہیں ان کی نرمی نے کام بگاڑا ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا ﴿يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ﴾ "اے میری ماں کے بیٹے! نہ پکڑ میری ڈاڑھی کو اور سر کو۔" میں نے ان کو اتنا سمجھایا ہے کہ ﴿وَ كَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ﴾ [الاعراف:۱۵۰] "قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے۔" چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو یقین آ گیا کہ ان کی نرمی سے ایسا نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا﴾ اور جب آئے موسیٰ علیہ السلام ہمارے وعدے کے وقت پر جو جگہ ہم نے مقرر کی تھی ﴿وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ﴾ اور کلام کیا ان کے ساتھ ان کے رب نے۔ پس پردہ، سامنے نہیں، اسی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ کہتے ہیں۔ ﴿قَالَ﴾ کہا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ﴾ اے میرے رب! تو مجھے اپنا دیدار کرا میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں ﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿لَنْ تَرٰىنِيْ﴾ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے ﴿وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ﴾ اور لیکن دیکھ تو پہاڑ کی طرف۔ تفسیروں میں آتا ہے کہ جس پہاڑ کی طرف دیکھنے کا حکم ہوا تھا اس کا نام زبیر پہاڑ تھا طور نہیں تھا اور زبیر پہاڑ بھی بہت اونچا پہاڑ ہے اور طور کے قریب ہے۔ فرمایا ﴿فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ﴾ پس وہ اگر قائم رہا اپنی جگہ پر ﴿فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ﴾ تو پھر قریب ہے

کہ تو مجھے دیکھ سکے گا۔

اللہ تعالیٰ کے دیدار کا مسئلہ بھی یاد رکھنا۔ کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار حق ہے اور فرقہ معتزلہ اس کا منکر ہے۔ معتزلہ فرقے کی ابتدا کس طرح ہوئی؟ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تابعین میں سے ہیں۔ یہ بصرہ کی مسجد میں پڑھاتے تھے اور ان کا حلقۂ درس بہت بڑا تھا۔ ان کا ایک شاگرد تھا واصل ابن عطاء۔ اُوٹ پٹانگ دماغ کا مالک تھا۔ اس نے اُلٹی سیدھی باتیں شروع کیں۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے اس کو سمجھانے کی بڑی کوشش کی مگر وہ نہ سمجھا۔ ساتھیوں نے بھی سمجھایا مگر نہ سمجھا۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ساتھیو! اِعْتَزَلَ عَنَّا "یہ ہمارے نظریہ سے الگ ہو گیا ہے۔" اعتزال کے معنیٰ ہیں جدا ہونا۔ اس سے آگے فرقہ معتزلہ بنا۔

تو اس فرقے کا بانی واصل بن عطاء ہے۔ اس کی پیدائش ۸۰ھ اور وفات ۱۳۱ھ میں ہوئی۔ یہ شفاعت کا منکر تھا اور کہتا تھا کہ مجرم کو چھڑانے کے لیے سفارش کرنی کہاں جائز ہے اور کہتا تھا کہ قبر میں عذاب فقط روح کو ہوتا ہے بدن اور روح دونوں کو نہیں ہوتا۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کے دیدار کا منکر تھا اور کہتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو نہیں ہو سکا اور کون ہے دیکھنے والا۔

رؤیتِ باری تعالیٰ اور معتزلہ کا رد

لیکن یاد رکھنا! قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار حق ہے اور قرآن کریم، احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝﴾ [قیامہ: پارہ:۲۹] "اُس دن کئی چہرے تر و تازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔" اور حدیث پاک میں آتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا حضرت! هَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ کیا ہم دیکھیں گے اپنے رب کو قیامت والے دن؟

خلاصہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چودھویں رات کا چاند ہو بادل دھند وغیرہ کوئی آڑ بھی نہ ہو تو تمھیں نظر آتا ہے یا نہیں؟ کہنے لگے حضرت! نظر آتا ہے۔ فرمایا یہ بتلاؤ کہ دوپہر کا وقت ہو سورج سر پر ہو اور کوئی دھند بادل وغیرہ بھی نہ ہو تو تمھیں سورج نظر آتا ہے یا نہیں؟ کہنے لگے حضرت! نظر آتا ہے۔ فرمایا كَذٰلِكَ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ "اسی طرح تم اپنے پروردگار کا دیدار کرو گے۔" اور امتِ مسلمہ کا اجماع اور اتفاق ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوگی۔ ساری امت کا کسی مسئلے پر اتفاق ہو جائے تو یہ بھی بڑی وزنی دلیل ہے۔ تو یہ تین دلیلیں قطعی ہیں۔ زیارت کریں گے اپنی اپنی استعداد کے مطابق۔ جو بہت نیک ہوں گے خدا جانے وہ دن میں دو دفعہ دیکھیں یا تین دفعہ دیکھیں۔ ایسے بھی ہوں گے جو ایک دفعہ دیکھیں گے اور ایسے بھی ہوں گے جن کو ہفتے میں ایک مرتبہ زیارت ہوگی، بعض کو مہینے میں ایک دفعہ۔

بہر حال قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار حق ہے۔ باقی واصل ابن عطاء کا خیال باطل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نہیں دیکھ

سکے تو کون دیکھ سکے گا۔ باطل اس لیے ہے کہ دنیا کے مسائل اور ہیں اور آخرت کے مسائل اور ہیں۔ آخرت کی چیزیں ہم دنیا میں نہیں سمجھ سکتے۔ مثلاً: بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جنت میں طوبیٰ نامی ایک درخت ہوگا اس کا اتنا لمبا سایہ ہوگا کہ تیز رفتار گھوڑا ہو سو سال تک اس کے سائے کو طے نہ کر سکے۔ اور قرآن کریم میں آتا ہے وہاں دودھ کی نہریں ہوں گی، شراب طہور کی نہریں ہوں گی۔ آج ہمیں دودھ کی نہریں سمجھ نہیں آتیں کہ یہاں تو دودھ رات کو رکھو تو صبح کو دہی ہو جائے گا یا کھٹا ہو جائے گا، بے کار ہو جائے گا اور وہ ہمیشہ دودھ ہی ہوگا۔ لہٰذا آخرت کی باتوں کو دنیا کی باتوں پر قیاس کرنا غلط ہے۔

تو فرمایا کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا لیکن پہاڑ کی طرف دیکھ اگر وہ اپنی جگہ پر قائم رہا تو پھر تو مجھے دیکھ سکے گا۔ شاعروں کے خیال الگ ہوتے ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے:

دل میں آتا ہے لگا دوں آگ کوہِ طور کو
پھر خیال آتا ہے موسیٰ (علیہ السلام) بے وطن ہو جائے گا

یہ شاعرانہ تخیلات ہیں۔

﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ﴾ پس جس وقت تجلی ڈالی اس کے پروردگار نے پہاڑ پر ﴿جَعَلَهٗ دَكًّا﴾ تو کر دیا اس کو ریزہ ریزہ ﴿وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا﴾ اور گر پڑے موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ہاتھ کی جو چھوٹی انگلی ہے چھنگلی جس کو ہم چیچی کہتے ہیں اس کے ایک پورے کے برابر اللہ تعالیٰ نے اپنے جلال کا نور ڈالا کہ جس سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے ﴿فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ﴾ پس جب موسیٰ علیہ السلام ہوش میں آئے تو کہا ﴿سُبْحٰنَكَ﴾ تیری ذات پاک ہے ﴿تُبْتُ اِلَيْكَ﴾ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں ﴿وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور میں مومنوں میں سے پہلا ہوں۔ کیونکہ نبی پہلے مانتا ہے پھر لوگوں کو دعوت دیتا ہے ﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ﴾ اے موسیٰ علیہ السلام بے شک میں نے تجھے منتخب کیا ہے لوگوں پر ﴿بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ﴾ اپنے پیغام کے ساتھ اور اپنے کلام کے ساتھ۔ میں نے تیرے ساتھ کلام کیا ہے اور اپنے پیغام اور احکام دے کر تجھے نبوت دی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا بڑا بلند مقام ہے۔ عقائد پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں لکھا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سے سب سے بلند اور پہلا درجہ حضرت محمد رسول اللہ کا ہے، صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے اور مقام کو نہ انسانوں میں سے کوئی پہنچ سکتا ہے نہ جنوں میں سے، نہ فرشتوں میں سے، نہ اس جہان میں اور نہ اگلے جہان میں۔

اور یاد رکھنا! جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننا ضروری ہے وہاں خاتم النبیین ماننا بھی ضروری ہے اور ایمان کی بنیاد ہے۔ لیکن اس کے باوجود خدائی اختیارات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان کروایا ﴿قُلْ اِنِّىْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ [جن:۲۱، پارہ:۲۹] "اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہہ دیں میں تمہارے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں۔" اور یہ بھی کہہ دیں ﴿قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ [الاعراف:۱۸۸] "میں اپنے نفع و نقصان کا

مالک بھی نہیں ہوں۔" جب آپ ﷺ اپنے ذاتی نفع ،نقصان کے مالک نہیں ہیں اور مخلوق کے نفع نقصان کے مالک بھی نہیں ہیں تو اور کون ہوسکتا ہے جو کسی نفع ،نقصان کا مالک ہو؟

یہ ٹکے ٹکے کے ملنگ لوگوں کو ڈراتے پھرتے ہیں کہ میں اس طرح کردوں گا اور اس طرح کردوں گا۔ اگر تیرے پاس اتنی قوت ہے تو پھر مانگتا کیوں پھرتا ہے؟ سارے خزانے اکٹھے کر کے رکھ لو اور کھاتے رہو۔ ان ملنگوں نے ایک اور فتنہ شروع کیا ہوا ہے کہ نعرہ مارتے ہیں" دم مست قلندر علی کا پہلا نمبر۔" ایک تو لوگوں سے پیسے لیتے ہیں خیرات کے ذریعے اور دوسرا لوگوں کا ایمان بگاڑتے ہیں اور ان سے سن کر چھوٹے چھوٹے بچے بھی کہتے پھرتے ہیں" دم مست قلندر علی کا پہلا نمبر۔" یہ رافضیوں کا نظریہ ہے کہ خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پہلا نمبر ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چوتھا نمبر ہے۔ پہلا نمبر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے دوسرا نمبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے اور تیسرا نمبر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہے اور چوتھا نمبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے مرتبے میں بھی اور خلافت میں بھی۔

گداگروں کو رقم دینے کا حکم

ایسے لوگوں کو پیسے دینا حرام ہے۔ فقہی کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ جو گا بجا کر مانگے اس کو بالکل نہ دو۔ اب چونکہ فطرانے کے دن آرہے ہیں اور مانگنے والے تمہارے پاس آئیں گے لہٰذا مسئلہ سمجھ لیں کہ فطرانے کا مصرف بھی وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے۔ جس کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے اس کو فطرانہ دینا بھی جائز نہیں ہے۔ زکوٰۃ اور فطرانہ سید کو دینا جائز نہیں ہے۔ لینے والا سادات میں سے نہ ہو۔ حضرت علی، حضرت عباس، حضرت جعفر، حضرت عقیل رضی اللہ عنہم اور آنحضرت ﷺ کے چچا حارث، وہ خود مسلمان نہیں ہوئے ان کی اولاد مسلمان ہوئی ہے۔ یہ سادات ہیں ان میں سے نہ ہو ان کو زکوٰۃ، فطرانہ، عشر اور ہر قسم کا کفارہ، یہ واجب قسم کے جتنے صدقات ہیں ان کو نہیں لگتے اور کسی نے ان کو زکوٰۃ وغیرہ دے دی تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

اسی طرح زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ جتنے ہیں اس آدمی کو بھی دینا جائز نہیں ہیں جس کا عقیدہ صحیح نہ ہو اور وہ نماز روزے کا پابند نہ ہو۔ ان کو اگر تم دو گے تو اس کے گناہ پر اس کی مدد کرنے والے ہو گے۔ لہٰذا زکوٰۃ فطرانہ دیکھ کر دو۔ یہ نہیں کہ جو تمہارے پاس آ گیا اس کو زکوٰۃ فطرانہ وغیرہ دے دیا۔ کافر، مشرک کو دو گے بالکل ادا نہ ہوگا۔ میں نے مسئلہ سمجھا دیا ہے قیامت والے دن یہ نہ کہنا ہمیں کسی نے مسئلہ نہیں سمجھایا تھا۔ لہٰذا ان چیزوں کا خاص خیال رکھو۔

تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلام اور پیغام کے لیے چنا اور فرمایا ﴿فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ﴾ پس پکڑ تو وہ چیز جو میں نے تجھے دی ہے ﴿وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ اور ہو جاؤ تم شکر ادا کرنے والوں میں سے۔ آگے ذکر آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا چیزیں دیں۔

﴿وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ﴾ اور لکھ دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے تختیوں میں ﴿مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً﴾ ہر قسم کی نصیحت ﴿وَّ تَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ﴾ اور تفصیل ہر چیز کے لیے ﴿فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ﴾ پس پکڑو ان تختیوں کو قوت کے ساتھ ﴿وَّ اْمُرْ قَوْمَكَ﴾ اور حکم دیں اپنی قوم کو ﴿یَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا﴾ کہ وہ پکڑیں ان تمام اچھی چیزوں کو ﴿سَاُورِیْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِیْنَ﴾ عنقریب میں دکھاؤں گا تم کو نافرمانوں کا گھر ﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ﴾ میں پھیر دوں گا اپنی آیتوں سے ﴿الَّذِیْنَ یَتَكَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ﴾ جو تکبر کرتے ہیں زمین میں ناحق ﴿وَ اِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ﴾ اور اگر وہ دیکھ لیں ہر قسم کی نشانی ﴿لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا﴾ تو اس پر ایمان نہ لائیں ﴿وَ اِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ﴾ اور اگر وہ دیکھیں بھلائی کا راستہ ﴿لَا یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا﴾ تو نہ بنائیں وہ اس کو اپنا راستہ ﴿وَ اِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ﴾ اور اگر وہ دیکھیں گمراہی کا راستہ ﴿یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا﴾ تو بنالیں اس کو اپنا راستہ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا﴾ یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ﴾ اور تھے وہ ان آیات، نشانیوں سے غافل ﴿وَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿وَ لِقَآءِ الْاٰخِرَةِ﴾ اور آخرت کی ملاقات کو ﴿حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ﴾ ضائع ہو گئے ان کے اعمال ﴿هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ نہیں بدلہ دیے جائیں گے مگر اس چیز کا جو وہ کرتے تھے۔

بنی اسرائیل کے مطالبے پر کہ اب ہم آزاد قوم ہیں ہمارے لیے کوئی قانون ہونا چاہیے کہ کوئی قوم قانون کے بغیر وقت نہیں گزار سکتی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر بلا کر تورات عطا کی اور فرمایا ﴿فَخُذْ مَاۤ اٰتَیْتُكَ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ﴾ "پس پکڑو وہ چیز جو میں نے تجھے دی ہے اور شکر گزاروں میں سے ہو جاؤ۔" یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکریہ ادا کرو۔

اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً﴾ اور لکھ دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے تختیوں میں ہر قسم کی نصیحت۔ تورات کی دس تختیوں پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے لکھوایا جس طرح ہمارے سامنے کاغذوں پر قرآن کریم لکھا ہوا ہے اسی طرح تختیوں پر نصیحت لکھوائی۔ نصیحت کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرو، اس کی نافرمانی نہ کرو، بڑوں کا ادب کرو، پیغمبروں پر ایمان لاؤ، قیامت کو تسلیم کرو، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور کسی کو قولاً اور فعلاً تکلیف نہ دو۔ یہ تمام چیزیں اس میں درج تھیں ﴿وَّ تَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ﴾ اور ہر چیز کی تفصیل تھی۔ ہر چیز سے مراد یہ ہے کہ جو چیزیں ان کی ضرورت اور ان کے متعلق تھیں۔ یہ نہیں کہ دنیا کہ ساری چیزوں کی تفصیل تھی کیوں کہ ہماری شریعت اور ان کی شریعت میں بڑا فرق تھا۔ مثلاً: ہم پر پانچ نمازیں فرض ہیں اور ان پر دو نمازیں فرض تھیں۔ تو تین نمازوں کی تفصیل تورات میں نہیں تھی اس لیے کہ یہ ان کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی طرح بہت ساری ایسی چیزیں تھیں جو ان کی شریعت میں تھیں اور ہماری شریعت میں نہیں ہیں

اور بہت سی ایسی چیزیں تھیں جو ان کی شریعت میں نہیں تھیں اور ہماری شریعت میں ہیں۔تو جو چیزیں ان کی شریعت تھیں ان کی تفصیل تھی۔

﴿فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ﴾ پس پکڑو ان تختیوں کو قوت کے ساتھ۔ کہ تختیاں وزنی تھیں اور تورات میں جو احکام تھے آزاد قوم کے لیے وہ بھی کافی مشکل تھے ﴿وَّاْمُرْ قَوْمَكَ﴾ اور حکم دیں اپنی قوم کو ﴿يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا﴾ کہ وہ پکڑیں ان تمام اچھی چیزوں کو۔ کیوں کہ تورات میں جتنی چیزیں تھیں وہ ساری اچھی ہی تھیں۔ اس مقام پر نہیں مگر دوسری جگہ میں آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب تورات لوگوں کے سامنے پیش کی قوم نے غور کے ساتھ سنی۔ کہنے لگے یہ کتاب تو بہت مشکل ہے اس پر تو عمل نہیں ہو سکتا ایسا کرو کہ اس کو واپس لے جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے کہو کہ ہمیں کوئی سہل سی کتاب دیں جس پر ہم عمل کر سکیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پہلے تم نے آزادی زندگی گزاری ہے اب تمھیں یہ قید والی زندگی نظر آرہی ہے کچھ دن اس پر عمل کرو اللہ تعالیٰ آسانی پیدا فرما دیں گے۔ مگر قوم نے کہا کہ آپ ضرور اللہ تعالیٰ کے آگے درخواست کریں کیوں کہ یہ کتاب بہت مشکل ہے، ہم سے عمل نہیں ہو سکتا۔

دیکھو! جو لوگ نماز نہیں پڑھتے ان کے لیے نماز پہاڑ سے بھی مشکل ہے اور جو لوگ روزے نہیں رکھتے ان کے لیے روزے قیامت ہیں۔ حالانکہ چھوٹے چھوٹے دن ہیں نہ پیاس لگتی ہے نہ بھوک اور جو لوگ نماز پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں ان کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے اور چونکہ بنی اسرائیل نے حیوانوں کی طرح زندگی بسر کی تھی نہ نمازیں تھیں اور نہ روزے تھے تو ان کے لیے دفعتاً یہ بات بہت مشکل تھی۔

آگے آئے گا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میرے ساتھ آدمی بھیجو میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کروں گا کہ ہمیں کوئی آسان سے احکام عطا فرما ﴿وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا﴾ [الاعراف:۱۵۵] "اور منتخب کیے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی ہمارے وعدے کے وقت پر لانے کے لیے۔" یہ نمائندے تھے بنی اسرائیل کے۔ جس وقت یہ کوہِ طور کے پاس وادی مقدس میں پہنچے اور اللہ تعالیٰ کا کلام اُنھوں نے کانوں سے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کتاب میں نے دی ہے میں علیم خبیر ہوں جو احکام میں نے دیئے ہیں یہ تمہاری طاقت کے مطابق ہیں اور اگر بشری تقاضے سے کوئی غلطی ہوگئی تو میں غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ہوں بخش دوں گا۔ اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تو کہنے لگے ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ "ہم تو ہرگز تیری تصدیق نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں اللہ تعالیٰ کو ظاہر ﴿فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ﴾ پس پکڑ لیا تمھیں بجلی نے۔"

اصحابِ موسیٰ علیہ السلام کی حیات بعد الموت؟

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر بجلی گری اور ستر آدمی مارے گئے تو ﴿رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ﴾ "موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے پروردگار! اگر تو چاہتا تو ان کو ہلاک کر دیتا اس سے پہلے ہی اور مجھے بھی ﴿اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا﴾ کیا ہلاک کرتا ہے ہمیں اس چیز کے ساتھ جو کی ہے ہم میں سے بعض بے وقوفوں نے۔" یہ تو قوم کے نمائندے تھے لوگ کہیں گے

ہمارے نمائندوں کو مار آئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ زندہ کیا یہ بڑی اکھڑ مزاج قوم تھی۔

تو فرمایا ان تمام اچھی چیزوں پر عمل کرو ﴿سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ عنقریب میں دکھاؤں گا تم کو نافرمانوں کا گھر۔ ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ فاسقین کے گھر سے مراد شام کا علاقہ ہے کہ اس وقت شام کے علاقے میں سارے نافرمان اور کافر تھے تو اس کا وعدہ ہوا کہ عنقریب اس علاقے پر تمہارا قبضہ ہو جائے گا۔

اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ ﴿دَارَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ سے مراد مصر کا علاقہ ہے کہ یہاں تم پہلے غلامی کی حالت میں تھے ایک وقت آئے گا کہ وہ تمہارا دارالخلافہ ہوگا اور وہاں تم حکمران ہو گے۔ اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ ﴿دَارَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ سے مراد دوزخ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد جنت بھی سامنے آجائے گی اور دوزخ بھی سامنے آجائے گی اور دوزخ نافرمانوں کا گھر ہے۔

قبر کے حالات

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آدمی کی وفات ہو جاتی ہے اور قبر میں دفنانے کے بعد مٹی ڈال کر واپس لوٹتے ہو تو اِنَّ الْمَيِّتَ يَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ بخاری اور مسلم کی روایت ہے بے شک مردہ ان کے جوتوں کی کھڑ کھڑاہٹ سنتا ہے۔ میت میں جان پڑ جاتی ہے وہ سنتی ہے کہ یہ واپس جا رہے ہیں۔ دو فرشتے آجاتے ہیں منکر نکیر، عام لوگوں کے لیے اور مومنوں کے لیے آتے ہیں مبشر بشیر۔ وہ سوال کرتے ہیں مَنْ رَّبُّكَ تیرا رب کون ہے مَنْ نَّبِيُّكَ تیرا نبی کون ہے مَا دِيْنُكَ تیرا دین کیا ہے۔ اگر آدمی سوالوں میں کامیاب ہو گیا تو فوراً جہنم کی طرف سے کھڑکی کھل جاتی ہے۔ وہ گھبرا جاتا ہے کہ میں نے سوالوں کے جواب تو ٹھیک دیے ہیں دوزخ کی آگ مجھے کیوں نظر آرہی ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ یہ تیرا ٹھکانا نہیں ہے یہ تجھے بتانے کے لیے دکھایا ہے کہ اگر نافرمانی کرتا تو پھر یہ تیرا ٹھکانا ہوتا۔ پھر اس کو بند کر کے جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے اور جنت کی ساری نعمتیں اس کو قبر میں حاصل ہوتی ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ "قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النِّيْرَانِ یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ﴾ میں پھیر دوں گا اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو ﴿الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ جو تکبر کرتے ہیں زمین میں ناحق۔ غلط راستے پر ڈٹے ہوئے ہیں میں ان کو اپنی آیات پر ایمان لانے کی توفیق نہیں دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کو اختیار دیا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ "پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔" اپنی مرضی سے جو شخص ایمان کی نیت کرے گا اللہ تعالیٰ ﴿شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ [الزمر: ۲۲] "اللہ تعالیٰ اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دے گا۔" اور جو شخص کفر پر ڈٹا رہے گا اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔ اللہ تعالیٰ جبراً نہ کسی کو ایمان دیتا ہے اور نہ کسی کو کافر بناتا ہے۔

تو متکبرین کو اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں سے پھیر دیں گے کہ ان کو ماننے کی توفیق نہیں ہوگی۔ حدیث پاک میں آتا ہے

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان ہوئے کہ اس طرح تو کوئی بھی جنت میں نہیں جائے گا کہ ہم سب اچھے کپڑے پہنتے ہیں، سر پر پٹے رکھتے ہیں، تیل لگاتے ہیں، کنگھی کرتے ہیں، عمدہ جوتا پہنتے ہیں۔ اُنھوں نے اس کو تکبر سمجھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ تو جمال ہے، خوبصورتی ہے، تکبر نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار ہے اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ "اللہ تعالیٰ خوب صورت ہے خوب صورتی کو پسند کرتا ہے۔" شرعی دائرے میں رہتے ہوئے اچھا لباس پہننا یہ تکبر نہیں ہے اور جو شخص طاقت رکھتے ہوئے اچھا لباس نہیں پہنتا وہ گناہ گار ہے۔ اس لیے کہ اس نے رب کی نعمت کا اظہار عملی طور پر نہیں کیا حالانکہ یہ مطلوب ہے۔ تکبر کہتے ہیں بَطَرُ الْحَقِّ "حق کو ٹھکرادینا وَغَمْطُ النَّاسِ اور لوگوں کو حقیر سمجھنا اور اپنے آپ کو اعلیٰ سمجھنا۔"

ان کے تکبر کی علامت یہ ہے کہ ﴿وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا﴾ اور اگر وہ دیکھیں ہر قسم کی نشانی تو بھی اس پر ایمان نہ لائیں گے۔ پہلے گزرا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو نو معجزے دکھائے لیکن وہ لوگ آنکھوں کے ساتھ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے بلکہ وہ جادوگر جو مقابلے کے لیے آئے تھے اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تو فرعون ان کے پیچھے پڑ گیا کہ تم میری اجازت کے بغیر ایمان لائے ہو میں تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے کاٹوں گا اور تمھیں سولی پر لٹکاؤں گا اور اس نے ستر آدمیوں کو اس طرح شہید کیا۔ تو اس سے بڑا تکبر کیا ہوسکتا ہے کہ خود تو ماننا در کنار دوسروں کا ایمان بھی گوارا نہیں۔

یاد رکھنا! ایمان بڑی قیمتی چیز ہے کہ جس کی وجہ سے جنت ملتی ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ﴾ "بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اور وہ اس حالت میں مر گئے کہ وہ کفر کرنے والے ہیں ﴿فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ﴾ [آل عمران: ۹۰] پس ان میں سے کسی ایک سے ہرگز قبول نہیں کی جائے گی سونے سے بھری ہوئی زمین اگرچہ وہ اس کا فدیہ دے دے۔" اور سورۃ زمر میں ہے ﴿وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ﴾ "اور اگر ہو بے شک ان لوگوں کے لیے جنھوں نے ظلم کیا جو کچھ زمین میں ہے سارے کا سارا اور اس جیسا مزید بھی اس کے ساتھ ﴿لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ پھر فدیہ دے دیں میرے عذاب سے قیامت والے دن تو قبول نہیں کیا جائے گا۔" مگر ایمان کی بدولت جنت ملے گی اس سے اندازہ لگاؤ کہ ایمان کتنی قیمتی چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ﴾ اور اگر وہ دیکھیں بھلائی کا راستہ ﴿لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا﴾ تو نہ بنائیں وہ اس کو اپنا راستہ یعنی نیکی کے راستے پر نہیں چلیں گے۔ سورۃ نمل کے پہلے رکوع میں فرعون اور اس کے ساتھیوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا﴾ "اور انکار کیا اُنھوں نے اس کا ﴿وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ﴾ حالانکہ یقین کیا اس کے بارے میں ان کی جانوں نے ﴿ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾ مگر انکار کیا ظلم اور تکبر کی بنا پر۔" یعنی موسیٰ علیہ السلام نے جو نشانیاں اور معجزے دکھائے تھے فرعون، ہامان، شداد، قارون کے دلوں میں یقین تھا کہ واقعی یہ صحیح ہیں انکار کیا سرکشی کی اور زیادتی کرتے ہوئے تکبر کرتے ہوئے۔ کیوں کہ کرسی، اقتدار، بادشاہی، صدارت، وزارت یہ کمبل نہیں چھوڑتے۔

گمراہی کا راستہ

فرمایا ﴿وَ اِنۡ یَّرَوۡا سَبِیۡلَ الۡغَیِّ﴾ اور اگر وہ دیکھیں گمراہی کا راستہ ﴿یَتَّخِذُوۡہُ سَبِیۡلًا﴾ تو بنالیں اس کو اپنا راستہ۔ گمراہی کے راستے پر چلتے ہیں راہِ سنت پر نہیں چلتے جانتے ہوئے بھی ﴿ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا﴾ یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔ تورات کو اور دیگر آسمانی آیات اور معجزات کو ﴿وَ کَانُوۡا عَنۡہَا غٰفِلِیۡنَ﴾ اور تھے وہ ان آیات اور نشانیوں سے غافل۔

سب سے بڑا معجزہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معجزات عطا ہوئے ہیں ان میں قرآن سب سے بڑا معجزہ ہے اور یہ قیامت تک رہنے والی کتاب ہے۔ عرب اس کی فصاحت اور بلاغت کو جانتے تھے اور اس کی تاثیر کو بھی مانتے تھے تاثیر کی وجہ سے ﴿سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ﴾ کہتے تھے کہ یہ جادو اثر کرتا ہے اس کی تاثیر حق ہونے کی وجہ سے نہیں جادو ہونے کی وجہ سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں شق قمر چاند کا دو ٹکڑے ہونا بھی ہے اور یہ معجزہ مخالفین نے خود طلب کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تصدیق کے لیے چاند کو دو ٹکڑے کردیا۔ ﴿اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَ انۡشَقَّ الۡقَمَرُ﴾ "قریب آگئی قیامت اور پھٹ گیا ہے چاند۔ کہنے لگے ﴿سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ﴾ یہ جادو ہے جو مسلسل چلا آرہا ہے۔" اب اس ضد کا دنیا میں کوئی علاج ہے کہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو ﴿وَ لِقَآءِ الۡاٰخِرَۃِ﴾ اور آخرت کی ملاقات کو یعنی قیامت کو جھٹلایا ﴿حَبِطَتۡ اَعۡمَالُہُمۡ﴾ ضائع ہوگئے ان کے اعمال۔ جو عمل اُنھوں نے کیے ہیں سب اکارت ہوگئے۔ کافر بھی اچھے کام کرتے ہیں سڑکیں بناتے ہیں، مسافر خانے بناتے ہیں، ہسپتال اور یتیم خانے بناتے ہیں، پانی کا انتظام کرتے ہیں، رفاہِ عام کے بڑے بڑے کام کرتے ہیں بلکہ ظاہری طور پر دیکھو تو رفاہِ عام کے کام مسلمانوں سے زیادہ کرتے ہیں لیکن ایمان نہ ہونے کی وجہ سے کسی چیز کا ان کو آخرت میں فائدہ نہیں ہوگا۔ غریبوں کی ہمدردی، یتیموں کی معاونت، بیواؤں کے ساتھ تعاون، سب اکارت ہوجائیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ہَلۡ یُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ﴾ نہیں بدلہ دیئے جائیں گے مگر اس چیز کا جو وہ کرتے تھے۔ جو کفر، شرک اور نافرمانی کی، اس کا انھیں بدلہ ملے گا اور باقی کسی نیکی کا بدلہ نہیں ملے گا۔

﴿وَ اتَّخَذَ قَوۡمُ مُوۡسٰی مِنۡۢ بَعۡدِہٖ﴾ اور بنالیا موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان کے طور پر جانے کے بعد ﴿مِنۡ حُلِیِّہِمۡ عِجۡلًا﴾ اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا ﴿جَسَدًا لَّہٗ خُوَارٌ﴾ وہ ایک جسم تھا اس کے لیے گائے کی آواز تھی ٹیں ٹیں ﴿اَلَمۡ یَرَوۡا﴾ کیا انھوں نے نہ دیکھا ﴿اَنَّہٗ لَا یُکَلِّمُہُمۡ﴾ کہ بے شک وہ نہیں کلام کرتا ان سے ﴿وَ لَا یَہۡدِیۡہِمۡ

سَبِیۡلًا﴾ اور نہ ان کی راہنمائی کرتا ہے راستے کی ﴿اِتَّخَذُوۡہُ وَ کَانُوۡا ظٰلِمِیۡنَ﴾ اُنھوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا اور وہ ظالم تھے ﴿وَ لَمَّا سُقِطَ فِیۡۤ اَیۡدِیۡہِمۡ﴾ اور جس وقت وہ لوگ نادم اور پریشان ہوئے ﴿وَ رَاَوۡا اَنَّہُمۡ قَدۡ ضَلُّوۡا﴾ اور اُنھوں نے دیکھا، سمجھ گئے کہ تحقیق وہ گمراہ ہو چکے ہیں ﴿قَالُوۡا﴾ اُنھوں نے کہا ﴿لَئِنۡ لَّمۡ یَرۡحَمۡنَا رَبُّنَا﴾ اگر نہیں رحم کرے گا ہم پر ہمارا پروردگار ﴿وَ یَغۡفِرۡ لَنَا﴾ اور ہمیں نہیں بخشے گا ﴿لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ﴾ البتہ ہم ہو جائیں گے نقصان اٹھانے والوں میں سے ﴿وَ لَمَّا رَجَعَ مُوۡسٰۤی اِلٰی قَوۡمِہٖ﴾ اور جب لوٹے موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس ﴿غَضۡبَانَ اَسِفًا﴾ غصے میں تھے افسوس کرتے ہوئے ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿بِئۡسَمَا خَلَفۡتُمُوۡنِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِیۡ﴾ بہت بُری خلافت کی ہے تم نے میرے طور پر جانے کے بعد ﴿اَعَجِلۡتُمۡ اَمۡرَ رَبِّکُمۡ﴾ کیا تم نے جلدی کی اپنے رب کے حکم کے بارے میں ﴿وَ اَلۡقَی الۡاَلۡوَاحَ﴾ اور جلدی سے رکھ دیا تورات کی تختیوں کو ﴿وَ اَخَذَ بِرَاۡسِ اَخِیۡہِ﴾ اور پکڑ لیا اپنے بھائی کے سر کو ﴿یَجُرُّہٗۤ اِلَیۡہِ﴾ اس کو اپنی طرف کھینچنے لگے ﴿قَالَ﴾ اس نے کہا ﴿ابۡنَ اُمَّ﴾ اے میری ماں کے بیٹے ﴿اِنَّ الۡقَوۡمَ اسۡتَضۡعَفُوۡنِیۡ﴾ بے شک قوم نے مجھے کمزور سمجھ لیا تھا ﴿وَ کَادُوۡا یَقۡتُلُوۡنَنِیۡ﴾ اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے ﴿فَلَا تُشۡمِتۡ بِیَ الۡاَعۡدَآءَ﴾ پس تو نہ خوش کر میرے ذریعے دشمنوں کو ﴿وَ لَا تَجۡعَلۡنِیۡ مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ﴾ اور نہ کر تو مجھے ظالم قوم کے ساتھ ﴿قَالَ﴾ عرض کیا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ وَ لِاَخِیۡ﴾ اے پروردگار! معاف کر دے مجھے اور میرے بھائی کو ﴿وَ اَدۡخِلۡنَا فِیۡ رَحۡمَتِکَ﴾ اور داخل کر ہمیں اپنی رحمت میں ﴿وَ اَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ﴾ اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لینے کے لیے کوہِ طور پر تشریف لے گئے اور حضرت ہارون علیہ السلام کو قوم میں اپنا خلیفہ بنا گئے کہ ان کا خیال رکھنا اور قوم کو بھی تاکید کر گئے کہ جو دین تمھارے پاس ہے اس میں گڑبڑ نہ کرنا۔ بنی اسرائیل کے پاس فرعونیوں کے زیورات تھے کافی مقدار میں، سونا چاندی، ہیرے جواہرات۔

یہ زیورات ان کے پاس کیسے آئے تھے؟ اس کے متعلق امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرعونی چونکہ امیر اور مال دار لوگ تھے اس لیے ان کو چوروں ڈاکوؤں کا خطرہ رہتا تھا اور بنی اسرائیلی غریب لوگ تھے ان کے نوکر اور کمّی تھے۔ یہ زیورات ان کے پاس بطور امانت رکھے ہوئے تھے کہ غریب کے گھر چور نہیں پڑتے اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اُنھوں نے اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادیوں کے موقع پر ان سے مانگے تھے۔ آج بھی دستور ہے کہ غریب آدمی دوسروں کے زیورات مانگ کر وقت گزارتے ہیں اور یہ بات پہلے تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکی ہے کہ مالِ غنیمت پہلی قوموں کے لیے جائز نہیں تھا لہٰذا وہ اس کو استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ سورۃ طٰہٰ میں آتا ہے کہ اُنھوں نے سارا مال سونا، چاندی، ہیرے موتی لے جا کر

جنگل میں دبا دیئے تھے۔

بنی اسرائیل کا ابوجہل ؟

موسیٰ بن ظفر قبیلہ بنو سامرہ کا آدمی تھا۔ سولہویں پارے میں سامری کا لفظ آتا ہے۔ یہ منافق اور اس زمانے کا ابوجہل تھا۔ ظاہری طور پر کلمہ پڑھتا تھا لیکن حقیقت میں کلمے کا قائل نہیں تھا۔ اس نے وہ زیورات نکال کر ان کا بچھڑا بنایا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے کی مٹی جو اس نے اُس موقع پر اٹھائی تھی جب فرعونیوں کے غرق ہونے کے موقع پر جبرئیل علیہ السلام گھوڑے پر سوار ہو کر آئے تھے۔ وہ مٹی اس نے اس بچھڑے کے منہ میں ڈالی اس سے ٹیں ٹیں کی آواز نکلنا شروع ہو گئی۔ سامری نے کہا ﴿هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَ اِلٰهُ مُوْسٰى﴾ "یہ تمھارا بھی الٰہ ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا بھی۔" بڑی عجیب بات ہے کہ ان زیورات کو استعمال کرنے کی تو اجازت نہیں تھی اور انھیں جنگل میں پھینک دیا لیکن ان زیورات کا بچھڑا بنا تو اس کی پوجا شروع کر دی۔ کتنی کم عقلی کی بات ہے۔ انسان کی جب عقل ماری جائے تو پھر ہوش و حواس بھی خطا ہو جاتے ہیں۔

تو اس کا ذکر ہے ﴿وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ اور بنا لیا موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان کے طور پر جانے کے بعد ﴿مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا﴾ ان کے پاس جو زیورات تھے ان کا بچھڑا ﴿جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ﴾ وہ ایک جسم تھا اس کے لیے گائے کی آواز تھی۔ ٹیں ٹیں، اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ﴾ کیا اُنھوں نے نہ دیکھا کہ بے شک وہ نہیں کر سکتا کلام ان سے۔ صرف ٹیں ٹیں کی تو کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ﴿وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ [النساء: ۱۶۴] اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کلام کرتا ہے اور وہ بچھڑا صرف ٹیں ٹیں کرتا تھا تو صرف ٹیں ٹیں سے تو کچھ نہیں بنتا مگر جب عقل ماری جائے تو یہی کچھ ہوتا ہے۔

رب رُٹے، عقل کھسے ؟

ہندوستان میں ہندوؤں کا ایک خاندان تھا اس کو داہمار جی کہتے تھے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ عورتوں کو ننگا کر کے مردان کی شرم گاہ کی پوجا کرتے تھے اور عورتیں مردوں کی شرم گاہ کی پوجا کرتی تھیں۔ عورتیں کہتی تھیں کہ مردوں کی شرم گاہ، یہ دنیا کی جڑ ہے اور مرد کہتے تھے کہ عورتوں کی شرم گاہ، یہ دنیا کا منبع ہے۔

تو اُنھوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی اسی بچھڑے کی پوجا کی وجہ سے ہندوستان میں گائے کی بڑی قدر ہوتی ہے وہ اس کو ماں کہتے ہیں، گاؤ ماتا اور مسلمان گائے کی قربانی کریں تو ان کی شامت آجاتی ہے بے چارے چھپ چھپا کر قربانی کرتے ہیں۔ بسا اوقات پتا چل جائے تو لڑائی ہو جاتی ہے، جانیں بھی ضائع ہو جاتی ہیں۔

اگر جان کا خطرہ ہو ؟

اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر جان کا خطرہ ہو تو ضروری نہیں کہ گائے کی قربانی دی جائے بکرے چھترے کی کر لو۔ تو جس

بچھڑے کو انہوں نے الٰہ بنایا نہ تو ان سے کلام کر سکتا ہے ﴿وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا﴾ اور نہ ان کی راہنمائی کرتا ہے راستے کی ﴿اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ﴾ اُنھوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا اور وہ ظالم تھے ﴿وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ﴾ سقط کے معنیٰ گرنا، تو معنیٰ ہوگا جب گرائے گئے ان کے چہرے ہاتھوں میں۔ جب آدمی پشیمان ہوتا ہے تو اپنے ہاتھوں کو کاٹتا ہے۔ تو اب اس کا لازمی معنیٰ ہوگا اور جس وقت وہ لوگ نادم اور پریشان ہوئے ﴿وَرَاَوْا اَنَّهُمْ﴾ اور اُنھوں نے دیکھا سمجھ گئے کہ بے شک وہ ﴿قَدْ ضَلُّوْا﴾ تحقیق وہ گمراہ ہو چکے ہیں۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کی آمد سے پہلے کی بات ہے کہ ابھی کوہِ طور سے واپس تشریف نہیں لائے تھے ﴿قَالُوْا﴾ اُنھوں نے کہا ﴿لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا﴾ اگر نہیں رحم کرے گا ہم پر ہمارا پروردگار ﴿وَيَغْفِرْ لَنَا﴾ اور ہمیں نہیں بخشے گا ﴿لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ البتہ ہم ہو جائیں گے نقصان اٹھانے والوں میں سے ﴿وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ﴾ اور جب لوٹے موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس ﴿غَضْبَانَ اَسِفًا﴾ غصے میں تھے افسوس کرتے ہوئے کہ بچھڑے کی پوجا ہوئی توحید پر زد پڑی ﴿قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ﴾ فرمایا بہت بری خلافت کی ہے میرے طور پر جانے کے بعد ﴿اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ﴾ کیا تم نے جلدی کی اپنے رب کے حکم کے بارے میں۔ رب تعالیٰ نے مجھے بلایا تھا تورات کے لیے ابھی تک میں تورات لایا نہیں، رب کا حکم تم تک پہنچا یا نہیں اور تم نے یہ حرکت شروع کر دی۔

اس جگہ اجمال ہے اور دوسری جگہ تفصیل ہے موسیٰ علیہ السلام جب واپس آئے تو سخت غصے میں تھے اور لوگ بھی یہی سمجھ چکے تھے کہ ہم گمراہ ہو چکے ہیں تو کہنے لگے حضرت! ہم توبہ کرتے ہیں۔ فرمایا ﴿فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ [البقرۃ: ۵۴] "تم اپنی جانوں کو قتل کرو" کہ ان کی شریعت میں مرتد کی توبہ قتل ہی تھی۔ قتل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جنھوں نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی وہ اُن کو قتل کریں جنھوں نے بچھڑے کی پوجا کی ہے۔ تب مرتد کی توبہ قتل ہی تھی۔

شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں مرتد کا حکم ؟

ہماری شریعت میں حکم یہ ہے کہ معاذ اللہ اگر کوئی مرتد ہو جائے اور سچے دل سے توبہ کرے مسلمان ہو جائے تو گنجائش ہے۔ البتہ مرتد ہونے سے پہلے اس نے جو نیکیاں کی تھیں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی، عمرہ وغیرہ وہ ضائع ہو گئیں ان کا اجر نہیں ملے گا۔ اب توبہ کرنے کے بعد جو نیکیاں کرے گا صرف ان کا اجر ملے گا۔

ایک جملے سے ساٹھ سال کی عبادت ضائع ؟

حدیث پاک میں آتا ہے کہ بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ ساٹھ ساٹھ سال تک عبادت کرتے ہیں اور اتفاقاً زبان سے ایسا کلمہ نکل جاتا ہے یعنی پہلے سے کوئی منصوبہ یا پروگرام بھی نہیں ہوتا اس لفظ کے نکالنے کا، اچانک نکل جاتا ہے اور ساٹھ سال کی عبادت ضائع ہو جاتی ہے۔ مثلاً: کسی کو کہو کہ بھائی جی! نماز پڑھا کرو اور وہ جواب میں کہے کہ نماز میں کیا رکھا ہے؟ تو اتنا کہنے سے وہ کافر ہو گیا اور اس کی اس سے پہلے کی تمام نیکیاں اکارت ہو گئیں یا کسی کو کہا کہ روزہ رکھا کرو اور وہ جواب میں کہے کہ

روزے میں کیا رکھا ہے۔تو یہ کلمہ کفر ہے اس سے پہلے جو نیکیاں کی تھیں وہ سب برباد ہو گئیں۔ یا کسی کو کہو کہ بھائی ڈاڑھی رکھ لو وہ کہے کہ ڈاڑھی میں کیا رکھا ہے تو وہ کافر ہو گیا اور اس سے پہلے کی تمام نیکیاں ضائع ہو گئیں، نکاح ٹوٹ گیا اگر عورت نے ایسا کوئی لفظ کہا تو وہ مرتد ہو گئی اور نکاح ٹوٹ گیا خاوند نے کہا تو وہ مرتد ہو گیا نکاح ٹوٹ گیا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں کہ ہر مہینے تازہ نکاح ہونا چاہیے۔اس لیے کہ ہماری زبان سے ایسے لفظ نکلتے رہتے ہیں ایسا نہ ہو کہ آئندہ اولاد بھی حرامی پیدا ہوتی رہے۔اندازہ لگاؤ فقہائے کرام رحمہم اللہ کی احتیاط کا اور ہم تو ان باتوں کو کچھ نہیں سمجھتے۔یاد رکھنا! دین کی معمولی چیز کے ساتھ مذاق بھی کفر ہے۔

جب مسلمانوں کی حکومت کاشغر تک تھی مسلمان ترپین (۵۳) لاکھ مربع میل کے رقبے پر قابض ہو گئے اور قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ قاضی القضاۃ یعنی چیف جسٹس تھے۔ان کے سامنے ایک مسئلہ پیش ہوا کہ ایک آدمی نے دوسرے آدمی کے سامنے حدیث بیان کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سالن میں کدو کو پسند کرتے تھے دوسرے شخص نے ناک چڑھا کر کہا اَمَّا اَنَا لَا اُحِبُّ الْقَدْعَ "بہرحال میں کدو کو پسند نہیں کرتا۔" ان لفظوں پر مقدمہ درج ہوا قاضی القضاہ امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے حکم سنایا کہ یہ آدمی مرتد ہو گیا ہے کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان ہوئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کدو کو پسند کرتے تھے۔اگر اس کو طبعی طور پر قبول نہیں تھا تو چھوڑ دیتا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مقابلے میں یہ کہنا کہ میں تو کدو کو پسند نہیں کرتا کفر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مونچھوں کے متعلق قص کا لفظ بھی آتا ہے یعنی قینچی سے کٹوانا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے کہ قینچی کے ساتھ کاٹنا بہتر ہے اور حدیث میں اُحْفُوا الشَّوَارِبَ کے لفظ بھی آتے ہیں کہ مونچھوں کو بالکل صاف کر دو۔امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے کہ حلق افضل ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ وکیل احناف ہیں فرماتے ہیں: وَالْحَلْقُ اَفْضَلُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَاَبِیْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ وَبِهٖ نَاْخُذُ "مونچھوں کو اُسترے سے صاف کرانا افضل ہے اور یہی قول ہے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا اور اسی پر ہمارا عمل ہے۔"

مسئلہ اولیٰ، غیر اولیٰ ہے

لیکن یاد رکھنا! مسئلہ اولیٰ غیر اولیٰ کا ہے جائز ناجائز کا نہیں ہے جیسے رفع یدین کا مسئلہ ہے۔ چار اماموں میں سے دو امام، امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رفع یدین کرنا مستحب بھی نہیں ہے، رکوع کو جاتے ہوئے اور سر اٹھاتے ہوئے اور دو امام، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ صرف مستحب ہے اور مستحب کے لیے بازو چڑھانا اور لڑنا جھگڑنا جیسے بعض غیر مقلدین کا طریقہ ہے یہ غُلُوّ فی الدین ہے۔قرآن پاک میں آتا ہے ﴿وَلَا تَنَازَعُوْا﴾ "جھگڑا نہ کرو۔" ڈاڑھی کے متعلق ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ڈاڑھی نیچے سے بھی کٹواتے تھے اور ادھر اُدھر سے بھی۔یہ پرلے درجے کی

کمزور روایت ہے۔اس کی سند میں ایک راوی ہے عمر ابن ہارون، اس کے متعلق محدثین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں اَکْذَبُ مِنْ فِرْعَوْنَ "یہ فرعون سے بھی بڑا جھوٹا تھا۔" صحیح بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاڑھی کو کبھی نہیں چھیڑا نہ کسی صحابی نے ڈاڑھی منڈوائی ہے نہ کٹوائی ہے اور ڈاڑھی کے مسئلے پر کوئی اختلاف نہیں ہوا۔تو اول تو غیر اولیٰ پر جھگڑنے کی بجائے اس مسئلے پر زور دو جو واجب ہے اور جس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

ڈاڑھی کی اہمیت

اب بات سمجھیں کہ ایک آدمی نے دوسرے آدمی کی مونچھیں مونڈی ہوئی دیکھیں تو استہزاء کے طور پر کہا کہ بھائی جی! آپ نے پھاٹک بنایا ہے کہ اِدھر بھی ڈاڑھی اور اُدھر بھی ڈاڑھی اور درمیان سے مونچھیں صاف۔تو فقہ اکبر میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ مذاق کرنے والا آدمی مرتد ہے اور اس کا نکاح ٹوٹ گیا کیونکہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ استہزاء کیا۔تو بسا اوقات ایسا کلمہ کفر زبان سے نکل جاتا ہے کہ جس سے اعمال ضائع ہو جاتے۔

﴿ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ ﴾ اَلْقَاء کے لفظی معنیٰ ہیں پھینکنا۔یہاں فرماتے ہیں کہ القاء کے معنیٰ ہیں جلدی سے نیچے رکھنا، جلدی سے نیچے رکھنے کو القاء سے تعبیر کیا ہے کہ جلدی سے ہاتھ فارغ ہو جائیں کہ ہارون علیہ السلام سے دو، دو ہاتھ کرنے ہیں ﴿ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ ﴾ اور پکڑ لیا اپنے بھائی کے سر کو ﴿ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ﴾ اس کو اپنی طرف کھینچنے لگے۔چونکہ حضرت ہارون علیہ السلام کی طبیعت جمالی تھی شاید ان کی نرمی کی وجہ سے بگاڑ پیدا ہوا ہے۔پیغمبر کی توہین مقصود نہیں تھی۔

ماں کی شفقت

﴿ قَالَ ﴾ ہارون علیہ السلام نے کہا ﴿ ابْنَ اُمَّ ﴾ اے میری ماں کے بیٹے۔جیسے وہ ماں کے بیٹے تھے باپ کے بیٹے بھی تھے مگر ماں میں شفقت زیادہ ہوتی ہے طبعی طور پر اور وہ شفقت ماں میں نہ ہو تو بچے کی تربیت کبھی نہیں ہو سکتی۔کون ہے جو ٹھنڈی راتوں میں اُٹھ کر پیشاب کرائے، پاخانہ صاف کرے۔تو ماں کا واسطہ دیا کہ ماں میں شفقت زیادہ ہوتی ہے فرمایا اے میری ماں کے بیٹے! ﴿ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ ﴾ بے شک قوم نے مجھے کمزور سمجھ لیا تھا ﴿ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ﴾ اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے۔میں نے مسئلہ بیان کرنے میں اور سمجھانے میں کوئی کمی نہیں کی اور نہ کمزوری دکھائی ہے ﴿ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ ﴾ پس تو نہ خوش کر میرے ذریعے دشمنوں کو کہ دشمن کہیں گے کہ اچھے پیغمبر ہیں کہ ایک دوسرے کی ڈاڑھی کھینچتے ہیں، سر پکڑتے ہیں چھوٹے نے بڑے کی توہین کی ہے اور شَمَاتَتِ اَعْدَاء بھی بُری چیز ہے۔

کبیرہ گناہوں کی تعداد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی تکلیف پر خوشی محسوس کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ بڑے چوٹی کے

محدث ہیں اُنھوں نے کتاب لکھی ہے" کتاب الکبائر" اس میں اُنھوں نے کوشش کی ہے کہ جو بڑے بڑے گناہ ہیں ان کی نشاندہی کی جائے۔ ایک روایت حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے آئی ہے کہ ستر کے قریب گناہ کبیرہ ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کبیرہ گناہ سات سو کے قریب ہیں اور گناہ کبیرہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتا اور اگر کسی کا حق ہے تو جب تک اس کا حق نہیں دو گے معاف نہیں ہوگا اور جو صغیرہ گناہ ہیں وہ نیکیوں سے معاف ہو جاتے ہیں۔

مثلاً: مسجد کی طرف آنے کی برکت سے ایک ایک قدم پر دس دس نیکیاں ملیں گی اور ایک ایک صغیرہ گناہ خود بخود مٹتا جائے گا اور ایک ایک درجہ بلند ہو جائے گا۔ وضو کی برکت سے، نماز کی برکت سے، روزے کی برکت سے، جمعہ پڑھنے کی برکت سے، حج اور عمرہ کی برکت سے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور کبیرہ گناہ نیکیوں کی وجہ سے معاف نہیں ہوتے یہاں تک کہ حج اور عمرہ کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتے۔ کبیرہ گناہ توبہ سے معاف ہوگا اور فرض نمازیں اور روزے بھی توبہ سے معاف نہیں ہوتے جب تک ان کی قضا نہیں کرو گے۔ یہ مسئلہ میں کئی دفعہ واضح کر چکا ہوں۔

فرمایا ﴿وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ اور نہ کر تو مجھے ظالم قوم کے ساتھ۔ اُنھوں نے ظلم کیا ہے میں نے اپنا فریضہ پورا ادا کیا ہے موسیٰ علیہ السلام کو یقین آ گیا کہ ان کی کوئی کوتاہی نہیں۔ جب تحقیق ہوگئی تو ﴿قَالَ﴾ عرض کیا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ﴾ اے پروردگار! معاف کر دے مجھے اور میرے بھائی کو۔ مجھے معاف کر دے اس کوتاہی پر کہ بھائی کا سر اور ڈاڑھی پکڑ کر کھینچی اور دعا میں حضرت ہارون علیہ السلام کو شریک کیا دل جوئی کے لیے ورنہ ان کا کوئی قصور نہیں تھا ﴿وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ﴾ اور داخل کر ہمیں اپنی رحمت میں ﴿وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ﴾ اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ﴾ بے شک وہ لوگ جنھوں نے بنا لیا بچھڑے کو معبود ﴿سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ پہنچے گا ان کو غضب ان کے رب کی طرف سے ﴿وَذِلَّةٌ﴾ اور ذلت ﴿فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ دنیا کی زندگی میں ﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ﴾ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں افترا باندھنے والوں کو ﴿وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے بُرے کام کیے ﴿ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا﴾ پھر توبہ کی انھوں نے ان بُرے کاموں کے بعد ﴿وَاٰمَنُوْٓا﴾ اور سچے دل سے ایمان لائے ﴿اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا﴾ بے شک تیرا رب توبہ کرنے کے بعد ﴿لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ البتہ بخشنے والا مہربان ہے ﴿وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَی الْغَضَبُ﴾ اور جب تھم گیا موسیٰ علیہ السلام سے غصہ ﴿اَخَذَ الْاَلْوَاحَ﴾ پکڑ لیا انھوں نے تختیوں کو ﴿وَفِیْ نُسْخَتِهَا هُدًی وَّرَحْمَةٌ﴾ اور ان تختیوں میں لکھی ہوئی تھی ہدایت اور رحمت ﴿لِّلَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے ﴿هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ﴾ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ﴿وَاخْتَارَ مُوْسٰی

﴿قَوْمَهٗ﴾ اور چُنے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ﴿سَبْعِيْنَ رَجُلًا﴾ ستر آدمی ﴿لِّمِيْقَاتِنَا﴾ ہمارے مقرر کردہ وقت کے لیے ﴿فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ پس جس وقت پکڑا ان کو زلزلے نے ﴿قَالَ﴾ کہا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ﴾ اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو ان کو ہلاک کر دیتا اس سے پہلے ہی اور مجھے بھی ﴿اَتُهْلِكُنَا﴾ کیا تو ہلاک کرتا ہے ہمیں ﴿بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا﴾ اس کارروائی کی وجہ سے جو کی ہے ہم میں سے بعض بے وقوفوں نے ﴿اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ﴾ نہیں ہے یہ مگر تیری آزمائش اور امتحان ﴿تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ﴾ تو گمراہ کرتا ہے اس کے ساتھ جس کو چاہتا ہے ﴿وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ﴾ اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ﴿اَنْتَ وَلِيُّنَا﴾ تو ہی ہمارا کارساز ہے ﴿فَاغْفِرْ لَنَا﴾ پس بخش دے ہم کو ﴿وَارْحَمْنَا﴾ اور رحم فرما ہم پر ﴿وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ﴾ اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔

بچھڑے کی پوجا کرنے والوں کا انجام:

موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر چلا آرہا ہے اور یہ بات بھی بیان ہوئی تھی کہ بنی اسرائیل نے فرعونیوں کے جو زیور پھینکے تھے سامری نے ان کو اُٹھا کر ڈھال کر بچھڑا بنا دیا اور جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدموں کی مٹی اس کے منہ میں ڈالی اس سے ٹیں ٹیں کی آواز نکلنی شروع ہوگئی تو کچھ نادان لوگوں نے اس کی پوجا شروع کر دی۔ کوئی بوسہ دیتا ہے، کوئی طواف کرتا ہے، کوئی ہاتھ لگاتا ہے، کوئی سجدہ اور کوئی رکوع کرتا ہے۔ جو مشرک قوموں کا طریقہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ﴾ بے شک وہ لوگ جنھوں نے بنا لیا بچھڑے کو معبود ﴿سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ عنقریب پہنچے گا ان کو غضب ان کے رب کی طرف سے ﴿وَذِلَّةٌ﴾ اور ذلت ﴿فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی میں۔ وہ ذلت یہ تھی کہ رب تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ﴿فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ "پس توبہ کرو اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے پس قتل کرو ایک دوسرے کو ﴿ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ﴾ [البقرہ: ۵۴] یہ بہتر ہے تمہارے پیدا کرنے والے کے ہاں۔"

مرتد کی توبہ:

گزشتہ درس میں عرض کیا تھا کہ ان شریعتوں میں مرتد کی توبہ قتل تھی صرف توبہ سے معافی نہیں تھی۔ یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اور وسیلے سے اس امت کے واسطے سہولت ہوگئی کہ معاذ اللہ تعالیٰ اگر کوئی مرتد ہو جائے پھر سچے دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف فرما دیتے ہیں اور ان کی توبہ قتل تھی۔ چنانچہ غیر مجرموں نے مجرموں کو قتل کیا اور قتل ہونے والے کافی تعداد میں تھے۔ تفسیروں میں ستر ہزار تک تعداد کا ذکر ملتا ہے۔ فرمایا ﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ﴾ اور اسی طرح ہم

بدلہ دیتے ہیں افترا باندھنے والوں کو کہ جو رب تعالیٰ پر جھوٹا افترا باندھے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرائے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو قتل کرو ﴿وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ﴾ اور وہ لوگ جو عمل کرتے ہیں بُرے ﴿ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا﴾ پھر توبہ کی ان بُرے کاموں کے بعد ﴿وَاٰمَنُوْٓا﴾ اور سچے دل سے ایمان لائے ﴿اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک تیرا رب توبہ کرنے کے بعد البتہ بخشنے والا مہربان ہے۔

توبہ کی قبولیت میں تفصیل:

کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ غلط فہمی کا شکار نہ ہونا کہ توبہ کی قبولیت میں تفصیل ہے۔ حق دو قسم کے ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حق دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں کہ ان کی قضا نہیں ہے۔ مثلاً: کسی نے شراب پی لی، زنا کر لیا، طاقت کے ہوتے ہوئے امر بالمعروف نہی عن المنکر نہیں کیا۔ یہ گناہ کبیرہ ہیں اور ان کی قضا نہیں ہے۔ ایسے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرے گا معاف ہو جائیں گے۔

اور دوسرے وہ حق ہیں جن کی قضا ضروری ہے۔ مثلاً: نماز، روزہ، زکوٰۃ، عشر، اگر یہ کسی کے ذمہ ہیں تو کروڑ مرتبہ بھی توبہ کرے تو معاف نہیں ہوں گے جب تک ان کی قضا نہیں کرے گا۔ مرد، عورت کے بالغ ہونے کے بعد ایک نماز یا ایک روزہ رہ گیا تو کروڑ مرتبہ بھی توبہ سجدے میں گر گر کرے معاف نہیں ہوگا جب تک اس کی قضا نہیں کرے گا۔ اور اسی طرح حقوق العباد بھی توبہ سے معاف نہیں ہوتے وہ حق چاہے اپنوں کے ہوں یا غیروں کے ہوں۔ مثلاً: بھائی کا حق کھا گیا، باپ بیٹے کا حق کھا گیا، بیٹا باپ کا حق کھا گیا کہ اس کی دل آزاری کرتا ہے یا اس کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں تصرف کرتا ہے۔ یہ سب گناہِ کبیرہ ہیں اور فقط زبانی توبہ سے معاف نہیں ہوں گے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ان کا حق ادا کیا جائے اور ان سے معافی مانگی جائے کہ میں نے تمہاری گستاخی کی ہے تمہارا حق کھایا تھا مجھے معاف کر دو۔ یاد رکھنا! سوئی دھاگے تک بھی معافی نہیں ہے۔ غیبت گناہِ کبیرہ ہے، جھوٹ گناہِ کبیرہ ہے، غیبت سننا بھی گناہِ کبیرہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد دو آدمیوں کو بلا کر فرمایا کہ تم دونوں نماز بھی دوبارہ پڑھو اور آج کے روزے کی بھی قضا کرو۔ وہ بڑے حیران ہوئے کہنے لگے حضرت! ہم نے نماز قاعدے کے مطابق پڑھی ہے اور روزہ میں کھایا پیا بھی کچھ نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِغْتَبْتُمَا فُلَانًا تم دونوں نے نماز سے پہلے فلاں آدمی کی غیبت کی تھی۔ تو غیبت کبیرہ گناہ ہے۔

بچوں کے تحفے کا حکم:

ایک مسئلہ اور بھی اچھی طرح سمجھ لیں کہ لوگ بچوں کو تحفے تحائف دیتے ہیں۔ وہ بچے چونکہ چھوٹے ہوتے ہیں وہ خود سنبھال نہیں سکتے ماں باپ یا دادا دادی وغیرہ کسی نے وصول کر لیے۔ تو یہ اس بچے کے کھاتے میں ہیں ان کو کوئی اور استعمال نہیں

کر سکتا، بچے کی اجازت دینے کے باوجود بھی۔ کیوں کہ بچہ اجازت دینے کا اہل نہیں ہے اس لیے اس کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اگر بچے کے علاوہ کسی اور مصرف میں استعمال کیا تو حرام کا ارتکاب کیا ہے اور اس بچے کے علاوہ کسی اور نے کھایا تو خنزیر کھایا ہے۔ عورتیں اس مسئلے کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ اگر بچے کے کپڑے تنگ ہو گئے ہیں تو وہ کپڑے اس کے دوسرے بہن بھائی نہیں پہن سکتے وہ اسی کے کھاتے میں ہیں کسی اور کو دینے کی اجازت نہیں ہے۔ (ہاں اگر ان کپڑوں کی قیمت لگا کر پیسے بچے کے مصرف میں خرچ کیے تو پھر دوسروں کو دے سکتے ہیں۔ بلوچ) ہمارے اندر بہت ساری کوتاہیاں ہیں بے چارے روزے اور نمازیں کیا کریں گی حلال، حرام کی تمیز تو ہم میں ختم ہو گئی ہے۔

تو یاد رکھنا! حقوق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوں گے بے شک کوئی کروڑ مرتبہ بھی توبہ کرے۔ توبہ کی شرائط ہیں۔ بخاری شریف میں حدیث ہے قیامت کا دن ہوگا وہاں ایسے بندے بھی ہوں گے کہ جن کی نیکیوں کے وہاں پہاڑ قائم ہوں گے۔ وہ بندہ دیکھ کر بڑا خوش ہوگا کہ میری نیکیاں بڑی ہیں خیر سلا ہے۔ جس وقت حساب شروع ہوگا ایک آدمی آئے گا اور کہے گا اے پروردگار! اس نے مجھے گالی دی تھی پروردگار! اس نے مجھے گھور کر دیکھا تھا، پروردگار! اس نے میرا مال کھایا تھا، پروردگار! اس نے میرے ساتھ زیادتی کی تھی، کوئی کہے گا اے پروردگار! اس نے میری غیبت کی تھی۔ اس کی وہ سب نیکیاں ان پر تقسیم ہو جائیں گی اور وہ جو پہاڑ نظر آرہے تھے ذرہ بھی نہیں رہیں گے۔ اُن کے گناہ اٹھا کر اِس کے سر پر رکھ دیئے جائیں گے اور دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ تو بندے کا حق بڑی سخت چیز ہے۔

موسیٰ علیہ السلام جب کوہِ طور سے واپس آئے اور دیکھا کہ قوم گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئی ہے تو سخت غصے میں آئے حضرت ہارون علیہ السلام کا سر اور ڈاڑھی پکڑ کر جھنجھوڑا کہ شاید ان کی نرمی سے یہ کام ہوا ہے۔ پھر جب اُنھوں نے وضاحت فرمائی کہ میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی میں نے تو ان کو اتنا سمجھایا ہے کہ قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے اب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔

ارشادِ ربانی ہے ﴿وَ لَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ﴾ اور جب تھم گیا موسیٰ علیہ السلام سے غصہ ﴿أَخَذَ الْأَلْوَاحَ﴾ پکڑ لیا اُنھوں نے تختیوں کو جو جلدی سے نیچے رکھی تھیں ﴿وَ فِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّ رَحْمَةٌ﴾ اور ان تختیوں میں لکھی ہوئی تھی ہدایت اور رحمت ﴿لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔

اعجازِ قرآن:

تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں قرآن کریم کا مرتبہ سب سے بلند ہے اور الحمد للہ! آج تک اپنی اصلی شکل میں موجود ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود پروردگار نے لیا ہے۔ فرمایا ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹، پارہ: ۱۴] "بے شک، ہم نے اُتارا ہے ذکر کو اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔" قرآن کریم کے الفاظ محفوظ ہیں، اس کا لب و لہجہ محفوظ ہے، اس کا ترجمہ اور تفسیر محفوظ ہے۔ قرآن کریم کے بعد درجے میں تورات کا مقام ہے

ہزار ہا سال تک اللہ تعالیٰ کے پیغمبر، علماء، احبار و مشائخ اس کے مطابق عمل کرتے رہے۔ ہمیں معلوم نہیں ہے کہ قرآن کریم کے علاوہ کوئی آسمانی کتاب اپنی اصل شکل میں کہیں موجود ہے۔ پادری صاحبان کا اقرار ہے کہ ان میں تبدیلیاں ہوئی ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام جب تورات لے کر آئے تو لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ یہ کتاب تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے اور ان کو وقفے وقفے کے بعد پڑھ کر سنائی۔ مثلاً: ایک دن دس پارے، دوسرے دن دس پارے، تیسرے دن دس پارے، چوتھے دن دس پارے۔ سب مردوں، عورتوں، بوڑھوں، جوانوں نے ساری تورات سنی۔ جب سن چکے تو کہنے لگے یہ کتاب تو بڑی سخت ہے ہم سے اس پر عمل نہیں ہو سکتا یہ کتاب آپ اللہ تعالیٰ کے پاس لے جائیں اور ہمیں اور کوئی آسان سی کتاب لا کر دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ بڑے رؤف و رحیم ہیں، رحمن ہیں، علیم ہیں، خبیر ہیں اس نے جو حکم دیئے ہیں صحیح ہیں۔ کہنے لگے اللہ تعالیٰ کے سامنے درخواست کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فرمایا ٹھیک ہے کوئی حرج نہیں ہے۔

﴿وَاخْتَارَ مُوسٰی قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا﴾ اور چنے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ستر آدمی ہمارے مقرر کردہ وقت کے لیے۔ فرمایا میں ان نمائندوں کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ کے سامنے درخواست کروں گا کہ ہمیں کوئی آسان سی کتاب دے دیں یا اس میں جو سخت حکم ہیں ان میں نرمی پیدا فرما دے۔ چنانچہ ستر آدمی لے کر موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر پہنچ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کی اے پروردگار! آپ تو جانتے ہیں مگر میں ان کی نمائندگی کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ یہ کہتے ہیں کہ تورات کے احکام بڑے سخت ہیں لہٰذا یہ کتاب واپس لی جائے اور ہمیں اس کی جگہ کوئی آسان سی کتاب دی جائے یا اس کے فلاں فلاں حکم میں ترمیم ہو جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا یہ کتاب ان کی طاقت کے مطابق ہے۔ ﴿لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ "اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ حکم نہیں دیتا۔" چونکہ تم نے پہلے آزاد زندگی گزاری ہے حیوانوں کی طرح۔ اب پابندیوں سے گھبراتے ہو کچھ دن عمل کرو گے عادت بن جائے گی مشکل نہیں ہوگی۔

ستر آدمیوں کا مطالبہ اور ان کا انجام!

اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام اپنے کانوں سے سنا لیکن اکڑ گئے۔ کہنے لگے ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ [البقرہ:۵۵] "ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہم اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔" یہاں رَجْفَةُ کا لفظ ہے رجفہ کا معنیٰ زلزلہ اور پہلے پارے اور دوسرے مقامات پر صَاعِقَة کا لفظ ہے جس کا معنیٰ بجلی ہے۔ آسمان سے جب بجلی گری تو اس کے ساتھ زمین پر زلزلہ بھی پیدا ہوا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَمَّاۤ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ پس جس وقت پکڑا ان کو زلزلے نے ﴿قَالَ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا ﴿رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِیَّایَ﴾ اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو ان کو ہلاک کر دیتا اس سے پہلے اور مجھے بھی۔ تو قادر

مطلق ہے۔ وہیں گھروں میں بھی ان کو ہلاک کر سکتا تھا اور مجھے بھی۔ ہم سارے تیری مخلوق ہیں حکم تو تیرا ہی نافذ ہے ﴿اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا﴾ کیا تو ہمیں ہلاک کرتا ہے اس کارروائی کی وجہ سے جو کی ہے ہم میں سے بعض بے وقوفوں نے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ درخواست کی اور پہلے پارے میں ہے ﴿ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ "پھر ہم نے تمھیں زندہ کیا مرنے کے بعد تاکہ تم شکریہ ادا کرو۔" یہ گرفت اس وجہ سے ہوئی کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو حکم میں نے دیئے ہیں یہ تمہاری طاقت کے مطابق ہیں ان پر عمل کرو اور اگر کوئی کمی ہوئی تو میں غفور، رحیم ہوں بخش دوں گا۔ تو ان میں سے بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو ہو سکے اس پر عمل کرو نہیں ہو سکتا تو میں معاف کر دوں گا۔ اس پر گرفت ہوئی ﴿اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ﴾ نہیں ہے یہ مگر تیری آزمائش اور امتحان ﴿تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ﴾ تو گمراہ کرتا ہے اس آزمائش کے ساتھ جس کو چاہتا ہے ﴿وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ﴾ اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

سطحی قسم کے لوگوں کے اعتراض کا جواب:

میں پہلے کئی دفعہ عرض کر چکا ہوں کہ سطحی قسم کے لوگ جب اس عنوان کی آیات پڑھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے تو پھر اس میں ہمارا کیا دخل ہوا۔ ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ جب اللہ تعالیٰ ہی نے دلوں پر مہر لگا دی، کانوں پر مہر لگا دی اور آنکھوں پر پردے ڈال دیئے تو بندے کا کیا قصور ہے بندہ تو مجبور ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہوا جیسے شاعر نے کہا ہے:

درمیان دریا قعر تختہ بندم کردہ ای
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

رسیوں میں جکڑ کر پانی میں پھینک دیا جائے اور کہا جائے کہ بھیگنا نہیں۔ بھائی! وہ بھیگے گا نہیں تو کیا کرے گا۔ اس لیے میں نے قرآن کریم کی آیات کھول کر دکھائی ہیں اور تمھیں پڑھائی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ضابطہ ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ "پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔" اور جو ایمان لانے کی نیت کرے گا ﴿وَيَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ﴾ [الرعد: ۲۷] "اللہ تعالیٰ راہنمائی کرتا ہے اپنی طرف اس کی جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔" اور کفر کا بھی اس نے اختیار دیا ہے۔ تیرھویں پارے میں ہے ﴿يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [ابراہیم: ۲۷] "اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے۔" جو اپنے کفر اور شرک پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ جبراً اللہ تعالیٰ نہ تو کسی کو ہدایت دیتا ہے اور نہ کسی کو گمراہ کرتا ہے۔ ہدایت میں بھی انسان کا اپنا دخل ہے اور گمراہی میں بھی۔ اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ "جدھر کوئی پھرنا چاہتا ہے ہم ادھر ہی پھیر دیتے ہیں۔" اگر کوئی ایمان کی طرف آئے گا تو فرمایا ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ [العنکبوت: ۶۹] "اور جو کوشش کرتے ہیں ہماری طرف آنے کی ہم ضرور راہنمائی کرتے ہیں ان کو اپنے راستوں کی۔" یعنی اپنی طرف آنے کی توفیق دے دیتے ہیں اور ﴿فَلَمَّا

زَاغُوْا﴾ "اور جب وہ ٹیڑھے راستے پر چلتے ہیں ﴿اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ [الصف:۵] تو اللہ تعالیٰ ان کے دل ٹیڑھے کر دیتا ہے۔"
فرمایا ﴿اَنْتَ وَلِیُّنَا﴾ تو ہی ہمارا کارساز ہے، آقا ہے ﴿فَاغْفِرْ لَنَا﴾ پس بخش دے ہمیں۔ ان نادانوں کی غلطی معاف کر دے ﴿وَارْحَمْنَا﴾ اور رحم فرما ہم پر ﴿وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ﴾ اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔ درگزر کرنے والا ہے۔

﴿وَاكْتُبْ لَنَا﴾ اور لکھ دے ہمارے لیے ﴿فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً﴾ اس دنیا میں بھلائی ﴿وَّ فِی الْاٰخِرَةِ﴾ اور آخرت میں بھی بھلائی ﴿اِنَّا هُدْنَآ اِلَیْكَ﴾ بے شک ہم نے رجوع کیا ہے تیری طرف ﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ﴾ پہنچاؤں گا میں اپنا عذاب جس کو چاہوں گا ﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ﴾ اور میری رحمت وسیع ہے ہر چیز پر ﴿فَسَاَكْتُبُهَا﴾ پس بہ تاکید میں لکھوں گا اس رحمت کو ﴿لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں ﴿وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ اور دیتے ہیں زکوٰۃ ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ اور وہ جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں ﴿اَلَّذِیْنَ﴾ وہ لوگ ہیں ﴿یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ﴾ جو اتباع کرتے ہیں اس رسول کا جو نبی ہے کہ اس نے کسی سے پڑھا نہیں ہے ﴿الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ﴾ وہ جس کو پاتے ہیں ﴿مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ﴾ لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں ﴿یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ وہ حکم دیتا ہے ان کو نیکی کا ﴿وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ اور منع کرتا ہے برائی سے ﴿وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ﴾ اور وہ حلال ہونا بیان کرتا ہے ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو ﴿وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ اور حرمت بیان کرتا ہے ان کے سامنے ناپاک چیزوں کی ﴿وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ﴾ اور اُتارتا ہے ان سے ان کے بوجھ ﴿وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ﴾ اور طوق جو ان پر تھے ﴿فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ﴾ پس وہ لوگ جو اس پر ایمان لائے ﴿وَعَزَّرُوْهُ﴾ اور اس کی تعظیم کی ﴿وَنَصَرُوْهُ﴾ اور اس کی مدد کی ﴿وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ﴾ اور پیروی کی اس نور کی ﴿اُنْزِلَ مَعَهٗٓ﴾ جو اتارا گیا اس کے ساتھ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔

بنی اسرائیل کا مطالبہ:

پہلے سے یہ مضمون چلا آرہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب تورات لا کر قوم کے سامنے پیش کی تو قوم نے کہا کہ یہ کتاب بہت مشکل ہے ہم سے اس پر عمل نہیں ہو سکتا لہٰذا اس کو تبدیل کراؤ یا اس کے احکام میں ترمیم کراؤ۔ اس سلسلے میں موسیٰ علیہ السلام قوم کے ستر نمائندے ساتھ لے گئے اور اللہ تعالیٰ سے اپیل کی کہ اے پروردگار! یہ قوم کے نمائندے میرے ساتھ آئے ہیں یہ کہتے ہیں

کہ اس کتاب کے احکام سخت ہیں ہم سے عمل نہیں ہوسکتا بدل دو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے جو احکام تمھیں دیئے ہیں تمہاری طاقت کے مطابق ہیں (صرف دو نمازیں اور کچھ احکام تھے وہ ہم پر بھی ہیں)۔ اگر اس میں کوئی کمی ہوگی تو میں معاف کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کو انھوں نے کانوں سے سنا، سن کر کہنے لگے ہمیں کیا معلوم ہے کہ یہ جن بول رہا ہے، بھوت بول رہا ہے، کوئی فرشتہ بول رہا ہے، ہم تو رب تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھیں گے تب مانیں گے۔ اس گستاخی پر اللہ تعالیٰ نے ان پر بجلی گرائی یہ ستر آدمی مارے گئے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا۔

اس موقع پر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ﴿وَاكْتُبْ لَنَا﴾ اور لکھ دے ہمارے لیے ﴿فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ اس دنیا کی زندگی میں بھلائی کہ ہم اچھے کام اور نیکیاں کرتے رہیں ﴿وَّفِي الْاٰخِرَةِ﴾ اور آخرت کی زندگی میں بھی ہمارے لیے بھلائی لکھ دے ﴿اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ﴾ بے شک ہم نے رجوع کیا ہے تیری طرف۔

یہودی کی وجہ تسمیہ:

- یہودیوں کو یہودی کہنے کی ایک وجہ تفسیروں میں یہ بیان کی گئی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے قوم کی نادانی کے بعد ان کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے کہا تھا ﴿اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ﴾ ہم نے تیری طرف رجوع کیا۔ ﴿هُدْنَآ﴾ سے یہودی ہیں، رجوع کرنے والے۔

اور ایک وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے کا نام یہودا تھا تو اس کی طرف نسبت کی وجہ سے ان کو یہودی کہا جاتا ہے۔ اور ایک دجہ یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ تَهَوَّدَ کے معنی حرکت کرنا ہے اور ان کے حافظ جب تورات پڑھتے تھے تو حرکت کرتے تھے یعنی آگے پیچھے ہلتے تھے جیسا کہ حفاظ قرآن جب پڑھتے ہیں تو آگے پیچھے جھومتے ہیں اس طرح وہ بھی جھومتے تھے، حرکت کرتے تھے اس لیے ان کو یہودی کہا جاتا ہے۔

﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ﴾ پہنچاؤں گا میں اپنا عذاب جس کو چاہوں گا۔ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا، سرکشی اور بغاوت پر اُترے گا اس کے احکام کی اطاعت نہیں کرے گا اس کو عذاب پہنچے گا ﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ اور میری رحمت ہر شے پر وسیع ہے۔ دنیا میں نافرمانوں کو بھی اولاد، مال، دولت ملتی ہے، بادشاہی اور اقتدار ملتا ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی اور شیطان کا مکالمہ:

شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں ان کو شیطان ملا اور کہنے لگا مجھے جانتے ہو میں کون ہوں؟ فرمایا ہاں! تو ابلیس لعین ہے۔ کہنے لگا اچھا یہ بتاؤ کہ میرے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت میں حصہ ہے یا نہیں؟ فرمایا تیرے لیے رب کی رحمت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ شیطان نے کہا کہ پھر آپ نے قرآن تو پڑھا ہی نہیں ہے۔ کہنے لگے قرآن کریم میں نے

پڑھا ہے۔ابلیس نے کہا قرآن کریم میں آتا ہے ﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ﴾ میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے۔تو میں بھی تو ایک چیز ہوں اور بڑی چیز ہوں تو میرے واسطے رب کی رحمت کیوں نہیں ہے

فَسَكَتَ الشَّيْخُ شیخ خاموش ہو گئے۔

لیکن ہمارے بزرگوں میں سے دو نے اس کا جواب دیا ہے۔ایک حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیو بند نے۔وہ فرماتے ہیں کہ میں ہوتا تو کہتا اے ابلیس! تیرے لیے رحمت اس لیے نہیں ہے کہ تو رحمت کی چھتری کے نیچے ہی نہیں آتا۔رحمت کی چھتری کے نیچے آتا تو رحمت کا کچھ حصہ تجھے ملتا۔اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری کر کے تو رحمت کی چھتری کے نیچے نہیں آیا۔

دوسرا جواب حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ میں ہوتا تو جواب دیتا کہ تیرے واسطے بھی رحمت کا حصہ ہے۔وہ کیسے؟ وہ اس طرح کہ تیرے لیے جتنا عذاب مقدر ہے رب تعالیٰ اس سے زیادہ دینے پر بھی قادر ہے مگر وہ اس سے زیادہ عذاب تجھے نہیں دے گا یہ رب کی رحمت ہے۔

فرمایا ﴿فَسَاَكْتُبُهَا﴾ پس بہ تاکید میں لکھوں گا اس رحمت کو یعنی فرشتوں کو حکم دوں گا لکھنے کا ﴿لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں۔ایک تو رحمت کا حصہ ان کو ملے گا اور کس کو ملے گا؟ فرمایا ﴿وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ اور جو دیتے ہیں زکوٰۃ۔مالی عبادات میں زکوٰۃ کا بہت بلند مقام ہے اور رحمت کن کے لیے ہے؟ فرمایا ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ اور وہ جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ظاہر بات ہے کہ جو ایمان نہیں لاتا، زکوٰۃ نہیں دیتا، رب تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اس کے لیے رحمت کہاں ہوگی وہ تو رحمت کی چھتری کے نیچے آیا ہی نہیں ہے ﴿اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ﴾ وہ لوگ ہیں جو اتباع کرتے ہیں اس رسول کا جو نبی ہے کہ اس نے کسی سے پڑھا نہیں ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے پیغمبر گزرے ہیں وہ تمام اپنے اپنے درجے کے مطابق لکھنا پڑھنا جانتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمی تھے۔

پہلی کتب سماویہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا موجود ہونا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ﴾ "اور نہیں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے اس سے پہلے کوئی کتاب ﴿وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ [العنکبوت: ۴۸] اور نہ لکھتے تھے اس کو اپنے دائیں ہاتھ سے اس وقت البتہ شک کرتے باطل پرست لوگ۔" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمی تھے اور اس بات سے سارے بہ خوبی واقف تھے اور لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو علم نازل فرمایا اس نے ساری دنیا کے علماء کو مات کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اُمی ہیں ﴿الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ﴾ جس کو وہ پاتے ہیں ﴿مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ﴾ لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات تورات میں بھی تھیں اور انجیل میں بھی تھیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفات اور نشانیاں بھی تورات اور

انجیل میں موجود ہیں۔

ان کی خوبی ہے ﴿یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ حکم دیتا ہے ان کو نیکی کا کہ اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مانو، نمازیں پڑھو، روزے رکھو، حج کرو، زکوٰۃ دو، قربانی کرو، سچ بولو، پورا تولو، ماپ کر پورا دو، کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرو ﴿وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ اور منع کرتا ہے برائی سے۔ کہ شرک نہ کرو، بدعت کے قریب نہ جاؤ، تکبر سے بچو، کسی کو گالی نہ دو، کسی کا مال ناجائز نہ کھاؤ، کسی کا حق نہ دباؤ، کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرو۔

حلال، حرام کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے؟

﴿وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ﴾ اور وہ حلال ہونا بیان کرتا ہے ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کا ﴿وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ اور حرمت بیان کرتا ہے ان کے سامنے ناپاک چیزوں کی۔ ﴿یُحِلُّ﴾ کے لفظی معنی حلال کرنے کے ہیں اور ﴿یُحَرِّمُ﴾ کے لفظی معنی حرام کرنے کے ہیں اور حلال حرام کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حرام و حلال کرنے کا اختیار نہیں۔ حلال اور حرام کرنے کی نسبت آپ ﷺ کی طرف بیان کرنے کی وجہ سے میں نے ترجمہ کیا ہے کہ حلال کو بیان کرتے ہیں اور حرمت کو بیان کرتے ہیں۔

تو مسئلہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ حلال کرنا اور حرام کرنا رب تعالیٰ کی صفات ہیں اور مخلوق میں سے یہ صفت کسی کو حاصل نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر صرف اپنی ذات کے لیے شہد کو حرام کیا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے پوری سورۃ تحریم نازل فرمائی ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ "اے نبی! آپ کیوں حرام قرار دیتے ہیں اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے حلال ٹھہرائی ہے ﴿تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ﴾ کیا آپ چاہتے ہیں خوشنودی اپنی بیویوں کی ﴿قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے تمہارے لیے کھول دینا تمہاری قسموں کا۔" فرمایا شہد نہ کھانے کی جو قسم اٹھائی ہے اس کو توڑو کفارہ ادا کرو اور شہد استعمال کرو۔ جب آنحضرت ﷺ کسی چیز کو حرام نہیں قرار دے سکتے تو اور کسی کی کیا حیثیت ہے کہ وہ حرام اور حلال ٹھہراتا پھرے۔

مسلم شریف کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا۔ آج بھی دستور ہے اور اس وقت بھی تھا کہ کھانے کے ساتھ سلاد رکھتے ہیں۔ ٹماٹر، پیاز، مولی، گاجر وغیرہ۔ تو انھوں نے سلاد رکھا اس میں لہسن بھی تھا۔ کچا لہسن دل کی بیماریوں کے لیے بہت بڑا علاج ہے۔ ڈاکٹر بھی کہتے ہیں اور حکیم بھی۔ آپ ﷺ نے باقی چیزیں تو تناول فرمائیں مگر تھوم (لہسن) کو ہاتھ نہ لگایا اور ساتھیوں کے آگے کر دیا اور فرمایا کہ تم کھاؤ۔ ساتھیوں میں سے کسی نے کہا حضرت! کیا تھوم (لہسن) حرام ہے؟ فرمایا نہیں جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے میں اس کو حرام نہیں کر سکتا۔ حضرت! پھر کھاتے کیوں نہیں؟ فرمایا اس لیے نہیں کھاتا کہ تھوم (لہسن) سے بو آتی ہے اور میرے پاس فرشتے آتے ہیں اور فرشتوں کو بو سے نفرت ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ پیاز، تھوم، مولی اور وہ چیز جس سے بو آتی ہو کھا کر فوراً مسجد میں نہ آؤ۔ کیوں کہ فرشتے بو سے نفرت کرتے ہیں اور یاد رکھنا! حقے کی بو تھوم (لہسن) سے بھی زیادہ ہوتی ہے اس کا بھی یہی حکم ہے۔

اور آنحضرت ﷺ کو بو سے کتنی نفرت ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگاؤ۔ ایک صوفی قسم کے بہت نیک آدمی تھے ان کو تبخیر کی تکلیف تھی کسی حکیم نے کہا حضرت! آپ حقہ پیا کریں اس سے تبخیر (گیس) کو فائدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے حقہ پینا شروع کر دیا۔ اُنھوں نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے ہیں اور سامنے بیٹھنے کی بجائے پیٹھ پیچھے بیٹھ گئے ہیں۔ اُنھوں نے آپ ﷺ کی طرف رخ پھیرا تو آپ ﷺ پھر پیٹھ کی طرف ہو گئے پھر چہرہ آپ ﷺ کی طرف پھیرا آپ ﷺ پھر پیٹھ کے پیچھے ہو گئے۔ بڑے پریشان ہوئے اور اسی پریشانی میں آنکھ کھل گئی۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور میں علم تعبیر کے بڑے ماہر تھے۔ ان کے پاس گئے خواب کی تعبیر کے لیے۔ تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ تم حقہ تو نہیں پیتے؟ کہنے لگے پیتا ہوں۔ فرمایا یہی وجہ ہے۔ کیوں کہ آنحضرت ﷺ کو حقے سے نفرت ہے۔

لہٰذا مسجد میں آنے سے پہلے بو کا ازالہ کرو مسواک کے ساتھ، خوشبو لگاؤ۔ اسی لیے حکم ہے کہ جمعہ اور عید کے دن غسل کرو کہ اجتماع ہوتا ہے دوسروں کو تنگی نہ ہو۔ رب توفیق دے تو نئے کپڑے پہن کر آؤ ورنہ دھلے ہوئے پہن کر آؤ، مسواک کر کے آؤ کیوں کہ بعض حضرات کے منہ سے بو آتی ہے اور بعض حضرات کی بغلوں سے بعض کی ناک اور بعض کے کانوں سے اور بعض کی انگلیوں سے اگرچہ یہ ساری چیزیں غیر اختیاری ہیں مگر شریعت کہتی ہے کہ اس کو دور کر دتا کہ دوسروں کو نفرت نہ ہو۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ دوسروں کو تکلیف پہنچانا کتنا بڑا گناہ ہے۔

ایک مسئلہ یہ بھی سمجھ لیں کہ معتکف ضروری غسل مسجد سے باہر جا کر کر سکتا ہے مگر غسل جمعہ جو سنت ہے کرنا چاہے تو مسجد میں ٹب رکھ کر اس میں بیٹھ کر کرے باہر نہیں جا سکتا۔ اسی طرح اگر کسی عورت نے غسل کرنا ہے جو اعتکاف بیٹھی ہے اگر ضروری غسل ہے تو اعتکاف والی جگہ سے باہر جا سکتی ہے اگر ضروری نہیں ہے تو جہاں بیٹھی ہے وہاں سے باہر نہ نکلے۔

تو خیر مسئلہ یہ بیان ہو رہا تھا کہ حرام وحلال کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حلال وحرام کا اختیار نہیں ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابوجہل کی بیٹی جویریہ کے ساتھ نکاح کرنا چاہتے تھے آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ اے علی! میں نے سنا ہے کہ تو جویریہ کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! کچھ بات ہوئی تو ہے۔ فرمایا سن لے "لَسْتُ اُحَرِّمُ حَلَالًا وَّلَا اُحِلُّ حَرَامًا" میں حلال کو حرام نہیں کر سکتا اور حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔" تیرے ساتھ جویریہ کا نکاح حلال ہے لیکن میری بیٹی کا مزاج اور ہے اور اس خاندان کی عورتوں کا مزاج اور ہے۔ میری بیٹی اس کے ساتھ رہ نہیں سکتی۔ میں باپ ہوں اپنی بیٹی کی طرف سے وکالت کر رہا ہوں اگر ضرور ہی اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے تو میری بیٹی فاطمہ کو طلاق دے دے۔ جس وقت طلاق کا سنا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طوطے اُڑ گئے پریشان ہو گئے کہنے لگے حضرت! میری توبہ۔ چنانچہ اُنھوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں کوئی اور

شادی نہیں کی ان کے بعد پھر کوئی نکاح کیے۔

بوجھ اور طوق کی حقیقت؟

فرمایا ﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ﴾ اور اُتارتا ہے ان سے ان کے بوجھ ﴿وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ اور طوق جو ان پر تھے۔ رہا یہ سوال کہ وہ بوجھ اور طوق کیا تھے؟ تو بہت ساری چیزیں ہیں۔ مثلاً: ان پر زکوۃ چوتھائی تھی، چار سو میں سے ایک سو دینا پڑتا، چار ہزار میں سے ایک ہزار، چار لاکھ میں سے ایک لاکھ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں چالیسواں حصہ ہے کہ چالیس سو ہوں تو پھر ایک سو ہے، چالیس ہزار ہوں تو ایک ہزار ہے۔ ان کے لیے مال غنیمت حلال نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے غنیمت کا مال بھی حلال فرمایا ہے، ان کے مردوں کی نماز مسجد کے بغیر نہیں ہوتی تھی اور ہماری شریعت میں ہر پاک جگہ پر نماز درست ہے، اُن کو تیمم کی اجازت نہیں تھی ہر حال میں وضو کرنا پڑتا تھا، اگر کپڑے پر نجاست لگ جاتی تو دھونے سے پاک نہیں ہوتا تھا کاٹنا پڑتا تھا۔ مثلاً: یہ میرے پاس کمبل ہے کسی وقت انسان کی نکسیر پھوٹ پڑتی ہے، بدن میں پھوڑے کا زخم ہوتا ہے اس پر خون کے قطرے لگ جاتے ہیں تو دھونے سے پاک ہو جائے گا اور اگر کاٹنا پڑتا تو یہ کتنا قیمتی کپڑا ہے اندازہ لگاؤ کتنے نقصان کی بات ہے۔

ان پر بہت سی پابندیاں تھیں بعض تفسیروں میں یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص رات کو گناہ کرتا تو صبح کو فرشتے اس کے دروازے پر لکھ دیتے تھے کہ فَعَلَ كَذَا فَلَانٌ کہ فلاں نے یہ حرکت کی ہے۔ یہ تمام بوجھ اور طوق کی باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے اتار دیئے۔

﴿فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ﴾ پس وہ لوگ جو اس پر ایمان لائے ﴿وَعَزَّرُوهُ﴾ اور اس کی تعظیم کی ﴿وَنَصَرُوهُ﴾ اور اس کی مدد کی ﴿وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ﴾ اور پیروی کی اس نور کی جو اتارا گیا اس کے ساتھ۔ وہ نور یہ قرآن کریم ہے۔ چھٹے پارے میں آتا ہے ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا﴾ [النساء: ۱۷۴] "اور ہم نے نازل کیا تم پر نورِ مبین۔" اور سورۃ تغابن میں ہے ﴿فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ "پس ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ﴿وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا﴾ اور اس نور پر جس کو ہم نے اتارا ہے۔" یہ قرآن نور ہدایت ہے، نورِ حق ہے، نورِ توحید، نورِ سنت ہے۔ ﴿أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔ جن کی خوبیاں اوپر بیان ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو انہی اوصاف والا بنائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح معنیٰ میں متبع اور پیروکار بنائے۔

﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہہ دیں ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے انسانو! ﴿إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تم سب کی طرف ﴿الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ وہ اللہ جس کے لیے

حکومت ہے آسمانوں اور زمین کی ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی ﴿يُحْيٖ وَيُمِيْتُ﴾ وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ﴾ پس تم ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر ﴿وَرَسُوْلِهِ﴾ اور اس کے رسول پر ﴿النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ﴾ جو نبی ہے ان پڑھ ﴿الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ﴾ وہ نبی اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے ﴿وَكَلِمٰتِهٖ﴾ اور اس کے فیصلوں پر ﴿وَاتَّبِعُوْهُ﴾ اور تم اس کی پیروی کرو ﴿لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ تاکہ تم ہدایت پا جاؤ ﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ﴾ اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے ایک گروہ تھا ﴿يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ﴾ جو راہنمائی کرتا تھا حق کے مطابق ﴿وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴾ اور اسی حق کے ساتھ انصاف کرتے تھے ﴿وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا﴾ اور ہم نے ان کو جدا جدا کر دیا بارہ خاندانوں کے گروہ بنا کر ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى﴾ اور ہم نے وحی کی موسیٰ علیہ السلام کی طرف ﴿اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ﴾ جس وقت پانی مانگا ان سے ان کی قوم نے ﴿اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾ یہ کہ مار اپنی لاٹھی پتھر پر ﴿فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ﴾ پس پھوٹ پڑے اس پتھر سے ﴿اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾ بارہ چشمے ﴿قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ﴾ تحقیق جان لیا ہر گروہ نے ﴿مَّشْرَبَهُمْ﴾ اپنی پانی پینے کی جگہ کو ﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ﴾ اور ہم نے سایہ کیا ان پر بادلوں کا ﴿وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى﴾ اور نازل کیا ہم نے ان پر من اور سلویٰ ﴿كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں سے جو ہم نے تم کو رزق دیا ہے ﴿وَمَا ظَلَمُوْنَا﴾ اور انھوں نے نہیں ظلم کیا ہم پر ﴿وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ اور لیکن تھے وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ﴿وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ﴾ اور جب کہا گیا ان سے ﴿اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ﴾ ٹھہرو اس بستی میں ﴿وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ﴾ اور کھاؤ اس سے جہاں سے چاہو ﴿وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ﴾ اور کہو ہمارے گناہ معاف ہو جائیں ﴿وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾ اور داخل ہو جاؤ دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے ﴿نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ﴾ بخش دیں گے ہم تمہارے گناہ ﴿سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور بتاکید ہم زیادہ دیں گے نیکی کرنے والوں کو ﴿فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ﴾ پس بدل دی ان لوگوں نے جنھوں نے ظلم کیا تھا ان میں سے ﴿قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ﴾ بات سوا اس کے ﴿قِيْلَ لَهُمْ﴾ جو ان سے کہی گئی تھی ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا﴾ پس بھیجا ہم نے ان پر عذاب ﴿مِّنَ السَّمَآءِ﴾ آسمان سے ﴿بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ﴾ اس وجہ سے کہ تھے وہ ظلم کرتے۔

عالمگیر رسالت :

اس سے پہلی آیات میں یہود و نصاریٰ کو توجہ دلائی گئی تھی کہ تمہاری طرف اس پیغمبر کو بھیجا گیا ہے ﴿يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ﴾ " اس کو پاتے ہیں وہ لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں۔" اور جب وہ پیغمبر تشریف لے

لائے تو اُنھوں نے اعلان کیا ﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم ﷺ! آپ کہہ دیں ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ﴾ اے انسانو! ﴿اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا﴾ بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تم سب کی طرف۔ خطاب عام ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ اے عربیو یا اے عجمیو، اے کالے رنگ والو یا گورے رنگ والو! بلکہ فرمایا ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ﴾ اے انسانو! اور صرف انسان ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ تمام کائنات کے لیے رسول ہیں۔ چنانچہ سورۃ فرقان میں ہے ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا﴾ "بڑی برکت دینے والی ہے وہ ذات جس نے اتارا ہے فرقان اپنے بندے پر تاکہ ہو جائے وہ تمام جہان والوں کے لیے ڈرانے والا۔" تو عالمین انسان جنات سب پر بولا جاتا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کو سب کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔ حدیث پاک میں ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بُعِثْتُ اِلَی الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ اِلَی الْجِنِّ وَالْاِنْسِ "مجھے اللہ تعالیٰ نے کالے، سرخ، انسان، جنات، سب کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔" تمام مکلف مخلوق آپ کی رسالت ماننے کی پابند ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے جس نے اس پیغمبر کو بھیجا ہے۔ فرمایا ﴿الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ وہ اللہ جس کے لیے حکومت ہے آسمانوں اور زمین کی۔ ساری کائنات کا خالق، مالک، رازق، پروردگار ﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے

اِلٰہ کے معنی دستگیر اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی حاجت روا نہیں ہے، مشکل کشا نہیں ہے، فریاد رس نہیں ہے، دستگیر نہیں ہے لہٰذا اس کے سوا نذر و نیاز کے لائق کوئی نہیں ہے۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مرد یا عورت اس طرح منت مانتا ہے کہ اگر ہمارا فلاں مریض تندرست ہو گیا یا میں امتحان میں کامیاب ہو گیا یا میرا فلاں کام ہو گیا تو میں اتنی چیز فلاں بزرگ کے نام پر دوں گا تو وہ کافر ہو گیا، دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ اس لیے کہ نذر عبادت ہے وَالْعِبَادَةُ لَا تَجُوْزُ لِمَخْلُوْقٍ اور عبادت مخلوق کے لیے جائز نہیں ہے۔ عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، کوئی مسجود نہیں ہے، کوئی عالم الغیب نہیں ہے، کوئی حاضر و ناظر نہیں ہے، کوئی مختار کل نہیں ہے، تمام جہانوں کے اختیارات صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔

﴿یُحْیٖ وَیُمِیْتُ﴾ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ﴾ پس تم ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ﴿النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ﴾ جو نبی ہے اَن پڑھ۔ رسول کا معنی ہے لوگوں کو پیغام پہنچانے والا اور نبی کا معنی ہے خبر دینے والا۔ رسول، اللہ تعالیٰ کے پیغام بھی پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے لوگوں کو خبردار بھی کرتا ہے۔ اور آپ ﷺ اُمی ہیں یعنی مخلوق میں سے آپ ﷺ نے کسی سے نہیں پڑھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وہ علوم عطا فرمائے کہ دنیا کے تمام علوم ان کے سامنے ہیچ ہیں۔

﴿الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ﴾ وہ نبی اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور اس کے فیصلوں پر، حکموں پر ﴿وَاتَّبِعُوْهُ﴾ اور تم

اس کی پیروی کرو جو عمل اُنھوں نے کیے ہیں ان پر چلو ﴿لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔ ہدایت آنحضرت ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے ہی سے حاصل ہوگی۔

یہود کا تذکرہ

آگے پھر یہودیوں کا ذکر ہے ﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ﴾ اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے ایک گروہ تھا ﴿يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ﴾ جو راہنمائی کرتا تھا حق کے مطابق۔ لوگوں کو بتاتا تھا کہ حق یہ ہے اس پر قائم رہو ﴿وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴾ اور اسی حق کے ساتھ انصاف کرتے تھے۔ لیکن تھے تھوڑے سے کیوں کہ یہاں مِنْ تبعیضیہ ہے اور اہل حق ہمیشہ تھوڑے رہے ہیں اکثریت ہمیشہ باطل کی رہی ہے۔ آٹھویں پارے میں تم پڑھ چکے ہو کہ مشرکین مکہ نے کہا تھا مردم شماری کرا لیتے ہیں کہ ہمارے ساتھ لوگ زیادہ ہیں یا آپ کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ [الانعام:۱۱۶] "اور اگر آپ اطاعت کریں گے ان لوگوں کی جو اکثر ہیں زمین میں تو بہکا دیں گے آپ کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے۔"

قلت، کثرت حق پہ دال نہیں

اکثریت تو ہمیشہ گمراہوں کی رہی ہے قلت، کثرت کا کوئی سوال نہیں ہے حق، حق ہے چاہے حق والے تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام کا صرف ایک امتی تھا اور ایسے پیغمبر بھی گزرے ہیں کہ جن کو ایک امتی بھی نہیں ملا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں ایسے پیغمبر بھی تشریف لائیں گے جن کے ساتھ ایک امتی ہوگا اور ایسے بھی ہوں گے کہ جن کے ساتھ دو امتی ہوں گے اور ایسے بھی ہوں گے کہ جن کے ساتھ تین امتی ہوں گے اور وہ بھی ہوں گے جن کے ساتھ چار امتی ہوں گے اور وہ بھی ہوں گے جن کے ساتھ پانچ امتی ہوں گے اور وہ بھی ہوں گے جن کے ساتھ دس امتی ہوں گے اور وہ بھی ہوں گے جن کے ساتھ جماعت ہوگی اور سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کی امت ہوگی۔ اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا: تَزَوَّجُوا الْوَلُوْدَ الْوَدُوْدَ اِنِّيْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ "ایسی عورتوں کے ساتھ شادی کرو جو بچے زیادہ جننے والیاں ہوں محبت کرنے والیاں ہوں کیونکہ مجھے امت کی اکثریت کی وجہ سے قیامت والے دن فخر ہوگا۔" اور وہ بچہ جو ماں کے پیٹ میں جان پڑ جانے کے بعد مردہ پیدا ہوا مردم شماری میں وہ بھی باقاعدہ آئے گا۔

یوم قیامت بچے کا جھگڑا

اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایسا بچہ کہ ماں کے پیٹ میں اس کے اندر جان پڑ چکی تھی اور مر گیا مردہ پیدا ہوا وہ قیامت والے دن بڑا جھگڑا کرے گا جس وقت اس کے ماں باپ کو فرشتے دوزخ کی طرف لے جائیں گے وہ ماں باپ کا دامن پکڑ لے گا۔ فرشتے کہیں گے کہ تم جنت میں جاؤ ان کو ہم دوزخ میں لے جائیں گے۔ وہ کہے گا میں تو امی ابو کے ساتھ جاؤں گا اور

اتنا جھگڑا کرے گا کہ رب تعالیٰ فرمائیں گے اے جھگڑالو بچے! ماں باپ کا دامن پکڑ لے اور ان کو جنت میں ساتھ لے جا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا﴾ اور ہم نے ان کو جدا جدا کر دیا بارہ خاندانوں کے گروہ بنا کر۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے اس کا معنیٰ ہے عبداللہ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن میں سے ایک حضرت یوسف علیہ السلام بھی تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹی کوئی نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان بارہ بیٹوں کی آگے نسل چلائی اور وہ مستقل بارہ خاندان بنے۔ ان کے متعلق فرمایا کہ ہم نے ان کو بکھیر دیا بارہ خاندانوں کے گروہ بنا کر ﴿وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی﴾ اور ہم نے وحی کی موسیٰ علیہ السلام کی طرف ﴿اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗ﴾ جس وقت پانی مانگا ان سے ان کی قوم نے ﴿اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾ یہ کہ مار اپنی لاٹھی پتھر پر ﴿فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا﴾ پس پھوٹ پڑے اس پتھر سے بارہ چشمے۔ یہ وادی تیہ کا واقعہ ہے آج کل کے جغرافیے میں اس کا نام وادیٔ سینائی ہے۔

۱۹۶۷ء کی جنگ میں وادی سینائی پر یہودیوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ یہ میدان چھتیس میل لمبا اور چوبیس میل چوڑا ہے اور سطح سمندر سے پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اس کا کچھ حصہ تو مصر کو مل گیا ہے لیکن فوجی اہمیت کا حامل حصہ جہاں تیل ہے وہ اب بھی یہودیوں کے قبضہ میں ہے۔

بنی اسرائیل کا انکارِ جہاد

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر جب اس میدان میں پہنچے تو قوم سے فرمایا کہ شام فلسطین حاصل کرنے کے لیے عمالقہ قوم سے جہاد کرنا ہے۔ کیوں کہ وہ اس علاقے پر قابض تھی۔ قوم نے کہا کہ وہ بڑی سخت جنگ جو قوم ہے ہم ان کے ساتھ نہیں لڑ سکتے ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ [المائدہ: ۲۴] "آپ اپنے رب کے ساتھ جا کر لڑیں ہم یہاں بیٹھے ہیں۔" تو اللہ تعالیٰ نے ان پر وہ علاقہ چالیس سال کے لیے حرام کر دیا۔ چالیس سال تک اسی وادیٔ سینائی میں پھرتے رہو۔ یہ لوگ لاکھوں کی تعداد میں تھے مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، نوجوان، ان کی ضرورتوں میں سے پانی بھی تھا، کھانا بھی تھا، سایہ بھی تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سارے انتظام کیے۔ پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے ﴿قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ﴾ جان لیا ہر گروہ نے اپنی پانی پینے کی جگہ کو۔ کہ یہ چشمہ یوسفیوں کا ہے، یہ روبیلیوں کا ہے، یہ بنیامین یوں کا ہے، یہ یہودیوں کا ہے تاکہ آپس میں جھگڑا نہ کریں ﴿وَظَلَّلْنَا عَلَیْهِمُ الْغَمَامَ﴾ اور ہم نے ان پر سایہ کیا بادلوں کا۔ کیونکہ وہ کھلا میدان تھا اور کوئی درخت وغیرہ نہیں تھا باغیوں کی بھی اللہ تعالیٰ نے پوری مدد کی پھر خوراک کا مسئلہ پیدا ہوا کہ خوراک کے بغیر کوئی زندہ نہیں رہ سکتا۔ انبیائے کرام علیہم السلام بھی کھانا کھاتے تھے۔

کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طعنہ دیا کہ ﴿مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ﴾ [الفرقان: ۷] "اس نبی کو کیا ہو گیا ہے کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی سودا لینے دینے کے لیے جاتا ہے" پھر کہتا ہے کہ میں نبی ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ﴾ [الانبیاء: ۸، پارہ: ۱۷] "ہم نے پیغمبروں کے ایسے جسم نہیں بنائے کہ کھانا نہ کھائیں۔" پیغمبروں کو بھوک بھی لگتی ہے پیاس بھی لگتی ہے۔

جنگ احزاب:

غزوہ خندق سخت سردی کے موسم میں تھا اور بھوک کا زمانہ تھا دس ہزار کے قریب کافروں کی فوج تھی اور مسلمانوں کی تعداد صرف تین ہزار تھی مدینہ طیبہ ہی میں لڑائی کا فیصلہ ہوا شہر کے تین اطراف محفوظ تھے اگر اس طرف سے دشمن حملہ کرتا تو چند آدمی بھی مقابلہ کر سکتے تھے ایک طرف کھلا میدان تھا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے اس طرف خندق کھودی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس دس آدمیوں کو ایک ایک ٹکڑا کھودنے کے لیے دیا اور فرمایا کہ خندق اتنی گہری ہو کہ آدمی اس میں اُتر کر اوپر نہ چڑھ سکے اور نہ ادھر سے ادھر پھلانگ سکے بلکہ گھوڑا بھی نہ پھلانگ سکے۔ کھدائی کے دوران میں ایک سخت چٹان آگئی بڑا زور لگایا گیا مگر وہ کدال وغیرہ سے نہ ٹوٹی۔ ساتھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے حضرت! ہم بھوکے بھی ہیں اور چٹان بڑی سخت ہے ہم سے ٹوٹ نہیں رہی اور بھوک کی وجہ سے ہم نے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے ہیں۔ ترمذی شریف اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے ایک ایک پتھر باندھ رکھا ہے دیکھو! میں نے دو پتھر باندھے ہوئے ہیں۔

تو پیغمبروں کو بھی بھوک پیاس لگتی ہے گرمی سردی بھی لگتی ہے بخار بھی ہوتا ہے اور دوسری تکالیف بھی ہوتی ہیں۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو درد شقیقہ اتنا تیز ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو دن گھر سے باہر تشریف نہیں لائے اور ایک موقع پر گھٹنوں کا اتنا شدید درد تھا کہ بیٹھ نہیں سکتے تھے پیشاب بھی کھڑے ہو کر کیا۔ تو تمام لوازمات بشریہ پیغمبروں کے ساتھ تھے۔

بنی اسرائیل کے لیے کھانے کا انتظام:

تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے کھانے کا انتظام فرمایا ﴿وَاَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی﴾ من کا معنیٰ کھیر اور سلویٰ کا معنیٰ بٹیر۔ اور نازل کیا ہم نے ان پر من اور سلویٰ۔ ایک پلیٹ میں کھیر ہوتی تھی اور ایک پلیٹ میں بھنے ہوئے بٹیر ان کے سامنے آجاتے تھے اور حکم تھا کہ صبح، شام وقت پر ان کو کھاؤ، بچا کر رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ وقت پر پھر آجائیں گے۔ چالیس سال تک انھوں نے کھیر اور بٹیر کھائے لیکن انھوں نے اس کی قدر نہیں کی۔ کہنے لگے ﴿یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ﴾ "اے موسیٰ علیہ السلام! ہم ایک کھانا کھانے پر ہرگز صبر نہیں کریں گے۔" ہمارے لیے لہسن، پیاز وغیرہ کا انتظام کرو جس کی تفصیل پہلے پارے میں گزر چکی ہے۔

فرمایا ﴿كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں سے جو ہم نے تم کو رزق دیا ہے ﴿وَمَا ظَلَمُوْنَا﴾ اور انھوں نے نہیں ظلم کیا ہم پر، ہمارا کیا بگاڑا ﴿وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ﴾ اور لیکن تھے وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے۔

وادئ تیہ ہی میں موسیٰ علیہ السلام کو حکم آیا کہ ہارون علیہ السلام کو بتائے بغیر فلاں جگہ پر پہنچاؤ وہاں ان کی جان نکالی جائے گی۔

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو ساتھ لے گئے۔ وہاں ایک پلنگ پڑا ہوا تھا فرمایا تم یہاں لیٹ جاؤ۔ جب وہ لیٹے تو فرشتوں نے اپنی کارروائی شروع کردی۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا خَدَعْتَنِیْ یٰمُوْسٰی اے موسیٰ! تو نے میرے ساتھ دھوکا کیا پہلے بتایا نہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات کے تین سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی وفات ہوگئی۔ ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی اور چالیس سال بھی گزر چکے تھے بوڑھے غلامی کے مارے ہوئے مر گئے تھے نئی پود نے آزاد آب و ہوا دیکھی تھی ان کو لے کر حضرت یوشع علیہ السلام نے عمالقہ قوم پر حملہ کیا۔ لڑائی ہوئی لیکن اُنھوں نے بھی کمزوریاں دکھائیں مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِذْ قِیْلَ لَهُمُ﴾ اور جب کہا گیا ان سے ﴿اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ﴾ ٹھہرو اس بستی میں۔ بستی سے مراد بیت المقدس ہے بیت المقدس کے پاس صہیون نامی ایک پہاڑ تھا جو سطح سمندر سے سات آٹھ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع تھا پہلے اس پہاڑ پر ٹھہرے اور مسجد اقصیٰ بیت المقدس شہر میں ہے اس وقت اس پر یہودیوں کا قبضہ ہے۔ ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اُنھوں نے اس علاقے پر قبضہ کیا تھا ابھی تک مسلمان واپس نہیں لے سکے۔

تو ان سے کہا گیا کہ بیت المقدس میں ٹھہرو ﴿وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ﴾ اور کھاؤ اس سے جہاں سے چاہو۔ یہ بڑا زرخیز علاقہ تھا اور ہے۔ وہاں باغات ہیں، سبزیاں ہیں، فصلیں ہیں، بہت کچھ ہے ﴿وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ﴾ اور کہو ہمارے گناہ معاف ہو جائیں۔ مگر انھوں نے کہا حِنْطَةٌ ہمیں گندم چاہیے۔ ﴿وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾ اور داخل ہو جاؤ دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے۔ شہر کے چاروں طرف دیوار تھی جس کو فصیل البلد کہتے تھے اس میں دروازے تھے جس طرح شہر گوجرانوالا کے اردگرد دروازے ہیں سیالکوٹی دروازہ، کھیالی دروازہ، گرجاکھی دروازہ وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح بیت المقدس شہر کے بھی دروازے تھے۔

تو جو دروازہ مصر کی جانب سے تھا اس سے داخل ہونے کا حکم ہوا کہ داخل ہو جاؤ سجدہ کرتے ہوئے ﴿نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ﴾ بخش دیں گے ہم تمہارے گناہ ﴿سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور بہ تاکید ہم زیادہ دیں گے نیکی کرنے والوں کو یعنی بخشش کے علاوہ اور عنایتیں بھی ہوں گی۔ ﴿فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ﴾ پس بدل دی ان لوگوں نے جنھوں نے ظلم کیا تھا ان میں سے یعنی سب نے نہیں مگر ان میں سے جو ظالم تھے اُنھوں نے بدل دی ﴿قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ﴾ بات سوائے اس کے جو ان سے کہی گئی تھی ان سے تو کہا گیا تھا کہ کہو ﴿حِطَّةٌ﴾ ہمارے گناہ معاف کردے اور اُنھوں نے کہا حِنْطَةٌ ہمیں گندم چاہیے یا کہا کہ حِنْطَةٌ فِيْ شَعِيْرَةٍ کہ ہمارے لیے سٹے کے اندر گندم ہونی چاہیے۔ اور سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونے کی بجائے چوتڑ گھسیٹتے ہوئے داخل ہوئے جس طرح چھوٹے بچے زمین پر خود کو گھسیٹتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

اس طرح اُنھوں نے حکم عدولی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے دونوں حکم تبدیل کردیے ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ پس بھیجا ہم نے ان پر عذاب آسمان سے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون کو مسلط فرمایا جس سے ایک دن میں صبح سے لے کر دوپہر تک ستر ہزار آدمی مر گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ بلاوجہ کسی قوم کو سزا میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ ﴿بِمَا كَانُوْا

﴿یَظۡلِمُوۡنَ﴾ اس وجہ سے کہ تھے وہ ظلم کرتے ۔ تو ان کو نافرمانی کی سزا ملی ۔ اللہ تعالیٰ اپنی نافرمانی سے بچائے اور اطاعت کی توفیق عطا فرمائے ۔

﴿وَسۡـَٔلۡهُمۡ عَنِ الۡقَرۡيَةِ﴾ اور آپ سوال کریں ان سے اس بستی کے متعلق ﴿الَّتِیۡ كَانَتۡ حَاضِرَةَ الۡبَحۡرِ﴾ جو سمندر کے کنارے پر تھی ﴿اِذۡ يَعۡدُوۡنَ فِی السَّبۡتِ﴾ جب کہ یہ لوگ تجاوز کرتے تھے ہفتے کے دن ﴿اِذۡ تَاۡتِيۡهِمۡ حِيۡتَانُهُمۡ﴾ جس وقت آتی تھیں ان کے پاس ان کی مچھلیاں ﴿يَوۡمَ سَبۡتِهِمۡ شُرَّعًا﴾ جس دن ان کا ہفتہ ہوتا تھا بالکل ظاہر ﴿وَّيَوۡمَ لَا يَسۡبِتُوۡنَ﴾ اور جس دن ان کا ہفتہ نہیں ہوتا تھا ﴿لَا تَاۡتِيۡهِمۡ﴾ مچھلیاں نہیں آتی تھیں ان کے پاس ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ﴿نَبۡلُوۡهُمۡ﴾ ہم نے امتحان لیا ان کا ﴿بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ﴾ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے ﴿وَاِذۡ قَالَتۡ اُمَّةٌ مِّنۡهُمۡ﴾ اور جب کہا ایک گروہ نے ان میں سے ﴿لِمَ تَعِظُوۡنَ﴾ کیوں نصیحت کرتے ہو تم ﴿قَوۡمَا ۨ اللّٰهُ مُهۡلِكُهُمۡ﴾ قوم کو کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرنے والا ہے ﴿اَوۡ مُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا شَدِيۡدًا﴾ یا ان کو سزا دینے والا ہے سخت سزا ﴿قَالُوۡا﴾ انھوں نے کہا ﴿مَعۡذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمۡ﴾ عذر کرتے ہوئے تمہارے رب کے سامنے ﴿وَلَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ﴾ اور شاید کہ وہ بچ جائیں گناہ سے ﴿فَلَمَّا نَسُوۡا﴾ پس جس وقت بھلا دی انھوں نے ﴿مَا ذُكِّرُوۡا بِهٖۤ﴾ وہ چیز جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی ﴿اَنۡجَيۡنَا الَّذِيۡنَ﴾ ہم نے نجات دی ان لوگوں کو ﴿يَنۡهَوۡنَ عَنِ السُّوۡٓءِ﴾ جو منع کرتے تھے برائی سے ﴿وَاَخَذۡنَا الَّذِيۡنَ﴾ اور پکڑا ہم نے ان لوگوں کو ﴿ظَلَمُوۡا﴾ جنھوں نے ظلم کیا ﴿بِعَذَابٍۢ بَـِٔيۡسٍۢ﴾ سخت عذاب میں ﴿بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ﴾ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے ﴿فَلَمَّا عَتَوۡا﴾ پس جب انھوں نے سرکشی کی ﴿عَنۡ مَّا نُهُوۡا عَنۡهُ﴾ اس چیز سے جس سے ان کو روکا گیا تھا ﴿قُلۡنَا لَهُمۡ﴾ ہم نے ان کو کہا ﴿كُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِـِٕيۡنَ﴾ ہو جاؤ تم بندر ذلیل ۔

بنی اسرائیل کی نافرمانی اور شرارتیں

بنی اسرائیل کی کج روی، نافرمانی اور شرارتوں کا ذکر چلا آ رہا ہے اگرچہ وہ سارے بُرے نہیں تھے مگر ان کی اکثریت بُروں کی تھی ۔ بحرِ قلزم کے کنارے ایک شہر تھا اُس وقت اس کو ایلی کہتے تھے اور آج کل اس کو ایلات کہتے ہیں یہ یہودیوں کی بندرگاہ ہے ۔ ہزار ہا سال سے یہ شہر چلا آ رہا ہے ۔ چوں کہ یہ لوگ سمندر کے کنارے پر رہتے تھے مچھلیوں کا شکار کرتے تھے خود بھی کھاتے تھے اور دور دراز تک سپلائی بھی کرتے تھے جس سے ان کو خوب کمائی حاصل ہوتی تھی ۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ تھا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کا امتحان لیا اور فرمایا کہ تم ہفتے کے دن شکار نہیں کر سکتے باقی دنوں میں کر سکتے ہو اور ہفتے کے چوبیس گھنٹے صرف عبادت کرنی ہے شکار کرنا منع ہے۔ اسلامی لحاظ سے غروب آفتاب کے ساتھ ہی تاریخ بدل جاتی ہے۔ مثلاً: جمعہ والے دن جب سورج غروب ہوگا تو ہفتے کا دن شروع ہو گیا اور انگریزی اعتبار سے رات کے بارہ بجے تاریخ بدلتی ہے۔

بہر حال ہفتے والے دن کے چوبیس گھنٹے ان کے لیے شکار ممنوع تھا جس طرح ہمارے لیے جمعہ کی پہلی اذان سے لے کر امام کے سلام پھیرنے تک ہر کام حرام ہے سوائے اس کے جس کا تعلق نمازِ جمعہ کے ساتھ ہے اور اذان سے پہلی اذان مراد ہے اور سب کتابوں میں اس کی تصریح ہے کہ اَلْمُعْتَبَرُ هُوَ الْاَذَانُ الْاَوَّلُ پہلی اذان معتبر ہے اور اس مسجد کا اعتبار ہوگا جہاں یہ نمازِ جمعہ پڑھتا ہے۔ تو اذان ہو جانے کے بعد کھانا حرام، پینا حرام، لکھنا حرام، پڑھنا حرام، بیچنا حرام، خریدنا حرام۔ ہاں! وضو کر سکتا ہے، غسل کر سکتا ہے، مسواک کر سکتا ہے، کپڑے بدل سکتا ہے، خوشبو لگا سکتا ہے۔ یعنی جن کاموں کا تعلق نمازِ جمعہ کے ساتھ ہے وہ کر سکتا ہے۔ امام خطیب اپنا مضمون دیکھ سکتا ہے، قرآن وحدیث سے، فقہی کتابوں سے کیونکہ ان کا تعلق جمعہ کے ساتھ ہے البتہ مسافر پر جمعہ فرض نہیں ہے لہٰذا وہ خرید وفروخت کر سکتا ہے اور مقامی لوگوں پر جمعہ فرض عین ہے پانچ نمازوں کی طرح۔ عمل کا مسئلہ ہے اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ جس پر جمعہ فرض ہے پہلی اذان کے بعد کوئی کام نہیں کر سکتا۔ پہلے ہماری اذان آدھا گھنٹہ پہلے ہوتی تھی مسئلہ بتا بتا کر تھک گئے مگر لوگ باز نہیں آتے تو ہم نے اپنے خیال کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ آدھا گھنٹہ کی بجائے کچھ وقت پہلے ہو جائے تا کہ لوگ گنہگار ہونے سے بچ جائیں۔ تو ہمارے لیے تو صرف ڈیڑھ دو گھنٹے کا وقت ہے کہ اس میں ہر وہ کام حرام ہے جس کا تعلق جمعہ کے ساتھ نہیں ہے مگر ان کے لیے چوبیس گھنٹے کی پابندی تھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَسْئَلْهُمْ﴾ اور آپ ان سے سوال کریں عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِیْ ﴿ اس بستی کے متعلق ﴿كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ﴾ جو سمندر کے کنارے پر تھی، بستی ایلات ﴿اِذْ يَعْدُوْنَ فِی السَّبْتِ﴾ جب کہ یہ لوگ تجاوز کرتے تھے ہفتے کے دن میں کہ ہفتے والے دن بھی شکار کرنے سے باز نہیں آتے تھے حالانکہ ان کے لیے حرام تھا ﴿اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ﴾ جس وقت آتی تھیں ان کے پاس ان کی مچھلیاں۔ حِيْتَان حُوْت کی جمع ہے بمعنی مچھلی۔ ﴿يَوْمَ سَبْتِهِمْ﴾ جس دن ان کا ہفتہ ہوتا تھا ﴿شُرَّعًا﴾ بالکل ظاہر۔ پانی کے اوپر تیرتی ہوئی مچھلیاں نظر آتی تھیں اور ان کے منہ سے رال ٹپکتی تھی کہ سامنے پھر رہی ہیں ﴿وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ﴾ اور جس دن ان کا ہفتہ نہیں ہوتا تھا ﴿لَا تَاْتِيْهِمْ﴾ مچھلیاں نہیں آتی تھیں ان کے پاس۔ کیونکہ ان دنوں میں وہ ان کو چھیڑتے تھے شکار کرتے تھے اور ہفتے والے دن چونکہ چھیڑتے نہیں تھے اس لیے وہ کھلے طور پر پانی کے اوپر پھرتی تھیں۔

﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ﴿نَبْلُوْهُمْ﴾ ہم ان کا امتحان لیتے رہے ﴿بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ان کے تین گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ وہ تھا جو حیلے بہانے سے شکار کرتا تھا وہ اس طرح کہ انھوں نے بحرِ قلزم کے ساتھ ساتھ تالاب بنائے۔ ہفتے والے دن پانی ان تالابوں میں چھوڑ دیتے مچھلیاں تالابوں میں آ جاتیں تو پیچھے سے

بند کر دیتے اور پھر سارا ہفتہ پکڑتے رہتے اور دوسرا گروہ وہ تھا جنھوں نے ان کو شروع شروع میں منع کیا جب دیکھا کہ یہ باز نہیں آتے تو انھوں نے کہا کہ اپنی مرضی کرو اور سمجھانا چھوڑ دیا شکار کرنے سے روکا نہیں یہ سمجھ کر کہ ہم نے فریضہ ادا کر دیا ہے اور خود بھی شکار نہیں کرتے تھے اور تیسرا گروہ وہ تھا جو آخر دم تک ان کو روکتا اور منع کرتا رہا کہ شکار کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو۔

مردوں اور عورتوں کے لیے مسئلہ یہ ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ "جو تم میں برا کام دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے روکے۔" یہ ہاتھ سے روکنا اس کے لیے ہے جس کے پاس طاقت اور قدرت ہو فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے روکے فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ اگر زبان سے روکنے کی طاقت نہیں ہے کہ لوگ سخت قسم کے لڑاکا اور فتان قسم کے ہیں تو پھر دل سے برا سمجھے اور اگر برائی کو دل سے بھی برا نہیں سمجھتا تو فرمایا اس کے دل میں رتی برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ آج دیکھو! گھروں میں فحاشی ہے، ٹی وی لگا ہوا ہے اور اس کو محسوس بھی کوئی نہیں کرتا۔ بھائی! نمازوں کا کیا فائدہ، روزوں کا کیا فائدہ؟ بے شک نماز، روزہ بڑی نیکی ہیں مگر یہ خرافات نیکیوں کو برباد کر دیتی ہیں۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اور مسئلہ یاد رکھنا! امر بالمعروف نہی عن المنکر ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ [آل عمران: ۱۰۴] "تم میں سے ایک جماعت ہو جو خیر کی دعوت دے اور معروف کا حکم کرے اور برائی کے کاموں سے روکے۔" تو مجموعی طور پر تبلیغ فرض کفایہ ہے اگر ایک جماعت ادا کرے تو دوسرے گناہ سے بچ جائیں گے اور امر بالمعروف ہر جگہ ہے اپنی بیوی کو، بچوں کو، بہنوں کو، بھائیوں کو سمجھاؤ۔ چھوٹوں کو، بڑوں کو، استاد، شاگردوں کو امر بالمعروف کرتا رہے۔ گھر سے نکلنے کی ضرورت نہیں چل پھر کر تبلیغ کرنا فرض کفایہ ہے۔

آج عورتیں کافی موجود ہوں گی میں ان کی خدمت میں عرض کرتا ہوں چند مسائل ہیں ان کا ضرور خیال رکھیں۔ ناخن پالش لگانے سے نہ وضو ہوتا ہے نہ غسل ہوتا ہے نہ نماز۔ لہٰذا جو عورت تمہارے پاس آئے اس کے ناخن دیکھو اور اس کو نرمی سے سمجھاؤ کہ بہن، بیٹی! اس ناخن پالش سے نہ وضو ہوا، نہ غسل اور جتنی نمازیں پڑھی ہیں وہ ساری تیری گردن پر اسی طرح ہیں اور بعض عورتیں بطور فیشن کے لیے لیے ناخن رکھتی ہیں ان کے نیچے مٹی جم جاتی ہے پانی نہیں پہنچتا حالانکہ نیچے والی سطح کا بھیگنا فرض ہے تو جب پانی نہ پہنچا تو نہ وضو ہوا، نہ غسل، پڑھی ہوئی نماز بھی اسی طرح گردن پر باقی ہے۔

عورتوں نے ناک میں کوکے ڈالے ہوتے ہیں تو کوکے کا جو سوراخ ہے اگر اندر سے سوئی کے برابر بھی خشک رہ گیا تو وضو نماز کوئی شے نہیں ہوگی۔ اگر بازو چھوٹا ہے ایک انگلی کے برابر بازو ننگا ہے عورت کی نماز نہیں ہوگی۔ باریک دوپٹا ہے ململ کا یا جارجٹ کا کہ پہنے ہوئے بال نظر آتے ہیں عورت کی نماز نہیں ہوگی چاہے بجلی بند کر کے تاریک کمرے میں پڑھے۔ یہ مسئلے

بڑے اہم ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ بے وضو سجدہ کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ تو ناخن پالش سے وضو تو نہ ہوا لمبے ناخن ہیں وضو تو نہ ہوا یہ بے چاری نماز پڑھے گی سجدہ کرے گی کافر ہو گئی نکاح ٹوٹ گیا۔ یہ بظاہر چھوٹے مسائل ہیں مگر پہاڑ سے بڑے ہیں۔ لہٰذا ان مسائل کو خوب یاد رکھو اور آگے تبلیغ کرو اور نرمی کے ساتھ سمجھاؤ یہ نہیں کہ دوسروں کے سر پر ڈنڈا مارو اور کہو اوبے نماز، اوبے روزہ دار، او شرابی اس طرح تو لڑائی شروع ہو جائے گی۔

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے ایک آدمی آیا اس نے نماز پڑھی اور بعد میں دعا کی اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ وَ مُحَمَّدًا (ﷺ) وَلَا تَرْحَمْ مَعَنَآ اَحَدًا "اے اللہ مجھ پر رحمت نازل فرما اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی پر نازل نہ کرنا۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا "اللہ تعالیٰ کی رحمت تو سب کے لیے ہے تو نے اس کو تنگ کر دیا ہے۔" یہ بات کر کے وہ آگے چلا اور مسجد میں پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں نے کہا او! کیا کر رہا ہے؟ اس کے پیچھے دوڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو نہ روکو کرنے دو۔ کیوں کرنے دو؟ وجہ یہ ہے کہ جب اس نے پیشاب شروع کر دیا ہے تو روکنے سے اسے تکلیف ہوگی اور دوسری وجہ یہ ہے تم اس کے پیچھے دوڑو گے وہ آگے دوڑے گا تو ساری مسجد کو گندا کرے گا اب تو ایک جگہ ہے یہاں سے صاف کرنا آسان ہے۔ جب اس نے پیشاب کر لیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا اور فرمایا دیکھو! یہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے ہیں، قرآن کریم کی تلاوت کے لیے ہیں، نیکیوں کے لیے ہیں، پیشاب پاخانے کے لیے نہیں ہیں۔ نرمی کے ساتھ اس کو سمجھایا اور جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیچھے دوڑے تھے ان کو بھی تنبیہ فرمائی اِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ لَا تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ "اللہ تعالیٰ نے تمھیں نرمی کے لیے بھیجا ہے سختی کے لیے نہیں بھیجا۔ تو عزیزو! مسئلہ بتاؤ، سمجھاؤ نرمی کے ساتھ، ڈانگ (ڈنڈا) نہ مارو، سختی کرنے سے فتنہ فساد ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ﴾ اور جب کہا ایک گروہ نے ان میں سے ﴿لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ﴾ کیوں نصیحت کرتے ہو تم اس قوم کو کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرنے والا ہے ﴿اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا﴾ یا ان کو سزا دینے والا ہے سخت سزا۔ یہ اس گروہ نے کہا جو ایک دو دفعہ تبلیغ کر کے خاموش ہو گیا تھا اور ان کو کہا جو آخر تک ان کو روکتے اور منع کرتے رہے کہ ہفتے والے دن شکار نہ کرو۔ ان کو کہا کہ چھوڑو کیوں ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہو ان کو رب تعالیٰ نے ہلاک کرنا ہے یا سزا دے گا۔ ﴿قَالُوْا﴾ منع کرنے والوں نے کہا ﴿مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ﴾ عذر کرتے ہوئے تمہارے رب کے سامنے کہ اے پروردگار! ہم ان کو آخر تک سمجھاتے رہے ﴿وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ اور شاید کہ وہ بچ جائیں گناہ سے کسی بھی وقت، اس لیے سمجھانا ہمارا فریضہ ہے وہ مانیں یا نہ مانیں ﴿فَلَمَّا نَسُوْا﴾ پس جس وقت بھلا دیا اُنھوں نے ﴿مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ﴾ وہ چیز جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی۔ جس کے ذریعے ان کو بار بار یاددہانی کرائی گئی۔ تذکیر کا معنیٰ بار بار یاد کرانا۔

تین گروہوں کا ذکر!

﴿اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ﴾ ہم نے نجات دی ان لوگوں کو جو منع کرتے تھے برائی سے ﴿وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ

ظَلَمُوْا﴾ اور پکڑا ہم نے ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا ﴿بِعَذَابٍۭ بَىِٕیْسٍ﴾ سخت عذاب میں۔ کیوں پکڑا؟ ﴿بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ﴾ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ منع کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے نجات عطا فرمائی اور نافرمانوں کو عذاب میں گرفتار کیا اور وہ جو تیسرا گروہ تھا کہ ایک دو دفعہ منع کرنے کے بعد خاموش ہوگیا تھا اس کا ذکر نہیں کیا۔

عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں ان سے پوچھا گیا کہ تیسرے گروہ کا کیا بنا سزا ملی یا نجات؟ فرمایا سزا نہیں ملی کیونکہ اُنھوں نے مچھلیوں کا شکار بھی نہیں کیا اور ابتداءً منع بھی کیا اگرچہ بعد میں خاموش ہوگیا چونکہ ان کا خاموش رہنا اچھی بات نہیں تھی اس لیے رب تعالیٰ نے ان کا ذکر نہیں کیا کہ وہ قابلِ تعریف نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَمَّا عَتَوْا﴾ پس جب اُنھوں نے سرکشی کی ﴿عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ﴾ اس چیز سے جس سے ان کو روکا گیا تھا ﴿قُلْنَا لَهُمْ﴾ ہم نے ان کو کہا ﴿كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـٕیْنَ﴾ ہوجاؤ تم بندر ذلیل۔ یہاں بندروں کا ذکر ہے اور چھٹے پارے میں ہے ﴿وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِیْرَ﴾ [المائدہ:۶۰] "اور بنایا ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر کی شکل میں مسخ کیا۔"

مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ بوڑھوں کو خنزیر اور جوانوں کو بندر کی شکل میں تبدیل کردیا گیا تین دن وہ بندر اور خنزیر رہے اس کے بعد ان کو ہلاک کردیا گیا ان بندروں اور خنزیروں کی آگے نسل نہیں چلی۔ آج جو دنیا میں بندر اور خنزیر ہیں یہ حیوانات کی نسل ہیں اور شروع سے چلی آرہی ہے۔ تفسیروں میں ہے کہ جب ان کو بندر اور خنزیر بنادیا گیا تو ایک دوسرے کو دیکھتے تھے اور روتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ان کو بندر اور خنزیر بنایا گیا ہے۔

اعمال کا بگاڑ اور اس کی سزا

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کہ آخری دور میں میری اُمت میں سے بھی کچھ لوگوں کو بندر اور خنزیر بنایا جائے گا۔" سوال کرنے والے نے پوچھا حضرت! وہ کلمہ پڑھنے والے نہیں ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلمہ تو کیا یُصَلُّوْنَ وَیَصُوْمُوْنَ نمازیں بھی پڑھتے ہوں گے اور روزے بھی رکھتے ہوں گے وَیَحُجُّوْنَ اور حج بھی کرتے ہوں گے لیکن گانے سننے کے شوقین ہوں گے۔ یوں سمجھو کہ ٹی وی کے آگے بیٹھے بیٹھے، گانے سنتے سنتے سوجائیں گے صبح کو اُٹھیں گے تو بعض بندر اور بعض خنزیر کی شکل میں مسخ ہوچکے ہوں گے۔ بخاری شریف، ابوداؤد شریف، ترمذی شریف اور مسند احمد کی روایت ہے کہ بوڑھے خنزیر اور نوجوان بندر بنیں گے پھر ان کو اللہ تعالیٰ ہلاک کردے گا۔

یاد رکھو! جو نیکیاں کرتے ہو ان کی حفاظت بھی کرو تاکہ تمہارے حق میں رہیں۔ نوجوانو! رمضان المبارک میں تم نے نمازیں شروع کردی ہیں رمضان شریف کے بعد ان کو چھوڑ نہ دینا۔ بے شک رمضان کی برکات بہت ہیں مگر پانچ نمازیں تو ہمیشہ کے لیے فرض ہیں۔ روزوں (کے مہینے) کے بعد اپنے اندر انقلاب محسوس کرو۔ ہمارے ایک بزرگ تھے مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ فاضل دیوبند تھے یہاں بھی آتے رہتے تھے شاعر بھی تھے مہاجر تھے۔ اُنھوں نے یہاں مہاجروں کی

کیفیت دیکھی کہ ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تو اس پر حضرت نے شعر بولا:

زمین بدلی زماں بدلا مکیں بدلے مکاں بدلا

نہ تو بدلا نہ میں بدلا جو بدلا پھر تو کیا بدلا

لہٰذا روزوں (رمضان) کے بعد تمہاری کیفیت بدلنی چاہیے۔ نیکی کرو بدی سے پرہیز کرو، نمازیں با جماعت پڑھنے کی پابندی کرو۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق عطا فرمائے۔

﴿وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ﴾ اور جس وقت واضح طور پر اعلان کر دیا تیرے رب نے ﴿لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ البتہ ضرور بھیجے گا ان یہودیوں پر قیامت کے دن تک ﴿مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ﴾ ایسے لوگوں کو جو ان کو ضرور دیں گے بُری سزا ﴿اِنَّ رَبَّكَ﴾ بے شک تیرا رب ﴿لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ﴾ جلد سزا دینے والا ہے ﴿وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے ﴿وَ قَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا﴾ اور ہم نے ان کو جدا جدا کر دیا زمین میں گروہ در گروہ بنا کر ﴿مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ﴾ بعض ان میں سے نیک ہیں ﴿وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ﴾ اور بعض ان میں سے اس کے سوا بھی تھے ﴿وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّيِّاٰتِ﴾ اور ہم نے امتحان لیا ان کا نیکیوں کے ساتھ اور برائیوں کے ساتھ ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ تاکہ یہ لوگ واپس لوٹ آئیں ﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ﴾ پس خلیفہ بنے ان کے بعد نااہل لوگ ﴿وَّرِثُوا الْكِتٰبَ﴾ جو وارث ہوئے کتاب کے ﴿يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى﴾ لیتے رہے اس گھٹیا زندگی کا سامان ﴿وَ يَقُوْلُوْنَ﴾ اور کہتے ہیں ﴿سَيُغْفَرُ لَنَا﴾ بہ تاکید ہمیں بخش دیا جائے گا ﴿وَ اِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ﴾ اور اگر آئے ان کے پاس اس جیسا اور سامان ﴿يَاْخُذُوْهُ﴾ تو اس کو لے لیتے ہیں ﴿اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ﴾ کیا نہیں لیا گیا تھا ان سے پختہ عہد کتاب میں ﴿اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾ کہ وہ نہ کہیں گے اللہ تعالیٰ پر مگر حق ﴿وَ دَرَسُوْا مَا فِيْهِ﴾ اور پڑھا اُنھوں نے جو کچھ اس میں لکھا ہوا تھا ﴿وَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ﴾ اور آخرت کا گھر بہت ہی بہتر ہے ﴿لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا پس تم سمجھتے نہیں ہو ﴿وَ الَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ﴾ اور وہ لوگ جو مضبوطی سے پکڑتے ہیں کتاب کو ﴿وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور قائم رکھتے ہیں نماز کو ﴿اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ﴾ بے شک ہم نہیں ضائع کرتے اصلاح کرنے والوں کا اجر۔

پہلے سے بنی اسرائیل کا ذکر چلا آ رہا ہے ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے بڑی مہربانیاں کیں۔ من وسلویٰ ان پر نازل فرمایا، ان کے لیے پتھر سے پانی کے چشمے جاری فرمائے، دریا کو ان کے لیے پھاڑا، بادلوں سے ان پر سایہ کیا بہت کچھ کیا لیکن یہ بڑی نافرمان اور ضدی قوم تھی اور ذہین بھی تھی۔ یہ دو خوبیاں ہیں ان کی، ذہین اور ضدی۔ جب انھوں نے نافرمانی کی حدیں توڑ دیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ﴾ اور جس وقت واضح طور پر اعلان کر دیا تیرے رب نے اپنے پیغمبروں، کتابوں اور صحیفوں کے ذریعے ﴿لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ البتہ ضرور بھیجے گا ان یہودیوں پر قیامت کے دن تک۔ بھیجے گا یعنی بھیجتا رہے گا ﴿مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ﴾ ایسے لوگوں کو جو ان کو ضرور دیں گے بڑی سزا۔ ان کو تکلیفیں پہنچائیں گے۔ یہود اس زمانے میں مغضوب علیہم تھے اور باوجود مال دار ہونے کے صدہا سال تک غلامی میں رہے اور ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی۔ اس وقت بھی اگر امریکہ جیسے بدمعاش، برطانیہ اور فرانس ان کی مدد نہ کریں تو چند گھنٹے بھی نہیں ٹھہر سکتے۔

اجتماع اہل یہود اور اہل ایمان سے لڑنا؟

آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے حدیث کی پہلی کتاب مشکوٰۃ شریف ہم نے پڑھی۔ جس وقت یہ حدیث ہمارے سامنے آئی یُقَاتِلُوْنَكُمُ الْيَهُوْدُ یہودی تمہارے ساتھ لڑیں گے وَتُقَاتِلُوْنَ الْيَهُوْدَ اور تم یہودیوں کے ساتھ لڑو گے۔ ہم بڑے حیران ہوئے کہ یہودیوں کے ساتھ ہماری کیا لڑائی ہوگی اور ان کی ہمارے ساتھ کیا لڑائی ہوگی؟ ان کی کیا حیثیت ہے کہ اس وقت فلسطین میں چھ سات ہزار یہودی تھے۔ ہم نے استاذ محترم حضرت مولانا عبد القدیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ حضرت! ان لوگوں سے لڑنا تو ہماری توہین ہوگی کہ میدان میں ایک پہلوان ہو اور دوسری طرف بچہ ہو تو پہلوان کی توہین ہوتی ہے یہودی تو ہمارے مقابلے میں بچے ہیں۔ حضرت نے فرمایا "میاں! (یہ حضرت کا تکیہ کلام تھا) اس وقت ان کو قوت حاصل ہو جائے گی جب ان کی تباہی کا وقت آئے گا ان کو پر لگ جائیں گے۔ چیونٹی کی جب موت آتی ہے تو اس کو پر لگ جاتے ہیں۔"

اس وقت ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ ان کو قوت کس طرح حاصل ہو جائے گی؟ لیکن دیکھتے دیکھتے ہی اب وہاں ۸۰ لاکھ یہودی ہیں اور ان خبیث حکومتوں نے تجربہ کار افراد جو اکثر فوجی ہیں وہاں جمع کر دیئے ہیں۔ اس وقت دنیا میں اسلحہ کے اعتبار سے یہودی تیسرے نمبر پر ہیں۔ ایٹم بم تک انھوں نے تیار کر لیا ہے۔ بے چارے صدام نے سر اٹھایا ہے تو اس کو ان خبیثوں نے کچلنا شروع کیا ہوا ہے۔ اس کی کچھ نادانیاں بھی ہیں اگر وہ نادانی نہ کرتا اور اگر اب بھی نہ کرے تو خیر ہے لیکن وہ بھی بڑا ضدی آدمی ہے اس کی نادانی کی وجہ سے آٹھ لاکھ آدمی پہلے شہید ہوئے ہیں۔ (اور اب اسے بھی امریکہ نے پھانسی دے دی ہے)۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہود پر دوسری قوموں کو مسلط کیا وہ ان کو تکلیفیں دیتے رہے۔ اس وقت کافی قوت ہونے کے باوجود آس پاس کے مجاہدین سے ڈرتے رہتے ہیں اور موت سے جتنا یہودی ڈرتے ہیں اتنا دنیا کی اور کوئی قوم نہیں ڈرتی۔ پہلے

پارے میں ہے ﴿وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ﴾ "اور البتہ تم ان لوگوں کو زندگی پر زیادہ حریص پاؤ گے۔" عام لوگوں سے بھی ذرا سی ٹھاہ ہو جائے تو ان پر خوف طاری ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو ضرور سزا دے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور وہ وقت قریب آ چکا ہے کہ دنیا سے ان کا وجود ختم ہو جائے گا۔ یہودیوں کو اگر غیر مسلموں میں سے کسی نے سمجھا ہے تو ہٹلر نے سمجھا ہے باقی کافروں میں سے کوئی ان کو صحیح معنیٰ میں سمجھ نہیں سکا۔ اس نے ان کا صفایا کیا تھا ساری دنیا میں اُنھوں نے خباثت پھیلائی ہوئی ہے، خفیہ تنظیمیں بنائی ہوئی ہیں ان کو مالی قوت پہنچاتے ہیں اور سازشیں کرتے رہتے ہیں اور ظاہری طور پر خود خاموش رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ﴾ بے شک تیرا رب جلد سزا دینے والا ہے مجرموں کو ﴿وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے ﴿وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا﴾ اور ہم نے ان کو جدا جدا کر دیا زمین میں گروہ در گروہ بنا کر۔ اس وقت دنیا کے بیشتر علاقوں میں ان کے کارخانے ہیں، ان کی تنظیمیں ہیں، بڑے مال دار ہیں اور سب پر چھائے ہوئے ہیں۔ باوجود اس کے کہ عیسائی ان کو اپنے برابر نہیں سمجھتے مگر ان کا اثر و رسوخ اتنا ہے کہ ان کے پنجے سے نکل نہیں سکتے۔

﴿مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ﴾ بعض ان میں سے نیک ہیں۔ سارے بُرے نہیں ہیں بنی اسرائیل صدیوں پر محیط ہیں ان میں نیک اور اللہ والے بھی ہوئے ہیں ﴿وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ﴾ اور بعض ان میں سے اس کے سوا بھی تھے برے اور حد سے نکلنے والے ﴿وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ﴾ اور ہم نے ان کا امتحان لیا نیکیوں کے ساتھ۔ کہ ان کو مال دیا، اولاد دی، عزت دی، راحتیں پہنچائیں، حکومت دی ﴿وَالسَّيِّاٰتِ﴾ اور برائیوں کے ساتھ کہ پریشانیوں میں مبتلا کیا ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ تاکہ یہ لوگ واپس لوٹ آئیں گناہ چھوڑ کر۔ اللہ تعالیٰ پریشانیوں میں مبتلا کرتا ہے تاکہ لوگ رجوع کریں۔ مثلاً: ڈیڑھ دو ماہ سے ہم پر دھند مسلط ہے کاروبارِ زندگی معطل، جہازوں کے نظام میں گڑبڑ، ٹریفک کا نظام درہم برہم، لیکن توبہ کرنے والے کتنے لوگ ہیں۔ جس طرح پہلے تھے اسی طرح ہیں کسی پر کوئی اثر نہیں ہے الا ماشاء اللہ کچھ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں جو تائب ہوئے ہیں۔ تو یہ آفات رب تعالیٰ کی طرف سے تنبیہات ہوتی ہیں جب لوگ رجوع نہیں کرتے تو پھر سخت گرفت آتی ہے اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔

﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ﴾ پس خلیفہ بنے ان کے بعد نااہل لوگ۔ خَلَفٌ لام کی زبر کے ساتھ ہو تو معنیٰ ہوتا ہے صحیح جانشین اور اگر خَلْفٌ لام کے سکون کے ساتھ ہو تو معنیٰ ہوتا ہے نااہل۔ اگر کہا جائے کہ فلاں، فلاں کا خَلَفُ الرَّشِيْدُ ہے تو معنیٰ ہوگا کہ فلاں فلاں کا صحیح جانشین ہے اور اگر کہا جائے کہ فلاں، فلاں کا خَلْفُ الرَّشِيْدُ ہے تو معنیٰ ہوگا فلاں فلاں کا نااہل جانشین ہے۔

تو اس کے بعد نااہل لوگ آئے ﴿وَّرِثُوا الْكِتٰبَ﴾ جو وارث ہوئے کتاب کے یعنی تورات کے یہ ان کی مرکزی کتاب تھی ہزار ہا سال تک لوگ اس پر عمل کرتے آئے ہیں لیکن نااہل لوگوں نے کیا کام کیا ﴿يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى﴾ لیتے رہے اس گھٹیا زندگی کا سامان۔ غلط فتوے دیتے تھے اور جدھر سے رقم زیادہ مل جاتی اس کے حق میں فیصلہ اور فتویٰ دے دیتے۔ آج ہماری عدالتوں کا بھی یہی حال ہے اگرچہ اچھے جج بھی موجود ہیں انصاف اور دیانت والے، لیکن اکثریت ایسوں کی ہے جو مال

لے کر مجرم کو غیر مجرم اور غیر مجرم کو مجرم بنا دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ کہتے ہیں ﴿وَيَقُولُونَ﴾ اور کہتے ہیں ﴿سَيُغْفَرُ لَنَا﴾ بہ تاکید ہمیں بخش دیا جائے گا۔ اس لیے کہ ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں، نیکوں کی اولاد ہیں، ہمارا نام یہودی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَإِنْ يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهُ﴾ اور اگر آئے ان کے پاس اس جیسا اور سامان ﴿يَأْخُذُوهُ﴾ تو اس کو لے لیتے ہیں۔ ان کا پیٹ نہیں بھرتا لوگوں کا ناحق مال لیتے ہیں۔

یہودی علماء اور بدعات:

دسویں پارے میں آتا ہے ﴿إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ﴾ "بے شک بہت سے عالم اور درویش البتہ کھاتے ہیں لوگوں کا مال باطل طریقے سے۔" تو یہودیوں کے مولویوں اور پیروں کا یہ کام تھا کہ وہ لوگوں کا مال بھی ناجائز طریقے سے کھاتے تھے اور ان کے ایمان پر بھی ڈاکے ڈالتے تھے اور عوام یہ سمجھتے تھے کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں یہی دین ہے۔ اس کو تم اس طرح سمجھو کہ اہل بدعت نے اذان سے پہلے اور بعد میں صلوٰۃ والی جو بدعت شروع کی ہے آنے والی نسلیں یہ سمجھیں گی کہ یہ اذان کا جز ہے اور دین میں اتنی احتیاط ہے کہ ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کے بعد آمین یہ دعا ہے لیکن قرآن کریم کے کسی نسخے میں تمھیں آمین لکھی ہوئی نظر نہیں آئے گی کہ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ یہ قرآن کا حصہ ہے۔ اس اُمت نے قرآن کو محفوظ رکھا ہے اس کی زیر زبر تک کی حفاظت کی ہے۔

بعض لوگوں نے قرآن کریم کا صرف ترجمہ شائع کیا تھا عربی حروف کے بغیر اس زمانے میں حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے خلاف آواز بلند کی میں خود ان کے پاس پہنچا اور ان کی کھل کر تائید کی کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ ان لوگوں نے اپنے ذوق کے مطابق ترجمہ کیا تھا لفظی ترجمہ نہیں تھا آنے والی نسلوں کو اگر اس ترجمہ پر چھوڑ دیا جاتا تو قرآن کریم کا حلیہ بگڑ جاتا۔ اس لیے یاد رکھنا! کوئی بھی ایسا ترجمہ کہ جس کے ساتھ قرآن کریم کے الفاظ نہ ہوں مت خریدنا اور نہ پڑھنا۔ وہ ترجمہ پڑھو جس کے ساتھ اصل متن موجود ہو۔

یہودیوں نے غیر دین کو دین میں شامل کر کے دین کا نقشہ بدل دیا تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہودیوں کی مخالفت کی یہی وجہ تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے کہ دین میں جو تم نے رسمیں نکالی ہوئی ہیں وہ دین نہیں ہے اور وہ ان کی کمائی کا سلسلہ تھا پیٹ کا سارا دھندا اس پر چلتا تھا تو ان کے مولویوں اور پیروں نے عوام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف کر دیا کہ یہ ہمارے دین پر حملہ کرتا ہے ان کے خلاف اُنھوں نے تحریک چلائی حکومت سے مطالبہ کیا کہ ان کو سولی پر لٹکاؤ یہ ہمارے دین کا مخالف ہے۔ حالانکہ وہ بدعات کو دین سے الگ کرنا چاہتے تھے یہ مخالف ہو گئے کیونکہ ان کے پیٹ پر زد پڑتی تھی اور مخالفت میں یہاں تک چلے گئے کہ ﴿وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا﴾ [النساء:۱۵۶] "اور حضرت مریم علیہا السلام پر بڑا بہتان باندھنے پر۔" کہنے لگے یہ کہتا ہے کہ میں مصلح ہوں یہ تو حلالی نہیں ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) مصلح کیسے ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ﴾ کیا نہیں لیا گیا تھا ان سے پختہ عہد کتاب میں، تورات میں وعدہ نہیں لیا گیا تھا ﴿اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾ کہ وہ نہیں کہیں گے اللہ تعالیٰ پر مگر حق۔

رشوت ستانی:

یعنی وہ باتیں کہیں گے جو رب تعالیٰ نے فرمائی ہیں مگر یہ تو غلط فتوے اور خلاف شرع فیصلے کرتے ہیں اور ذمہ اللہ تعالیٰ کے لگاتے ہیں اور اس کے بدلے جو رشوت لیتے تھے اس کو نذرانہ کہتے تھے۔ یاد رکھنا! جس آدمی کے ہاتھ میں کچھ اختیار ہے اس کو جو بھی دو گے رشوت ہوگی۔ چاہے کسی بھی نام سے دے، عیدی کہہ کر دیا جائے، ہدیہ کہہ کر دیا جائے وہ رشوت ہی ہے۔ اور اگر وہ حکمران نہیں ہے تو ہدیہ دو عیدی دو سب جائز ہے اور یہ جو حکمران دوسرے ملکوں کے دورے پر جاتے ہیں اور ان کو حکومتوں کی طرف سے تحفے تحائف ملتے ہیں وہ ان لوگوں کی ذات کے لیے جائز نہیں ہیں وہ حکومت کا مال ہے مگر یہ لوگ کروڑوں کے تحفے اپنے لیے لیتے ہیں، یہ جائز نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ بچائے اور محفوظ رکھے۔

تو ان سے عہد لیا گیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر حق بات ہی کہیں گے ﴿وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ﴾ اور پڑھا انھوں نے جو کچھ اس میں لکھا ہوا تھا۔ رب تعالیٰ نے جو احکام دیئے تھے سب پڑھتے تھے دنیا کی طرف اتنا نہ جھکو ﴿وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ﴾ اور آخرت کا گھر بہت ہی بہتر ہے۔ دنیا کے لیے غلط طریقے نہ اختیار کرو، کتاب اللہ کو نہ بدلو، غلط فتوے نہ دو، رسم و رواج کی ترویج نہ کرو اور ان کے ذریعے مال نہ کھاؤ، آخرت کو سامنے رکھو آخرت کا گھر بہت بہتر ہے۔ لیکن کن لوگوں کے لیے ﴿لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا پس تم سمجھتے نہیں ہو کہ عارضی شے عارضی ہوتی ہے اور دائمی شے دائمی ہوتی ہے۔ حق حق ہے، باطل باطل ہے، سچ سچ ہے، جھوٹ جھوٹ ہے، ایمان ایمان ہے، کفر کفر ہے۔ اتنی واضح بات بھی تم کو سمجھ نہیں آتی۔

فرمایا ﴿وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ﴾ اور وہ لوگ جو مضبوطی سے پکڑتے ہیں کتاب کو۔ تمسک کا معنی ہے کسی شے کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنا اسے پڑھتے بھی ہیں سمجھتے بھی ہیں ایسے لوگوں کی واضح علامت یہ ہے کہ ﴿وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور وہ قائم رکھتے ہیں نماز کو۔ اگر نماز کو قائم رکھتے ہیں تو سمجھ لو کہ واقعی یہ کتاب کو ماننے والے ہیں اور نا اہل لوگوں کی علامت دوسری جگہ بیان فرمائی کہ ﴿اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ﴾ انھوں نے نماز ضائع کر دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں اس کا تصور بھی نہیں ہوتا تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور ۱۱۰ھ تک رہا ہے۔ ایک سو دس سال میں ایک مقدمہ بھی دائر نہیں ہوا کہ فلاں آدمی نے دیدہ و دانستہ نماز چھوڑ دی ہے۔ اگر کوئی مقدمہ دائر ہوا ہوتا تو اس کا فیصلہ ہوا ہوتا، اس کی نظیر ملتی۔ کتابوں میں اس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔

بے نمازی کے بارے میں ائمہ اربعہ کی رائے:

بے نماز کے متعلق تین امام فرماتے ہیں کہ جو شخص بالغ ہونے کے بعد قصداً ایک نماز چھوڑ دے اس کی سزا قتل

ہے۔امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کو اس لیے قتل کرو کہ ایک نماز چھوڑ کر یہ مرتد ہو گیا ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے۔امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مرتد تو نہیں ہوا لیکن اتنا بڑا مجرم ہے کہ اس کے وجود کی لعنت زمین پر پڑے گی لہٰذا اس کو ختم کر دو تا کہ اس کی لعنت زمین پر نہ پڑے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کو قید کر دو اگر سچے دل سے توبہ کرے تو رہا کر دو ورنہ جیل ہی میں مرجائے اس کے ناپاک قدموں سے زمین ناپاک نہ ہو۔

یہ ایک نماز کی بات ہے ہفتے، مہینے کی نمازوں کی بات نہیں ہے۔ یہ ہمارا حکمران طبقہ اسلام کو کیوں نہیں آنے دیتا اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری خیر نہیں ہے۔فرمایا﴿ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴾ بے شک ہم نہیں ضائع کرتے اصلاح کرنے والوں کا اجر۔ جو اپنی بھی اصلاح کرتے ہیں اور دوسروں کی اصلاح کی بھی فکر کرتے ہیں ان کا اجر ضائع نہیں ہوگا۔

﴿ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ ﴾ اور جب ہم نے اکھاڑا پہاڑ کو ﴿ فَوْقَهُمْ ﴾ ان کے اوپر ﴿ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ ﴾ گویا کہ وہ سائبان تھا ﴿ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ﴾ اور انھوں نے یقین کرلیا کہ بے شک وہ پہاڑ ان پر گرنے والا ہے ﴿ خُذُوْا ﴾ پکڑو ﴿ مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ ﴾ جو چیز ہم نے تمھیں دی ہے قوت کے ساتھ ﴿ وَّاذْكُرُوْا ﴾ اور یاد کرو ﴿ مَا فِيْهِ ﴾ جو کچھ اس میں ہے ﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ تا کہ تم بچ جاؤ ﴿ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ ﴾ اور جب لیا وعدہ تیرے رب نے ﴿ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ ﴾ بنی آدم سے ﴿ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ﴾ ان کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکال کر ﴿ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ﴾ اور گواہ بنایا ان کو ان کی جانوں پر ﴿ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ﴾ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں ﴿ قَالُوْا بَلٰى ﴾ کہا انھوں نے ہاں ضرور آپ ہمارے رب ہیں ﴿ شَهِدْنَا ﴾ ہم گواہی دیتے ہیں ﴿ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ تا کہ نہ کہو تم قیامت والے دن ﴿ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴾ بے شک ہم اس سے غافل تھے ﴿ اَوْ تَقُوْلُوْٓا ﴾ یا یہ نہ کہو ﴿ اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ ﴾ پختہ بات ہے شرک کیا ہمارے باپ دادا نے اس سے پہلے ﴿ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ﴾ اور ہم تو ان کی اولاد تھے ان کے بعد ﴿ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴾ کیا پس آپ ہمیں ہلاک کریں گے اس کارروائی کی وجہ سے جو باطل پرستوں نے کی ہے ﴿ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ ﴾ اور اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیتوں کو ﴿ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ اور تا کہ یہ لوگ گناہوں سے باز آجائیں۔

موسیٰ علیہ السلام کا تورات لانا اور قوم کی نافرمانی:

اس سے پچھلی آیات میں تورات کا ذکر ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام جب تورات لے کر آئے تو لوگوں کو کہا کہ فلاں جگہ پر سب اکٹھے ہو جاؤ میں نے تمھیں تورات سنانی ہے چنانچہ مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان سارے اکٹھے ہو گئے۔ان کی زبان

عبرانی تھی اور تورات بھی عبرانی زبان میں تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کا قد مبارک بھی بڑا تھا اور آواز بھی بڑی بلند تھی پہلوان قسم کے بزرگ تھے۔ ٹھہر ٹھہر کر آہستہ آہستہ تورات ان کو سنائی تا کہ ہر ہر آیت کا حکم سمجھ لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات پڑھنی شروع کی جہاں کہیں کوئی سخت حکم آتا تو ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اور بعض بول بھی پڑتے۔ موسیٰ علیہ السلام فرماتے خاموشی کے ساتھ سن لو جو کچھ کہنا ہو بعد میں کہہ لینا۔ تورات سننے کے بعد کہنے لگے یہ تو بڑی سخت کتاب ہے ہم تو اس پر عمل نہیں کر سکتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے آزاد زندگی بسر کی ہے اب تمھیں پابندی مشکل نظر آ رہی ہے لیکن جب عمل کرو گے تو آسان ہو جائے گی۔ کہنے لگے ہمیں یہ کتاب نہیں چاہیے اس وقت اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ اٹھا کر ان کے سروں پر کھڑا کر دیا اور فرمایا اس کو قبول کرو ورنہ پہاڑ تم پر گرا دیں گے۔ اس کا ذکر ہے۔

﴿ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ ﴾ اور جب ہم نے اکھاڑا پہاڑ کو ﴿ فَوْقَهُمْ ﴾ ان کے اوپر اٹھا کر سر پر لٹکا دیا ﴿ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ ﴾ گویا کہ وہ سائبان تھا۔ سائبان کی شکل میں ان کے سروں پر معلق کر دیا ﴿ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ﴾ اور انھوں نے یقین کر لیا کہ بے شک پہاڑ ان پر گرنے والا ہے۔ ہم نے کہا ﴿ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ ﴾ پکڑو جو چیز ہم نے تمھیں دی ہے قوت کے ساتھ ﴿ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ ﴾ اور یاد کرو جو کچھ اس میں ہے ﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ تا کہ تم بچ جاؤ رب تعالیٰ کی گرفت سے۔

اب یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو کسی پر جبر نہیں کرتے اس کا قانون ہے لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ "دین میں جبر نہیں ہے۔" اور اس سے زیادہ کیا جبر ہوگا کہ طور پہاڑ کو اُٹھا کر ان کے سروں پر کھڑا کر دیا کہ قبول کرو ورنہ تم پر گرا دیا جائے گا؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جبر شریعت کو قبول کرانے کے لیے نہیں تھا شریعت تو پہلے وہ قبول کر چکے تھے اور اُنھوں نے خود مطالبہ کیا تھا کہ ہمارے لیے کوئی قانون اور دستور ہونا چاہیے تا کہ ہم اس کے مطابق زندگی گزاریں۔ اب جب کتاب آ گئی تو ماننے سے انکار کر دیا تو یہ جبر نقض عہد کی وجہ سے تھا۔ جیسا کہ چھٹے پارے میں تصریح ہے ﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ ﴾ "پس ان کے اپنا عہد توڑنے کی وجہ سے۔" تو یہ وعدہ شکنی کی وجہ سے ہوا نہ کہ ابتداءً شریعت منوانے کے لیے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اس کو تم اس طرح سمجھو کہ تم کسی کافر کو تبلیغ کر سکتے ہو، اسلام قبول کرنے کی ترغیب دے سکتے ہو لیکن ڈنڈے کے زور پر اسے مسلمان کرنے کی اجازت نہیں ہے لیکن اگر وہ مسلمان ہو جانے کے بعد مرتد ہو گیا تو اس کی سزا قتل ہے۔ کیوں کہ اس نے عہد شکنی کی ہے، غدار ہے اور غدار کو کوئی حکومت بھی معاف نہیں کرتی۔ تو جو بندوں کی حکومت کا غدار ہو اس کے لیے سزا موت ہے تو جو رب تعالیٰ کا غدار ہو اس کے لیے تو موت بھی تھوڑی سزا ہے، زیادہ ہونی چاہیے تھی لیکن اس میں بھی بڑی سہولتیں رکھی گئی ہیں کہ مرتد کو تین دن کی مہلت دی جائے گی تا کہ وہ اپنے شکوک و شبہات دور کرے۔ اس کو ایک آدمی سمجھائے گا اس سے نہ سمجھا تو دوسرا سمجھائے گا، تیسرا سمجھائے گا، چوتھا سمجھائے گا، اس کے اشکالات دور کیے جائیں گے۔ اگر تین دن تک نہ سمجھا تو چوتھے دن قتل کر دیا جائے گا اور یہ قتل ارتداد، غداری اور نقض عہد کی وجہ سے ہوگا نہ کہ ابتداءً شریعت اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے ہوگا۔ تو ان پر کوہِ طور کو عہد شکنی کی وجہ سے مسلط کیا گیا تھا۔

﴿ وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ ﴾ اور جب لیا وعدہ تیرے رب نے بنی آدم سے ﴿ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ ﴾ ان کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکال کر۔ عرفات کا میدان بڑا وسیع ہے لاکھوں کی تعداد میں لوگ وہاں سما جاتے ہیں عرفات کے ایک کنارے پر وادی مُعَرَّۃُ النُّعمان ہے۔ اس وادی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ کی دائیں طرف ہاتھ پھیرا تو اَصْحَابُ الیمین چیونٹیوں کی طرح سامنے آگئے پھر بائیں طرف ہاتھ پھیرا تو اَصْحَابُ الشمال چیونٹیوں کی طرح سامنے آگئے۔ آدم علیہ السلام نے پوچھا پروردگار! یہ کیا ہے؟ فرمایا تیری اولاد ہے۔ پروردگار کوئی چھوٹا ہے، کوئی لمبا ہے، کوئی گورا ہے، کوئی کالا ہے، ان کو ایک جیسا نہیں بنایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا اَحْبَبْتُ اَنْ اُشْكَرَ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔ امیر غریب کو دیکھ کر، بڑا چھوٹے کو دیکھ کر، گورا کالے کو دیکھ کر شکر ادا کرے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے سب کو ادراک وشعور عطا فرمایا اور دو چیزیں سامنے رکھیں ﴿ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ ﴾ اور گواہ بنایا ان کو ان کی جانوں پر۔ پہلی چیز فرمایا ﴿ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ﴾ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں ﴿ قَالُوْا بَلٰی ﴾ کہا اُنھوں نے ہاں ضرور آپ ہمارے رب ہیں۔

میثاقِ انبیاء اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق

ازل میں عالم مثال اور عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے سب سے یہ وعدہ لیا اور ایک وعدہ اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے لیا ﴿ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ﴾ "اور جب لیا اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے پختہ عہد کہ جب میں نے تم کو کتاب اور حکمت دے دی ﴿ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ ﴾ پھر آیا تمہارے پاس رسول تصدیق کرنے والا اس کی جو تمہارے پاس ہے ﴿ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ﴾ [آل عمران: ۸۱] البتہ ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور البتہ ضرور اس کی مدد کرو گے۔ آخری پیغمبر کی مدد کرنا تمہارے فریضہ میں شامل ہے۔" تو یہ دو عہد لیے گئے۔

﴿ شَهِدْنَا ﴾ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے یہ وعدہ کر لیا کہ آپ ہمارے رب ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ وعدہ کیوں لیا ﴿ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ﴾ تا کہ نہ کہو تم قیامت والے دن ﴿ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ﴾ کہ بے شک ہم اس سے غافل تھے ہمیں معلوم نہیں تھا کہ آپ ہمارے رب ہیں ﴿ اَوْ تَقُوْلُوْۤا ﴾ یا یہ نہ کہو ﴿ اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ﴾ پختہ بات ہے کہ شرک کیا ہمارے باپ دادا نے اس سے پہلے ﴿ وَ كُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ﴾ اور ہم تو ان کی اولاد تھے ان کے بعد ان کے نقش قدم پر چلتے رہے تا کہ تم یہ نہ کہہ سکو اس لیے میں نے براہِ راست تم سے اقرار لیا ہے اور تم نے مان لیا ہے کہ میں تمہارا رب ہوں تا کہ تم کل حجت بازی نہ کر سکو۔

ملحدوں کا اعتراض اور اس کا جواب

بعض ملحدوں نے اعتراض کیا ہے کہ ہمیں تو وہ وعدہ یاد نہیں ہے اگر ہوتا تو کسی نہ کسی کو تو یاد ہوتا۔ جواب یہ ہے کہ جن حضرات کے حافظے مضبوط ہیں ان کو یاد ہے۔ چنانچہ تفسیروں میں حوالے آتے ہیں بہت سارے بزرگوں کے کہ وہ فرماتے ہیں

۔۔۔وہ عہد ہمیں یاد ہے۔ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام آتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ وہ وعدہ مجھے یاد ہے حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے ولی ہوئے ہیں وہ فرماتے ہیں مجھے وہ وعدہ یاد ہے۔شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے وہ وعدہ یاد ہے۔اور کئی بزرگ ہیں جن کو وہ وعدہ یاد ہے۔اگر ماشما کو یاد نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وعدہ لیا ہی نہیں گیا۔ ہمیں اور کون سی ساری باتیں یاد ہیں۔مثلاً:

ہمیں ابا،امی کسی نے سکھایا ہے،روٹی،پانی،آسمان،زمین کسی نے تو سکھایا ہے مگر کوئی نہیں بتا سکتا کہ کس نے کس وقت اور کس جگہ ہمیں یہ الفاظ یاد کرائے ہیں۔ہاں ان کا نتیجہ ہمارے ذہن میں ہے کہ جو چیزیں ہمیں بتلائی گئی ہیں حق ہیں۔اسی طرح وہ وعدہ یاد نہیں ہے لیکن اس کا نتیجہ ہمارے ذہن میں ہے کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے۔اور سوائے چند دہریوں کے سارے مانتے ہیں ہندو ہوں یا سکھ ہوں،عیسائی ہوں یا یہودی ہوں،بدھ ہوں یا ڈوگرے ہوں سب کے سب رب تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں یہ الگ بات ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے خیال کے مطابق مانتا ہے۔البتہ دہریے کہتے ہیں کہ ایک گول سا مادہ ہے جیسے پیڑا ہوتا ہے اس نے ساری زمین اور آسمان پیدا کیے ہیں اور خود اس کو کوئی شدبد نہیں ہے اور ان کا یہ نظریہ عقل کے خلاف ہے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے تم سے یہ عہد اس لیے لیا کہ کل کو تم یہ نہ کہو کہ شرک تو ہمارے باپ دادا نے کیا تھا ہم تو ان کی اولاد تھے ان کے نقش قدم پر چلتے تھے اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔اس لیے رب تعالیٰ نے سب کو ادراک وشعور دے کر اقرار کرایا کہ میں تمہارا رب ہوں اور یہ نہ کہہ سکو ﴿اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ کیا پس آپ ہمیں ہلاک کریں گے اس کارروائی کی وجہ سے جو باطل پرستوں نے کی ہے،ہمارے آباؤاجداد نے اور ہم ان کے نقش قدم پر چلتے رہے ﴿وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ﴾ اور اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیتوں کو ﴿وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ اور تاکہ یہ لوگ گناہوں سے باز آجائیں۔رب تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آجائیں۔

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ﴾ اور آپ پڑھ کر سنائیں ان لوگوں کو ﴿نَبَاَ الَّذِيْٓ﴾ خبر اس شخص کی ﴿اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا﴾ جس کو ہم نے دی تھیں اپنی کچھ نشانیاں ﴿فَانْسَلَخَ مِنْهَا﴾ پس وہ نکل گیا ان نشانیوں سے ﴿فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ﴾ پس اس کا پیچھا کیا شیطان نے ﴿فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ﴾ پس ہو گیا وہ گمراہوں میں سے ﴿وَلَوْ شِئْنَا﴾ اور اگر ہم چاہتے ﴿لَرَفَعْنٰهُ بِهَا﴾ تو البتہ ہم اس کو بلند کرتے ان نشانیوں کی وجہ سے ﴿وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ﴾ اور لیکن وہ جھک گیا زمین کی طرف ﴿وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾ اور اس نے پیروی کی اپنی خواہش کی ﴿فَمَثَلُهٗ﴾ پس اس کی مثال ﴿كَمَثَلِ الْكَلْبِ﴾ جیسے مثال ہے کتے کی ﴿اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ﴾ اگر تو اس پر حملہ کرے تو وہ ہانپتا ہے ﴿اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ﴾ یا اگر اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپتا ہے ﴿ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ﴾ یہ مثال ہے قوم کی ﴿الَّذِيْنَ

﴿كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا﴾ جس نے جھٹلا دیا ہماری آیتوں کو ﴿فَاقْصُصِ الْقَصَصَ﴾ پس آپ بیان کریں حالات ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ وہ لوگ غور وفکر کریں ﴿سَآءَ﴾ بری ہے ﴿مَثَلًا الْقَوْمُ﴾ مثال اس قوم کی ﴿الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ﴾ اور وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ﴾ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے ﴿فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ﴾ پس وہی ہدایت پانے والا ہے ﴿وَمَنْ يُّضْلِلْ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ پس وہی لوگ ہیں نقصان اٹھانے والے۔

مقامِ انبیاء علیہم السلام اور درجات

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نیک لوگوں کے واقعات بھی بیان فرمائے ہیں اور برے لوگوں کے حالات بھی بیان فرمائے ہیں۔ نیکوں کے واقعات اس لیے بیان فرمائے ہیں کہ تم ان کی پیروی کرو، ان کے نقش قدم پر چلو اور برے لوگوں کے حالات اس لیے بیان فرمائے ہیں تاکہ تم ان سے پرہیز کرو اور تمہارا حشر ان جیسا نہ ہو۔ اس سلسلے کا یہ واقعہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کا ہے۔ کئی دفعہ آپ حضرات سن چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے پہلا درجہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا درجہ ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقام ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک صوفی قسم کا آدمی تھا اس کا نام بلعم اور باپ کا نام باعورا تھا۔ بلعم ابن باعورا کے ہاتھ پر بڑی عجیب وغریب قسم کی چیزیں صادر ہوتی تھیں۔ لوگوں کا اس کی طرف رجوع تھا کوئی کہتا میرے سر میں درد ہے پھونک مارتا درد فوراً ٹھیک ہو جاتا، کوئی کہتا میرے گھٹنوں میں درد ہے یہ دم کرتا وہ ٹھیک ہو جاتا، کوئی کہتا میری کمر میں درد ہے کمر پر ہاتھ پھیرتا تکلیف دور ہو جاتی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے۔ یہ تو ایک بہانہ تھا ورنہ کرنے والا تو اللہ تعالیٰ تھا۔ کسی کا کام رکا ہوا ہوتا، شادی نہیں ہو رہی، رقم پھنس گئی ہے، ناحق مقدمے میں مبتلا ہو گیا ہوتا، زمین مکان پر کسی نے قبضہ کر لیا ہے، اس کے پاس آتے بلعم باعورا دعا کرتا اللہ تعالیٰ ان پر کرم فرما دیتا اور مصیبتوں سے چھٹکارا مل جاتا۔ بڑی دور دور تک اس کی شہرت تھی مرد عورتوں کا ہجوم لگا رہتا تھا اور تھا بھی بڑا عابد وزاہد۔ اس کی عبادت بھی لوگوں میں مشہور تھی اس کا مقبول الدعا ہونا بھی لوگوں میں معروف تھا۔

فرعون اور اس کے حواری موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے تنگ تھے اور جادوگروں کے ذریعے بھی مقابلہ نہ کر سکے ان کے جادوگر مات ہو گئے ان کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ بڑے پریشان تھے کہ اب کیا کریں؟ مشورے سے طے ہوا کہ معزز آدمیوں کا ایک وفد بلعم باعورا کو ملے اور اس سے کہے کہ تم مقبول الدعا ہو لوگوں کے حق میں دعا، بددعا کرتے رہتے ہو موسیٰ علیہ السلام کے حق میں بددعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کو (معاذ اللہ تعالیٰ) ختم کر دے کہ ہم اس سے چھٹکارا پالیں اس نے ہماری ناک میں دم کیا ہوا ہے۔ تعداد میں ہم زیادہ ہیں، اقتدار ہمارے پاس ہے لیکن اس نے ہمارا جینا حرام کیا ہوا ہے۔

چنانچہ یہ وفد بلعم باعورا کے پاس پہنچا اور اس کو سارے حالات سنائے اور موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بد دعا کرنے کی التجا کی۔ بلعم باعورا اُچھلا اور کہنے لگے شیطانو! تم کیا کہتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے خلاف بد دعا کروں اور پیغمبر بھی بلند شان والا صاحب شریعت، بھاگ جاؤ یہاں سے۔ وفد کو اس نے ڈرایا وفد واپس چلا گیا مگر ان کو اس کا لالچی ہونا معلوم تھا اور وہ اس کی اس عادت سے واقف تھے کہ جو شخص اس کی تھوڑی خدمت کرتا تھا اس کی طرف توجہ بھی تھوڑی دیتا تھا اور جو زیادہ خدمت کرتا تھا اس کی طرف توجہ بہت زیادہ کرتا تھا۔

تعویذ فروشی اور اُجرت؟

ضمنی طور پر یہ مسئلہ سمجھ لیں کہ چاروں ائمہ کرام رحمہم اللہ اور سو فیصد محدثین رحمہم اللہ کا اس پر اتفاق ہے کہ دم اور تعویذ پر اجرت لینا جائز ہے اور بخاری وغیرہ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ البتہ ہمارے اکابر کا یہ طریقہ تھا کہ وہ کسی سے مانگتے نہیں تھے اور اشارہ بھی نہیں کرتے تھے کہ اجرت دو اگر کوئی اپنی خوشی سے دے دیتا تھا تو لے لیتے تھے کیونکہ معاوضہ حلال ہے حرام نہیں ہے۔ ایسا نہیں کرتے تھے کہ تو نے کتنی رقم کا تعویذ کرانا ہے جیسے آج کل لوگوں نے دکانیں کھولی ہوئی ہیں۔ ہمارے اکابر سب تعویذ کرتے تھے شفا رب تعالیٰ کے پاس ہے بندے کے پاس نہیں ہے۔ پیسے مانگنا، لالچ کرنا ہمارے اکابر کے طریقے کے خلاف ہے۔

خیر لوگوں کو علم تھا کہ بلعم باعورا لالچی ہے اُنھوں نے دوبارہ وفد تشکیل دیا وہ اس کے پاس گیا اور سونے، چاندی اور جواہرات کے ہدیے پیش کیے اور اس کو بد دعا کے لیے کہا مگر وہ پھر بھی بد دعا پر آمادہ نہ ہوا۔ چنانچہ تیسری مرتبہ وفد آیا اور کافی مقدار میں سونا چاندی، ہیرے موتی اور نقدی کے ڈھیر اس کے سامنے لگا دیئے۔ اس نے اپنے خاص خاص مریدوں کو مجلس سے اٹھا دیا تاکہ لیتے ہوئے شرم نہ آئے۔ اب صرف وفد تھا اور بلعم باعورا تھا۔ وفد والوں نے کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہمیں بڑا تنگ کیا ہے اس کے حق میں بد دعا کرو۔ لالچ میں آ گیا اور شیطان عدو مبین ہے کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا ہر مرحلے میں دشمنی کرتا ہے اور اس کی دشمنی سے بچنا بڑا مشکل ہے اللہ تعالیٰ کی نصرت کے سوا کوئی نہیں بچ سکتا۔

ایک قصہ مشہور ہے اور بعض قصے بھی بڑے معنیٰ خیز ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایک نیک بندہ تھا ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتا تھا شیطان کے جال میں نہیں آتا تھا گرمی کا زمانہ اور دوپہر کا وقت تھا وہ بزرگ ایک دیوار کے سائے میں سو گیا۔

دن لمبے ہوں اور رات چھوٹی ہو تو قیلولہ کیے بغیر رات کو جاگنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔ اسی واسطے حدیث پاک میں آتا ہے مِنْ دَاْبِ الصّٰلِحِیْنَ قیلولہ نیک لوگوں کی عادت میں سے ہے۔ دن کو تھوڑا سا سونا تاکہ رات کو تہجد کے لیے جاگنا آسان ہو جائے اگرچہ تہجد مستحب ہے فرض واجب نہیں ہے۔

تو اس بزرگ نے قیلولہ کرنے کے لیے تھوڑا سا آرام کیا۔ اچانک اس نے دیکھا کہ ایک آدمی آیا ہے اچھی وضع قطع والا۔ اس نے عمدہ لباس پہنا ہوا ہے شکل وصورت بھی اس کی خوب تھی کہنے لگا جلدی جلدی اُٹھو یہ دیوار گرنے والی ہے۔ اس بزرگ کا اٹھنا تھا کہ بیچ مچ دیوار گر گئی۔ اس نے پوچھا تم کون ہو؟ اس آدمی نے کہا کہ میں شیطان ہوں۔ اللہ والے نے کہا تُو تو میرا دشمن ہے میرے ساتھ نیکی کرنے کا کیا مطلب؟ شیطان نے کہا میں نے نیکی نہیں کی میں نے اس لیے اٹھایا ہے کہ کہیں تجھے شہادت کا درجہ نہ مل جائے۔ تو شیطان دشمنی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔

بلعم باعورا کا موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بددعا کرنا اور اسکا انجام؟

بلعم باعورا لالچ میں آ گیا کیونکہ اس کے سامنے دنیا کی قیمتی چیزوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اگرچہ دل سے بددعا نہیں کرنا چاہتا تھا مگر مال ہضم کرنے کے لیے ان کے سامنے منہ کھولا۔ مثلاً: کہنا چاہتا تھا کہ اے اللہ! موسیٰ (علیہ السلام) کو تباہ کر دے یا غرق کر دے۔ لیکن جونہی اس نے منہ سے نکالا" اے اللہ! موسیٰ کو" تو اس کی زبان نیچے ناف تک لٹک گئی جیسے باؤلے کتے کی زبان لٹکی ہوئی ہوتی ہے اور دوڑا بھاگتا پھرتا ہے اسی طرح زبان لٹکا کر بھاگنے لگ گیا اور آگے کچھ نہ کہہ سکا اور انتہائی گھٹیا حرکتیں لوگوں کے سامنے کرنی شروع کر دیں۔ مثلاً: لوگوں کے سامنے گدھیوں سے جفتی کرتا رہتا تھا اور مختلف قسم کی خرافات کرتا رہتا تھا۔ اس کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ﴾ اور آپ پڑھ کر سنائیں ان لوگوں کو ﴿نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا﴾ خبر اس شخص کی جس کو ہم نے دی تھیں اپنی کچھ نشانیاں۔ کچھ کرشمے اور عجیب وغریب قسم کی چیزیں جو اس کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی تھی ﴿فَانْسَلَخَ مِنْهَا﴾ پس وہ نکل گیا ان نشانیوں سے ﴿فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ﴾ پس اس کا پیچھا کیا شیطان نے ﴿فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ﴾ پس ہو گیا وہ گمراہوں میں سے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ نیکی پر قائم رکھے اور ہر وقت نیکی پر قائم رہنے کی دعا کرتے رہنا چاہیے کہ انسان کا دل کسی بھی وقت پلٹ سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر دُعا فرماتے تھے اُمت کی تعلیم کے لیے اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ " اے پروردگار! میرے دل کو دین پر ثابت رکھنا۔" ایمان قائم رہے گا تو نیکیاں کام آئیں گی۔

﴿وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا﴾ اور اگر ہم چاہتے تو اس کو بلند کرتے ان نشانیوں کی وجہ سے۔ کہ ان کرشموں پر قائم رہتا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے خلاف لب کشائی نہ کرتا اپنی عبادات میں لگا رہتا تو اس کی وجہ سے ہم اس کو اور بلند مقام پر پہنچا دیتے لیکن وہ زمین کی چیزوں پر عاشق ہو گیا سونا چاندی جواہرات دیکھ کر ان پر گر پڑا اور گمراہ ہو گیا۔

جنتی جانور؟

تفسیروں میں آتا ہے کہ قیامت والے دن اصحابِ کہف کے کتے کو اللہ تعالیٰ بلعم باعورا کی شکل عطا فرمائیں گے بڑا صحت مند، خوب صورت بلعم باعورا کی شکل میں جنت میں داخل ہوگا کیونکہ یہ بھی بڑا خوب صورت، صحت مند جوان تھا۔ ابن نجیم

مصری رحمۃ اللہ علیہ جن کا لقب ابوحنیفہ ثانی تھا، وہ اپنی کتاب "اَلْاَشْبَاہُ وَ النَّظَائِر" میں لکھتے ہیں کہ تیرہ [۱۳] قسم کے جانور جنت میں جائیں گے۔ ان میں اصحاب کہف کا کتا، حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹی، سلیمان علیہ السلام کا ہُد ہد اور وہ چیونٹی جس نے چیونٹیوں کو آگاہ کیا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر آ رہا ہے فوراً بلوں میں داخل ہو جاؤ اور اس قسم کے اور بھی کئی جانوروں کا ذکر کیا ہے۔

﴿وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ﴾ اور لیکن وہ بلعم باعورا جھک گیا زمین کی طرف۔ سونا چاندی، جواہرات دیکھ کر اس کے منہ میں پانی آ گیا ﴿وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾ اور اس نے پیروی کی اپنی خواہش کی ﴿فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ﴾ پس اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے مثال ہے کتے کی ﴿اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ﴾ اگر تو اس پر حملہ کرے تو وہ ہانپتا ہے زبان باہر نکالے گا ﴿اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ﴾ یا اگر تو اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپتا ہے۔ پھر بھی زبان نکالے گا باؤلا کتا ہر وقت زبان نکالے پھرتا رہتا ہے اسی طرح بلعم باعورا بھی پھرتا رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنی گرفت سے محفوظ فرمائے۔ کبھی کسی بھی نیکی پر تکبر نہ کرو اور کسی برائی کو حقیر نہ سمجھو۔ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ نے ہماری عبرت اور ہمیں سمجھانے کے لیے بیان فرمایا ہے۔

فرمایا ﴿ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ یہ مثال ہے اس قوم کی جس نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے خلاف بکتے رہتے ہیں ان کی زبان کتے کی ہے ﴿فَاقْصُصِ الْقَصَصَ﴾ پس آپ بیان کریں حالات ایسے لوگوں کے ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ وہ لوگ غور و فکر کریں۔ جو آنے والی نسلیں ہیں اور اس سے سبق حاصل کریں ﴿سَآءَ مَثَلَا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ بری ہے مثال اس قوم کی جس نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔ وہ مثال یہ ہے کہ ان کی زبانیں کتے کی طرح نکلی ہوئی ہیں ﴿وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ﴾ اور وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ اس میں رب تعالیٰ کا کیا نقصان ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ساری دنیا نیک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی خدائی، اس کے کمالات، اس کی صفات، اس کی خوبیوں میں ایک رتی کا بھی اضافہ نہیں ہو سکتا اور اگر سارے کے سارے کافر ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی خدائی میں ایک رتی کا بھی نقصان نہیں ہوگا رب، رب ہے، بنتا اور بگڑتا مخلوق کا ہے۔ ہر ایک نے اپنا بنانا اور بگاڑنا ہے۔ ﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ﴾ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے پس وہی ہدایت پانے والا ہے ﴿وَمَنْ يُّضْلِلْ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ پس وہی لوگ ہیں نقصان اٹھانے والے۔

ایمان اور کفر میں انسان کا اختیار؟

میں یہ بات کئی مرتبہ سمجھا چکا ہوں کہ اس قسم کی آیات جب قرآن کریم میں آتی ہیں تو بعض لوگوں کو شبہات پیدا ہوتے ہیں کہ جب ہدایت اللہ تعالیٰ دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے تو پھر اس میں بندے کا کیا قصور ہے؟ مثلاً: یہی آیت کریمہ ہے کہ ﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ﴾ جس کو اللہ ہدایت دیتا ہے وہی ہدایت پانے والا ہے ﴿وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے پس وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اس کے متعلق میں نے قرآن پاک کی آیات نکال کر تمھیں بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ "پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے اپنی مرضی سے۔" ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ "جدھر کوئی پھرنا چاہے ہم اس کو ادھر پھیر دیتے ہیں۔" جو ہدایت چاہے اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دیتے ہیں ﴿وَيَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ﴾ "اللہ تعالیٰ اپنی طرف اس کی راہنمائی کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔" اور یہ لفظ بھی قرآن میں ہیں ﴿اَللّٰهُ يَجْتَبِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ "اللہ تعالیٰ منتخب کرتا ہے اپنے لیے جس کو چاہتا ہے۔" جس طرح پیغمبروں کو منتخب کر لیا ﴿وَيَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ﴾ "اور ہدایت اس کو دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔" جبراً کسی کو ہدایت نہیں دیتا اور گمراہ کس کو کرتا ہے؟ متعدد مقامات پر ہے ﴿يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [المومن: ۷۴] کافروں اور منکروں کو گمراہ کرتا ہے۔ اور کسی جگہ پر آتا ہے ﴿يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [ابراہیم: ۲۷] ﴿فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ [الصف: ۵] "پس جب اُنھوں نے کج روی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے۔" جبراً کسی کو گمراہ نہیں کرتا اس کو گمراہ کرتا ہے جو گمراہی کے چکر میں پھنسا ہوا ہے۔

﴿وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیے جہنم کے لیے ﴿كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾ بہت سے جنوں میں سے اور انسانوں میں سے ﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ﴾ ان کے دل ہیں ﴿لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا﴾ سمجھتے نہیں ہیں ان دلوں کے ساتھ ﴿وَلَهُمْ اَعْيُنٌ﴾ اور ان کی آنکھیں ہیں ﴿لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا﴾ دیکھتے نہیں ہیں ان آنکھوں کے ساتھ ﴿وَلَهُمْ اٰذَانٌ﴾ اور ان کے کان ہیں ﴿لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا﴾ نہیں سنتے ان کانوں کے ساتھ ﴿اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ﴾ یہ لوگ ہیں جانوروں کی طرح ﴿بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾ بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ یہی لوگ ہیں غافل ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں نام اچھے ﴿فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ پس پکارو تم اس کو ان ناموں کے ساتھ ﴿وَذَرُوا﴾ اور چھوڑ دو ﴿الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَآئِهٖ﴾ ان لوگوں کو جو کج روی اختیار کرتے ہیں اس کے ناموں میں ﴿سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ عنقریب ان کو بدلہ دیا جائے گا اس کارروائی کا جو وہ کرتے ہیں ﴿وَمِمَّنْ خَلَقْنَاۤ﴾ اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے پیدا کیا ہے ﴿اُمَّةٌ﴾ ایک گروہ ہے ﴿يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ﴾ جو راہنمائی کرتے ہیں حق کے ساتھ ﴿وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴾ اور وہ اسی حق کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔

جنتیوں اور دوزخیوں کی محشر میں تقسیم؟

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کی گمراہی اور ان کے جہنم میں جانے کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا ﴿وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا جہنم کے لیے ﴿كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ﴾ بہت سے جنوں میں سے ﴿وَالْاِنْسِ﴾ اور

انسانوں میں سے۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے قیامت کا دن ہوگا مخلوق ساری جمع ہوگی اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو فرمائیں گے اِبْعَثْ بَعْثًا لِلنَّارِ دوزخیوں کو الگ کر دو۔ تو سو میں سے ننانوے دوزخی ہوں گے اور ایک جنتی ہوگا یعنی یہ نسبت ہوگی۔ ان میں جو مخلوق میدانِ حشر میں جمع ہوگی اندازہ لگالو جنوں اور انسانوں میں سے زیادہ تو دوزخ میں گئے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے اتمام حجت کی ہے۔ فرمایا ﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ﴾ ان کے دل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے سمجھنے کے لیے دیے ہیں ﴿لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا﴾ سمجھتے نہیں ہیں ان دلوں کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو دل عطا فرمایا ہے۔ ماں کے پیٹ میں جب بچہ ساڑھے چار ماہ کا ہو جاتا ہے تو دل کو چلا دیا جاتا ہے اور موت تک باقاعدہ حرکت کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں سمجھ رکھی ہے وہ دن رات دائیں بائیں گرم سرد وغیرہ چیزوں کو سمجھتا ہے۔

﴿وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا﴾ اور ان کی آنکھیں ہیں دیکھتے نہیں ان آنکھوں کے ساتھ۔ اگر آدمی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں، زمین، آسمان، پہاڑ، دریا وغیرہ نہ دیکھے، حق و باطل کو نہ دیکھے تو آنکھوں کا کیا فائدہ۔ سب کچھ سامنے ہوتے ہوئے آنکھیں بند کر لے تو اس کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔ ﴿وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا﴾ اور ان کے کان ہیں نہیں سنتے ان کانوں کے ساتھ۔ حق کی بات اگر کانوں سے نہ سنی تو اور سنا تو کیا سنا؟ کافروں کے متعلق رب تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے ﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ﴾ "کانوں سے بہرے ہیں، زبان سے گونگے ہیں، آنکھوں سے اندھے ہیں۔" حالانکہ کافروں کے کان بھی ہیں اور ان سے سنتے بھی اور آنکھوں سے دیکھتے بھی ہیں، زبانیں بھی ان کی چلتی ہیں تو پھر بہرے، گونگے اور اندھے ہونے کا کیا مطلب ہوا؟ تو مطلب یہ ہے کہ حق سننے سے بہرے ہیں، حق بولنے سے گونگے ہیں، قدرت کی نشانیاں دیکھنے سے اندھے ہیں۔ وہ آنکھیں کس کام کی جو حقیقت کو نہ دیکھیں جو دل حقیقت کو نہ سمجھے اس میں خوف خدا نہ ہو آخرت کی فکر نہ ہو، قبر بھول جائے تو وہ دل پتھر ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ﴾ یہ لوگ ہیں جانوروں کی طرح۔ اَنْعَامٌ جمع ہے نَعَمٌ کی اور نَعَمٌ کے معنیٰ ہیں مویشی، حیوان۔ ﴿بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾ بلکہ جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

انسانوں کو اپنے مالک حقیقی سے تعلق رکھنا چاہیے

جانوروں میں سے گدھا سب سے زیادہ احمق ہے لیکن گدھا بھی اپنے مالک کی آواز کو پہچانتا ہے مالک آواز دے تو چل پڑتا ہے آواز دے تو کھڑا ہو جاتا ہے مالک دائیں بائیں موڑتا ہے تو مڑتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ میرا مالک ہے اس کی آواز پر میں نے لبیک کہنی ہے اور کہتا ہے۔ معاف رکھنا! ہم تو گدھے سے بھی گئے گزرے لوگ ہیں کہ رب تعالیٰ ہمارا حقیقی مالک ہے ہم اس کی کتنی نافرمانیاں کرتے ہیں اور اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے آپ حضرات دیکھتے ہیں کہ جو جانور انسانوں سے مانوس ہوتے ہیں وہ اپنے مجازی آقا کی بات مانتے ہیں اور ہم اپنے حقیقی آقا کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں اور دنیا میں اکثریت

ایسے گمراہ لوگوں کی ہی رہی ہے۔ یہ دوزخ کے بندے ہیں اللہ تعالیٰ بچائے اور محفوظ رکھے ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ یہی لوگ ہیں غافل۔رب تعالیٰ کی توحید سے،رب تعالیٰ کے حکموں سے،رب تعالیٰ کی نعمتوں سے۔

اسماء الحسنیٰ اور ان کی تاثیر

﴿وَلِلّٰهِ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں نام اچھے ﴿فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ پس پکارو تم اس کو ان ناموں کے ساتھ۔اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام مشہور ہیں جو قرآن کریم اور دیگر کتابوں کے شروع میں لکھے ہوتے ہیں ویسے اللہ تعالیٰ کے پانچ ہزار کے قریب نام ہیں جو آسمانی کتابوں،صحیفوں اور وحی الٰہی میں نازل ہوئے ہیں ان میں سے لفظ "اللہ" یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے اور باقی صفاتی نام ہیں۔ان میں سے کسی بھی نام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارو وہ سنتا ہے اور فریاد کو پہنچتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے ہر نام میں الگ الگ خاصیت ہے۔بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو رزق کی تنگی ہو تو وہ اخلاص کے ساتھ ہر نماز کے بعد تین دفعہ پڑھے یَا رَزَّاقُ یَا بَاسِطُ اللہ تعالیٰ رزق میں وسعت پیدا فرمادیں گے۔اگر کسی سے دشمنی اور عداوت کا خوف ہے تو ہر نماز کے بعد گیارہ مرتبہ پڑھے یَا حَکِیْمُ یَا وَدُوْدُ اللہ تعالیٰ دشمنی ٹال دیں گے۔اگر کسی کو رشتے وغیرہ کی پریشانی ہے تو ہر نماز کے بعد تین مرتبہ پڑھے یَا رَحِیْمُ یَا کَرِیْمُ یَا لَطِیْفُ اللہ تعالیٰ پریشانی دور فرمادیں گے (لیکن یہ ضابطہ یاد رکھیں کہ جو بھی وظیفہ پڑھیں اول آخر درود شریف تین تین مرتبہ ضرور پڑھیں یہ قبولیت کی شرط ہے۔محمد نواز بلوچ،مرتب)۔تو ان ناموں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت پکارو۔

فرمایا ﴿وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ أَسْمَآئِهٖ﴾ اور چھوڑ دو ان لوگوں کو جو کج روی اختیار کرتے ہیں اس کے ناموں میں کہ اس کے نام کسی اور کے لیے استعمال کرتے ہیں،رب کے ناموں میں کسی اور کو شریک کرتے ہیں۔مثلاً: عالم الغیب صرف رب تعالیٰ ہے۔تو جو لوگ کسی اور کو عالم الغیب کہتے ہیں اُنھوں نے رب کے نام میں کج روی اختیار کی ہے۔

حاضر و ناظر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات

ہر جگہ حاضر و ناظر صرف پروردگار ہے اس نے قرآن میں فرمایا ہے ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ "وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔" اور کسی کو حاضر ناظر ماننے والا رب تعالیٰ کے نام میں زیادتی کرتا ہے۔اسی طرح مختار کل سارے جہان کا مالک متصرف صرف اللہ تعالیٰ ہے جو شخص کسی کو اور مختار کل سمجھے اس نے رب تعالیٰ کے نام میں کج روی اور زیادتی کی ہے۔جو رب تعالیٰ کے نام ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں ان کا اطلاق کسی اور کے لیے جائز نہیں ہے۔فرمایا جو لوگ الحاد اور کج روی کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں اوروں کو داخل کرتے ہیں ﴿سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ عنقریب ان کو بدلہ دیا جائے گا اس کارروائی کا جو وہ کرتے ہیں۔نافرمانیوں کا بدلہ ضرور ملے گا۔

اور اُوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اکثریت دوزخ میں جائے گی لیکن اب فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ حق والے بھی ہیں ﴿وَمِمَّنْ

خَلَقْنَآ ﴾ اوران لوگوں میں سے جن کو ہم نے پیدا کیا ہے ﴿ اُمَّةٌ ﴾ ایک گروہ ہے ﴿ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ ﴾ جو راہنمائی کرتا ہے حق کے ساتھ لوگوں کی کہ حق بتاتا ہے۔ سارے حق نہیں بتاتے صرف ایک گروہ ہے کیوں کہ دوسری طرف کثیر کا لفظ آیا ہے ﴿ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ﴾ اکثریت تو دوزخیوں کی ہے۔

﴿ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴾ اور وہ اسی حق کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔ یعنی وہ گروہ خود بھی اسی حق پر عدل وانصاف کے ساتھ چلتا اور عمل کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ "میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر ڈٹا رہے گا لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا جو ان کی مخالفت کرے گا وَ لَا مَنْ خَذَلَهُمْ اور نہ وہ ان کا کچھ بگاڑ سکے گا جو ان سے علیحدگی اختیار کرے گا وَ لَا مَنْ نَاوَأَهُمْ اور جو اندرونی طور پر ان کے خلاف سازش کرے گا وہ بھی کامیاب نہیں ہوگا۔" آنحضرت ﷺ کی پاک زبان سے نکلا ہوا فرمان ہے لہٰذا حق کا گروہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد تک ضرور رہے گا۔ قولاً، فعلاً، عملاً ہر طریقے سے حق کو بیان کرے گا اور حق پر چلے گا۔

﴿ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ ﴾ بہ تاکید ہم ان کو آہستہ آہستہ پکڑیں گے ﴿ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ایسی جگہ سے جہاں ان کو علم نہیں ہوگا ﴿ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ﴾ اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں ﴿ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴾ بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے ﴿ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ﴾ کیا انھوں نے غور وفکر نہیں کیا ﴿ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ﴾ کہ نہیں ہے ان کے ساتھی کو کوئی جنون ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ نہیں ہے وہ مگر ڈرانے والا کھول کر ﴿ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا ﴾ کیا اُنھوں نے نہیں دیکھا ﴿ فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں ﴿ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ﴾ اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے چیزوں کو ﴿ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ ﴾ اور یہ کہ شاید ﴿ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ﴾ قریب آ چکی ہو ان کی میعاد ﴿ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ پس کس بات پر اس قرآن کے بعد یہ لوگ ایمان لائیں گے ﴿ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ﴾ جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے ﴿ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ ﴾ اور وہ اللہ ان کو چھوڑتا ہے ان کی سرکشی میں ﴿ يَعْمَهُوْنَ ﴾ سرگرداں پھرتے ہیں۔

معجزات اور کرامات کی حقیقت؟

آیت کا لفظی معنیٰ قرآن کریم یا اور آسمانی کتابوں کی آیت بھی ہے اور آیت کا معنیٰ معجزہ اور نشانی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر کتابیں نازل فرمائیں، صحیفے نازل فرمائے ان میں بے شمار آیات تھیں۔ قرآن کریم کی چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶)

آیات ہیں لیکن نہ ماننے والوں نے نہیں مانا اور اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو عجیب وغریب قسم کے معجزات بھی عطا فرمائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ "قیامت قریب آ گئی ہے اور چاند دوٹکڑے ہو گیا ہے۔" اس معجزے کا مطالبہ خود مشرکین مکہ نے کیا تھا۔ اُنھوں نے آنکھوں سے دیکھا چودھویں رات کا چاند آسمان پر دوٹکڑے ہوا لیکن اُنھوں نے نہ مانا۔

ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ﴾ بہ تاکید ہم ان کو آہستہ آہستہ پکڑیں گے ﴿مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ایسی جگہ سے جہاں ان کو علم نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا عام قانون یہی ہے کہ وہ یک دم گرفت نہیں کرتا بلکہ ابتداء میں مہلت دیتا رہتا ہے پھر جب مہلت پوری ہو جاتی ہے تو گرفت آ جاتی ہے اور یہ گرفت ایسی جگہ سے ہوتی ہے کہ جہاں سے انھیں علم ہی نہیں ہوتا۔ ان کی توقع کے خلاف ان کی سرکوبی کے لیے دروازہ کھل جاتا ہے اور وہ سزا میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اِسْتِدْرَاج کا لغوی معنیٰ ہے کسی شے کو آہستہ آہستہ ترقی دینا، آگے بڑھانا۔ آپ حضرات یہاں پر چند ایک اصطلاحات سمجھ لیں جو علمائے کرام نے بیان فرمائی ہیں۔ وہ یہ کہ جو چیزیں خلافِ عادت اور خرقِ عادت کے طور پر کسی کے ہاتھ پر صادر ہوں تو ان میں تفصیل ہے اگر نبی کے ہاتھ پر نبوت ملنے سے پہلے صادر ہو تو اس کو "ارہاص" کہتے ہیں اِرْ ہاص کا معنیٰ تمہید ہے۔ گویا کہ یہ نبوت کی تمہید ہوتی ہے۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے ملنے سے پہلے مکہ مکرمہ میں راستوں سے گزرتے تھے تو پتھر آپ کو سلام کرتے تھے۔ بچپن میں ابو طالب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر میں ساتھ لے گئے بڑی سخت گرمی اور دھوپ تھی بادل نے آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر سایہ کیا اس کو ارہاص کہتے ہیں۔

اور جو خلافِ عادت چیزیں نبوت ملنے کے بعد ظاہر ہوں ان کو معجزہ کہتے ہیں۔ معجزہ کا معنیٰ ایسی نشانی جو لوگوں کو عاجز کر دے قرآن کریم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل معجزہ ہے۔ آج تک قرآن پاک کے مثل بلکہ اس کی چھوٹی سی آیت کریمہ کے مثل بھی کوئی نہ لا سکا اور نہ لا سکے گا۔ شق قمر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے ان کے علاوہ بے شمار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں۔ اور ولی کے ہاتھ پر خلافِ عادت جو چیز صادر ہو اس کو کرامت کہتے ہیں۔ اور ولی وہ ہوتا ہے جو توحید وسنت کا پابند ہو شریعت پر پورا اترتا ہو۔

اور یاد رکھنا! کہ معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے معجزے میں نبی کا ذاتی کوئی دخل نہیں ہوتا اور کرامت میں ولی کا ذاتی کوئی دخل نہیں ہوتا اور عام آدمی کے ہاتھ پر بسا اوقات کبھی کوئی چیز خلافِ عادت ظاہر ہو جاتی ہے چاہے وہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو اس کو "معونت" کہتے ہیں۔ معونت کے معنیٰ امداد۔ یہ اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کی تقویت کے لیے امداد فرماتے ہیں۔

اور اگر کافر کے ہاتھ پر خلافِ عادت کوئی چیز ظاہر ہو تو اس کو "استدراج" کہتے ہیں۔ دجال لعین جب آئے گا تو اس کے ہاتھ پر بہت کچھ ظاہر ہوگا۔ بادلوں کو حکم دے گا وہ اکٹھے ہو کر بارش برسانا شروع کر دیں گے، زمین پر پاؤں مارے گا وہ سونا

چاندی اگل دے گی ، جولوگ اس کو خدا مانیں گے ان کے گھروں کو دولت سے بھر دے گا اور جو اس کو الہٰ نہیں مانیں گے ان کے گھروں کا سامان دجال کے پیچھے چل پڑے گا جیسے کسی چیز کو پہیے لگ جاتے ہیں کوئی شے گھر میں نہیں رہے گی ۔ عجیب امتحان ہو گا۔ عجیب وغریب چیزیں اس سے صادر ہوں گی۔ یہ استدراج ہے۔

اور اگر کوئی چیز کافر کی مرضی کے خلاف صادر ہو تو اس کو" اہانت" کہتے ہیں۔ تاریخ میں ہے کہ مسیلمہ کذاب کے ایک ساتھی کا لڑائی کے دوران میں آنکھ کا ڈھیلا باہر نکل آیا وہ مسیلمہ کذاب کے پاس گیا کہ لڑتے لڑتے تلوار یا نیزہ لگا ہے اور آنکھ کا ڈھیلا باہر آ گیا ہے اس کو ٹھیک کر دے۔ اس نے جب اس کو دائرے میں رکھا تو دوسری آنکھ بھی ضائع ہو گئی۔ تو یہ اہانت ہے۔ دراصل اس نے آنحضرت ﷺ کی نقل اتارنا چاہی۔ وہ اس طرح کہ جنگِ اُحد میں لڑتے ہوئے ایک صحابی کا ڈھیلا آنکھ سے باہر نکل آیا تھا حضرت ابوقتادہ ربیع ابن خراش رضی اللہ عنہ ، بڑے خوب صورت اور صحت مند نوجوان تھے نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ ڈھیلا لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے حضرت ! میری نئی نئی شادی ہوئی ہے اگر میری آنکھ کی یہی وضع رہی تو میری بیوی نفرت کرے گی۔ آنحضرت ﷺ نے وہ آنکھ کا ڈھیلا آنکھ کے دائرے میں رکھا اور دعا کی کہ اے پروردگار! اتنا کام میرا تھا آگے تیرا کام ہے۔ وہ آنکھ درست ہو گئی اور دوسری آنکھ کی طرح کام کرتی تھی۔ یہ آپ ﷺ کا معجزہ تھا۔

حدیبیہ کے مقام پر پندرہ سو صحابہ تھے اور ان کے ساتھ اونٹ ، گھوڑے ، خچر بھی تھے۔ پانی سب کی ضرورت تھی لیکن وہاں پانی ختم ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا حضرت ! پانی نہیں ہے۔ وہاں ایک چشمہ تھا اس سے تھوڑا تھوڑا پانی رستا تھا آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے اس چشمے پر اپنا ہاتھ مبارک رکھا اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ اس سے پانی ایسے چلنے لگ گیا جیسے نہر پھوٹ پڑی ہو۔

اور مسیلمہ کذاب کے دور میں ایسا واقعہ پیش آیا کہ یمامہ کے مقام پر ان کو پانی کی قلت پیش آئی اس کے ساتھی اس کے پاس گئے کہ پانی کی ضرورت ہے۔ وہاں ایک چشمہ تھا جس سے تھوڑا تھوڑا پانی رستا تھا مسیلمہ کذاب نے آنحضرت ﷺ کی نقل اتارتے ہوئے چشمے پر ہاتھ رکھا اللہ تعالیٰ کی قدرت پانی کا جو قطرہ آ رہا تھا وہ بھی بند ہو گیا۔ اس کو اہانت کہتے ہیں اور کافر کی مرضی کے مطابق اگر کوئی شے خلافِ عادت ظاہر ہو تو اس کو استدراج کہتے ہیں۔ کافروں کو حکومت واقتدار ملتا ہے ، مال اور اولاد ملتی ہے ، عزت ملتی ہے ، وزارت ملتی ہے تو یہ نہ سمجھو کہ وہ کامیاب ہو گئے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو آہستہ آہستہ عذاب کی طرف چلاتے ہیں جہاں سے وہ جانتے نہیں بلکہ وہ خوش ہوتے ہیں کہ ہمیں یہ مل گیا وہ مل گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاُمْلِیْ لَهُمْ﴾ اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں ﴿اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ﴾ بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔ رب تعالیٰ کی تدبیر سے بہتر تدبیر کس کی ہو سکتی ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ایک شوشے کا جواب دیا ہے کافروں نے آنحضرت ﷺ کے متعلق یہ مشہور کر رکھا تھا کہ یہ جادوگر بھی ہے اور مجنوں بھی ہے۔

شکاری خود شکار ہو گیا!

مکہ مکرمہ سے کافی دور تقریباً تین چار دن کی مسافت پر قبیلہ بنو غفار کا علاقہ تھا وہاں کا ایک آدمی مجنوں اور پاگلوں کو دم کرتا تھا جس کا نام ضماد ابن ثعلبہ تھا۔ اس نے سنا کہ کعبۃ اللہ کے متولیوں میں سے ایک کا لاوارث بیٹا ہے مال اس کے پاس نہیں ہے اور وہ پاگل ہو گیا ہے۔ چوں کہ لوگوں کو کعبۃ اللہ کے ساتھ بڑی عقیدت تھی اس لیے ضماد مکہ مکرمہ پہنچا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معلوم کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ کہنے لگا حضرت! آپ نے سنا ہو گا کہ ازدشنوءۃ کے علاقہ میں ایک آدمی ہے جو پاگلوں کو دم کرتا ہے اللہ تعالیٰ شفا دیتا ہے وہ گنہگار میں ہوں اور ضماد میرا نام ہے۔ میں نے آپ سے فیس نہیں لینی صرف انسانی ہم دردی کے تحت میں نے آپ کو دم کرنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا دیکھو! ان کافروں نے کتنی دور تک میرے متعلق مشہور کیا ہوا ہے کہ میں پاگل ہوں۔ فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاگل نہیں ہوں۔ ضماد نے کہا لوگ کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کی زبانیں منہ میں ہیں جو چاہیں کہیں۔ اس نے کہا پھر لوگ آپ کو کس وجہ سے مجنوں کہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ خطبہ پڑھا جو جمعہ میں پڑھا جاتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ آخر تک۔ پھر توحید و رسالت اور قیامت کا مسئلہ بیان فرمایا پھر سورۃ ﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ﴾ پڑھی۔ ضماد کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ کہنے لگا میں خود فصیح و بلیغ ہوں، شاعر ہوں، مقرر ہوں لیکن یہ کلام انسان کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ یہ رب تعالیٰ کا کلام ہے اور اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ دم کرنے کے لیے آیا قیدی اور اسیر بن کر گیا، کفر کی حالت میں آیا تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو گیا۔

تو کافروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دور دراز تک مشہور کیا ہوا تھا کہ یہ پاگل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا﴾ کیا انھوں نے غور و فکر نہیں کیا ﴿مَا بِصَاحِبِہِمْ مِّنْ جِنَّۃٍ﴾ کہ نہیں ہے ان کے ساتھی کو کوئی جنون۔

پاگل، پاگل ہی ہوتا ہے!

پاگل چاہے کتنا ہی سمجھ دار کیوں نہ ہو وہ چھپا نہیں رہتا۔ ہمارے استاد تھے مولانا غلام محمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ، علم نحو کے امام تھے۔ ۱۹۳۰ء کے قریب کی بات ہے ہم جہانیاں منڈی میں ان کے پاس نحو کی کتابیں "عبد الغفور" وغیرہ پڑھتے تھے۔ وہ واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ہماری برادری کے ایک آدمی کا ذہنی توازن خراب ہو گیا اس کو لاہور مینٹل ہسپتال داخل کرایا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد میں اس کی تیمارداری کے لیے گیا کہ برادری کا آدمی ہے۔ کچھ تحفے تحائف بھی ساتھ لے گیا۔ میں اس سے ملاقات کر رہا تھا کہ ایک اونچے قد کا موٹا تازہ اور خوب صورت آدمی آ کر میرے ساتھ علمی باتیں کرنے لگ گیا۔ کبھی نحو کے متعلق، کبھی صرف کے متعلق، کبھی منطق کے متعلق، کبھی تفسیر اور کبھی اصولِ تفسیر کے متعلق باتیں کرتا۔ مولانا بھی بڑے فاضل آدمی تھے کچھ دیر کے بعد وہ پیشاب کرنے کے لیے چلا گیا۔ میں نے پوچھا کہ یہ آدمی جو میرے ساتھ گفتگو کر رہا تھا کون ہے؟ لوگوں نے کہا پاگل ہے۔ مولانا فرماتے ہیں میں بڑا حیران ہوا کہ اتنا فاضل آدمی ہے اور اس کا حافظہ اتنا ہے کہ سارے علوم و فنون اس کو

یاد ہیں یہ کس طرح پاگل ہے؟ یوں لگتا ہے کہ اس کو پاگل کہنے والے خود پاگل ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد پھر وہ آ گیا اور پھر علمی گفتگو شروع کر دی۔ میں نے اجازت مانگی کہ میں نے جانا ہے کیوں کہ اس وقت یہ سڑکیں اور بسیں تو نہیں ہوتی تھیں ریل گاڑی کا سفر ہوتا تھا اور قریب قریب کا سفر لوگ تانگوں پر کرتے تھے کہ اگر گاڑی چلی گئی تو میرے لیے مسئلہ بن جائے گا۔ کہنے لگا اچھا تم نے جانا ہے۔ میں نے کہا ہاں! میں نے جانا ہے۔ کہنے لگا اچھا پھر ہاتھ آگے کرو۔ میں نے ہاتھ آگے کیا تو اس نے میرے ہاتھ پر تھوک دیا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ پاگل چھپا نہیں رہتا۔ وہ پروفیسر تھا اور اس کا دماغی توازن خراب ہو گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اُنھوں نے غور و فکر نہیں کیا کہ ان کا جو ساتھی ہے یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ، اس کو کوئی جنون نہیں ہے۔ ان جیسا سمجھ دار دنیا میں نہ پیدا ہوا ہے نہ ہوگا ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ نہیں ہے وہ مگر ڈرانے والا کھول کر۔ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتا ہے کہ قبر کے عذاب سے بچ جاؤ دوزخ کے عذاب سے بچ جاؤ۔ وہ تو نذیر ہے نہ کاہن ہے، نہ شاعر ہے، نہ مجنوں ہے۔ تم نے غلط پروپیگنڈا کیا ہوا ہے۔

فرمایا رب تعالیٰ کی قدرتیں نہیں دیکھتے ﴿اَوَ لَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ کیا اُنھوں نے نہیں دیکھا آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں۔ آسمانوں کے عجائبات نہیں دیکھے کتنے بلند ہیں اور بغیر ستون کے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے قائم ہیں اور زمین نہیں دیکھی کتنی وسیع ہے؟ اس میں پہاڑ ہیں، دریا ہیں، میدان ہیں اور بے شمار مخلوق ہے اور ان کے علاوہ ﴿وَّ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ﴾ اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے چیزوں کو۔ کسی کا کوئی قد ہے، کسی کا کوئی ہے، کسی کی کوئی شکل ہے، کسی کا کوئی رنگ ہے، بے شمار مخلوقات کی مختلف ہیئتیں اس کی قدرت پر دلیل ہیں۔

وَ فِیْ كُلِّ شَیْءٍ لَهٗ اٰیَةٌ
تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ

"ہر چیز میں خدا کی وحدانیت کی دلیل موجود ہے۔ کوئی ماننے والا ہو تو یقیناً سمجھ آ سکتی ہے۔"

قیامت برحق ہے؟

آگے قیامت کے متعلق فرمایا ﴿وَّ اَنْ عَسٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ﴾ اور یہ کہ شاید قریب آ چکی ہو ان کی میعاد۔ قیامت حق ہے کائنات پر جب قیامت آئے گی، آئے گی، مگر ہر آدمی کی قیامت دور نہیں ہے مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُهٗ "جو مرے گا اس کی قیامت قائم ہو گئی۔" قبر میں جنت بھی ہے دوزخ بھی ہے، عذاب بھی ہے ثواب بھی ہے، بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے ﴿فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ﴾ پس کس بات پر اس قرآن کے بعد یہ لوگ ایمان لائیں گے۔ قرآن کریم سے زیادہ وزنی، قطعی اور یقینی اور کون سی بات ہے کہ اس کو یہ مانیں گے۔

فرمایا ﴿مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَلَا ہَادِیَ لَہٗ﴾ جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔ اور وہ گمراہ کن کو کرتا ہے؟ فرمایا ﴿یُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیۡنَ﴾ [ابراہیم: ۲۷] اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے ﴿یُضِلُّ اللّٰہُ الۡکٰفِرِیۡنَ﴾ [المومن: ۷۴] اور کافروں کو گمراہ کرتا ہے۔ جبراً کسی کو گمراہ نہیں کرتا اور یہ جو گمراہ ہیں ﴿وَیَذَرُہُمۡ﴾ اور اللہ ان کو چھوڑ تا ہے ﴿فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ﴾ ان کو ان کی سرکشی میں ﴿یَعۡمَہُوۡنَ﴾ سرگرداں پھرتے ہیں۔

﴿یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ﴾ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں قیامت کے بارے میں ﴿اَیَّانَ مُرۡسٰہَا﴾ وہ کب قائم ہوگی ﴿قُلۡ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّمَا عِلۡمُہَا عِنۡدَ رَبِّیۡ﴾ پختہ بات ہے کہ قیامت کا علم میرے رب کے پاس ہے ﴿لَا یُجَلِّیۡہَا لِوَقۡتِہَاۤ﴾ نہیں ظاہر کرے گا اس کو اس کے وقت پر ﴿اِلَّا ہُوَ﴾ مگر اللہ تعالیٰ ہی ﴿ثَقُلَتۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ﴾ وہ قیامت بھاری ہے آسمانوں میں اور زمین میں ﴿لَا تَاۡتِیۡکُمۡ اِلَّا بَغۡتَۃً﴾ نہیں آئے گی تم پر مگر اچانک ﴿یَسۡـَٔلُوۡنَکَ﴾ وہ تجھ سے سوال کرتے ہیں قیامت کے بارے میں ﴿کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنۡہَا﴾ گویا کہ آپ اس کے کھوج میں لگے ہوئے ہیں ﴿قُلۡ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّمَا عِلۡمُہَا عِنۡدَ اللّٰہِ﴾ پختہ بات ہے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ﴿وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿قُلۡ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَّاۤ اَمۡلِکُ لِنَفۡسِیۡ نَفۡعًا وَّ لَا ضَرًّا﴾ میں نہیں ہوں مالک اپنے نفس کے لیے نفع کا اور نہ نقصان کا ﴿اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ﴾ مگر جو چاہے اللہ تعالیٰ ﴿وَ لَوۡ کُنۡتُ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ﴾ اور اگر میں غیب جانتا ہوتا ﴿لَاسۡتَکۡثَرۡتُ مِنَ الۡخَیۡرِ﴾ تو میں زیادہ حاصل کر لیتا بھلائی ﴿وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوۡٓءُ﴾ اور نہ پہنچتی مجھے کوئی تکلیف ﴿اِنۡ اَنَا اِلَّا نَذِیۡرٌ وَّ بَشِیۡرٌ﴾ نہیں ہوں میں مگر ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ﴿لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ﴾ اس قوم کے لیے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتی ہے۔

توحید و رسالت اور قیامت:

اَصلُ الْاُصُوْل تین عقیدے ہیں۔ توحید و رسالت اور قیامت، باقی تمام ان کی فرع ہیں ان کی شاخیں ہیں۔ لیکن قیامت کا وقت اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتایا یہ اس کا راز ہے جیسے موت کہ یہ تو ہم سارے جانتے ہیں کہ ﴿کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَۃُ الۡمَوۡتِ﴾ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے لیکن مرنے کے وقت کا کسی کو علم نہیں ہے۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کے ہیں کل کی خبر نہیں!

(حیرت الہ آبادی)

اسی طرح قیامت کا آنا حق ہے لیکن وہ کب قائم ہوگی یہ رب تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ آنحضرت ﷺ جب قیامت کا ذکر فرماتے تو لوگ پوچھتے تھے مَتَى السَّاعَةُ قیامت کب آئے گی؟ اس کے متعلق ارشاد ہے ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا﴾ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں قیامت کے بارے میں کہ وہ کب قائم ہوگی؟ ﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم ﷺ! کہہ دیں ﴿اِنَّمَا﴾ پختہ اور یقینی بات ہے ﴿عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ﴾ قیامت کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ مجھے اس کا علم نہیں ہے ﴿لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں ظاہر کرے گا اس کو اس کے وقت پر مگر اللہ تعالیٰ ہی۔ رب تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ اس نے اس کو کب قائم کرنا ہے۔ ﴿ثَقُلَتْ﴾ وہ قیامت بھاری ہے ﴿فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمانوں میں اور زمین میں۔ آسمانوں میں بے شمار مخلوق ہے فرشتے وغیرہ، وہ سب قیامت سے گھبرائے ہوئے ہوں گے ﴿اَلسَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ﴾ [القمر: ۴۶] کے لفظ بھی آتے ہیں کہ قیامت بڑی دہشت ناک اور کڑوی ہے۔

تو قیامت کا مسئلہ آسمانوں کی مخلوق پر بھی بھاری ہے اور زمین کی مخلوق پر بھی ﴿لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً﴾ نہیں آئے گی تم پر مگر اچانک کتنی اچانک آئے گی؟ حدیث پاک میں آتا ہے ایک شخص اپنے جانور کا دودھ دُوہ کر لائے گا پیالے میں ڈال کر اس سے ایک گھونٹ منہ میں ڈالے گا حلق سے نیچے نہیں اُتار سکے گا نہ منہ سے باہر نکال سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی وہ ڈھیر ہو جائے گا کھانے کا لقمہ منہ میں ڈالے گا نگل نہیں سکے گا کہ وہیں ختم ہو جائے گا۔ کوئی آدمی گھر میں داخل ہونے کے لیے دروازے کے اندر قدم رکھے گا ایک قدم اندر اور ایک باہر ہوگا کہ وہیں ڈھیر ہو جائے گا۔ دکان دار گاہک کے لیے تھان کھول کے بکھیرے گا خریداران کے رنگ دیکھتے ہوں گے، ڈیزائن دیکھتے ہوں گے، بھاؤ طے کرتے ہوں گے وہ تھان بکھرے رہ جائیں گے گاہک بھی مالک بھی ڈھیر ہو جائیں گے۔ ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا﴾ وہ آپ سے سوال کرتے ہیں قیامت کے بارے میں گویا کہ آپ اس کے کھوج میں لگے ہوئے ہیں۔ حَفِيٌّ کا لغوی معنیٰ ہے کھوجی کسی چیز کا کھوج لگانے والا، کھوج لگا کر کسی چیز کی تہہ تک پہنچنا۔ یہ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں گویا کہ آپ نے کھوج لگا کر قیامت کو جان لیا ہے اور حَفِيٌّ کا معنیٰ عالم بھی ہے۔ تو پھر مفہوم اس طرح بنے گا یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں گویا کہ آپ قیامت کا علم رکھتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ پختہ بات ہے کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور کسی کے پاس نہیں ہے۔

قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

اب اتنی صاف اور صریح آیات کے ہوتے ہوئے بھی کوئی شخص یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ قیامت کا علم رکھتے تھے تو قرآن کریم کی مخالفت اور قرآن کریم کے ساتھ ضد نہیں تو اور کیا ہے؟ انھی آیات کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک صحیح روایت نقل فرمائی ہے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ معراج کی رات جب انبیائے کرام علیہم السلام کا اجتماع ہوا اس میں آنحضرت ﷺ بھی تشریف فرما تھے فَتَذَاكَرُوْا فِيْهَا

بَيْنَهُمْ عِلْمَ السَّاعَةِ اس پیغمبروں کے اجتماع میں قیامت کا مسئلہ چل پڑا کہ کسی کو معلوم ہے کہ قیامت کب قائم ہوگی فَرَدُّوا الْأَمْرَ هَا إِلَى إِبْرَاهِيْمَ ﷺ پس انھوں نے قیامت کا معاملہ ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹایا کہ خلیل اللہ ہیں شاید ان کو معلوم ہو کہ قیامت کس سن میں آئے گی؟ قَالَ لَا عِلْمَ لِيْ بِهَا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اس کے صحیح وقت کا علم نہیں ہے۔ پھر آپس میں مشورہ کر کے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام سے پوچھو کہ کلیم اللہ ہیں ممکن ہے کلام کے دوران یہ راز بتا دیا ہو قَالَ لَا عِلْمَ لِيْ بِهَا موسیٰ علیہ السلام نے کہا مجھے علم نہیں ہے۔ پھر کہنے لگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھو اِنَّهٗ لَعَلَمٌ السَّاعَةِ کہ وہ قیامت کی نشانی ہیں ہو سکتا ہے کہ رب تعالیٰ نے ان کو بتلا دیا ہو کہ قیامت کب برپا ہوگی؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا آمَّا وَجْبَتُهَا فَلَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللّٰهُ قیامت کے واقع ہونے کا صحیح علم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا مجھے صرف اتنا بتلایا گیا ہے کہ قربِ قیامت میں مجھے رب تعالیٰ زمین پر اتاریں گے پھر آگے دجال کے قتل اور یاجوج ماجوج کے ساتھ لڑائی اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ لڑائی کا طویل قصہ ذکر فرمایا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ پیغمبروں کا بھی اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ قیامت کے صحیح وقت کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ اب بتاؤ جو شخص قرآن کریم کے خلاف عقیدہ رکھے اور کہے کہ آنحضرت ﷺ کو قیامت کے صحیح وقت کا علم تھا کہ کب برپا ہوگی ہے اور اس کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ محبت سمجھنا یہ قرآن کریم سے کھلی بغاوت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ بالکل بغاوت ہے۔ ان لوگوں کو اس سے دھوکہ ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبریں پیغمبروں کو بتلائی ہیں ﴿تِلْكَ مِنْ أَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ إِلَيْكَ﴾ [ہود:۴۹] "یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔" اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بے شمار غیب کی خبریں بتلائی ہیں اس میں پہلے زمانے کی خبریں بھی ہیں، قیامت سے پہلے کی بھی ہیں اور قیامت کے بعد جنت دوزخ کی خبریں بھی ہیں ان کی صحیح تعیین معلوم نہیں کہ کتنی ہیں لیکن وہ غیب کی خبریں ہیں علم غیب نہیں ہے۔

علمِ غیب خاصۂ خداوندی ہے؟

علم غیب کا مطلب یہ ہے کہ اس سے ایک ذرہ بھی خارج نہ ہو۔ تو غیب کی خبریں اور علمِ غیب میں بڑا فرق ہے علم غیب خاصہ خداوندی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو غیب کی خبریں بتائی ہیں لیکن ان میں قیامت کے صحیح وقوع کا علم نہیں ہے جاہل لوگ غیب کی چند خبریں بیان کر کے دعویٰ کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سب کچھ جانتے تھے۔ یہ قرآن کریم کی نصوصِ قطعیہ کے خلاف ہے۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے قَبْلَ أَنْ يَمُوْتَ بِشَهْرٍ آپ ﷺ کی وفات سے ایک مہینہ پہلے آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: غَيْبٌ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ قیامت کا صحیح وقت غیب میں

سے ہے اور غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ کوئی فرعی مسئلہ نہیں ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت کی وجہ سے کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب کچھ جانتے تھے اور قیامت کے وقوع کا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا۔ بھئی! یہ قرآن کریم سے بغاوت ہے کہ صاف لفظ ہیں ﴿قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ آپ کہہ دیں کہ پختہ بات ہے قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے حقیقت کو۔ خواہ مخواہ غلط عقیدے قائم کیے ہوئے ہیں۔

نفع، نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ

آگے فرمایا کہ جس طرح غیب صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے نفع نقصان کا مالک بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے ﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہہ دیں ﴿لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ میں نہیں ہوں مالک اپنے نفس کے لیے نفع کا اور نقصان کا اور انتیسویں پارے میں امت کو سمجھانے کے لیے اعلان کروایا ﴿قُلْ﴾ " آپ کہہ دیں ﴿قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ [جن:۲۱] (اے لوگو!) میں تمہارے نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں۔" جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ اپنے نفع، نقصان کے مالک ہیں اور نہ مخلوق کے نفع، نقصان کے مالک ہیں تو اور کون ہے جو کسی کے نفع، نقصان کا مالک ہو؟ نفع، نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ آیات نہ بھولنا اور گھر جا کر اپنی عورتوں کو، بہنوں کو، بیٹیوں کو، بھائیوں کو اور جتنے بھی گھر کے افراد ہیں سب کو یہ آیات یاد کراؤ، رٹاؤ اور سمجھاؤ۔ کیوں کہ عقیدہ بہت بڑی چیز ہے اس کے خلاف عقیدہ رکھنا اسلام کی روح کے خلاف ہے۔

آگے فرمایا ﴿اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر جو چاہے اللہ تعالیٰ ﴿وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ﴾ اور اگر میں غیب جانتا ہوتا ﴿لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ﴾ تو میں زیادہ حاصل کر لیتا بھلائی ﴿وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ﴾ اور نہ پہنچتی مجھے کوئی تکلیف۔ حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔

یہودی عورت کی دعوت اور علمِ غیب

ہجرت کا ساتواں سال اور محرم کا مہینہ تھا خیبر کا علاقہ فتح ہوا یہ یہود کا گڑھ تھا یہود کو بڑا صدمہ ہوا اور اس صدمے میں ان کی عورتیں، مرد، بوڑھے، بچے، جوان سب شریک تھے اور یہ بھی وہ سمجھتے تھے کہ اسلام کے ساتھ ٹکر لینا بہت مشکل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خفیہ طور پر سازش کی۔ زینب نامی ایک یہودی عورت تھی اور اس کے علم میں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی دعوت رد نہیں کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی حضرت! میں آپ کا کھانا پکانا چاہتی ہوں اگر قبول فرمالیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے۔ اس وقت دو چار ساتھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے تھے۔ کہنے لگی ان کو بھی ساتھ لیتے آنا اور یہ بھی اس نے پوچھ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے میں کون سی چیز مرغوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکری کے شانے کا گوشت پسند فرماتے تھے۔ اس نے بکری ذبح کی اس کا سالن بنایا اور اس میں تیز قسم کا زہر ڈال دیا۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند ساتھیوں کے ساتھ تشریف لے گئے حضرت بشر ابن براء بن معرور رضی اللہ عنہ نوجوان صحابی تھے

انھوں نے ایک آدھ بوٹی کھائی اور تڑپ کر مر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے منہ میں بوٹی ڈالی دارمی شریف کی روایت میں ہے کہ بوٹی نے بول کر بتایا کہ مجھ میں زہر ہے نہ کھانا۔ یہ معجزہ تھا۔ لیکن جو زہر لعاب کے ساتھ اندر چلا گیا تھا اس کا بھی کافی اثر تھا۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا وقت تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عائشہ! مجھے جو زہر کھلایا گیا تھا اس کے اثر سے میری جان کٹ رہی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہادت کے مرتبہ پر فائز ہیں

اسی لیے محققین فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید بھی ہیں کیوں کہ زہر دے کر جس کو مارا جائے وہ شہید ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیب جانتے ہوتے تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زہر کھاتے اور ساتھیوں کو کھانے دیتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کو بلا کر پوچھا اس میں کیا ہے؟ اس نے کہا زہر ہے۔ فرمایا کیوں ڈالا؟ کہنے لگی اس لیے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ہیں تو آپ پر اثر نہ ہوگا اور اگر نبی نہیں ہیں تو ہماری جان چھوٹ جائے گی۔ پھر آگے روایات مختلف ہیں دارمی کی روایت میں ہے کہ اس عورت کو سولی پر لٹکایا گیا تھا کیوں کہ ساتھی شہید ہو گئے تھے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مختلف قبائل کا ایک وفد آیا۔ کہنے لگے حضرت! ہم دور دراز کے رہنے والے ہیں یہ فلاں علاقے کا سردار ہے، یہ فلاں علاقے کا سردار ہے، یہ فلاں علاقے کا سردار ہے اور ہم لوگوں میں دین کی بڑی تڑپ ہے بڑے بھوکے اور پیاسے ہیں آپ ایسا کریں کہ جتنے آپ کے ساتھی ہیں ہمارے ساتھ بھیج دیں یہ ہمیں دین سکھلائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو سچا سمجھ کر سارے تو نہیں ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے ساتھ بھیج دیا جب وہ اپنے علاقے کے قریب پہنچے تو ان لوگوں کی بولیاں بدل گئیں (انداز بدل گئے)۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بئر معونہ کے مقام پر ستر کے ستر کو شہید کر دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑا صدمہ ہوا اور تقریباً ایک مہینہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فجر کی نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھی۔

اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوتا کہ ہمارے ساتھ دھوکا ہو رہا ہے تو ستر ساتھیوں کو موت کے منہ میں ڈالتے؟ اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتا ہوتا کہ عتبہ ابن ابی وقاص نے میرے سر اور منہ پر پتھر مارنے ہیں تو پہلے سے اس کا دفاع نہ کر لیتے۔ یہ سارے واقعات اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیب نہیں جانتے تھے۔

فرمایا ﴿اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ﴾ نہیں ہوں میں مگر ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا۔ نافرمانی کرو گے تو دنیا کا عذاب بھی آئے گا اور آخرت کا عذاب بھی آئے گا اور جو فرماں بردار ہیں ان کو بشارت دیتا ہوں کہ ان کو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں کامیاب کرے گا ﴿لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتی ہے۔ اور جو ضدی اور متکبر ہیں ان کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے پیدا کیا ہے تم کو ﴿مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ ایک نفس سے ﴿وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ اور بنایا اس نفس سے اس کا جوڑا ﴿لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا﴾ تاکہ وہ سکون حاصل کرے اس سے ﴿فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا﴾ پس جب مرد نے ڈھانپا اس عورت کو ﴿حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا﴾ تو حمل ٹھہرا اس عورت کو ہلکا سا ﴿فَمَرَّتْ بِهٖ﴾ پس وہ عورت اس کو لے کر چلتی پھرتی ہے ﴿فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ﴾ پس جب وہ بوجھل ہوگئی ﴿دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا﴾ تو اللہ تعالیٰ کو پکارا دونوں نے جو ہے پروردگار ان کا ﴿لَىٕنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا﴾ البتہ اگر تو نے دیا ہمیں اچھا بھلا بچہ ﴿لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ﴾ البتہ ہم ضرور ہوں گے شکر گزاروں میں سے ﴿فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا﴾ پس جب دیا ان کو اللہ تعالیٰ نے اچھا بھلا ﴿جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ﴾ بنائے ان دونوں نے رب کے شریک ﴿فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا﴾ اس میں جو اللہ نے ان کو دیا تھا ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾ پس بلند ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ان چیزوں سے جن کو یہ لوگ شریک بناتے ہیں ﴿اَیُشْرِكُوْنَ﴾ کیا شریک ٹھہراتے ہیں ﴿مَا﴾ اس مخلوق کو ﴿لَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا﴾ جو نہیں پیدا کرسکتی کسی چیز کو ﴿وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ﴾ اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں ﴿وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا﴾ اور وہ نہیں طاقت رکھتے ان کے لیے مدد کی ﴿وَّلَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ﴾ اور نہ وہ اپنی جانوں کی مدد کرسکتے ہیں ﴿وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى﴾ اور اگر تم بلاؤ ان کو ہدایت کی طرف ﴿لَا یَتَّبِعُوْكُمْ﴾ تو نہیں پیروی کریں گے تمہاری ﴿سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ﴾ برابر ہے تم پر ﴿اَدَعَوْتُمُوْهُمْ﴾ یا تم ان کو پکارو ﴿اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ﴾ یا تم خاموش رہو۔

جنابِ آدم وحوا اور نسلِ انسانی کی تخلیق کا تذکرہ ؟

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی تین صفتوں کا ذکر تھا ایک یہ کہ قیامت کا صحیح وقت اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا صحیح روایات سے اتنا پتا چلتا ہے کہ جمعہ والے دن قائم ہوگی لیکن اس جمعہ تک کتنی صدیاں باقی ہیں، کتنے سال باقی ہیں، کتنے مہینے باقی ہیں، مہینے میں عموماً چار جمعے ہوتے ہیں ان میں سے کون سا جمعہ ہے؟ اس کے بارے میں کوئی صحیح ثبوت نہیں ہے۔ ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ دس محرم کا جمعہ ہوگا لیکن محدثین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ نفع، نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ غیب صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی صفتِ خلق کا بیان ہے۔ فرمایا ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے پیدا کیا ہے تم کو ایک نفس سے۔ خالق بھی وہی ہے، ساری کائنات میں تصرف کرنے والا بھی وہی ہے، عالم الغیب

والشہادۃ بھی وہی ہے، نفع دینے والا بھی وہی ہے، اور ضرر دینے والا بھی وہی ہے اسی نے تمھیں ایک نفس سے پیدا کیا ہے۔ اس نفس سے حضرت آدم علیہ السلام کا نفس مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ساری زمین سے تھوڑی تھوڑی مٹی جمع فرمائی اس مٹی کا خمیر بنایا۔ خشک مٹی کو عربی میں تراب کہتے ہیں ﴿خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ﴾ [آل عمران:۵۹] "اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا۔" خشک مٹی جب گارے کی شکل بن جائے تو اس کو طین کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں طین کا لفظ بھی آیا ہے۔ شیطان نے حجت بازی کرتے ہوئے کہا تھا ﴿خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ﴾ [ص:۷۶] "مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو گارے سے۔" اور جب گارا خشک ہوا جیسے ٹھیکری بجتی ہے اس سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا وجود بنایا۔

ابلیس لعین نے بھی سنا تھا کہ ایک نئی مخلوق آرہی ہے تو آدم علیہ السلام کے ڈھانچے کے اردگرد پھرنے لگا ابھی اس میں روح نہیں پھونکی گئی تھی کہ میں اس بدن میں وسوسے کس طرح ڈالوں گا، خوب گھوما، ٹانگیں دیکھیں ٹھوس ہیں بازو دیکھے ٹھوس ہیں منہ اور ناک دیکھی تو کہنے لگا ہاں میرے خیالات کے داخل کرنے کی جگہ بھی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام میں اپنی طرف سے روح پھونکی اور تمام فرشتوں کو حکم دیا سجدہ کرو، ابلیس کو بھی حکم تھا تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس ضد میں آگیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا انسان کے بدن میں جو سب سے ٹیڑی پسلی ہے اس سے حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ عورتیں ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہیں اگر تم ان کو سیدھا کرنا چاہو تو تمہارے بس کی بات نہیں ہے وہ ٹیڑھی ہی رہیں گی فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَیْرًا پس عورتوں کے بارے میں تم مجھ سے خیر کی وصیت سنو کہ برداشت کرو۔ ان کا سیدھا ہونا بہت مشکل ہے کیوں کہ خلقت کا اس میں دخل ہے۔ لیکن عورتوں کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے خاوند کا مزاج دیکھیں اور اس کے مزاج کے خلاف کوئی حرکت نہ کریں۔ یاد رکھنا! زنا بہت بری شے ہے لیکن حدیث پاک میں آتا ہے کہ گھر میں بدمزگی پیدا کرنا لڑنا یہ زنا سے بھی زیادہ بری ہے۔ گھر میں حالات کو درست رکھنا بھی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ اور بنایا اس نفس سے اس کا جوڑا ﴿لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا﴾ تاکہ وہ سکون حاصل کرے اس سے۔ میاں بیوی کا مزاج مل جائے تو گھر سکون اور جنت ہوتا ہے اور اگر خدانخواستہ مزاج نہ ملے تو وہ گھر دوزخ ہوتا ہے ﴿فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا﴾ پس جب مرد نے ڈھانپا اس عورت کو کہ اس کے ساتھ ہم بستری کی ﴿حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا﴾ تو حمل ٹھہرا اس عورت کو ہلکا سا۔ ابتدائی دور میں حدیث پاک میں آتا ہے چالیس دن تک رحم میں نطفہ ہی رہتا ہے پھر چالیس دن کے بعد خون کا لوتھڑا بنتا ہے پھر چالیس دن کے بعد گوشت کا ٹکڑا بنتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس میں ہڈیاں، سر، بازو، ٹانگیں بناتا ہے چار مہینے سے کچھ دن جب زائد ہو جاتے ہیں تو اس میں روح ڈالی جاتی ہے وہ ماں کے پیٹ میں نقل و حرکت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھو تقریباً پانچ ماہ اس کے بعد ماں کے پیٹ میں رہتا ہے ماں کے پیٹ میں نالی ہوتی ہے جو اس کے ساتھ لگ جاتی ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ خوراک پہنچاتا ہے۔ بندہ اگر رب تعالیٰ کی قدرت سمجھنا چاہے تو فرمایا ﴿وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ [الذاریات:۲۱] اپنی جانوں کو کیوں نہیں دیکھتے۔

تو ابتداء ہلکا پھلکا سا حمل قرار پاتا ہے ﴿فَمَرَّتْ بِهٖ﴾ پس وہ عورت اس کو لے کر چلتی پھرتی ہے ﴿فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ﴾ پس جب وہ بوجھل ہوگئی کہ جب بچہ بڑا ہو جاتا ہے تو پیٹ میں ثقل اور بوجھ محسوس ہوتا ہے ﴿دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا﴾ دونوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا جو رب ہے ان کا ﴿لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا﴾ البتہ اگر تو نے دیا ہمیں اچھا بھلا بچہ ﴿لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ البتہ ہم ضرور ہوں گے شکر گزاروں میں سے فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا﴾ پس جب دیا ان کو اللہ تعالیٰ نے اچھا بھلا بچہ ﴿جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ﴾ بنائے ان دونوں نے رب کے شریک ﴿فِيْمَآ اٰتٰهُمَا﴾ اس میں جو اللہ نے ان کو دیا تھا ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ پس بلند ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ان چیزوں سے جن کو یہ اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں۔

ان آیات کی ایک تفسیر یہ نقل کی گئی ہے جو بعض حدیث کی کتابوں میں بھی آتی ہے کہ شروع شروع میں حضرت حوا علیہا السلام کے بچے بچتے نہیں تھے جو بچہ پیدا ہوتا مر جاتا تھا۔ ابلیس لعین ایک بڑی اچھی بزرگانہ شکل میں سامنے آیا اور کہنے لگا اے بی بی! تو پریشان کیوں ہے؟ کہنے لگیں پریشان اس لیے ہوں کہ بچے پیدا ہوتے ہیں تو مر جاتے ہیں زندہ نہیں رہتے۔ کہنے لگا کوئی بات نہیں اب جو بچہ پیدا ہو اس کا نام عبدالحارث رکھ دینا۔ حارث کا لفظ مشترک تھا شیطان کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے اور حارث کے معنیٰ جاٹ، کاشت کاری کرنے والا بھی ہے۔ اب صحیح العقیدہ تو صحیح معنیٰ مراد لے گا اور عبد کے معنیٰ غلام کے ہیں تو حضرت حوا علیہا السلام نے سمجھا کہ باپ چوں کہ کاشت کاری کرتا ہے تو عبدالحارث کے معنیٰ باپ کا غلام ہوگا۔ چنانچہ اُنھوں نے عبدالحارث نام رکھ دیا اور عبد کا لفظ بھی مشترک ہے کہ عبد کے معنیٰ غلام کے بھی ہیں اور بندے کے بھی ہیں تو شیطان کے خیال کے مطابق معنیٰ بنے گا ابلیس کا بندہ۔

عبدالرسول، عبدالنبی نام رکھنا مکروہ ہے؟

اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ غلام نبی، غلام رسول اچھے نام ہیں لیکن عبدالرسول، عبدالنبی، عبدالمصطفیٰ ان ناموں میں تفصیل ہے۔ اگر عبد سے مراد غلام ہے تو اچھا نام ہے لیکن اگر اس سے مراد بندہ ہے جیسے عبداللہ (اللہ کا بندہ) عبدالرحمٰن (رحمان کا بندہ) تو پھر یہ نام غلط ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی کسی کا بندہ نہیں ہے۔ اسی واسطے فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ عبدالرسول، عبدالنبی نام رکھنے مکروہ ہیں اور اگر عبد سے مراد بندہ ہو تو پھر رکھنے حرام ہیں اور رکھنے والا مشرک ہے۔ تو حضرت حوا علیہا السلام کا ذہن چونکہ صاف تھا اس لیے اُنھوں نے سمجھا کہ عبدالحارث کا معنیٰ ہے اپنے باپ کا غلام۔ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔

نام کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ کل ہی ایک عورت آئی اور کہنے لگی میں قادر کی بیٹی ہوں۔ میں نے کہا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ قادر کا تو نہ بیٹا ہے نہ بیٹی ہے یہ تو رب تعالیٰ کا نام ہے تو غلام قادر کی بیٹی ہوگی یا عبدالقادر کی بیٹی ہوگی۔ تو نام پورا لینا چاہیے۔ وحید کا بیٹا، رحمان کا بیٹا کہنا جائز نہیں ہے۔ عبدالوحید کہو عبدالرحمن کہو۔ ان ناموں کے استعمال میں بڑی

احتیاط کی ضرورت ہے کہ کفر تک نوبت آجاتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ﴾ سے لے کر ﴿لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا﴾ تک حضرت آدم اور حضرت حوا کا ذکر ہے اور آگے عام جوڑے کا ذکر ہے حضرت آدم، حضرت حوا علیہما السلام کا ذکر نہیں ہے کہ عام انسانوں کے جب جوڑے بنتے ہیں شادیاں ہوتی ہیں، میاں بیوی آپس میں ملتے ہیں، بیوی اُمید سے ہوتی ہے اس وقت دونوں دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ! ہمیں اچھا بھلا بچہ عطا کرنا ہم تیرا شکر یہ ادا کریں گے۔ مگر جب اچھا بھلا بچہ پیدا ہوتا ہے تو رب تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگ جاتے ہیں۔ نام رکھ دیا پیراں دتہ، بھائی دیا تو رب نے ہے یہ پیراں دتہ کہاں سے آگیا؟

آج یہ خرافات لوگوں میں بہت پیدا ہو چکی ہیں لہٰذا ان چیزوں کی احتیاط کرو۔ اور ایک یہ بھی ذہن بن گیا ہے کہ لڑکے لڑکی کا ایسا نام ہو کہ اور کسی کا نہ ہو۔ اس وجہ سے بڑے بڑے مہمل اور بے معنیٰ قسم کے نام بھی رکھتے ہیں جن کا کوئی سر پاؤں نہیں ہوتا۔ تو یہ عام انسانوں کے جوڑے کا ذکر ہے آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی اُنھوں نے کوئی شرک کیا ہے کسی قسم کا، وہ ہر طرح کے شرک سے پاک تھے۔ یہ عام انسانوں کے جوڑوں کا ذکر ہے کہ ان میں ایسے ہوتے ہیں جو شرک کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَیُشْرِکُوْنَ مَالَا یَخْلُقُ شَیْئًا﴾ کیا شریک ٹھہراتے ہیں اس مخلوق کو جو نہیں پیدا کر سکتی کسی چیز کو۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی کسی چیز کا خالق نہیں ہے خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے ﴿وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ﴾ اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔ فرشتے مخلوق، انبیائے کرام علیہم السلام مخلوق، انسان مخلوق، جنات مخلوق، اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے تمام کے تمام مخلوق ہیں۔ ﴿وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا﴾ اور وہ نہیں طاقت رکھتے ان کے لیے مدد کی۔ ان کی مدد تو کیا کریں گے ﴿وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ﴾ اور نہ وہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں۔

عیسائی مسیح علیہ السلام کو مُنَجّی مانتے ہیں؟

دیکھو! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائی اپنا الٰہ مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ہمارے مُنَجّی ہیں، نجات دینے والے ہیں۔ حالاں کہ چاروں اناجیل، انجیل متی، مرقس، لوقا، یوحنا میں یہ آیت موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب سولی پر لٹکانے لگے تو عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اِیْلِیْ اِیْلِیْ اے میرے رب، اے میرے رب! کیوں تو نے مجھے دشمنوں میں پھنسا دیا۔ تو بھائی! جو اپنی جان کے بچانے پر قادر نہیں ہے وہ تمہارا مُنَجّی کیسے بن گیا؟ یا پھر انجیل سے یہ الفاظ نکال دو۔ عیسائیوں کی عجیب منطق دیکھو! کہتے ہیں کہ ہم جو گناہ کرتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر لٹک کے ہمارے گناہوں کا کفارہ بن گئے ہیں۔ او بے ایمانو! گناہ تم کرو اور سولی پر وہ لٹکیں۔ گناہ تم اب کرو اور وہ سولی پر دو ہزار سال پہلے لٹکیں۔ یہ کیسی منطق ہے؟ آج بھی اگر آپ عیسائیوں سے پوچھیں تو وہ یہی کہیں گے کہ یسوع مسیح ہمارے منجی ہیں۔ بھئی! وہ تمہارے نجات دہندہ کس طرح ہیں؟ رب تعالیٰ تو فرماتے ہیں ﴿وَاِنْ

﴿اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ﴾ اور نہ وہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى﴾ اور اگر تم بلاؤ ان کو ہدایت کی طرف ﴿لَا يَتَّبِعُوْكُمْ﴾ تو نہیں پیروی کریں گے تمہاری ﴿سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ﴾ برابر ہے تم پر ﴿اَدَعَوْتُمُوْهُمْ﴾ یا تم ان کو پکارو ﴿اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ﴾ یا تم خاموش رہو۔ جن کے نام پر تم نے بت بنائے ہوئے ہیں وہ تمہارا کچھ بھی نہیں کر سکتے ان کے اختیار میں ہی کچھ نہیں ہے وہ کیا کر سکتے ہیں؟

کعبۃ اللہ کی بیرونی دیوار پر مشرکین مکہ نے تین سو ساٹھ بت نصب کیے ہوئے تھے۔ ان میں ایک بت ہُبل تھا جو حضرت ہابیل رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر تھا اور یہ سب سے بڑا تھا ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام کا تھا، ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام کے نام کا تھا، ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام کا تھا، ایک حضرت مریم علیہا السلام کے نام کا تھا۔ ۸ھ میں جب مکہ فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے یہ سب مجسمے گرائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں ایک لمبی لاٹھی تھی ایک ایک کو مارتے اور گراتے تھے اور فرماتے ﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ "حق آ گیا اور باطل بھاگ گیا اور باطل ہے ہی بھاگنے والا۔" جن بزرگوں کے مجسمے تھے بے شک وہ سارے اپنی اپنی جگہ قابلِ احترام ہیں مگر ان مجسموں اور تصویروں کا کیا معنیٰ ہے اور ان کو خدائی اوصاف کے ساتھ متصف کرنے کا کیا معنیٰ ہے؟ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ سے ورے ورے ﴿عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ بندے ہیں تمہارے جیسے ﴿فَادْعُوْهُمْ﴾ پس تم پکارو ان کو ﴿فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ﴾ پس چاہیے کہ وہ تمہاری دعائیں قبول کریں ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿اَلَهُمْ اَرْجُلٌ﴾ کیا ان کے لیے پاؤں ہیں ﴿يَّمْشُوْنَ بِهَآ﴾ جن کے ساتھ وہ چلتے ہیں ﴿اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ﴾ کیا ان کے لیے ہاتھ ہیں ﴿يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ﴾ جن کے ساتھ وہ پکڑتے ہیں ﴿اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ﴾ کیا ان کی آنکھیں ہیں ﴿يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ﴾ جن کے ساتھ وہ دیکھتے ہیں ﴿اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ﴾ کیا ان کے کان ہیں ﴿يَّسْمَعُوْنَ بِهَا﴾ جن کے ساتھ وہ سنتے ہیں ﴿قُلِ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ﴾ پکارو اپنے شریکوں کو ﴿ثُمَّ كِيْدُوْنِ﴾ پھر تم میرے خلاف تدبیر کرو ﴿فَلَا تُنْظِرُوْنِ﴾ پس تم مہلت نہ دو مجھے ﴿اِنَّ وَلِيِّ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ﴾ بے شک میرا کارساز اللہ ہے جس نے اتاری ہے کتاب ﴿وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ﴾ اور وہی دوستی کرتا ہے نیک لوگوں کے ساتھ ﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اور وہ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ﴾ وہ نہیں طاقت رکھتے تمہاری مدد کرنے کی ﴿وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ﴾ اور نہ وہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں ﴿وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى﴾ اور اگر تم بلاؤ ان کو ہدایت کی طرف

﴿لَا یَسْمَعُوْا﴾ تو وہ نہ سنیں ﴿وَ تَرٰىهُمْ﴾ اور تو دیکھے گا ان کو ﴿یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ﴾ کہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں ﴿وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ﴾ اور وہ حقیقتاً نہیں دیکھ رہے ﴿خُذِ الْعَفْوَ﴾ اور لے معافی والا معاملہ ﴿وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾ اور حکم کر نیکی کا ﴿وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ﴾ اور اعراض کر جاہلوں سے ﴿وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ﴾ اور اگر ابھارے تجھ کو شیطان کی طرف سے چھیڑ چھاڑ ﴿فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ﴾ پس اللہ تعالیٰ کی پناہ لو ﴿اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

مفہومِ توحید

عقیدہ توحید بنیادی عقائد میں سے ہے اور توحید کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات، صفات اور افعال میں وحدہٗ لا شریک سمجھا جائے کہ نہ تو اللہ تعالیٰ جیسا کوئی اور اللہ ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی صفات کسی اور میں پائی جاتی ہیں نہ اللہ تعالیٰ جیسے کوئی اور کام کر سکتا ہے اور توحید اس وقت تک سمجھ نہیں آئے گی جب تک شرک کا مفہوم نہیں سمجھ آئے گا اور اس کو سمجھنے کے لیے میری کتاب ''گلدستہ توحید'' کا مطالعہ کریں اور گلدستہ توحید تمہارے پاس ضرور ہونی چاہیے محض وعظ اور درس سے بات سمجھ نہیں آئے گی۔ میں نے گلدستہ توحید میں قرآن پاک، احادیث مبارکہ، فقہ حنفی اور دیگر معتمد کتابوں کے حوالوں سے توحید اور شرک کی وضاحت کی ہے اور بتایا ہے کہ شرک کیا ہے اور توحید کیا ہے۔ یہ اُردو زبان میں ہے۔

اتنا یاد رکھیں کہ شرک بہت بڑا گناہ ہے۔ قرآن پاک میں زوردار الفاظ میں شرک کا رد کیا گیا ہے۔ فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ [النساء: ۴۸] ''بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا اس کو جس نے اس کے ساتھ شریک ٹھہرائے اور بخش دے گا اس کے پیچھے کے گناہ جس کے چاہے گا۔'' شرک کے علاوہ جتنا بڑا گناہ بھی ہو کسی نہ کسی وقت اس کی بخشش ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ﴾ [المائدہ: ۷۲]

''بے شک جس نے شریک ٹھہرایا اللہ تعالیٰ کا پس حرام کی اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔''

وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا لہٰذا شرک سے بچو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ بے شک وہ لوگ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے۔ مشرکوں میں سے جب کوئی کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو غیر اللہ سے مدد مانگتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے ''معین الدین چشتی لگا پار میری کشتی'' کوئی کہتا ہے ''یا بہاء الحق بیڑا دھک۔'' کوئی کہتا ہے:

امداد کن امداد کن از بندِ غم آزاد کن
در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبد القادر

کوئی کہتا ہے "داتا علی ہجویری میری مدد کر" طرح طرح کی شرکیہ بولیاں بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا۔

فرمایا جن کو تم پکارتے ہو ﴿عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ بندے ہیں تمہارے جیسے۔ رب تعالیٰ کی مخلوق ہیں یہ الگ بات ہے کہ انبیائے کرام کا مرتبہ تمام مخلوق میں بلند ہے پھر صدیق ہیں پھر شہید ہیں پھر امام اور ولی ہیں۔ ان کے مراتب اپنے اپنے مقام پر مگر خدا تو نہیں ہیں۔ تو رب تعالیٰ کے بندوں میں رب تعالیٰ کی صفتیں نہیں آسکتیں۔

خدائی اختیارات کسی کے پاس نہیں؟

آج سے چند سال پہلے امریکہ ظالم نے بغداد پر بمباری کی جس سے سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کا کافی حصہ متاثر ہوا کیونکہ وہ بموں کی زد میں آ گیا تھا۔ اس کے لیے امریکہ کو معذرت بھی کرنی پڑی کہ مزار ہمارا نشانہ نہیں تھا غلطی ہوگئی ہے۔ تو اگر خدائی اختیارات ان کے پاس ہوتے تو وہ بم اٹھا کر واپس امریکہ پر نہ گرادیتے اور اپنے مزار کو بچا لیتے۔

یاد رکھنا! رب صرف اللہ تعالیٰ ہے اللہ تعالیٰ کے سوا خدائی اختیارات کسی کے پاس نہیں ہیں۔ فرمایا ﴿فَادْعُوْهُمْ﴾ تم پکارو ان کو ﴿فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ﴾ پس چاہیے کہ وہ تمہاری دعائیں قبول کریں اور تمہارے کام بنائیں ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہو تم سچے۔ ان کو تم ساری عمر پکارتے رہو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ نافع اور ضار صرف رب تعالیٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ﴾ "پس اگر پہنچائے تجھ کو اللہ تعالیٰ ضرر تو کوئی نہیں اس کو ہٹانے والا سوائے اللہ تعالیٰ کے ﴿وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ [یونس:۱۰۷] اور اگر پہنچائے تجھ کو بھلائی تو کوئی پھیرنے والا نہیں اللہ تعالیٰ کے فضل کو۔" ساری کائنات اکٹھی ہو کر روک نہیں سکتی۔ وہ بھی رب تعالیٰ کے احکام کے قیدی ہیں یہ بھی قیدی ہیں۔ قیدی، قیدی کو کس طرح چھڑائے گا؟

فرمایا ﴿اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ﴾ کیا ان کے لیے پاؤں ہیں جن کے ساتھ وہ چلتے ہیں ﴿اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ﴾ کیا ان کے لیے ہاتھ ہیں جن کے ساتھ وہ پکڑتے ہیں ﴿اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ﴾ کیا ان کی آنکھیں ہیں جن کے ساتھ وہ دیکھتے ہیں ﴿اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا﴾ کیا ان کے کان ہیں جن کے ساتھ وہ سنتے ہیں۔ ان لوگوں نے جو بت بنائے ہوئے تھے وہ محض پتھر اور لکڑیاں تو نہیں تھیں بلکہ ان پتھروں کو تراش کر لکڑیوں کو چھیل کر کسی نہ کسی بزرگ کی شکل پر بنایا ہوا تھا۔ اصنام اور اوثان کی مزید تفسیر اور تشریح کے لیے گلدستہ توحید کا مطالعہ کرو اور باحوالہ سمجھو۔ محض کسی پتھر اور درخت کی پوجا کسی نے نہیں کی بزرگوں کے نام اور شکلوں پر بت بنائے ہوئے تھے ان کی پوجا کرتے تھے۔ تو دراصل پوجا اس بزرگ کی ہوتی تھی جس کی شکل پر وہ بت ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ جو تم نے بت بنا رکھے ہیں کیا ان کی آنکھیں ہیں جن کے ساتھ وہ دیکھتے ہیں؟ کیا ان کے ہاتھ ہیں کہ ان کے ساتھ وہ پکڑتے ہیں؟ کیا ان کے پاؤں ہیں کہ ان کے ساتھ وہ چلتے ہیں؟ کیا ان کے کان ہیں کہ ان کے ساتھ

وہ سنتے ہیں؟ ظاہر بات ہے کہ بتوں کے پاس ان میں سے کچھ بھی نہیں ہیں تو وہ اندھے بہرے کیا کر سکتے ہیں؟ وہ تمھیں کیا نفع پہنچا سکتے ہیں؟

صفاتِ خداوندی میں قطعاً کوئی شریک نہیں

اور محققین فرماتے ہیں کہ ٹھیک ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بتوں کے پاس کچھ نہیں ہے لیکن جن کے نام پر بت بنائے گئے ہیں کیا ان کے ایسے پاؤں ہیں کہ تم پکارو تو وہ تمہارے پاس پہنچ جائیں، ایسی آنکھیں ہیں کہ تم پکارو تو وہ تمھیں دیکھ لیں کیا ان کے ایسے ہاتھ ہیں کہ دنیا کے اطراف میں پہنچ جائیں اور تم جہاں پھنسے ہوئے ہو تمھیں چھڑا لیں؟ تم جو آواز دیتے ہو پکارتے ہو یَاشَیْخ عبد القادر جیلانی شَیْئًا لِلّٰہِ تو کیا وہ ایسے ہاتھ رکھتے ہیں کہ ظالم کا ہاتھ روک لیں، ایسے پاؤں ہیں کہ فوراً چل کر پہنچ جائیں، ایسے کان ہیں کہ تمہاری فریاد سن لیں؟ ہزار ہا میل دور سے۔ یہ تمام صفتیں صرف اللہ تعالیٰ کی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفتوں میں قطعاً کوئی شریک نہیں ہے۔

پھر کافر لوگ آنحضرت ﷺ کو ڈراتے تھے کہ تم ہمارے خداؤں کی تردید کرتے ہو، توہین کرتے ہو ہمارے الٰہ تمھیں تکلیف پہنچائیں گے۔ آنحضرت ﷺ کو رب تعالیٰ خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم ﷺ! آپ کہہ دیں ﴿ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ﴾ پکارو اپنے شریکوں کو جن کو تم نے رب تعالیٰ کا شریک بنایا ہوا ہے ان سب کو پکارو، اکٹھا کرو ﴿ثُمَّ كِيْدُوْنِ﴾ پھر تم میرے خلاف تدبیر کرو جو کر سکتے ہو ﴿فَلَا تُنْظِرُوْنِ﴾ پھر تم مہلت نہ دو مجھے۔ ﴿كِيْدُوْنِ﴾ اصل میں ﴿كِيْدُوْنِيْ﴾ ہے ﴿فَلَا تُنْظِرُوْنِ﴾ اصل میں فَلَا تُنْظِرُوْنِيْ ہے۔ دونوں جگہ یاءِ متکلم کی تخفیفاً حذف ہے کہ تم اپنے معبودوں کو اکٹھا کر لو اور پھر جو تدبیر میرے خلاف کرنا چاہتے ہو کر لو اور مجھے ایک لمحہ کی مہلت بھی نہ دو مجھے کسی سے کوئی خطرہ نہیں ہے اور نہ ہی میرا کوئی کچھ بگاڑ سکتا ہے۔ ہوگا وہی جو میرا رب چاہے گا اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر ایک تنکا بھی اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتا۔

﴿اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ﴾ بے شک میرا کارساز اور آقا اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی میرا سرپرست محافظ اور نگران ہے ﴿الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ﴾ جس نے اتاری ہے کتاب۔ جس میں توحید کو دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے اور شرک کی جڑیں اُکھیڑ کر رکھ دی ہیں ﴿وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ﴾ اور وہی دوستی کرتا ہے نیک لوگوں کے ساتھ اور وہی نیکوں کا سرپرست ہے۔

میرا دعویٰ ہے کہ اگر کوئی مرد، عورت قرآن پاک کا صرف لفظی ترجمہ پڑھ لے تو وہ شرک اور بدعت کے قریب نہیں جا سکتا۔ یہ قرآن کریم کی ذاتی تاثیر ہے اور شرک و بدعت اور رسومات میں الجھنے کی وجہ قرآن پاک سے ناواقفیت ہے اور یاد رکھنا قرآن کریم صرف مولویوں اور حافظوں کے لیے نہیں ہے اس کا سمجھنا ہر مسلمان مرد عورت پر فرض ہے۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ "علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد عورت پر فرض ہے۔" ضروریاتِ دین

کا علم حاصل کرنا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اور وہ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا مدد مانگنے کے لیے ﴿لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَكُمْ﴾ وہ نہیں طاقت رکھتے تمہاری مدد کرنے کی ﴿وَلَآ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ﴾ اور نہ وہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں۔ کل میں نے عرض کیا تھا کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مُنَجِّی مانتے ہیں اور چاروں انجیلوں میں موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب سولی پر لٹکانے لگے تو اُنھوں نے کہا: اِیْلِیْ اِیْلِیْ "اے میرے رب اے میرے رب! تو نے مجھے دشمنوں میں کیوں پھنسا دیا مجھے بچاؤ۔" تو جو اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا وہ تمھیں کیا بچائے گا، جو خود اپنی مدد نہ کر سکیں وہ تمہاری کیا مدد کریں گے۔

یاد رکھنا! اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی مددگار ہے، نہ کوئی مشکل کشا ہے، نہ کوئی حاجت روا ہے، نہ کوئی فریاد رس ہے، نہ کوئی دستگیر ہے یہ تمام صفات رب تعالیٰ کی ہیں۔ جو مانگنا ہے رب تعالیٰ سے مانگو مگر مشرکوں کو رب تعالیٰ نے اندھا کیا ہوا ہے۔

۳۱-۱۹۳۰ء کی بات ہے مجھے اجمیر شریف جانے کا موقع ملا۔ طالب علمی کا زمانہ تھا جمعرات کو وہاں قوالی ہوتی تھی۔ اس قوالی میں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مجاور بھی تھے دربار کا دوسرا عملہ بھی تھا ایک انگریز اور میم بھی تھی۔ عجیب عجیب قسم کی قوالیاں کرتے تھے۔ ایک قوال نے یہ بھی کہا:

خدا سے میں نہ مانگوں گا کبھی فردوس اعلیٰ کو
مجھے کافی ہے یہ تربت معین الدین چشتی کی

خدا کے ساتھ اس طرح متّکا لگا کر (مقابلہ کرتے ہوئے) یہاں تک کہہ دیا کہ میں خدا سے جنت الفردوس نہیں مانگوں گا مجھے جنت سے کیا واسطہ ہے مجھے یہ قبر ہی کافی ہے۔ جب اس نے یہ شعر کہا تو عجیب سماں تھا لوگ وجد میں آ گئے مدہوشی تھی لوگ ایک دوسرے کے اوپر گر رہے تھے کسی کی پگڑی وہاں پڑی ہے کسی کی ٹوپی کہیں پڑی ہے۔ پھر دوسرا بھانڈ اُٹھا اور اس نے یوں اپنا کمال دکھایا اور کہا:

نہ جا مسجد نہ کر سجدہ نہ رکھ روزہ نہ مر بھوکا
وضو کا توڑ دے کوزہ شرابِ شوق پیتا جا

شرک شریعت کی تمام حدود کو ختم کر دیتا ہے؟

اندازہ لگاؤ کہ شرک کتنی بری چیز ہے کہ شریعت کی ساری حدیں ختم کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى﴾ اور اگر تم ان کو بلاؤ ہدایت کی طرف ﴿لَا یَسْمَعُوْا﴾ تو وہ نہ سنیں۔ ظاہر بات ہے کہ اگر بت ہیں تو اُنھوں نے کیا سننا ہے؟ اور بت جن کی شکل پر بنائے گئے ہیں اگر ان کو پکارو تو ان کو بھی کیا پتا کہ ہمیں کس نے کہاں سے

پکارا ہے؟ کیوں کہ ہر ایک کی ہر جگہ سے سننا تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ ﴿وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ﴾ اور آپ دیکھیں گے ان کو کہ وہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں ﴿وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ﴾ اور وہ حقیقتاً نہیں دیکھ رہے۔ یعنی وہ جو بت ہیں سامنے ان کی آنکھیں ہیں لیکن اندر کچھ بھی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿خُذِ الْعَفْوَ﴾ اور لے لے معافی والا معاملہ کہ ان کو معاف کر دے۔ مخالفین آنحضرت ﷺ کو منہ پر کہتے تھے ساحر ہے، کذاب ہے، جادوگر ہے، شاعر ہے، مجنوں ہے، مفتری ہے، معاذ اللہ تعالیٰ۔ آج اگر ہمیں کوئی ہمارے سامنے کہے تو پھر سارے سمجھتے ہو کہ کیا ہو گا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فرمایا کہ آپ ﷺ ان کو معاف کر دیں یعنی ان کو تلک بتلک جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے کہ اگر آپ بھی ان کو اسی طرح کہیں گے تو آپ ﷺ اور ان میں کیا فرق رہے گا اور معافی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ﷺ اپنا مشن چھوڑ دیں۔ مشن تو جاری رکھنا ہے ﴿وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾ اور حکم کر نیکی کا۔ توحید بیان کرتے رہیں ﴿وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ﴾ اور اعراض کر جاہلوں سے وہ جو جہالت کی باتیں کرتے ہیں ان کا مقابلہ نہ کرو اعراض کرو یہ آپ ﷺ کو خطاب کر کے ہمیں سمجھایا ہے ﴿وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ﴾ اور اگر اُبھارے تجھ کو شیطان کی طرف سے چھیڑ چھاڑ۔

مقابلے میں جھوٹے خداؤں کو گالیاں نہ دو لیکن تردید بیان کرو؟

انسان آخر انسان ہے حق بیان کرنا ہے جب حق کی بات کے خلاف کوئی بات کرتا ہے تو غصہ آتا ہے۔ لہٰذا ایسے موقع پر اگر شیطان اُبھارے کہ آپ بھی ان کو دو چار سنا دیں تو فرمایا تم نے ایسا نہیں کرنا بلکہ ﴿فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ﴾ پس اللہ تعالیٰ کی پناہ لو یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ پڑھو۔

دیکھو! اگر واعظ اور مبلغ بھی وہی زبان استعمال کرے جو جاہل کرتا ہے تو پھر واعظ، مبلغ، مصلح اور غیر مصلح میں فرق تو نہ ہوا۔ یہ قرآن کریم کا سبق ہے کہ تمھیں کوئی گالیاں بھی دے تو ان کے جھوٹے خداؤں کو گالیاں نہ دو بلکہ چپ کر جاؤ۔ لیکن ان کی تردید بیان کرو کہ یہ خدا نہیں ہیں اور نہ خدائی اوصاف ان میں ہیں ﴿اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ سب کچھ اس کے علم میں ہے اُس کے مطابق جزا سزا دے گا۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿اتَّقَوْا﴾ جو ڈرتے ہیں ﴿اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ﴾ جب پہنچتا ہے ان کو خیال شیطان کی طرف سے ﴿تَذَكَّرُوْا﴾ وہ یاد کرتے ہیں ﴿فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ﴾ پس وہ اچانک بصیرت والے ہو جاتے ہیں ﴿وَاِخْوَانُهُمْ﴾ اور شیطانوں کے بھائی ﴿يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ﴾ ان کو کھینچ لیتے ہیں گمراہی میں ﴿ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ﴾ پھر وہ کوتاہی نہیں کرتے ﴿وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ﴾ اور جب آپ نہ لائیں ان کے پاس کوئی نشانی

﴿قَالُوْا﴾ تو کہتے ہیں ﴿لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا﴾ کیوں نہیں چن کر لایا تو اس نشانی کو ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّمَآ﴾ پختہ بات ہے ﴿اَتَّبِعُ﴾ میں پیروی کرتا ہوں ﴿مَا يُوْحٰى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ﴾ اس چیز کی جو وحی کی جاتی ہے میری طرف میرے رب کی طرف سے ﴿هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ یہ قرآن کی باتیں بصیرت کی باتیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے ﴿وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ﴾ اور ہدایت ہے اور رحمت ہے ﴿لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو مومن ہے ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ﴾ اور جس وقت پڑھا جائے قرآن ﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ﴾ پس توجہ کے ساتھ تم سنو اس کو ﴿وَاَنْصِتُوْا﴾ اور خاموش رہو ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ﴾ اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں ﴿تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً﴾ عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے ﴿وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ اور نہ اونچی بات کر ﴿بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾ پہلے پہر اور پچھلے پہر ﴿وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ اور نہ ہوں آپ غفلت کرنے والوں میں سے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ﴾ بے شک جو تیرے رب کے پاس ہیں ﴿لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ﴾ وہ تکبر نہیں کرتے اس کی عبادت سے ﴿وَيُسَبِّحُوْنَهٗ﴾ اور وہ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں ﴿وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ﴾ اور وہ اسی کے لیے سجدہ کرتے ہیں۔

اس سے پہلی آیت کریمہ میں ہے کہ اے مخاطب! اگر شیطان تجھے اُبھارے چھیڑ کر تو تُو اعوذ باللہ پڑھ لے شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے:

((اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ او کما قال علیہ الصلاۃ والسلام)).

"انسان کے بدن میں جہاں تک خون دورہ کرتا ہے شیطان کا دورہ بھی وہاں تک ہوتا ہے۔"

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو ڈرتے ہیں ﴿اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ﴾ جب پہنچتا ہے ان کو خیال، وسوسہ شیطان کی طرف سے ﴿تَذَكَّرُوْا﴾ وہ یاد کرتے ہیں یعنی فوراً ان کو بات یاد آجاتی ہے کہ یہ شیطان کا وسوسہ ہے ﴿فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ﴾ پس وہ اچانک بصیرت والے ہو جاتے ہیں کہ اس بُرے خیال سے باز آجاتے ہیں۔

بُرے خیالات پر گرفت نہیں

ہر انسان کو اچھے خیالات بھی آتے ہیں اور بُرے خیالات بھی آتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ بُرے سے بُرا اور گندے سے گندا خیال بھی آئے تو اس پر کوئی پکڑ نہیں ہے اگر خیال پر پکڑ ہوتی تو کسی کی بھی خیر نہیں تھی۔ خیال اُسے کہتے ہیں کہ

جو بغیر ارادے کے خود بہ خود آئے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں، متقیوں کو جب خیال آتے ہیں تو فوراً ان کو یاد آ جاتا ہے کہ یہ شیطان کا وسوسہ ہے وہ صاحبِ بصیرت ہو جاتے ہیں سمجھ سے کام لیتے ہیں اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتے ہیں اور باز آ جاتے ہیں۔ ﴿وَاِخْوَانُهُمْ﴾ اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں ﴿يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ﴾ وہ ان کو کھینچ لیتے ہیں گمراہی میں شیطان اپنے بھائیوں کے دلوں میں بُرے بُرے خیال لاتا ہے تو وہ ان خیالات پر راضی ہوتے ہیں اور مزید گندے خیالات کا ارادے کرتے ہیں ﴿ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ﴾ پھر وہ کوتاہی نہیں کرتے شیطان بھی بُرے خیالات کے لانے میں کوتاہی نہیں کرتے وہ ان کو پسند کرتے ہیں اور ان پر عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں ﴿وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ﴾ اور جب آپ نہ لائیں ان کے پاس کوئی نشانی ﴿قَالُوْا﴾ تو کہتے ہیں ﴿لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا﴾ کیوں نہیں تو چن کر لا یا اس نشانی کو۔ اور یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ کیوں نہ کھینچ لا یا آیت، آج تجھ پر کوئی آیت کیوں نہیں نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّمَآ اَتَّبِعُ﴾ پختہ بات ہے میں پیروی کرتا ہوں ﴿مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ﴾ اس چیز کی جو وحی کی جاتی ہے میری طرف میرے رب کی طرف سے۔ میں خود آیات نہیں بناتا اللہ تعالیٰ کے حکم سے آیات نازل ہوتی ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس میں مخلوق کا کوئی دخل نہیں ہے اور آیت کا معنیٰ معجزہ بھی ہے۔ تو پھر مطلب یہ بنے گا کہ جب کوئی ایسا معجزہ ظاہر نہیں ہوتا تھا جو وہ طلب کرتے تھے تو کہتے کہ ہم نے آپ سے نشانی مانگی تھی کیوں نہیں آئی؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں آپ کہہ دیں میں اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا میں تو وحی کا پابند ہوں ﴿اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [العنکبوت: ۵۰] "بے شک نشانیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں"، رب کی طرف سے ہیں۔ یاد رکھنا! معجزہ اور کرامت حق ہے۔ معجزہ پیغمبر کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے اور کرامت ولی کے ہاتھ پر۔ معجزہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور کرامت بھی، معجزے میں نبی کا کوئی دخل نہیں ہوتا اور کرامت میں ولی کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ یہ قرآن کی باتیں بصیرت کی باتیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے۔ بصیرت کا معنیٰ ہے دل میں روشنی پیدا کرنا یہ قرآن پاک ایسی کتاب ہے جو دلوں میں روشنی پیدا کرتی ہے تمہارے رب کی طرف سے اس قرآن کو مخلوق میں سے کسی نے بنایا نہیں ہے ﴿وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ﴾ اور ہدایت ہے اور رحمت ہے لیکن کس کے لیے ہدایت ہے اور کس کے لیے رحمت ہے؟ اور کس کے دل میں روشنی پیدا کرتی ہے؟ فرمایا ﴿لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو مومن ہے اور چونکہ قرآن کریم کا ذکر تھا آگے آداب ذکر فرمائے ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ﴾ اور جس وقت پڑھا جائے قرآن ﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ﴾ پس توجہ کے ساتھ تم سنو اس کو ﴿وَاَنْصِتُوْا﴾ اور خاموش رہو ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ تاکہ تم پر رحم کیا جائے تم پر رحمت نازل کی جائے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں بڑے مفسرِ قرآن ہیں۔ ویسے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نیک تھے، عادل تھے، حق پر تھے، اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے تھے لیکن ان کے آپس میں درجے مختلف تھے۔

قرأت خلف الامام حکم خداوندی کی صریح مخالفت ہے

قرآن کریم کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا پہلا نمبر ہے ان کے بعد دوسرا نمبر ہے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا۔ تفسیر قرآن میں باقی تمام صحابہ ان کے بعد ہیں۔ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ مقتدیوں نے امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی۔ نہ فاتحہ پڑھنی ہے اور نہ ہی قرآن کا کوئی اور حصہ پڑھنا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے کچھ لوگوں نے امام کے پیچھے قرأت شروع کی، سورۃ فاتحہ پڑھی یا کچھ اور پڑھا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب نماز سے فارغ ہوئے تو سخت غصے ہوئے اور فرمایا: اَمَا اٰنَ لَکُمْ اَنْ تَفْقَهُوْا "کیا وہ وقت نہیں آیا کہ تم میں دین کا فہم اور بصیرت پیدا ہو اَمَا اٰنَ اَنْ تَعْقِلُوْا وہ وقت نہیں آیا کہ تم عقل سے کام لو۔ جس وقت امام قرآن کریم پڑھے تو خاموش رہو۔"

امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ بڑے اُونچے درجے کے امام ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اَجْمَعُوْا عَلٰی اَنَّهَا نَزَلَتْ فِي الصَّلٰوةِ "تمام ائمہ کا اجماع اور اتفاق ہے کہ یہ آیت کریمہ نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے" کہ امام کے پیچھے نہ جہری نمازوں میں قرأت ہے اور نہ سرّی نمازوں میں اور حکم خداوندی ہے ﴿فَاسْتَمِعُوْا﴾ پس تم توجہ کے ساتھ سنو اگر امام بلند آواز سے پڑھے ﴿وَاَنْصِتُوْا﴾ اور خاموش رہو۔ اگر امام آہستہ پڑھتا ہے تو امام کے پیچھے قرأت کرنا قرآن پاک کے حکم کی صریح خلاف ورزی ہے۔ تو یہ آیت کریمہ نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور جمہور کا یہی مسلک ہے۔

بعض دوستوں کو دو حدیثوں کی وجہ سے غلط فہمی ہوئی ہے ان میں ایک حدیث صحیح ہے مگر وہ ان کی دلیل نہیں بنتی جو کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنی چاہیے اور دوسری صریح ہے مگر وہ روایت پرلے درجے کی کمزور ہے۔ صحیح حدیث ہے لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَءْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ "جس نے نماز میں فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہے۔" لیکن کس کی نماز نہیں ہے اور کس کے بارے میں ہے؟ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں لِمَنْ يُّصَلِّيْ وَحْدَهٗ "یہ روایت اس کے بارے میں ہے جو اکیلا نماز پڑھے۔" حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لِمَنْ يُّصَلِّيْ وَحْدَهٗ "یہ روایت اس کے بارے میں ہے جو اکیلا نماز پڑھے۔" امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت مقتدی کے بارے میں نہیں ہے اکیلے شخص کے بارے میں ہے۔ امام سفیان ابن عیینہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور تمام محدثین کے استاذ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت مقتدیوں کے بارے میں قطعاً نہیں ہے جو اکیلا نماز پڑھے اُس کے بارے میں ہے۔

اور مقتدیوں کے بارے میں مسلم شریف وغیرہ کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام جب تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا "اور جب امام قرأت شروع کرے تو تم خاموش ہو جاؤ۔" اور دوسری روایت جو صریح ہے کہ جس نے امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی تو اس حدیث کا ایک راوی ہے محمد ابن اسحاق، اس کے متعلق امام

مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں دَجَّالٌ مِّنَ الدَّجَاجِلَۃِ" وہ دجالوں میں سے ایک دجال تھا" امام یحییٰ سعید القطان جو کہ جرح اور تعدیل کے امام ہیں وہ فرماتے ہیں اَشْھَدُ اَنَّہٗ کَذَّابٌ" میں کھلے طور پر گواہی دیتا ہوں کہ وہ بڑا جھوٹا راوی تھا" یحییٰ ابن معین فرماتے ہیں کہ جھوٹا تھا خالد ابن وہب فرماتے ہیں کہ جھوٹا تھا۔ تو جھوٹے راوی کی روایت پر دارومدار رکھ کر لوگوں کی نمازوں کو باطل قرار دینا کہاں کا دین ہے یا یہ دین کی کون سی خدمت ہے؟

تو یاد رکھنا! جو روایت صحیح ہے وہ مقتدی کے بارے میں نہیں اکیلے کے بارے میں ہے اور جس روایت میں مقتدی کا ذکر ہے اس کا راوی دجال اور کذاب ہے۔ باقی جس آدمی کو تفصیل کا شوق ہو تو اس مسئلے پر میری مستقل کتاب ہے "احسن الکلام فی ترك القراءت خلف الامام" اس کا مطالعہ کرے جس پر ہندوستان اور پاکستان کے جید علمائے کرام کی تصدیقات ہیں اور حضرت مدنی رحمہ اللہ کی تصدیق بھی ہے۔

تو یہ مسئلہ اچھی طرح یاد رکھنا کہ امام کے پیچھے نہ جہری نمازوں میں قرأت ہے اور نہ سری نمازوں میں۔ باقی تسبیحات وغیرہ ٹھیک ہیں وہ پڑھنی ہیں ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ﴾ اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں نماز کے بعد ﴿تَضَرُّعًا﴾ عاجزی کرتے ہوئے ﴿وَّخِيْفَةً﴾ اور رب سے ڈرتے ہوئے ﴿وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ اور نہ اونچی بات کر یعنی نماز سے فارغ ہو کر ذکر کرو، تسبیحات پڑھو، استغفار کرو لیکن بلند آواز سے نہیں یہ قرآن کی روح کے خلاف ہے ہاں اگر تعلیم کے لیے کسی وقت امام بلند آواز سے دعا کر دے تاکہ لوگوں کو پتا چل جائے یہ بھی پڑھنی چاہیے تو صحیح ہے ﴿بِالْغُدُوِّ﴾۔ غُدُوٌّ غُدْوَةٌ کی جمع ہے معنیٰ ہوگا پہلے اوقات میں ﴿وَالْاٰصَالِ﴾ اَصِيْل کی جمع ہے پچھلے اوقات میں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو۔

﴿وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ اور نہ ہوں آپ غفلت کرنے والوں میں سے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ﴾ بے شک وہ لوگ جو تیرے رب کے پاس ہیں معصوم فرشتے ﴿لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ﴾ وہ تکبر نہیں کرتے رب کی عبادت سے ﴿وَيُسَبِّحُوْنَهٗ﴾ اور وہ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ ہر وقت سبحان اللہ وبحمدہ پڑھتے رہتے ہیں۔

تسبیحات کی برکات

حدیث پاک میں آتا ہے کہ سبحان اللہ وبحمدہ کثرت سے پڑھا کرو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ رزق کا دروازہ کھول دیتے ہیں اور حدیث پاک میں آتا ہے اَفْضَلُ الْكَلَامِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ ہے لہٰذا یہ کثرت سے پڑھا کرو ﴿وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ﴾ اور وہ اسی کے لیے سجدہ کرتے ہیں۔ یہ آیت کریمہ سجدے کی ہے کہ جو شخص پڑھے اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہے اور جو سنے اس پر بھی لازم ہے چاہے سننے کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔ یہ آیت کریمہ میں نے پڑھی ہے اور آپ حضرات نے سنی ہے۔ لہٰذا مردوں، عورتوں سب پر سجدہ واجب ہو گیا ہے۔ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے بھی کر سکتے ہو کیوں کہ یہ واجب ہے اور فجر کی نماز کے بعد سورج طلوع ہونے تک نفل منع ہیں اسی طرح عصر کی نماز کے بعد غروبِ آفتاب تک نفل منع ہیں ان اوقات

میں سجدہ کر سکتے ہو کیوں کہ یہ واجب ہے۔ نمازِ جنازہ پڑھ سکتے ہو کہ فرض کفایہ ہے قضاء نمازیں بھی ادا کر سکتے ہو۔ اور سجدہ تلاوت فوری طور پر واجب نہیں ہے، واجب فی الذمہ ہے اگر فوری طور پر کوئی نہیں کرتا تو بعد میں کرنا پڑے گا اور سجدہ اس طرح کرنا ہے کہ اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں چلے جاؤ اور تین یا پانچ یا سات مرتبہ تسبیحات پڑھو اور اللہ اکبر کہہ کر سر اٹھا لو۔ اس میں نہ التحیات ہے نہ سلام ہے اور دو سجدے بھی نہیں ہیں صرف ایک سجدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ دین سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

آج بتاریخ ۱۱ رمضان المبارک بروز سوموار ۱۴۲۸ھ بمطابق ۲۴ ستمبر ۲۰۰۷ء
سورۃ الاعراف مکمل ہوئی۔ بتوفیق اللہ تعالیٰ وعونہٖ

مولانا (محمد نواز بلوچ)
مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس، جناح روڈ گوجرانوالا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ
سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ

پارہ ⟸ قَالَ الْمَلَاُ ، وَاعْلَمُوْٓا ، يَعْتَذِرُوْنَ

(۹) (۱۰) (۱۱)

فہرست عنوانات

ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن

(حصہ ہشتم)

اہلِ علم سے گزارش

بندۂ ناچیز امام المحدثین مجدد وقت شیخ الاسلام حضرت العلام مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد بھی ہے اور مرید بھی۔

اور محترم لقمان اللہ میر صاحب حضرت اقدس کے مخلص مرید اور خاص خدام میں سے ہیں۔

ہم وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے جایا کرتے۔خصوصاً جب حضرت شیخ اقدس کو زیادہ تکلیف ہوتی تو علاج معالجہ کے سلسلے کے لیے اکثر جانا ہوتا۔جانے سے پہلے ٹیلیفون پر رابطہ کر کے اکٹھے ہو جاتے۔ایک دفعہ جاتے ہوئے میر صاحب نے کہا کہ حضرت نے ویسے تو کافی کتابیں لکھی ہیں اور ہر باطل کا رد کیا ہے مگر قرآن پاک کی تفسیر نہیں لکھی تو کیا حضرت اقدس جو صبح بعد نماز فجر درس قرآن ارشاد فرماتے ہیں وہ کسی نے محفوظ نہیں کیا کہ اسے کیسٹ سے کتابی شکل سے منظر عام پر لایا جائے تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہوں۔اور اس سلسلے میں جتنے بھی اخراجات ہوں گے وہ میں برداشت کروں گا اور میرا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے،شاید یہ میرے اور میرے خاندان کی نجات کا سبب بن جائے۔یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمائی تھی۔

اس سے تقریباً ایک سال قبل میر صاحب کی اہلیہ کو خواب آیا تھا کہ ہم حضرت شیخ اقدس کے گھر گئے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت کیلوں کے چھلکے لے کر باہر آرہے ہیں۔میں نے عرض کیا حضرت مجھے دے دیں میں باہر پھینک دیتی ہوں۔حضرت نے وہ مجھے دے دیے اور میں نے باہر پھینک دیے۔

چوں کہ حضرت خواب کی تعبیر کے بھی امام ہیں۔میں نے مذکورہ بالا خواب حضرت سے بیان کیا اور تعبیر پوچھنے پر حضرت نے فرمایا کہ میرا یہ جو علمی فیض ہے اس سے تم بھی فائدہ حاصل کرو گے۔چنانچہ وہ خواب کی تعبیر تفسیر قرآن "ذخیرۃ الجنان" کی شکل میں سامنے آئی۔

میر صاحب کے سوال کے جواب میں مَیں نے کہا اس سلسلے میں مجھے کچھ معلوم نہیں حضرت اقدس سے پوچھ لیتے ہیں۔چنانچہ جب گکھڑ حضرت کے پاس پہنچ کر بات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ درس دو تین مرتبہ ریکارڈ ہو چکا ہے اور محمد سرور منہاس کے پاس موجود ہے ان سے رابطہ کر لیں۔اور یہ بھی فرمایا کہ گکھڑ والوں کے اصرار پر میں یہ درسِ قرآن پنجابی زبان میں دیتا رہا ہوں اس کو اُردو زبان میں منتقل کرنا انتہائی مشکل اور اہم مسئلہ ہے۔

اس سے دو دن پہلے میرے پاس میرا ایک شاگرد آیا تھا اس نے مجھے کہا کہ میں ملازمت کرتا ہوں تنخواہ سے اخراجات

پورے نہیں ہو پاتے ،دورانِ گفتگواس نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایم-اے پنجابی بھی کیا ہے-اس کی یہ بات مجھے اس وقت یاد آ گئی-میں نے حضرت سے عرض کی کہ میراایک شاگرد ہے اس نے پنجابی میں ایم-اے کیا ہےاور کام کی تلاش میں ہے، میں اس سے بات کرتا ہوں-

حضرت نے فرمایااگرایسا ہوجائے تو بہت اچھا ہے-ہم حضرت کے پاس سے اٹھ کر محمد سرور منہاس صاحب کے پاس گئے اوران کے سامنے اپنی خواہش رکھی انھوں نے کیسٹیں دینے پر آمادگی ظاہر کر دی-کچھ کیسٹیں ریکارڈ کرانے کے بعد اپنے شاگردایم-اے پنجابی کو بلایااوراس کے سامنے یہ کام رکھا اُس نے کہا کہ میں یہ کام کر دوں گا، میں نے اسے تجرباتی طور پرایک عدد کیسٹ دی کہ یہ لکھ کرلاؤ پھر بات کریں گے-دینی علوم سے ناواقفی اس کے لیے سدِ راہ بن گئی-وہ قرآنی آیات،احادیث مبارکہ اور عربی عبارت سمجھنے سے قاصر تھا-تو میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام خود ہی کرنے کا ہے میں نے خود ایک کیسٹ سنی اور اُردو میں منتقل کر کے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی-حضرت نے اس میں مختلف مقامات میں سے پڑھ کر اظہارِ اطمینان فرمایا-اس اجازت پر پوری تن دہی سے متوکل علی اللہ ہو کر کام شروع کر دیا-

میں بنیادی طور پر دنیاوی تعلیم کے لحاظ سے صرف پرائمری پاس ہوں، باقی سارا فیض علمائے ربانیین سے دورانِ تعلیم حاصل ہوا-اور میں اصل رہائشی بھی جھنگ کا ہوں وہاں کی پنجابی اور لاہور، گوجرانوالا کی پنجابی میں زمین آسمان کا فرق ہے-لہٰذا جہاں دشواری ہوتی وہاں حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلالپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع کرتا یا زیادہ ہی الجھن پیدا ہو جاتی تو براہِ راست حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے رابطہ کر کے تشفی کر لیتا لیکن حضرت کی وفات اور مولانا جلالپوری رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے بعد اب کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جس کی طرف رجوع کروں-اب اگر کہیں محاورہ یا مشکل الفاظ پیش آئیں تو پروفیسر ڈاکٹر اعجاز سندھو صاحب سے رابطہ کر کے تسلی کر لیتا ہوں-

اہل علم حضرات سے التماس ہے کہ اس بات کو بھی مدنظر رکھیں کہ یہ چونکہ عمومی درس ہوتا تھا اور یادداشت کی بنیاد پر مختلف روایات کا ذکر کیا جاتا تھا اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جو روایت جس کتاب کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے وہ پوری روایت اسی کتاب میں موجود ہو-بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ روایت کا ایک حصہ ایک کتاب میں ہوتا ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے مگر باقی تفصیلات دوسری کتاب کی روایت بلکہ مختلف روایات میں ہوتی ہیں-جیسا کہ حدیث نبویؐ کے اساتذہ اور طلبہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لیے ان دروس میں بیان کی جانے والی روایات کا حوالہ تلاش کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا جائے-

علاوہ ازیں کیسٹ سے تحریر کرنے سے لے کر مسودہ کے زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے تک کے تمام مراحل میں اس مسودہ کو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ میں بذاتِ خود اور دیگر تعاون کرنے والے احباب مطالعہ اور پروف ریڈنگ کے دوران غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور حتی المقدور اغلاط کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے-کمپوزنگ اور اغلاط کی نشاندہی کے بعد میں

ایک مرتبہ دوبارہ مسودہ کو چیک کرتا ہوں تب جا کر انتہائی عرق ریزی کے بعد مسودہ اشاعت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔لیکن بایں ہمہ ہم سارے انسان ہیں اور انسان نسیان اور خطا سے مرکب ہے غلطیاں ممکن ہیں۔ لہٰذا اہل علم سے گزارش ہے کہ تمام خامیوں اور کمزوریوں کی نسبت صرف میری طرف ہی کی جائے اور ان غلطیوں سے مطلع اور آگاہ کیا جائے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔

العارض

محمد نواز بلوچ

فارغ التحصیل مدرسہ نصرۃ العلوم وفاضل وفاق المدارس العربیہ، ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ الۡاَنۡفَالِ مَدَنِیَّةٌ

پارہ ⇐ قَالَ الۡمَلَاُ ، وَاعۡلَمُوۡٓا
(۹) (۱۰)

آیاتہا ۷۵ ⑧ سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ ⑧⑧ رکوعاتہا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ﴾ سوال کرتے ہیں آپ سے غنیمتوں کے بارے میں ﴿قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ آپ کہہ دیں غنیمتیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے ہیں ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ پس ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے ﴿وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ اور درست کرو آپس کے معاملات کو ﴿وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اگر ہو تم مومن ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ پختہ بات ہے مومن ﴿الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ﴾ وہ لوگ ہیں کہ جس وقت ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ﴿وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ خوف زدہ ہو جاتے ہیں دل ان کے ﴿وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ﴾ اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی آیتیں ﴿زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں ﴿وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ اور وہ مومن اپنے رب پر توکل کرتے ہیں ﴿الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ وہ لوگ قائم کرتے ہیں نماز کو ﴿وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ اور جو ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ یہی لوگ ہیں مومن پکی بات ہے ﴿لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ان کے لیے درجے ہیں ان کے رب کے ہاں ﴿وَ مَغْفِرَةٌ﴾ اور بخشش ہے ﴿وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ اور رزق ہو گا عمدہ ﴿كَمَاۤ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ﴾ جیسے نکالا تجھ کو تیرے پروردگار نے ﴿مِنْۢ بَيْتِكَ﴾ تیرے گھر سے ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور بے شک ایک گروہ ایمان والوں میں سے ﴿لَكٰرِهُوْنَ﴾ البتہ اس کو ناپسند کرتا تھا ﴿يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ﴾ جھگڑتے ہیں وہ آپ کے ساتھ حق کے بارے میں ﴿بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ﴾ بعد اس کے کہ بات واضح ہو چکی ہے ﴿كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ﴾ گویا کہ وہ چلائے جا رہے ہیں موت کی طرف ﴿وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ﴾ اور وہ دیکھ رہے ہیں۔

کوائفِ سورت اور غزوۂ بدر

اس سورت کا نام انفال ہے اور پہلی آیت کریمہ ہی میں انفال کا لفظ موجود ہے اسی سے سورت کا نام انفال ہے۔ سورۃ فاتحہ کے بعد اس کا آٹھواں نمبر ہے اور نزول کے اعتبار سے اٹھاسیواں [۸۸] نمبر ہے۔ ستاسی [۸۷] سورتیں اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں۔ یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہے اس کے دس رکوع اور پچھتر [۷۵] آیات ہیں۔ اس سورت میں غزوۂ بدر

کے واقعات کا ذکر ہے۔ چونکہ یہ پہلا غزوہ تھا اس لیے بعض مسائل کا علم بعض حضرات کو نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرما کر ان مسائل سے آگاہ کیا۔ یہی اس کا شانِ نزول ہے۔

بدر دراصل ایک آدمی کا نام تھا، بدر بن قیس بن صبا۔ اس نے اس مقام پر ایک کنواں کھودا تھا تو کنوئیں کا نام اس شخص کے نام پر بدر پڑ گیا پھر سارے علاقے کو بدر کا علاقہ کہا جاتا تھا۔ یہ غزوہ ۲ ھ ۱۷ رمضان المبارک جمعہ کے دن پیش آیا۔ اَنفال جمع ہے نفل کی، نفل کے معنیٰ زائد کے ہیں، جو نماز فرضوں سے زیادہ ہوتی ہے وہ نفل کہلاتی ہے اور مالِ غنیمت کو نفل کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی مقصد سے زائد ہوتا ہے کہ جہاد میں اصل مقصد تو اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔

تو نفل کے معنیٰ مالِ غنیمت کے ہیں اور مالِ غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو کافروں کے ساتھ جہاد کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس مال کے پانچ حصے کیے جاتے ہیں پانچواں حصہ خُمس کہلاتا ہے۔ وہ خمس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غریب رشتہ داروں کے لیے اور عام مساکین اور یتیموں اور نادار لوگوں کے لیے ہوتا تھا باقی چار حصے مجاہدین پر تقسیم ہو جاتے تھے اور مسلمانوں کے لیے سب سے بہتر کمائی مالِ غنیمت ہے کیونکہ جہاد کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے اور جہاد بہت بلند عمل ہے۔

یہ لڑائی کیوں ہوئی اس کے اسباب کیا تھے؟ ان کا ذکر آگے آ رہا ہے اس لڑائی میں مسلمان کل تین سو تیرہ تھے تین سو بارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تیرھویں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور تعجب کی بات یہ ہے کہ تین سو تیرہ کے پاس صرف آٹھ تلواریں چھ زرہیں، ستر اونٹ اور دو گھوڑے ہیں اور لباس کی یہ حالت تھی کہ کسی کے پاس پگڑی، ٹوپی تھی اور کوئی ننگے سر تھے اور کسی کے پاس جوتا تھا اور کئی ننگے پاؤں تھے اس گرمی اور دھوپ میں۔ اور مقابلے میں ایک ہزار آدمی اور ان کے پاس ہر طرح کا اسلحہ، تلواریں، نیزے، تیر کمان، زرہیں، خَوْد اور وافر مقدار میں اونٹ، گھوڑے اور خچر تھے۔

اور آپ پہلے اللہ تعالیٰ کا ارشاد پڑھ چکے ہیں کہ ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾ [آل عمران: ۱۲۳] "اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کر چکا بدر میں اور تم کمزور تھے۔" ستر کافر مارے گئے، ستر گرفتار ہوئے اور باقی دوڑ لگا گئے یہ اللہ تعالیٰ کی نصرت تھی ورنہ تین سو تیرہ کی ایک ہزار کے ساتھ کیا نسبت ہے؟ آٹھ تلواروں کی ایک ہزار تلوار کے ساتھ کیا نسبت ہے؟ صرف چودہ مسلمان شہید ہوئے، آٹھ مہاجر اور چھ انصار میں سے۔ مالِ غنیمت میں اونٹ، گھوڑے، تلواریں، خود (لوہے کی ٹوپی کو کہتے ہیں)، زرہیں اور جو کچھ بھی اس زمانے میں ان کے پاس تھا، حاصل ہوا۔ کچھ حضرات لڑائی میں تھے اور کچھ حضرات ان کی خدمت پر خیموں میں کھانا پکانا، کپڑے دھونا اور دیگر سامان کی حفاظت کر رہے تھے اور یہ کہ جب ان کی باری آئی تھی اُنھوں نے بھی لڑنا تھا۔

مالِ غنیمت کے بارے میں اختلاف ہوا اور جب آدمی زیادہ ہوں تو قدرتی طور پر اختلافِ رائے ہو جاتا ہے۔ لڑنے والوں کا خیال یہ تھا کہ چونکہ ہم لڑے ہیں اس لیے مالِ غنیمت ہمارا حق بنتا ہے اور جو حضرات انتظامات پر مامور تھے اُنھوں نے کہا کہ ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں لہٰذا ہمارا بھی حق بنتا ہے۔ پھر کہنے لگے کہ اختلاف کی کیا ضرورت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں ان سے پوچھ لیتے ہیں کہ حضرت مالِ غنیمت کس کا حق بنتا ہے؟ صرف لڑنے والوں کا حق ہے یا جو پیچھے اونٹوں، گھوڑوں اور

گدھوں کی حفاظت پر مامور تھے اور کھانے پکانے پر مامور تھے اور زخمیوں کی مرہم پٹی وغیرہ کر رہے تھے ان کا بھی حق بنتا ہے۔

اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا ﴿یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ﴾ سوال کرتے ہیں آپ سے غنیمتوں کے بارے میں ﴿قُلِ﴾ آپ کہہ دیں ﴿الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ غنیمتیں اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور اس کے رسول کے کنٹرول میں ہیں ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ پس ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے ﴿وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ﴾ اور درست رکھو آپس کے معاملے کو، اختلاف پیدا نہ کرو۔

مالِ غنیمت کا کیا کرنا ہے؟ اس کا حکم دسویں پارے کی ابتداء میں آئے گا ﴿وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ﴾ "اور اچھے طریقے سے جان لو کہ بے شک جو تم نے حاصل کیا ہے غنیمت میں سے پس بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا پانچواں حصہ ہے اور اس کے رسول کے لیے اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے قرابت داروں کے لیے اور یتیموں کے لیے اور مسکینوں کے لیے اور مسافروں کے لیے ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ تعالیٰ پر۔" ﴿وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ اگر ہو تم مومن۔

علاماتِ مومنین

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ پختہ بات ہے مومن وہ لوگ ہیں کہ جس وقت ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا خوف زدہ ہو جاتے ہیں دل ان کے۔ مومنوں کی پہلی علامت: رب تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی کی وجہ سے۔

مومنوں کی دوسری علامت: ﴿وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا﴾ اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی آیتیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں یعنی ان کے ذریعے ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔

ایمان والوں کی تیسری علامت: ﴿وَّ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ﴾ اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ توکل کا معنیٰ یہ ہے کہ ظاہری اسباب اختیار کر کے نتیجہ رب تعالیٰ پر چھوڑ دینا اگر ظاہری اسباب نہ اختیار کیے جائیں تو اس کو "تَعَطُّلْ" کہتے ہیں۔ اور اسباب کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

چوتھی علامت: ﴿الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ مومن وہ لوگ ہیں جو قائم کرتے ہیں نماز کو۔ شریعت نے نماز کا جو طریقہ بتایا ہے اس طرح نماز کو قائم کرتے ہیں۔ یعنی شرائط و قیود کے ساتھ وقت پر، جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

پانچویں علامت: یہ ہے کہ ﴿وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ﴾ اور ہم نے جو ان کو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور "ما" سے مراد چیز لی جائے تو معنیٰ ہوگا جو چیز ہم نے ان کو دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ علم دیا ہے کہ اس کی دوسروں کو تعلیم دیتے ہیں، قوتِ بدنی دی ہے، مال دیا ہے اُسے خرچ کرتے ہیں، عقلِ سلیم دی ہے اس کے ذریعے لوگوں کے کام کرتے

ہیں۔ یہ موٹی موٹی علامتیں جن میں پائی جاتی ہے ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا﴾ یہی لوگ مومن ہیں پکی بات ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ ﴿لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ﴾ ان کے لیے درجے ہیں ان کے رب کے ہاں بہت بلند جنت الفردوس ہے اور جنتیں ہیں ان میں یہ درجہ بہ درجہ پہنچیں گے ﴿وَمَغْفِرَةٌ﴾ اور بخشش ہے ﴿وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ اور رزق ہوگا عمدہ۔ جنت میں جو رزق ملے گا اس سے عمدہ اور کوئی رزق نہیں ہوسکتا۔

طبعی خوف منافیٔ ایمان نہیں

اس موقع پر کچھ حضرات طبعی طور پر لڑائی کو پسند نہیں کرتے تھے اور طبعی طور پر ایسی چیزوں سے گریز کرنے سے ایمان پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ کئی دفعہ سن چکے ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاتھ میں جو لاٹھی ہے اس کو ڈال دو جب اس کو ڈالا تو وہ سانپ بن کر دوڑنے لگی موسیٰ علیہ السلام نے دوسری طرف دوڑ لگا دی کیونکہ سانپ موذی شے ہے اور موذی شے سے بچنا بہت ضروری ہے۔ پیغمبر سے بڑھ کر کسی کا ایمان قوی نہیں ہوتا مگر طبعاً اس سانپ سے ڈرے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَا تَخَفْ﴾ "خوف نہ کر اس پر ہاتھ رکھ ﴿سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ﴾ ہم اس کو پہلی حالت میں بدل دیں گے۔" تو طبعاً لڑائی سے ڈرنا، دشمنوں سے ڈرنا، کتے سے ڈرنا، سانپ سے ڈرنا، چور ڈاکو سے ڈرنا ایمان کے خلاف نہیں ہے۔ تو کچھ حضرات لڑائی کو پسند نہیں کرتے تھے اس کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَيْتِكَ﴾ جیسے نکالا تجھ کو تیرے پروردگار نے تیرے گھر سے جو مدینہ طیبہ میں تھا حجرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ﴾ اور بے شک ایک گروہ ایمان والوں میں سے البتہ اس کو ناپسند کرتا تھا۔ طبعاً چاہتے تھے کہ لڑائی کی نوبت نہ آئے ﴿يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ﴾ جھگڑتے ہیں وہ آپ کے ساتھ حق کے بارے میں ﴿بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ﴾ بعد اس کے کہ بات واضح ہو چکی ہے کہ لڑائی ضرور پیش آئے گی ﴿كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ﴾ گویا کہ وہ چلائے جا رہے ہیں موت کی طرف یعنی یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کو موت کی طرف چلایا جا رہا ہے ﴿وَهُمْ يَنظُرُونَ﴾ اور وہ دیکھ رہے ہیں موت کو آنکھوں سے یعنی بعض ایسے گھبرائے ہوئے تھے کہ گویا موت سامنے کھڑی ہے۔

﴿وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ﴾ اور جس وقت وعدہ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ ﴿إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ﴾ دو گروہوں میں سے ایک کا ﴿أَنَّهَا لَكُمْ﴾ کہ بے شک وہ تمہارا ہے ﴿وَتَوَدُّونَ﴾ اور تم پسند کرتے تھے ﴿أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ﴾ بے شک جو کانٹے والا نہیں ہے ﴿تَكُونُ لَكُمْ﴾ وہ تمہارا ہو جائے ﴿وَيُرِيدُ اللَّهُ﴾ اور ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے ﴿أَن يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ﴾ کہ ثابت کر دے حق کو اپنے فیصلوں کے ساتھ ﴿وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ﴾ اور جڑ کاٹ دے

کافروں کی ﴿لِيُحِقَّ الْحَقَّ﴾ تاکہ ثابت کردے حق کو ﴿وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ﴾ اور مٹا دے باطل کو ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ﴾ اور اگرچہ مجرم ناپسند کریں ﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ﴾ جس وقت تم مدد طلب کرتے تھے اپنے رب سے ﴿فَاسْتَجَابَ لَكُمْ﴾ پس اس نے تمہاری دعا قبول کر لی (یہ فرماتے ہوئے) ﴿أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ﴾ بے شک میں تمہاری مدد کروں گا ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ ﴿مُرْدِفِينَ﴾ جو آگے پیچھے قطار میں آئیں گے ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ﴾ اور نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے یہ فرشتوں کی امداد کو مگر خوش خبری ﴿وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ﴾ اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہوں ﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ اور نہیں ہے مدد مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

ماقبل سے ربط اور سبب بدر

غزوۂ بدر کا ذکر چلا آ رہا ہے مکہ مکرمہ میں قابل کاشت زمین نہیں تھی پہاڑ ہی پہاڑ ہیں روحانی برکات بہت تھیں مگر ظاہری اسباب نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی روزی کا ذریعہ یہ بنایا تھا کہ یہ لوگ سال میں دو تجارتی سفر کرتے تھے ﴿رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ﴾ ایک گرمیوں میں اور دوسرا سردیوں میں، گرمیوں میں شام کا سفر کرتے تھے اور سردیوں میں یمن کے علاقے کا سفر کرتے تھے۔ اگرچہ اکثریت کافروں اور مشرکوں کی تھی مگر کعبۃ اللہ کا احترام ان لوگوں کے دلوں میں تھا وہ جب سنتے کہ مکہ مکرمہ سے آئے ہیں تو کعبۃ اللہ کی نسبت سے ان کا بڑا احترام کرتے، بڑی قدر کرتے ان کی مہمانی کرتے، کھانا مفت کھلاتے، چارپائیاں دیتے، رہائش دیتے، ان سے چیزیں مہنگی خریدتے کہ برکت والی ہیں اور ان کو چیزیں سستی دیتے ان دو سفروں میں ان کا سال کا خرچہ پورا ہو جاتا تھا۔

غزوۂ بدر کا سبب یہ بنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت مشرکین مکہ کی سختیوں سے تنگ آ کر مدینہ منورہ ہجرت فرما گئی۔ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ کافر اب ان کا پیچھا چھوڑ دیتے کہ وہاں سے کافی دور چلے گئے ہیں۔ مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے تین سو گیارہ میل دور ہے جو اس زمانے میں اونٹوں پر دس دن کا سفر تھا مگر کافروں نے پیچھا نہ چھوڑا اور شرارتوں سے باز نہ آئے۔ مدینہ طیبہ کے قریب چراگاہیں تھیں جہاں لوگ اپنے مویشی جانور چراتے تھے۔ ان میں سے ایک چراگاہ میں بیت المال کے اونٹ چر رہے تھے حضرت یسار رضی اللہ عنہ وہاں کے انچارج تھے ان کے ساتھ دو چار ساتھی اور بھی تھے۔ حضرت یسار رضی اللہ عنہ موقع پر تھے اور دوسرے ساتھی سودا سلف لینے مدینہ طیبہ گئے ہوئے تھے۔ کرز ابن جابر فہری کافر لشکر لے کر آیا اور حضرت یسار رضی اللہ عنہ کو موقع پر قتل کر دیا اور اونٹ لے کر چلا گیا۔

مسلمانوں کے پاس یہی سرمایہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا، بڑے پریشان ہوئے اور

ابھی جہاد کی اجازت بھی نہیں ملی تھی حکم تھا ﴿كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ [النساء:۷۷] "ہاتھ روکے رکھو اور عبادت میں مشغول رہو۔" تو کافر شرارتوں سے باز نہ آئے اور مسلمانوں کے خلاف منصوبے بناتے رہتے تھے۔

چنانچہ مشرکین مکہ نے "دار الندوہ" جو ان کا دارا تھا۔ یہ جگہ پہلے مسجد حرام سے باہر تھی مگر اب مسجد حرام میں شامل ہوگئی ہے تو دار الندوہ میں اُنھوں نے میٹنگ کی اور کہنے لگے کہ محمد یہاں سے چلے گئے ہیں اور ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہیں کہ ہمیں نظر نہیں آتے لیکن یاد رکھو! ہم نے جو کچھ ان کے ساتھ کیا ہے وہ اس کو بھول نہیں سکتے۔ آج نہیں کل سہی دو چار سال تک وہ زندہ رہا تو فوج جمع کر کے ہم پر حملہ آور ہوگا اور ہماری بیخ کنی کر دے گا، تخم مٹا دے گے۔ یہاں تو ہم رکاوٹیں ڈالتے تھے لوگوں کو اس کے قریب نہیں آنے دیتے تھے وہاں تو رکاوٹ ڈالنے والا بھی کوئی نہیں ہے اور لوگ اس کے ساتھ ملتے جا رہے ہیں۔ لہٰذا اس پر غور کرو۔

اس کے لیے ایک تجویز ہے اس پر سب لوگ عمل کریں۔ وہ تجویز یہ ہے کہ اس دفعہ شام کا جو تجارتی سفر ہو۔ چاہے کوئی خود جائے یا کسی کو مضاربت پر بھیجے وہاں سامان بیچنے پر جو نفع حاصل ہو اور وہاں سے سامان لا کر مکہ مکرمہ بیچنے پر جو نفع حاصل ہو وہ سارا ہم چندے میں پیش کریں گے اور مسلمانوں کے خلاف ہتھیار خریدیں گے۔ چونکہ اسلام کے خلاف ان کے دلوں میں نفرت تھی لہٰذا سب نے اس تجویز پر اتفاق کیا۔

چنانچہ ساٹھ آدمیوں پر مشتمل ایک قافلہ تیار کیا گیا اس قافلے کے امیر ابوسفیان تھے کیونکہ وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے بعد میں رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو گئے۔ ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار کا سامان تھا۔ آج کل کے حساب سے یوں سمجھو کہ تین کروڑ کی مالیت کا سامان تھا۔ یہ قافلہ شام پہنچا اپنا سامان بیچا، نفع کمایا اور وہاں سے سامان خرید کر واپس چل پڑے اور مسلمانوں کو ان کے منصوبے کی اطلاع ہوگئی کہ ہمارے خلاف یہ کارروائی کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیت جہاد بھی اس وقت نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو لڑنے کی اجازت دی گئی ﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا﴾ "اجازت دی گئی ان لوگوں کو جن کے ساتھ کافر لڑتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ مظلوم ہیں۔" رہی یہ بات کہ مسلمان تھوڑے ہیں تو فرمایا ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ﴾ [حج:۳۹] "بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سارا مال ہمارے خلاف خرچ ہونا ہے لہٰذا ان کا راستہ روکنا چاہیے۔ یہ تیاری کر کے باہر تشریف لائے اُدھر مکہ والوں کو علم ہو گیا کہ ہمارے قافلے پر حملہ کر رہے ہیں وہ بھی تیاری کر کے آگئے۔ ابوسفیان بڑے چالاک اور ہوشیار آدمی تھے۔ اس نے معروف راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیا اور بچ بچا کر قافلہ مکے پہنچا دیا مسلمان اس راستے تک پہنچ ہی نہ سکے۔ مسلمان جب نکلے تو رب تعالیٰ نے پہلے ہی فرما دیا کہ دو قافلے ہیں ایک ابوسفیان کا قافلہ جس میں ساٹھ آدمی، ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار سے زیادہ کا سامان ہے اور دوسرا وہ قافلہ ہے جو مکہ مکرمہ سے ابوجہل کی قیادت میں مسلح ہو کر آ رہا ہے اور ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔ فرمایا ان دو میں سے ایک کے ساتھ ضرور تمہاری ٹکر ہوگی۔ اس کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِذْ یَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآىِٕفَتَیْنِ اَنَّهَا لَكُمْ﴾ اور جس وقت وعدہ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ دو گروہوں میں سے ایک کا کہ بے شک وہ تمہارا ہے ﴿وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ﴾ اور تم پسند کرتے تھے بے شک جو کانٹے والا نہیں ہے وہ تمہارا ہو جائے۔ ابوسفیان والا قافلہ کہ ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھے کہ شوکہ کا معنیٰ کانٹا بھی ہوتا ہے اور ہتھیار بھی ہوتا ہے ﴿وَیُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ﴾ اور ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے کہ ثابت کردے حق کو اپنے فیصلوں کے ساتھ ﴿وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِیْنَ﴾ اور جڑ کاٹ دے کافروں کی ﴿لِیُحِقَّ الْحَقَّ﴾ تاکہ ثابت کردے حق کو ﴿وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ﴾ اور مٹا دے باطل کو ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ اور اگرچہ مجرم ناپسند کریں اس کو۔ بدر مدینہ منورہ سے بسوئے مکہ مکرمہ اَسّی [۸۰] میل کے فاصلے پر ہے۔

کافر وہاں پہنچ گئے۔ محلِ وقوع کے اعتبار سے جو اچھی جگہ تھی اور وہاں پانی کے ایک دو چشمے بھی تھے اس پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کے لیے بڑی پریشانی تھی کیوں کہ آدمیوں، اُونٹوں، گھوڑوں اور خچروں کے لیے پانی کی ضرورت ہے اس کے بغیر گزارا نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جمعرات کو وہاں پہنچے عشاء کی نماز پڑھائی، حالات دیکھ کر ایک سرخ رنگ کے چمڑے کا خیمہ تھا اس میں رو رو کر گڑگڑا کر دعا کی کہ اے پروردگار! یہ جو میرے ساتھ ہیں یہ میری پندرہ سال کی محنت ہے اگر آج یہ سارے ختم ہو گئے تو قیامت تک تیرا صحیح نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔ اے پروردگار! یہ بے سہارا ہیں ان کا سہارا تیرے سوا کوئی نہیں ہے، یہ بھوکے پیاسے ہیں ان کو کھلانے پلانے والا صرف تو ہی ہے۔

آپ ﷺ رو رہے ہیں اور دعائیں کر رہے تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خیمے سے باہر تھے برداشت نہ کر سکے اندر داخل ہوئے اور کہنے لگے حضرت! آپ ﷺ نے بڑی آہ وزاری کی ہے اب بس کریں۔ آنحضرت ﷺ خیمے سے باہر تشریف لائے اور آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ آیت کریمہ تھی ﴿سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ﴾ [القمر: ۴۵] "یہ شکست کھائیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔" جمعہ کا دن تھا صبح کے وقت معرکہ ہوا۔ مسلمان تین سو تیرہ اور ان کے پاس آٹھ تلواریں، چھ زرہیں، دو گھوڑے، ستر اونٹ تھے اور کافر ایک ہزار اور ان کے پاس ایک ہزار تلوار اور دوسرے ہتھیار بھی تھے۔ بظاہر کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ اس موقع پر مسلمانوں نے دعائیں کیں۔ اس کا ذکر ہے۔

نصرتِ خداوندی

﴿اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ﴾ جس وقت تم مدد طلب کرتے تھے اپنے رب سے ﴿فَاسْتَجَابَ لَكُمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا قبول کر لی یہ فرماتے ہوئے ﴿اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُرْدِفِیْنَ﴾ بے شک میں تمہاری مدد کروں گا ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ جو آگے پیچھے قطار میں آئیں گے۔

اس مقام پر ایک ہزار کا ذکر ہے اور دوسرے مقام پر تین ہزار اور پانچ ہزار کا ذکر ہے۔ محدثین عظام اور مفسرین کرام

اس کو اس طرح تطبیق دیتے ہیں کہ مسلمان تین سو تیرہ تھے اور مقابلے میں ایک ہزار کافر تھے پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتے نازل کرنے کا وعدہ فرمایا کہ وہ تمہاری مدد کرے گا لیکن چونکہ کافر مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے مزید مسلمانوں کی تسلی کے لیے فرمایا کہ تین ہزار فرشتے نازل کروں گا یعنی کافروں سے تین گنا زیادہ۔

اس میں اختلاف ہے کہ فرشتے لڑے بھی ہیں یا محض مسلمانوں کے اطمینان کے لیے نازل ہوئے یہ بات اگلی آیت کریمہ میں آ رہی ہے کہ فرشتوں نے بھی لڑائی کی ہے۔ اسی کو ظفر علی خاں مرحوم نے کہا ہے کہ : ؎

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

یعنی ایمان، تقویٰ، پرہیزگاری، خداخوفی والے حالات پیدا کر فرشتے تیری مدد کے لیے اب بھی آسمان سے اترنے کے لیے بے تاب ہیں۔ اور اگر صرف نام کا مسلمان ہو، نہ شکل مسلمانوں والی، نہ اخلاق و کردار مسلمانوں والا تو فرشتے تیری مدد کیسے کریں گے؟

باقی رہا پانچ ہزار کا معاملہ جس کا ذکر چوتھے پارے میں ہے: ﴿اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ﴾ [آل عمران: ۱۲۵] "اگر تم صبر کرتے رہو گے اور ڈرتے رہو گے اور تمہارے دشمن تمہارے پاس آ جائیں تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا جو نشان لگانے والے ہوں گے۔"

یہ وعدہ مشروط تھا کہ کُرز بن جابر فہری بڑے اثر و رسوخ والا کافر تھا اس کی برادری بھی کافی تھی اور دوسرے قبائل پر بھی اس کا اثر تھا۔ عین معرکہ کے دوران میں سنا کہ کُرز بن فہری اپنے قبائل لے کر کافروں کی مدد کے لیے آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر فوری طور پر اس کا لشکر آ گیا تو میں پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کروں گا۔ لیکن نہ اس کا لشکر آیا اور نہ پانچ ہزار فرشتے نازل ہوئے کیونکہ ان کا نازل ہونا مشروط تھا۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى﴾ اور نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی امداد کو مگر خوش خبری ﴿وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ﴾ اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہوں ﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ اور نہیں ہے مدد مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ رب تعالیٰ فرشتوں کا محتاج نہیں ہے وہ ایک آن میں وہ سب کچھ کر سکتا ہے جو کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ آج سے تقریباً پانچ چھ سال پہلے جاپان میں صرف سات سیکنڈ کا زلزلہ آیا تھا اور صنعتی اعتبار سے جاپان یورپ کی گردن پر سوار (غالب) ہے۔ اس زلزلے سے اتنی تباہی ہوئی تھی کہ حکومت جاپان نے کہا تھا کہ ہم اس نقصان کو دس سال میں بھی پورا نہیں کر سکتے۔ رب، رب ہے وہ کسی چیز کا محتاج نہیں ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

﴿اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ﴾ جس وقت طاری کی تم پر اللہ تعالیٰ نے اُونگھ ﴿اَمَنَةً مِّنْهُ﴾ امن دلانے کے لیے اپنی طرف سے ﴿وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ﴾ اور نازل کیا اس نے تم پر آسمان کی طرف سے ﴿مَآءً﴾ پانی ﴿لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ﴾ تاکہ تم کو پاک کرے اس پانی کے ذریعے ﴿وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ﴾ اور تاکہ دور کر دے تم سے شیطان کا وسوسہ ﴿وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ﴾ اور تاکہ مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو ﴿وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ﴾ اور تاکہ ثابت رکھے اس کے ذریعے سے تمہارے قدموں کو ﴿اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ﴾ جس وقت وحی کی تیرے رب نے فرشتوں کو ﴿اَنِّيْ مَعَكُمْ﴾ بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں ﴿فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ پس ثابت قدم رکھو ان لوگوں کو جو ایمان لائے ﴿سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ﴾ عنقریب میں ڈالوں گا ان لوگوں کے دلوں میں جو کافر ہیں رعب ﴿فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ﴾ پس مارو تم ان کی گردنوں پر ﴿وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾ اور مارو ان میں سے ہر ہر پور پر ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اس لیے کہ بے شک اُنھوں نے مخالفت کی ہے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور جو شخص مخالفت کرے گا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے ﴿ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ﴾ پس چکھو تم مزہ اس کا ﴿وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ﴾ اور بے شک کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔

غزوۂ بدر کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ کافر وہاں پہلے پہنچ گئے اور پانی کے چشموں پر قبضہ کر لیا آنحضرت ﷺ ساتھیوں کے ہمراہ جب وہاں پہنچے تو ایک جگہ کا انتخاب فرمایا کہ یہاں پر پڑاؤ ڈالو یہاں ہم نے اپنا مورچا قائم کرنا ہے۔

حضرت خباب ابن منذر رضی اللہ عنہ کا مشورہ

حضرت خباب ابن منذر انصاری رضی اللہ عنہ جنگی امور کے بڑے ماہر تھے۔ اُنھوں نے دیکھا کہ جس جگہ کا آپ ﷺ نے انتخاب کیا ہے وہ جنگی نقطۂ نظر سے مفید نہیں ہے تو عرض کیا کہ حضرت! جس جگہ کا آپ ﷺ نے انتخاب فرمایا ہے کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے کہ اس جگہ تم نے اپنا مورچا قائم کرنا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، رب تعالیٰ کا یہ حکم نہیں ہے۔ رب تعالیٰ کا تو یہ حکم ہے کہ تم جہاد کرو آگے ہماری صوابدید پر ہے کہ ہم نے کیسے لڑنا ہے۔ کہنے لگے حضرت! جنگی نقطۂ نظر سے یہ جگہ مفید نہیں ہے۔ چند قدم ہٹ کر ایک جگہ بتائی۔ وہ اُونچا سا ٹیلا تھا اور ریت پڑی تھی۔ عرض کیا حضرت! یہ جگہ جنگی لحاظ سے بڑی مفید ہے۔

کیوں کہ مخلص اور تجربہ کار تھے آنحضرت ﷺ نے ان کی بات مان لی اور آنحضرت ﷺ لوگوں کی صحیح بات مان لیتے تھے اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اتفاق کیا۔ وہاں پہنچنے پر چند پریشانیاں پیش آئیں کہ پانی پاس نہیں تھا، ستر اونٹ، دو

گھوڑے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تین سو تیرہ آدمی تھے۔ پانی سب کی ضرورت تھی پھر تمام کے تمام نمازی تھے، وضو کے لیے بھی پانی درکار تھا اور وہاں جو تھوڑا بہت پانی تھا اس پر کافروں کا قبضہ تھا۔

حدیث پاک میں آتا ہے اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ "جہاں تک انسان کے بدن میں خون گردش کرتا ہے شیطان کی گردش بھی وہاں تک ہوتی ہے۔" تو شیطان نے فوراً دل میں وسوسے ڈالنے شروع کیے کہ اگر تم سچے ہوتے تو پانی سے محروم کیوں ہوتے اور ریت میں تمہارے پاؤں کیوں دھنستے؟ بعض کے دلوں میں شیطان نے یہ وسوسے ڈالے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحمت نازل فرمائی بارش ہوئی اُنھوں نے حوض بنا کر پانی جمع کر لیا اور ریت جم گئی جیسے سڑک بنی ہوئی ہے اور کافر پست جگہ پر تھے وہاں پانی جمع ہو گیا اور کیچڑ بن گیا کہ ان کا چلنا پھرنا مشکل ہو گیا اور کافروں کی شکست کا ایک ظاہری سبب یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اس مشکل گھڑی میں اونگھ طاری کر دی۔

حضرت شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میدانِ جنگ میں نیند رحمٰن کی طرف سے ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے اور پڑھتے پڑھاتے وقت نیند کا آجانا شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ﴾ وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جس وقت طاری کی اللہ تعالیٰ نے تم پر اُونگھ ﴿اَمَنَةً مِّنْهُ﴾ امن دلانے کے لیے اپنی طرف سے ﴿وَیُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ﴾ اور نازل کیا اللہ تعالیٰ نے تم پر ﴿مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ آسمان کی طرف سے پانی ﴿لِّیُطَهِّرَكُمْ بِهٖ﴾ تاکہ تم کو پاک کرے اس پانی کے ذریعے کہ وضو کر سکو، غسل کر سکو ﴿وَیُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ﴾ اور تاکہ دور کر دے تم سے شیطان کا وسوسہ جو شیطان نے ڈالا تھا کہ اگر تم سچے ہوتے تو پانی سے محروم نہ ہوتے ﴿وَلِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ﴾ اور تاکہ مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری غیبی مدد فرمائی ﴿وَیُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ﴾ اور تاکہ ثابت رکھے اس کے ذریعے سے تمہارے قدموں کو۔ ریت بیٹھ گئی سڑک کی طرح پکی ہو گئی کہ جس میں تمہارے پاؤں دھنستے تھے۔

﴿اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ﴾ جس وقت وحی کی، حکم بھیجا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ پہلے ایک ہزار فرشتوں کا وعدہ فرمایا پھر تین ہزار کا اور یہ بھی فرمایا کہ اگر کافر کافروں کی مدد کے لیے آئے تو پانچ ہزار فرشتے بھیج دوں گا مگر نہ وہ آئے نہ پانچ ہزار فرشتے نازل ہوئے۔ تین ہزار نازل ہوئے ان کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور فرمایا ﴿اَنِّیْ مَعَكُمْ﴾ میں تمہارے ساتھ ہوں، میری مدد تمہارے ساتھ ہے ﴿فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ پس ثابت قدم رکھو ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔ تمہارا مومنوں کے درمیان رہنا ان کی ثابت قدمی کا ذریعہ ہے ﴿سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ﴾ عنقریب میں ڈالوں گا ان کے دلوں میں جو کافر ہیں رعب۔

عزائم مشرکین:

مشرکین جب مکہ مکرمہ سے چلے تھے تو گانے والی عورتیں ساتھ لے کر آئے تھے۔ ڈھول بجاتے، بھنگڑے ڈالتے

ہوئے اور اونٹوں پر شراب کی بوتلیں لادی ہوئی تھیں کہ ہم مسلمانوں کو ختم کرنے کے بعد شراب پئیں گے اور آس پاس کے قبائل کی شراب سے دعوت کریں گے اور ان کو اُونٹ ذبح کر کے کھلائیں گے کہ اونٹ بھی وافر مقدار میں لے کر آئے تھے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی بدر کے مقام پر خوب درگت بنائی فرشتوں کو حکم دیا ﴿فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ﴾، اَعْنَاقٌ عُنُقٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے گردن۔ پس مارو تم ان کافروں کی گردنوں پر ﴿وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾ "بنان" بَنَانَةٌ کی جمع ہے بمعنی "پور"۔اور مارو تم ان میں سے ہر ہر پور پر کہ ان کی انگلیوں کی پوریں نہ رہیں تاکہ نہ تلوار چلا سکیں نہ تیر چلا سکیں، بے کار ہو جائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرشتوں نے لڑائی میں باقاعدہ شرکت کی تھی۔

بدر میں ملائکہ کی شرکت

حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رشتے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں لگتے تھے اور مسلمان ہونے میں ان کا تیسرا نمبر ہے۔وہ خود فرماتے ہیں اَنَا ثَالِثُ الْاِسْلَامِ "میں اسلام میں تیسرا ہوں۔" بخاری شریف کی روایت کا خلاصہ ہے اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ ان میں سے ایک جبرئیل تھے اور دوسرے میکائیل تھے۔

اور یاد رکھنا! کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور جنات کو اختیار دیا ہے کہ یَتَشَكَّلُ بِاَشْكَالٍ مُخْتَلِفَةٍ "وہ مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں۔" انسانی شکل اختیار کر لیں، سانپ کی شکل اختیار کر لیں، گھوڑے بھینس وغیرہ کی شکل اختیار کر لیں۔فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ وہ انسانی شکل میں آسکتے ہیں۔

چنانچہ ایک موقع پر حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عام آدمی کی شکل میں آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں کے ساتھ گھٹنے ملا کر بیٹھ گئے اور سوالات شروع کر دیے۔جس وقت وہ چلے گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جب بھی جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آتے میں ان کو پہچان لیتا اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ هٰذِهِ الْمَرَّةِ مگر اس دفعہ میں ان کو نہیں پہچان سکا۔" بعد میں معلوم ہوا کہ وہ سوال کرنے والے جبرائیل علیہ السلام تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دحیہ ابن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔میرے دل میں خیال آیا کہ ان کو اتنا بھی خیال نہیں آرہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قید کر کے (پابند کر کے) بیٹھا ہے۔جب وہ چلے گئے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت! دحیہ نے آپ کا بڑا وقت لیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا تو نے دیکھا تھا؟ عرض کیا جی ہاں! فرمایا وہ دحیہ نہیں تھے وہ جبرئیل علیہ السلام تھے۔حضرت دحیہ ابن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ ایک نوجوان اور خوب صورت صحابی تھے۔حضرت جبرئیل علیہ السلام کبھی کبھی ان کی شکل میں آتے تھے۔

مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اختیار دیا ہے انسانی شکل اختیار کرنے کا۔حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں

نے جبریل علیہ السلام کو بدر میں گھوڑے پر سوار دیکھا اُنھوں نے ایک کافر کے کندھے پر کوڑا مارا وہ اُلٹ کر نیچے گر پڑا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام جس گھوڑے پر سوار تھے اس کا نام "حیزوم" تھا۔

ایک صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا حضرت! میں نے ایک بندے کو دیکھا کہ وہ جس کو چابک مارتا تھا وہ نیچے گرتے ہی مرجاتا تھا اور وہ سوار کہتا تھا: اَقْدِمْ حَيْزُوْم "حیزوم آگے بڑھ۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جبریل علیہ السلام تھے۔ لہٰذا جو حضرات یہ فرماتے ہیں کہ بدر کے موقع پر فرشتوں نے باقاعدہ جنگ میں حصہ لیا تھا وہ صحیح کہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تیرے رب نے فرشتوں کو حکم دیا کہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو میں عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا پس تم کافروں کی گردنیں مارو۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ یہ اس لیے کہ اُنھوں نے مخالفت کی ہے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور جو شخص مخالفت کرے گا اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ بدر کے موقع پر کیسی سزا دی کہ ستر مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے اور باقی بھاگ گئے اور ان میں سے ایسے بھی تھے جو چھ ماہ تک گھر سے باہر نہیں نکلے شرم کے مارے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ﴾ پس چکھو تم مزہ اس ذلت کا جو اللہ تعالیٰ نے کمزوروں کے ہاتھوں دکھائی ہے اور اس پر بس نہیں ہے یاد رکھو! ﴿وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ﴾ اور بے شک کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اُس عذاب سے بچائے اور محفوظ رکھے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ جس وقت تم مقابلہ کرو ان لوگوں سے جو کافر ہیں ﴿زَحْفًا﴾ میدان جنگ میں ﴿فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ﴾ پس نہ پھیرو تم ان کی طرف پشتیں ﴿وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ﴾ اور جس نے پھیری اس دن اپنی پشت ﴿اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ﴾ مگر یہ کہ وہ پینترا بدلتا ہے لڑائی کے لیے ﴿اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ﴾ یا ملنے والا ہے کسی جماعت کے ساتھ ﴿فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ پس تحقیق وہ لوٹا ہے اللہ تعالیٰ کا غضب لے کر ﴿وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ﴾ اور ٹھکانا اس کا دوزخ ہے ﴿وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ اور وہ بُرا ٹھکانا ہے ﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ﴾ پس تم نے ان کو قتل نہیں کیا ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا ﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ﴾ اور نہیں پھینکی آپ نے ریت جس وقت آپ نے ریت پھینکی ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکی ﴿وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ﴾ اور تاکہ انعام دے مومنوں کو اپنی طرف سے ﴿بَلَآءً

﴿حَسَنًا﴾ اچھا انعام ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے ﴿ذٰلِكُمْ﴾ یہ بات تو ہو چکی ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَیْدِ الْكٰفِرِیْنَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ کمزور کرنے والا ہے کافروں کی تدبیر کو ﴿اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا﴾ اگر تم فیصلہ چاہتے ہو ﴿فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ﴾ پس تحقیق تمہارے پاس فتح آچکی ہے ﴿وَاِنْ تَنْتَهُوْا﴾ اور اگر تم باز آجاؤ ﴿فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ﴾ تو وہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے ﴿وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ﴾ اگر تم پلٹ کر آؤ گے تو ہم بھی پلٹ کر آئیں گے ﴿وَلَنْ تُغْنِیَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَیْئًا﴾ اور ہرگز نہ کام دے گا تم کو تمہارا گروہ کچھ بھی ﴿وَّلَوْ كَثُرَتْ﴾ اور اگرچہ وہ زیادہ ہی کیوں نہ ہوں ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے۔

جہاد میں کامیابی کے ذرائع

عالم اسباب میں جو چیزیں جہاد کی کامیابی کا ذریعہ ہیں اللہ تعالیٰ نے وہ تمام چیزیں قرآن پاک میں بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً: یہ کہ کامیابی کے لیے مجاہدین کا متحد ہونا ضروری ہے اختلاف کا بہت برا نتیجہ نکلتا ہے۔ چوتھے پارے میں ہے ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا﴾ [آل عمران: ۱۰۳] "اور مضبوطی سے پکڑلو اللہ تعالیٰ کی رسی کو سارے کے سارے۔"

اور دوسری چیز اسلحہ کی تیاری ہے اس کا ذکر ان آیات میں ہے ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ [الانفال: ۶۰، پارہ: ۱۰] "اور تیار کرو تم دشمن کے مقابلے میں ہتھیار جتنی تمہارے پاس طاقت ہے۔"

تیسری چیز میدان میں ڈٹ کر لڑنا ہے پشت نہیں پھیرنی۔ اس کا ذکر آج کی آیات میں ہے۔ مسلمانوں نے جس قدر جہاد کیا ہے اور لڑائیاں لڑی ہیں الحمد للہ! نہایت بہادری کے ساتھ لڑی ہیں۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کافروں کی تعداد تم سے دُگنی ہے کہ مسلمان ایک ہزار ہیں اور کافر دو ہزار ہیں تو پشت پھیرنا کبیرہ گناہ ہے اور اگر دوگنا سے کافر زیادہ ہوں تو پشت پھیرنا گناہ تو نہیں ہے لیکن اگر ہمت کر کے لڑتے رہیں تو بہادری اور عزیمت ہے۔ موتہ کے مقام پر تین ہزار مسلمانوں نے ایک لاکھ کافروں سے مقابلہ کیا اور قادسیہ کے مقام پر صرف ساٹھ مسلمانوں نے ساٹھ ہزار کا مقابلہ کیا۔ حدیقۃ الموت کے مقام پر حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے تنہا چالیس ہزار کا مقابلہ کیا۔ ایمان بڑی قوت ہے اگر مومن صحیح معنیٰ میں مومن ہو۔

افغانستان میں جہاد کے لیے ہمارے ساتھی یہاں سے لاٹھیاں لے کر جاتے تھے۔ افغان جہاد لاٹھیوں سے شروع ہوا ہے۔ چنے اور گڑ ساتھ لیا اور ڈنڈا پکڑا اور افغانستان جہاد کے لیے چل پڑے۔ شروع شروع میں ان کے پاس بندوقیں بھی نہیں تھیں لیکن آج دنیا ان کا سکہ مانتی ہے اور دنیائے کفر ان سے خوف زدہ ہے۔ چین اور امریکہ پریشان ہیں کہ یہ طالبان ہم پر نہ چھا جائیں۔ ایمان بڑی قوت ہے۔ اور جہاد کے لیے ضروری ہے صفوں میں اتحاد، اسلحہ کی تیاری طاقت کے مطابق اور میدان

میں ڈٹ کر لڑنا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا﴾ جس وقت تم مقابلہ کرو ان لوگوں سے جو کافر ہیں میدانِ جنگ میں ﴿فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ﴾ پس نہ پھیرو تم ان کی طرف پشتیں ﴿وَ مَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىٕذٍ دُبُرَهٗۤ﴾ اور جس نے پھیری اس دن اپنی پشت۔ اس کا حکم آگے آرہا ہے کہ ﴿فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ پس تحقیق وہ لوٹا اللہ تعالیٰ کا غضب لے کر ﴿وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ﴾ اور ٹھکانا اس کا دوزخ ہے ﴿وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ﴾ اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ میدانِ جنگ سے پشت پھیرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے لیکن اگر سچے دل سے توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔ اسی طرح طاقت کے ہوتے ہوئے حق بیان نہ کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ جیسے: شراب پینا کبیرہ گناہ ہے لیکن اگر سچے دل سے توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔

تو میدانِ جنگ سے پشت پھیرنا کبیرہ گناہ ہے مگر دو صورتیں مستثنیٰ ہیں ﴿اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ﴾ مگر یہ کہ وہ پینترا بدلتا ہے لڑائی کے لیے۔ داؤ لگاتے ہوئے کہ کوئی سکیم ذہن میں آئی ہے پیچھے ہٹتا ہے تو جائز ہے۔ مثلاً: کافروں کا مورچا بڑا مضبوط ہے اور وہ جب تک اس مورچے میں ہیں کامیابی مشکل ہے تو مجاہدین آپس میں مشورہ کرتے ہیں کہ اس طرح کریں کہ ہم اپنے مورچے سے نکل کر دوڑ لگا دیں تاکہ وہ یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ مقابلے سے عاجز آکر دوڑ رہے ہیں اپنے مورچے سے نکل کر ہمارے پیچھے دوڑیں اور جونہی وہ مورچے سے باہر نکلیں تو مڑ کر ان پر حملہ کر دو۔

اب دیکھو! جب مجاہدین اپنے مورچے سے نکل کر دوڑیں تو کافروں کی طرف پشت ہوگی مگر یہ پشت کرنا میدانِ جنگ سے بھاگنے کے لیے نہیں ہے بلکہ لڑائی کے لیے ایک داؤ اور تدبیر ہے لہٰذا یہ جائز ہے۔

﴿اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَةٍ﴾ یا ملنے والا ہے کسی جماعت کے ساتھ۔ اس کو اس طرح سمجھو کہ کسی محاذ پر مجاہدین کی حالت کمزور ہو اور فوجی نقطۂ نگاہ سے وہاں نقصان کا زیادہ خطرہ ہو اور دوسرے ساتھی دوسرے محاذ پر ہیں تو کمزور محاذ کو چھوڑ کر دوسرے ساتھیوں کے ساتھ جا ملیں تو یہ بھی جائز ہے۔ اگرچہ بظاہر اُنھوں نے پشت پھیری ہے لیکن بھاگنے کے لیے نہیں، پشت اس لیے پھیری ہے کہ یہاں نقصان زیادہ تھا اور دوسرے مورچے میں جا کر ساتھیوں کی مدد کی ہے۔ ان دو صورتوں کے علاوہ پشت پھیرنا کبیرہ گناہ ہے اور اس کے لیے وعید ہے جو ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ کا غضب لے کر لوٹا اور ٹھکانا اس کا جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

ٹینکوں کی جنگِ عظیم اور کیپٹن زبیر ؒ

ٹینکوں کی سب سے بڑی جنگ ہٹلر کے زمانے میں عالمین کے مقام پر ہوئی تھی اور اس کے بعد ۱۹۶۵ء میں چونڈہ کے مقام پر ہوئی تھی۔ چونڈہ کے محاذ پر کیپٹن ایس۔ ایس زبیری تھا۔ اس کے پاس سو[۱۰۰] جوان اور تین چھوٹے ٹینک تھے اور مقابلے میں ٹینکوں کی قطاریں تھیں۔ کیپٹن ایس۔ ایس زبیری نے مرکز سے رابطہ کیا اور صورتِ حال سے آگاہ کیا اور پوچھا کہ

میرے لیے کیا حکم ہے؟ مرکز نے کہا کہ جوانوں کو نہ مروا، واپس آجا۔ اس نے کہا کہ بحیثیت مسلمان میرا دل اس کو گوارا نہیں کرتا کہ میں پشت پھیروں اور یہ آیت پڑھی ﴿ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ [البقرہ:۲۴۹] "بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔" مرکز نے حملہ کرنے کی اجازت دے دی۔ چوبیس گھنٹے لڑائی ہوئی۔ سو جوانوں نے تین ہزار کا مقابلہ کیا، ہزاروں ٹینک اڑائے اور خود بھی شہید ہو گئے لیکن فتح پائی۔ توپوں کی گرج سے یہاں ہماری کھڑکیاں ہلتی تھیں۔ ایمان کی بڑی طاقت ہے۔

بدر کے مقام پر جب مسلمان اور کافر آمنے سامنے ہوئے آنحضرت ﷺ نے ایک مٹھی ریت کی بھر کر شَاهَتِ الْوُجُوْهُ أَيْ قَبُحَتِ الْوُجُوْہ "اے اللہ! کافروں کے چہروں کو برباد کردے"، یہ کہہ کر کافروں کی طرف پھینکی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے سب کافروں کی آنکھوں میں ریت پہنچا دی چاہے وہ آگے تھے یا پیچھے، دائیں تھے یا بائیں تھے وہ آنکھیں ملتے رہے اور مسلمانوں نے حملہ کر دیا۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ﴾ پس تم نے ان کو قتل نہیں کیا اور لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا ہے کہ آٹھ تلواریں ایک ہزار پر غالب آئیں تین سو تیرہ ایک ہزار پر غالب آئے تصور میں بھی نہیں آسکتا ﴿ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ﴾ اور نہیں پھینکی آپ نے ریت جب آپ نے ریت پھینکی اور لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔ آپ کا اتنا کام تھا کہ ریت کی مٹھی کافروں کی طرف پھینکیں باقی سب کی آنکھوں میں پہنچانا کہ دور ہوں یا نزدیک، آگے ہوں یا پیچھے، وہ رب تعالیٰ کا کام ہے۔ کیوں کہ ظاہر بات ہے ایک مٹھی ریت کی کہاں تک جا سکتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا کام تھا کہ اس نے سب کی آنکھوں تک پہنچائی ﴿ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ﴾ اور تاکہ انعام دے اللہ تعالیٰ مومنوں کو اچھا انعام، اچھی آزمائش، اچھا احسان ﴿ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ ﴿ ذٰلِكُمْ ﴾ یہ جو کچھ ہم نے کیا یہ اسی طرح ہوا۔ یہ بات تو ہو چکی ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ کمزور کرنے والا ہے کافروں کی تدبیر کو۔ کافروں کی تدبیر کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کو کمزور کر دیتا ہے۔

غزوۂ بدر سے پہلے کافروں کی قیادت ابوجہل کے پاس تھی وہ ان کا قائد تھا۔ مکہ مکرمہ سے نکلنے سے پہلے رات کو اس نے دعا کی اَللّٰهُمَّ اَحِنْ مَنْ قَطَعَ الرَّحِمَ "اے اللہ! جو قطع رحمی کرتا ہے اس کو ختم کر دے، اس کو ہلاک کر دے۔" وہ اپنے زعم میں یہ سمجھتے تھے کہ کلمہ پڑھنے والے قطع رحمی کرتے ہیں اور بے وقوف یہ نہ سمجھے کہ ہم جو کلمے کی مخالفت کرنے والے ہیں ہم قطع رحمی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی اور وہ ہلاک ہوا۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ﴾ اے کافرو! اگر تم فیصلہ چاہتے ہو فتح کی دعا کرتے ہو پس تمہارے پاس فتح آچکی ہے۔ یہ طنز اور استہزاء ہے ﴿ وَاِنْ تَنْتَهُوْا ﴾ اور اگر تم مسلمانوں کے مقابلے سے باز آجاؤ گے ﴿ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ تو وہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے ﴿ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ﴾ اگر تم پلٹ کر آؤ گے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لیے تو ہم

بھی پلٹ کر آئیں گے ان کی مدد کے لیے کہ فرشتے بھیجیں گے اور یاد رکھو! ﴿وَلَنْ تُغْنِیَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَیْــٴًـا﴾ اور ہرگز نہ کام دے گا تم کو تمہارا گروہ کچھ بھی ﴿وَّ لَوْ كَثُرَتْ﴾ اور اگرچہ وہ زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔ جس کثرت پر تمھیں گھمنڈ ہے یہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئے گی۔ اس لیے کہ ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ اور اس کی مدد اور نصرت مومنوں کے شامل حال ہوگی۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی ﴿وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ﴾ اور نہ اعراض کرو اس سے ﴿وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ﴾ حالانکہ تم سنتے ہو ﴿وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا﴾ نہ ہو جاؤ تم ان لوگوں کی طرح جو کہتے ہیں ﴿سَمِعْنَا﴾ ہم نے سن لیا ﴿وَ هُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ﴾ حالانکہ وہ نہیں سنتے ﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ بے شک بدترین جانور اللہ تعالیٰ کے ہاں ﴿الصُّمُّ الْبُكْمُ﴾ بہرے ہیں گونگے ہیں ﴿الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ﴾ وہ جو عقل سے کام نہیں لیتے ﴿وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ خَیْرًا﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ جانتا ان کے اندر خیر ﴿لَّاَسْمَعَهُمْ﴾ تو ان کو سنا دیتا ﴿وَ لَوْ اَسْمَعَهُمْ﴾ اور اگر اب ان کو سنائے گا ﴿لَتَوَلَّوْا﴾ تو البتہ وہ روگردانی کریں گے ﴿وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ﴾ حکم مانو! اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کا ﴿اِذَا دَعَاكُمْ﴾ جس وقت وہ تمھیں بلائیں ﴿لِمَا یُحْیِیْكُمْ﴾ اس چیز کی طرف جو تم کو زندگی دے ﴿وَ اعْلَمُوْۤا﴾ اور جان لو ﴿اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ رکاوٹ ڈال دیتا ہے آدمی اور اس کے دل کے درمیان ﴿وَ اَنَّهٗۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ اور بے شک تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً﴾ اور بچو تم اس فتنے سے ﴿لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً﴾ نہ پہنچے گا ان لوگوں کو تم میں سے جو ظالم ہیں خاص طور پر ﴿وَ اعْلَمُوْۤا﴾ اور جان لو ﴿اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

ماقبل سے ربط ؟

اس سے پہلے رکوع میں غزوۂ بدر کا ذکر تھا اور یہ غزوہ کفر اور اسلام کے درمیان پہلا مقابلہ تھا۔ مسلمان جب مدینہ طیبہ سے بدر کی طرف روانہ ہوئے تو یہود و نصاریٰ اور منافقین ان کا مذاق اُڑاتے تھے اور آوازیں کستے اور ایک، دوسرے کی طرف اشارہ کر کے کہتا کہ یہ کہاں جا رہے ہیں؟ دوسرا کہتا ہے دشمنوں کا سر اُتارنے کے لیے جا رہے ہیں، یہ ان کو قیدی بنا کر لائیں گے۔ عجیب طرح سے تمسخر کرتے اور کہتے ﴿غَرَّ هٰۤؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ﴾ [الانفال:۴۹] "ان کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈالا ہوا ہے۔" مگر

جب اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی تو ان کے ہوش وحواس اُڑ گئے۔ کامیابی کا بنیادی راز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور فرماں برداری تھی کہ اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیابی عطا فرمائی اور آئندہ بھی کامیابی اطاعت اور فرماں برداری سے ہی ہوگی۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی کہ رب تعالیٰ جو فرمائیں وہ کرو اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ تمہاری کامیابی اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربط، تعلق اور فرماں برداری ہو اور آنحضرت ﷺ کی فرماں برداری ہو ﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ [النساء: ۸۰] "جس نے اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔" ﴿وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ﴾ اور نہ اعراض کرو اس سے ﴿وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ﴾ حالانکہ تم سنتے ہو۔ تمھیں اچھی طرح علم ہے کہ نجات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت میں ہے۔ ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا﴾ اور نہ ہو جاؤ ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا﴾ ان لوگوں کی طرح جنھوں نے کہا ہم نے سن لیا ﴿وَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ﴾ حالانکہ وہ حقیقت میں نہیں سنتے۔ ان ظاہری کانوں سے سنا تو کیا سنا کہ دل کے کانوں سے نہ سنا کہ قبول نہ کیا تو ظاہری کانوں سے سننے کا کیا فائدہ؟

اللہ تعالیٰ نے کافروں کے متعلق فرمایا ہے۔ ﴿صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ﴾ "بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں۔" اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ سارے کافر بہرے، گونگے اندھے ہیں، کوئی نہیں بولتا، کوئی نہیں سنتا، کوئی نہیں دیکھتا۔ ہر آدمی سمجھتا ہے کہ یہ مراد نہیں ہے۔ بلکہ ﴿صُمٌّ﴾ کا مطلب ہے کہ حق کی بات نہیں سنتے ﴿بُكْمٌ﴾ کا معنیٰ ہے کہ حق کی بات ان کی زبان سے نہیں نکلتی ﴿عُمْیٌ﴾ کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں دیکھنے کے لیے تیار نہیں ہیں ویسے ان کو آسمان، زمین، پہاڑ وغیرہ سب کچھ نظر آتا ہے۔

فرمایا ﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ "دَوَابّ" "دَابَّةٌ" کی جمع ہے، زمین پر چلنے پھرنے والی چیز۔ انسان پر بھی بولا جاتا ہے کہ وہ بھی زمین پر نقل وحرکت کرتا ہے۔ معنیٰ ہوگا بے شک بدترین جانور اللہ تعالیٰ کے ہاں ﴿الصُّمُّ الْبُكْمُ﴾ جو بہرے ہیں حق کو نہیں سنتے، گونگے ہیں حق بات نہیں کہتے ﴿الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ﴾ وہ لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ بس عقل اور مت ان کی ماری ہوئی ہے۔

اس وقت یہودی اور عیسائی دنیا کی عقل مند قوم سمجھی جاتی ہے اور ان کا بھی خیال ہے کہ ہم سے زیادہ عقل مند اور کوئی نہیں ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ان سے بڑا بے وقوف بھی کوئی نہیں ہے۔ مثلاً: عیسائیوں سے کہو کہ ایک دو ہوتا ہے اور دو ایک ہوتے ہیں تو کہیں گے نہیں ایسا نہیں ہوتا، اچھا ایک چار ہوتا ہے اور چار ایک ہوتا ہے، کہیں گے نہیں! یہ نہیں ہو سکتا اور اگر کہو کہ ایک تین اور تین ایک بن جاتا ہے تو کہیں گے ہاں بن جاتا ہے۔

اقانیم ثلاثہ ؟

عیسائیوں کا نظریہ ہے کہ خدائی نظام تین سے چلتا ہے۔

① ...... اللہ تعالیٰ ② ...... جبرئیل علیہ السلام ③ ...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام

ان کو وہ اقانیم ثلاثہ کہتے ہیں۔ اقانیم جمع ہے اُقْنُوْم کی اور اُقْنُوْم کا معنیٰ ہے رکن، یہ تین خدائی کے ارکان ہیں۔ ان سے کہو کہ اس سے شرک لازم آتا ہے اور یہ نظریہ عقیدۂ توحید کے خلاف ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں تین ایک ہوتے ہیں۔ بے وقوفو! عقل کی بات کرو۔ جب ایک دو نہیں ہو سکتا، ایک چار نہیں ہو سکتا، دو ایک نہیں ہو سکتے، چار ایک نہیں ہو سکتے تو تین ایک کیسے ہو سکتے ہیں؟ عقل ماری گئی ہے۔

پھر ان سے پوچھو کہ جبرئیل علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مخلوق ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے جب تک جبرئیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا تھا، عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا نہیں کیا تھا؟ زمین و آسمان بنائے، چاند، سورج، ستارے وغیرہ اکیلے پروردگار نے بنائے تو جبرئیل علیہ السلام درمیان میں کیسے آ گئے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے نظامِ کائنات چلتا تھا یا نہیں؟ چلتا تھا سب مانتے ہیں کہ چلتا تھا تو خدائی ارکان تو پورے نہیں ہوئے تھے یہ کیسے چلتا تھا؟ اکیلا خدا چلاتا تھا۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ میں کون سی کمی آ گئی ہے کہ اب وہ اکیلا نہیں چلا سکتا اور ان کا محتاج ہو گیا ہے؟ معاذ اللہ تعالیٰ۔ اور ان کا ایک گروہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی جگہ تیسرا رکن حضرت مریم علیہا السلام کو مانتا ہے۔ تو یہ تین ان کے نزدیک ایک ہیں اور ایک تین ہے اور توحید میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یہ کون سی منطق ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ جب لوگوں کی عقل ماری جائے تو پھر ایسا ہی ہوتا ہے۔

اور ان کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ آپس میں گڈمڈ ہیں۔ ظاہری طور پر عیسیٰ علیہ السلام اور اندر اللہ تعالیٰ ہے۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ بقول تمہارے جب عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکایا گیا تو ان کے اندر اللہ تعالیٰ تھا اس کو بھی سولی پر لٹکا دیا گیا اگر ایسا ہوا تو پھر ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی ختم ہو گیا، معاذ اللہ تعالیٰ۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اس وقت اندر سے نکل گیا تو پھر گڈمڈ تو نہ ہوئے لیکن ﴿لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ وہ عقل سے کام نہیں لیتے۔

﴿وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ جانتا ان کے اندر خیر۔ اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا کہ ان کے دلوں میں خیر ہے ﴿لَّاَسْمَعَهُمْ﴾ تو ان کو سنا دیتا۔ ایسا سناتا کہ اس کے بعد وہ قبول کر لیتے لیکن ان کے دلوں میں خیر ہی نہیں ہے کہ انھوں نے خیر اور نیکی کا ارادہ ہی نہیں کیا کہ ایمان قبول کر لیں ﴿وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ﴾ اور اگر اب ان کو سنائے گا ﴿لَتَوَلَّوْا﴾ البتہ وہ روگردانی کریں گے حق کی بات سے ﴿وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ اور وہ اعراض کرنے والے ہیں حق کو قبول کرنے سے۔ جب ان کے دلوں میں صفائی نہیں تو رب تعالیٰ جبراً تو کسی کو ہدایت نہیں دیتا ایمان کے لیے تو صاف دل چاہیے اور اس دولت کے لیے محنت چاہیے کہ ایمان بہت بڑی دولت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ﴾ حکم مانو! اللہ تعالیٰ کا

﴿وَلِلرَّسُوْلِ﴾ اور رسول ﷺ کا ﴿اِذَا دَعَاكُمْ﴾ جس وقت وہ تمھیں بلائے ﴿لِمَا يُحْيِيْكُمْ﴾ اس چیز کی طرف جو تمھیں زندگی دے۔ وہ دین اسلام اور شریعت ہے جو حیات بخشتی ہے۔ اس کے ذریعے تم دنیا میں کامیابی حاصل کرو گے اور آخرت میں ہمیشہ کی زندگی پاؤ گے۔ اس چیز کی تمھیں دعوت دیتے ہیں جو تمہاری حقیقی زندگی کا باعث ہے۔ ﴿وَاعْلَمُوْٓا﴾ اور جان لو ﴿اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ رکاوٹ ڈال دیتا ہے آدمی اور اس کے دل کے درمیان۔

اللہ تعالیٰ رکاوٹ کس طرح ڈالتا ہے؟ اچھی طرح سمجھ لیں اور یہ تفسیر تقریباً تمام تفسیروں میں منقول ہے کہ آدمی سچے دل سے ایمان قبول کرے اور نیک اعمال سرانجام دے تو اللہ تعالیٰ ایمان اور نیک اعمال کی برکت سے کفر اور معصیت کے درمیان رکاوٹ پیدا فرما دیتے ہیں کہ آدمی کفر کی طرف اور گناہ کی طرف مائل نہیں ہوگا اور اگر کوئی بدبخت کفر اور گناہ پر ڈٹ گیا کہ ان کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کفر اور ایمان کے درمیان رکاوٹ پیدا فرما دیتے ہیں، معصیت اور نیکی کے درمیان رکاوٹ پیدا فرما دیتے ہیں کہ وہ کفر اور گناہوں کی نحوست کے وجہ سے ایمان اور نیکی کے قریب نہیں آئے گا، نیک اعمال اور ایمان کی توفیق نہیں ہوگی۔

حضرت نانوتوی سے کسی نے سوال کیا حضرت! یہ فرمائیں کہ ہم جو نمازیں پڑھتے ہیں روزے رکھتے ہیں ان کے قبول ہونے کی کوئی علامت ہے کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ ہماری نماز اور روزہ قبول ہو گئے ہیں؟ حضرت نے فرمایا ایک نماز پڑھنے کے بعد اخلاص کے ساتھ دوسری نماز کے پڑھنے کی توفیق ہوگئی تو سمجھو کہ پہلی قبول ہوگئی۔ ایک روزہ رکھنے کے بعد دوسرا روزہ رکھنے کی توفیق ہوگئی تو سمجھ لو کہ پہلا روزہ قبول ہو گیا ہے۔ ﴿وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ اور بے شک تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

وبالِ فتنہ:

آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً﴾ اور بچو تم اس فتنے سے کہ اس فتنے کا وبال ﴿لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً﴾ نہ پہنچے گا ان لوگوں کو جو تم میں سے ظالم ہیں خاص طور پر بلکہ وہ دوسروں کو بھی پہنچے گا۔ کرنے والوں پر اس وجہ سے کہ اُنھوں نے گناہ کیا ہے اور دوسروں پر اس وجہ سے کہ اُنھوں نے گناہ سے روکا نہیں ہے۔

بخاری شریف کی روایت ہے آنحضرت ﷺ نے مثال کے ذریعے اس بات کو سمجھایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ مثلاً: ایک جہاز ہے جس کی تین منزلیں ہیں۔ نیچے والی منزل والوں کو پانی کی ضرورت پیش آئی اُنھوں نے اوپر والی منزل والوں سے پانی مانگا اُنھوں نے انکار کیا اور اُوپر جا کر ڈول کے ذریعے بھی پانی نہ لینے دیا تو نچلے طبقے والوں نے کہا کہ پھر ہم سوراخ کر کے پانی حاصل کریں گے کیوں کہ ہماری ضرورت ہے لیکن اُنھوں نے نہ مانا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ نچلے طبقے والے سوراخ کر کے سمندر کا پانی اندر آنے دیں اور دوسرے ان کو نہ روکیں تو صرف وہ طبقہ تباہ ہوگا یا سارا جہاز؟ عرض کیا گیا سارا جہاز تباہ ہوگا۔

فرمایا اسی طرح سمجھو کہ دین کی کشتی میں ایک شخص گناہ کے ذریعے سوراخ کرتا ہے اور دوسرے اس کو نہیں روکتے تو سارے غرق ہوں گے صرف گناہ کرنے والا ہی غرق نہیں ہوگا۔ اس کے گناہ کا وبال سب پر پڑے گا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جو بدی کو دیکھے اس کو ہاتھ سے روکے اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت ہے اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے روکے اور اگر زبان سے روکنے کی طاقت نہیں ہے تو دل سے برا سمجھے۔

﴿وَاعْلَمُوْٓا﴾ اور جان لو ﴿اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ دنیا میں بھی دیتا ہے اور آخرت میں بھی دے گا۔

~~~~~

﴿وَاذْكُرُوْٓا﴾ اور یاد کرو ﴿اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ﴾ جس وقت تم تھوڑے تھے ﴿مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ کمزور سمجھے جاتے تھے زمین میں ﴿تَخَافُوْنَ﴾ تم ڈرتے تھے ﴿اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ﴾ اس بات سے کہ تمھیں اچک لیں گے لوگ ﴿فَاٰوٰىكُمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے تم کو ٹھکانا دیا ﴿وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ﴾ اور تمہاری تائید کی اپنی مدد کے ساتھ ﴿وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ اور تمھیں رزق دیا پاکیزہ چیزوں کا ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ تاکہ تم شکریہ ادا کرو ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾ نہ خیانت کرو اللہ سے اور رسول سے ﴿وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ﴾ اور نہ خیانت کرو اپنی امانتوں سے ﴿وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ حالانکہ تم جانتے ہو ﴿وَاعْلَمُوْٓا﴾ اور تم جان لو ﴿اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ پختہ بات ہے تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں ﴿وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجر ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے ﴿يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾ بنا دے گا تمہارے لیے فیصلہ کن بات ﴿وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ اور مٹا دے گا تمہاری خطاؤں کو ﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ﴾ اور بخش دے گا تمہارے گناہ ﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

انسان پر مختلف حالتیں آتی رہتی ہیں۔ کبھی غمی کی حالت ہوتی ہے کبھی خوشی کی، کبھی بیماری اور کبھی تندرستی کی، کبھی مالی فراخی اور کبھی تنگ دستی کی حالت ہوتی ہے۔ صحیح معنیٰ میں انسان وہ ہے کہ جو کسی حالت کو نہ بھولے۔ فراخی آئی ہے تو تنگ دستی کا زمانہ نہ بھولے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے تنگ دستی کے بعد فراخی عطا فرمائی ہے۔ بیماری کے بعد تندرستی آئی ہے تو بیماری کے زمانے کو نہ بھولے اور یاد کرے کہ ایک وقت تھا کہ میں چل پھر نہیں سکتا تھا اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے صحت عطا فرمائی ہے اب میں چل پھر سکتا ہوں۔ تو صحیح معنیٰ میں انسان وہ ہے جو ہر حال میں خدا کا شکر ادا کرے۔ دہلی کا آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر
~~~~~

مرحوم کہتا ہے: ؎

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا ہو وہ کیسا ہی صاحب فہم وذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

"جو آدمی عیش میں خدا کو بھول جائے اور طیش میں آپے سے باہر ہو جائے وہ انسان نہیں حیوان ہے بلکہ حیوان سے بھی بدتر ہے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مکی زندگی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جو مکی زندگی تھی نبوت کے پہلے تیرہ سال، وہ بڑی آزمائش والی زندگی تھی۔ اللہ تعالیٰ وہ زندگی یاد کراتے ہیں۔

فرمایا ﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ﴾ اور یاد کرو تم جس وقت تم تھوڑے تھے مکہ مکرمہ میں ﴿مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ﴾ کمزور سمجھے جاتے تھے زمین میں ﴿تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ﴾ تم ڈرتے تھے اس بات سے کہ تمھیں اچک لیں گے لوگ۔ ہر وقت خدشہ ہوتا تھا کہ کافر لوگ ہمیں قتل کر دیں گے اور کئی صحابی شہید بھی کیے گئے۔ مردوں میں حضرت حارث ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے پہلے خاوند سے۔ ایک موقع پر کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے لیے گھیرا ہوا تھا، ان میں جوان خون تھا میدان میں نکل آئے اور کہنے لگے کون ہوتا ہے ہمارے ابا جان سے ٹکر لینے والا؟ کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو چھوڑ دیا اور ان کو اسی مقام پر شہید کر دیا اور عورتوں میں حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کی بیوی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ، ابوجہل نے نازک مقام پر برچھی مار کر ان کو شہید کر دیا اور دوسرے صحابہ کے ساتھ بڑی بڑی زیادتیاں ہوئی ہیں۔

رب تعالیٰ وہ حالت یاد کراتے ہوئے فرماتے ہیں ﴿فَاٰوٰىكُمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے تم کو ٹھکانا دیا مدینہ منورہ میں کہ اب تمھاری پوزیشن مستحکم ہوگئی ہے ﴿وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ﴾ اور تمھاری تائید کی اپنی مدد کے ساتھ ﴿وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ اور رزق دیا تمھیں پاکیزہ چیزوں سے۔ مکہ مکرمہ میں روحانی برکات تو بہت ہیں بیت اللہ کی وجہ سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مَوْلِدْ (جائے پیدائش) ہونے کی وجہ سے لیکن ظاہراً تو پہاڑ ہی پہاڑ ہیں اور مدینہ طیبہ کا علاقہ زرخیز ہے۔ چشمے ہیں، کنوئیں ہیں، باغات ہیں، کھیت ہیں۔ لوگ بڑے آسودہ تھے۔ فرمایا ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ تاکہ تم شکر یہ ادا کرو رب تعالیٰ کا کہ ہم پہلے کیسی حالت میں تھے اور رب تعالیٰ نے ہم پر کتنا کرم فرمایا ہے۔

آیت کا شانِ نزول اور غزوۂ خندق

۵ ھ میں غزوۂ خندق پیش آیا۔ حملہ آور کافروں کی تعداد تقریباً چوبیس ہزار تھی اور مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی کافی

دنوں تک محاصرہ رہا لیکن کافروں کی دال نہ گلی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی تندوتیز ہوا مسلط فرمائی کہ ان کو زیروزبر کر کے رکھ دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نصرت تھی۔ غزوۂ خندق میں یہود بنو قریظہ کا بھی بڑا دخل تھا۔ یہ مدینہ طیبہ میں بڑا طاقت ور گروہ تھا۔ مدینہ منورہ شہر اور اس کے اطراف میں ان کے بڑے مضبوط قلعے تھے۔ جب مشرکین ہزیمت اُٹھا کر بھاگے تو یہ کہنے لگے کہ اب ہم مسلمانوں کے ساتھ لڑیں گے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ غزوۂ خندق سے فارغ ہوئے تو ہتھیار، زرہ اور خود اتارا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر کہا حضرت! آپ نے ہتھیار اتار دیئے ہیں ہم نے تو ابھی نہیں اُتارے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی لڑائی باقی ہے؟ فرمایا ہاں! بنو قریظہ کا فیصلہ کرنا ہے۔ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ چلو بنو قریظہ کا محاصرہ کرو۔ چنانچہ ان کے ساتھ مقابلے کے لیے نکلے۔ اکیس دن تک محاصرہ رہا جب اللہ تعالیٰ کی نصرت مسلمانوں کے شاملِ حال ہوئی اور یہودیوں کی ہمت پست ہوئی تو اُنھوں نے صلح کا پیغام بھیجا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے متعلق جو فیصلہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کرے گا وہ تمھیں قبول کرنا پڑے گا۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا یہود کے ساتھ تجارتی لین دین تھا اور انہی کے محلہ میں رہتے تھے۔ یہود ان پر اعتماد کرتے تھے۔ یہودیوں نے مشورہ کے لیے ان کو بلایا کہ ہمیں بتاؤ کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ قبول کر لینا چاہیے یا نہیں؟ تو اُنھوں نے زبان سے تو کچھ نہ کہا ہاتھ سے گردن کی طرف اشارہ کیا کہ تمہارے متعلق یہ فیصلہ ہوگا کہ تمھیں قتل کیا جائے گا اور یہ توریت کا فیصلہ تھا اور آج بھی توریت میں موجود ہے کہ کوئی قوم تمہارے ساتھ لڑے اور تمھیں ان پر فتح حاصل ہو جائے تو نوجوانوں کو قتل کر دو اور عورتوں اور بوڑھوں کو قید کر لو۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ یہ اشارہ کرنے کے بعد پریشان ہو گئے کہ میں نے خیانت کی ہے قبل از وقت ان کو بتلا دیا کہ تمہارے متعلق کیا فیصلہ ہونا ہے۔ وہاں سے گھر آئے اور بیوی سے کہا مجھے اس ستون سے باندھ دو۔ مسجد نبوی میں آج بھی وہ ستون موجود ہے اور "اُسْتُوَانَہ" توبہ کے نام سے مشہور ہے۔ بیوی نماز کے وقت کھول دیا کرتی اور پھر باندھ دیا کرتی۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ جب تک اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہیں فرمائیں گے میں نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔ روایات میں چھ دن کا ذکر بھی آتا ہے اور سات دن کا بھی، اُنھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ جب تک آنحضرت ﷺ اپنے ہاتھ سے نہیں کھولیں گے اس وقت تک میں یہیں رہوں گا کہ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی ہے۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾ نہ خیانت کرو اللہ سے اور رسول ﷺ سے ﴿وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ﴾ یہ جملہ بھی لا کے تحت داخل ہے۔ اور نہ خیانت کرو اپنی امانتوں سے۔ تم امین اور آپ ﷺ کے نمائندہ تھے تم نے خیانت کی ہے ﴿وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ حالانکہ تم جانتے ہو کہ خیانت بہت بری چیز ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت اور بھی بری ہے ﴿وَاعْلَمُوْٓا﴾ اور جان لو ﴿اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ پختہ بات ہے تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں۔ بے شک تمہارا گھر ان کے محلے میں ہے تمہارے اہل و عیال وہاں ہیں مگر

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیانت بہت بڑا جرم ہے۔

سات دن کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے ہاتھ مبارک سے کھولا۔ جس ستون کے ساتھ اُنھوں نے اپنے آپ کو باندھا تھا وہ تو لکڑی کا تھا آج اس کی جگہ سنگِ مرمر کا بنا ہوا ستون ہے۔ ﴿وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجر ہے۔

بدر کے موقع پر تقویٰ، پرہیزگاری اعلیٰ درجے کی تھی، اطاعت اور فرماں برداری تھی انتہائی بہادری کا جذبہ تھا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔ اب آئندہ کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے اس کی نافرمانی اور عذاب سے ڈرتے رہے ﴿یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾ بنادے گا اللہ تعالیٰ تمہارے لیے فیصلہ کن بات کہ فیصلہ تمہارے حق میں کرے گا جیسے بدر میں فیصلہ تمہارے حق میں کیا ﴿وَّ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ﴾ اور مٹا دے گا تمہاری خطائیں یعنی صغیرہ گناہ ﴿وَ یَغْفِرْ لَكُمْ﴾ اور بخش دے گا تمہارے گناہ جو کبیرہ ہیں مگر وہ نہیں جو حقوق العباد ہیں اور وہ گناہ جن کی قضا ضروری ہے کہ یہ توبہ سے معاف نہیں ہوتے۔ مثلاً: نماز روزے کا چھوڑنا گناہ کبیرہ ہے، توبہ سے معاف نہیں ہوں گے جب تک ان کی قضا نہیں لوٹائی جائے گی۔ زکوٰۃ ادا نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے توبہ سے معافی نہیں ہوگی جب تک ادا نہیں کی جائے گی۔ ہاں! شراب پی لی، میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر لی وغیرہ جو گناہ ہیں توبہ سے اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔ ﴿وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ﴾ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے، بڑی مہربانی کرنے والا ہے۔ سب رحمتیں اور مہربانیاں اس کے پاس ہیں۔

﴿وَ اِذْ یَمْكُرُ بِكَ﴾ اور جس وقت خفیہ تدبیر کی آپ کے متعلق ﴿الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ ان لوگوں نے جو کافر تھے ﴿لِیُثْبِتُوْكَ﴾ تاکہ آپ کو گرفتار کریں ﴿اَوْ یَقْتُلُوْكَ﴾ یا آپ کو قتل کر دیں ﴿اَوْ یُخْرِجُوْكَ﴾ یا آپ کو جلاوطن کر دیں ﴿وَ یَمْكُرُوْنَ وَ یَمْكُرُ اللّٰهُ﴾ اور وہ تدبیریں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ بھی تدبیر کرتا ہے ﴿وَ اللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے ﴿وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا﴾ اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر ہماری آیتیں ﴿قَالُوْا﴾ کہتے ہیں ﴿قَدْ سَمِعْنَا﴾ تحقیق ہم نے سن لیا ﴿لَوْ نَشَآءُ﴾ اگر ہم چاہیں ﴿لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ﴾ تو ہم بھی اس جیسی آیات کہہ سکتے ہیں ﴿اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ نہیں ہے یہ قرآن مگر پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں ﴿وَ اِذْ قَالُوا﴾ اور جس وقت کہا انھوں نے ﴿اللّٰهُمَّ﴾ اے اللہ ﴿اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ﴾ اگر یہ قرآن حق ہے ﴿مِنْ عِنْدِكَ﴾ تیری طرف سے ﴿فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ پس برسا دے پتھر ہم پر آسمان کی طرف سے ﴿اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ یا لے آ ہمارے پاس دردناک عذاب ﴿وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ

﴿فِیْهِمْ﴾ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ سزا دے ان کو کہ آپ ان میں موجود ہوں ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ ان کو سزا دینے والا جب کہ وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے ہیں۔

اس سے پہلے ذکر ہوا تھا کہ ﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ﴾ "اور اس وقت کو یاد کرو جب تم تھوڑے تھے، کمزور سمجھے جاتے تھے زمین پر اور ڈرتے تھے کہ لوگ تمھیں اُچک لیں گے اللہ تعالیٰ نے تمھیں ٹھکانا دیا مدینہ طیبہ میں اور تمہاری تائید کی اپنی نصرت کے ساتھ۔"

مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کی علت اور سبب

آج کی آیات میں مدینہ طیبہ جانے کی علت اور سبب بیان فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کیوں تشریف لے گئے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملے تیرہ سال ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں جس ہمت اور بہادری کے ساتھ تبلیغ کی دنیا میں اس کی مثال ملنا بہت مشکل ہے۔ مولانا حالی مرحوم نے کیا ہی خوب کہا ہے:

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کے اثرات دور دور تک پہنچ چکے تھے۔ مکہ مکرمہ میں کچھ سعادت مند اسلام سے مستفید ہوئے، آس پاس جو قبیلے آباد تھے ان میں اسلام پھیلا، جس طرف سے لوگ آتے وہ بتلاتے کہ فلاں جگہ کلمہ پڑھنے والے موجود ہیں، فلاں جگہ موجود ہیں۔ اس چیز نے کافروں کو انتہائی پریشان کیا کہ ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو تکالیف بھی بڑی پہنچائی ہیں، راستہ بھی بڑا روکا ہے، آنے جانے والوں کو بھی اس کے قریب نہیں جانے دیا۔ تین سال تک شعب ابی طالب میں نظر بند بھی رکھا اور اس کے باوجود اس کے نظریات پھیلتے جا رہے ہیں اور اس کی جماعت بڑھتی جا رہی ہے لہٰذا اس کے متعلق سوچا جائے۔ ابوجہل اور نضر ابن حارث پیش پیش تھے۔ انھوں نے ایک رات متعین کی کہ فلاں رات کو تمام قبیلوں کے سردار دار الندوہ میں جمع ہوں۔ "دار الندوہ" مشورے کے گھر کو کہتے ہیں۔ تمام مکہ والے وہاں جمع ہو کر مشورہ کرتے تھے۔

اس دفعہ کا ایجنڈا یہ تھا کہ تمام قبیلوں کے صرف سردار مشورے میں شریک ہوں اور کوئی اس دعوت نامے کی خلاف ورزی نہ کرے سب حاضر ہوں۔ سب کے نام لکھ کر چوکیدار کے حوالے کر دیے گئے کہ ان کے علاوہ کوئی شخص اندر نہ آئے۔ چوکیدار سب کو جانتا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے اپنے وقت پر آتے رہے اور یہ نام دیکھ کر اندر بھیجتا رہا۔ جس وقت سارے آگئے اور دروازہ بند کرنے لگا تو ایک بڑی بزرگ شکل اور عجیب وضع قطع والا، اچھے قد و قامت والا شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں بھی اندر جانا چاہتا ہوں۔ چوکیدار نے کہا کہ تم اپنا تعارف کراؤ تاکہ میں اندر سے پوچھ لوں۔ اس نے کہا کہ میں نجد کا سردار ہوں اور تمہارا ہم خیال ہوں۔ چوکیدار نے اندر جا کر بتایا کہ نجد کا سردار آیا ہے اور اندر آنا چاہتا ہے اس کے بارے میں کیا ہدایت ہے؟ انھوں

نے کہا کہ اس کو آنے دو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ اندر آکر خاموشی کے ساتھ بیٹھ گیا، دروازہ بند کر دیا گیا اور مشورہ شروع ہو گیا۔

ابوجہل نے کھڑے ہو کر کہا اے سردارانِ قریش! تم سب اس بات کو سمجھتے ہو کہ محمد (ﷺ) کا جو طریقہ ہے اس نے ہمارے سینے جلا کر رکھ دیے ہیں اس کے متعلق ہم نے آج آخری فیصلہ کر کے اُٹھنا ہے کہ ہم نے کیا کرنا ہے؟ اس نے پُرجوش تقریر کر کے لوگوں کے جذبات اُبھارے تو کچھ لوگ کھڑے ہو گئے کہ ہماری رائے یہ ہے کہ اس کو نظر بند کر دو کچھ نے ان کی تائید کی۔ ابوجہل کھڑا ہوا اور کہنے لگا میں تمہاری رائے کی قدر کرتا ہوں مگر یہ حربہ تو ہم استعمال کر چکے ہیں۔ تین سال تم نے ان کو نظر بند رکھا مگر ان تین سالوں میں بھی لوگ اس کے پاس آتے رہے اور اس کی تبلیغ جاری رہی۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ان نظر بندی کے دنوں میں مسلمان ہوئے۔ لہٰذا جس چیز کا ایک مرتبہ تجربہ ہو جائے تو اس کو دوبارہ آزمانے کا کیا فائدہ؟ تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم اپنی رائے واپس لیتے ہیں ہمیں سمجھ آ گئی ہے کہ نظر بندی کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

کچھ اور لوگ اٹھے اور کہنے لگے ان کو جلاوطن کر دو نہ ہمیں نظر آئیں اور نہ ہم ان کو نظر آئیں جہاں چاہیں اپنا کام کریں۔ کچھ لوگوں نے ان کی بھی تائید کی کہ یہ رائے صحیح ہے۔ ابوجہل نے کھڑے ہو کر کہا کہ مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ تمہارے حوش وحواس کہاں چلے گئے ہیں یہاں تم نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اس کے باوجود ان کا دین پھیلا کہ لِسَانُ مُحَمَّدٍ ﷺ اَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ "محمد (ﷺ) کی زبان شہد سے زیادہ میٹھی ہے۔" ناواقف لوگوں میں جا کر تبلیغ کریں گے وہاں فوراً اثر ہوگا۔ وہاں ان کا مقابلہ کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوگا جماعت اکٹھی کر کے تم پر حملہ کرے گا اور تمہاری کھوپڑیاں پیس دے گا۔ تحریک پیش کرنے والوں نے کہا کہ ہمیں بات سمجھ آ گئی ہے ہم اپنی تحریک واپس لیتے ہیں۔ کچھ اور لوگ اُٹھے اور کہنے لگے کہ اب آخری صورت یہی ہے کہ ان کو قتل کر دو اور قتل کی صورت یہ ہو کہ ہر قبیلے کا ایک آدمی قتل میں شریک ہو تاکہ بنو ہاشم مقابلہ نہ کر سکیں اور اگر بالفرض دیت دینی پڑے تو سب پر تقسیم ہو جائے کسی ایک پر بوجھ نہیں ہوگا (دیت سو اونٹ تھی)۔ اس تجویز پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ وہ آدمی جو نجد سے آیا تھا کہنے لگا تم نے جو کچھ تجویز کیا ہے ٹھیک ہے میں بھی اس کی تائید کرتا ہوں ہم نے بھی سنا ہے کہ آدمی بڑا خطرناک ہے۔ یہ ابلیس لعین تھا جو انسانی شکل میں ان کی حوصلہ افزائی کے لیے آیا تھا۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کو شہید کرنے کے لیے رات بھی متعین ہو گئی اور آدمی بھی متعین ہو گئے اور انھوں نے اس رات کو آنحضرت ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ تلواریں، نیزے، تیر کمان ان کے پاس تھے کہ جونہی دروازہ کھولے گا یک بارگی حملہ کرنا ہے جب سحری کا وقت ہوا تو جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ دشمنوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا ہوا ہے اور قتل کے درپے ہیں آپ ان کی پروانہ کریں رب تعالیٰ آپ کا محافظ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور باہر تشریف لائے۔

سیرت ہشام وغیرہ کتابوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اُونگھ مسلط فرما دی۔ کوئی کھڑا سو رہا ہے، کوئی بیٹھا سو رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے سروں پر تھوڑی مٹی ڈالی اور تشریف لے گئے۔ فجر کے وقت انھوں نے اندر جا کر تلاشی لی

تو آپ ﷺ وہاں موجود نہیں تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اہلِ خانہ موجود تھے۔ افراتفری پھیل گئی کہ ہوا کیا؟ بعد میں تحقیق کی تو معلوم ہوا ابوبکر بھی گھر سے غائب ہیں۔ مشرکین مکہ نے اعلان کیا کہ جو شخص ان کو زندہ لائے یا سر کاٹ کر لائے ایک ایک کے بدلے سو سو اونٹ دیا جائے گا۔

یہ حضرات غارِ ثور میں جا کر چھپ گئے۔ صبح ہوئی تو کافروں پر عجیب قسم کی قیامت برپا تھی۔ اِدھر اُدھر بھاگے، تلاش کیا، واویلا کیا، ماہر کھوجی تلاش کر کے لائے۔ چنانچہ کھوجی کھوج لگا کر قدموں کے نشان دیکھتے غارِ ثور کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ یہاں تک ان کے نشان ہیں خیال ہے کہ اس غار میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ اس نے مکڑی کو حکم دیا کہ غار کے منہ پر جالا بُن دے اس نے جالا بن دیا۔ سب کھوجی کے پیچھے پڑ گئے کہ تیری عقل ماری گئی ہے اگر اس کے اندر جاتے تو جالا اس طرح ہوتا؟ اللہ تعالیٰ کی شان کہ مکڑی کا جالا جس کے متعلق فرمایا: ﴿ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ﴾ [العنکبوت:۴۱] "تمام گھروں سے بودا گھر مکڑی کا ہے۔" اللہ تعالیٰ نے اس سے مضبوط قلعے کا کام لے لیا۔

تین دن تین راتیں آنحضرت ﷺ غار میں رہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت عامر ابن فہیرہ رضی اللہ عنہ ان کو دودھ وغیرہ پہنچاتے رہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ رات کو مکے والوں کی ساری رپورٹ اور خبریں پہنچاتے تھے کہ آج یہ ہوا اور یہ ہوا، فلاں نے یہ کہا اور فلاں نے یہ کہا۔ پھر واپس آ کر گھر سوتے تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا ذکر فرماتے ہیں ﴿وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور جس وقت خفیہ تدبیر کی آپ کے متعلق ان لوگوں نے جو کافر تھے ﴿ لِيُثْبِتُوْكَ ﴾ تاکہ آپ کو گرفتار کریں، نظر بند کر دیں ﴿ اَوْ يَقْتُلُوْكَ ﴾ یا آپ کو قتل کر دیں ﴿اَوْ يُخْرِجُوْكَ﴾ یا آپ کو جلاوطن کر دیں مکہ مکرمہ سے نکال دیں۔ یہ تجویزیں سامنے آئیں لیکن آخری فیصلہ قتل کا ہوا ﴿ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ﴾ اور وہ تدبیریں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ بھی تدبیر کرتا تھا ﴿ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے کہ مکڑی سے جالا بنوا کر، کبوتری کو حکم دیا کہ تو انڈے دے دے۔ ایک انڈے کا ذکر بھی آتا ہے اور دو انڈوں کا ذکر بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی تدبیر کی کہ سب کی عقل ماری گئی اور واپس چلے گئے۔

فرمایا ﴿ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا ﴾ اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر ہماری آیتیں ﴿ قَالُوْا ﴾ کہتے ہیں ﴿ قَدْ سَمِعْنَا ﴾ تحقیق ہم نے سن لیا آیات کو ﴿ لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ﴾ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس جیسی آیات کہہ سکتے ہیں ﴿ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ نہیں ہے یہ قرآن مگر پہلے لوگوں کے قصے اور کہانیاں ہیں۔ بے شک قرآن کریم میں قصے ذکر کیے گئے ہیں، پیغمبروں کے، بادشاہوں کے، نیکوں اور بدوں کے، مگر وہ محض قصے نہیں ہیں ان میں عبرت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ [الاعراف:۱۷۶] "ان کے سامنے قصے بیان کرو تاکہ وہ غور و فکر کریں۔" اچھے لوگوں کے نقشِ قدم پر چلیں اور برے لوگوں کی کارروائی سے بچیں۔

﴿ وَ اِذْ قَالُوا ﴾ اور جب کہا کافروں نے ﴿ اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ ﴾ اے اللہ! اگر یہ قرآن حق ہے ﴿ مِنْ عِنْدِكَ ﴾

تیری طرف سے، ہم تو منکر ہیں ﴿فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ پس برسا دے پتھر ہم پر آسمان کی طرف سے ﴿اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ یا لے آ ہمارے پاس دردناک عذاب۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ وہ اپنے کفر پر کتنے پختہ اور مضبوط تھے کہ اگر یہ قرآن سچا ہے تو ہم تو منکر ہیں ہم پر آسمان سے پتھر کیوں نہیں گراتا؟ عذاب کیوں نہیں بھیجتا؟

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ﴾ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ سزا دے ان کو اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! ﴿وَاَنْتَ فِیْهِمْ﴾ کہ آپ ان میں موجود ہوں۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی رحمت بھی ان میں موجود ہے اور خدا کا عذاب بھی آئے ایسا نہیں ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس جگہ پیغمبر موجود ہو وہاں عذاب نہیں آتا ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ ان کو سزا دینے والا جب کہ وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے ہیں۔ یہ معافی کافروں سے دنیا کا عذاب تو ٹال سکتی ہے لیکن اُخروی عذاب نہیں ٹل سکتا چوں کہ آخرت کے عذاب کی علت کفر موجود ہے۔ کافر لوگ جب طواف کرتے تھے تو کہتے تھے غُفْرَانَكَ ہم تجھ سے معافی مانگتے ہیں تو ہمیں معاف کر دے۔ یہ ان کا معافی مانگنا دنیوی عذاب کے ٹلنے کا سبب اور ذریعہ تھا۔

﴿وَمَا لَهُمْ﴾ اور کیا وجہ ہے ان کے لیے ﴿اَلَّا یُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ﴾ کہ اللہ تعالیٰ ان کو سزا نہ دے ﴿وَهُمْ یَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ حالانکہ وہ روکتے ہیں مسجد حرام سے ﴿وَمَا كَانُوْۤا اَوْلِیَآءَهٗ﴾ اور نہیں ہیں وہ مسجد حرام کے متولی ﴿اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ نہیں ہیں اس کے متولی مگر متقی ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر ان میں سے جانتے نہیں ﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ﴾ اور نہیں ہے ان کی نماز ﴿عِنْدَ الْبَیْتِ﴾ بیت اللہ شریف کے پاس ﴿اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِیَةً﴾ مگر سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا ﴿فَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾ پس چکھو تم عذاب ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ اس سبب سے کہ تم کفر کرتے رہے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا ﴿یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ﴾ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو ﴿لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ تاکہ روکیں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿فَسَیُنْفِقُوْنَهَا﴾ بتاکید وہ مال خرچ کریں گے ﴿ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَیْهِمْ حَسْرَةً﴾ پھر ہوں گے وہ اموال ان پر حسرت اور افسوس کا ذریعہ ﴿ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ﴾ پھر وہ مغلوب ہوں گے ﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا﴾ اور وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿اِلٰى جَهَنَّمَ یُحْشَرُوْنَ﴾ جہنم کی طرف اکٹھا کیا جائے گا ﴿لِیَمِیْزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ﴾ تاکہ جدا کر دے اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے ﴿وَیَجْعَلَ الْخَبِیْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ﴾ اور تاکہ کر دے خبیث کے بعض کو بعض پر ﴿فَیَرْكُمَهٗ جَمِیْعًا﴾ پس اکٹھا کرے گا ان سب کو ﴿فَیَجْعَلَهٗ فِیْ جَهَنَّمَ﴾ پس کر دے گا ان کو جہنم میں ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ یہی لوگ ہیں نقصان اٹھانے والے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ درس میں آپ نے سنا کہ کافروں نے کہا ﴿اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ﴾ "اگر یہ قرآن حق ہے تیری طرف سے ہے ہم تو منکر ہیں ہم پر پتھر برسا یا کوئی دردناک عذاب لا۔" اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا عذاب نہ آنے کی وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ان میں موجود ہے اور پیغمبر کی موجودگی میں عذاب نہیں آتا۔ اور دوسرا یہ کہ وہ استغفار کرتے ہیں اور معافی مانگنے سے بھی دنیوی عذاب ٹل جاتا ہے ورنہ وہ عذاب کے مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا لَهُمْ﴾ اور کیا وجہ ہے ان کے لیے ﴿اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ﴾ کہ اللہ تعالیٰ ان کو سزا نہ دے ﴿وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ حالانکہ وہ روکتے ہیں مسجد حرام سے ان کو جو صحیح معنیٰ میں عبادت کرتے ہیں۔ ہجرت کے چھٹے سال ذوالقعدہ کے مہینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ سو صحابہ کے ساتھ عمرہ کے لیے روانہ ہوئے اس وقت تک حج فرض نہیں ہوا تھا۔ حج ۹ھ میں فرض ہوا ہے۔ عمرہ پہلے بھی تھا۔

مدینہ طیبہ سے چھ میل دور ایک مقام ہے جس کا نام ذوالحلیفہ ہے آج کل اس کا نام بئر علی ہے ذوالحلیفہ کوئی نہیں جانتا سوائے علماء کے۔ یہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا اور مکہ مکرمہ کے قریب حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے آج کل حدیبیہ کا نام شُمیسہ ہے اور حدودِ مکہ میں آچکا ہے۔ مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ سے انگریزی میل کے حساب سے تقریباً تین سو گیارہ میل ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ پہنچے تو کافروں کو علم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لیے آئے ہیں تو ان کے جذبات بھڑک اٹھے اور وہ لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ وفد پر وفد آرہے ہیں اور نعرے لگ رہے ہیں۔ انھوں نے دیکھا کہ ان لوگوں نے احرام باندھے ہوئے ہیں اور لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ پڑھ رہے ہیں تو ان کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ لڑنے کے لیے نہیں آئے کیوں کہ وہ اتنی بات جانتے اور سمجھتے تھے کہ احرام باندھنے کے بعد لڑائی جھگڑا احرام ہو جاتا ہے۔ محرم سر نہیں ڈھانپ سکتا، ناخن اور لبیں نہیں کاٹ سکتا، سلے ہوئے کپڑے نہیں پہن سکتا، خوشبو نہیں لگا سکتا، اگر جسم کے کسی حصہ سے جوں نکلے تو نہیں مار سکتا البتہ نیچے گرا سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود انھوں نے مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہونے دیا حالانکہ مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکنا بڑا گناہ تھا۔ مکہ مکرمہ میں داخلے کے لیے شرائط طے ہوئیں کہ اس سال واپس جاؤ، آئندہ سال آکر عمرہ کرنا اور تین دن سے زیادہ نہیں رہ سکو گے۔

اور دوسرا گناہ: ﴿وَمَا كَانُوْا اَوْلِيَآءَهٗ﴾ اور نہیں ہیں وہ مسجد حرام کے متولی ﴿اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ نہیں ہیں اس کے متولی مگر متقی، تقوے والے اور تقویٰ میں پہلی بات شرک سے بچنا ہے اور ان ظالموں نے تو مسجد حرام کو شرک کا اڈا بنایا ہوا تھا۔ بیت اللہ کی بیرونی دیوار پر تین سو ساٹھ بت نصب کیے ہوئے تھے یہ مسجد حرام کے متولی کس طرح ہو سکتے ہیں؟ زبردستی کرنے سے تو کوئی متولی نہیں بنتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسجدوں کے حقیقی متولی وہ ہیں جو موحد ہیں۔ شرک کرنے والے، خرافات کرنے والے مسجد کے متولی نہیں ہو سکتے کیوں کہ ﴿وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ [جن: ۱۸] اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "بے شک

مسجدیں اللہ تعالیٰ کا گھر ہیں پس تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔" لہٰذا مسجدوں کے متولی مشرک نہیں ہو سکتے ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر ان میں سے جانتے نہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جس کا قبضہ ہو گیا وہ متولی ہے حالانکہ مشرک کا مسجد سے کیا تعلق ہے؟ مسجدیں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ہیں یہاں اوروں سے، غیر اللہ سے مدد مانگنا بالکل قرآن کریم کی روح کے خلاف ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی عبادت کا ذکر فرمایا ہے ﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً﴾ اور نہیں ہے ان کی نماز بیت اللہ شریف کے پاس مگر سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا یعنی قوالی کرنا۔ یہ لوگ مسجد حرام کے باہر جمع ہو جاتے تھے اور قوالی کرتے تھے۔ تو تالیاں بجانا، سیٹیاں بجانا، بھنگڑا ڈالنا یہ ان کی عبادت تھی۔

آج کل بھی کئی جاہل قسم کے لوگ قوالی کو عبادت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ گناہ اور اسلام کی روح کے خلاف ہے پھر گانوں اور باجوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا نام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی ہو اور بزرگوں کا ذکر بھی ہو یہ توہین در توہین ہے۔ حکم ہوگا ﴿فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ پس چکھو تم عذاب اس سبب سے کہ تم کفر کرتے رہے۔

معرکہ بدر

بدر کے معرکہ میں قریش مکہ نے بڑا مال خرچ کیا۔ مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے مشرکوں نے بڑا چندہ دیا نقد بھی، اسلحہ بھی اور سواریاں، اونٹ اور گھوڑے بھی۔ لوگوں کے جذبات اُبھارنے کے لیے مکہ مکرمہ میں ڈھول بجائے گئے، شاعروں نے اشعار کہے، مقررین نے تقریریں کیں، عورتوں نے دف بجایا کہ مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے جانا ہے۔ ایک ہزار تعداد تھی اونٹوں پر سوار تھے اس کے علاوہ وافر مقدار میں اونٹ اور شراب کی بوتلیں اور گانے والی عورتیں ساتھ تھیں کہ مسلمانوں کو ختم کر کے اردگرد کے قبائل کی دعوت کریں گے، جشن منائیں گے، شراب چلے گی، عورتیں فتح کے گیت گائیں گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ آٹھ تلواروں نے ہزار تلواروں کو شکست دی، ستر کافر مارے گئے، ستر گرفتار ہوئے مسلمان صرف چودہ شہید ہوئے، آٹھ انصار اور چھ مہاجرین میں سے۔ مشرک جو اونٹ لے کر آئے تھے وہ مسلمانوں کے لیے مالِ غنیمت بنے۔ شراب تو ان کو پینی نصیب نہ ہوئی البتہ مسلمانوں کے ہاتھوں موت کے پیالے بھر بھر کے پیے اور جو عورتیں گیت گانے کے لیے ساتھ لائے تھے وہ بدر سے لے کر مکے تک ماتم کرتی گئیں کہ فلاں سردار مارا گیا ہائے فلاں سردار مارا گیا۔ تو انھوں نے اسلام کے خلاف بڑا مال خرچ کیا اس کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا ﴿يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ﴾ وہ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو ﴿لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ تاکہ روکیں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿فَسَيُنْفِقُوْنَهَا﴾ پس تاکید وہ مال خرچ کریں گے ﴿ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً﴾ پھر ہوں گے وہ اموال ان پر حسرت اور افسوس کا ذریعہ ﴿ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ﴾ پھر وہ

مغلوب ہوں گے، ان کو شکست دی جائے گی۔ جن کافروں کو بعد میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی انھوں نے کہا کہ ہم نے کیا نادانی کی کہ اسلام کا مقابلہ کیا، چندے دیے اور اسلام کے خلاف ہم نے بڑا مال خرچ کیا ہائے افسوس!

﴿وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا﴾ اور وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿اِلٰی جَهَنَّمَ یُحۡشَرُوۡنَ﴾ جہنم کی طرف ان کو اکٹھا کیا جائے گا کیوں؟ ﴿لِیَمِیۡزَ اللّٰهُ الۡخَبِیۡثَ مِنَ الطَّیِّبِ﴾ تاکہ جدا کر دے اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے۔ اللہ تعالیٰ نے ناپاک اور پاک کو الگ الگ کر دیا ﴿وَیَجۡعَلَ الۡخَبِیۡثَ بَعۡضَهٗ عَلٰی بَعۡضٍ﴾ اور تاکہ کر دے خبیث کے بعض کو بعض پر۔ ایک دوسرے کے اوپر ڈھیر لگا دے ﴿فَیَرۡکُمَهٗ جَمِیۡعًا﴾ پھر اکٹھا کرے گا ان سب کو۔ بدر میں ستر کافر مارے گئے اور چودہ مسلمان شہید ہوئے۔ ان کو دفن کرنے کا مسئلہ تھا اور زمین پتھریلی تھی۔ ایک قبر کو کھودنے پر ایک دن لگ جاتا تھا سب کے لیے قبریں کھودنا مشکل تھا۔ مسلمانوں کے لیے تو ایک مربع جگہ میں قبریں کھودی گئیں اور سب کافر بدر کے کنوئیں میں ڈال دیے گئے اوپر نیچے۔ البتہ اُمیہ بن خلف بھاگتا ہوا جا رہا تھا جب اس کو مار کر کنوئیں میں ڈالنے کے لیے کھینچا گیا تو اس کی ٹانگیں وجود سے الگ ہو گئیں اور بازو بھی الگ ہو گئے۔ اس کا بدن بڑا بھاری تھا تو اس کو وہیں ریت میں دفن کر دیا گیا۔

اور یہ یاد رہے کہ بدر کا یہ کنواں ویران تھا اس میں پانی نہیں تھا۔ دوسرے دن آنحضرت ﷺ کنویں پر تشریف لے گئے اور کنارے پر کھڑے ہو کر فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ ہمارے ساتھ فرمایا تھا ہم نے تو پا لیا اور جو وعدہ رب تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا تھا تم نے پا لیا ہے یا نہیں؟" حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا حضرت! مُردوں کے ساتھ کیا گفتگو کرتے ہیں کیا یہ سنتے ہیں؟ بخاری اور مسلم کی روایت ہے فرمایا: وَالَّذِیۡ نَفۡسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ مَا اَنۡتُمۡ بِاَسۡمَعَ لِمَا اَقُوۡلُ مِنۡهُمۡ "اس پروردگار کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے تم اس گفتگو کو جو میں ان سے کہہ رہا ہوں ان سے زیادہ نہیں سنتے۔" یعنی جس طرح تم سن رہے ہو وہ تم سے زیادہ سن رہے ہیں لیکن ہمیں جواب نہیں دے سکتے۔

یہ مطلب کہ کر دے خبیث کے بعض کو بعض پر ﴿فَیَرۡکُمَهٗ جَمِیۡعًا﴾ پھر اکٹھا کرے گا ان سب کو ﴿فَیَجۡعَلَهٗ فِیۡ جَهَنَّمَ﴾ پس کر دے گا ان کو دوزخ میں۔ وہیں سے سیدھے دوزخ کی طرف گئے ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ﴾ یہی لوگ ہیں نقصان اٹھانے والے دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی۔

﴿قُلۡ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا﴾ ان لوگوں کو جو کافر ہیں ﴿اِنۡ یَّنۡتَهُوۡا یُغۡفَرۡ لَهُمۡ﴾ اگر وہ باز آ جائیں تو بخش دیا جائے گا ﴿مَّا قَدۡ سَلَفَ﴾ جو پہلے ہو چکا ﴿وَاِنۡ یَّعُوۡدُوۡا﴾ اور اگر وہ لوٹیں گے ﴿فَقَدۡ مَضَتۡ سُنَّتُ الۡاَوَّلِیۡنَ﴾ پس تحقیق گزر چکا ہے طریقہ پہلے لوگوں کا ﴿وَقَاتِلُوۡهُمۡ﴾ اور تم لڑو ان سے ﴿حَتّٰی لَا تَکُوۡنَ فِتۡنَةٌ﴾ یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ ﴿وَّیَکُوۡنَ الدِّیۡنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ اور ہو جائے دین سارا اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿فَاِنِ انۡتَهَوۡا﴾ پس

اگر وہ باز آجائیں ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ جو وہ عمل کرتے ہیں دیکھتا ہے ﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ اور اگر وہ اعراض کریں ﴿فَاعْلَمُوْٓا﴾ پس تم جان لو ﴿اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارا آقا ہے ﴿نِعْمَ الْمَوْلٰى﴾ وہ بہتر آقا ہے ﴿وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ اور اچھا مددگار ہے ﴿وَاعْلَمُوْٓا﴾ اور تم جان لو ﴿اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ بے شک جو تم نے غنیمت حاصل کی کوئی شے بھی ہو ﴿فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اس کا پانچواں حصہ ﴿وَلِلرَّسُوْلِ﴾ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ﴿وَلِذِي الْقُرْبٰى﴾ اور اللہ کے رسول کے قرابت داروں کے لیے ﴿وَالْيَتٰمٰى﴾ اور یتیموں کے لیے ﴿وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ اور مسکینوں کے لیے ﴿وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ اور مسافروں کے لیے ﴿اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ﴾ اگر ہو تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ﴿وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا﴾ اور اس چیز پر جو ہم نے نازل کی اپنے بندے پر ﴿يَوْمَ الْفُرْقَانِ﴾ فیصلے والے دن ﴿يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ﴾ جس دن آمنے سامنے ہوئیں دو جماعتیں ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

ربط آیات ؟

اس سے پہلے کئی رکوعوں میں غزوۂ بدر تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے تکبر اور غرور کو خاک میں ملایا اور مسلمانوں کو قلیل تعداد اور بے سروسامانی میں فتح عطا فرمائی۔

اسی سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! کہہ دیں ﴿لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا﴾ ان لوگوں کو جو کافر ہیں ﴿اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ﴾ اگر وہ باز آجائیں تو ان کو بخش دیا جائے گا ﴿مَّا قَدْ سَلَفَ﴾ جو پہلے ہو چکا۔ حدیث پاک میں آتا ہے اَلْاِسْلَامُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ "اسلام اپنے سے پہلے کے گناہ مٹا دیتا ہے۔" کفر و شرک، شراب نوشی وغیرہ سب گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے اگر کوئی سچے دل سے مسلمان ہو اور وہ اس طرح ہو جاتا ہے يَوْمَ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ "جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔"

﴿وَاِنْ يَّعُوْدُوْا﴾ اور اگر وہ لوٹیں گے کہ پلٹ کر دوبارہ مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کا ارادہ کریں ﴿فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ پس تحقیق گزر چکا ہے طریقہ پہلے لوگوں کا کہ حق کے مقابلے میں کفر کو کبھی فتح نصیب نہیں ہو سکتی کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں اور مومنوں کی نصرت فرماتے ہیں۔ اور سورۃ مومن میں ہے ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ [پارہ: ۲۴] "بے شک البتہ ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے۔" ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝﴾ [سورۃ الصافات، پارہ: ۲۳] "البتہ تحقیق پہلے ہو چکی ہے ہماری بات اپنے بندوں کے لیے جو رسول ہیں کہ بے شک البتہ وہی مدد دیے جائیں گے اور بے شک البتہ ہمارا ہی لشکر غالب ہوگا۔"

فلسفۂ جہاد:

آگے اللہ تعالیٰ جہاد کا فلسفہ اور حکمت بیان فرماتے ہیں کہ جہاد سے مقصود نہ ملک حاصل کرنا ہے، نہ قتل وغارت مقصود ہے اور نہ مالِ غنیمت حاصل کرنا مقصود ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین کو نافذ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنا مقصود ہے۔

فرمایا ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ اور تم لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے کوئی فتنہ۔ سب سے بڑا فتنہ کفر اور شرک ہے۔ کفر شرک باقی نہ رہے اور اس کے علاوہ جتنے فتنے ہیں سب ختم ہو جائیں کوئی بھی باقی نہ رہے ﴿وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ اور ہو جائے دین سارا اللہ تعالیٰ کے لیے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کو نافذ کرنے کے لیے اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جو شخص لڑتا ہے وہ مجاہد ہے۔ جیسے: افغانستان کے طالبان ہیں۔ اس وقت دنیا میں مسلمانوں کے تقریباً پچپن ملک ہیں ان میں سے صرف طالبان کا ملک ہے جس میں قرآن وسنت کا قانون نافذ ہے اور اللہ تعالیٰ کے دین کا غلبہ ہے۔ ان کا ہر فیصلہ قرآن، حدیث اور فقہ اسلامی کے مطابق ہوتا ہے۔ قاتل کو قصاص میں قتل کیا جاتا ہے؛ بدکار کو شرعی سزا ملتی ہے، چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے، قرآن کے احکام پر پورا پورا عمل ہو رہا ہے۔ ہر طرف سکون ہے اور کسی کو کسی سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ چمن سے قندھار جو بہتر میل کی مسافت ہے۔ اس سڑک پر جو لوگ سفر کرتے تھے وہاں کے قبائلی افغانی جگا ٹیکس وصول کرتے تھے۔ مختلف جگہوں پر انھوں نے اڈے بنائے ہوئے تھے چھوٹی بڑی گاڑی، ٹرک، بس وغیرہ جو بھی گزرتی ٹیکس ادا کر کے جاتی اور مجبوراً ان کو دینا پڑتا تھا۔ طالبان نے وہ سارے اڈے ختم کر دیے ہیں۔ اب وہاں کوئی کسی کو نہیں پوچھ سکتا لیکن دشمنانِ دین ان کو برداشت نہیں کر رہے۔ دنیائے یورپ نے ان کو بدنام کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ کبھی کچھ کہتے ہیں اور کبھی کچھ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ طالبان کو ان کا مقابلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿فَاِنِ انْتَهَوْا﴾ پس اگر وہ باز آ جائیں کفر شرک فتنہ وغیرہ سے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ جو وہ عمل کرتے ہیں دیکھتا ہے ﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ اور اگر وہ اعراض کریں کہ تمہاری بات نہ مانیں ﴿فَاعْلَمُوْٓا﴾ پس تم جان لو ﴿اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارا آقا ہے اے مومنو! ﴿نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ وہ بہتر آقا ہے اور اچھا مددگار ہے۔ لہٰذا کافروں کی پروا نہ کرو اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے ساتھ ہے۔

الحمدللہ! اس وقت افغانستان کی آبادی ڈیڑھ کروڑ سے زائد ہے اور آس پاس کی باطل قوتوں نے طالبان مخالف قوتوں کو بڑی قوت پہنچائی ہے انڈیا بھی اس میں شامل ہے اور ایران سب سے زیادہ پیش پیش ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے طالبان کو ہمت دی ہے اور وہ حق پر قائم ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ضرور مدد فرمائے گا۔

آپ حضرات کو یاد ہوگا کہ اس سورت کے شروع میں یہ مسئلہ بیان ہوا تھا کہ بدر کی غنیمت کے بارے میں اختلاف ہوا تھا۔ بعض نے کہا کہ جو لڑائی میں شریک تھے یہ ان کا حصہ ہے۔ دوسروں نے کہا کہ جو یہاں آئے ہیں چاہے وہ لڑے ہیں یا لڑنے والوں کی خدمت میں مصروف تھے سب کا حق ہے۔ ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ﴾ "یہ آپ سے غنیمت کے بارے

میں پوچھتے ہیں ﴿قُلِ﴾ آپ کہہ دیں ﴿الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ غنیمت اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے لیے ہے۔"

مالِ غنیمت کی تفصیل

تو وہاں اجمالی طور پر جواب دیا تھا اب اس کی تفصیل بیان فرماتے ہیں ﴿وَاعْلَمُوْٓا﴾ اور تم جان لو ﴿اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ بے شک جو تم نے غنیمت حاصل کی کوئی شے بھی ہو۔ غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو شرعی جہاد کے نتیجے میں آئے۔ مسلمانوں کی کمائی میں سب سے زیادہ پاکیزہ کمائی مالِ غنیمت ہے کیوں کہ جہاد بہت اُونچا عمل ہے اور یہ اس کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اس کا پانچواں حصہ۔ کل مالِ غنیمت کو جمع کرنے کے بعد اس کے پانچ حصے کیے جائیں گے اس کا پانچواں حصہ خمس کہلاتا ہے۔ چار حصے مجاہدین پر تقسیم ہوں گے اور سپہ سالار، امیرِ لشکر یعنی کمانڈر اگر اپنی صوابدید پر کسی مجاہد کو بہادری کی وجہ سے زیادہ دینا چاہے تو دے سکتا ہے کہ اس نے بہادری کے جوہر بہ نسبت دوسروں کے زیادہ دکھائے ہیں۔ اور یہاں پر اللہ تعالیٰ نے خمس کے مصارف بیان فرمائے ہیں کہ وہ کہاں کہاں خرچ کیا جائے گا ﴿وَلِلرَّسُوْلِ﴾ اور رسول ﷺ کے لیے۔ خمس میں سے بقدرِ ضرورت آنحضرت ﷺ اپنے لیے بھی لے لیتے تھے کیوں کہ جتنی انسانی ضروریات ہیں وہ پیغمبروں کو بھی ہوتی ہیں۔ ﴿وَلِذِي الْقُرْبٰى﴾ اور اللہ کے رسول کے قرابت داروں کے لیے۔ آپ ﷺ کے جو قریبی رشتہ دار تھے بنو ہاشم، بنو عبد المطلب جنھوں نے ابتدائی دور میں آپ ﷺ کا ساتھ دیا بڑی سختیاں اور تکلیفیں برداشت کیں باوجود اس کے کہ دین میں آپ ﷺ کے موافق نہیں تھے۔

ایک ایسا وقت بھی آیا کہ کافروں نے خیف بنی کنانہ کے مقام پر اجتماع کیا اور تَقَاسَمُوْا قسمیں کھائیں پیالے میں پانی ڈال کر ہاتھ ڈبوئے۔ یہ ان کا رواج تھا کہ اس قسم کو یہ مضبوط سمجھتے تھے جو پیالے میں پانی ڈال کر اس میں ہاتھ ڈبو کر اٹھائی جاتی تھی۔ تو انھوں نے پکی قسمیں کھائیں کہ اَنْ لَّا یُنَاکِحُوْهُمْ وَلَا یُبَایِعُوْهُمْ بنو ہاشم کو نہ رشتہ دینا اور نہ ان سے رشتہ لینا، نہ ان کے آگے کوئی چیز بیچنی ہے اور نہ ان سے کوئی چیز خریدنی ہے۔ ان کے ساتھ ہر طرح کا بائیکاٹ کرو۔ اس مشکل گھڑی میں بھی آپ ﷺ کے رشتہ داروں نے آپ ﷺ کا ساتھ دیا اور تکلیفیں برداشت کیں۔ آپ ﷺ کا چچا ابو طالب دین میں آپ ﷺ کی موافقت نہیں کرتا تھا مگر دنیاوی طور پر خوب مدد کرتا تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ کا چچا حارث ابن عبد المطلب مسلمان نہیں ہوا تھا مگر خاندانی عصبیت کی وجہ سے آپ ﷺ کی پوری معاونت کرتا تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ کے رشتہ داروں کا بھی خمس میں حق ہے۔

﴿وَالْيَتٰمٰى﴾ اور یتیموں کے لیے۔ یتیم چاہے کسی بھی خاندان سے تعلق رکھتا ہو وہ خمس کے مال کا مستحق ہے ﴿وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ اور مسکینوں کے لیے۔ مسکین اسے کہتے ہیں کہ اس کے پاس بقدرِ نصاب سامان نہ ہو۔ بقدرِ نصاب سامان کا مطلب یہ

ہے کہ گھر کی عام ضرورت سے زائد اس کے پاس اتنا سامان ہو کہ اگر اس کو بیچا جائے تو ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے۔ آج کل ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت ساڑھے پانچ ہزار ہے۔ وہ برتن جو روزانہ استعمال میں نہیں آتے، وہ چار پائیاں جو روزانہ استعمال میں نہیں آتیں، وہ بستر جو روزانہ استعمال میں نہیں آتے کبھی کبھار مہمان آئیں تو استعمال ہوتے ہیں یہ زائد سامان شمار ہوتا ہے۔ اگر یہ اتنا ہے کہ اس کو بیچا جائے تو اس کی قیمت ساڑھے باون تولے چاندی کو پہنچ جاتی ہے تو یہ شخص صاحب نصاب ہے اس پر قربانی آئے گی اور یہ فطرانہ بھی دے گا اور یہ مسکین نہیں ہے۔

﴿وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ اور مسافروں کے لیے۔ مسافر کا بھی خمس میں حق ہے اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم ہوں گے ﴿اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ﴾ اگر ہو تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ﴿وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ﴾ اور وہ نصرت جو ہم نے نازل کی اپنے بندے پر فیصلے والے دن۔ جس دن حق اور باطل کا فیصلہ ہوا اس پر ایمان رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے تین ہزار فرشتے نازل کیے تو پھر سمجھ لو کہ غنیمت کے مستحق یہ لوگ ہیں جو ہم نے بیان کیے ہیں۔ یہ مدد کس دن ہوئی؟ فرمایا ﴿يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ﴾ جس دن آمنے سامنے ہوئیں دو جماعتیں حق اور باطل کی۔ ایک طرف تین سو تیرہ اور دوسری طرف ایک ہزار اور نتیجہ تم تفصیل کے ساتھ پڑھ اور سن چکے ہو ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور جو کچھ وہ کر سکتا ہے وہ اور کوئی نہیں کر سکتا اور رب تعالیٰ نے جو فرمایا سچ فرمایا ہے۔

﴿اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا﴾ اور جس وقت تھے تم ادھر والے کنارے پر ﴿وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى﴾ اور وہ کافر پرلے کنارے پر تھے ﴿وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾ اور تجارت والا قافلہ تم سے نیچے کی طرف تھا ﴿وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ﴾ اور اگر تم آپس میں وعدہ کرتے ﴿لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ﴾ تو البتہ اختلاف کرتے وعدہ پورا کرنے میں ﴿وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا﴾ اور لیکن تاکہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے اس معاملے کا جو طے شدہ ہے ﴿لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ﴾ تاکہ ہلاک ہو وہ جو ہلاک ہونا چاہتا ہے کھلی دلیل کے ساتھ ﴿وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ﴾ اور جو زندہ رہنا چاہتا ہے زندہ رہے کھلی دلیل کے ساتھ ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ اور بے شک البتہ اللہ تعالیٰ سننے والا ہے، جاننے والا ہے ﴿اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا﴾ جس وقت اللہ تعالیٰ دکھاتا تھا تجھے وہ کافر آپ کے خواب میں تھوڑے ﴿وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ دکھاتا وہ کافر آپ کو زیادہ ﴿لَّفَشِلْتُمْ﴾ البتہ تم بزدلی کر جاتے ﴿وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ اور البتہ تم جھگڑا کرتے معاملہ میں ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے سلامتی میں رکھا ﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ بے شک وہ سینے کے رازوں کو جاننے والا ہے ﴿وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ﴾

اور تم کو دکھائی وہ فوج ﴿إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيٓ أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا﴾ جب تم آمنے سامنے ہوئے تمہاری آنکھوں میں تھوڑی ﴿وَيُقَلِّلُكُمْ فِيٓ أَعْيُنِهِمْ﴾ اور تم کو تھوڑا کر کے دکھایا ان کی آنکھوں میں ﴿لِيَقْضِيَ اللّٰهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا﴾ تاکہ فیصلہ کرے اللہ تعالیٰ اس معاملہ کا جو طے شدہ ہے ﴿وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سب کام۔

ماقبل سے ربط

یہ بات آپ حضرات پہلے سن چکے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں باغات، کھیت وغیرہ نہیں تھے کیونکہ وہ زمین زراعت والی نہیں تھی۔ وہ لوگ اپنی بود و باش خوراک کا انتظام تجارت کے ذریعے سے کرتے تھے اور اس کے لیے وہ دو سفر کرتے تھے۔ گرمیوں میں شام کا اور سردیوں میں یمن کا ﴿رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ﴾ سورۂ قریش میں اسی کا ذکر ہے۔

دارالندوہ میں مشاورت

غزوۂ بدر سے پہلے قریش مکہ نے دارالندوہ میں جمع ہو کر مشورہ کیا کہ یہ لوگ جب مکہ مکرمہ میں تھے ہم لوگوں کو مسلمان ہونے سے روکتے تھے اور سختیاں کرتے تھے اب یہ ہمارے ہاتھ سے نکل گئے ہیں اور وہاں ان کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے اور یہ طاقتور ہوتے جا رہے ہیں لہٰذا جب تک ان کا ڈٹ مقابلہ نہیں کریں گے اور ان کے وجود کو ختم نہیں کریں گے یہ ہمارے لیے خطرہ ہیں۔ لہٰذا سارے لوگ ایثار کرو۔ اس دفعہ شام کا جو تجارتی سفر ہو اس کا سارا نفع جو شام میں حاصل ہو یا واپس آکر سامان یہاں بیچ کر حاصل ہو وہ سارے کا سارا مسلمانوں کے خلاف خرچ ہونا چاہیے۔ اس سے ہتھیار خریدے جائیں اور دیگر جنگی ضروریات اور اصل رقم تمہاری رہے گی۔ اس بات پر سارے راضی ہو گئے اور کسی نے اختلاف نہ کیا۔

چنانچہ ایک ہزار اُونٹ سامان سے لدے ہوئے، ساٹھ آدمیوں کا قافلہ جس کے امیر ابوسفیان تھے جو اس وقت رضی اللہ عنہ نہیں ہوئے تھے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ اس میٹنگ اور ایجنڈے کی خبر مدینہ طیبہ پہنچی تو مسلمانوں نے پروگرام بنایا کہ واپسی پر ان پر حملہ کر دو تاکہ نہ ان کے پاس مال رہے اور نہ لڑائی کی نوبت آئے۔ مکے والوں کو بھی اطلاع ہو گئی کہ وہ ہمارے قافلے کو لوٹنا چاہتے ہیں۔ وہ وہاں سے چل پڑے اور یہ یہاں سے چل پڑے۔ تجارتی قافلہ تو راستہ بدل کر نیچے کی طرف ہو گیا اور یہ دونوں گروہ بدر میں اکٹھے ہو گئے۔ بدر مدینہ منورہ سے اَسّی [۸۰] میل کی مسافت پر ہے۔ کافر بدر میں پہلے پہنچ گئے اور پانی کے چشموں پر قبضہ کر لیا۔ جب یہ حضرات پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے ایک جگہ کے متعلق فرمایا کہ تم یہاں مورچہ قائم کرو۔

حضرت خباب ابن منذر رضی اللہ عنہ کا مشورہ

حضرت خباب ابن منذر انصاری رضی اللہ عنہ جنگی امور میں بڑا تجربہ رکھتے تھے۔ انھوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت

میں عرض کیا کہ حضرت! اس جگہ مورچہ بنانے کا حکم رب تعالیٰ کی طرف سے ہے یا آپ ﷺ کی ذاتی رائے ہے؟ اگر رب تعالیٰ کا حکم ہے تو پھر ہمیں قیل و قال کا حق نہیں پہنچتا اور اگر ذاتی ہے تو پھر میں تجربہ کی بنا پر اپنی رائے عرض کرتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ کی طرف سے صرف لڑنے کا حکم ہے مورچہ ہماری صوابدید پر ہے۔ کہنے لگے حضرت! جنگی نقطۂ نظر سے یہ جگہ ہمارے لیے مفید نہیں ہے آگے والی جگہ ٹھیک رہے گی۔ رائے ان کی درست تھی آگے ریت کا ٹیلا تھا وہاں جا کر مورچہ بنایا گیا۔ وہاں پانی نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی ریت جم کر سڑک بن گئی اور پانی کا انتظام بھی ہو گیا۔ کافر پست جگہ پر تھے وہاں پانی جمع ہو گیا۔ ان کی شکست کے ظاہری اسباب میں سے ایک یہ بھی تھا۔

اللہ تعالیٰ اس کا ذکر فرماتے ہیں ﴿إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا﴾ اور جس وقت تھے تم ادھر والے کنارے پر جو مدینہ طیبہ کی طرف قریب تھا ﴿وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى﴾ اور وہ کافر پرلے کنارے پر تھے جو مدینہ طیبہ سے دور تھا۔ ﴿وَالرَّكْبُ﴾ اور تجارتی قافلہ جس کی قیادت ابوسفیان کر رہے تھے ﴿أَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾ تم سے نیچے کی طرف تھا۔ ساحل سمندر پر وہ جگہ بدر سے پست تھی۔ غزوۂ بدر کوئی پہلے سے طے شدہ نہیں تھا کہ تم نے فلاں جگہ پہنچنا ہے اور ہم نے بھی اور لڑائی ہو گی بلکہ اتفاق ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ﴾ اور اگر تم آپس میں وعدہ کرتے پہلے سے کہ فلاں وقت فلاں جگہ پر پہنچنا ہے ﴿لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ﴾ تو البتہ اختلاف کرتے وعدہ پورا کرنے میں۔ ممکن ہے تم بروقت نہ پہنچتے یا وہ نہ پہنچتے ﴿وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا﴾ اور لیکن تاکہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے اس معاملے کا جو طے شدہ ہے ﴿لِّيَهْلِكَ﴾ تاکہ ہلاک ہو ﴿مَنْ هَلَكَ﴾ جو ہلاک ہونا چاہتا ہے ﴿عَنْۢ بَيِّنَةٍ﴾ کھلی دلیل کے ساتھ کہ ان کو کثرتِ تعداد اور قوت پر گھمنڈ اور غرور تھا۔ اسلحہ کی ان کے پاس بہتات تھی، سارا عرب ان کے ساتھ تھا اور دوسری طرف صرف تین سو تیرہ تھے اور لڑائی کے قابل یہی تھے۔ پیچھے نابینا، لنگڑے، بوڑھے، معذور تھے، عورتیں اور بچے تھے۔

﴿وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ﴾ اور جو زندہ رہنا چاہتا ہے زندہ رہے کھلی دلیل کیساتھ۔ آٹھ تلواروں کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار تلواروں پر غلبہ عطا فرمایا ﴿وَإِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ اور بے شک البتہ اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔

﴿إِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا﴾ جس وقت اللہ تعالیٰ دکھاتا تھا آپ کو وہ کافر آپ کے خواب میں تھوڑے۔ غزوہ بدر سے چند دن پہلے آنحضرت ﷺ نے ایک خواب دیکھا کہ ہمارا کافروں سے مقابلہ ہو رہا ہے ہماری تعداد زیادہ ہے اور ان کی تعداد کم ہے۔ یہ خواب آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بیان کیا تھا جس سے مسلمانوں کی ہمت بڑھ گئی۔ حالانکہ ظاہری طور پر معاملہ اس کے برعکس تھا کہ مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی اور کافروں کی تعداد زیادہ تھی۔

آنحضرت ﷺ کا خواب

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا خواب ہو اور خلافِ حقیقت ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جب کہ پیغمبر کی بات

بیداری کی ہو یا خواب کی وہ حقیقت ہوتی ہے۔ امام فخر الدین رازی وغیرہ فرماتے ہیں کہ خواب کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت جس کو تعبیر بھی کہتے ہیں۔ صورت اور ہوتی ہے اور حقیقت اور ہوتی ہے۔ یہ تھوڑے نظر آنے کی حقیقت اور تعبیر ان کی شکست کی طرف اشارہ تھا کیونکہ عادۃً تھوڑوں کو شکست ہوتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی حضرت اُم فضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا نے ایک خواب دیکھا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! آج رات میں نے ایک بُرا خواب دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ وہ بہت ہی سخت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بتائیں تو سہی وہ کیا ہے؟ حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے گویا آپ کے جسم مبارک سے ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ میری لختِ جگر بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا جو تمہاری گود میں کھیلے گا۔ چنانچہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ظاہراً دیکھو تو خواب کی صورت کتنی خوفناک تھی اور وہ بڑی پریشان ہوئیں کیونکہ ان دنوں افواہ مشہور تھی کہ یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا ذہن اس طرف گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی طرف اشارہ ہے لیکن حقیقت اور تعبیر کیسی خوب صورت تھی۔

اسی طرح یہاں خواب میں کافروں کا تھوڑا نظر آنا ان کی شکست کی طرف اشارہ تھا اور ایسا ہی ہوا۔ ﴿وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ دکھاتا وہ کافر آپ کو زیادہ البتہ تم بزدلی کر جاتے ﴿وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ اور البتہ تم جھگڑا کرتے اس معاملہ میں۔ اگر خواب میں کافر زیادہ نظر آتے اور آپ خواب بیان فرماتے تو ایسے لوگ بھی تھے جو کہتے حضرت! نہیں لڑنا چاہیے ہم تھوڑے ہیں اور کوئی کہتا لڑنا چاہیے۔ کیوں کہ ذہن مختلف ہوتے ہیں حالات جدا جدا ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ہر ایک کو ایک جیسا مزاج اور ایک جیسی سمجھ نہیں دی ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے سلامتی میں رکھا ﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ بے شک وہ سینے کے رازوں کو جاننے والا ہے۔

جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقام بدر میں پہنچ گئے آگے اس کا ذکر ہے۔ فرمایا ﴿وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ﴾ اور تم کو دکھائی وہ فوج ﴿اِذِ الْتَقَيْتُمْ﴾ جب تم آمنے سامنے ہوئے ﴿فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا﴾ تمہاری آنکھوں میں تھوڑی۔ جو سامنے نظر آتے تھے وہ تھوڑے تھے باقی پیچھے تھے وہ نظر نہیں آتے تھے ان کو کم سمجھ کر مسلمانوں کی ہمت بڑھ گئی کہ ہمارے مقابلے میں تھوڑے ہیں۔

پھر جب پچھلے بھی آگئے اور اکٹھے ہو گئے تو پہلے بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ریت کی مٹھی بھر کر شَاهَتِ الْوُجُوْهُ پڑھ کر ان کی طرف پھینکی وہ ان کی آنکھوں میں پڑ گئی۔ اگلوں پچھلوں، دائیں بائیں، سب کی آنکھوں میں۔ ریت کی مٹھی پھینکنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تھا اور سب کی آنکھوں میں ڈالنا رب کا کام تھا۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! ریت کی مٹھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینکی تھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پھینکی تھی وہ رب تعالیٰ نے پہنچائی تھی۔ ﴿وَيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ﴾ اور تم کو تھوڑا کر کے دکھایا ان کی آنکھوں میں۔ مسلمان تو واقعی تھوڑے تھے

﴿لِيَقْضِيَ اللّٰهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا﴾ تاکہ فیصلہ کرے اللہ تعالیٰ اس معاملے کا جو طے شدہ ہے کہ باوجود تمہارے کمزور ہونے کے اللہ تعالیٰ نصرت و مدد فرما کر کامیابی نصیب کرے گا ﴿وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سب کام۔ ظاہری، باطنی، روحانی، جسمانی، تکوینی اور تشریعی، سب پر کنٹرول اسی کا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگ! جو ایمان لائے ہو ﴿إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً﴾ جب تم ملو یعنی ٹکر ہو کافروں کے گروہ سے ﴿فَاثْبُتُوا﴾ پس ثابت قدم رہو ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا﴾ اور ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ تاکہ تم فلاح پا جاؤ ﴿وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ﴾ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی ﴿وَلَا تَنَازَعُوا﴾ اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ﴿فَتَفْشَلُوا﴾ پس تم کمزور ہو جاؤ گے ﴿وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی ﴿وَاصْبِرُوا﴾ اور صبر کرو ﴿إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿وَلَا تَكُونُوا﴾ اور نہ ہو تم ﴿كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا﴾ ان لوگوں کی طرح جو نکلے اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے ﴿وَرِئَاءَ النَّاسِ﴾ اور لوگوں کو دکھانے کے لیے ﴿وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ﴾ اور وہ روکتے تھے اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جو وہ عمل کرتے ہیں احاطہ کرنے والا ہے ﴿وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ﴾ اور جس وقت مزین کیا ان کے لیے شیطان نے ان کے اعمال کو ﴿وَقَالَ﴾ اور کہا ﴿لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ﴾ نہیں غالب آئے گا تم پر آج کے دن لوگوں میں سے کوئی بھی ﴿وَإِنِّي جَارٌ لَكُمْ﴾ اور بے شک میں تمہارا مددگار ہوں ﴿فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ﴾ پس جب آمنے سامنے ہوئیں دو جماعتیں ﴿نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ﴾ پھر گیا وہ ایڑیوں کے بل ﴿وَقَالَ﴾ اور کہا ﴿إِنِّي بَرِيءٌ مِنْكُمْ﴾ بے شک میں بے زار ہوں تم سے ﴿إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ﴾ بے شک میں دیکھتا ہوں وہ مخلوق جو تم نہیں دیکھتے ﴿إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ﴾ بے شک میں ڈرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ﴿وَاللّٰهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

غزوۂ بدر کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ اس غزوہ میں جو چیزیں مسلمانوں کی کامیابی کا سبب بنیں اور قیامت تک مسلمانوں کی کامیابی کا ذریعہ ہیں ان میں سے بعض اہم چیزوں کا اللہ تعالیٰ ذکر فرماتے ہیں۔

میدانِ جنگ میں کامیابی کے راز

پہلی چیز: ﴿ فرمایا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً﴾ جب ملو تم یعنی ٹکر ہو

کافروں کے گروہ سے، مقابلہ ہو کافروں کے ساتھ ﴿فَاثْبُتُوْا﴾ پس ثابت قدم رہو۔ اور پہلے اسی سورت میں گزر چکا ہے کہ میدانِ جنگ میں پشت دکھانا جب کہ دشمن کا لشکر اپنے سے دگنا بھی ہو، گناہ کبیرہ ہے۔

دوسرا کام: ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ اور ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کثرت سے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی برکت سے مومن کے دل کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن میدانِ جنگ میں نعرۂ تکبیر کے علاوہ دوسرے اذکار آہستہ کرے اور ضرورت پیش آئے تو نعرۂ تکبیر بلند آواز سے لگائے۔

تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں روایت ہے کہ تین موقعوں پر اللہ تعالیٰ آواز کو بلند کرنا پسند نہیں کرتے ایک جہاد کے موقع پر کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر آہستہ کرو۔ دوسرا جنازے کے ساتھ جاتے ہوئے جو ذکر بھی کرو آہستہ کرو۔ تیسرا نمازوں کے بعد جو ذکر کرنا ہے آہستہ کرنا ہے۔ اور مسجد کے متعلق یہ مسئلہ کئی مرتبہ سن چکے ہو کہ جب مسجد میں ایک نمازی بھی نماز پڑھ رہا ہو بلند آواز سے قرآن شریف پڑھنا بھی جائز نہیں ہے۔ البتہ امام کو اجازت ہے کہ تعلیم کے لیے ذکر بلند آواز سے بتا سکتا ہے کہ اس طرح کرو اور اس طرح پڑھو اور ذکر کے لیے بڑی سہولتیں ہیں کہ وضو شرط نہیں، قبلہ کی طرف رخ کرنا شرط نہیں ہے، بیٹھ کے کرنا شرط نہیں ہے، چلتے پھرتے کر سکتے ہو، لیٹے ہوئے کر سکتے ہو۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرو یہ تمہاری کامیابی کا بہت بڑا ذریعہ ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

تیسرا کام: ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ انھوں نے جو کچھ فرمایا ہے وہ حق ہے اس کی تعمیل ضروری ہے۔ اور آپس میں جھگڑا نہ کرو

چوتھا کام: ﴿وَلَا تَنَازَعُوْا﴾ اور آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ اس لیے کہ اگر تم نے جھگڑا کیا تو ﴿فَتَفْشَلُوْا﴾ کمزور ہو جاؤ گے، بزدل ہو جاؤ گے تمہاری قوت بکھر جائے گی ﴿وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اتحاد اتفاق میں جو برکت ہے وہ انتشار میں نہیں ہے۔ اگر نظریاتی باتیں ہیں تو ایک دوسرے کو گوارا کرو یہ کامیابی کا گر رب تعالیٰ نے بتایا ہے ﴿وَاصْبِرُوْا﴾ اور صبر کرو۔ راہِ حق میں تکلیفیں آئیں گی، زخمی ہو گے، شہید بھی ہو گے، طرح طرح کی چیزیں ہوں گی صبر کرو۔ یہ وہ اصول ہیں کہ ان پر عمل کرنے والا ان شاء اللہ تعالیٰ کامیاب ہو گا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اس کا وعدہ ہے کہ وہ صبر کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے اور اس کا یہ بھی حکم ہے کہ تکبر اور غرور نہ کرو تکبر بہت بری چیز ہے۔ تکبر کا معنی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو بڑا سمجھے اور دوسروں کو حقیر اور گھٹیا سمجھے اور یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ اگر وہ تکبر کو حلال سمجھتا ہے تو پھر تو وہ کافر ہے اور کافر جنت میں کبھی نہیں جائے گا اور اگر حرام اور گناہ سمجھتے ہوئے کرتا ہے تو اس کو جنت میں دخولِ اول نصیب نہیں ہو گا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کتنے سالوں کے بعد جنت کا دخول نصیب ہو گا۔ لہٰذا تکبر سے بچو کسی کو حقیر نہ سمجھو اور کسی کی صحیح بات کو نہ ٹھکراؤ۔

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ﴾ اور نہ ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح ﴿خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا﴾ جو نکلے اپنے گھروں سے یعنی مکہ مکرمہ سے اکڑتے ہوئے، تکبر کرتے ہوئے اپنی قوت کے نشے میں ﴿وَّرِئَآءَ النَّاسِ﴾ اور لوگوں کو دکھانے کے لیے۔ ڈھول بجا رہے تھے، عورتیں ناچ رہی تھیں، بھنگڑا ڈالتے ہوئے مکہ مکرمہ سے نکلے بڑا عجیب منظر تھا۔ ﴿وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور وہ روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے۔ یہ سب کچھ انھوں نے اسلام کے مقابلے کے لیے کیا۔ پھر ان کا جو حشر ہوا وہ آپ تفصیلاً سن چکے ہیں کہ ستر مارے گئے، ستر گرفتار ہوئے اور باقیوں کو بھاگنے کے لیے راستہ نہ ملا ﴿وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جو وہ عمل کرتے ہیں اس کا احاطہ کرنے والا ہے۔ علم کے لحاظ سے بھی اور قدرت کے لحاظ سے بھی۔

سراقہ ابن مالک کا واقعہ

اگلی آیت کریمہ میں ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ قریش مکہ جب بدر کے لیے نکلنے لگے تو انہیں یہ خیال آیا کہ سراقہ ابن مالک کنانی سے ہمارا اختلاف ہے۔ سراقہ ابن مالک قبیلہ بنو بکر جو عرب کے قبائل میں سے بڑا مشہور اور لڑاکا قبیلہ تھا اور اس کی شاخیں دور دراز تک پھیلی ہوئی تھیں یہ اس قبیلے کا سردار تھا اور مکے والوں کو وہ کئی دفعہ دھمکیاں دے چکا تھا کہ میں تمہارے ساتھ نمٹ لوں گا۔ تو مشرکین مکہ پریشان ہوئے کہ ہم سارے جا رہے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے چلے جانے کے بعد سراقہ ہماری عورتوں اور بچوں کو قید کر کے لے جائے۔ کیوں کہ دشمن ایسے موقع سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ جب سولہ سو ساتھیوں کے ہمراہ غزوۂ خیبر کے لیے تشریف لے گئے تو قبیلہ بنو اسد اور قبیلہ بنو غطفان جو مشرکوں کے قبیلے تھے انھوں نے یہودیوں کے ساتھ مل کر مشورہ کیا کہ لڑنے والے مسلمان تو سارے جا چکے ہیں لہٰذا مدینہ طیبہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کی عورتوں کو قید اور بچوں کو ختم کر دو۔ ان میں جو بوڑھے تھے ان میں سے بعض نے کہا کہ دیکھو! محمد (ﷺ) بڑے دانا اور سمجھ دار آدمی ہیں اور اس بات کو تم سب تسلیم کرتے ہو۔ وہ خیبر گئے ہیں تو پچھلوں کا کوئی انتظام کر کے گئے ہوں گے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ عورتوں اور بچوں کو بے آسرا چھوڑ کر چلے جائیں۔ اتنی بات سنتے ہی سب کی ہمت پست ہو گئی۔

اسی طرح مکے والے اس بات سے پریشان ہوئے اور ان کے بڑے بڑے حضرات دار الندوہ میں اکٹھے ہوئے۔ اسی سوچ بچار میں تھے کہ ابلیس لعین سراقہ ابن مالک کی شکل میں آیا اور جنات کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ وہ جو شکل چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔ انسان کی، گدھے کی اور بلی وغیرہ کی۔ یہ جو بعض سیانے لوگ کہتے ہیں کہ میں نے بڈاوہ دیکھا ہے وہ حقیقت میں جن ہوتا ہے۔ تو ابلیس لعین سراقہ ابن مالک کی شکل اختیار کر کے آیا اور اس کے ساتھ اور کافی شیاطین انسانوں کی شکل میں آئے۔ کہنے لگا دیکھو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میری وجہ سے پریشان ہو۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے تمہاری ہماری گھر کی لڑائیاں ہیں یہ ہوتی رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ اس وقت تم محمد (ﷺ) کے مقابلے میں جا رہے ہو وہ تمہارا ہمارا مشترکہ دشمن ہے۔ میں بہت خوش ہوں میرے ساتھ مختلف برادریوں کے لوگ ہیں ہم سب تمہارے ساتھ لڑنے کے لیے جائیں گے۔

نعرے شروع ہو گئے سراقہ زندہ باد، سراقہ زندہ باد، سراقہ زندہ باد۔

مکے والے خوش ہوئے کہ خطرہ ٹل گیا ہے بلکہ وہ ہمارا معاون بن گیا ہے۔ یہ جعلی سراقہ بدر تک اپنی فوج سمیت ساتھ گیا۔ تفسیر اور حدیث کی کتب میں آتا ہے کہ ابوجہل قیادت کر رہا تھا اور سراقہ (ابلیس) کا ایک ہاتھ ابوجہل کے ہاتھ میں تھا اور ایک روایت میں آتا ہے اس کا ہاتھ ابوجہل کے بھائی حارث ابن ہشام کے ہاتھ میں تھا۔ یہ ۸ ھ میں مسلمان ہو گئے تھے۔

جس وقت بدر میں تین ہزار فرشتے نازل ہوئے اور جعلی سراقہ ابلیس لعین اور اس کے فوجیوں نے دیکھے تو ہاتھ چھڑا کر بھاگا اور کہنے لگا تم جانو اور تمہارا کام مجھے وہ مخلوق نظر آ رہی ہے جو تمھیں نظر نہیں آ رہی۔ ابلیس کو پتا تھا کہ جبرئیل اور میکائیل میری بھی ٹھکائی کریں گے لہٰذا بھاگ گیا۔ اس کا ذکر ہے۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِذْ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ﴾ اور جس وقت مزین کیا ان کے لیے شیطان نے ان کے اعمال کو کہ ان کو کہا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں ﴿وَقَالَ﴾ اور کہنے لگا ﴿لَا غَالِبَ لَكُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ﴾ نہیں غالب آئے گا تم پر آج کے دن لوگوں میں سے کوئی بھی۔ خود تم ہی کافی ہو ﴿وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ﴾ اور بے شک میں تمہارا مددگار ہوں ﴿فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ﴾ پس جب آمنے سامنے ہوئیں دو جماعتیں۔ مومنوں کی اور کافروں کی بدر کے مقام پر ﴿نَكَصَ عَلٰی عَقِبَیْهِ﴾ پھر گیا وہ ایڑیوں کے بل۔ الٹے پاؤں بھاگا ﴿وَقَالَ﴾ اور کہنے لگا ﴿اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ﴾ بے شک میں بے زار ہوں تم سے ﴿اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ﴾ بے شک میں دیکھتا ہوں وہ مخلوق جو تم نہیں دیکھتے۔ مجھے فرشتے نظر آ رہے ہیں ﴿اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ﴾ بے شک میں ڈرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے کہ اس کے فرشتے مجھے ماریں گے، پٹائی کریں گے۔ لوگوں نے بہت کہا او سراقہ! کہاں جا رہے ہو؟ کہنے لگا اب وضو ٹوٹ گیا ہے ٹھہر نہیں سکتا۔ لوگوں نے طعنے بھی دیے، بہت کچھ کہا لیکن اس نے کسی کی کوئی بات نہ سنی۔ ﴿وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ آج میری پٹائی ہو جائے گی یہ کہہ کر شیطان بھاگ گیا۔ شیطان، شیطان ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے پھندوں سے سب کو بچائے اور محفوظ رکھے۔

﴿اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ جب کہنے لگے منافق ﴿وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے ﴿غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ﴾ دھوکے میں ڈالا ہے ان کو ان کے دین نے ﴿وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ﴾ اور جو بھروسا کرے اللہ تعالیٰ پر ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے ﴿وَلَوْ تَرٰٓی﴾ اور اگر اے مخاطب! تو دیکھے ﴿اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ جس وقت جان نکالتے ہیں ان لوگوں کی جو کافر ہیں، فرشتے ﴿یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ﴾ مارتے ہیں ان کے مونہوں پر اور ان کی پشتوں پر ﴿وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ﴾ اور چکھو جلانے والا عذاب ﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ﴾ یہ اس سبب سے جو آگے بھیجا ہے تمہارے

ہاتھوں نے ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ نہیں ہے ظلم کرنے والا اپنے بندوں پر ﴿كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ ان لوگوں کی عادت ہے جیسے عادت تھی فرعونیوں کی ﴿وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اور ان لوگوں کی جو ان سے پہلے تھے ﴿كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ انکار کیا انھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا ﴿فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ﴾ پس پکڑا ان کو اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کے بدلے ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ قوی ہے ﴿شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ سخت سزا دینے والا ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ سزا اس لیے دیتا ہے ﴿بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بدلنے والا ﴿نِّعْمَةً﴾ نعمت کو ﴿اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ﴾ جو نعمت دی ہے اس نے کسی قوم کو ﴿حَتّٰى یُغَیِّرُوْا﴾ یہاں تک کہ وہ خود بدل دیں ﴿مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ اس کو جو ان کے نفسوں میں ہے ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا ہے جاننے والا ہے ﴿كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ ان کی عادت ہے جیسے فرعونیوں کی تھی ﴿وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اور ان لوگوں کی جو ان سے پہلے تھے ﴿كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ﴾ جھٹلایا انھوں نے اپنے رب کی آیتوں کو ﴿فَاَهْلَكْنٰهُمْ﴾ پس ہم نے ان کو ہلاک کیا ﴿بِذُنُوْبِهِمْ﴾ ان کے گناہوں کے بدلے میں ﴿وَ اَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ﴾ اور ہم نے غرق کیا فرعونیوں کو ﴿وَ كُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ﴾ اور یہ سب کے سب ظلم کرنے والے تھے۔

ماقبل سے ربط

غزوۂ بدر کا ذکر چلا آرہا ہے۔ مدینہ طیبہ میں یہودی بھی آباد تھے عیسائی اور مشرک بھی رہتے تھے۔ یہودیوں میں سے بہت سے لوگ بظاہر یعنی زبانی طور پر کلمہ پڑھ کر مسلمانوں میں شامل ہو گئے مگر دل سے اسلام کو قبول نہ کیا۔ یہ منافقین بھی موجود تھے۔ مجاہدین کا لشکر جب بدر کے لیے روانہ ہوا تو مجاہدین کی یہ حالت تھی کہ کوئی ننگے پاؤں تھا، کسی کے سر پر ٹوپی پگڑی نہیں تھی، سخت گرمی کا زمانہ تھا اور عجب یہ کہ صرف آٹھ تلواریں ہیں۔ حالاں کہ اس وقت عرب کا عام دستور تھا کہ لوگ تلوار ہاتھ میں رکھتے تھے۔ جیسے: یہاں لوگ لاٹھی ہاتھ میں رکھتے ہیں مگر ناداری اور مفلسی کی وجہ سے تلواریں بھی نہیں تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے روانگی کے وقت دعا فرمائی۔ یہ بھوکے، ننگے، نہتے جب وہاں سے روانہ ہوئے تو یہودیوں، مشرکوں اور منافقوں نے آوازیں کسیں، طعنے دیے کہ یہ مکہ فتح کرنے کے لیے جا رہے ہیں، یہ بہادر ہیں ان کی گردنیں اتاریں گے اور ان کو گرفتار کر کے لائیں گے اور ان کا مال کھائیں گے۔ ان کی طرف اشارہ کرتے اور عجیب عجیب قسم کے طعنے دیتے اور اتنی بات تو ظاہر تھی کہ ایک طرف ساری دنیائے عرب تھی اور دوسری طرف یہ تین سو تیرہ تھے بظاہر کوئی نسبت نہیں تھی۔

مشرکین کے طعنے کا جواب

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کے طعنے کا جواب دیا ہے اور منافقین کی تردید فرمائی ہے۔ فرمایا ﴿اِذْ یَقُوْلُ

الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ جب کہنے لگے منافق ﴿وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کفر شرک کی ﴿غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ﴾ دھوکے میں ڈالا ہے ان کو ان کے دین نے۔ یہ چند مٹھی بھر عرب کو فتح کرنے کے لیے جا رہے ہیں، قریش مکہ پر غلبہ پانے کے لیے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا بڑا مختصر سا جواب دیا ﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ اور جو بھروسا کرے اللہ تعالیٰ پر ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔ جانے والوں کا رب تعالیٰ پر بھروسا ہے جو کچھ میسر تھا وہ لے لیا ہے، آگے رب تعالیٰ کا کام ہے نتیجہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ توکل کا معنیٰ ہے ظاہری اسباب اختیار کرنے کے بعد نتیجہ رب تعالیٰ پر چھوڑ دینا۔ اگر ظاہری اسباب اختیار نہ کیے جائیں تو اس کو تعطل کہتے ہیں یہ توکل نہیں ہے۔ شاعر نے توکل کا مفہوم بیان کیا ہے کہ ؎

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
پھر اس خنجر کی تیزی کو مقدر کے حوالے کر

تو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو دین نے دھوکے میں نہیں ڈالا بلکہ ان کا رب تعالیٰ کی ذات پر توکل ہے۔ فرمایا آج تو یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ ٹھٹھا کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے ﴿وَلَوْ تَرٰٓى﴾ اور اگر اے مخاطب! تو دیکھے ﴿اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ جس وقت جان نکالتے ہیں ان لوگوں کی جو کافر ہیں، فرشتے جس وقت جان قبض کرتے ہیں ﴿يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ﴾ مارتے ہیں ان کے مونہوں پر اور ان کی پشتوں پر۔ تفسیروں میں لکھا ہے مَقَامِعَ مِنْ حَدِيْدٍ کہ لوہے کے ہتھوڑوں سے مارتے ہیں مونہوں پر بھی اور پشتوں پر بھی۔ لیکن ساتھ کھڑے ہوئے ڈاکٹروں، حکیموں اور گھر کے افراد کو کچھ پتا نہیں چلتا کہ مرنے والے کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے غیب میں رکھی ہیں ان کو اسی طرح ماننے کا نام ایمان بالغیب ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں دکھا دے تو پھر ایمان بالغیب تو نہ رہا۔

تو یاد رکھنا! جان نکالتے وقت فرشتے سوال جواب کرتے ہیں، گفتگو ہوتی ہے، مار پڑتی ہے، یہ سب کچھ حق ہے اور کہتے ہیں ﴿وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ﴾ اور چکھو جلانے والا عذاب۔ قبر میں جانے کے بعد دوزخ جنت سامنے آ جاتی ہے، حساب و کتاب شروع ہو جاتا ہے۔ لوگ قیامت کو دور سمجھتے ہیں حالاں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ)) "جو فوت ہوا تحقیق اس کی قیامت برپا ہو گئی۔"

فرمایا ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ جو سزا تم کو ہو رہی ہے ﴿بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾ یہ اس سبب سے جو آگے بھیجا ہے تمہارے ہاتھوں نے اعمال سے، جو تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ نہیں ہے ظلم کرنے والا اپنے بندوں پر ذرہ برابر بھی۔ بدلہ تو تمھیں ملے گا کفر شرک کا اور حق کے ساتھ ٹکرانے کا۔

﴿كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ ان لوگوں کی عادت ہے جیسے عادت تھی فرعونیوں کی ﴿وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اور ان لوگوں کی جو ان سے پہلے تھے۔ جیسے: نمرود، قومِ صالح، قومِ ثمود، قومِ نوح ان کی عادت بھی ایسے ہی تھی کہ ﴿كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ انکار کیا

اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا۔ آیات سے مراد آسمانی کتابیں اور صحیفے بھی ہو سکتے ہیں اور معجزے بھی ہو سکتے ہیں۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی کتابوں کو بھی جھٹلایا اور معجزات کو جادو کہہ کر رد کر دیا حالاں کہ خاص معجزات ان کے مطالبے پر ظاہر کیے گئے۔

قرآن پاک میں متعدد مقامات پر آتا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں تو جس چٹان پر ہم ہاتھ رکھیں وہ پھٹ جائے اور اس سے اونٹنی نکل آئے اور بعض تفسیروں میں ہے کہ اس کے ساتھ ایک بچہ بھی ہو۔ فرمایا ﴿اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ﴾ [العنکبوت: ۵۰] یہ معجزات رب کے اختیار میں ہیں لیکن اگر اللہ تعالیٰ میری تائید کے لیے ظاہر کر دے تو مان لوگے؟ کہنے لگے کیوں نہیں مانیں گے۔ وقت مقرر ہوا، حِجر شہر والے سب مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان بھنگڑا ڈالتے، ناچتے کودتے اور مذاق اُڑاتے ہوئے جمع ہوئے کہ آج چٹان سے اونٹنی نکلنی ہے۔ اُنھوں نے جس چٹان پر ہاتھ رکھا اسی سے اونٹنی نکل آئی۔ فرمایا ﴿هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً﴾ [الاعراف: ۷۳] "یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے۔" لیکن ایمان کوئی بھی نہ لایا کہنے لگے جادو ہے اور انکار کر دیا۔

﴿فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ﴾ پس پکڑا ان کو اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کے بدلے ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ قوی ہے سخت سزا دینے والا ہے۔ یہ سزا کیوں دیتا ہے؟ ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ اس لیے ہے ﴿بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بدلنے والا ﴿نِّعْمَةً﴾ نعمت کو ﴿اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ﴾ جو نعمت دی ہے اس نے کسی قوم کو ﴿حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ یہاں تک کہ وہ خود بدل دیں اس کو جو ان کے نفسوں میں ہے۔ اسی کا ترجمہ مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے کیا ہے ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اُنھوں نے رب تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کی، جھٹلایا، پیغمبروں کا مقابلہ کیا تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوئے ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا ہے جاننے والا ہے۔

﴿كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان کی عادت ہے جیسے فرعونیوں کی تھی اور ان لوگوں کی جو ان سے پہلے تھے کہ ﴿كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ﴾ جھٹلایا اُنھوں نے اپنے رب کی آیتوں کو۔ فرعون کا دربار لگا ہوا تھا اور فرعون بہت اُونچے تخت پر کرسی کے اوپر بیٹھا تھا تاج پہنے ہوئے۔ دائیں بائیں اس کے وزیر، مشیر اور عملے کے لوگ بیٹھے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے کہا اگر آپ سچے ہیں تو نشانی لاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام نے جس وقت عصا ڈالا وہ اژدہا بن گیا اور فرعون کی طرف بڑھا فرعون بدحواس ہو کر نیچے گر پڑا اور کرسی اس کے اوپر۔ عجیب منظر تھا فرعون کے ڈر کے مارے وہاں سے کوئی باہر نہیں گیا کیوں کہ فرعون بڑا ظالم جابر تھا ﴿كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ [الدخان: ۳۱] کہ اگر ہم باہر گئے تو بعد میں ہم سے پوچھے گا کہ مجھ پر سختی کا وقت آیا تھا تو بھاگ گئے تھے۔ لیکن فرعون یہ سب کچھ دیکھ کر کہنے لگا ﴿سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ "یہ کھلا جادو ہے۔" ہمیں بھی موقع دے ہم اس کا مقابلہ جادو کے ساتھ کریں گے۔

تو فرمایا کہ اُنھوں نے اپنے رب کی آیتوں کو جھٹلایا ﴿فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ﴾ پس ہم نے ان کو ہلاک کیا ان کے گناہوں کے بدلے میں ﴿وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ﴾ ورہم نے غرق کیا فرعونیوں کو۔ فرعون، ہامان اور ان کا لشکر بحر قلزم میں غرق کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کے ساتھی بنی اسرائیل کے لیے خشک راستے بنا کر دریا عبور کرا دیا اور فرعونی جس وقت داخل ہوئے تو رب تعالیٰ نے پانی کو حکم دیا وہ چل پڑا یہ غرق ہو کر سیدھے جہنم رسید ہوئے۔ فرعون کی لاش کے علاوہ کوئی لاش باہر نہیں نکلی۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے بطور نشانی کے باہر نکالا اور باقی رکھا کہ لوگ دیکھیں کہ یہ وہ تھا جو کہتا تھا ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ "میں تمھارا رب الاعلیٰ ہوں۔" یہ اس کا حال ہے فرعون کی لاش مصر کے عجائب گھر میں محفوظ ہے ﴿وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ﴾ اور یہ سب کے سب ظلم کرنے والے تھے۔ رب تعالیٰ نے سب کو تباہ اور برباد کیا۔

~~~

﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ بے شک بدترین جانور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں ﴿فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ پس وہ ایمان نہیں لاتے ﴿اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ﴾ وہ لوگ ہیں جن سے آپ نے معاہدہ کیا ﴿ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ﴾ پھر وہ توڑتے ہیں اپنے عہد کو ﴿فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ﴾ ہر مرتبہ ﴿وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ﴾ اور وہ ڈرتے نہیں عہد شکنی سے ﴿فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ﴾ پس اگر آپ پائیں ان کو لڑائی کے موقع پر ﴿فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ﴾ پس بھگا دیں ان کی وجہ سے ان کو جو ان کے پیچھے ہیں ﴿لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً﴾ اور اگر آپ خوف محسوس کریں کسی قوم سے خیانت کا ﴿فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ﴾ پس پھینک دیں ان کی طرف برابری پر ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا خیانت کرنے والوں کو ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور نہ خیال کریں وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ﴿سَبَقُوْا﴾ کہ وہ ہمارے ہاتھ سے نکل گئے ہیں ﴿اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ﴾ بے شک وہ عاجز نہیں کر سکتے ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ﴾ اور تیار رکھو ان کے لیے ﴿مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ جو تم طاقت رکھتے ہو قوت ﴿وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾ اور باندھے ہوئے گھوڑوں سے ﴿تُرْهِبُوْنَ بِهٖ﴾ ڈراؤ تم اس قوت کے ذریعے ﴿عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو ﴿وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ﴾ اور دوسروں کو جو ان کے علاوہ ہیں ﴿لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ﴾ تم ان کو نہیں جانتے ﴿اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ﴾ اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے ﴿فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿يُوَفَّ اِلَيْكُمْ﴾ اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا تم کو ﴿وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔
~~~

خاندانِ یہود کی عہد شکنی !

مدینہ طیبہ میں مختلف فرقے رہتے تھے۔ مگر اکثریت اور اقتدار یہودیوں کے پاس تھا تجارت اور سیاست پر انہی کا کنٹرول تھا ان کے مقابلہ میں اوس اور خزرج مشرک قبیلے تھے مگر یہ بھی یہودیوں کے محکوم تھے اپنے بچے بچی کی شادی بھی اپنی مرضی سے نہیں کر سکتے تھے جب تک اپنے محلے کے یہودی رئیس سے اجازت نہیں لے لیتے تھے اور یہودیوں سے قرض لے کر کھاتے تھے۔ یہودیوں کے تین خاندان تھے بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ۔ بنوقریظہ نے کئی دفعہ آنحضرت ﷺ سے معاہدہ کیا کہ ہم آپ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے اور کافروں کا ساتھ نہیں دیں گے آپ جانیں اور وہ جانیں ہم غیر جانبدار رہیں گے مگر وہ یہ معاہدہ ظاہری طور پر کرتے اور اندر اندر سے جڑیں کاٹتے تھے۔ انہی لوگوں کا اس مقام پر ذکر ہے۔

فرمایا ﴿ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ "دَوَابّ" جمع ہے دَابَّةٌ کی اور دَابَّةٌ کا معنیٰ ہے زمین پر چلنے پھرنے والا جانور۔ اور جانور کا معنیٰ ہے جان والا اور طاقتور کا معنیٰ ہے طاقت والا، نامور کا معنیٰ ہے نام والا، شہرت والا، انسان بھی جانور ہے۔ معنیٰ ہوگا بے شک بدترین جانور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ﴿اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں۔ زمین پر نقل و حرکت کرتے، چلتے پھرتے ہیں ﴿فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ پس وہ ایمان نہیں لاتے ﴿اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ﴾ وہ لوگ ہیں جن سے آپ نے معاہدہ کیا ﴿ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ﴾ پھر وہ توڑتے ہیں اپنے عہد کو ہر مرتبہ ﴿وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ﴾ اور وہ ڈرتے نہیں عہد شکنی سے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو خطاب فرمایا ہے ﴿فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ﴾ پس اگر آپ پائیں ان کو لڑائی کے موقع پر ﴿فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ﴾ پس بھگا دیں ان کی وجہ سے ان کو جو ان کے پیچھے ہیں یعنی ان کو ایسی مار ماریں کہ جس سے پچھلے بھی بھاگ جائیں۔ لڑائی کے موقع پر ان سے نرمی نہ کرو تاکہ نرمی سے یہ غلط فائدہ نہ اٹھائیں خوب سختی کرو ﴿لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں کہ لڑائی کا یہ مزہ ہے۔ اگر نرمی کی جائے گی تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا ﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً﴾ اور اگر آپ خوف محسوس کریں کسی قوم سے خیانت کا معاہدہ میں کہ وہ معاہدے کی خلاف ورزی کریں گے ﴿فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ﴾ پس پھینک دیں ان کی طرف ان کے عہد کو برابری پر۔ ان کو اطلاع بھیج دو کہ ہمارے تمہارے درمیان معاہدہ نہیں رہا یعنی معاہدے کی منسوخی کا اعلان کر دیں۔ خفیہ طریقے سے ان کے خلاف کارروائی نہ کرو۔

معاہدہ کی پاسداری !

رومیوں کے ساتھ صلح ہوئی تھی اور معاہدہ طے پایا تھا کہ اتنی مدت تک ہم آپس میں نہیں لڑیں گے۔ ابھی معاہدہ کی مدت کے کچھ دن باقی تھے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو سرحد کی طرف مارچ کرنے کا حکم دے دیا کہ جب وقت ختم ہوگا حملہ کر دیں گے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود لشکر کی کمان کر رہے تھے۔ ابوداؤد شریف میں روایت ہے حضرت عمرو ابن عبسہ رضی اللہ عنہ جو تھے۔ پانچویں نمبر کے صحابی ہیں یہ بزرگ ترکی گھوڑے پر سوار دوڑتے ہوئے پیچھے گئے اور آواز دی اللّٰه اللّٰه وَفَآءٌ لَا غَدَرٌ

"اللہ تعالیٰ سے ڈرو، وعدہ پورا کرو، غداری نہ کرو۔" لوگوں نے پیچھے دیکھا فرمایا میں نے آنحضرت ﷺ سے ان کانوں سے سنا ہے کہ معاہدے کے وقت جو پوزیشن کسی فریق کی ہو وہ معاہدے کے ختم ہونے تک اس پوزیشن کو بدل نہیں سکتا۔ جہاں پہلے فوجیں تھیں معاہدے کے ختم ہونے تک وہیں رہیں گی۔ تم نے مارچ کیوں کیا ہے؟ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فوجیوں کو حکم دیا کہ فوراً واپس چلے جاؤ آنحضرت ﷺ کا حکم سر آنکھوں پر۔

لہٰذا اگر تمہارا کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہے تو ان کو باقاعدہ اطلاع دو کہ تم نے چونکہ خیانت کی ہے لہٰذا ہم نے معاہدہ ختم کر دیا ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا خیانت کرنے والوں کو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور نہ خیال کریں وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ﴿سَبَقُوْا﴾ کہ وہ ہمارے ہاتھ سے نکل گئے ہیں۔ اگر ان کو فوری سزا نہیں ملی تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ ہماری قدرت سے نکل گئے ہیں مہلت سے غلط فائدہ نہ اٹھائیں ﴿اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ﴾ بے شک وہ عاجز نہیں کر سکتے رب تعالیٰ کو اپنے فیصلوں سے۔ جو فیصلہ وہ کرے گا وہی ہوگا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ اور تیار رکھو کافروں کے لیے جو تم طاقت رکھتے ہو قوت۔

جنگی تیاریاں

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ دشمن کے خلاف مکمل جنگی تیاری کرو۔ مسلمانوں کو جس طرح نماز پڑھنے کا اور زکوٰۃ دینے کا حکم ہے اسی طرح ہتھیار رکھنے اور دشمن کے خلاف پوری تیاری کرنے کا حکم ہے اسلامی حکومت میں اسلحہ کا کوئی لائسنس نہیں ہے یہ سب انگریز کی سزا ہے۔ قرآن کریم کے کسی حکم پر عمل کرنے کے لیے لائسنس نہیں ہے ہاں! اگر کوئی شرارتی ہے، ڈاکو ہے، دہشت گرد، فتنہ انگیز ہے تو اس کی نگرانی کرو جرم ثابت ہو جائے تو سزا دو اور اس پر پابندی لگا دو۔ اور جس سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے اس پر قطعاً کوئی پابندی نہیں ہے۔

﴿وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾ اور باندھے ہوئے گھوڑوں سے۔ جہاد کے آلات میں سے ایک گھوڑا بھی ہے آج بھی باوجود اس ترقی کے پہاڑی علاقوں میں سامان پہنچانے اور مجاہدین کے آنے جانے کے لیے گھوڑا ایک ضرورت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے گھوڑے کی پیشانی کے ساتھ قیامت کے دن تک خیر باندھی ہوئی ہے۔" تو جنگی تیاری رکھنا، گھڑ سواری سیکھنا، ہتھیاروں کو چلانا اور سیکھنا مسلمان کے فرائض میں داخل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے تیر اندازی سیکھی اور پھر بھول گیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اس زمانے میں تیر اندازی بڑا ہتھیار تھا آج کل دوسرے ہتھیار ہیں گاڑیاں ہیں ان کا چلانا سیکھنا اور تیراکی وغیرہ سیکھنا مسلمان کے فرائض میں سے ہے اور یہ اسلام ہے۔

﴿تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ ڈراؤ تم اس قوت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو ﴿وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ﴾ اور دوسروں کو جو ان کے علاوہ ہیں ﴿لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ﴾ تم ان کو نہیں جانتے۔ چور ڈاکو ہیں کہ ان کو معلوم ہو کہ فلاں گھر

میں اسلحہ ہے تو بہت کم ہمت کرتے ہیں اس گھر میں داخل ہونے کی اور نہتے گھروں پر بے باکی کے ساتھ حملہ کرتے ہیں اور لوٹ کر لے جاتے ہیں۔ حکومت کا فریضہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے ہتھیاروں کی اجازت دے دے اور لائسنس کی پابندی ختم کر دے۔ ہاں! چوروں ڈاکوؤں پر پابندی لگائے۔ مگر یہاں تو مصیبت یہ ہے کہ شرفاء پر پابندی ہے اور شریروں کو اجازت ہے۔ فرمایا تم ان کو نہیں جانتے ﴿اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ اسلحہ مال کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ﴾ اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے ﴿فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿يُوَفَّ اِلَيْكُمْ﴾ اس کا پورا پورا بدلا دیا جائے گا تم کو۔ اگر کوئی شخص اپنے گھر کی حفاظت کے لیے بندوق، کلاشنکوف خریدتا ہے تو یہ جتنے پیسے خرچ کیے ہیں یہ فی سبیل اللہ کی مد میں ہیں ان کا اس کو اجر ملے گا۔ یقین جانو کہ انسان کا ایمان، اعتقاد درست ہو اور وہ نماز روزے کا پابند ہو تو اس کا ہر کام عبادت ہے۔ یہاں تک کہ سونا بھی عبادت ہے، جاگنا بھی عبادت ہے اور کھانا پینا بھی عبادت ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ بیوی کے منہ میں جو لقمہ ڈالتے ہو اس پر تمہیں باقاعدہ صدقے کا ثواب ملے گا حالانکہ بیوی کا خرچہ تم پر فرض ہے۔ چھوٹے بہن بھائیوں، ماں باپ، مہمانوں کو کھلانے پر ثواب ہے۔ اور اگر بوجھ سمجھ کر اور ناک بھوں چڑھا کر کرو گے تو پھر کچھ ثواب نہیں ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔" ﴿وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا کہ تم نیکی کرو اور بدلہ نہ ملے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرو اور بدلہ نہ ملے ایسا نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت بڑی وسیع ہے اللہ تعالیٰ کے خزانے بڑے وسیع ہیں تمہیں پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

~~~~~

﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ﴾ اور اگر وہ کافر مائل ہوں صلح کے لیے ﴿فَاجْنَحْ لَهَا﴾ تو آپ بھی مائل ہو جائیں اس کے لیے ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ اور بھروسا کریں اللہ تعالیٰ پر ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ بے شک وہی سننے والا جاننے والا ہے ﴿وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا﴾ اور اگر وہ کافر ارادہ کریں اَنْ يَّخْدَعُوْكَ﴾ کہ آپ کو دھوکا دیں ﴿فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ﴾ پس بے شک کافی ہے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ﴾ وہی ہے جس نے آپ کی تائید کی اپنی مدد کے ساتھ ﴿وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور مومنوں کے ساتھ ﴿وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ﴾ اور اُلفت ڈال دی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ﴿لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ اگر آپ خرچ کرتے جو کچھ زمین میں ہے سارا ﴿مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ﴾ تو نہ الفت ڈال سکتے ان کے دلوں میں ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے الفت ڈال دی ان کے درمیان ﴿اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ اے نبی کریم
~~~~~

صلی اللہ علیہ وسلم! ﴿حَسْبُكَ اللّٰهُ﴾ کافی ہے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ ﴿وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور ان کے لیے جنھوں نے پیروی کی آپ کی مومنوں میں سے ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ابھاریں ایمان والوں کو ﴿عَلَى الْقِتَالِ﴾ لڑائی پر ﴿اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ﴾ اگر ہوں گے تم میں سے ﴿عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ﴾ بیس صبر کرنے والے ﴿يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ﴾ غالب آئیں گے دوسو پر ﴿وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ﴾ اور اگر ہوں گے تم میں ایک سو ﴿يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا﴾ غالب آئیں گے ایک ہزار پر ﴿مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ان لوگوں میں سے جنھوں نے کفر کیا ﴿بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ﴾ بے شک وہ ایسی قوم ہے جو نہیں سمجھتی۔

دشمنوں سے صلح کی ضرورت

اس سے قبل کافروں کے خلاف جہاد کی تیاری کا حکم تھا کہ اپنی طاقت کے مطابق اسلحہ اور سواریوں کا بندوبست کرو۔ بعض دفعہ دشمنوں سے صلح کی ضرورت بھی پیش آجاتی ہے اس لیے اب صلح کا ضابطہ بیان فرماتے ہیں۔ فرمایا ﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ﴾ اور اگر وہ کافر مائل ہوں، آمادہ ہوں صلح کے لیے ﴿فَاجْنَحْ لَهَا﴾ تو آپ بھی مائل ہو جائیں صلح کے لیے۔ قرآنِ کریم کی یہ آیت کریمہ بتلا رہی ہے کہ صلح میں پہل تم نے نہیں کرنی کافر پہل کریں تو صلح کر لو۔ کیوں کہ اگر تم صلح کی پیش کش کرو گے تو اس میں تمہاری کمزوری کا احساس ہوگا۔ کافر یہ سمجھیں گے کہ کمزور ہیں اس لیے صلح کا پیغام دے رہے ہیں حالانکہ مسلمان کو کسی بھی مقام پر کمزوری نہیں دکھانی چاہیے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جہاد کے میدان میں کوئی مجاہد اکڑ کر چلے تو اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتے ہیں چاہے وہ جسمانی طور پر کمزور ہی کیوں نہ ہو تاکہ کافروں کو احساس ہو کہ یہ بڑا پہلوان ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم طواف کے دوران میں مسجد حرام کا ادب کرتے ہوئے آہستہ آہستہ چلتے تھے اس وقت مسجد اتنی وسیع نہیں تھی لوگ اطراف میں اونچی جگہ بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ کہنے لگے وَهَنَتْهُمْ حُمّٰى يَثْرِبَ "ان کو یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے۔" کہ یہ چلنے سے بھی رہ گئے ہیں ان کے اس طعن پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ طواف کرتے ہوئے اکڑ کر چلو جس کو رمل کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا دشمنوں کے سامنے اکڑ کر چلنا اتنا پسند آیا کہ پہلے تین چکروں میں اکڑ کر چلنا ضروری فرما دیا۔ یہ حکم مردوں کے لیے ہے۔ بہر حال کسی بھی مقام پر کافروں کے سامنے کمزوری کا اظہار نہیں ہونا چاہیے۔

حیرت انگیز واقعہ

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کی کمان میں ایک لشکر روانہ فرمایا اور مجاہدین کو حکم دیا کہ اپنے کمانڈر کی بات ماننا۔ انھوں نے پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ سخت سردی کا موسم تھا ان بے چاروں نے لکڑیاں

اکٹھی کیں کہ جلا کر سینکتے ہیں۔ حضرت ابن العاص رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا تو فرمایا خبردار! اگر کسی نے آگ جلائی تو میں اس کو تیر مار کر خود ختم کر دوں گا اور وجہ نہ بتلائی۔ کمانڈر کا حکم تھا آگ نہ جلائی ساری رات سردی میں گزاری اور سردی کی وجہ سے دانت بجتے رہے۔ صبح ہوئی تو دشمن دو پہاڑوں کے درمیان درے سے تیزی کے ساتھ بھاگا مجاہدین ان کے پیچھے بھاگنے لگے۔ حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ نے منع فرما دیا اور ایک لکیر کھینچ کر فرمایا کہ جو مجاہد اس لکیر کو عبور کرے گا میں اس کو تیر مار دوں گا۔ مجاہدین واپس آگئے اور ان کو یہ بات بھی سمجھ نہ آئی کہ ہمیں بھاگتے دشمن کا تعاقب کیوں نہیں کرنے دیا۔

خیر جب واپس آئے تو مجاہدین نے دونوں باتوں کی شکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کی کہ حضرت! ہمارے کمانڈر نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہے کہ سردی کی رات میں آگ نہیں جلانے دی اور دن کو ہم دشمن پر غلبہ پا چکے تھے اس کا تعاقب نہیں کرنے دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ بڑا سمجھ دار آدمی ہے اس کی بات میں ضرور کوئی حکمت ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر کو بلایا اور فرمایا کہ تیرے مجاہد تیرا شکوہ کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا حضرت! بات یہ ہے کہ میدان بڑا وسیع اور کھلا تھا اور دشمن بالکل ہمارے قریب اور تعداد میں ہم سے کئی گنا زیادہ تھا۔ اگر ہمارے ساتھی آگ جلاتے تو ان کو ہماری تعداد کا پتا چل جاتا۔ کیونکہ رات کی تاریکی کے سوا ہمارے اور ان کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں تھی اس لیے میں نے ان کو منع کیا کہ آگ نہ جلاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے بڑی دانائی سے کام لیا۔

حضرت! دوسری بات یہ تھی کہ دن کو وہ ہمارے آگے بڑی تیزی سے درّے کی طرف بھاگے حالاں کہ دشمن اتنی تیزی سے نہیں بھاگتا کچھ نہ کچھ ہاتھ پاؤں تو مارتا ہے۔ تو جب وہ بھاگے تو ہمارے ساتھی خوش ہو کر ان کے پیچھے بھاگے کہ ہم ان کو قابو کر لیں حالانکہ ان کی یہ سکیم تھی کہ جب ہم ان کے تعاقب میں درہ عبور کر لیں تو ان کے دوسرے ساتھی درے پر آجائیں اور بھاگنے والے رک کر ہم پر حملہ آور ہوں اور پیچھے والے بھی ہم پر حملہ کر دیں اور ہم درمیان میں قابو آجائیں۔ اس لیے میں نے ان کو ان کے پیچھے نہیں جانے دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر عطا فرمائے کہ تو نے اپنے ساتھیوں کو ضائع نہیں ہونے دیا۔

تو مسلمان کو کسی بھی مقام پر اپنی کمزوری کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔ اور صلح کا ضابطہ قرآنِ کریم نے یہ بیان کیا ہے کہ اگر کافر صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ اور بھروسا کریں اللہ تعالیٰ پر ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ بے شک وہی سننے والا جاننے والا ہے ﴿وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا﴾ اور اگر وہ کافر ارادہ کریں ﴿اَنْ يَّخْدَعُوْكَ﴾ کہ آپ کو دھوکا دیں صلح کے ذریعے کہ شاعر کہتا ہے ؎

صلح کیا ہے مہلتِ سامانِ جنگ ۔

کہ وہ صلح اس لیے کرتے ہیں کہ اپنی تیاری کر لیں۔ تو یاد رکھو ﴿فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ﴾ تو بے شک کافی ہے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ﴾ وہی ہے جس نے آپ کی تائید کی اپنی مدد کے ساتھ بدر اور دیگر مقامات پر ﴿وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور

مومنوں کے ساتھ ﴿وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ﴾ اور الفت ڈال دی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے دلوں میں ﴿لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾ اگر آپ خرچ کرتے جو کچھ زمین میں ہے سارا یعنی زمین کے سارے خزانے خرچ کرتے ﴿مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ﴾ تو نہ الفت ڈال سکتے ان کے دلوں میں ﴿وَلٰکِنَّ اللہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے الفت ڈال دی ان کے دلوں میں۔

اوس وخزرج کی لڑائیاں

مدینہ طیبہ میں اوس اور خزرج قبیلے صدیوں سے ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے معمولی معمولی باتوں پر جنگ چھڑ جاتی تھی اور کئی کئی سال تک لڑتے رہتے تھے۔ ایک لڑائی ان کی جس کو "حرب بُعاث" کہتے ہیں ایک سو بیس سال تک رہی۔ ایک لڑائی تھی "داحس" جو ترانوے (۹۳) سال تک رہی، ایک تھی "حرب بسوس" ترسیٹھ سال رہی۔ قریب قریب گھر تھے گھر سے نکلتے ایک دوسرے کو گھور کر دیکھتے اور جنگ شروع ہو جاتی۔ ان کا آپس میں اتفاق ممکن نہیں تھا۔ جیسے: آج کل امریکہ، فرانس اور برطانیہ نے مسلمان ممالک کے درمیان نفرت ڈالی ہوئی ہے۔ شام، مصر، لبنان، اردن، سعودیہ، کویت، یہ کافروں کے ساتھ مل سکتے ہیں آپس میں نہیں مل سکتے ایسا ذہن بنا دیا گیا ہے۔ یہی حال اوس وخزرج کا تھا۔

اسلام آیا تو یہ لوگ اکٹھے بیٹھ کر نمازیں پڑھتے، کھاتے پیتے، اٹھتے بیٹھتے۔ یہودی اور عیسائی حیران ہوتے کہ یہ لوگ ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے آج بھائی بھائی بن گئے ہیں، آپس میں رشتے نہیں کرتے تھے آج رشتے بھی کر رہے ہیں، آپس میں شیر وشکر ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے دلوں میں یہ محبت اور الفت میں نے ڈالی ہے۔ آپ ﷺ ساری زمین کے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تو ان کے دلوں میں محبت نہیں ڈال سکتے تھے ﴿اِنَّہٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔ ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللہُ﴾ اے نبی کریم ﷺ! کافی ہے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ ﴿وَمَنِ﴾ اور ان کے لیے بھی ﴿اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ جنھوں نے پیروی کی آپ کی مومنوں میں سے۔ حقیقی مددگار تو رب تعالیٰ ہے اور عالم اسباب میں ظاہری طور پر مدد کرنے والے مومن ہیں۔ اس لیے کافروں کی خیانت اور بد دیانتی سے نہ گھبرائیں البتہ اپنے ساتھیوں کو جنگ کے لیے تیار رکھیں۔

قتال پہ اُبھارنا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ﴾ اے نبی کریم ﷺ! ﴿حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ﴾ آپ اُبھاریں، آمادہ کریں، رغبت دیں ایمان والوں کو جہاد پر۔ کیوں کہ جب تک جہاد نہیں ہوگا اس وقت تک یہ کافر تمہارے قابو نہیں آئیں گے۔ جہاد ہی ایک ایسی چیز ہے جس کا کافروں پر رعب ہے۔ اس وقت امریکہ سمیت پوری دنیا کے کافر طالبان سے خوف زدہ ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کہ مسلمان موت سے نہیں ڈرتے بلکہ موت کو اپنی حقیقی زندگی سمجھتے ہیں اور ان کو بدنام کرنے کے لیے

کبھی کوئی اور کبھی کوئی شوشہ چھوڑتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ ﴾ اگر ہوں گے تم میں سے بیس صبر کرنے والے ﴿ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ﴾ غالب آئیں گے دوسو پر یعنی ایک اور دس کی نسبت ہے۔ایک مسلمان دس کافروں پر غالب آئے گا رب تعالیٰ کے حکم سے ﴿ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ ﴾ اور اگر ہوں گے تم میں سو ﴿ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ غالب آئیں گے ایک ہزار پر ان لوگوں میں سے جنھوں نے کفر کیا۔گویا یہاں بھی نسبت ایک اور دس کی ہے۔ یہ حکم پہلے تھا بعد میں تخفیف ہوگئی جس کا ذکر اگلی آیت میں آرہا ہے۔توحکم تھا کہ ایک مسلمان دس کافروں کا مقابلہ کرے مسلمان تھوڑے تھے اور صحیح معنیٰ میں مسلمان تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق دی تھی۔

ایمانی قوت

تاریخ میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں ایک ایک مسلمان نے ہزار ہزار کافروں کا مقابلہ کیا ہے۔ چنانچہ جنگِ قادسیہ میں صرف ساٹھ مسلمانوں نے ساٹھ ہزار کافروں کا مقابلہ کیا اور ان کو شکست دی۔ دس مسلمان شہید ہوئے اور کافروں کی دس ہزار لاشیں میدان میں پڑی تھیں باقی سب بھاگ گئے۔ حدیقۃ الموت کے مقام پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کمان میں حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے تن تنہا چالیس ہزار کا مقابلہ کیا۔ایمان کی قوت بہت بڑی قوت ہے کاش کہ ہمیں یہ قوت سمجھ آجائے۔کیوں کہ ایمان کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور جس کا رب تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہوگیا تو رب تعالیٰ کتنا قوی ہے۔دیکھو! لائٹ چل رہی ہے اس لیے کہ اس کا کنکشن ٹرانسفارمر کے ساتھ ہے اگر کنکشن ختم ہوجائے تو یہ بھی بند ہوجائے گی۔رب تعالیٰ کے ساتھ تعلق قوی ہوجائے تو سب کچھ ہوجائے گا۔

تو فرمایا کہ تم میں سے ایک سو ہوں تو ایک ہزار پر غالب آئیں گے ﴿ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴾ بے شک وہ قوم ہے ایسی جو سمجھتی نہیں ہے۔وہ اپنی ناک کی خاطر لڑیں گے ملک وقوم اور رقم کی خاطر لڑیں گے اور تمہاری لڑائی رب تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ بچ گئے تو غازی اور اگر مر گئے تو شہید اور جنت کے وارث ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس وقت شہید کا خون زمین پر گرتا ہے اسی وقت اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھیج دیتے ہیں کہ اس کو تم فوراً جنت میں لے جاؤ۔آگے مزید حکم آئے گا۔

~~~

﴿ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ ﴾ اب تخفیف کردی اللہ تعالیٰ نے تم سے ﴿ وَعَلِمَ ﴾ اور وہ جانتا ہے ﴿ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ﴾ بے شک تمہارے اندر کمزوری ہے ﴿ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ ﴾ پس اگر ہوں گے تم میں سے ﴿ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ ﴾ ایک سو صبر کرنے والے ﴿ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ﴾ غالب آئیں گے دوسو پر ﴿ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ ﴾ اور اگر ہوں گے تم میں
~~~

سے ایک ہزار ﴿یَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفَیۡنِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ﴾ غالب آئیں گے دو ہزار پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ﴿وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿مَا کَانَ لِنَبِیٍّ﴾ نہیں لائق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ﴿اَنۡ یَّکُوۡنَ لَهٗۤ اَسۡرٰی﴾ یہ کہ ہوں ان کے پاس قیدی ﴿حَتّٰی یُثۡخِنَ فِی الۡاَرۡضِ﴾ یہاں تک کہ وہ ان کا خون بہا دیتا زمین میں ﴿تُرِیۡدُوۡنَ عَرَضَ الدُّنۡیَا﴾ تم ارادہ کرتے ہو دنیا کے سامان کا ﴿وَاللّٰهُ یُرِیۡدُ الۡاٰخِرَةَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے آخرت کا ﴿وَاللّٰهُ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے ﴿لَوۡلَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اگر نہ ہوتا لکھا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿سَبَقَ﴾ جو پہلے سے طے ہے ﴿لَمَسَّکُمۡ﴾ البتہ پہنچتا تم کو ﴿فِیۡمَاۤ اَخَذۡتُمۡ﴾ اس چیز کی وجہ سے جو تم نے لی ہے ﴿عَذَابٌ عَظِیۡمٌ﴾ عذاب بڑا ﴿فَکُلُوۡا﴾ پس کھاؤ تم ﴿مِمَّا غَنِمۡتُمۡ﴾ اس میں سے جو تم نے غنیمت میں حاصل کیا ہے ﴿حَلٰلًا طَیِّبًا﴾ حلال پاکیزہ ﴿وَّاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

کافروں کے ساتھ جہاد کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ اس سے پہلے یہ حکم تھا کہ ایک مسلمان دس کافروں کا مقابلہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انھوں نے کر کے دکھایا کیونکہ ان کے ایمان قوی تھے اگرچہ تعداد میں تھوڑے تھے۔ یہ حکم کئی سال تک رہا۔

ایک اور دو کی نسبت:

اس کے بعد یہ حکم نازل ہوا ﴿اَلۡـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنۡکُمۡ﴾ اب تخفیف کر دی اللہ تعالیٰ نے تم سے ﴿وَعَلِمَ اَنَّ فِیۡکُمۡ ضَعۡفًا﴾ اور رب تعالیٰ جانتا ہے کہ بے شک تمھارے اندر کمزوری ہے۔ وہ پہلی سی قوت تمہارے اندر نہیں ہے ﴿فَاِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ﴾ پس اگر ہوں گے تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ﴿یَّغۡلِبُوۡا مِائَتَیۡنِ﴾ غالب آئیں گے دو سو پر ﴿وَاِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ اَلۡفٌ﴾ اور اگر ہوں گے تم میں سے ایک ہزار ﴿یَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفَیۡنِ﴾ غالب آئیں گے دو ہزار پر۔ پہلے تھی ایک اور دس کی نسبت اور اب ہو گئی ایک اور دو کی نسبت۔ یہ حکم اب تک باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔

اور اسی سورت میں یہ حکم تفصیل کے ساتھ تم سن چکے ہو کہ اگر کافر مسلمانوں سے دگنا ہوں اور مسلمان کافروں کی طرف پیٹھ پھیریں تو کبیرہ گناہوں میں سے ایک کبیرہ گناہ ہے۔ جس کو تَوَلِّیْ یَوْمَ الزَّحْفِ کہتے ہیں۔ اور اگر کافر دوگنا سے زیادہ ہوں تو پھر پشت پھیرنا گناہ نہیں لیکن اگر ڈٹ کر مقابلہ کرے تو عزیمت اور بہادری ہے۔ اور ایسے نظائر موجود ہیں کہ تھوڑے سے مسلمانوں نے اپنے سے کئی گنا زیادہ کے ساتھ مقابلہ کیا۔ پہلے گزر چکا ہے کہ قادسیہ میں ساٹھ مسلمانوں نے ساٹھ ہزار کا مقابلہ کیا اور فتح پائی۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے جنھوں نے پاکستان بننے کے بعد مغربی پاکستان میں جھنڈا

لہرایا تھا اور مشرقی پاکستان میں مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے جھنڈا لہرایا تھا۔ یہ دونوں حضرات مولانا اشرف علی تھانوی کے معتقدین میں سے تھے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی نے سورۃ آل عمران سے لے کر آخر تک حضرت شیخ الہند کے ترجمہ پر حاشیہ لکھا ہے جسے "تفسیر عثمانی" کہا جاتا ہے اس وقت یہ اردو کی تفسیروں میں بڑی جامع مانع تفسیر ہے اور تفصیلی تفسیروں میں "معارف القرآن" مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کی تفسیر جو آٹھ جلدوں میں ہے، بہت عمدہ تفسیر ہے۔ تو اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مولانا عثمانی فرماتے ہیں کہ موتہ کے مقام پر تین ہزار نے دولاکھ کا مقابلہ کیا۔ وہ اس طرح کہ ہجرت کے آٹھویں سال جمادی الاولیٰ کے مہینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین جرنیل منتخب فرمائے۔ حضرت زید ابن حارثہ، حضرت جعفر ابن ابی طالب، حضرت عبد اللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہم۔ ان کی قیادت میں تین ہزار فوج روانہ فرمائی کیونکہ اس وقت معلومات کے مطابق کافروں کی فوج سات آٹھ ہزار تھی مگر وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ کافروں کی فوج دولاکھ ہے۔

اور حدیقۃ الموت کے مقام پر حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے تن تنہا چالیس ہزار کا مقابلہ کیا۔ مسلمانوں کی تاریخ بڑی سنہری تاریخ ہے۔ فرمایا ایک ہزار ہوں تو دو ہزار پر غالب آئیں گے ﴿بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ﴿وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ جس دور میں بھی مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کیا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نصرت پائی۔

۱۹۶۵ء میں چونڈہ کے محاذ پر کیپٹن ایس، اے زبیری کے پاس صرف ایک سو جوان اور تین ٹینک تھے اور مقابلے میں تین ہزار فوج اور ہزاروں ٹینک تھے۔ ایک سو جوانوں نے تین ہزار کا مقابلہ کیا، ان کے ٹینک اڑائے، جانیں دے دیں مگر الحمد للہ! اسلام اور ملک پر کوئی آنچ نہیں آنے دی۔ دنیا کی تاریخ میں پہلے نمبر پر ٹینکوں کی لڑائی ہٹلر کے زمانے میں عالمین کے مقام پر ہوئی اور دوسرے نمبر پر چونڈہ کے مقام پر ہوئی۔ جب گولے چلتے تھے ہماری المارياں کھڑکتی تھیں اور رات کے وقت شعلے نظر آتے تھے اور اب اس وقت بھی مقبوضہ کشمیر میں انڈیا کی سات لاکھ فوج کا مقابلہ چند ہزار مجاہدین کر رہے ہیں۔ سات لاکھ فوج ان کو شکست نہیں دے سکی مجاہدین ہی ان کو مارتے ہیں مگر مسلمانوں کی بدبختی یہ ہے کہ آپس میں بٹے ہوئے ہیں، علیحدہ علیحدہ جماعتیں بنی ہوئی ہیں۔ حالاں کہ اتفاق اور اتحاد میں بڑی برکت ہے۔

بدر کے قیدیوں کے بارے میں مشاورت

آگے اللہ تعالیٰ ایک اور بات بیان فرماتے ہیں۔ وہ یہ کہ بدر کے مقام پر ستر کافر مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے۔ گرفتار ہونے والوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جان حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبد الرحمٰن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص، مقسم بن ربیع اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بھائی زید ابن خطاب شامل تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قیدیوں کے بارے میں مشورہ طلب کیا کہ ان کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ تین سو تیرہ میں سے چودہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو شہید ہو گئے تھے باقی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دو سو اٹھانوے [۲۹۸] تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پہلے میری رائے سنیں بعد میں دوسرے حضرات کی رائے سنیے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمھاری کیا رائے ہے؟ کہنے لگے حضرت! یہ اسلام کے خلاف، قرآن کے خلاف اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑنے کے لیے آئے ہیں ان کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہیے اور قتل بھی اس طرح کرنا چاہیے کہ ہر آدمی اپنے عزیز کو قتل کرے۔ میرے بھائی کو میرے حوالے کرو اس کو میں قتل کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کو ماریں، ابوبکر کو کہیں کہ وہ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کا گلا کاٹیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اور کوئی رائے دے۔ حضرت سعد ابن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ کہنے لگے حضرت! میری رائے بھی وہی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی اور رائے دینے والا ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر! تم بھی اپنی رائے دو۔ عرض کیا حضرت! عمر رضی اللہ عنہ کی رائے بھی غلط نہیں ہے کیوں کہ کلمے اور اسلام کے خلاف لڑنے آئے ہیں۔ لیکن حضرت! یہ قیدی ہیں اگر ہم ان کو قتل کر دیں گے تو کافر کہیں گے یہ اتنے مغلوب الغضب ہیں کہ قیدیوں کو بھی نہیں چھوڑا اور دوسری بات یہ ہے کہ ان کو قتل کرنے کے بعد کفر کے جذبات اور بھڑکیں گے اور کافر مقابلے کے لیے زیادہ تیار ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم پر بیٹے کی محبت غالب آگئی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا لَا وَاللّٰہِ خدا کی قسم بیٹا کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ بات یہ ہے کہ یہ ہمارے پاس قیدی ہیں زنجیروں اور ہتھکڑیوں میں جکڑے ہوئے ہیں ان کو قتل کرو گے تو بدنامی ہوگی کہ یہ رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ہیں کہ قیدیوں کو بھی نہیں چھوڑا۔ حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کے سوا سب نے ووٹ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیا۔ فیصلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق ہوا اور ہر قیدی سے چار چار سو درہم چاندی کے لے کر رہا کر دیا گیا اور جن کے پاس درہم نہیں تھے ان کو کہا گیا کہ تم ہمارے دو دو، تین تین ساتھیوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دو۔ بڑے ذہین لوگ تھے چند دنوں میں لکھنا پڑھنا سیکھ گئے اور ان کو بھی رہا کر دیا گیا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چچا جان! اپنا فدیہ بھی دیں اور عقیل کا بھی کہ آپ کا بھتیجا ہے۔ کہنے لگے میرے پاس تو رقم نہیں ہے۔ فرمایا اس وقت آپ کے پاس نہیں ہے مگر گھر کے فلاں کونے میں تو رکھی ہے کیوں کہتے ہو نہیں ہے؟ چنانچہ حضرت عباس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فدیہ بھی دیا اور عقیل کا بھی دیا۔

اور علم جس سے بھی ملے حاصل کرو۔ یہودی زیادہ تر عربی بولتے تھے اور عبرانی زبان بھی جانتے اور بولتے تھے۔ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خط بھیجتے تو عبرانی زبان میں لکھتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبرانی زبان نہیں جانتے تھے مجبوراً کسی مترجم کو بلا کر ان کا خط پڑھایا جاتا تھا اور اس کا جواب عبرانی زبان میں لکھوایا جاتا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا (جو کہ انصار مدینہ میں سے تھے) کہ عبرانی زبان لکھنا اور بولنا سیکھو۔ جب ان کا خط آئے تو پڑھ کر سنایا کرو اور جواب بھی لکھا کرو۔ پڑھے لکھے آدمی تھے صرف توجہ کی ضرورت تھی چنانچہ

انھوں نے صرف پندرہ دنوں میں عبرانی زبان میں بولنا اور لکھنا سیکھ لیا۔

اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَا كَانَ لِنَبِیٍّ﴾ نہیں لائق نبی ﷺ کے لیے ﴿اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰی﴾۔ "اسریٰ" "اَسِیْرٌ" کی جمع ہے۔ اَسِیر کا معنیٰ ہے قیدی، تو معنیٰ ہوگا، یہ کہ ہوں ان کے پاس قیدی ﴿حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ﴾ یہاں تک کہ وہ ان کا خون بہا دیتا زمین میں۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اللہ تعالیٰ کو پسند آئی۔ ﴿تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا﴾ تم ارادہ کرتے ہو دنیا کے سامان کا۔ یہ چار سو درہم تمھیں پسند آگئے ﴿وَاللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آخرت کا ارادہ کرتا ہے ﴿وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے ﴿لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ﴾ اگر نہ ہوتا لکھا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پہلے سے طے ہے ﴿لَمَسَّكُمْ فِیْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾ البتہ پہنچتا تم کو اس چیز کی وجہ سے جو تم نے لی ہے عذاب بڑا۔ لیکن پہلے سے لکھا ہوا تھا کہ ایسا فیصلہ کریں گے بس وہ برقرار ہے کہ آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں عذاب نہیں آئے گا۔

اور اگر مجتہد سے اجتہادی غلطی ہو تو مجتہد پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور بدریوں سے اگر کوئی گناہ ہو جائے تو رب تعالیٰ معاف کر دے گا اور ان قیدیوں میں سے کچھ مسلمان ہونے والے بھی تھے اگر یہاں قتل کر دیے جاتے تو وہ مسلمان کس طرح ہوتے؟ یہ سب حکمتیں اس میں آگئیں۔ ﴿فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ﴾ پس کھاؤ تم اس میں سے جو تم نے غنیمت میں حاصل کیا ہے ﴿حَلٰلًا طَیِّبًا﴾ حلال پاکیزہ۔ یعنی کھانے کی دو شرطیں ہیں حلال اور طیب۔

حلال کا مطلب یہ ہے کہ شریعت نے اس کو حلال کیا ہے جیسے گندم، جو، گائے، بکری، مرغی وغیرہ یہ سب چیزیں حلال ہیں اور طیب کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی کا حق مُتَعَلِّق نہ ہو۔ مثلاً: گندم حلال ہے لیکن کسی سے چھینی ہوئی نہ ہو اگر کسی سے چھینی ہوئی ہے تو طیب نہیں ہے، اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ مرغی حلال ہے لیکن اگر کسی کی چوری کی ہوئی ہے یا چھینی ہوئی ہے تو طیب نہیں ہے، اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حق بھی پورا پورا ہو اور بندے کا حق بھی پورا پورا ہو اس میں کسی کے حق کی ملاوٹ نہ ہو تو حلال اور طیب ہے۔ امت کے لیے بھی یہی حکم ہے اور رسولوں کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ﴾ [المومنون: ۵۱] "اے رسولو! پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ۔" ﴿وَّاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ﴾ اے نبی! ﴿قُلْ﴾ کہہ دیں ﴿لِّمَنْ فِیْۤ اَیْدِیْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤی﴾ ان کو جو تمہارے ہاتھ میں قیدی ہیں ﴿اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا﴾ اگر جان لیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں بہتری کو ﴿یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا﴾ دے گا تم کو بہتر ﴿مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ﴾ اس سے جو تم سے لیا گیا ہے ﴿وَیَغْفِرْ لَكُمْ﴾ اور تمھیں بخش دے گا ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ﴿وَاِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ﴾ اور اگر وہ ارادہ کریں تمہارے ساتھ خیانت

کرنے کا ﴿فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ﴾ تو تحقیق انھوں نے خیانت کی ہے اللہ تعالیٰ سے پہلے بھی ﴿فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر قدرت دی ہے تم کو ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَهَاجَرُوْا﴾ اور جنھوں نے ہجرت کی ﴿وَجٰهَدُوْا﴾ اور جہاد کیا انھوں نے ﴿بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ﴾ اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے ﴿فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے اپنے گھروں میں ٹھکانا دیا اور مدد کی ﴿اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ یہی لوگ ہیں جو بعض ان کے وارث ہیں بعض کے ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَلَمْ يُهَاجِرُوْا﴾ اور انھوں نے ہجرت نہیں کی ﴿مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ نہیں ہے تمہارے لیے ان کی وراثت میں سے کچھ بھی ﴿حَتّٰى يُهَاجِرُوْا﴾ یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں ﴿وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ اور اگر وہ مدد طلب کریں تم سے دین کے بارے میں ﴿فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ﴾ پس تم پر ضروری ہے ان کی مدد کرنا ﴿اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾ مگر اس قوم کے مقابلے میں کہ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان معاہدہ ہو ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جو عمل تم کرتے ہو دیکھ رہا ہے۔

ماقبل سے ربط

پچھلے سبق میں یہ بات بیان ہوئی تھی کہ بدر کے مقام پر ستر کافر مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے۔ گرفتار شدگان کے متعلق آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ ان کے بارے میں کیا کرنا چاہیے؟ اور قرآن کریم کا حکم بھی ہے کہ ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ [آل عمران:۱۵۹] "جن چیزوں کے بارے میں شریعت کا صریح حکم نازل نہیں ہوا ان کے متعلق آپس میں مشورہ کرلو۔" یعنی مشورہ بھی شریعت کا ایک حکم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ان سب کو قتل کر دینا چاہیے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور باقی تمام حضرات رضی اللہ عنہم کی رائے تھی کہ ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اور اسی رائے پر عمل کیا گیا اور فی کس چار سو درہم چاندی فدیہ لیا گیا۔ ایک درہم ساڑھے تین ماشے کا ہوتا ہے۔ اور جن کے پاس درہم نہیں تھے ان سے کہا گیا کہ تم دو دو، تین تین آدمیوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دو۔

انہی قیدیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ اے نبی ﷺ! ﴿قُلْ﴾ کہہ دیں ﴿لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى﴾ ان کو جو تمہارے ہاتھ میں قیدی ہیں جنگ بدر کے ﴿اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا﴾ اگر جان لیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں بہتری کو کہ تم کفر چھوڑ کر ایمان لائے اور آنحضرت ﷺ کی مخالفت چھوڑ کر آپ ﷺ کا ساتھ دیا ﴿يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ﴾ دے گا تم کو بہتر اس سے جو تم سے لیا گیا ہے فی کس چار سو درہم۔ تم ایمان لاؤ گے، نیکی

کرتے رہو گے اللہ تعالیٰ اس سے کئی گناہ بہتر عطا فرمائیں گے ﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ﴾ اور تمھیں بخش دے گا۔ کفر و شرک جواب تک کیا ہے اور حق کا جو مقابلہ کرتے رہے ہو وہ بھی معاف کر دے گا۔ اسلام لانے کے بعد یہ سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ پورا کرنا

۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں چار ہزار کا لشکر بحرین کے لیے روانہ فرمایا۔ بحرین کا علاقہ فتح ہوا وہاں کپڑوں اور اجناس کے علاوہ ایک لاکھ درہم نقد وصول ہوا۔ فجر کے وقت مسجد میں درہموں کا ڈھیر لگا ہوا تھا انصارِ مدینہ نے بھی سنا کہ بحرین سے کافی رقم آئی ہے ہمیں بھی ملے گی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے۔ نماز کے بعد جو دین کی باتیں ہوتی تھیں ان سے فارغ ہوئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو بدر کے قیدیوں میں سے تھے اور اپنا فدیہ بھی دیا تھا اور اپنے بھتیجے عقیل کا بھی، کہنے لگے رب تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ أُخِذَ مِنْكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمھیں اس سے بہتر دے گا جو تم سے لیا گیا ہے۔ حضرت! آج وہ موقع ہے مجھے دے دیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بڑے قد آور اور موٹے آدمی تھے۔ ان پر ایک بڑا مضبوط کمبل تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چچا جان جتنا اٹھا سکتے ہو اٹھا لو۔ کمبل بچھایا اس میں اتنے درہم ڈالے کہ خود اٹھا نہ سکے۔ کہنے لگے حضرت! میرے کندھے پر رکھوا دیں۔ فرمایا چچا جان اس طرح نہیں کرنا۔ کہنے لگے ساتھیوں میں سے کسی کو کہہ دیں میرا ہاتھ بٹائے۔ فرمایا یہ بھی نہیں ہوگا خود جتنا اٹھا سکتے ہو اٹھا لو ان میں سے۔ انھوں نے کچھ کم کیے پھر بھی نہ اٹھا سکے۔ عرض کیا حضرت! اب تو ہاتھ بٹا دیں فرمایا نہیں۔ انھوں نے اور کم کیے اور جب اٹھا کر چل پڑے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چچا جان کی حرص دیکھو کتنی ہے۔

اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو وعدہ فرماتے ہیں پورا کرتے ہیں۔ چنانچہ ہجرت کے موقع پر سراقہ ابن مالک (جو بڑا پہلوان قسم کا آدمی تھا) نے سنا کہ مکہ والوں نے دارالندوہ میں اعلان کیا ہے کہ ان کو جو زندہ پکڑ کر لائے یا دونوں کے سر کاٹ کر لائے دو سو اونٹ انعام دیا جائے گا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ ثور سے آگے ہجرت کے لیے روانہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے غلام عامر ابن فُہَیرہ رضی اللہ عنہ تھے اور عبداللہ بن اُریقط رضی اللہ عنہ جو بعد میں ساتھ ملے تھے۔ سراقہ ابن مالک نے انعام کے لالچ میں پیچھا کیا جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا تو گھوڑا گرا اور یہ نیچے گر پڑا پھر اٹھا سوار ہوا تو گھوڑا زمین میں دھنس گیا بڑی کوشش کے بعد گھوڑا نکل آیا اس نے تین دفعہ یہ حرکت کی تو سمجھ گیا کہ میں ان پر قابو نہیں پا سکتا۔ کہنے لگا مجھے معاف کر دو اور معافی کا ایک پروانہ لکھ دو۔ چمڑے کے ایک ٹکڑے پر حضرت عامر ابن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے معافی کا پروانہ لکھ دیا۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا كَيْفَ بِكَ إِذَا أُلْبِسْتَ السِّوَارَيْ كِسْرٰى "وہ وقت کیسا ہوگا جب تو کسریٰ ایران کے کنگن پہنے گا۔"

حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جب ایران فتح ہوا۔ کسریٰ کے خزانے اور کنگن مسجد نبوی میں لائے گئے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی پورا کرنے کے لیے ان کو تھوڑی دیر کے لیے سونے کے کنگن پہنائے گئے۔ گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے اس طرف اشارہ تھا کہ آج تو دو سو اونٹ کی خاطر اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور پیغمبروں کے بعد تمام انسانوں میں سے بہتر شخصیت کے قتل کے درپے ہے وہ وقت بھی آئے گا کہ تم مسلمان ہو گے اور کسریٰ کے کنگن تیرے ہاتھ میں ہوں گے۔ ﴿وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ [آل عمران: ۱۴۰] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ دن ہم لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ ﴿وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ﴾ اور اگر یہ قیدی ارادہ کریں تمہارے ساتھ خیانت کرنے کا کہ کفر پر ڈٹے رہیں اور اسلام کی مخالفت پر جمے رہیں ﴿فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ﴾ تو تحقیق انھوں نے خیانت کی ہے اللہ تعالیٰ سے پہلے بھی ﴿فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر قدرت دی ہے تم کو۔ وہ پہلی خیانت کیا تھی؟

مشرکین کی خیانتیں !

مفسرین کرام رحمہم اللہ کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ اس جہان یعنی عالم وجود میں آنے سے پہلے عرفات کے میدان میں وادی معرۃ النعمان میں تمام انسانوں کی ارواح کو حاضر کر کے رب تعالیٰ نے وعدہ لیا تھا ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ﴿قَالُوْا بَلٰى﴾ [الاعراف: ۱۷۲] سب نے کہا ہاں آپ ہمارے رب ہیں۔" یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد تھا اور عالم وجود میں آنے کے بعد لات، منات، عزیٰ، ہبل وغیرہ کو رب بنا کر اس عہد میں خیانت کی ہے۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ابو طالب کے مکان میں تمام بنو ہاشم اکٹھے ہوئے اور آپس میں عہد کیا کہ اگرچہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہمیں مذہبی اعتبار سے اختلاف ہے لیکن ہے تو ہماری برادری کا۔ لہٰذا برادری سسٹم کے مطابق ہم نے اس کی مخالفت نہیں کرنی۔ لیکن ابوجہل بڑا شیطان قسم کا آدمی تھا اس نے معاہدہ نہ چلنے دیا اور بنو ہاشم کو مجبور کر کے بدر میں بھی لے آیا اور احد میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں آئے۔ تو انھوں نے پہلے بھی عہد شکنی کر کے مخالفت کی اگر اب بھی کریں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پروا نہ کریں ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

مسئلہ مواخات !

آگے ایک مسئلے کا ذکر ہے۔ شروع شروع میں نہ مہاجرین برادری کے اعتبار سے سارے کے سارے مسلمان ہوئے تھے نہ انصار۔ بلکہ کچھ مسلمان اور کچھ کافر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کی کہ ایک مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنایا۔ اگر انصاری فوت ہوتا تو اس کی وراثت مہاجر بھائی کو ملتی اور اگر مہاجر فوت ہوتا تو اس کی وراثت انصاری کو ملتی تھی۔ اس کو وراثتِ مواخات یعنی بھائی چارے کی وراثت کہتے تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوا اور مہاجرین کی ساری برادری مسلمان ہو گئی اور انصار بھی برادری کے لحاظ سے سارے مسلمان ہو گئے تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اسی

سورت کے آخر میں آئے گا کہ اب مرنے والے کے رشتہ دار وارث ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی ﴿وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ﴾ اور جہاد کیا انھوں نے اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے۔ اپنے مال خرچ کیے اور اپنی جانیں لے کر کافروں کے مقابلے میں گئے ﴿فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے میں۔ ان مہاجرین، مجاہدین کا ذکر ہے ﴿وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے اپنے گھروں میں ٹھکانا دیا اور مدد کی۔ یہ انصار ہیں جنھوں نے بڑی قربانی دی کہ چھوٹے چھوٹے مکان ہوتے ہوئے مہاجرین مرد بھی تھے، عورتیں بھی تھیں، بچے بھی تھے اور رہائش کا کوئی انتظام نہیں تھا ان کو اپنے مکان رہائش کے لیے دیے، اپنی زمینوں اور باغات میں سے ان کو حصہ دیا۔ وہ اس طرح کہ جب آنحضرت ﷺ نے مواخات قائم فرمائی تو انصار نے جمع ہو کر آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ سب لوگ اس بات کا عہد کرو کہ زمینیں اور کھجوروں کے درخت آدھے ہمارے اور آدھے مہاجرین بھائیوں کے۔

اس فیصلے کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس آئے کہ آپ ﷺ کی رائے لے لیں۔ چنانچہ انصار نے اپنے فیصلے سے آگاہ کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں مگر یہ مہاجرین تو تاجر پیشہ ہیں ان کو کیا معلوم کہ فصل کب بوتے ہیں اور کب کاٹتے ہیں اور کب گوڈی کرتے ہیں۔ کیوں کہ مکہ مکرمہ میں کھیتی باڑی نہیں تھی۔ انصار مدینہ نے کہا اچھا حضرت اس طرح کرتے ہیں کہ کھیتی باڑی ہم کریں گے، فصلیں بھی ہم کاٹیں گے، کھجوریں بھی ہم اتاریں گے تیار کھیتی اور تیار پھل آدھا ان کا اور آدھا ہم لیں گے۔ یہ کتنی بڑی قربانی ہے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا "لوگو یاد رکھنا! دنیا فانی ہے میں دنیا سے جانے والا ہے انصار کا خیال رکھنا ((حُبُّ الْاَنْصَارِ مِنَ الْاِیْمَانِ)) "انصار کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ یہی لوگ ہیں جو بعض ان کے وارث ہیں بعض کے۔ مہاجر انصاری کا اور انصاری مہاجر کا ﴿وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یُهَاجِرُوْا﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت نہیں کی ﴿مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ نہیں ہے تمہارے لیے ان کی وراثت میں سے کچھ بھی ﴿حَتّٰى یُهَاجِرُوْا﴾ یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں۔

مسئلہ اختلاف دارین !؟

مسئلہ یہ ہے کہ اختلاف دارین اور اختلاف دین وراثت سے محرومی کا سبب ہیں کہ باپ کافر ہے اور بیٹا مسلمان ہے یا اس کے برعکس ہے تو یہ ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔ ایک بھائی کافر ہے اور ایک مسلمان ہے تو یہ بھی ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے، قاتل کو بھی مقتول کی وراثت نہیں ملے گی۔ مثلاً: کوئی شخص اپنے باپ یا بھائی کو قتل کر دیتا ہے تو شریعت اس کو وراثت سے بالکل محروم کر دیتی ہے۔ اور اختلاف دارین کا مطلب یہ ہے کہ باپ بیٹا دونوں مسلمان ہیں یا دو بھائی مسلمان ہیں لیکن ایک دار الامن، دار الاسلام میں رہتا ہے یعنی مسلمان ملک میں رہتا ہے اور دوسرا دار الحرب، دار الکفر میں رہتا ہے

،کافروں کے ملک میں رہتا ہے تو ایک کو دوسرے کی وراثت نہیں ملے گی بے شک دونوں مسلمان ہیں۔

اس وقت صحیح معنٰی میں دارالاسلام کا اطلاق طالبان کی حکومت پر ہوتا ہے جہاں سو فیصد قرآن وسنت کے مطابق قانون نافذ ہے۔ دنیائے کفر ان کو خواہ مخواہ بدنام کرنے لگی ہوئی ہے۔ کبھی دہشت گرد، کبھی ظالم اور خدا جانے ان کے متعلق کیا کیا بکتے رہتے ہیں۔ حالانکہ وہاں صحیح معنٰی میں اسلام نافذ ہے۔ کل کے اخبار میں تھا کہ ایک ظالم نے اپنی ماں، بیوی، بہنوں اور بھائیوں، پانچ چھ کو ذبح کر دیا تھا وہ گرفتار ہوا تو قاتل کے باپ کو کہا گیا کہ قرآن تجھے اختیار دیتا ہے چاہو تو اس کو معاف کر دو چاہو تو قصاص میں اس کو قتل کر دو۔ چنانچہ باپ نے اپنے بیٹے کی گردن پر چھری چلا کر قصاص لیا۔ قرآن کریم کا حکم تھا انھوں نے بعینہ اس پر عمل کیا اور کرنا بھی ایسے ہی چاہیے کہ قرآن وسنت پر عمل کرو۔ چاہے ظالم، دہشت گرد کہیں، وحشیانہ سزائیں کہیں، کچھ بھی کہیں اس کی پروا نہ کرو۔

ہاں اگر مہاجر کا بھائی ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ جائے تو پھر وہ اپنے بھائی کا وارث ہوگا ﴿وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ اور اگر وہ تم سے مدد طلب کریں دین کے بارے میں۔ جو کفار کے علاقے میں رہتے ہیں ﴿فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ﴾ پس تم پر لازم اور ضروری ہے ان کی مدد کرنا ﴿اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾ مگر اس قوم کے مقابلے میں کہ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان معاہدہ ہو تو اس قوم کے خلاف تم مدد نہیں کر سکتے یعنی عہد و پیمان کی پابندی کرنی ہے۔ آج کل کی حکومتوں کی طرح نہیں کہ بظاہر کچھ اور اندر سے کچھ۔ مثلاً: ہمارا پاکستان ہے کہ کھل کر تو انڈیا کے خلاف لڑنے کی اجازت نہیں دیتا مگر اندر اندر سب کچھ کر رہا ہے یہی حال انڈیا کا ہے۔ اسلام اس دورنگی کی اجازت نہیں دیتا جو کرنا ہے کھل کر کرو ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جو عمل تم کرتے ہو دیکھ رہا ہے اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ ان میں سے بعض بعض کے وارث ہیں ﴿اِلَّا تَفْعَلُوْهُ﴾ اگر تم ان کی مدد نہیں کرو گے ﴿تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ﴾ تو ہوگا فتنہ زمین میں ﴿وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ﴾ اور فساد بہت بڑا ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَهَاجَرُوْا﴾ اور انھوں نے ہجرت کی ﴿وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور جنھوں نے جہاد کیا اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے ٹھکانا دیا اور مدد کی ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ یہی لوگ ہیں ایمان والے پکی بات ہے ﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ ان کے لیے بخشش ہے اور رزق ہے عمدہ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس کے بعد ﴿وَهَاجَرُوْا﴾ اور انھوں نے ہجرت کی ﴿وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ﴾ اور انھوں نے جہاد کیا تمہارے ساتھ مل کر ﴿فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ﴾ پس یہ لوگ تم میں سے ہیں ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ﴾ اور قریبی رشتہ دار ﴿بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ﴾ بعض ان

کے زیادہ حق دار ہیں بعض سے ﴿فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔

ماقبل سے ربط :

اس سے پہلی آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ میں انصار اور مہاجرین کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی اور یہ ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے کیونکہ مہاجرین کی ساری برادری مسلمان نہیں ہوئی تھی اور انصار کی ساری برادری بھی مسلمان نہیں ہوئی تھی یہی ایک دوسرے کی برادری تھے۔ اور اختلاف دارین کی وجہ سے مکہ والے مسلمان مدینے والے مسلمانوں کے اور مدینے والے مسلمان مکے والے مسلمانوں کے وارث نہیں بن سکتے تھے کہ ایک دارالاسلام اور دوسرا دارالکفر میں تھا اور یہ بھی وراثت سے محرومی کا سبب ہے۔

دارالحرب اور دارالاسلام کی تعریف میں فقہی طور پر کافی اختلاف ہے۔ اکثر کے نزدیک دارالاسلام کی تعریف یہ ہے کہ وہاں سو فیصد اسلامی قوانین نافذ ہوں۔ اس معنیٰ میں اس وقت طالبان کی حکومت کے علاوہ دنیا میں کوئی ملک سعودیہ سمیت دارالاسلام نہیں ہے۔ اور دارالحرب اسے کہتے ہیں کہ جہاں مسلمان اسلام کا کوئی کام نہ کر سکیں اور دنیا میں ایسا ملک بھی کوئی نہیں ہے کہ جہاں مسلمانوں کو کوئی نماز، روزے سے روکے اور حج سے بھی نہیں روکتے۔ تو صحیح معنیٰ میں دارالحرب بھی کوئی ملک نہیں ہے۔ ایسے ملکوں کو دارالامن کہہ لو یا دارالکفر کہہ لو۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد تمام ملکوں سے زیادہ ہے۔ انڈونیشیا میں مسلمانوں کی تعداد بیس کروڑ ہے اور ہندوستان میں اٹھائیس کروڑ ہے۔ ہندوستان کی حکومت مسلمانوں کو نماز روزے سے منع نہیں کرتی البتہ قربانی کے مسئلہ پر جھگڑا کرتی ہے مگر وہ تو تھرپارکر کے علاقہ میں بھی جھگڑا ہوتا ہے جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ حالانکہ وہ پاکستان کا حصہ ہے۔ وہاں بھی قربانی نہیں کرنے دیتے وہاں بڑا گوشت نہیں ملے گا بے شک ابھی جا کر دیکھ لو۔ باقی وراثت کس کو ملے گی؟ تو مومن مومن کا وارث ہوگا اور کافر کافر کا وارث ہوگا۔ عام قانون یہی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ﴾ بعض ان میں سے بعض کے وارث ہیں۔ کافر کی وراثت کافر کو ملے گی ﴿اِلَّا تَفْعَلُوْهُ﴾۔ ہ ضمیر کا مرجع نصر ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے کہ اگر تم ان مسلمانوں کی مدد نہیں کرو گے ﴿تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ﴾ تو ہوگا فتنہ زمین میں کہ کافروں کا مسلمانوں پر غلبہ ہوگا اور وہ مسلمانوں پر ظلم کریں گے ﴿وَفَسَادٌ كَبِیْرٌ﴾ اور فساد ہوگا بہت بڑا۔ لہٰذا مظلوم مسلمانوں کی مدد کرنا تمہارا فریضہ ہے۔ اس وقت کوسوو میں مسلمانوں پر اتنا ظلم ہو رہا ہے کہ جس کا کوئی حساب نہیں ہے لیکن تمام عرب ممالک گونگے ہو چکے ہیں ان کو اتنی بھی توفیق نہیں ہے کہ اخباری بیان ہی دے دیں کہ یہ ظلم ہو رہا ہے۔ یہ سب امریکہ، برطانیہ، فرانس کے پٹھو ہیں، ان کے اشارے کا انتظار کرتے ہیں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔

بھئی! تم عملی طور پر مظلوموں کی مدد نہیں کر سکتے، مالی مدد نہیں کر سکتے تو بیان ہی دے دو کہ مسلمانوں پر ظلم اور زیادتی نہ کرو۔ لیکن مسلمان آج اتنا بے حس ہو چکا ہے کہ اتنی توفیق بھی نہیں ہے۔ حالانکہ رب تعالیٰ کا حکم ہے کہ جس علاقے میں کمزور مسلمان تم سے مدد طلب کریں تو ان کی مدد کرو ورنہ زمین میں بڑا فتنہ وفساد ہوگا اور مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جائے گا۔

فرمایا ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَهَاجَرُوْا﴾ اور انھوں نے ہجرت کی ﴿وَجٰهَدُوْا﴾ اور جنھوں نے جہاد کیا ﴿فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے میں۔ یہ مہاجرین کا ذکر ہے ﴿وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے ٹھکانا دیا اپنے گھروں میں، زمینوں میں، باغات میں اور مدد کی۔ یہ انصار کا ذکر ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دو ہی طبقے تھے ایک مہاجرین کا اور دوسرا انصار کا۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں طبقوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ یہی لوگ ہیں ایمان والے پکی بات ہے۔ یعنی مہاجرین اور انصار ﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ﴾ ان کے لیے بخشش ہے ﴿وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ اور عمدہ رزق ہے۔ کتنی صاف آیات ہیں کہ مہاجرین بھی مومن ہیں اور انصار بھی مومن ہیں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم مہاجرین ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا مہاجرات ہیں۔ ان کو اگر کوئی کافر کہے گا تو وہ خود کافر ہو جائے گا۔ انصار میں سے کسی کو کافر کہے گا تو وہ خود کافر ہے۔

اکابرین کی خدمات

ہندوستان میں اکبر بادشاہ نے ایک اپنا دین جاری کیا تھا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو خلط ملط کیا کہ مسلمان عورت ہندو کے گھر اور سکھ کے گھر ہے۔ عجیب قسم کا ایک ملغوبا بنایا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کا محافظ ہے شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر حکومت کا مقابلہ کیا، کئی سال گوالیار کے قلعہ میں نظر بند رہے مگر حق پر قائم رہے۔ انھوں نے دین کی بڑی خدمت کی ہے۔ ان کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے، پھر شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور ان کے بیٹوں نے دین کی بڑی خدمت کی ہے۔ پھر علمائے دیوبند اور ڈھابیل اور سہارن پور کے علماء نے دین کی بڑی خدمت کی ہے۔ اگر ان لوگوں کی تنظیمیں اور کوششیں نہ ہوتیں تو صحیح بات یہ ہے کہ صحیح طور پر مسلمان نہ رہ سکتے۔ بہرحال ان حضرات کی بڑی خدمات ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات شریف اخلاقی، علمی اور روحانی اعتبار سے علمی ذخیرہ ہے۔ یہ فارسی زبان میں ہیں اور اب اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ حضرت کی اور بھی بہت سی کتابیں ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت! رافضیوں کے بارے میں ہم کیا نظریہ رکھیں؟ اس پر حضرت نے کتاب لکھی جس کا نام "ردِّ روافض" ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس میں فرماتے ہیں کہ رافضی مسلمان نہیں ہیں اور ان کے مسلمان نہ ہونے کی تین وجوہات بیان فرمائی ہیں۔

شیعوں کے کفر کی وجوہِ ثلاثہ از مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

ایک یہ کہ وہ اس قرآن کو اصلی قرآن نہیں مانتے اور ظاہر بات ہے کہ جو شخص موجودہ قرآن کو اصلی قرآن نہ مانے وہ کیسے

مسلمان ہوسکتا ہے؟ اس پر انھوں نے کافی روایات نقل کی ہیں۔

دوسری وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ مہاجرین وانصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے ہیں جب کہ رب تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ "یہی پکے مومن ہیں۔" اور چھبیسویں پارے میں فرمایا ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ "البتہ تحقیق راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ ان ایمان والوں سے جنھوں نے آپ کی بیعت کی درخت کے نیچے۔"

۶ ھ میں حدیبیہ کے مقام پر پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ واقعہ اس طرح پیش آیا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاصد بنا کر بھیجا تھا مکہ مکرمہ کہ ان کو بتاؤ ہم عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں لڑنے کے لیے نہیں آئے۔ ادھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر مشہور ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بدلے کے لیے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لی۔ فرمایا میرا دایاں ہاتھ عثمان کا ہاتھ ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "یہ سب مومن ہیں اور میں ان سے راضی ہوں۔" اور یہ ان کی تکفیر کرتے ہیں۔

اور تیسری وجہ ان کے کفر کی یہ ہے کہ یہ ائمہ کو معصوم مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اماموں پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ جب امام معصوم ہوئے اور ان پر وحی بھی نازل ہوتی ہے تو نبی اور امام میں کیا فرق ہوا؟ گویا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ نبی مانتے ہیں یہ ختم نبوت کا انکار ہوا۔ بلکہ یہ اماموں کو وہ درجہ دیتے ہیں جو ہم نبیوں کو بھی نہیں دیتے۔ کیوں کہ اہل سنت والجماعت کا یہ مسلک ہے کہ حلال وحرام کا اختیار صرف رب تعالیٰ کو ہے نبی کو حلال وحرام کا اختیار نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر صرف اپنی ذات کے لیے شہد حرام فرمایا تھا اس پر پوری سورت تحریم نازل ہوئی ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ "اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے اس چیز کو کیوں حرام قرار دیا جس کو رب تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال قرار دیا ہے۔" اور یہ کہتے ہیں کہ اماموں کو حلال وحرام کا اختیار ہے۔ اِمَامٌ يُحِلُّوْنَ مَا يَشَآءُوْنَ وَيُحَرِّمُوْنَ مَا يَشَآءُوْنَ "امام جس چیز کو چاہیں حلال کریں اور جس چیز کو چاہیں حرام کریں۔" اور حضرت شاہ ولی اللہ نے جب "اِزَالَةُ الْخِفَاء اور قُرَّةُ الْعينين" لکھیں تو رافضی حاکم نے ان کی انگلیاں کاٹ دیں کہ ان کے ساتھ تم نے کتابیں لکھی ہیں۔ ان خبیثوں کا جہاں بھی اقتدار ہو معاف نہیں کرتے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کو ننگے پاؤں جلاوطن کیا۔ وہ رام پور جا کر ٹھہرے کہ انھوں نے "تحفہ اثنا عشریہ" لکھی تھی۔ ایران کی وجہ سے رافضی پورے ملک میں پھیلے ہوئے تھے۔ لیکن عزیزو، برخوردارو کسی سے جھگڑا نہ کرنا، کافر کا کافر کہنا یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ کافر تو کافر ہی ہوتا ہے مگر چڑانے کے لیے جس طرح جذباتی ساتھی کرتے ہیں کافر کافر شیعہ کافر یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے۔ یہ کافر ہیں اور ان کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے لیکن چڑانا بری بات ہے۔ ہندو کافر ہیں، سکھ کافر ہیں، عیسائی کافر ہیں، یہودی کافر ہیں، پارسی کافر ہیں، ذکری کافر ہیں اور یہ سارے

پاکستان میں موجود ہیں رافضی بھی کافر ہیں پاکستان کافروں سے بھرا ہوا ہے۔ مسلمان تو نام کے ہیں کام کا مسلمان تو کوئی نہیں ہے صرف چند گنتی کے ہیں۔

تو حضرت مجدد الف ثانی نے رافضیوں کے کفر پر اس آیت کا بھی حوالہ دیا ہے۔ اب انھوں نے مخلص (چھٹکارے کا راستہ) کیا تلاش کیا؟ ایک یہ کہ ہم اس قرآن کو اصل نہیں مانتے تم بے شک کافر ٹھہراتے رہو اور دوسرا جواب یہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کو بدا ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ نے جب ان کے مومن ہونے کا فرمایا تھا اس کو علم نہیں تھا کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ مرتد ہو جائیں گے سوائے دو چار کے، (معاذ اللہ تعالیٰ)۔ بھائی! وہ رب ہی کیا ہے کہ جس کو علم نہیں ہے۔

میری ایک کتاب ہے "ارشاد الشیعہ" اس میں مَیں نے ان کا مسلک اور ان کے عقیدے دلائل کے ساتھ بیان کیے ہیں ان کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے۔ مگر کافر کافر کہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اور مکہ مکرمہ فتح ہونے کے بعد کئی لوگ مسلمان ہو گئے ان میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں اور بے شمار لوگ ہیں رضی اللہ عنہم۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ان مہاجرین اور انصار کے بعد ﴿وَهَاجَرُوْا﴾ اور انھوں نے ہجرت کی ﴿وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ﴾ اور انھوں نے جہاد کیا تمہارے ساتھ مل کر ﴿فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ﴾ پس یہ لوگ تم میں سے ہیں۔ جیسے: ابوسفیان، امیر معاویہ، حارث ابن ہشام رضی اللہ عنہم یہ بھی تمہارے ہیں اور سب مومن ہیں۔ ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ﴾ اور قریبی رشتے دار، برادری والے ﴿بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ﴾ بعض ان کے زیادہ حقدار ہیں بعض سے وراثت میں ﴿فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں۔ یعنی اب مواخات والی وراثت کا مسئلہ ختم ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی پہلی نوشت یہی تھی کہ مواخات کے ذریعے وراثت ملے گی اور اب حکم یہ ہے کہ رشتہ دار، عزیز ایک دوسرے کے وارث بنیں گے۔ کیوں کہ اب ساری برادریاں مسلمان ہو گئی ہیں لہٰذا اب باپ کی وراثت بیٹے کو اور بیٹے کی باپ کو، بھائی کی بھائی کو، چچے کی تائے کو، ان کی اولاد کو وراثت ملے گی۔ کتاب اللہ میں یہی لکھا ہوا تھا کہ پہلا حکم منسوخ ہو جائے گا مواخات والا اور دوسرا حکم برادری والا نافذ ہو جائے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔ اس کے علم سے کوئی شے مخفی نہیں ہے۔

آج بتاریخ ۷ شوال بروز ہفتہ ۱۴۲۸ھ بمطابق ۲۰/اکتوبر ۲۰۰۷ء

سورۃ الانفال مکمل ہوئی۔

بتوفیق اللہ تعالیٰ وعونہ

(مولانا) محمد نواز بلوچ

مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس، جناح روڈ گوجرانوالہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ

پارہ ⇐ وَاعْلَمُوْٓا ، يَعْتَذِرُوْنَ

۱۰ ، ۱۱

آیاتھا ۱۲۹ ⑨ سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ ⑬ رکوعاتھا ۱۶

﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ﴾ بے زاری کا اعلان ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے ﴿اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ان لوگوں کی طرف جن کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا مشرکوں میں سے ﴿فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ (ان سے کہہ دو) چلو پھرو زمین میں ﴿اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ﴾ چار مہینے ﴿وَّاعْلَمُوْٓا﴾ اور تم جان لو ﴿اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ﴾ بے شک تم نہیں عاجز کر سکتے اللہ تعالیٰ کو ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ رسوا کرنے والا ہے کافروں کو ﴿وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ﴾ اور اعلان ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ﴿اِلَى النَّاسِ﴾ لوگوں کو ﴿يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ﴾ بڑے حج کے دن ﴿اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ رَسُوْلُهٗ﴾ کہ بے شک بیزار ہے اللہ تعالیٰ مشرکوں سے اور اس کا رسول بھی ﴿فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ پس اگر تم توبہ کر لو پس وہ تمہارے حق میں بہتر ہے ﴿وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ﴾ اور اگر تم اعراض کرو گے ﴿فَاعْلَمُوْٓا﴾ تو جان لو ﴿اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ﴾ بے شک تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے ﴿وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور آپ خوش خبری سنا دیں ان لوگوں کو جو کافر ہیں ﴿بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ دردناک عذاب کی ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ﴾ مگر وہ لوگ ﴿عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ جن سے تم نے معاہدہ کیا ہے مشرکوں میں سے ﴿ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا﴾ پھر انھوں نے کمی نہیں کی تمہارے ساتھ کسی شے میں ﴿وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا﴾ اور نہ امداد کی تمہارے خلاف کسی کی ﴿فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ﴾ پس تم مکمل کرو ان کے ساتھ ان کا عہد ﴿اِلٰى مُدَّتِهِمْ﴾ ان کی مدت تک ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں پرہیزگاروں کے ساتھ۔

سورۃ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ ؟

قرآن پاک کی کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں اور سورت توبہ کے علاوہ ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ لکھی ہوئی ہے۔ سورۃ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھنے کی کیا وجہ ہے؟ جامع قرآن حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا حضرت! باقی سورتوں کے شروع میں بسم اللہ ہے اور سورۃ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہیں ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا باقی سورتوں کے شروع میں ہم نے آنحضرت ﷺ سے بسم اللہ سنی ہے اس کی ابتداء میں بسم اللہ نہیں سنی۔ یعنی آنحضرت ﷺ جب اس سورۃ کو پڑھتے تھے تو بسم اللہ سے نہیں پڑھتے تھے لہٰذا ہم اپنی طرف سے بسم اللہ نہیں لکھ سکتے۔

اور مفسرین کرام رحمہم اللہ اس کی حکمت یہ بیان فرماتے ہیں کہ بسم اللہ میں رب تعالیٰ کی رحمت کا ذکر ہے اور سورۃ برأۃ کے شروع ہی میں کافروں اور مشرکوں سے بیزاری کا اعلان ہے کہ کافروں اور مشرکوں سے رب بیزار ہے۔ تو جن سے رب بیزار ہے وہ رحمت کے مستحق تو نہیں ہو سکتے اس لیے اس کے شروع میں بسم اللہ ذکر نہیں کی گئی۔

لغتِ قریش پر قرآن جمع کرنے کی وجہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جامع القرآن ہیں۔ انھوں نے ایک کام یہ بھی کیا کہ لوگوں کو لغتِ قریش پر قرآن پڑھنے کا پابند فرمایا۔ اور اس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں آذربائیجان اور آرمینیہ کے علاقے جو اس وقت روس کے علاقے میں ہیں، یہاں جنگیں ہو رہی تھیں لڑائی کے دوران میں دو مسلمان فوجی آپس میں جھگڑ پڑے اس وجہ سے کہ ایک نے پڑھا یِعْلَمُوْنَ اور دوسرے نے اصرار کیا کہ یَعْلَمُوْنَ ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ قرآن لغتِ قریش میں نازل ہوا ہے اور اس وقت جو ہمارے سامنے قرآن کریم ہے یہ لغتِ قریش ہی میں ہے۔ عرب میں اور لوگ بھی رہتے تھے ان کی زبانوں میں اور قریش کی زبان میں کچھ فرق تھا۔ جس طرح عموماً علاقے کی زبانوں میں فرق ہوتا ہے۔ تو قریش کے علاوہ چھ اور خاندان تھے ان کو اپنی زبان میں پڑھنے کی اجازت تھی۔ تو ایک فوجی نے اپنی لغت کے مطابق یِعْلَمُوْنَ پڑھا۔ دوسرے نے کہا نہیں! یَعْلَمُوْنَ ہے تو جھگڑا ہو گیا۔ لوگ کافی پریشان ہوئے کہ عین جنگ کے موقع پر آپس میں جھگڑا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ سے آگاہ کیا گیا انھوں نے محسوس کیا کہ ہر آدمی اپنی لغت پر اصرار کرے گا اور جھگڑے ہوتے رہیں گے۔ بخاری شریف کی روایت کا خلاصہ عرض کرتا ہوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن کریم لغتِ قریش میں نازل ہوا ہے اور لوگوں کو اپنی لغتوں کے مطابق پڑھنے کی اجازت تھی اب میں اس اجازت پر پابندی لگاتا ہوں۔ اب قرآن کریم صرف قریش کی لغت کے مطابق پڑھا جائے گا، قریش کی لغت باقی رہے گی۔ آج تک ساری دنیا لغتِ قریش ہی کے مطابق قرآن شریف پڑھ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ امت کے لیے اختلاف اور افتراق کا دروازہ بند کر دیا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بات ماننا، ان کا حکم ماننا ہم پر لازم ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ)) "میری سنت بھی تم پر لازم ہے اور خلفاء راشدین کی سنت بھی لازم ہے۔" اور جو آدمی خلفائے راشدین کی سنت کو نہیں مانتا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں مانتا۔ کیوں کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ ان کی سنت کو لازم پکڑو اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بالاتفاق خلیفۂ راشد ہیں۔ اُنھوں نے یہ حکم جاری کر کے اُمت کو لڑائی جھگڑوں سے بچا لیا ورنہ لوگ قرآن کریم کے سلسلے میں ایک دوسرے کا سر پھوڑتے۔

ضالین اور دالین کی تحقیق

جس طرح آج کل کئی لوگ آ کر پوچھتے ہیں کہ مولوی صاحب وَلَا الضَّآلِّيْنَ ہوتا ہے یا وَلَا الدَّآلِّيْنَ ہے۔ حالانکہ

وہ روزمرہ میں یہ لفظ "ضاد" بولتے ہیں "دال" نہیں بولتے۔ مثلاً: ضلع کہتے ہیں دلع نہیں بولتے، رمضان کہتے ہیں رمدان نہیں کہتے، وضو کہتے ہیں وُدُو نہیں کہتے۔ کہتے ہیں آپس میں راضی ہو یہ نہیں کہتے کہ آپس میں رادی ہو، عرضی نویس کہتے ہیں عردی نویس نہیں کہتے اسی طرح وَلَا الضَّالِّيْنَ کا لفظ ہے وَلَا الدَّالین نہیں ہے مگر یہ لوگ نامعلوم یہاں آکر بگڑ جاتے ہیں۔ تو مسئلہ یاد رکھنا! لفظ "ضادّ" ہے۔ سب لغت کی کتابوں میں اور تجوید کی کتابوں میں۔ اور فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر وَلَا الدَّالین پڑھے گا تو نماز نہیں ہوگی۔

لطیفہ:۔ (ایک دفعہ نجی مجلس میں اسی موضوع پر بات ہو رہی تھی تو حضرت شیخ صاحب نے فرمایا کوئی آدمی گھر جائے اور اس کی بیوی بیمار ہو تو بیان کرتے وقت کبھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ میں گھر گیا تو میری بیوی کو مرد لگا ہوا تھا، یہ کہے گا کہ مرض لگا ہوا تھا۔ محمد نواز بلوچ)

تو بات چل رہی تھی بسم اللہ کی کہ سورت برأت کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی گئی؟ تو آپ ﷺ نے چوں کہ اس سورت کے شروع میں پڑھی نہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے لکھی نہیں ہے۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی اوپر سے پڑھتا ہوا آئے اور سورۃ براۃ شروع کر دے تو پھر بسم اللہ نہیں پڑھنی۔ مثلاً: ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ﴾۔ لیکن اگر پڑھنا ہی اسی سورت سے شروع کرے تو پھر اعوذ باللہ بھی پڑھنا ہے اور بسم اللہ بھی پڑھنی ہے۔ اسی طرح اگر آگے کسی جگہ سے تلاوت شروع کرے تو اعوذ باللہ بھی پڑھنا ہے اور بسم اللہ بھی پڑھنی ہے۔ اس لیے کہ قرآن حکیم کا حکم ہے فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ "جب تم قرآن کریم پڑھو تو اعوذ باللہ پڑھو۔" اور حدیث پاک میں آتا ہے: كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ لَمْ يُبْدَاْ بِبِسْمِ اللّٰهِ فَهُوَ اَبْتَرُ "ہر ذی شان کام جو بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ دم کٹا ہوتا ہے، بے برکت ہوتا ہے۔" بہ خلاف باقی سورتوں کے کہ جب ایک سورت ختم ہوئی اور دوسری شروع کرنی ہے تو درمیان میں بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنی ہے۔ بعض لوگوں نے یہاں ایک عجیب سی دعا بنائی ہے کہ سورت توبہ سے پہلے پڑھتے ہیں اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ الْجَبَّارِ اس کا پڑھنا بدعت ہے۔

﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ﴾ بے زاری کا اعلان ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ﴿اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ان لوگوں کی طرف جن کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا تھا۔ مشرکوں میں سے عرب قبائل کے ساتھ آپ ﷺ کے کئی قسم کے معاملات تھے۔

قریش مکہ کے مختلف قبیلوں کے ساتھ معاہدوں کی تفصیل

① قریش مکہ کے ساتھ صلح حدیبیہ کے مقام پر ۶ ھ میں دس سال کا معاہدہ ہوا مگر انھوں نے تھوڑی مدت کے بعد عہد شکنی کی۔ کیوں کہ معاہدے کی ایک شق یہ تھی کہ جو ہمارے حلیف اور دوست ہیں وہ بھی اس معاہدے میں شریک ہیں ان کے

خلاف تم کوئی کارروائی نہیں کرو گے اور جو تمہارے دوست اور حلیف ہیں ہم ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ قبیلہ بنوبکر یہ قریش کا حلیف تھا اور قبیلہ بنوخزاعہ اگرچہ کافر تھا لیکن آنحضرت ﷺ کے ہمدردوں میں سے تھا اور مسلمانوں کا حلیف تھا۔

اس معاہدے سے کچھ مدت بعد قبیلہ بنوبکر اور بنوخزاعہ کی آپس میں لڑائی ہوئی۔ یہ بنوبکر کی زیادتی تھی اور مکے والوں نے ان کی ہر طرح کی مدد کی۔ بندے بھیجے، اسلحہ دیا، مالی امداد کی۔ حالانکہ معاہدے کے مطابق یہ سب ناجائز اور معاہدے کی خلاف ورزی تھی۔ قبیلہ بنوخزاعہ کا نقصان ہوا آدمی مارے گئے وہ لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے۔ کہنے لگے حضرت! ہم آپ کے حلیف ہیں ہمارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے ہماری مدد کی جائے۔

آپ ﷺ نے تحقیق کی معلوم ہوا کہ واقعی یہ سچے ہیں آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ نمائندے بھیجے کہ ہمارے حلیف دوست پر تمہارے حلیف نے زیادتی کی ہے اور تم نے ان کی مدد کی ہے جس میں ان کے آدمی مارے گئے ہیں لہٰذا تم ان آدمیوں کی قاعدے کے مطابق دیت ادا کرو ورنہ یہ سمجھو کہ معاہدہ ختم ہے۔ مکے والوں نے جذبات میں آ کر کہہ دیا کہ ٹھیک ہے معاہدہ ٹوٹ گیا، ہم کسی معاہدے کے پابند نہیں ہیں۔ آپ ﷺ کے نمائندے جب واپس آ گئے تو مشرکین دارالندوہ میں جمع ہوئے اور کہنے لگے ان کے منہ پر تو نہیں کہنا چاہیے تھا کہ معاہدہ ختم ہے اگرچہ ہم نے پابندی نہیں کرنی۔ اب اس طرح کرو کہ اپنے آدمی بھیجو جو جا کر ان کو تسلی دیں کہ معاہدہ قائم ہے۔ کیوں کہ اگر معاہدہ باقی نہ رہا تو ہم بھی باقی نہیں رہیں گے۔

چنانچہ ابوسفیان اس وقت تک کافر تھا اور اس کی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے نکاح میں تھیں اس کی سربراہی میں مکے والوں کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا آپ ﷺ اس وقت مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا چچا کیسے آئے ہو خیر ہے؟ ابوسفیان نے کہا آپ کے آدمی گئے تھے کہ بنوبکر نے بنوخزاعہ کے ساتھ زیادتی کی ہے ان کے آدمی مارے گئے ہیں ان کی دیت ادا کرو ورنہ معاہدہ ختم سمجھو۔ ہم میں سے کچھ جذباتی لوگوں نے کہا کہ ہاں ٹھیک ہے معاہدہ ختم ہے۔ میں آیا ہوں کہ معاہدہ ہمارا باقی ہے ختم نہیں ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپ ایسا کریں کہ ہمارے حلیفوں کے جو آدمی مارے گئے ہیں قاعدے کے مطابق ان کی دیت ادا کریں۔ کہنے لگا دیت کی بات نہ کریں بس میں آ گیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا گول مول بات سے معاہدے کی تجدید نہیں ہوگی اگر واقعی معاہدہ رکھنا ہے تو قاعدے کے مطابق دیت ادا کرو۔ بہرحال شوروغل میں بات ختم ہوگئی۔ تو ایک تو یہ تھے جن کے ساتھ دس سال کا معاہدہ تھا۔

② ان کے علاوہ دو قبیلے تھے بَنُو ضَمْرَة اور بَنُو مُدْلِجْ ان کے ساتھ بھی معاہدہ تھا اور اس اعلان برأت کے وقت ان کے حاہدے کے نو مہینے باقی تھے اور انھوں نے کوئی خلاف ورزی بھی نہیں کی تھی۔ ان کا ذکر آگے آئے گا کہ تمہارے ساتھ معاہدہ برقرار ہے اپنی مدت تک اسے پورا کرو۔

③ تیسرا گروہ وہ تھا کہ جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں تھا۔ حج کے دنوں میں آنحضرت ﷺ نے اعلان کروایا ﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ

اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖٓ ﴾ بے زاری کا اعلان ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ﴿ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ ان لوگوں کی طرف جن کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا ہے مشرکوں میں سے۔ کہ ہم معاہدے کے بالکل پابند نہیں ہیں کیوں کہ تم نے معاہدے کی پابندی نہیں کی باہر سے کچھ اور تھے اور اندر سے کچھ اور تھے۔ ان سے کہہ دو ﴿ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ چلو پھرو زمین میں ﴿ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ ﴾ چار مہینے تم کو مہلت ہے آج کے بعد ﴿ وَّاعْلَمُوْٓا ﴾ اور تم جان لو ﴿ اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ﴾ بے شک تم عاجز نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ کو ﴿ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ رسوا کرنے والا ہے کافروں کو ﴿ وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ ﴾ اور اعلان ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ﴿ اِلَى النَّاسِ ﴾ لوگوں کو ﴿ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ ﴾ بڑے حج کے دن۔

حج اکبر کی وضاحت :

عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جمعے کے دن حج ہو تو وہ حج اکبر ہے۔ حالانکہ اس بات کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ حج اکبر کہتے ہیں عمرہ کے مقابلہ میں کہ عمرہ کو حج اصغر کہتے ہیں۔ چنانچہ منٰی میں، مزدلفہ میں، عرفات میں آپ ﷺ کے اعلان کرنے والوں نے اعلان کر کے سنایا ﴿ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَ رَسُوْلُهٗ ﴾ کہ بے شک بیزار ہے اللہ تعالیٰ مشرکوں سے اور اس کا رسول بھی (ﷺ) اب ہمارا تمہارا کوئی معاہدہ نہیں چار مہینے تم کو مہلت ہے ﴿ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ پس اگر تم توبہ کر لو کفر، شرک سے اور مسلمان ہو جاؤ تو وہ تمہارے حق میں بہتر ہے ﴿ وَ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ ﴾ اور اگر تم اعراض کرو گے ایمان سے اور کفر و شرک پر ڈٹے رہو گے ﴿ فَاعْلَمُوْٓا ﴾ پس تم جان لو ﴿ اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ﴾ بے شک تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے ﴿ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ اور آپ خوش خبری سنا دیں ان لوگوں کو جو کافر ہیں دردناک عذاب کی۔ یہ ان پر خوب چوٹ ہے کیوں کہ عذاب کی تو خوش خبری نہیں ہوتی پھر عذاب بھی ﴿ اَلِيْمٍ ﴾، یہ ان کے ساتھ طنز اور استہزاء ہے۔

اس اعلان کا اطلاق حج کے دن نو تاریخ سے شروع ہوا چار ماہ کی ان کو مہلت دی گئی۔ ہاں! صرف ان لوگوں کے ساتھ معاہدہ برقرار رہے گا ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ مگر وہ لوگ جن سے تم نے معاہدہ کیا ہے مشرکوں میں سے ﴿ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا ﴾ پھر انھوں نے کمی نہیں کی تمہارے ساتھ کسی شے میں۔ قبیلہ بنو ضَمْرَۃ اور قبیلہ بنو مُدْلِج۔ ان کے ساتھ معاہدہ تھا اور معاہدے کی میعاد ختم ہونے میں ابھی نو مہینے باقی تھے انھوں نے کوئی خلاف ورزی نہیں کی معاہدے میں کوئی کمی نہیں کی ﴿ وَّ لَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا ﴾ اور نہ امداد کی تمہارے خلاف کسی کی۔ جیسے: مکہ والوں نے قبیلہ بنو خزاعہ کے خلاف بنو بکر کی کھل کر امداد کی تھی ﴿ فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ ﴾ پس تم مکمل کرو ان کے ساتھ ان کا عہد ﴿ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ﴾ ان کی مدت تک نو ماہ جو باقی ہیں ان تک معاہدہ پورا کرو اس کے بعد پھر وہ خود دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم یہ ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں عرب کے رہنے والے

تقریباً تقریباً سارے مسلمان ہو گئے سوائے یہود ونصاریٰ کے اور ان کے متعلق آنحضرت ﷺ وصیت فرما گئے تھے: ((اَخْرِجُوْا الْیَھُوْدَ وَ النَّصَارٰی مِنْ جَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ)) ”یہود ونصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دینا“ یہ بڑے سازشی اور بے ایمان ہیں تمھیں اسلام پر نہیں چلنے دیں گے۔ اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ عرب میں اسلام کے علاوہ کوئی اور دین باقی نہ رہے۔ مگر اب بڑی مصیبت یہ ہے شہزادوں نے امریکہ کی فوج لا کر وہاں بٹھادی ہے کہ امریکہ اور برطانیہ نے ان کا ذہن بنایا ہے اور یہ ھَوَّا ڈالا ہے کہ عراق تمھیں ہڑپ کر جائے گا ہماری فوج یہاں رہے گی تو تمھیں پناہ ملے گی۔ ان کی اس فوج کا سارا خرچہ سعودی حکومت برداشت کر رہی ہے جس میں شراب تک شامل ہے۔ ان کی ساری بدمعاشی کے خرچے ان پر ہیں۔

اللہ تعالیٰ جزا دے علامہ عبدالرحمٰن حذیفی کو جو مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی کے خطیب تھے انھوں نے وہ باتیں کیں جو ہر مسلمان کے گھر ہونی چاہئیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہود ونصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو اور تم نے انھیں یہاں بٹھا رکھا ہے اور ان کا خرچہ بھی برداشت کرتے ہو۔ انھوں نے اپنا فریضہ ادا کیا اور یہ بھی صاف لفظوں میں کہا کہ یہ شیعہ بھی مسلمان نہیں ہیں اور بڑی عجیب بات یہ تھی کہ ایران کا وزیر خارجہ سامنے بیٹھا تھا۔ ان کی یہ بڑی تفصیلی تقریر ہے۔ پھر بے چارے کو فوراً وہاں سے ہٹا دیا گیا آج کل معلوم نہیں کہ جیل میں ہیں یا کہیں اور ہیں۔ اقتدار کی خاطر شہزادوں نے یہ سب کچھ کیا ہے۔ (اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ اپنے عہدے پر بحال ہو چکے ہیں اور پہلے کی طرح مسجد نبوی میں خطابت کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ محمد نواز بلوچ، مرتب)۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں پرہیزگاروں کے ساتھ۔ لہٰذا تم پرہیزگاری کا ثبوت دو۔

﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْھُرُ الْحُرُمُ﴾ پس جس وقت گزر جائیں عزت والے مہینے ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ﴾ پس تم قتل کرو مشرکوں کو ﴿حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ﴾ جہاں بھی تم ان کو پاؤ ﴿وَ خُذُوْھُمْ﴾ اور ان کو پکڑو ﴿وَ احْصُرُوْھُمْ﴾ اور ان کا گھیراؤ کرو ﴿وَ اقْعُدُوْا لَھُمْ﴾ اور بیٹھو ان کے لیے ﴿کُلَّ مَرْصَدٍ﴾ ہر گھات میں ﴿فَاِنْ تَابُوْا﴾ پس اگر وہ کفر د شرک سے توبہ کر لیں ﴿وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ﴾ اور نماز قائم کریں ﴿وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ﴾ اور زکوٰۃ ادا کریں ﴿فَخَلُّوْا سَبِیْلَھُمْ﴾ تو چھوڑ دو ان کا راستہ ﴿اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ﴿وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ﴾ اور اگر کوئی ایک بھی مشرکوں میں سے ﴿اسْتَجَارَکَ﴾ پناہ مانگے آپ سے ﴿فَاَجِرْہُ﴾ پس آپ پناہ دیں اس کو ﴿حَتّٰی یَسْمَعَ کَلٰمَ اللّٰہِ﴾ یہاں تک کہ وہ سن لے اللہ تعالیٰ کا کلام ﴿ثُمَّ اَبْلِغْہُ مَاْمَنَہٗ﴾ پھر پہنچا دیں اس کو امن کی جگہ تک ﴿ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ﴾ یہ اس لیے کہ بے شک یہ قوم ہے جو نہیں جانتی۔

پچھلے سبق میں یہ بات گزری ہے کہ قریش مکہ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ دس سال کا معاہدہ کیا تھا مگر وہ اس پر قائم نہ رہے اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی زبانی کلامی معاہدے کیے تھے لیکن کسی نے بھی معاہدے کی پاسداری نہ کی سوائے دو قبیلوں کے، قبیلہ بنو مدلج اور قبیلہ بنو ضَمُرَہ کہ یہ معاہدے کے پابند رہے۔

مشرکین کے ساتھ معاہدے ختم کر دیئے گئے

۹ ھ میں حج کے دنوں میں آنحضرت ﷺ نے مکہ مکرمہ، منٰی، مزدلفہ اور عرفات میں اعلان کروایا کہ اب ہمارے تمہارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے کوئی مغالطے میں نہ رہے صرف چار ماہ کی تم کو مہلت ہے سوچ سمجھ لو چار ماہ بعد پھر اگلی کارروائی ہوگی۔ اس کا ذکر ہے ﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ﴾ پس جس وقت گزر جائیں عزت والے مہینے۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور چوتھا رجب کا مہینہ ہے۔

جمہور مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں بھی لوگ ان چار ماہ کا بڑا احترام کرتے تھے اور کسی سے لڑتے نہیں تھے۔ اسلام میں بھی ابتداءً لڑائی ان مہینوں میں ممنوع تھی۔ دوسرے پارے میں آتا ہے ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ﴾ "آپ سے حرمت والے مہینے میں لڑائی سے متعلق سوال کرتے ہیں ﴿قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ﴾ آپ کہہ دیں حرمت والے مہینے میں لڑائی بڑا گناہ ہے۔" لیکن ان مہینوں میں اگر کوئی تم پر حملہ کر دے تو تم اس کا مقابلہ کرو یعنی ابتدا نہ کرو لیکن ﴿فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ﴾ "اور اگر وہ تمہارے ساتھ لڑیں تو تم ان کو مارو۔" یہ تمہارا حق ہے۔ لیکن بعد میں ان مہینوں کی حرمت اُٹھا دی گئی۔ اسی سورت میں آگے آئے گا کہ اب تمھیں ان مہینوں میں لڑنے کی اجازت ہے۔

ذوالحجہ کے مہینے میں اعلان ہوا تھا یہ بھی اشہر حرم میں سے تھا اس کے بعد محرم بھی گزر جائے ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ پس تم قتل کرو مشرکوں کو جہاں بھی ان کو پاؤ کہ معاہدہ ختم ہو گیا ہے۔ یہ ان مشرکوں کی بات ہے جو عرب میں رہتے تھے اور ان کے ساتھ معاہدے ہوئے تھے اور انھوں نے معاہدے توڑ دیئے تھے ان کو قتل کرو ﴿وَخُذُوْهُمْ﴾ اور ان کو پکڑو، گرفتار کرو ﴿وَاحْصُرُوْهُمْ﴾ اور ان کا محاصرہ اور گھیراؤ کرو ﴿وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ﴾ اور بیٹھو ان کے لیے ہر گھات میں جنھوں نے معاہدے کیے اور ان کی پاسداری نہیں کی ﴿فَاِنْ تَابُوْا﴾ پس اگر وہ توبہ کر لیں کفر و شرک سے ﴿وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور قائم کریں نماز ﴿وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ﴾ اور ادا کریں زکوٰۃ ﴿فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ﴾ تو چھوڑ دو ان کا راستہ۔ کہ اب انھوں نے کفر و شرک سے توبہ کر کے اسلام قبول کر لیا ہے، اندر کا معاملہ رب تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مشرکوں کے ساتھ لڑوں حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یہاں تک کہ وہ کلمہ پڑھ لیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کر لیں تو ان کی جان، مال محفوظ، عزت محفوظ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔ باطنی معاملہ ان کا رب تعالیٰ کے ساتھ ہے، ہم ظاہر کے مکلّف

ہیں۔ظاہری طور پر وہ احکامِ اسلام کو قبول کریں اور ان پر عمل کریں تو انہیں مسلمان سمجھیں گے۔ہاں! اگر وہ کوئی ایسا فعل کریں یا کوئی بات کریں جو کفریہ ہو تو پھر کافر سمجھیں گے۔

اور یہ بات میں کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ کسی مسلمان نے دیدہ و دانستہ نماز چھوڑی ہو۔آپ ﷺ کے بعد تیس سالہ خلافتِ راشدہ کا دور گزرا ہے اس دور میں بھی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی مسلمان نے نماز چھوڑی تھی اور اس کو فلاں سزا ملی تھی۔پھر ایک سو دس ہجری تک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دور ہے۔آخری صحابی حضرت ابو الطفیل عامر ابن واثلہ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے ہیں۔گویا آپ ﷺ کی وفات کے بعد پورا سو سال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دور تھا اس دور میں بھی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ بے نماز کو سزا دی گئی ہو۔نماز چھوڑنے کا کوئی واقعہ پیش آتا تو سزا ملتی۔

بے نماز کا حکم ائمہ اربعہ کے نزدیک

حضرت امام احمد ابن حنبل کا فیصلہ یہ ہے کہ جو شخص بغیر کسی شرعی عذر کے ایک نماز چھوڑے مرد ہو یا عورت یہ مرتد ہو گیا ہے اس کو قتل کر دیا جائے گا، کیوں کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر نماز کو اللہ تعالیٰ کا حکم اور فرض سمجھتا ہے مگر عملاً کوتاہی کی کہ نماز نہیں پڑھی تو وہ کافر تو نہیں ہے لیکن نماز ایک بڑا فریضہ ہے اس کے چھوڑنے کی وجہ سے تعزیراً اس کو قتل کیا جائے گا۔صرف ایک نماز کی بات ہو رہی ہے پانچ کی نہیں، ہفتے، مہینے اور سال کی نمازوں کی بات نہیں۔یہ اتنا پاپی اور گنہگار ہے کہ زمین اس کے وجود کو گوارا نہیں کرتی۔تین امام اس بات پر متفق ہیں کہ بے نماز کو قتل کر دیا جائے۔

حضرت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ غیر مشروط طور پر توبہ کر لے اور آئندہ کے لیے نماز پڑھنے کی تسلی کرائے اور عملاً نماز پڑھے تو اس کو چھوڑ دو اور اگر قیل و قال کرے تو اس کو جیل میں بند کر دو وہاں توبہ کرے یا مر جائے، اس کے وجود سے زمین کو پاک رکھو۔الحمد للہ! افغانستان میں طالبان کے پاس جو علاقہ ہے اس میں باقاعدہ یہ حکم جاری ہے وہاں تمہیں کوئی بے نمازی نہیں ملے گا۔

مسئلہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ جب سے مرد یا عورت بالغ ہوئے ہیں اگر ان کے ذمہ ایک نماز بھی ہے تو وہ توبہ سے معاف نہیں ہوگی چاہے کروڑ مرتبہ بھی توبہ کریں جب تک اس کی قضا نہیں لوٹائیں گے۔بہت سارے پڑھے لکھے لوگ بھی مغالطے کا شکار ہیں۔وہ یہ سمجھتے ہیں کہ توبہ ایسا چورن ہے کہ جس سے سارے گناہ ہضم ہو جاتے ہیں۔لہٰذا اچھی طرح سمجھ لیں اور قیامت والے دن یہ نہ کہنا کہ ہمیں کسی نے بتلایا نہیں تھا نماز، روزہ، زکوٰۃ، عشر، توبہ سے معاف نہیں ہوتے اگر کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو اس کی قضا کر لو۔نماز میں فرائض اور وتر واجب کی قضا ہے سنتوں اور نفلوں کی قضا نہیں ہے۔

قضا نمازیں پڑھنے کا طریقہ

اور یہ بھی یاد رکھنا کہ جس طرح وقتی نمازوں میں ترتیب ضروری ہے قضا نمازوں میں بھی ترتیب ضروری ہے۔ اس لیے ہر آدمی سوچے کہ میں کب بالغ ہوا ہوں اور میں نے کتنی نمازیں پڑھی ہیں اور کتنی میرے ذمہ ہیں۔ ان کو باقاعدہ کاپی پر نوٹ کرے اور قضا نمازوں کی ترتیب اس طرح ہوگی کہ مثلاً: ایک ہزار نماز اس کے ذمہ ہے فجر کی اور ہزار نماز ہے ظہر کی، قضا کرتے وقت یوں نیت کرے گا کہ میں ان میں سے پہلی فجر یا پہلی ظہر پڑھتا ہوں۔ پہلی پہلی کہتا جائے گا تو ترتیب قائم ہو جائے گی یا آخر سے شروع کرے کہ میرے ذمہ جو فجر کی ہزار نمازیں ہیں ان میں سے آخری پڑھتا ہوں۔ آخری، آخری کہہ کر نیت کرتا جائے اس طرح ترتیب قائم رہے گی۔

اور تین اوقات کے علاوہ جس وقت چاہے پڑھے۔ ① سورج کے طلوع ہونے کے وقت ② زوال کے وقت ③ اور غروب ہونے کے وقت نہیں پڑھ سکتا اور صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک نفلی عبادت بھی جائز نہیں ہے۔ قضا نماز پڑھ سکتا ہے، سجدۂ تلاوت واجب ہے وہ بھی کر سکتا ہے، نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے پڑھ سکتا ہے۔ عصر کی نماز کے بعد غروبِ آفتاب تک نفلی عبادت نہیں کر سکتا۔

اہلِ ظواہر اور غیر مقلدین کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ قضا نمازیں توبہ سے معاف ہو جاتی ہیں۔ ان کا مغالطہ بھی سمجھیں اور اس کا جواب بھی ذہن میں رکھیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بندہ نے جب ایک نماز چھوڑ دی تو وہ کافر ہو گیا اور کفر کے زمانے کی نمازوں کی قضا نہیں ہے کیوں کہ کافر پر کوئی نماز ہی نہیں ہے قضا کس چیز کی کرے گا؟ اگر انھوں نے اس نظریہ پر چلنا ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ ایک شخص شادی شدہ ہے اس نے ایک نماز چھوڑ دی اور نماز چھوڑنے کی وجہ سے وہ کافر ہو گیا۔ لہٰذا نمازوں کے قضا کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن کافر ہونے کی وجہ سے نکاح بھی ٹوٹ گیا آئندہ اولاد حرامی ہوگی اگر اس حالت میں مر گیا تو اس کا جنازہ بھی نہیں ہے اور اگر اس کا باپ یا بھائی فوت ہو گیا تو ان کی وراثت اس کو نہیں ملے گی اور مسلمانوں کے قبرستان میں اس کو دفن نہیں کیا جائے گا۔

یہ تو بڑا مشکل مسئلہ ہے صرف اتنی بات نہیں ہے کہ کافر بنا کر نمازوں کی قضا ختم کرا دیں۔ اس سے یہ آسان ہے کہ بے نماز کو کافر نہ بنائیں ہفتہ دو ہفتے یا اس سے کم یا زیادہ وقت لگے گا قضا نمازیں ادا ہو جائیں گی ورنہ مرتدوں والے سارے احکام نافذ ہو جائیں گے۔ لہٰذا حساب لگا کر نمازوں کو قضا کرو۔ البتہ عورتوں کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ جن دنوں میں شریعت نے ان کو رخصت دی ہے حیض اور نفاس کے دنوں میں، ان دنوں کی نمازوں کی قضا ان کے ذمہ نہیں ہے۔ باقی جو نمازیں ان سے رہ گئی ہیں ان کی قضا اُنھوں نے کرنی ہے۔

اور جس طرح نماز فرض ہے اسی طرح صاحبِ نصاب پر زکوٰۃ بھی فرض ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں کچھ لوگ جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے وہ غلط فہمی کا شکار ہو گئے کہ زکوٰۃ لینا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد زکوۃ وصول کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو خطاب فرمایا ہے ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ ﴾[التوبۃ:۱۰۳] "اے نبی کریم ﷺ! آپ وصولی کریں ان کے اموال میں سے زکوۃ، پاک کردیں ان کو اور تزکیہ کریں ان کا اس زکوۃ کے ساتھ اور ان کے لیے دعا کریں آپ کی دعا ان کے لیے باعثِ تسکین ہوگی۔" لوگ آپ ﷺ کو آکر زکوۃ دیتے تھے۔ آپ ﷺ جمع کرنے کے بعد ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔

مانعینِ زکوۃ کے خلاف جہاد کا اعلان

آپ ﷺ کے وصال کے بعد کچھ لوگ کہنے لگے کہ قرآن نے آپ ﷺ کو زکوۃ لینے کا حکم دیا ہے اور آپ ﷺ چونکہ نہیں ہیں لہٰذا ہم کسی اور کو زکوۃ نہیں دیں گے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو زکوۃ دینے کا انکار کرے گا میں اس کے خلاف جہاد کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ وہ نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، حج کے قائل ہیں، ان کے ساتھ کیسے لڑو گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طبیعت جلالی تھی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طبیعت بڑی ٹھنڈی تھی لیکن اس موقع پر وہ بھی جلال میں آگئے اور فرمانے لگے اے عمر! اَجَبَّارٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَ خَوَّارٌ فِي الْإِسْلَامِ "کیا بہادر اور دلیر تھا جب کافر تھا اور اسلام میں اب کمزور کمزور باتیں کرتے ہو؟ اَيَنْقُصُ دِيْنٌ وَ اَنَا حَيٌّ کیا دین کم ہوتا جائے گا اور میں زندہ تماشا دیکھتا رہوں گا۔" خدا کی قسم! جانور تو جانور رہے جو جانور کی رسی ہوتی ہے اگر وہ بھی زکوۃ میں نہ دیں گے تو میں ان کے خلاف لڑوں گا اور واقعتاً لڑے، بعض نے توبہ کی اور بہت سے آدمی مارے گئے۔ تو جو زکوۃ کا انکار کرے گا اس کے خلاف جہاد ہوگا جو نماز کا انکار کرے گا اس کے خلاف بھی جہاد ہوگا۔

حکومتی سطح پر زکوۃ وصول کرنے کا حکم

جنرل ضیاء نے بہت سی غلطیاں کی تھیں۔ ان میں سے ایک غلطی یہ بھی تھی کہ اس نے حکومتی سطح پر زکوۃ وصول کرنے کا حکم دیا تھا۔ ہم نے اس وقت بھی گرفت کی تھی کہ حکومت اس کی مجاز نہیں ہے حکومت صرف جانوروں کی زکوۃ اور زمین کی پیداوار سے عشر وصول کرنے کا اختیار رکھتی ہے نقد پیسے اور سامان تجارت کی زکوۃ خود مالک اپنی مرضی سے دے گا۔ اور ہم نے یہ بھی کہا تھا کہ حکومتی سطح پر وصول کی جانے والی زکوۃ اپنے مصرف میں خرچ نہیں ہوگی۔ کوئی اس رقم سے گلیاں بنوائے گا، کوئی الیکشن لڑے گا، کوئی کچھ کرے گا اور کوئی کچھ کرے گا اور ہمارے خدشات درست ثابت ہوئے اور اب حکومت بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ ضیاء الحق مشیروں کی اندرونی بات کو نہیں سمجھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ زکوۃ حکومت وصول کرے گی تو یہ دینی مدارس جو زکوۃ پر چل رہے ہیں بند ہو جائیں گے لیکن الحمد للہ! کوئی بھی بند نہیں ہوا بلکہ مزید بڑھے ہیں۔ ان شریروں کی پالیسی کامیاب نہ ہوئی۔

٭اسی طرح جنرل ضیاء سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ وفاق المدارس سے فارغ ہونے والے طلباء کو ایم۔اے کی ڈگری دیں لیکن اس کے مشیر نہ مانے۔علماء کو آگے نہیں آنے دیتے بلکہ کوشش کرتے ہیں کہ علماء کو اپنے تابع کرلیں۔اس کے لیے بڑی کوشش کرتے اور منصوبے بناتے رہتے ہیں۔نصرت العلوم میں الحمدللہ! اس وقت اٹھارہ سو طلباء وطالبات زیرتعلیم ہیں اور ستر افراد پر مشتمل عملہ ہے اور ان کا صدر مدرس اور نگرانِ تعلیم میں ہوں۔ہمیں حکومت نے پیش کش کی کہ آپ کے مدرسہ میں دورۂ حدیث بھی ہوتا ہے لہٰذا تمھیں چار لاکھ روپیہ سالانہ ملے گا صوبے سے بھی اور مرکز سے بھی پیغام آیا۔ہم نے انکار کر دیا کہ ہم حکومتی امداد نہیں لیں گے۔انھوں نے دھمکی دی کہ حکومت تمھیں گرفتار کرے گی ہم نے کہا کرے گرفتار یہ کون سی نئی بات ہے ہم نے پہلے بھی قیدیں بھگتی ہیں۔یہاں ہمارے صدر چوہدری اعجاز صاحب نے پہلے سال غلطی کی اور میری لاعلمی میں ایک سال کی زکوٰۃ وصول کرلی۔میں ناراض ہوا کہ تم نے کیوں وصول کی؟ کہنے لگا مجھے علم نہیں تھا۔اس کے بعد آج تک حکومت سے ایک پیسہ بھی وصول نہیں کیا۔تو ان کے سارے حربے ناکام ہوئے اور ہوں گے اسلام نہیں مٹے گا اسلام کو مٹانے والے خود مٹ جائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

آگے اور حکم ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور اگر کوئی ایک بھی مشرکوں میں سے ﴿اسْتَجَارَكَ﴾ پناہ مانگے آپ سے ﴿فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ پس آپ پناہ دیں اس کو یہاں تک کہ وہ سن لے اللہ تعالیٰ کا کلام۔یعنی اگر کوئی کافر کہے کہ میں تمہارا دین سمجھنا چاہتا ہوں مجھے اپنا دین سمجھاؤ،سمجھ آ گئی تو قبول کرلوں گا تو ایسے آدمی کو پناہ دو اور سمجھاؤ،اس کے شبہات دُور کرو ﴿ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ﴾ پھر پہنچا دیں اس کو امن کی جگہ تک۔کہ وہ سوچے کہ جو باتیں مجھے کہی گئی ہیں وہ حق ہیں اگر قبول کرلے تو فبہا ورنہ وہ بھی دوسرے کافروں کی طرح ہے ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ﴾ اس لیے کہ یہ قوم ہے جو نہیں جانتی۔لہٰذا اس کو تم پہلے دینی علم سکھا دو۔یہ دینِ فطرت ہے اسلام ایسا مذہب ہے جو فطرت کے مطابق ہے اگر کسی میں ضد نہ ہو تو فوراً قبول کرلے گا اور ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

~~~

﴿كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ﴾ کیسے ہوسکتا ہے مشرکوں کے لیے عہد ﴿عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ﴾ اللہ تعالیٰ کے ہاں اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے ہاں ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ مگر وہ لوگ جن سے تم نے معاہدہ کیا ہے مسجد حرام کے پاس ﴿فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ﴾ پس جس وقت تک وہ قائم رہیں تمہارے لیے ﴿فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ﴾ پس تم بھی قائم رہو ان کے لیے ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پرہیزگاروں کے ساتھ ﴿كَيْفَ﴾ کیسے ان کے وعدے کا اعتبار ہوسکتا ہے ﴿وَ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ﴾ اور اگر وہ تم پر غلبہ پالیں ﴿لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً﴾ نہیں لحاظ کریں گے رشتہ داری کا اور نہ عہد و پیمان کا ﴿يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ تمھیں راضی
~~~

کرتے ہیں اپنے مونہوں کی بات سے ﴿وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ﴾ اور انکار کرتے ہیں دل ان کے ﴿وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ اور اکثر ان کے نافرمان ہیں ﴿اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ خریدا انھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے میں تھوڑی قیمت کو ﴿فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ پس روکا انھوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ بے شک بُری ہے وہ کارروائی جو وہ کرتے ہیں۔

پہلے اجمالاً بیان ہوا ہے کہ ٦ ھ ذوالقعدہ کے مہینے میں آنحضرت ﷺ نے پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ ذوالحلیفہ (جس کو آج کل بئر علی کہتے ہیں) کے مقام پر عمرے کا احرام باندھا اور لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ کہتے ہوئے چل پڑے۔ اس وقت تک حج فرض نہیں ہوا تھا جب مکہ مکرمہ کے قریب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے جس کو آج کل شمیسہ کہتے ہیں اور وہ مکہ مکرمہ میں شامل ہو گیا ہے بلکہ مکہ مکرمہ پھیل کر اس سے آگے نکل گیا ہے۔ قریش مکہ کو علم ہوا تو اُنھوں نے ہنگامی طور پر اعلان کر دیا کہ اکٹھے ہو جاؤ ہم پر حملہ ہونے والا ہے۔ چونکہ اس سے قبل تین لڑائیاں ہو چکی تھیں بدر، احد، خندق، اس لیے ان کو شبہ ہوا کہ ہم پر حملہ کرنے کے لیے آرہے ہیں حالانکہ آپ ﷺ تو عمرہ کی ادائیگی کے لیے تشریف لائے تھے۔

اُنھوں نے بڑی تحقیق کی، ایک نمائندہ بھیجا، دوسرا بھیجا، تیسرا بھیجا، پھر ان کو یقین ہو گیا کہ واقعی یہ عمرہ کے لیے آئے ہیں، احرام باندھے ہوئے ہیں اور احرام کی وہ بھی عزت کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ آدمی احرام کی حالت میں مکھی، مچھر تک نہیں مار سکتا چہ جائیکہ وہ لڑائی کرے گا۔ یہ جانتے ہوئے بھی ضد میں آگئے اور کہنے لگے کہ ہمیں یقین ہے تم عمرے کے لیے آئے ہو لڑنے کے لیے نہیں لیکن اس سال اجازت نہیں دیں گے کہ ہماری کمزوری سمجھی جائے گی۔ اگلے سال آؤ عمرہ کرو، طواف کرو۔ ضد کا کوئی علاج نہیں ہے۔

اس موقع پر ان کے ساتھ دس سال کا معاہدہ ہوا تھا لیکن مشرکوں نے معاہدے کی پاسداری نہ کی۔ اس معاہدے کی ایک شق تھی کہ عرب میں جو خاندان قریش کے ساتھ ملنا چاہے مل جائے اور جو مسلمانوں کے ساتھ ملنا چاہے مل جائے اور وہ بھی اس معاہدے کے پابند ہوں گے۔

چنانچہ قبیلہ بنو بکر جو کافی بڑا قبیلہ تھا قریش مکہ کے ساتھ مل گیا اور قبیلہ بنو خزاعہ اگرچہ کافر قبیلہ تھا لیکن آنحضرت ﷺ کا خیر خواہ تھا وہ مسلمانوں کے ساتھ مل گیا۔ ذوالقعدہ میں یہ معاہدہ ہوا اور محرم کے مہینے میں بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ قریش نے بنو بکر کو اسلحہ بھی دیا، مالی معاونت بھی کی اور آدمی بھی دیئے اور معاہدہ توڑ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب ہمیں بھی اس کی پابندی کرنے کی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ﴾ کیسے ہو سکتا ہے مشرکوں کے لیے عہد ﴿عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ﴾ اللہ تعالیٰ کے ہاں اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے ہاں۔ کیونکہ وعدے کا پاس تو اس کو ہوتا ہے کہ جس کا یہ ذہن ہو کہ اگر اس

کی خلاف ورزی کروں گا تو گنہگار ہو جاؤں گا اور قیامت والے دن مجھ سے پوچھا جائے گا اور جو شخص قیامت ہی کا قائل نہیں ہے، ثواب، عقاب کا قائل نہیں ہے وہ وعدے کا کیا خیال رکھے گا۔

منافق کی علامتیں

حدیث پاک میں آتا ہے کہ منافق کی چار علامتیں ہیں:

منافق کی پہلی علامت یہ ہے کہ اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور دوسری حدیث میں آتا ہے کہ جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو وہ فرشتہ جو ہونٹ کے پاس ہوتا ہے درود شریف پہنچانے کے لیے، تسبیحات پہنچانے کے لیے، وہ ایک میل دور بھاگ جاتا ہے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ہمیں تو بدبو نہیں آتی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے نشوونما ہی جھوٹ میں پائی ہے اس لیے ہمیں بدبو نہیں آتی۔ جس طرح گندے نالے پر رہنے والوں کی حس ختم ہو جاتی ہے اور ان کو بدبو محسوس نہیں ہوتی اور جو باہر سے ملنے کے لیے ان کے پاس جائے تو اس کو محسوس ہوتی ہے۔ اور فرشتے چونکہ پاک نفوس اور معصوم ہیں اس لیے ان کو بو آتی ہے۔

منافق کی دوسری علامت: اِذَا عَاھَدَ غَدَرَ جب کسی سے معاہدہ کرتا ہے تو غداری کرتا ہے۔ معاہدہ شخصی اور انفرادی بھی ہوتا ہے اور جماعتی، قومی اور حکومتی سطح پر بھی ہوتا ہے۔ یہ منافق کسی سے انفرادی طور پر معاہدہ کرتا ہے تو اس کی بھی مخالفت کرتا ہے اور جماعتی شکل میں ہو تو اس کی بھی مخالفت کرتا ہے۔

منافق کی تیسری علامت: اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے۔ اور بات کی بھی امانت ہوتی ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ "جب کوئی آدمی تم سے گفتگو کر رہا ہو اور دائیں بائیں دیکھتا ہو تو سمجھ لو کہ اس کی بات تمہارے پاس امانت ہے۔" اور علم کی بھی امانت ہوتی ہے، مشورے کی بھی امانت ہوتی ہے اَلْمُسْتَشَارُ اَمِیْنٌ "جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہے۔"

لہٰذا جو بات اس کے حق میں صحیح سمجھتا ہے وہ بتلائے اگر غلط بتلائے گا تو خائن ہوگا اور نتیجہ بھی اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ بعض دفعہ آدمی اپنی سوچ کے مطابق اپنی صواب دید کے مطابق ایک بات کا فیصلہ کرتا ہے لیکن اس کا نتیجہ الٹ نکلتا ہے۔ لہٰذا جب مشورہ دے تو اس میں خیانت نہ کرے۔

منافق کی چوتھی علامت: اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ جب کسی سے جھگڑا کرتا ہے تو گالیاں دیتا ہے۔ معاف رکھنا! آج ہم نے گالیوں میں منافقوں کو بھی چار قدم پیچھے چھوڑ دیا ہے کہ ہم تو ہنسی اور مذاق میں گالیاں نکالتے ہیں گالیاں ہمارا ورد وظیفہ ہے۔ جس میں یہ چار علامتیں ہوں گی وہ پکا منافق ہے اور جس میں ایک علامت پائی جائے وہ ایک درجے کا اور جس میں دو علامتیں پائی جائیں گی وہ دو درجے کا اور جس میں تین پائی جائیں گی وہ تین درجوں کا منافق ہوگا۔

تو وعدے کی خلاف ورزی یہ منافقوں کا کام ہے لہٰذا وعدہ جس سے کرو سوچ سمجھ کر کرو دفع الوقتی نہ کرو کہ اب تو وقت گزار و کرو بعد میں دیکھا جائے گا، یہ گناہ ہے۔ جب دل اور زبان نہ ملیں تو گناہ ہے۔ وعدہ کرو پورا کرنے کے لیے کرو تو اللہ تعالیٰ بھی اسباب پیدا فرما دیتے ہیں۔ ہاں! اگر کار قضا یعنی تقدیر اً پورا نہ ہو سکے، بیمار ہو گیا کوئی اور عذر پیش آ گیا تو وہ الگ بات ہے۔ بلا عذر وعدہ خلافی منافقوں اور کافروں کا کام ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا اعتبار ہے مشرکوں کے وعدے کا ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ مگر وہ لوگ جن سے تم نے معاہدہ کیا ہے مسجد حرام کے پاس۔ اس سے مراد معاہدۂ حدیبیہ ہے کہ حدیبیہ مسجد حرام سے چھ میل کے فاصلے پر ہے ﴿فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ﴾ پس جس وقت تک وہ قائم رہیں گے تمہارے لیے ﴿فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ﴾ پس تم بھی قائم رہو ان کے لیے۔ یعنی اگر وہ پابندی کریں تو تم بھی پابندی کرو اگر وہ معاہدے کو توڑ دیں تو تم بھی اس کے پابند نہیں ہو۔ چنانچہ ہوا یہ کہ بنو بکر جو قریش مکہ کا حلیف تھا اس نے زیادتی کی قبیلہ بنو خزاعہ پر جو حلیف تھا مسلمانوں کا۔ قبیلہ بنو بکر افراد اور اسلحہ کے اعتبار سے بڑا طاقتور تھا اور بنو خزاعہ ان کی بہ نسبت کمزور تھا۔ قبیلہ بنو خزاعہ کا وفد فریاد لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگے حضرت! ہم آپ کے حلیف اور دوست ہیں بنو بکر نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہے اور ہمارے آدمی مار ڈالے ہیں اور قریش نے ان کی معاونت کی ہے۔ اور عکرمہ ابوجہل کا لڑکا معاونت کرنے والوں کا سرغنہ تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق کرائی تو معلوم ہوا کہ بنو خزاعہ والے سچے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ وفد بھیجا کہ تم نے ہمارے دوستوں کے ساتھ زیادتی کی ہے لہٰذا یا تو مقتولین کی دیت ادا کرو یا پھر یہ سمجھو کہ ہمارے تمہارے درمیان جو معاہدہ تھا وہ ختم ہو گیا ہے۔ قریش مکہ نے کہا ہاں ٹھیک ہے یہی سمجھو کہ معاہدہ ٹوٹ گیا ہے۔ وفد واپس آ گیا تو بعد میں فکر مند ہوئے کہ ہم نے جذبات میں آ کر کیا کہہ دیا ہے۔ مشورے میں یہ طے ہوا کہ زبانی کلامی معاہدہ برقرار رکھو اور دل سے ختم سمجھو۔

چنانچہ اس کے لیے انھوں نے ابوسفیان جو اس وقت تک رضی اللہ عنہ نہیں ہوئے تھے کو مدینہ طیبہ بھیجا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور بڑے میٹھے انداز میں کہنے لگے کہ ہمارے تمھارے درمیان معاہدہ برقرار ہے ایسے ہی کچھ جذباتی آدمیوں نے کہہ دیا تھا کہ معاہدہ ٹوٹ گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چچا جان! اگر معاہدہ قائم ہے تو مقتولین کی دیت ادا کرو۔ کہنے لگا دیت کی بات نہ کرو بس میں آ گیا ہوں میرے آنے کو سب کچھ سمجھو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بات کی کوئی حیثیت نہیں ہے ضابطے کے مطابق بات کرو مگر وہ باتیں کرتا ہوا اُٹھ کر چلا گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر وہ پابندی کریں تم بھی پابندی کرو ورنہ نہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پرہیزگاروں کے ساتھ ﴿كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ﴾ کیسے ان کے وعدوں کا اعتبار ہو سکتا ہے اور اگر وہ تم پر غلبہ پا لیں ﴿لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً﴾ نہیں لحاظ کریں گے رشتہ داری کا اور نہ عہد و پیمان کا۔ یہ "اِلًّا" استثنائی نہیں ہے یہ اسم ہے بمعنی قرابت داری۔ ﴿يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ یہ تمھیں راضی کرتے ہیں اپنے مونہوں کی بات سے ﴿وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ﴾ اور انکار

کرتے ہیں دل ان کے۔ اس لیے کہ مشرک آخرت کا قائل نہیں ہے کہ قیامت آنی ہے اور مجھ سے باز پرس ہوگی اور میں نے جواب دینا ہے۔ لہٰذا مشرک کے کسی وعدے کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں ہے کیوں کہ معاہدے کی بنیاد یہی ہے کہ قیامت قائم ہونی ہے اور قیامت والے دن مجھ سے سوال ہوگا اور میں جواب دے سکوں گا کہ اے پروردگار! میں نے وعدہ نبھانے کی پوری کوشش کی تھی۔

حضرت مدنی کا واقعہ ؒ

حضرت مدنی کے بارے میں آتا ہے کہ اُنھوں نے ایک جلسے میں پہنچنے کا وعدہ کرلیا سوئے اتفاق کہ گاڑی لیٹ ہوگئی وہ وقت پر نہیں پہنچ سکتے تھے دوسری سواری کا انتظام نہیں تھا۔ حضرت نے جیب سے گھڑی نکال کر دیکھی وقت کم تھا حضرت پہلوان قسم کے آدمی تھے ساتھی سے فرمایا کہ دوڑو...... ساتھی نے کہا حضرت! دوڑیں کیسے؟ فرمایا دوڑ کر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں اگر راستے میں تھک کر گر پڑے تو قیامت والے دن کہہ سکیں گے کہ پروردگار! ہم نے وعدہ پورا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم وعدے کو کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ ہمارے ہاں وعدہ تارِ عنکبوت یعنی مکڑی کا جالا ہے۔ یاد رکھنا! کسی سے وعدہ نہ کرنا اگر کرو تو اس کو نبھاؤ۔ کسی کو مغالطے میں نہ رکھو یہ منافقوں اور مشرکوں کی علامت ہے۔

﴿وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ اور اکثر ان کے نافرمان ہیں۔ ہمیشہ اکثریت نافرمانوں کی رہی ہے۔ ﴿اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ خرید اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے میں تھوڑی قیمت کو۔ آیات سے مراد قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم مکہ مکرمہ میں نازل ہونا شروع ہوا اور مکے والوں کی زبان میں نازل ہوا وہ اس کی فصاحت و بلاغت کو سمجھتے اور جانتے تھے اور قرآن کریم کے اثر کو بھی مانتے تھے۔ اسی لیے کہتے تھے ﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ [حم سجدہ: ۲۶، پارہ: ۲۴] "نہ سنو اس قرآن کو اور شور مچاؤ اس میں تاکہ تم غالب آجاؤ۔" کہ شور مچاؤ گے تو دوسرے سنیں گے نہیں اور ان پر اثر نہیں ہوگا یہ کافروں کا مشن تھا اور وہ قرآن کریم کا اتنا اثر مانتے تھے کہ اس کو سحرِ مبین سے تعبیر کرتے تھے۔ قرآن پاک کے بدلے میں دنیا کی حقیر چیزیں حاصل کرتے تھے۔ جاہ، اقتدار، چودھراہٹ، دولت یہ تمام چیزیں ثمن قلیل ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس کی قدر مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ دیتا۔ اگر وہ لوگ اس حقیر دنیاوی مفاد کی بجائے آخرت کی فکر کرتے تو کامیاب ہو جاتے مگر اُنھوں نے حقیر چیز کو پسند کیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے راستے سے خود بھی بھٹک گئے۔ ﴿فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹکایا ﴿اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ بے شک بری ہے وہ کارروائی جو وہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے بھی اور ان کی کارروائی سے بھی بچائے اور محفوظ فرمائے۔

﴿لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً﴾ نہیں لحاظ کرتے وہ کسی مومن کے بارے میں قرابت داری کا اور نہ عہد و پیان کا ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ﴾ اور یہی لوگ ہیں تجاوز کرنے والے ﴿فَاِنْ تَابُوْا﴾ پس وہ اگر توبہ کرلیں ﴿وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور قائم کریں نماز ﴿وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ﴾ اور زکوۃ ادا کریں ﴿فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ﴾ پس تمہارے بھائی ہیں وہ دین میں ﴿وَنُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ﴾ اور ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیات ﴿لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ﴾ ایسی قوم کے لیے جو جانتی ہے ﴿وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَیْمَانَهُمْ﴾ اور اگر وہ توڑ دیں اپنے وعدے کو ﴿مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ﴾ اپنے عہد کرنے کے بعد ﴿وَطَعَنُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ﴾ اور طعن کریں تمہارے دین میں ﴿فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ﴾ پس لڑو تم کفر کے سرداروں کے ساتھ ﴿اِنَّهُمْ لَآ اَیْمَانَ لَهُمْ﴾ بے شک ان کا کوئی وعدہ نہیں ہے ﴿لَعَلَّهُمْ یَنْتَهُوْنَ﴾ تا کہ وہ باز آجائیں ﴿اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا﴾ کیوں نہیں لڑتے تم اس قوم سے ﴿نَّكَثُوْٓا اَیْمَانَهُمْ﴾ جنھوں نے اپنے وعدے توڑ دیے ﴿وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ﴾ اور انھوں نے قصد کیا رسول کو نکالنے کا ﴿وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ اور انھوں نے ابتداء کی تمہارے ساتھ پہلی مرتبہ ﴿اَتَخْشَوْنَهُمْ﴾ کیا تم ان سے ڈرتے ہو ﴿فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ﴾ پس اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ اگر ہو تم مومن ﴿قَاتِلُوْهُمْ﴾ لڑو تم ان کے ساتھ ﴿یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو سزا دے گا ﴿بِاَیْدِیْكُمْ﴾ تمہارے ہاتھوں سے ﴿وَیُخْزِهِمْ﴾ اور ان کو رسوا کرے گا ﴿وَیَنْصُرْكُمْ عَلَیْهِمْ﴾ اور تمہاری مدد کرے گا ان کے خلاف ﴿وَیَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ اور شفا دے گا مومنوں کے دلوں کو ﴿وَیُذْهِبْ غَیْظَ قُلُوْبِهِمْ﴾ اور دور کر دے گا ان کے دلوں کے غصے کو ﴿وَیَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ﴾ اور اللہ تعالیٰ رجوع فرمائے گا جس پر چاہے گا ﴿وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

ماقبل سے ربط

پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ کافر، مشرک اور منافق کے وعدے کا کوئی اعتبار نہیں ہے ﴿یُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ یہ اپنے مونھوں سے تم کو راضی کرتے ہیں اور دل ان کے منکر ہیں۔ حالانکہ بات تو وہ ہوتی ہے جو دل سے نکلے۔ یہ لوگ وعدہ کرتے ہیں دفع الوقتی کے لیے اور حال ان کا یہ ہے کہ ﴿لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً﴾ نہیں لحاظ کرتے وہ کسی مومن کے بارے میں قرابت داری کا اور نہ عہد و پیان کا۔ پہلے بھی اس مضمون کی آیت گزری ہے یہاں جو ﴿اِلًّا﴾ ہے یہ حرف استثناء نہیں ہے بلکہ یہ اسم ہے اور اس کا معنی قرابت داری ہے۔ یہ کفر میں اتنے پختہ ہیں کہ رشتہ داری کا بھی خیال نہیں کرتے۔ حالانکہ عربوں میں

عزیز واقارب کا بڑا لحاظ ہوتا تھا لیکن مومنو! تمہارے لیے قطعاً کوئی رعایت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں ﴿ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴾ اور یہی لوگ ہیں حد سے تجاوز کرنے والے۔

﴿ فَاِنْ تَابُوْا ﴾ پس اگر وہ توبہ کرلیں کفر شرک سے ﴿ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ﴾ اور وہ قائم کریں نماز کو۔ کیوں کہ نماز تمام عبادات میں سے ایک اہم عبادت ہے۔ قیامت والے دن حقوق اللہ میں سے سب سے پہلا سوال نماز کے بارے میں ہوگا اَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الصَّلٰوةُ " پہلی وہ چیز کہ بندے کا حساب لیا جائے گا قیامت والے دن وہ نماز ہے۔" پہلا پرچہ نماز کا ہوگا۔ اگر نماز صحیح نکلی تو امید ہے ان شاء اللہ العزیز باقی کام بھی ٹھیک نکلیں گے اور اگر پہلے پرچے ہی میں رہ گیا تو بعد والے پرچوں میں اس کا کیا حال ہوگا؟ اور قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو شرائط کے ساتھ ادا کرتے ہیں، وقت پر پڑھتے ہیں، فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات کے ساتھ۔

﴿ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ ﴾ اور زکوۃ ادا کریں۔ مالی عبادات میں زکوۃ بڑی عبادت ہے جس طرح بدنی عبادتوں میں نماز بڑی عبادت ہے۔ ان دونوں بڑی عبادتوں کا ذکر کر کے فرمایا ﴿ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ﴾ پس وہ تمہارے بھائی ہیں دین میں۔ جیسے تم نے دین قبول کیا اور مسلمان ہو گئے اب وہ بھی مسلمان ہیں ﴿ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ ﴾ اور ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیات ﴿ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾ ایسی قوم کے لیے جو جانتی ہے۔ علم کے ساتھ تعلق رکھتی ہے ان کے لیے ہم نے کوئی خفا نہیں چھوڑا بڑی تفصیل سے باتیں بیان کر دی ہیں۔

اور اگر وہ توبہ نہ کریں ﴿ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ ﴾ اور اگر وہ توڑ دیں اپنے وعدے کو اپنے عہد کرنے کے بعد ﴿ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ ﴾ اور طعن کریں تمھارے دین میں ﴿ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ﴾ پس لڑو تم کفر کے سرداروں کے ساتھ۔ ان کے پیشواؤں، اماموں، لیڈروں اور وڈیروں سے مقابلہ کرو اور لڑو۔

صلح حدیبیہ کی شرائط

یہ بات پہلے بھی بیان ہوئی ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر قریش مکہ کے ساتھ معاہدہ ہوا تھا جس کی تفصیل آج بھی حدیث، تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہے کہ:

① مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔
② اگلے سال آئیں تو صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔
③ ہتھیار لگا کر نہ آئیں صرف تلوار ساتھ لائیں وہ بھی نیام میں۔
④ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

⑤..... کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں جائے تو واپس نہیں جائے گا۔

⑥..... قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کیساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔

لیکن معاہدہ کو ڈیڑھ سال بھی نہ گزرا کہ انھوں نے عہد شکنی کی کہ قبیلہ بنو بکر (جو قریش کا حلیف تھا) نے قبیلہ بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا جو آنحضرت ﷺ کا دوست اور حلیف تھا اور مکہ والوں نے بنو بکر کو اسلحہ بھی دیا، مال بھی دیا اور آدمی بھی دیئے اور ان کو اُکسایا اور اُبھارا بھی۔ جو شریروں اور فسادیوں کا طریقہ ہوتا ہے وہ اُنھوں نے سارا اختیار کیا عہد شکنی کی اور دین کا مذاق بھی اڑاتے تھے۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر وہ اپنا وعدہ توڑ دیں عہد کرنے کے بعد اور طعن کریں تمہارے دین کے بارے میں اور چھٹے پارے میں تم پڑھ چکے ہو کہ مسلمان جب اذان دیتے اور نماز پڑھتے تو ﴿اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا﴾ [المائدہ: ۵۸] یہ اس کا مذاق اُڑاتے تھے۔ نماز کی نقل اُتارتے، رکوع کی، سجدے کی، سلام پھیرنے کی، کبھی مؤذن کی طرح اذان کی آواز نکالتے وغیرہ وغیرہ۔ اور مسئلہ یاد رکھنا! دین کی کسی چیز کے ساتھ مسخرہ کرنا کفر ہے۔

فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جو چیزیں قرآن کریم اور حدیث متواتر سے ثابت نہیں یعنی قطعی الثبوت نہیں ہیں لیکن خبر واحد سے ثابت ہیں اور جو چیز خبر واحد سے ثابت ہوتی ہے وہ ظنی ہوتی ہے اس کا انکار کرنے والا کافر نہیں ہے مگر اس کے ساتھ مذاق کرنے والا کافر ہے۔ اور جو چیز قرآن سے ثابت ہے یا حدیث متواتر سے ثابت ہے اس کا منکر کافر ہے۔

ایک آدمی نے اُسترے کے ساتھ مونچھیں صاف کیں تو دوسرے نے اس کے ساتھ مذاق کیا کہ تو نے یہ کیا پھاٹک بنایا ہے۔ تو اس نے اس آدمی کے خلاف قاضی القضاۃ امام ابو یوسف کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا کہ اس نے میرے ساتھ یہ مذاق کیا ہے تو قاضیٔ وقت نے اس کے مرتد ہونے کا فیصلہ دیا کہ اس نے آنحضرت ﷺ کی ایک سنت کے ساتھ مذاق کیا ہے لہٰذا یہ مسلمان نہیں رہا۔

مونچھوں کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ انھیں قینچی کے ساتھ کاٹنا بھی جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ اُسترے سے صاف کی جائیں۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے ساتھ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ اسی کے قائل ہیں کہ اُسترے کے ساتھ مونڈنے میں زیادہ فضیلت ہے۔

تو مسئلہ یہ بیان ہو رہا تھا کہ جو چیز خبر واحد سے ثابت ہے اس کا انکار کرنا کفر نہیں ہے لیکن استہزاء کرنا کفر ہے۔ امام ابو یوسف کے دور میں ایک شخص نے یہ حدیث پیش کی کہ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یُحِبُّ الْقَرْعَ وَفِیْ رِوَایَةٍ الدُّبَّا "آنحضرت ﷺ کدو پسند فرماتے تھے خوش ہو کر کھاتے تھے۔" مجلس میں ایک آدمی نے کہا اَمَّا اَنَا فَلَا اُحِبُّ الْقَرْعَ "بہر حال میں کدو کو پسند نہیں کرتا۔" ان الفاظ پر مقدمہ درج ہوا اور قاضی صاحب نے اس کے مرتد ہونے کا فیصلہ سنایا۔ اگر تجھے پسند نہیں ہے نہ کھا

شریعت تجھے مجبور نہیں کرتی لیکن آنحضرت ﷺ کی پسند کے مقابلہ میں ناک چڑھانا کفر ہے۔ یاد رکھنا! دین کی کسی بات کا مذاق اُڑانا انکار کرنے سے بھی سخت جرم ہے۔ اور ہم سے ایسی باتیں غیر شعوری طور پر نکل جاتی ہیں جو کفر کے زمرے میں آتی ہیں اور نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی وجہ سے علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ہر مہینے نکاح کی تجدید کرنی چاہیے تاکہ اولاد حلالی ہو۔

تو فرمایا کہ یہ تمہارے دین میں طعن کرتے ہیں پس لڑو تم کفر کے سرغنوں کے ساتھ ﴿إِنَّهُمْ لَآ أَيْمَانَ لَهُمْ﴾ بے شک ان کا کوئی وعدہ نہیں ہے ان کی کوئی قسم نہیں ہے۔ کیوں لڑو؟ ﴿لَعَلَّهُمْ يَنتَهُونَ﴾ تاکہ وہ باز آجائیں کفر، شرک سے، بدی سے ﴿أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا﴾ کیوں نہیں لڑتے تم اس قوم سے ﴿نَّكَثُوٓا أَيْمَانَهُمْ﴾ جنھوں نے اپنے وعدے توڑ دیے ﴿وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ﴾ اور اُنھوں نے قصد کیا رسول کو نکالنے کا مکہ مکرمہ سے۔ یہ بات تم پہلے پڑھ چکے ہو کہ صرف نکالنے کا ارادہ نہیں کیا بلکہ شہید کرنے کا ارادہ کیا اور قتل کرنے کے لیے آدمی متعین کر دیے گئے، وقت متعین کر دیا گیا آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر لیا گیا مگر جس کو رب رکھے اس کو کون چکھے اور ان کا قتل کرنے کا منصوبہ ہی آپ ﷺ کے نکلنے کا سبب بنا کہ آپ ﷺ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہاں سے نکلے اور تین دن غارِ ثور میں رہے پھر وہاں سے چل کر مدینہ منورہ پہنچے۔

﴿وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ اور اُنھوں نے ابتدا کی تمھارے ساتھ پہلی مرتبہ کہ بنو بکر نے چڑھائی کی بنو خزاعہ پر اور قریش مکہ نے ان کی مدد کی اور مسلمانوں کے حلیف پر حملہ مسلمانوں ہی پر حملہ تھا اور آنحضرت ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو کرز ابن جابر فہری جو عرب کا بڑا رئیس تھا یہ اپنی فوج لے کر آیا اور چراگاہ سے بیت المال کے اونٹ لے کر بھاگا۔ یہ بھی بنیاد تھی ان کی شرارت کی۔ اس کے بعد بدر، اُحد اور دوسرے غزوات پیش آئے۔ ﴿أَتَخْشَوْنَهُمْ﴾ کیا تم ان سے ڈرتے ہو ﴿فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ﴾ پس اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو ﴿إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ اگر ہو تم مومن۔ رب سے ڈرو کافروں سے نہ ڈرو ﴿قَاتِلُوهُمْ﴾ لڑو تم ان کے ساتھ ﴿يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو سزا دے گا تمھارے ہاتھوں سے ﴿وَيُخْزِهِمْ﴾ اور ان کو رسوا کرے گا۔ اس طرح کہ تھوڑے اور معمولی اسلحہ والے زیادہ تعداد اور زیادہ اسلحہ والوں کو مار ڈالیں یہ تھوڑی ذلت ہے۔ بدر میں مسلمانوں کے پاس آٹھ تلواریں تھیں اور مقابلے میں ہزار تلوار تھی اور ان کے ستر مارے گئے، ستر گرفتار ہوئے اور باقیوں کو بھاگنے کا راستہ نہ ملا۔ جب گھر گئے تو عورتوں نے طعنے دیئے کہ تمھارا باپ مر گیا، بھائی مر گیا تم کیوں آئے ہو تم بھی مر جاتے۔ اور کئی کئی ماہ تک چھپتے پھرتے رہے۔

فرمایا ﴿وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ﴾ اور تمھاری مدد کرے گا ان کے خلاف ﴿وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ﴾ اور شفا دے گا مومنوں کے دلوں کو۔ اس طرح کہ کافروں کے خلاف جو بغض و کینہ ہے مومنوں کے دلوں میں تو جب مومن اپنے ہاتھوں سے ان کو ماریں گے تو مومنوں کو شفا ہوگی ﴿وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ﴾ اور دور کر دے گا ان کے دلوں کے غصے کو جو تمھارے خلاف ہے۔ آنحضرت ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں، قرآن کے باغی ہیں یہ دور ہو جائے گا ﴿وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَن يَشَآءُ﴾ اور اللہ تعالیٰ رجوع فرمائے گا جس پر چاہے گا کہ اس کو توبہ کی توفیق ہو جائے۔ چنانچہ ان میں سے بہت سے لوگ اپنے کفر پر نادم ہوئے اور

مسلمان ہوئے۔ کفر کے زمانے کی کارروائیوں پر افسوس کرتے تھے کہ ہم کیا کیا کرتے رہے لیکن الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق دی ہے ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اس سے کوئی شے پوشیدہ نہیں ہے اور اس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے۔

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ﴾ کیا تم گمان کرتے ہو ﴿اَنْ تُتْرَكُوْا﴾ اس بات کا کہ تم چھوڑ دیئے جاؤ گے ﴿وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ﴾ حالانکہ ابھی تک ظاہر نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جنھوں نے جہاد کیا تم میں سے ﴿وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور نہیں بنایا انھوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿وَلَا رَسُوْلِهٖ﴾ اور نہ اس کے رسول کے سوا ﴿وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً﴾ اور مومنوں کے سوا رازدان ﴿وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ خبردار ہے اس کارروائی سے جو تم کرتے ہو ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ﴾ نہیں ہے لائق شرک کرنے والوں کے ﴿اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ﴾ کہ وہ آباد کریں اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو ﴿شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ﴾ گواہی دیتے ہوئے اپنے نفسوں پر کفر کی ﴿اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال ضائع ہو چکے ہیں ﴿وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ﴾ اور وہ دوزخ میں رہیں گے ہمیشہ ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ﴾ پختہ بات ہے کہ آباد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو ﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر ایمان لائے ﴿وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ﴾ اور نماز قائم کی ﴿وَاٰتَى الزَّكٰوةَ﴾ اور زکوٰۃ ادا کی ﴿وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ اور نہ ڈرے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے ﴿فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ﴾ پس قریب ہے کہ یہی لوگ ہوں گے ہدایت پانے والوں میں سے۔

ربطِ آیات ؟

اس سے پہلی آیات میں کفار اور مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے کے اسباب بیان فرمائے تھے کہ اُنھوں نے عہد شکنی کی۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالا، جنگ میں ابتدا کی اور اب ایک اور سبب بیان فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی آزمائش بھی مقصود ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ﴾ کیا تم گمان کرتے ہو کلمہ پڑھنے والو! ﴿اَنْ تُتْرَكُوْا﴾ اس بات کا کہ تم چھوڑ دیئے جاؤ گے اسی حالت پر ﴿وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ﴾ حالانکہ ابھی تک ظاہر نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جنھوں نے جہاد کیا تم میں سے۔ يَعْلَمْ کا لفظی معنیٰ تو ہے جاننا اور رب تعالیٰ چوں کہ سب چیزوں کو جانتا ہے اس لیے معنیٰ کرتے ہیں ظاہر کرنے کا کہ تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ کلمہ پڑھ لیا تو مومن ہو گئے اور اس کے بعد تم پر کوئی امتحان اور تکلیف نہیں آئے گی جہاد کے بغیر تم کیسے مؤمن کہلا سکتے ہو؟ لہٰذا کافروں کے ساتھ لڑو۔

اور جہاد کی کئی قسمیں ہیں۔ سب سے بڑا جہاد قرآن کریم پڑھنا پڑھانا اور اس کو سمجھنا سمجھانا ہے اور اس کی تبلیغ کرنا ہے اور اس کی نشر واشاعت کرنا ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہادِ کبیر فرمایا ہے ﴿وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا﴾ [الفرقان: ۵۲] "اور جہاد کر ان کے ساتھ اس قرآن کے ذریعے بڑا جہاد۔" تو قرآن کریم کی تعلیم سے بڑا جہاد کوئی نہیں ہے۔ پھر کافروں کے مقابلے میں لڑنا بھی جہاد ہے کہ اس کے بغیر بھی چارہ نہیں ہے۔ لڑنے والے مجاہد ہیں اور جو لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے اور لڑنے والوں کی مالی امداد کرتے ہیں وہ بھی مجاہد ہیں، جو مجاہدین کو اسلحہ اور خرچہ دیتے ہیں وہ بھی مجاہد ہیں اور جو مجاہدین کے بچوں کا خرچہ اُٹھاتے ہیں اور ان کے گھروں کی نگرانی کرتے ہیں وہ بھی مجاہد ہیں اور اسلام کا دفاع کرنا تقریر اور تحریر کے ذریعے یہ بھی جہاد ہے۔ تو جہاد کے مختلف شعبے ہیں۔ سب سے بڑا شعبہ تو دین کی تعلیم ہے پھر لوگوں کو دین کی دعوت دینا تقریر کے ذریعے اور تحریر کے ذریعے اور تبلیغ کے لیے مالی امداد کرنا یہ بھی تبلیغ ہے۔

جہاد اور تبلیغ

بعض سادہ قسم کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تبلیغ صرف وہ ہے جو تبلیغی جماعت والے کرتے ہیں اور کوئی تبلیغ نہیں کرتا۔ نصرت العلوم میں ایک بزرگ باباجی نیک آدمی تھے میرے پاس بیٹھ کر قرآن کا درس سنتے تھے۔ طلبہ کی بھی کافی تعداد ہوتی تھی۔ کافی عرصہ کے بعد مجھے کہنے لگے مولانا! آپ بہت بڑا کام کر رہے ہیں مگر دین کا کام نہیں کرتے۔ میں نے کہا باباجی! دین کا کیا کام کروں؟ کہنے لگے آپ نے کوئی چلہ تو دیا نہیں۔ میں نے کہا اگر میں چلہ دے دوں تو ان کو کون پڑھائے گا؟ کہنے لگے ان کو خدا پڑھائے گا۔ بھئی! اتنی سادگی بھی نہیں ہونی چاہیے خدا ہر ایک کو خود نہیں پڑھاتا اس نے پڑھانے کے اسباب بنائے ہیں۔ جو وقت نکال کر باہر جاتے ہیں وہ بھی مبلغ ہیں جو اپنی جگہ رہ کر اصلاح کرتے ہیں وہ بھی مبلغ ہیں اور اصل جہاد اور تبلیغ قرآن پاک کی تعلیم اور اس کے لیے مدارس قائم کرنا ہے باقی ان کے شعبے ہیں۔

﴿وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِن دُونِ اللَّهِ﴾ اور نہیں بنایا انھوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿وَلَا رَسُولِهِ﴾ اور نہ اس کے رسول کے سوا ﴿وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً﴾ اور مومنوں کے سوا رازدان۔ وَلِیجَہ کا معنیٰ راز دان، بھیدی، ایجنٹ۔ مطلب یہ ہے کہ پکا سچا مسلمان کسی غیر مسلم کو اپنا دلی دوست نہیں بنا سکتا۔ کیوں کہ دوستی کے ذریعے راز کے افشا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ شریعت نے کافروں کے ساتھ معاملات سے منع نہیں کیا ان کے ساتھ خرید وفروخت کر سکتے ہو، گفتگو کر سکتے ہو لیکن اگر ان کے ساتھ معاملات کرنے میں یا کاروبار کا ایسا طریق اختیار کرنا جس سے کلمے پر زد پڑے، اسلام پر زد پڑے یہ حرام ہے۔ وہ کیسا مسلمان ہے جو مومن بھی ہو اور کافروں کا ایجنٹ بھی ہو۔ باقی ہر زمانے میں لوگ ہوئے ہیں جو بظاہر مسلمان اور اندر سے کافروں کے ایجنٹ تھے اور اب بھی کمی نہیں ہے۔ کلمہ پڑھتے ہیں، مسلمان کہلاتے ہیں، اسلام کے کام بھی کرتے ہیں اور اندر سے کافروں کے ایجنٹ ہیں۔ اس وقت مسلمانوں کے تمام حکام الا ماشاء اللہ طالبان کے علاوہ سعودیہ سمیت سارے امریکہ کے ایجنٹ ہیں اور اس کی ہم

نوائی کرتے ہیں جو وہ کہتا ہے وہ کرتے ہیں۔

تو فرمایا کیا سمجھتے ہو تم کہ چھوڑ دیئے جاؤ گے اور ابھی تک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے مجاہدوں کو ظاہر نہیں کیا اور ان کو ظاہر نہیں کیا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنوں کے سوا کسی کو راز دان نہیں بناتے اور وہ کیسے مسلمان ہیں اور مومن ہیں جنھوں نے نہ عملی جہاد کیا ہے اور نہ مالی جہاد کیا ہے اور نہ زبانی جہاد کیا ہے ﴿وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ خبردار ہے اس کارروائی سے جو تم کرتے ہو۔ رب تعالیٰ تمھارے ظاہر و باطن سے واقف ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں ہے۔

مشرکین کہتے تھے کہ تم ہمارے ساتھ لڑنے کا حکم دیتے ہو ﴿قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ﴾ حالانکہ ہم تو صدیوں سے مسجد حرام کی خدمت کرتے ہیں، اس کو آباد رکھتے ہیں اور یہ بات حقیقت تھی کہ ان کے بڑے بڑے سردار آ کر مسجد حرام میں جھاڑ و دیتے تھے اور صفائی کرتے تھے، مسجد حرام کا بڑا خیال رکھتے تھے اور جو غریب آ جاتا اس کو کھانا بھی کھلاتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ﴾ نہیں ہے لائق شرک کرنے والوں کے کہ وہ آباد کریں اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو ﴿شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ﴾ گواہی دیتے ہوئے اپنے نفسوں پر کفر کی۔ یہ مسجد حرام کی کیا خدمت ہوئی کہ مسجد حرام کی خدمت بھی کرتے ہو اور ہبل اور دوسرے بتوں کے سامنے بھی جھکتے ہو؟ حالانکہ ﴿وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ [جن:۱۸] "اور بے شک مسجدیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں پس نہ پکارو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو۔" تو مسجد میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت ہونی چاہیے۔ ایسا نہیں کہ نماز پڑھی پھر کہنا شروع کر دیا یا دست گیر، یا غوث اعظم، یہ مسجد کی آبادی ہے یا بربادی ہے؟

﴿اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال ضائع ہو چکے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو بظاہر نیک عمل کرتے ہیں مسجد کی صفائی کرتے ہیں، ٹینکی میں پانی بھرتے ہیں، مسجد میں روشنی کا انتظام کرتے ہیں اور اگر مسجد میں کوئی مسافر مہمان آ جائے تو اس کو کھانا بھی کھلاتے ہیں مگر ساتھ ساتھ شرکیہ افعال بھی کرتے ہیں تو ان کے نیک اعمال ضائع ہو گئے ان کا کوئی فائدہ آخرت میں نہیں ہوگا ﴿وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ﴾ اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ شرک کرنے والوں کی کبھی بخشش نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾ [المائدہ:۷۲] "بے شک جس نے شرک کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تحقیق حرام کر دی اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور نہیں ہے ظلم کرنے والوں کا کوئی مددگار۔" اور شرک کی حالت میں نیک اعمال کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لوگ نیک اعمال کر کے خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے حج کیا ہے، عمرہ کیا ہے وغیرہ اور نیکی پر خوش ہونا گناہ بھی نہیں ہے۔

ایمان کی علامت

آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا کہ حضرت! ایمان کی کوئی ایسی علامت ہے کہ جس سے ہم سمجھیں کہ ہم مومن ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! ((اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ)). (رواہ مسلم) "جب نیکی سے

خوشی ہو اور بُرائی پر افسوس ہو تو سمجھ لو کہ تم مومن ہو۔" لیکن نیکی کر کے پھولنا اور تکبر نہیں کرنا چاہیے یہ بُری چیز ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ میرا عقیدہ بھی درست ہے کہ نہیں، قرآن وسنت کے مطابق ہے کہ نہیں کیوں کہ اگر عقیدہ قرآن وسنت کے مطابق نہ ہوا تو کوئی نیکی آخرت میں کام نہیں آئے گی۔

آدابِ مسجد

فرمایا ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ﴾ پختہ بات ہے آباد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو ﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر ایمان لائے۔ مسجدوں کی آبادی ان کے ساتھ ہے شوروغل مچانے سے مسجدیں آباد نہیں ہوتیں لیکن لوگوں نے آج کل اس کو دین بنا لیا ہے حالانکہ رَفْعُ الصَّوْتِ فِي الْمَسْجِدِ مسجدوں میں شور کرنا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ ترمذی شریف کی روایت ہے کہ لوگ مسجدوں میں شور کریں گے، آواز بلند کریں گے۔ یہ لاؤڈ سپیکر کے ذریعے شور اور اس کے علاوہ شور کرنا سب قیامت کی نشانیاں ہیں۔

مسجد امن اور احترام کی جگہ ہے جب مسجد میں آؤ تو آرام اور اطمینان کے ساتھ چل کر آؤ، ادب کو ملحوظ رکھ کر، دوڑ کر اور چھلانگیں لگاتے ہوئے نہ آؤ۔ بچو! تم بھی یاد رکھو مسجد میں دوڑ کر نہیں آنا البتہ تیزی کے ساتھ قدم تو رکھ سکتے ہو لیکن دوڑ نہیں سکتے۔ یہاں تک کہ اگر امام رکوع میں چلا گیا ہے اور تم رکعت میں شامل ہونا چاہتے ہو تو دوڑ کر نہ شامل ہو۔ اگرچہ تمھارا ارادہ یہ ہے کہ رکعت مل جائے مگر دوڑنے میں چوں کہ مسجد کی بے حرمتی ہے لہٰذا آہستہ چل کر آؤ۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ لَا تَأْتُوْهَا وَاَنْتُمْ تَسْعَوْنَ دوڑ کر نہ آؤ وَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاقْضُوْا اور جتنی تم امام کے ساتھ پاؤ، پڑھ لو اور جو تم سے فوت ہوگئی ہے بعد میں پڑھ لو۔ کیوں کہ مسجد کا ادب واحترام ضروری ہے۔ مسجد میں دوڑنا، شور کرنا، بلند آواز سے ذکر کرنا سب گناہ ہے مگر آج لوگوں نے اس کو ثواب سمجھا ہوا ہے۔

پہلے زمانے میں سپیکر تو نہیں ہوتے تھے مگر بعض صوفی قسم کے لوگ گرمی کے موسم میں اپنے گھروں کی چھتوں پر بلند آواز سے ذکر کرتے تھے فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ یہ گناہ ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر قرآن کریم بھی بلند آواز سے پڑھنے میں لوگوں کے آرام اور سکون میں خلل آئے تو یہ بھی گناہ ہے۔ اسلام بڑا امن اور رواداری رکھنے والا دین ہے۔

تو فرمایا پختہ بات ہے مسجدوں کو آباد وہ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آخرت پر ایمان لائے ﴿وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ﴾ اور نماز قائم کی ﴿وَاٰتَى الزَّكٰوةَ﴾ اور زکوٰۃ ادا کی ﴿وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ اور نہ ڈرے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے۔ حق کے بیان کرنے میں کسی کی پروا نہ کرو جو حق ہے اس کو بیان کر دو ﴿فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ﴾ پس قریب ہے کہ یہی لوگ ہوں گے ہدایت پانے والوں میں سے۔ جو نماز پڑھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں رب تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں یہی لوگ کامیاب ہیں اور ہمیں رب تعالیٰ انھی لوگوں میں سے بنائے۔

﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ﴾ کیا بنا دیا ہے تم نے حاجیوں کو پانی پلانا ﴿وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ اور مسجد حرام کی خدمت کرنا ﴿كَمَنْ﴾ اس شخص کی طرح ﴿اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ جو ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ﴿وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور اس نے جہاد کیا اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ نہیں برابر اللہ تعالیٰ کے ہاں ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ظالم قوم کو ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا﴾ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اُنھوں نے ہجرت کی ﴿وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور اُنھوں نے جہاد کیا اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ﴾ اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ ﴿اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ﴾ بڑے درجے والے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ﴿يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ﴾ خوش خبری دیتا ہے ان کو ان کا رب ﴿بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ﴾ اپنی رحمت اور رضا کی ﴿وَجَنّٰتٍ لَّهُمْ﴾ اور ایسے باغ ہیں ان کے لیے ﴿فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ﴾ جن کے اندر دائمی نعمتیں ہوں گی ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ رہا کریں گے ان میں ہمیشہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا اجر ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ﴾ نہ بناؤ تم اپنے باپ دادا کو اور اپنے بھائیوں کو ﴿اَوْلِيَآءَ﴾ دوست ﴿اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ﴾ اگر وہ پسند کریں کفر کو ایمان کے مقابلے میں ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ﴾ اور جو کوئی دوستی کرے گا ان کے ساتھ تم میں سے ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ پس یہی لوگ ہیں ظلم کرنے والے۔

ماقبل سے ربط ؟

اس سے قبل مساجد کی تعمیر کا ذکر تھا کہ مشرکین مکہ مسجد حرام کے آباد کرنے اور حاجیوں کو پانی پلانے پر بڑا فخر کرتے تھے اور جب کافروں کے ساتھ لڑنے کا وقت آیا تو بعض کافروں نے یہ بھی کہا کہ تم ہمارے ساتھ کیوں لڑتے ہو ہم بھی تو نیک کام کرتے ہیں مسجد حرام کو آباد رکھتے ہیں حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور بہ ظاہر سے واقعی وہ نیک کام کرتے تھے کہ اس زمانے میں مکہ مکرمہ میں پانی کی بڑی قلت تھی ایک زم زم کا پانی تھا اور چند جگہوں پر معمولی معمولی چشمے تھے کنواں اور نہر وہاں کوئی نہیں تھی۔ اس زمانے میں مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے سولہ راستے تھے۔ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ پانی کے محکمہ کے منتظم تھے۔ ان کے سپرد تھا کہ سولہ راستوں پر اُنھوں نے پانی کی سبیلیں لگائی ہوتی تھیں۔ آٹھ دس میل تک پانی کی سبیلیں ہوتی تھیں اور ساتھ پانی پینے کے برتن پیالے وغیرہ رکھے ہوتے تھے اور ان کی باقاعدہ نگرانی ہوتی تھی کہ پانی لانے والے پانی لا کر سبیلوں

میں ڈال رہے ہیں یا نہیں۔

تو اس زمانے میں اتنی بڑی خدمت کوئی معمولی نیکی نہیں تھی اور پانی بھی مفت اور پلانا بھی حاجیوں کو۔ حالانکہ ایمان کی حالت میں اگر کوئی کتے کو پانی پلا دے تو اس کی نجات کا سبب بن جاتا ہے حالانکہ کتا گھر میں رکھنا جائز نہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے اور دونوں روایتیں بخاری شریف میں موجود ہیں کہ ایک آدمی نے پیاسے کتے کو پانی پلایا رب تعالیٰ نے اس کی بخشش کر دی۔ ایک عورت نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تو رب تعالیٰ نے اس کو بخش دیا اور ایمان کے بغیر حاجیوں کو پانی پلانا بھی کسی کام کا نہیں ہے۔

تو مشرکین مکہ نے کہا کہ ہم کتنی بڑی نیکی کرتے ہیں کہ حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور پھر مسجد حرام کی خدمت۔ وہ مسجد حرام اور کعبۃ اللہ کی بڑی خدمت کرتے تھے اس کی صفائی کا خیال رکھتے روشنی کا انتظام شیبہ نامی آدمی کے سپرد تھا۔ کچھ لوگوں کی ڈیوٹی تھی کہ جس کے پاس اپنے کھانے کا انتظام نہ ہو اس کے کھانے کا بندوبست کریں اور اس کام کے لیے انھوں نے کافی چندہ جمع کیا ہوتا تھا اور مسافروں اور بیماروں کے علاج کے لیے ایک مستقل محکمہ تھا جو اس زمانے کے مطابق جو مناسب علاج ہوا کرتا تھا کرتے تھے۔ اس کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ ﴾ کیا بنا دیا ہے تم نے حاجیوں کو پانی پلانا ﴿ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ اور مسجد حرام کی خدمت کرنا ﴿ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ ﴾ اس شخص کی طرح جو ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر ﴿ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ اور آخرت کے دن پر۔

ایمان کے بغیر کوئی نیکی قابلِ قبول نہیں

ایمان کے بغیر کوئی نیکی نیکی نہیں ہے چاہے تم حاجیوں کو پانی پلاتے رہو یا مسجد حرام کی خدمت کرتے رہو یہ تمہارے کام ایک مومن کی طرح نہیں ہو سکتے حاشا و کلّا بالکل نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ ایمان تمام عبادتوں کی جڑ ہے۔ سورت ابراہیم میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ﴾ "مثال ان لوگوں کی جنھوں نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ ان کے اعمال مثل راکھ کے ہیں کہ سخت ہو گئی ہے اس کے ساتھ ہوا شدید آندھی کے دن۔" کافروں کے اعمال راکھ کے ڈھیر کی طرح ہیں کہ نظر تو بڑا آتا ہے مگر وزن کوئی نہیں ہے، آندھی چلی، طوفان آیا سب کچھ لے گیا۔

کیوں کہ اعمال میں وزن پیدا ہوتا ہے ایمان، اخلاص اور اتباع سنت سے اور مشرک ان تینوں چیزوں سے محروم ہوتا ہے۔

﴿ وَ جٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اور اس نے جہاد کیا اللہ تعالیٰ کے راستے میں اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کے لیے اور ایک جہاد بالنفس ہے اپنے نفس کے ساتھ جہاد۔ حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِالْمُجَاهِدِ کیا میں تمھیں نہ بتلاؤں کہ مجاہد کون ہے؟ فرمایا مجاہد وہ ہے مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ "جس نے اپنے نفس کے ساتھ

جہاد کیا کہ نفس کو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں لگایا نفس کی خواہشات پر نہ چلا۔"

تو فرمایا تمہارے یہ کام حاجیوں کو پانی پلانا، مسجد حرام کی خدمت کرنا یہ مومن مجاہد کے عمل کی طرح نہیں ہو سکتے ﴿لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ نہیں برابر اللہ تعالیٰ کے ہاں ﴿وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ظالم قوم کو جبراً۔ ہدایت اس شخص کو دیتا ہے مَنْ یُّنِیْبُ "جو رجوع کرتا ہے" اللہ تعالیٰ کی طرف۔ اللہ تعالیٰ زبردستی نہ کسی کو مومن بناتا ہے نہ کافر بناتا ہے اس نے انسان کو اختیار دیا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ﴾ "پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔"

فرمایا ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَهَاجَرُوْا﴾ اور انھوں نے ہجرت کی ایمان کو بچانے کے لیے ﴿وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ اور انھوں نے جہاد کیا اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ﴾ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی جانیں پیش کیں، اپنے مال پیش کیے ﴿اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ﴾ بڑے درجے والے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ اور اگر ایمان نہیں ہے تو کسی نیکی کی کوئی حیثیت نہیں ہے چاہے حاجیوں کو پانی پلائیں یا مسجد حرام کی خدمت کریں۔

کافر بڑی بڑی نیکیاں کرتے ہیں ان کے ملکوں میں جا کر آدمی حیران ہو جاتا ہے۔ میں انگلستان گیا تھا بائیس تیئس (۲۳) دن وہاں رہا ساتھی مختلف علاقوں میں مجھے لے گئے ان کے کام دیکھ کر حیرانی ہوئی۔ اگر ان لوگوں میں ایمان ہو اور شراب اور زنا سے بچ جائیں تو جنت میں چلے جائیں۔ ان کے پاس باقی سب کچھ ہے ایمان نہیں ہے اور ہمارے پاس سب دھوکا اور فراڈ ہے اور کامیاب وہ لوگ ہیں جن کا عقیدہ درست ہو اور اعمال صحیح ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ﴿یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ﴾ خوش خبری سناتا ہے ان کو ان کا رب ﴿بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ﴾ اپنی رحمت اور رضا کی۔ اللہ تعالیٰ کی رضا بہت بڑا پروانہ ہے ﴿وَجَنّٰتٍ لَّهُمْ﴾ اور ایسے باغ ہیں ان کے لیے ﴿فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ﴾ جن کے اندر دائمی نعمتیں ہوں گی ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا﴾ رہا کریں گے ان میں ہمیشہ۔ اس ہمیشہ کی زندگی کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ سو، ہزار سال نہیں، ارب، کھرب سال نہیں بلکہ نہ ختم ہونے والی زندگی ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجر ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے جو حق کو سمجھتے ہوئے ہجرت نہ کر سکے کیوں کہ ماں باپ اور کاروبار وغیرہ چھوڑنا آسان کام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ﴾ نہ بناؤ تم اپنے باپ دادا کو اور اپنے بھائیوں کو دوست۔ ان کے ساتھ دوستی نہ کرو مگر کب؟ ﴿اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ﴾ اگر وہ پسند کریں کفر کو ایمان کے مقابلے میں۔ کیوں کہ تمھاری دوستی رب تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونی چاہیے اگر تمھارے باپ دادا، بھائی، عزیز رشتہ دار، کفر کو پسند کرتے ہیں تو اے ایمان والو! ان کے ساتھ بالکل دوستی نہ کرو اور نہ ہی خدا

رسول کے مقابلے میں ان کی بات ماننی ہے چاہے ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں

سورۃ لقمان میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ پس تم ان کی بات نہ مانو۔ لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ "اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔" ہاں! اگر ماں باپ نیکی کا حکم دیں انکار کرے گا تو ڈبل (دُہرا) گنہگار ہوگا، ایک رب تعالیٰ کی نافرمانی اور ایک والدین کی نافرمانی۔ ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ﴾ اور جو کوئی دوستی کرے گا ان کے ساتھ تم میں سے کہ وہ کفر کو پسند کرتے ہیں، کفر کو ترجیح دیتے ہیں اور تم ان کے ساتھ دوستی کرتے ہو ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ پس یہی لوگ ہیں ظلم کرنے والے۔ کہ رب کے حکم کے مخالف ہیں تو یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ رب تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں نہ ماں باپ کی پروا کرو اور نہ بھائی اور دیگر عزیز رشتہ داروں کی پروا کرو۔

~~~

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ﴾ اگر ہوں تمہارے باپ دادا ﴿وَاَبْنَآؤُكُمْ﴾ اور تمہارے بیٹے ﴿وَاِخْوَانُكُمْ﴾ اور تمہارے بھائی ﴿وَاَزْوَاجُكُمْ﴾ اور تمہاری بیویاں ﴿وَعَشِيْرَتُكُمْ﴾ اور تمہاری برادری ﴿وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا﴾ اور مال جو تم نے مشقت کے ساتھ کمایا ہے ﴿وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا﴾ اور تجارت جس کے ماند پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو ﴿وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ﴾ اور تمہارے مکانات جو تمہیں پسندیدہ ہیں ﴿اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ زیادہ پسندیدہ ہوں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے ﴿وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ﴾ اور اس کے راستے میں جہاد کرنے سے ﴿فَتَرَبَّصُوْا﴾ تو پھر تم انتظار کرو ﴿حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾ یہاں تک کہ لائے اللہ تعالیٰ اپنا حکم ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا نافرمان قوم کو ﴿لَقَدْ﴾ البتہ تحقیق ﴿نَصَرَكُمُ اللّٰهُ﴾ مدد کی تمہاری اللہ تعالیٰ نے ﴿فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ﴾ بہت سی جگہوں میں ﴿وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ﴾ اور حنین والے دن ﴿اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ﴾ جس وقت تمہیں تعجب میں ڈالا ﴿كَثْرَتُكُمْ﴾ تمہاری کثرت نے ﴿فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا﴾ پس نہ کفایت کی اس کثرت نے تم سے کچھ بھی ﴿وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ﴾ اور تنگ ہوگئی تم پر زمین ﴿بِمَا رَحُبَتْ﴾ باوجود کشادہ ہونے کے ﴿ثُمَّ وَلَّيْتُمْ﴾ پھر تم پھرے ﴿مُّدْبِرِيْنَ﴾ پشت پھیرتے ہوئے ﴿ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے نازل کی ﴿سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ﴾ تسلی اپنے رسول پر ﴿وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور ایمان والوں پر ﴿وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا﴾ اور نازل کیے اس نے ایسے لشکر ﴿لَّمْ تَرَوْهَا﴾ جن کو تم نے نہ دیکھا ﴿وَعَذَّبَ
~~~

الَّذِيْنَ﴾ اور سزا دی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ﴿كَفَرُوْا﴾ جنھوں نے کفر کیا ﴿وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور یہی بدلہ ہے کافروں کا ﴿ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے رجوع فرمایا ﴿مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ اس کے بعد ﴿عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ﴾ جس پر چاہا ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کا ذکر کیا ہے جن کی محبت کی وجہ سے لوگ جہاد سے گریز کرتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ﴾ اگر ہوں تمہارے باپ دادا ﴿وَاَبْنَآؤُكُمْ﴾ اور تمہارے بیٹے ﴿وَاِخْوَانُكُمْ﴾ اور تمہارے بھائی ﴿وَاَزْوَاجُكُمْ﴾ اور تمہاری بیویاں ﴿وَعَشِيْرَتُكُمْ﴾ اور تمہاری برادری ﴿وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا﴾ اور وہ مال جو تم نے مشقت کے ساتھ کمایا ہے۔ اِقْتِرَاف کا معنی ہے مشقت کے ساتھ کمانا اور اکتساب عام کمائی کو کہتے ہیں اور روپے کوئی آسانی کے ساتھ تو نہیں کمائے جاتے اگر ایسا ہوتا تو لوگ جاپان، جرمنی، امریکہ اور انگلینڈ جیسے ملکوں کی خاک کیوں چھانتے پھرتے۔ بیویوں اور بچوں سے جدا ہوئے، ماں باپ، عزیز رشتہ داروں سے جدا ہوئے، بعض علاقے ٹھنڈے اور بعض بہت گرم ہیں یہ سب کچھ مال ہی کے لیے برداشت کیا۔

نکتہ

نکتہ دیکھو! بڑی عجیب سی بات ہے کہ رزق کا وعدہ اللہ تعالیٰ کا سب کے ساتھ ہے ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ [ہود:٦] "اور نہیں ہے کوئی چلنے پھرنے والا زمین میں مگر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اس کی روزی۔" اور سورۃ الذاریات پارہ ستائیس [۲۷] میں فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ "بے شک اللہ تعالیٰ ہی روزی دینے والا مضبوط طاقت کا مالک ہے۔" اور مغفرت سب کی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ نہیں لی۔ تو جس چیز کا ذمہ رب تعالیٰ نے لیا ہے اس کے لیے تو دنیا ماری ماری پھرتی ہے اور جس چیز کا ذمہ رب تعالیٰ نے نہیں لیا اس کی پروا بہت تھوڑے لوگوں کو ہے۔ بڑی عبرت کی بات ہے۔ حالانکہ اس کی طرف توجہ زیادہ ہونی چاہیے اور رزق کی طرف کم ہونی چاہیے کیوں کہ روزی کا وعدہ تو رب تعالیٰ نے کیا ہے۔

فرمایا ﴿وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا﴾ اور وہ تجارت جس کے ماند پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو کہ اگر میں دُکان پر نہ گیا تو کام ٹھنڈا ہو جائے گا، گاہک رخ دوسری طرف کر لیں گے اور میری تجارت پر زد پڑے گی ﴿وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ﴾ اور تمہارے مکانات، بلڈنگیں، کوٹھیاں جو تمھیں پسندیدہ ہیں۔ اگر یہ ساری چیزیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے ﴿اَحَبَّ اِلَيْكُمْ﴾ زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہوں ﴿مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے ﴿وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے سے ﴿فَتَرَبَّصُوْا﴾ تو پھر تم انتظار کرو ﴿حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾ یہاں تک کہ لائے اللہ تعالیٰ اپنا حکم۔

رب تعالیٰ نے کون سا حکم لانا ہے؟ اس کے متعلق نسائی شریف اور ابوداؤد شریف میں آنحضرت ﷺ کا فرمان موجود ہے۔ یعنی اس آیت کی تشریح میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((اِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِيْنَةِ وَ اَخَذْتُمْ بِاَذْنَابِ الْبَقَرِ وَ

رَضِیْتُمْ بِالزَّرْعِ وَ تَرَکْتُمُ الْجِهَادَ یُسَلِّطُ اللّٰهُ عَلَیْکُمْ ذُلًّا لَا یَنْزِعُهٗ عَنْکُمْ حَتّٰی تَرْجِعُوْا اِلٰی دِیْنِکُمْ اَوْ کَمَا قَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ))۔ "جب تم خرید وفروخت کو اپنا دنیاوی مقصد بنالو گے کہ ہم دنیا میں آئے ہی خرید وفروخت کے لیے ہیں اور جانوروں کی دُمیں پکڑلو گے، ڈیری فارم بنالو گے، دودھ بیچنے کے لیے، نسل کی افزائش کے لیے، گوشت فراہم کرنے کے لیے اور اسی کو تم زندگی کا مقصد سمجھ لو گے اور کھیتی باڑی پر تم راضی ہو جاؤ گے کہ تمھیں رب تعالیٰ نے کھیتی باڑی کے لیے پیدا کیا ہے وَ تَرَکْتُمُ الْجِهَادَ اور جہاد کو تم چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کرے گا کہ تم اس ذلت کے چکر سے نہیں نکل سکو گے حَتّٰی تَرْجِعُوْا اِلٰی دِیْنِکُمْ یہاں تک کہ تم دین کی طرف، جہاد کی طرف لوٹ آؤ۔" یعنی جب تک تم جہاد نہیں کرو گے ذلت سے نہیں نکل سکو گے۔ دولت سے عزت نہیں ہوتی اگر ہوتی تو کنجر دنیا میں بڑے عزت والے ہوتے کہ ان سے زیادہ دولت کس کے پاس ہے۔

مسلمان کی عزت جہاد کے ساتھ ہے؟

مسلمان کی عزت، ایمان، عملِ صالح اور جہاد کے ساتھ ہے۔ آج مجموعی حیثیت سے مسلمانوں کی کوئی عزت نہیں ہے وہ ساری دنیا میں ذلیل ہیں۔ دیکھو! امریکہ پھر پر تول رہا ہے عراق پر حملہ کرنے کے لیے اس کے خیال کے مطابق عراق ابھی تک کمزور نہیں ہوا کیونکہ جب تک عراق کمزور نہیں ہوگا اس کا متبنّٰی اسرائیل خوف زدہ رہے گا۔ اسرائیل امریکہ اور برطانیہ کا متبنّٰی ہے۔ ان ملکوں میں بڑے بڑے تاجر سب یہودی ہیں یہودیوں کی مدد اور ساتھ دیئے بغیر یہ ملک نہیں چل سکتے۔ تو یہودیوں کی مدد ان کی مجبوری ہے ان کے بغیر ان کا ملکی نظام نہیں چل سکتا۔ فوجی مقامات معائنے سب بہانے ہیں انھوں نے عراق کو تباہ کر کے اسرائیل کو راضی کرنا ہے اور اسرائیل رہے گا تو ان کے ملکوں کے یہودی راضی ہوں گے اور ان کا کام چلے گا۔

یہودیوں کی سازشیں بڑی گہری ہوتی ہیں۔ یہود کو اگر کسی نے سمجھا تھا تو وہ ہٹلر تھا اس کے سوا ان کو کوئی نہیں سمجھ سکا اس نے ان کا خوب علاج کیا تھا لاکھوں کی تعداد میں یہودی ذبح ہوئے تھے۔ یہودی اگر چہ تعداد میں کم ہیں مگر ہیں بڑے منظم اور مال دار۔ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں تجارت کے ذریعے، ملازمت کے ذریعے، کوئی کسی بہانے اور کوئی کسی بہانے اور دنیا کو شکنجے میں لیا ہوا ہے۔ اس وقت اسرائیل کی کل آبادی ستر لاکھ بھی نہیں ہے اور ان کے آس پاس مسلمان حکومتوں میں پندرہ کروڑ مسلمان ہیں اور یہودیوں نے سب کو آگے لگایا ہوا ہے، کبھی لبنان پر بمباری، کبھی شام پر، کبھی شرقِ اردن پر، کبھی کسی پر، بیس لاکھ کے قریب قریب فلسطینی مہاجر گھروں سے نکالے ہوئے ہیں ان پر حملہ کر دیتے ہیں کہ وہاں سے گولی کی آواز آتی ہے۔

تو جب تک مسلمان جہاد کا راستہ نہیں اپنائے گا ذلت کے چکر سے نہیں نکل سکے گا جب تک دین کی طرف نہیں لوٹے گا عزت نہیں حاصل ہوگی ﴿وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا نافرمان قوم کو زبردستی۔ اگر چہ زبردستی بھی ہدایت دے سکتا ہے مگر اس نے قانون بنایا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ﴾ "پس جس کا جی چاہے ایمان لائے

اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔" اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھائی ہے کہ فتح وشکست کا تعلق کثرت تعداد اور قلت پر نہیں اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی نصرت پر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ﴾ البتہ تحقیق مدد کی تمہاری اللہ تعالیٰ نے بہت سی جگہوں میں، بدر میں خیبر میں وغیرہ وغیرہ۔

فتح مکہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے آٹھویں سال رمضان المبارک کے مہینہ میں دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ طیبہ سے فتح مکہ کے لیے چلے اور تورات کی پیش گوئی پوری ہوئی کہ وہ نبی جب دار الخلافہ فتح کرے گا تو اس کے ساتھ دس ہزار قدسی یعنی پاک دامن لوگ ہوں گے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار قدسیوں کے ہمراہ مکہ مکرمہ پہنچے تو کافروں نے ہتھیار ڈال دیئے کچھ مسلمان ہو گئے اور کچھ بھاگ گئے۔ بھاگنے والوں میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ، وہاں کا بڑا سردار صفوان ابن امیہ جو کافروں کو اسلحہ سپلائی کرتا تھا، ہبار ابن اسود جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ٹانگ پکڑ کر اونٹ سے نیچے گرایا تھا جب وہ ہجرت کر کے جا رہی تھیں، پیٹ میں بچہ تھا وہ بھی ضائع ہو گیا اور کافی مدت تک بیمار بھی رہیں اور وحشی ابن حرب (جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو احد کے مقام پر شہید کیا تھا) شامل تھا کیونکہ ان لوگوں کو اپنے جرائم اچھی طرح یاد تھے اس لیے یہ سارے بھاگ گئے مکہ والوں نے تو ہتھیار ڈال دیئے مگر عرب کے دو بڑے قبیلے ہوازن اور ثقیف نے کہا کہ مکہ والوں نے بہت برا کیا ہے کہ ہتھیار ڈال دیئے ہیں ہم نہیں ڈالیں گے اور جنگ کا اعلان کر دیا۔

غزوۂ حنین:

حنین مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان میں ہے اور طائف مکہ مکرمہ سے بہتر میل کے فاصلے پر واقع ہے حنین کے میدان میں ہوازن اور ثقیف کے چار ہزار لڑاکے جمع ہوئے یہ لوگ تیر اندازی کے اتنے ماہر تھے کہ سو فیصد تیر اپنے نشانے پر لگتے تھے اور ان کی کمان کرنے والا دُرَید ابن الصمہ نابینا تھا اس وقت اس کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ اس کو پلنگ پر اُٹھائے پھرتے تھے اس نے عورتوں بچوں اور اونٹوں، بھیڑ، بکریوں کی آوازیں سنیں تو کہنے لگا یہ آوازیں کیسی آ رہی ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ ہم سب کچھ سونا چاندی سمیت میدان میں لے آئے ہیں تا کہ جم کر لڑیں کہ ہمارا سب کچھ یہیں ہے پیچھے کچھ نہیں ہے۔ اندازہ لگاؤ کس ارادے سے آئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حنین پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ دس ہزار تو مدینہ طیبہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آئے تھے اور دو ہزار نو مسلم تھے جو مکہ مکرمہ سے ساتھ آئے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم ہو گیا تھا کہ آج دشمن کی تعداد چار ہزار ہے۔ بعض مسلمانوں کو اپنی کثرت پر گھمنڈ ہوا کہ ہم تھوڑے ہو کر شکست نہیں کھاتے تھے آج تو ہم بارہ ہزار ہیں اور دشمن چار ہزار ہے اور اللہ تعالیٰ انانیت اور گھمنڈ کو کسی موقع پر بھی پسند نہیں کرتا۔

لڑائی شروع ہوئی ابتداءً مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا۔ کافروں نے زرہیں پھینکیں، خود پھینکے، تلواریں پھینکیں، سامان چھوڑا اور بھاگنا شروع کیا۔ مسلمان مالِ غنیمت اکٹھا کرنے میں لگ گئے۔ اس دوران میں انھوں نے ایسی تیراندازی شروع کی کہ بہت سارے میدان میں زخمی ہوئے اور باقی میدان سے بھاگ گئے۔ میدان میں آنحضرت ﷺ، آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور آپ کے چچازاد بھائی ابوسفیان ابن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی نہ رہا۔ آپ ﷺ اس وقت سفید رنگ کے ایک خچر پر سوار تھے۔ یہ خچر آپ ﷺ کو دومۃ الجندل کے ایک سردار (جس کا نام اُکید رتھا) نے ہدیۃً دیا تھا۔ آپ ﷺ ہدیہ اور تحفہ کسی کا رد نہیں فرماتے تھے۔ اس وقت آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ جملہ تھا۔

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ

اَنَا اِبْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

"میں اللہ تعالیٰ کا سچا نبی ہوں۔ عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔"

اپنے آپ کو دادا کی طرف منسوب کیا۔ ابوسفیان لگام پیچھے کھینچتے تھے اور آپ ﷺ سواری کو آگے چلاتے تھے۔ جس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: يَا اَصْحَابَ الشَّجَرَةِ "او درخت کے نیچے بیعت کرنے والو! تمھیں کیا ہو گیا ہے؟" تو فوراً سارے میدان میں جمع ہو گئے اور جس نے کہا تھا کہ آج تو ہم بہت ہیں اس نے کان پکڑے اور توبہ کی کہ یہ سارا کچھ میری وجہ سے ہوا ہے۔ چوں کہ وہ بڑے پختہ مسلمان تھے غلطی کا احساس جلدی کرتے تھے اور سچے دل سے کرتے اور ہمیں پہلے تو اپنی غلطی کا احساس ہی نہیں ہوتا اور ہو بھی تو بڑی دیر سے ہوتا ہے اور وہ بھی خالص دل سے نہیں ہوتا۔ ان کو فوراً احساس ہوا اور توبہ کی۔

نکتہ دیکھو! ایک آدمی نے ایک جملہ کہا جس کی سزا ساری قوم کو بھگتنا پڑی اور عجیب بات یہ ہے کہ کمان آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں ہے۔ اس سے تم یہ سمجھ لو کہ ایک مسلمان کی کوتاہی کا اثر صرف اس کی ذات تک نہیں رہتا بلکہ اس کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کافروں کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہیں تو سارے آپ ﷺ کے پاس پہنچ گئے پھر کیا تھا اللہ تعالیٰ نے غلبہ عطا فرمایا۔ وہ چار ہزار جنگجو بھی قیدی بنے اور عورتیں اور بچے بھی قید ہوئے، چالیس ہزار بھیڑ بکریاں، چوبیس ہزار اونٹ اور منوں کے حساب سے سونا چاندی مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

تقسیمِ غنائم حنین

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ بِضْعَ عَشَرَ يَوْمًا چودہ پندرہ دن آپ ﷺ نے مالِ غنیمت تقسیم نہ کیا اس انتظار میں کہ اگر یہ لوگ مسلمان ہو جائیں تو ان کی ہر چیز واپس کر دی جائے۔ لیکن اتنے دن جب وہ نہ آئے تو آپ ﷺ نے قیدی بھی اور مال بھی اور اونٹ بھی تقسیم کر دیئے۔ کسی کو سو، کسی کو دو سو، کسی کو پچاس، کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دیئے۔ اسی طرح بھیڑ بکریاں بھی کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دیں۔

جب یہ سارا معاملہ ہو گیا تو وہ لوگ آپ ﷺ کے پاس آئے کہ حضرت! ہم مسلمان ہو گئے ہیں ہمیں ہمارا مال بھی اور قیدی بھی دے دیئے جائیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تقریباً چودہ پندرہ دن تمہارا انتظار کیا لیکن تم نے آکر کلمے کا کوئی ثبوت نہیں دیا اور اب تو میں مال بھی تقسیم کر چکا ہوں اور قیدی بھی۔ اب میں ساتھیوں سے سفارش کرتا ہوں کہ تمھیں ایک چیز مل جائے مال یا قیدی۔ کہنے لگے حضرت! ہمیں مال بے شک نہ ملے ہمارے قیدی اور عورتیں بچے مل جائیں۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تقریر فرمائی اور فرمایا کہ اِنَّ اِخْوَانَکُمْ جَآءُوْکُمْ تَآئِبِیْنَ بے شک یہ تمہارے بھائی توبہ کر کے مسلمان ہو گئے ہیں مگر دیر سے۔ میں نے ان کا انتظار کیا کہ اگر یہ مسلمان ہو جائیں تو ان کے قیدی بھی ان کو دے دوں اور ان کا مال بھی مگر اب میں تقسیم کر چکا ہوں۔ میں نے ان کو کہا ہے کہ ایک چیز لے لو۔ اُنھوں نے قیدیوں کا مطالبہ کیا ہے لہٰذا جن کو قیدی ملے ہیں اگر وہ بہ خوشی و رضا بغیر کسی مطالبے کے دے دیں تو ان کی نوازش ہے اور اگر اس شرط پر دینا چاہیں کہ آئندہ جنگ ہوگی تو انھیں اتنے قیدی دیئے جائیں تو ہم یہ شرط بھی قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ سب حضرات نے کہا حضرت! رَضِیْنَا ہم راضی ہیں اور ہمارا کوئی مطالبہ نہیں ہے ہم نے سارے قیدی واپس کر دیئے۔

چوں کہ رش زیادہ تھا آپ ﷺ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں کہ تم میں سے کس نے اجازت دی ہے اور کس نے نہیں دی لہٰذا تمہارے خاندانوں کے سربراہ تمام حضرات سے پوچھ کر مجھے بتائیں۔ چنانچہ سربراہوں نے پوچھنے کے بعد آکر بتایا کہ حضرت! ہم نے ایک ایک سے دریافت کیا ہے سارے اس پر راضی ہیں کہ مرد عورتیں اور بچے ان کو واپس کر دیئے جائیں لہٰذا سب قیدی ان کو واپس کر دیئے گئے۔ چوں کہ یہ مال آپ ﷺ نے مکہ والوں میں تقسیم کیا تھا تو بعض انصار نے یہ جملہ کہا کہ اس طرح لگتا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر اپنی برادری کی محبت غالب آگئی ہے کہ خون ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے اور ہمیں کچھ بھی نہیں ملا۔

جب یہ بات آنحضرت ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے انصار کو ایک جگہ جمع کیا اور فرمایا انصار کے علاوہ اور کوئی نہ ہو۔ بخاری شریف کی روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا دیکھو! تم لوگ اوس اور خزرج آپس میں لڑتے رہتے تھے زمانہ جاہلیت تھا اللہ تعالیٰ نے تمھیں میری وجہ سے کلمہ نصیب فرمایا اور اب تم میں اتفاق و اتحاد ہے، محبت ہے۔ کہنے لگے حضرت! ہم یہ باتیں تسلیم کرتے ہیں یہ جملہ جو آپ کے پاس پہنچا ہے وہ ہم نے نہیں کہا نوجوانوں میں سے بعض نے یہ الفاظ کہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو بھئی! میں نے ان کو مال اس لیے نہیں دیا کہ ان کی دینی خدمات زیادہ ہیں بلکہ اس لیے دیا ہے کہ یہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں ان کی تالیف قلب ہو جائے۔ ان کی دل جوئی کے لیے میں نے دیا ہے اور تم تو پکے مسلمان ہو کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ یہ لوگ گھروں میں اونٹ، بھیڑ، بکریاں لے جائیں اور تم اللہ تعالیٰ کے رسول (ﷺ) کو ساتھ لے جاؤ کیوں کہ میں ان کے ساتھ تو نہیں جا سکتا کیوں کہ میں مہاجر ہوں اور مہاجر مکے میں نہیں رہ سکتے۔ عارضی طور پر جانا اور بات ہے۔ سب نے کہا حضرت! ہمیں بات سمجھ آگئی ہم راضی ہیں اس مقام کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ﴾ اور حنین والے دن جب تمھیں تعجب میں ڈالا تمہاری کثرت نے کہ تم نے کہا کہ آج تو ہم بارہ ہزار ہیں اور کافر چار ہزار ہیں ہم ضرور فتح حاصل کریں گے ﴿فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا﴾ پس نہ کفایت کی اس کثرت نے تم سے کچھ بھی ﴿وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ﴾ اور تنگ ہوگئی تم پر زمین ﴿بِمَا رَحُبَتْ﴾ باوجود کشادہ ہونے کے ﴿ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ﴾ پھر تم پھرے پشت پھیرتے ہوئے۔ کثرت تعداد کے باوجود تمھیں نقصان اٹھانا پڑا ﴿ثُمَّ أَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے نازل کی اپنی طرف سے تسکین۔ جس سے مسلمانوں کو یقین ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ ضرور انھیں فتح عطا فرمائے گا ﴿عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ایمان والوں پر ﴿وَأَنزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ اور نازل کیے اس نے ایسے لشکر جن کو تم نے نہ دیکھا۔ بدر کے موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا لشکر نازل فرمایا تھا تا کہ ایمان والوں کے دلوں کو تسلی ہو اور یہاں پر بھی فرشتے نازل ہوئے اور ان کے اُترنے کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے دل قائم ہوگئے۔ فرشتے معصوم ہیں اور ہر وقت نیکی میں مشغول رہتے ہیں اور نیکی کے اثرات دوسروں پر بھی پڑتے ہیں اسی طرح آدمی اچھے آدمیوں میں بیٹھے تو ان کی نیکی کا اثر ہوتا ہے۔

نیک لوگوں کی صحبت

بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی تشریف لائے تو ایک عقیدت مند نے دستی پنکھا کرنا شروع کر دیا۔ اس زمانے میں بجلی والے پنکھے نہیں ہوتے تھے پنکھا کرتے ہوئے سوال کیا حضرت! ایک گنہگار آدمی نیکوں کے ساتھ دفن ہوا اور نیک لوگ جہاں دفن ہیں وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں تو کیا اس گنہگار کو بھی کوئی فائدہ ہوگا؟ حضرت نے فرمایا تم کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا حضرت! میں پنکھا کر رہا ہوں کہ آپ گرمی میں آئے ہیں آپ کا پسینہ خشک ہو جائے اور آپ کو سکون پہنچے۔ فرمایا یہ بتا کہ تیرے پنکھے کی ہوا میرے دائیں بائیں والوں کو بھی لگ رہی ہے یا نہیں؟ اس نے کہا حضرت لگ رہی ہے۔ فرمایا تیرے پنکھے کی ہوا کا فائدہ میری وجہ سے ان کو ہو رہا ہے۔ تو رب کی رحمت تو بڑی وسیع ہے جہاں وہ برستی ہے آس پاس والوں کو ضرور فائدہ ہوتا ہے۔

بخاری شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ اچھی مجلس میں بیٹھنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عطر فروش کی دکان میں بیٹھا ہو کہ وہ اس عطر کو تحفۃً دے گا یا یہ خود خریدے گا اگر یہ نہ ہو تو وہاں بیٹھے ہوئے خوشبو تو آرہی ہے اور بری مجلس میں بیٹھنے والے کی مثال لوہار کی بھٹی کی سی ہے کہ چنگاریاں اُڑیں گی، دھواں آئے گا حرارت پہنچے گی اور یہ بھی یاد رکھنا! کہ بُری مجلس کا اثر جلدی ہوتا ہے اور اچھی مجلس کا اثر دیر سے ہوتا ہے۔ اس لیے کہ انسان کے ساتھ دو قوتیں ہیں ایک شیطان اور ایک نفس اَمَّارَۃ کی۔ نفسِ امارہ بری چیزوں کی طرف اُچھل کے جاتا ہے لہٰذا بُری مجلس اور بُرے لوگوں کی صحبت سے بچنا چاہیے۔

فارسی کا مقولہ ہے۔ یار بد ، از مار بد ، بسیار بد

"بُرا یار بُرے سانپ سے بھی برا ہوتا ہے۔"

آج کل لوگ روتے ہیں کہ ہمارے بچے نشئی ہو گئے ہیں، جواری بن گئے ہیں۔ بھئی! قصور تو تمہارا بھی ہے تم نے ان کو بُری مجلسوں سے کیوں نہیں روکا۔ بچے کو جب بری مجلس میں ایک مرتبہ بھی دیکھو تو وہاں سے کان پکڑ کے لے آؤ۔ اگر تم نے چھٹی دے دی بُری مجلسوں میں بیٹھنے کی تو پھر وہ نشے باز بنیں گے، جواری بنیں گے، بدمعاشیاں کریں گے۔ مقولہ ہے کہ: "نیکی چیونٹی کی چال چلتی ہے اور بدی کی رفتار گھوڑے کی ہے۔" تو اچھی بُری صحبت کا اثر ہوتا ہے۔

فرمایا ﴿وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور سزا دی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جنھوں نے کفر کیا، گرفتار ہوئے قیدی بنے ﴿وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور یہی بدلہ ہے کافروں کا ﴿ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے رجوع فرمایا اس کے بعد ﴿عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ﴾ جس پر چاہا کہ کچھ ان میں سے مسلمان ہو گئے اور پھر سارے ہی مسلمان ہو گئے ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ﴾ پختہ بات ہے کہ مشرک نری پلیدی ہیں ﴿فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ﴾ پس نہ قریب آئیں مسجد حرام کے ﴿بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾ اس سال کے بعد ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً﴾ اور اگر تم خوف کرو فقر کا ﴿فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ﴾ پس عنقریب تمھیں اللہ تعالیٰ غنی کر دے گا ﴿مِنْ فَضْلِهٖٓ﴾ اپنے فضل سے ﴿اِنْ شَآءَ﴾ اگر اس نے چاہا ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ﴾ لڑو ان لوگوں سے ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ جو نہیں ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور نہ آخرت کے دن پر ﴿وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ﴾ اور نہیں حرام قرار دیتے اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دی ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ﴾ اور نہیں قبول کرتے سچے دین کو ﴿مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی اس وقت تک لڑو ﴿حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ﴾ یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں ﴿عَنْ يَّدٍ﴾ اپنے ہاتھ سے ﴿وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ اور وہ ذلیل اور عاجز ہو کر رہیں۔

ابتدائے سورت میں ذکر تھا ﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ﴾ "اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیزاری کا اعلان ہے۔" اور اب یہ حکم ہے کہ مشرک آئندہ نہ حج کر سکتے ہیں اور نہ حرم میں آ سکتے ہیں۔ فرمایا ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ﴾ پختہ بات ہے کہ مشرک بالکل پلید ہیں ﴿فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ

الْحَرَامَ ﴾ پس نہ قریب آئیں مسجد حرام کے ﴿ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ﴾ اس سال کے بعد۔ ایک ہوتا ہے پلید اور ایک ہوتی ہے پلیدی۔ نجس کے معنیٰ نری پلیدی کے ہیں۔ مشرک اگر سات سمندروں میں بھی غسل کرے پاک نہیں ہو سکتا۔ پھر پاک کس سے ہوتا ہے؟ پاک ہوگا سچے دل سے، پڑھے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ جو کفر، شرک کے زمانے میں گناہ کیے ہیں وہ سب معاف ہو جائیں گے اس طرح ہو جائے گا جیسے اب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اور کلمے کے بغیر کوئی پاک نہیں ہوتا۔

مسلمانوں کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر مشرک حج، عمرے کے لیے نہ آئے تو ہم سامان کس کے آگے بیچیں گے اور کس سے خریدیں گے؟ کیوں کہ ان دنوں میں تجارت انھی لوگوں سے ہوتی تھی تو اس وہم کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَ اِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً ﴾ اور اگر تم خوف کرو فقر اور محتاجی کا، غربت کا ﴿ فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ﴾ پس عنقریب تمھیں اللہ تعالیٰ غنی کر دے گا اپنے فضل سے اگر اس نے چاہا۔ کہ رزق اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ تمہارے لیے اسباب پیدا کر دے گا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

ابتدائے سورت سے یعنی ﴿ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ سے لے کر اب تک عنوان مشرکوں کے خلاف تھا اور سرزمین عرب پر اہلِ کتاب یعنی یہودی اور عیسائی بھی آباد تھے کچھ صابئین اور کچھ مجوسی بھی تھے لیکن اکثریت یہودیوں کی تھی آگے ان کے متعلق ارشاد ہے۔ فرمایا ﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ ﴾ لڑو ان لوگوں سے ﴿ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ جو نہیں ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر ﴿ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ اور نہ آخرت کے دن پر ﴿ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ﴾ اور نہیں حرام قرار دیتے اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دی ہے اور اس کے رسول ﷺ نے۔ ان کو حرام نہیں سمجھتے جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، جن کی حرمت آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی ہے ﴿ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ ﴾ اور نہیں قبول کرتے سچے دین کو ﴿ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ﴾ ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی۔ یہودی اور عیسائی کہ یہ بھی اسلام کے سخت مخالف ہیں۔ سورۃ المائدۃ پارہ چھ [٦] میں آتا ہے ﴿ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ﴾ "البتہ پاؤ گے تم زیادہ شدید عداوت کے اعتبار سے مومنوں کے حق میں یہود کو اور ان لوگوں کو جنھوں نے شرک کیا۔" یعنی مومنوں کے زیادہ سخت مخالف یہودی ہیں پھر مشرک ہیں۔

یہود و نصاریٰ کی سازشیں!

اس وقت دنیا میں جتنے فتنے اٹھے ہوئے ہیں چاہے کسی علاقے میں ہوں تحقیق کرو گے تو اس کی کڑی یہود کے ساتھ ملے گی ہر جگہ ان کی سازش کارفرما ہے۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے وفات سے پہلے اعلان کیا تھا اَخْرِجُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصَارٰى مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ "یہود و نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔" مگر اس وقت عرب کے شہزادوں نے محض اپنے واہی دفاع کے لیے امریکی فوج تبوک کے مقام پر ٹھہرائی ہوئی ہے اور ان کی تنخواہیں اور تمام اخراجات خود اٹھائے ہوئے ہیں۔ کیوں کہ امریکہ نے ان کے دماغوں میں یہ ہوّا ابھارا ہوا ہے کہ اگر ہم یہاں نہیں رہیں گے تو کویت تمھیں کھا جائے گا عراق تمھیں

کھا جائے گا اور ہم تمہارے چوکی دار ہیں۔ تیل کے کنوؤں پر بھی ان کا قبضہ ہے اور مزے سے کھا رہے ہیں۔ ان سے بھی لڑو ﴿حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ﴾ یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے۔

جزیہ کی تعریف اور اس کی مقدار

جزیہ اس مال اور رقم کو کہتے ہیں جو فوجی مصارف اور دفاع کے لیے ان کافروں سے لی جاتی ہے جو مومنوں کے رعایا بن کر رہتے ہیں اور ان میں سے جو بوڑھے اور بچے ہیں ان پر کوئی جزیہ نہیں ہے، عورتوں پر کوئی جزیہ نہیں ہے، لنگڑے، لولے، اندھے پر کوئی جزیہ نہیں ہے صرف جوان پر ہے اور اگر وہ فوج میں بھرتی ہو جائے تو اس پر بھی کوئی جزیہ نہیں ہے۔ اور جزیہ کی مقدار کیا ہے؟ خلافت راشدہ کے دور میں مال دار سے اڑتالیس درہم اور متوسط سے چوبیس درہم اور ادنیٰ کمائی والے سے بارہ درہم سالانہ تھے۔ ظاہر بات ہے کہ ملک میں وہ بھی رہتے ہیں ان کی زمینیں ہیں، کارخانے ہیں، باغات ہیں ملکی دفاع ان کے بھی ذمہ ہے اس میں کوئی ناانصافی نہیں ہے اور اس وقت حکومت نے جو ٹیکس لگائے ہوئے ہیں ان کو کوئی ظلم نہیں کہتا۔

سیٹھی محمد یوسف صاحب راہوالی والے۔ اُنھوں نے حفظِ قرآن اور تجوید کے بارے میں بڑا کام کیا ہے۔ میرے ساتھ ان کی بے تکلفی تھی اور میرے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھا سیٹھی صاحب! یہ جو تمہارا گنے کا کارخانہ ہے اس میں سے حکومت بھی تم سے کچھ لیتی ہے؟ تو مسکرا پڑے اور کہنے لگے سو میں سے ترانوے [۹۳] روپے لیتی ہے۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا کہ پھر تمہارے پاس کیا باقی رہا؟ کہنے لگے باقی جو سات روپے ہیں ان میں فلاں فلاں ٹیکس علیحدہ ہے۔

آج حکومت اتنا کچھ لے تو ظلم نہیں ہے اور اسلام ملکی دفاع کے لیے تھوڑی سی رقم لے تو لوگ اس کو ظلم کہتے ہیں۔ بھئی! یہ بات ہی ظلم ہے۔ کیوں کہ بارہ درہم تقریباً دو سو روپے بنتے ہیں، متوسط سے چار سو روپے اور مال دار سے آٹھ سو روپے سالانہ تو اس کو ظلم کہنا کتنا بڑا ظلم ہے؟ ﴿وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ اور وہ ذلیل اور عاجز ہو کر رہیں۔ اسلامی احکامات کے تابع ہو جائیں اور کہیں کہ ہم تمہارے فرماں بردار ہو کر رہیں گے اور اگر جزیہ نہیں دیتے تو پھر ان سے لڑو۔

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ﴾ اور کہا یہودیوں نے ﴿عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ عزیر (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے ﴿وَقَالَتِ النَّصٰرَى﴾ اور کہا نصاریٰ نے ﴿الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ مسیح اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں ﴿ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ یہ باتیں ہیں ان کے اپنے مونہوں کی ﴿يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ﴾ مشابہت کرتے ہیں ان لوگوں کی بات کی ﴿كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ﴾ جنھوں نے کفر کیا اس سے پہلے ﴿قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو تباہ کرے ﴿اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ کدھر اُلٹے پھرے جا رہے

ہیں ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ﴾ بنالیا انھوں نے اپنے مولویوں کو اور پیروں کو ﴿اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ رب، اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ﴾ اور مسیح ابن مریم کو ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا﴾ حالانکہ ان کو نہیں حکم دیا گیا تھا ﴿اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا﴾ مگر اس بات کا کہ عبادت کریں ایک ہی خدا کی ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں کوئی معبود مگر صرف وہی ﴿سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ پاک ہے ذات اس کی ان چیزوں سے جن کو یہ اس کا شریک بناتے ہیں ﴿يُرِيْدُوْنَ﴾ وہ ارادہ کرتے ہیں ﴿اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ﴾ کہ مٹادیں اللہ تعالیٰ کے نور کو ﴿بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ اپنے مونہوں کے ساتھ ﴿وَيَاْبَى اللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ انکار کرتا ہے ﴿اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ﴾ مگر یہ کہ وہ پورا کرے اپنے نور کو ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ اگرچہ کافر لوگ اس کو پسند نہ کریں ﴿هُوَ الَّذِيْٓ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے ﴿اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى﴾ جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ ﴿وَدِيْنِ الْحَقِّ﴾ اور سچے دین کے ساتھ ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ تاکہ غالب کردے اس دین کو تمام دینوں پر ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ اور اگرچہ پسند نہ کریں اس کو شرک کرنے والے۔

ماقبل سے ربط

پچھلی آیت کریمہ میں حکم تھا کہ اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے ساتھ لڑو جو ایمان نہیں لائے۔ کیوں کہ سرزمین عرب میں یہود بھی آباد تھے اور عیسائی بھی اور صابئین بھی۔ ان کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے تو جب اہل کتاب کے ساتھ لڑنے کا حکم ہوا تو سطحی قسم کے ذہنوں میں یہ اشکال پیدا ہوا کہ ان سے کیوں لڑنا ہے لڑائی کی وجہ اور سبب کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ لڑنے کی وجہ بیان فرمائی ہے کہ اس لیے ان سے لڑو۔

ارشاد ربانی ہے ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ اور کہا یہودیوں نے عزیر (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے پیغمبر کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنانا بڑا کفر ہے۔ رب تعالیٰ کے لیے بیٹا ثابت کرنا معمولی بات نہیں ہے ﴿وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ اور کہا نصاریٰ نے مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق، اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنانا بہت بڑا گناہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ﴿لَمْ يَلِدْ[1] وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ ہے۔ نہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو جنا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کسی سے پیدا ہوا ہے۔

حدیث قدسی میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں يَشْتِمُنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ جَائِزٌ "ابن آدم مجھے گالیاں نکالتا ہے حالانکہ اس کو گالیاں نکالنے کا کوئی حق نہیں ہے۔" گالیاں کیسے نکالتا ہے؟ يَدْعُوْلِيْ وَلَدًا "میری طرف اولاد کی نسبت کرتا ہے۔" رب تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا رب تعالیٰ کو گالیاں نکالنا ہے اور گالی کے بعد تو لڑائی ہوتی

ہے۔ دیکھو! ہماری تمہاری کیا حیثیت ہے ہمیں کوئی گالی نکالے تو ہمارے جذبات کیا ہوتے ہیں؟ تو جو اللہ تعالیٰ کو گالی نکالے پھر اس کے خلاف لڑنا ہی ہے مگر یہ بات یاد رکھنا کہ لڑنا افراد کا کام نہیں ہے کہ ہر آدمی اپنے طور پر اٹھ کر لڑنا شروع کر دے۔ یہودی سے اور عیسائی سے لڑنا اقتدار اور حکومتی سطح پر ہے۔

تعزیرات کا حکم

حدود و تعزیرات کے جتنے بھی احکام ہیں یہ افراد کے لیے نہیں ہیں۔ قرآن پاک میں آتا ہے ﴿وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا﴾ [المائدہ:۳۸] "چور مرد اور چور عورت پس تم ہاتھ کاٹ دو ان کے۔" عام آدمی میں سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ چور کو پکڑ کر اس کے ہاتھ کاٹ دے۔ غیر شادی شدہ مرد عورت زنا کریں تو ان کو کوڑے مارنے کا حکم قرآن حکیم میں مذکور ہے مگر حکومت کے بغیر کسی کو حق نہیں ہے کہ وہ کوڑے مارے یہ حکومت کا کام ہے۔ اسی طرح یہود و نصاریٰ اور دیگر کافروں سے لڑنا انفرادی کام نہیں ہے یہ اجتماعی طور پر حکومت کا کام ہے۔ گویا کہ مسلمانوں کے پاس اتنا اقتدار ہونا چاہیے کہ جس اقتدار کے ذریعے کافروں کی سرکوبی کریں، یہود سے لڑیں، نصاریٰ سے لڑیں کہ انھوں نے کہا ہے کہ عزیر علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔

فرمایا ﴿ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ یہ باتیں ہیں ان کے اپنے مونہوں کی۔ آدمی منہ سے جو کچھ کہنا چاہے کہہ سکتا ہے ﴿یُضَاهِـُٔوْنَ﴾ یہ مشابہت رکھتے ہیں، نقل اتارتے ہیں ﴿قَوْلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ﴾ ان لوگوں کی بات کی جنھوں نے کفر کیا اس سے پہلے۔ وہ کافر اور مشرک جو ان سے پہلے تھے وہ کہتے تھے کہ فرشتے رب تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ﴿وَ یَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ﴾ [النحل:۵۷] کسی نے رب تعالیٰ کا بیٹا بنا دیا کسی نے بیٹیاں بنا دیں۔ حالاں کہ رب تعالیٰ کا نہ بیٹا، نہ بیٹی، نہ ماں، نہ باپ، رب تعالیٰ کی ذات ان سب سے پاک ہے۔

﴿قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ﴾ تباہ کرے ان کو اللہ تعالیٰ، برباد کرے، غارت کرے، لعنت بھیجے ﴿اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ﴾ کدھر اُلٹے پھرے جا رہے ہیں۔ تو ان کے ساتھ لڑنے کی ایک وجہ تو یہ ہوئی کہ انھوں نے حضرت عزیر علیہ السلام، حضرت مسیح علیہ السلام کو رب تعالیٰ کا بیٹا بنایا۔ اور ایک وجہ یہ ہے کہ ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اَحْبَار جمع ہے حِبْرٌ کی اور حِبْر کا معنیٰ ہے عالم، مولوی۔ اور رُهْبَان جمع ہے راہب کی، راہب کا معنیٰ ہے پیر۔ آیت کا معنیٰ ہوگا بنا لیا اُنھوں نے اپنے مولویوں اور پیروں کو رب اللہ تعالیٰ کے سوا، اس لیے ان کے ساتھ لڑو۔

حضرت عدی ابن حاتم رضی اللہ عنہ پہلے عیسائیوں کے پادری تھے بڑے پڑھے لکھے سمجھدار آدمی تھے۔ نو ہجری کے آخر میں یا دسویں سال کی ابتداء میں یہ مسلمان ہوئے۔ جب یہ آیت کریمہ سامنے آئی تو کہنے لگے حضرت! میں خود عیسائیوں کا مولوی، پادری اور مبلغ تھا میرے علم میں تو نہیں ہے کہ اُنھوں نے مولویوں اور پیروں کو رب بنایا ہو اور رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِتَّخَذُوْٓا

﴿اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کہ اُنھوں نے اپنے مولویوں اور پیروں کو رب بنالیا اللہ تعالیٰ کے سوا۔ ترمذی شریف صحاح ستہ کی کتاب ہے اس میں اور مسند احمد میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان کے مولوی بغیر کسی شرعی ثبوت کے کوئی حکم دیتے تھے تو لوگ ان کو مانتے تھے، ان کے پیر بغیر کسی شرعی ثبوت کے کوئی حکم دیتے تھے تو وہ لوگ مانتے تھے؟ عرض کیا یہ تو ہوتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا شرعی ثبوت کے بغیر کسی مولوی اور پیر کی بات ماننا یہی اس کو رب بنانا ہے کیوں کہ یہ صفت رب تعالیٰ کی ہے۔ ہاں! اگر مولوی اور پیر مسئلہ شریعت کے مطابق بتلائیں تو ٹھیک ہے اور اگر وہ مسئلہ نہ قرآن کے مطابق ہے، نہ حدیث کے مطابق ہے، نہ فقہ اسلامی کے مطابق ہے اور پھر بھی لوگ اس کی پیروی کریں تو یہ ان کو رب بنانا ہے۔ آج اس کی کمی کلمہ پڑھنے والے مسلمانوں میں بھی نہیں ہے۔

شرک کی ایک قسم

یہ عام تعویذات والے عموماً کہتے ہیں کہ فلاں چیز چھوڑ دو فلاں چیز نہیں کھانی چاہیے۔ یہ شرک کی ایک قسم ہے۔ تم کون ہوتے ہو حلال چیزوں کو چھڑانے والے؟ ہاں اگر طبی لحاظ سے کوئی چیز کسی کو نقصان دیتی ہے کہ بعض چیزیں بعض کے مزاج کے موافق ہوتی ہیں اور بعض چیزیں مزاج کے موافق نہیں ہوتیں۔ اگر حکمت اور ڈاکٹری اعتبار سے ان کو نہ کھائے تو کھانے پر اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا لیکن ان کو حرام سمجھنے کا مجاز نہیں ہے۔ اکثر تعویذ لکھنے والے مشرکانہ ذہن رکھتے ہیں اور لوگوں کو بھی مشرک بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو نے یہ نہیں کرنا وہ نہیں کرنا، ولادت والے گھر نہیں جانا، یہ سب خرافات ہیں اور ان کی باتوں کو ماننا ان کو رب بنانا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ﴾ اور مسیح ابن مریم کو اُنھوں نے رب بنایا ان کی عبادت کی ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا﴾ حالانکہ ان کو نہیں حکم دیا گیا تھا مگر اس بات کا کہ عبادت کریں ایک ہی خدا کی۔ کسی کا حکم ماننا بلا شرعی ثبوت کے یہ بھی عبادت تھا ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں کوئی معبود مگر صرف وہی اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود اور الٰہ نہیں ہے ﴿سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ پاک ہے ذات اس کی ان چیزوں سے جن کو یہ اس کا شریک بناتے ہیں۔ نہ اس کا بیٹا نہ بیٹی، نہ کوئی شریک، نہ اس کے سوا کوئی حکم دینے والا ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ [یوسف: ۴۰] حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ پیغمبر بھی اس چیز کے مجاز نہیں ہیں کہ اپنی طرف سے کسی چیز کا حکم یا کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرائیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر۔

فرمایا ﴿يُرِيْدُوْنَ﴾ وہ ارادہ کرتے ہیں ﴿اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ﴾ کہ مٹا دیں اللہ تعالیٰ کے نور کو۔ نور ایمان، نور توحید، نور سنت، نور اسلام کو ﴿بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ اپنے مونہوں کے ساتھ پھونکیں مار کر یہ چاہتے ہیں کہ حق کی باتیں دبی رہیں ﴿وَيَاْبَى اللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ انکار کرتا ہے ﴿اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ﴾ مگر یہ کہ وہ پورا کرے اپنے نور کو۔ یہ لوگ اسلام، توحید و سنت کو مٹانا چاہتے ہیں رب تعالیٰ اس کو روشن کرے گا۔

مولانا ظفر علی خان مرحوم نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

جیسے کوئی سارا دن سورج کو پھونکیں مارتا رہے کہ سورج بجھ جائے اس کا منہ تھک جائے گا گردن ٹیڑھی ہو جائے گی مگر سورج چمکتا رہے گا۔ اسلام کو مٹانے کی بڑی کوششیں ہوئی ہیں مگر کوئی نہیں مٹا سکا۔ آج حیرانی ہوتی ہے کہ کوسوو میں البانی مسلمان لاکھوں کی تعداد میں تھے یوگوسلاویہ میں ان کو نکال دیا گیا ہے۔ کافر برائے نام شلجموں سے مٹی جھاڑنے کی طرح ساتھ دے رہے ہیں جیسے برطانیہ، امریکہ اور نیٹو والے اور مسلمان بادشاہ ایسے بے ایمان ہیں کہ ایک نے بھی ساتھ نہیں دیا بمع سعودیہ اور کویت کے سارے گونگے ہو چکے ہیں۔ کم از کم زبانی طور پر ہی کہہ دو او ظالمو! یہ ظلم بند کرو یہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ ظلم ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے ان کو شرم آنی چاہیے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے نور کو چمکائے گا، مکمل کرے گا ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ اگرچہ کافر اس کو پسند نہ کریں ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ﴿بِالْهُدٰى﴾ ہدایت کے ساتھ ﴿وَدِيْنِ الْحَقِّ﴾ اور سچے دین کے ساتھ ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ تاکہ غالب کر دے اس دین کو تمام دینوں پر۔ الحمد للہ! حجت، دلیل اور برہان کے اعتبار سے اسلام ہمیشہ غالب رہا ہے اور رہے گا۔

ایک واقعہ

آج سے تقریباً آٹھ نو سال پہلے کا واقعہ ہے کہ احمد دیدات گجرات کاٹھیاوار کا رہنے والا عالم ہے دیوبندی مسلک کا آدمی ہے اور انگریزی زبان کا بڑا ماہر ہے۔ پادریوں کے ساتھ اس کا مناظرہ طے ہوا۔ اس نے کہا کہ مناظرہ میں اس شرط پر کروں گا کہ مناظرہ ٹی وی پر ہو باقاعدہ جج مقرر کیا جائے وہ میرے دلائل بھی سنے اور تمہارے دلائل بھی سنے اور پھر فیصلہ دے کہ کون ہارا اور کون جیتا۔ چنانچہ ٹی وی پر مناظرہ ہوا اور جج غیر مسلم انگریز تھے انھوں نے فیصلہ دیا کہ احمد دیدات جیت گیا اور پادری ہار گیا۔ میرے خیال کے مطابق یہ مناظرہ ٹی وی پر دو ارب آدمیوں نے دیکھا، کافر نے فیصلہ سنایا اور غلبہ کس طرح ہوگا؟ اللہ تعالیٰ دین کو غالب کرے گا ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ اور اگرچہ اس کو پسند نہ کریں شرک کرنے والے مگر اللہ تعالیٰ اس دین کو چمکائے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ حق تعالیٰ اہل حق کی امداد فرمائے۔ اس وقت ایران نے خباثت کر کے بامیان کے کچھ حصے پر قبضہ کر لیا ہے اور یہ مزید کچھ شرارتیں کرے گا۔ دعا کرو اللہ تعالیٰ طالبان کو فتح نصیب فرمائے اور کوسوو اور فلپائن کے مسلمانوں کی بھی امداد فرمائے اور جہاں جہاں مسلمان مظلوم ہیں وہاں وہاں ان کی مدد فرمائے اور ان حکمرانوں کو اللہ تعالیٰ

دنیا میں تباہ کرے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اِنَّ كَثِیْرًا﴾ بے شک بہت سارے ﴿مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ﴾ مولوی اور پیر ﴿لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ﴾ البتہ کھاتے ہیں لوگوں کا مال ﴿بِالْبَاطِلِ﴾ باطل طریقے سے ﴿وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ اور روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿وَ الَّذِیْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ﴾ جو جمع کرتے ہیں سونا اور چاندی ﴿وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ اور نہیں خرچ کرتے اس کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ ان کو خوش خبری سنا دیں دردناک عذاب کی ﴿یَّوْمَ یُحْمٰى عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ﴾ جس دن گرم کیا جائے گا ان کو جہنم کی آگ میں ﴿فَتُكْوٰى بِهَا﴾ پس داغا جائے گا اس کے ساتھ ﴿جِبَاهُهُمْ﴾ ان کی پیشانیوں کو ﴿وَ جُنُوْبُهُمْ﴾ اور ان کے پہلوؤں کو ﴿وَ ظُهُوْرُهُمْ﴾ اور ان کی پشتوں کو (اور کہا جائے گا) ﴿هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ﴾ یہ وہ چیز ہے جس کو تم خزانہ بناتے تھے ﴿لِاَنْفُسِكُمْ﴾ اپنے نفسوں کے لیے ﴿فَذُوْقُوْا﴾ پس چکھو تم ﴿مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾ وہ چیز جس کو تم خزانہ بناتے تھے۔

صدقہ دینے کا طریقہ:

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ بہت سارے مولوی اور پیر لوگوں کا مال ناجائز طریقے سے کھاتے ہیں۔ دیکھو! صدقہ خیرات بڑی اچھی چیز ہے مگر اس کے لیے شریعت نے بڑی شرائط مقرر فرمائی ہیں۔

① ایک شرط یہ ہے کہ صدقہ کرنے والا مومن ہو بغیر ایمان کے صدقے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

② اور صدقہ خیرات جس کے لیے کیا گیا ہے یعنی جس کو صدقہ خیرات کا ثواب پہنچانا ہے وہ بھی مومن ہو چاہے گنہگار ہی کیوں نہ ہو۔

③ تیسری شرط یہ ہے کہ صدقہ حلال اور طیب مال سے ہو حرام مال سے صدقہ کرے گا تو قبول نہیں ہوگا۔

پھر یہ کہ صدقے کے لیے دن کی تعیین نہیں ہے کہ فلاں دن صدقہ ہو سکتا ہے اور فلاں دن نہیں ہو سکتا۔ صدقہ جب اور جس وقت چاہے کرے، ہو جائے گا اور صدقہ اس طریقے سے کرے کہ دائیں ہاتھ سے کرے تو بائیں کو پتا نہ چلے۔ اب ان شرائط کے ساتھ صدقہ کون کرتا ہے پھر صدقہ جس کو دینا ہے وہ مستحق بھی ہو۔ اب تم فیصلہ کرو کہ تیجا، ساتا، دسواں، چالیسواں، عرس، برسی، گیارھویں یہ صدقے کی مد میں آتے ہیں؟ یہ تمام باطل طریقے ہیں اور ان باطل طریقوں سے مولوی اور پیر لوگوں کا مال کھاتے ہیں حالانکہ ان کو کھانے کا حق بھی نہیں پہنچتا۔ صدقہ خیرات تو غریبوں کا حق ہے جو مولوی، پیر مالدار ہیں خود صدقہ فطرانہ دیتے ہیں قربانی کرتے ہیں وہ صدقہ کھانے کے کہاں مجاز ہیں مگر کھا جاتے ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ یہودیوں کے بارے میں ہے مگر خطاب تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو کیا ہے ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو سنو! بہت سارے مولوی اور پیر لوگوں کا مال ناجائز طریقے سے کھاتے ہیں تم ایسا نہ کرنا یہ سمجھانا مقصود ہے۔ تو صدقہ خیرات کرو شرائط کے ساتھ رب تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اور یہاں تو حالت یہ ہے کہ جب تک گلی میں دیگ نہ کھڑکے ہمارا دل ہی مطمئن نہیں ہوتا۔ یہ سارا کچھ اپنی ناک کے لیے ہے رب تعالیٰ کی رضا کے لیے تو نہیں ہے۔ پھر لوگوں کا مال اس طرح بھی کھاتے ہیں کہ جو لوگ تعویذ لینے کے لیے آتے ہیں ان سے کہتے ہیں دس روپے والا لینا ہے یا پچاس والا یا سو روپے والا یا پانچ سو والا لینا ہے۔ بے شک تعویذ کی اُجرت حرام نہیں ہے مگر اپنی خوشی سے کوئی دے تو لے لو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّھْبَانِ﴾ بے شک بہت سارے مولوی اور پیر ﴿لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ﴾ البتہ کھاتے ہیں لوگوں کا مال باطل طریقے سے ﴿وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ اور روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے لوگوں کو۔ جو صحیح مسئلہ بتاتا ہے اس سے روکتے ہیں کہ اس کے پاس نہ جاؤ یہ وہابی ہے۔ صدقہ خیرات کا تو ہم بھی انکار نہیں کرتے مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ دنوں کی تعیین نہ کرو غریبوں کو دو مخفی طریقے سے دو نام و نمود نہ کرو، شہرت پسندی سے بچو، مستحق کو دو خود نہ کھاؤ، ماموں اور چچا کھائے، سسر کھائے، داماد کھائے، یہ صدقہ ہے۔ ہاں تجربہ کر کے دیکھ لو تیجا، ساتا، دسواں لوگ خود کھا جاتے ہیں اور غریبوں کو دھکے پڑتے ہیں۔

یاد رکھنا! جو واجب قسم کا صدقہ ہے وہ ایسے شخص کو دینا جو خود فطرانہ دیتا ہے حرام ہے اور نفلی صدقہ مکروہ تنزیہی ہے۔ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنی ہتھیلی پر تھوک کر چاٹ لے اور تیجے ساتے کے موقع پر جو لوگ آتے ہیں میرے خیال کے مطابق کوئی ہو جو غریب ہو باقی سب صاحب حیثیت ہوتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے صحیح فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں حق بیان کرنے والے کے پاس جانے سے منع کرتے ہیں اس کے قریب نہیں جانے دیتے۔

حافظ اللہ داد صاحب مرحوم کھٹیالہ گجرات کے رہنے والے تھے اور ہمارے پیر بھائی تھے۔ پنجابی زبان کے بڑے بہترین مقرر تھے بڑا بہترین وعظ فرماتے تھے۔ کئی کئی دن وہ میرے پاس ٹھہرتے تھے۔ کوٹ وارث جلسہ کر کے واپس آرہے تھے پیدل والے راستے سے اور مطالعہ کے لیے کتابوں کی گٹھڑی ان کے پاس ہوتی تھی کہ کئی کئی دن گھر سے باہر رہتے تھے۔ اس راستے پر گدھے آرہے تھے حافظ صاحب نے گدھے والے کو کہا بھائی جان! اگر اجازت ہو تو میں کتابوں کی گٹھڑی تمہارے گدھے پر رکھ دوں اس نے کہا رکھ دو اور پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آرہے ہو؟ حافظ صاحب نے کہا کوٹ وارث جلسہ تھا جلسہ ختم کر کے اب میں گکھڑ جا رہا ہوں۔ اس نے کہا کس کے پاس جانا ہے؟ حافظ صاحب نے میرا نام لیا (کہ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر کے پاس جانا ہے)۔ کمہار نے کہا اس کے پاس نہ جانا وہ تو کلمے کا منکر ہے۔ حافظ صاحب نے کہا کہ وہ تو کلمہ لوگوں کو پڑھاتا پھرتا ہے وہ کلمے کا کیسے منکر ہے؟ کمہار نے کہا ہمیں مولویوں نے کہا ہے کہ وہ کلمے کا منکر ہے۔ پھر کہا کہ وہ معراج کا منکر ہے۔ حافظ صاحب نے میرا رسالہ "ضوءُ السراج" یعنی چراغ کی روشنی جو معراج کے مسئلے پر لکھا ہوا ہے اور تمام

باطل اعتراضات کا اس میں رد ہے جو معراج کے متعلق کیے گئے ہیں الحمد للہ! بڑا مقبول ہے، گٹھڑی سے نکال کر کمہار کو پڑھ کے سنایا کہ اس نے تو معراج کے بڑے بڑے ثبوت دیے ہیں اور دلائل کے ساتھ معراج کو ثابت کیا ہے وہ کیسے منکر ہوا؟

پھر کمہار نے کہا نہیں جی وہ آنحضرت ﷺ کی توہین کرتا ہے۔ اس طرح ایک سیڑھی سے اترا، دوسری پر چڑھا، دوسری سے اُترا، تیسری پر چڑھا اَسْتَغْفِرُ اللہ، ثُمَّ اَسْتَغْفِرُ اللہ، پیغمبر تو بڑی ذات ہے، صحابہ کا بڑا مقام ہے۔ ہمارا یہ نظریہ تم متعدد بار سن چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے کسی ولی، کسی نیک بندے کا نام جس مجلس میں لیا جائے تو وہاں رحمت کے فرشتے نازل ہوتے ہیں مگر ہم بد باطنوں کا کیا کر سکتے ہیں کہ خود حرام کھاتے ہیں اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا دین صحیح طریقہ سے بیان کرنے والوں کے پاس جانے سے روکتے ہیں۔

صدقہ وخیرات نہ دینے پر وعید

آگے اور مسئلہ بیان فرمایا ہے ﴿وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ﴾ اور وہ لوگ جو جمع کرتے ہیں سونا اور چاندی۔ اس زمانے میں کاغذ کے نوٹ نہیں ہوتے تھے سونا چاندی ہوتا تھا ﴿وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ﴾ اور نہیں خرچ کرتے اس کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں۔ نہ زکوۃ دیتے ہیں، نہ فطرانہ، نہ عشر اور نفلی صدقہ بھی نہیں کرتے حالانکہ غریب آدمی کی امداد اخلاقی طور پر اسلام کا فریضہ ہے ﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ ان کو خوش خبری سنا دیں دردناک عذاب کی۔ یہ طنز اور استہزاء کے طور پر فرمایا ہے ورنہ خوش خبری تو اچھی چیز کی ہوتی ہے عذاب کی خوش خبری کیا ہوئی؟ پھر عذاب بھی معمولی نہیں بلکہ دردناک عذاب ہے۔ ﴿یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ﴾ جس دن تپایا جائے گا، گرم کیا جائے گا سونے چاندی کو جہنم کی آگ میں ٹکڑے ٹکڑے بنا کر ﴿فَتُكْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ﴾ پس داغا جائے گا اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں کو ﴿وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ﴾ اور ان کے پہلوؤں کو اور پشتوں کو۔ ٹکڑا گرم کر کے پیشانی پر رکھیں گے پیچھے سے نکل جائے گا۔ سونے چاندی کا ٹکڑا گرم کر کے ایک طرف پہلو پر رکھیں گے آگے چھاتی سے نکل جائے گا۔

کیوں کہ جو صحیح معنیٰ میں مستحق ہے مانگنا اس کی عادت نہیں ہے مجبور ہے جب وہ سامنے آ کر کھڑا ہوتا ہے اگر آدمی نے نہ دینا ہو تو منہ پھیر لیتا ہے پھر پہلو پھیر لیتا ہے اگر مزید وہ اصرار کرے تو پیٹھ پھیر لیتا ہے تو پہلے پیشانی داغی جائے گی اور کہا جائے گا ﴿هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ﴾ یہ وہ چیز ہے جس کو تم خزانہ بناتے تھے اپنے نفسوں کے لیے۔ بہ خلاف اس کے جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں، فطرانہ دیتے ہیں، عشر نکالتے ہیں اور اس کے علاوہ غریبوں کی امداد کرتے ہیں ان پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔ سزا وہ پائیں گے جو مال کا حق ادا نہیں کرتے، غریب کی امداد نہیں کرتے چاہے مانگتا رہے اس کی پروا نہیں کرتے اور آج تو یہ بھی بڑی مصیبت ہے کہ بعض لوگوں نے مانگنا پیشہ بنا لیا ہے چاہے اس کے پاس ہزاروں لاکھوں روپے کیوں نہ ہوں حالانکہ یہ گناہ اور حرام ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ بلا اشد ضرورت کے جو شخص سوال کرے گا قیامت والے دن اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا ہڈیوں کا پنجرہ یعنی ڈھانچہ ہوگا۔ یہ نشانی ہوگی اس شخص کی جو بلا ضرورت دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ تو بغیر ضرورت کے مانگنا حرام ہے اور مستحق کو نہ دینا بھی گناہ ہے۔

﴿فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾ پس چکھو تم وہ چیز جس کو تم خزانہ بناتے تھے۔ یعنی اس کا وبال چکھو۔ اللہ تعالیٰ نے بڑے واضح الفاظ میں سمجھا دیا ہے تاکہ تم آخرت میں پریشان نہ ہو اور آج ہی جو کچھ اپنے لیے کرنا ہے کر لو۔

﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ﴾ بے شک گنتی مہینوں کی ﴿عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ہاں ﴿اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا﴾ بارہ مہینے ہیں ﴿فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ﴿يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ جس دن اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمینوں کو ﴿مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ ان میں سے چار مہینے عزت والے ہیں ﴿ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ یہ مضبوط دین ہے ﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ پس نہ زیادتی کرو تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً﴾ اور لڑو تم شرک کرنے والوں کے ساتھ اکٹھے ہو کر ﴿كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً﴾ جیسا کہ وہ تم سے لڑتے ہیں اکٹھے ہو کر ﴿وَاعْلَمُوْٓا﴾ اور جان لو ﴿اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ﴿اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ﴾ پختہ بات ہے مؤخر کر دینا کفر میں زیادتی ہے ﴿يُضَلُّ بِهِ﴾ گمراہ کیے جاتے ہیں اس مؤخر کرنے کے ساتھ ﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا﴾ حلال سمجھتے ہیں اس مہینے کو ایک سال ﴿وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا﴾ اور حرام قرار دیتے ہیں ایک سال ﴿لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ﴾ تاکہ پوری کر لیں گنتی ﴿مَا حَرَّمَ اللّٰهُ﴾ اس کی جو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے ﴿فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ﴾ پس حلال کر لیتے ہیں اس چیز کو جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے ﴿زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ﴾ مزین کیے گئے ان کے لیے برے اعمال ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کافر قوم کو۔

مہینوں کی تعیین

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص حکم بیان فرمایا ہے جس حکم کے بارے میں مشرکین عرب بہت زیادتی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ بے شک گنتی مہینوں کی اللہ تعالیٰ کے ہاں ﴿اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا﴾ بارہ مہینے ہیں سال کے ﴿فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں، لوح محفوظ میں۔ نوشت میں یہ سال کے بارہ مہینے اللہ تعالیٰ نے اس

وقت سے مقرر کیے ہوئے ہیں ﴿یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ جس دن پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو۔ اس لیے کہ ان کے بغیر نظام نہیں چلتا۔ سارے کام مہینوں کے ساتھ اور تاریخوں کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ہے۔ اور بھی جتنے دینی کام ہیں بلکہ دنیاوی کام بھی بغیر تعیین تاریخ کے نہیں ہوتے کہ فلاں سال، فلاں مہینے میں پیدا ہوا، فلاں سال، فلاں تاریخ کو نکاح ہوا اور فلاں تاریخ کو فوت ہوا، کس سن اور تاریخ کو ملازم ہوا اور کب ریٹائر ہونا ہے، کب یہ معاملہ کرنا ہے، فلاں تاریخ کو وعدہ کیا اور فلاں تاریخ کو پورا کرنا ہے۔ غرضیکہ بلاتعین سال، مہینے اور دن کے نظام نہیں چل سکتا۔ اسلامی قاعدے کے مطابق سال محرم کے مہینے سے شروع ہوتا ہے۔ یعنی محرم اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے اور ذوالحجہ پر جا کر ختم ہوتا ہے۔

اَشْهُرِ حُرُم ؟

تو سال کے اللہ تعالیٰ نے بارہ مہینے بنائے ﴿مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ ان میں سے چار مہینے عزت والے ہیں۔ ان چار مہینوں میں لڑائی وغیرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک منع تھی آخر میں اس کی حرمت منسوخ ہو گئی۔ وہ چار مہینے یہ ہیں ذی قعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔ لوگ ان مہینوں کا خاص احترام کرتے تھے۔

۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے عمرے کا احرام باندھا ذوالقعدہ کے مہینے میں۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اشکال پیش آیا کہ ہم تو عمرہ کے لیے آئے ہیں، احرام باندھا ہوا ہے اور مہینہ بھی حرمت کا ہے اگر کافر ہم پر حملہ کر دیں تو ہم کیا کریں گے؟ ایک تو مہینہ محترم ہے اس میں لڑائی ممنوع ہے اور حرم کے علاقے میں بھی لڑنا ممنوع ہے۔ بلکہ حرم کے علاقے میں درخت کاٹنا، اکھیڑنا، گھاس اکھیڑنا سوائے اِذخر کے اور شکار کرنا منع ہے، حرام ہے۔

تو ایک یہ کہ مہینہ محترم دوسرا یہ کہ علاقہ محترم اور تیسرا یہ کہ ہم ہیں احرام میں۔ احرام باندھنے کے بعد آدمی لڑ نہیں سکتا، بلکہ ناخن نہیں کاٹ سکتا، لبیں نہیں صاف کر سکتا، سر کو ڈھانپ نہیں سکتا، سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتا، خوشبو نہیں لگا سکتا، کسی چیز کو مار نہیں سکتا، یہ سب ممنوعاتِ احرام ہیں۔ ہم پر تو پابندیاں ہیں اگر کافروں نے ہم پر حملہ کر دیا تو پھر ہم کیا کریں گے؟ دوسرے پارے میں اس کا ذکر ہے ﴿یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ﴾ فرمایا آپ کہہ دیں حرمت والے مہینے میں لڑنا بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ابتدا نہ کرو لیکن اگر وہ تم پر حملہ کر دیں تو تم دفاع کر سکتے ہو لیکن بعد میں یہ حرمت منسوخ ہو گئی اب ان مہینوں میں کافروں کے ساتھ لڑائی میں ابتدا کرنا بھی جائز ہے۔

فرمایا ﴿ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ﴾ یہ دین مضبوط ہے، سیدھا ہے ﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ پس نہ زیادتی کرو تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر یعنی لڑائی نہ کرو لیکن ﴿وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً﴾ اور لڑو تم شرک کرنے والوں کے ساتھ اکٹھے ہو کر ﴿كَمَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً﴾ جیسا کہ وہ تم سے لڑتے ہیں اکٹھے ہو کر۔ ویسے لڑائی تو ہر جگہ میں بری ہے لیکن حرم میں اور زیادہ بری ہے اور مسجد حرام میں اور زیادہ بری ہے اور مسجد نبوی میں اور زیادہ بری ہے جیسے لڑنا اور مہینوں میں ممنوع ہے مگر رمضان المبارک میں

اورزیادہ ممنوع ہے لیکن دفاع کی اجازت ہے۔

مسئلہ !

وقت اور جگہ کا خیال رکھو۔ مسجد تو ایسی جگہ ہے کہ یہاں دوڑ کر آنا بھی منع ہے یہاں تک کہ اگر امام رکوع میں چلا گیا تو تمھیں دوڑ کر ساتھ ملنے کی اجازت نہیں ہے۔ حالانکہ تمہارا مقصد یہی ہے کہ جلدی سے امام کے ساتھ رکوع میں مل جاؤں کہ مسئلہ یہ ہے کہ جس نے رکوع میں شرکت کر لی اس کی وہ رکعت ہوگئی لیکن شرط یہ ہے کہ رکوع میں جانے سے پہلے اتنی دیر قیام کرے کہ جس میں تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر کہہ سکے اور اگر تکبیر تحریمہ رکوع میں جا کر کہی تو نماز نہیں ہوگی۔ کیوں کہ تکبیر اولی قیام نماز میں فرض ہے بشرطیکہ معذور نہ ہو اگر قیام کرنے سے معذور ہے تو اس کا مسئلہ جدا ہے۔

بہرحال مسئلہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہنی ہے۔ پھر اگر امام کے ساتھ رکوع میں مل گیا تو اس نے رکعت پالی۔ ﴿وَاعْلَمُوْٓا﴾ اور تم جان لو ﴿اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

مشرکین مکہ کی خصلت بد !

حرمت والے مہینوں کا تقدس اور احترام بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس خرابی کا ذکر فرمایا ہے جو وہ اس سلسلے میں کرتے تھے۔ وہ اس طرح کہ چار مہینے حرمت وعزت والے تھے ان میں لڑنا حرام تھا لیکن مشرکین مکہ کو ان میں سے کسی مہینے میں لڑنے کی ضرورت پیش آجاتی تو اس کی حرمت اگلے مہینے کی طرف منتقل کر دیتے اور اس میں لڑائی کر لیتے۔ مثلاً: رجب کا مہینہ حرمت والا مہینہ تھا اس میں لڑائی ممنوع تھی لیکن ان کو اگر دشمن کے مقابلے میں لڑائی پیش آجاتی تو رجب میں لڑ لیتے اور اس کی حرمت شعبان کی طرف منتقل کر دیتے کہ اس سال شعبان کا مہینہ محترم ہے۔ اسی طرح محرم کے مہینے میں لڑنا حرام تھا مگر ان کو اگر کسی کے ساتھ لڑنے کی ضرورت پیش آجاتی تو لڑ لیتے اور کہتے کہ اس مہینے کی حرمت ہم نے صفر کی طرف منتقل کر دی ہے کہ صفر میں نہیں لڑیں گے۔

بھائی! سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرمت محرم کو حاصل ہے تم نے اپنی طرف سے وہ حرمت صفر کو دے دی رب تعالیٰ کی طرف سے تو حرمت رجب کے مہینے کو حاصل ہے تم نے وہ حرمت شعبان کی طرف منتقل کر دی۔ کسی چیز کو اپنی جگہ سے ہٹا دینا اپنی مرضی سے یہ کفر میں زیادتی ہے۔ نفس کفر تو پہلے ہے اس سے کفر اور زیادہ ہو گیا کہ تم نے رب تعالیٰ کے حکم کو اپنی جگہ سے پھیر دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ﴾ پختہ بات ہے مؤخر کر دینا، اپنی جگہ سے ہٹا دینا کفر میں زیادتی ہے ﴿يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ گمراہ کیے جاتے ہیں اس مؤخر کرنے کے ساتھ وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا﴾ حلال سمجھتے ہیں اس مہینے کو ایک سال۔ کہ جب ان کو اس میں لڑائی کی ضرورت پیش آتی ہے تو لڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس مہینے کی

حرمت ہم اگلے مہینے کو دے دیں گے ﴿وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا﴾ اور حرام قرار دیتے ہیں ایک سال۔ یعنی دوسرے سال پھر اس کی حرمت کو برقرار رکھتے ہیں کہ یہ حرمت والا مہینہ ہے اس میں ہم نہیں لڑیں گے۔ اس طرح کیوں کرتے ہیں؟ ﴿لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ﴾ تاکہ پوری کرلیں گنتی اس کی جو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چار مہینوں کی حرمت بیان فرمائی ہے تو چار کا عدد اس طرح پورا کر لیتے کہ رجب کی بجائے شعبان کو حرم شمار کر لیتے یا مثلاً: محرم کو حلال سمجھ لیا اور صفر کو عزت والا مہینہ ٹھہرا لیتے حالانکہ یہ غلط تھا۔ محترم تو وہی مہینہ ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے محترم ٹھہرایا ہے تمھیں تو اس کی تعیین کا اختیار کسی نے نہیں دیا کہ جس کو چاہو محترم بنالو اور جس کو چاہو حلال سمجھ لو۔

اس کو تم اس طرح سمجھو کہ روزے اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک میں فرض فرمائے ہیں لیکن کوئی یوں کہے کہ اس سال روزے شوال میں رکھیں گے تو اس کا کوئی مجاز نہیں ہے یا مثلاً: حج کا مہینہ ذوالحجہ ہے تو کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ یہ کہنے لگے کہ اس سال ذوالحجہ گرمی میں آ رہا ہے لہٰذا حج ربیع الثانی میں کریں گے کہ سردی ہو جائے گی۔ تو ایسا کوئی نہیں کر سکتا۔ جو چیز رب تعالیٰ نے مقرر کر دی ہے ہم اس میں ہیر پھیر نہیں کر سکتے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنی طرف سے ایسی چیز کی تعیین کرنا جو اللہ تعالیٰ نے متعین نہیں فرمائی، نافرمانی ہے۔ جو متعین ہے اس کو ہٹاؤ نہیں اور جو متعین نہیں اس کو متعین نہ کرو۔

تو وہ مہینوں کو آگے پیچھے کر کے گنتی پوری کر لیتے ﴿مَا حَرَّمَ اللّٰهُ﴾ اس کی جو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے ﴿فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ﴾ پس حلال کر لیتے ہیں اس چیز کو جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ اور اس کی حرمت دوسرے مہینے کو دے دیتے یہ ان کی زیادتی تھی کفر میں ﴿زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ﴾ مزین کیے گئے ان کے لیے برے اعمال۔ اور مزین کیے کس نے؟ اس کے متعلق قرآن پاک میں دوسری جگہ آتا ہے ﴿زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ﴾ [الانفال: ۴۸] "شیطان نے ان کے لیے اعمال مزین کیے۔" خوب صورت تاویلوں کے ساتھ اور ہیرا پھیری کے ساتھ ان کے ذہنوں میں ڈالتا ہے کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کافر قوم کو جبراً، دھکے کے ساتھ۔ بلکہ اس نے اختیار دیا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ "پس جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے اپنی مرضی سے۔" اللہ تعالیٰ کسی کو ایمان لانے پر اور کفر اختیار کرنے پر مجبور نہیں کرتا باوجود اس کے کہ وہ قادر ہے، کر سکتا ہے لیکن اس نے انسان کو نیکی بدی کرنے کا اختیار دیا ہے۔ مرضی سے نیکی کرے، مرضی سے برائی کرے اس میں انسان مجبور نہیں۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿مَا لَكُمْ﴾ تمھیں کیا ہو گیا ہے ﴿اِذَا قِيْلَ لَكُمُ﴾ کہ جب تمھیں کہا جاتا ہے ﴿انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ کوچ کرو اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ﴾ تو تم بوجھل ہوئے جاتے ہو زمین کی طرف ﴿اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ کیا تم راضی ہو چکے ہو دنیا کی زندگی پر ﴿مِنَ

الْاٰخِرَةِ﴾ آخرت کے بدلے میں ﴿فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ﴾ پس نہیں ہے فائدہ دنیا کی زندگی کا آخرت کے مقابلے میں ﴿اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ مگر بہت تھوڑا ﴿اِلَّا تَنْفِرُوْا﴾ اگر تم کوچ نہیں کرو گے ﴿يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ اللہ تعالیٰ تمھیں سزا دے گا دردناک سزا ﴿وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ﴾ اور تبدیل کر دے گا تمہاری جگہ دوسری قوم کو ﴿وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا﴾ اور تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ﴾ اگر تم مدد نہیں کرو گے اس کے رسول کی ﴿فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ﴾ پس تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد کی ہے ﴿اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ جب نکالا اس کو ان لوگوں نے جو کافر تھے ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ﴾ دو میں سے دوسرے تھے ﴿اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ جس وقت کہ وہ دونوں غار میں تھے ﴿اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ﴾ جب کہا اس نے اپنے صحابی کو ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ تو غمگین نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے ﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ﴾ پس نازل کی اللہ تعالیٰ نے اپنی تسلی ﴿عَلَيْهِ﴾ ان پر ﴿وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید کی ایسے لشکروں کے ساتھ ﴿لَّمْ تَرَوْهَا﴾ جن کو تم نے نہیں دیکھا ﴿وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى﴾ اور کر دیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا فیصلہ جنھوں نے کفر کیا تھا پست ﴿وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾ اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہی غالب رہا ﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔

پچھلے رکوع میں یہود و نصاریٰ کے غلط عقیدے کا ذکر تھا کہ ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ اور کہا یہود نے کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں ﴿وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ اور نصاریٰ نے کہا مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔

غزوۂ تبوک

آگے مسلسل کئی رکوع غزوہ تبوک کے بارے میں ہیں۔ جس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں یہودیوں کا ایک مذہبی اور سیاسی پیشوا تھا ابو عامر راہب بڑا ہوشیار اور چالاک آدمی تھا۔ آج کل کے لیڈروں کی طرح کہ جھوٹے ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو سچا ثابت کرتے ہیں۔ ابو عامر راہب اسلام کا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن تھا۔ بدر سے لے کر غزوۂ خندق تک کی تمام لڑائیوں میں اس کا ہاتھ تھا۔ آگے اسی سورت میں مسجد ضرار کا ذکر آئے گا وہ بھی اسی کی کوششوں سے بنی تھی۔ جس وقت مکہ مکرمہ فتح ہو گیا اور عرب کا سارا علاقہ اسلام کے جھنڈے تلے آ گیا تو اس کو پیٹ میں مروڑ اٹھا اس کو بڑی تکلیف ہوئی یہ روم کے بادشاہ ہرقل روم کے پاس روتا ہوا گیا اور اس کو کہا کہ عرب کی سر زمین پر انھوں نے قبضہ کر لیا ہے اور اب وہ کہہ رہے ہیں کہ ہم نے روم بھی فتح کرنا ہے اور یہ بات میں نے اپنے کانوں سے سنی ہے اور ہرقل روم اس سے پہلے بھی کچھ باتیں مسلمانوں کی سن چکا تھا اس نے گویا مزید آگ پر تیل چھڑکا کہ وہ تم پر حملہ کرنے والے ہیں لہٰذا تم اس کا بروقت دفاع کرو۔ اور جس وقت کسی کے اقتدار کو

خطرہ لاحق ہو تو وہ پریشان ہوتا ہے اور اس کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔

ہرقل روم نے اپنے کمانڈروں کے ساتھ مشورہ کیا تو اُنھوں نے کہا یہ بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے اور کچھ باتیں تم پہلے بھی سن چکے ہو کہ وہ ہمارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے لہٰذا ان کا علاج کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے ہجرت کے نویں سال رجب کے مہینے میں لاکھوں کی تعداد میں اپنی فوجیں تبوک کے مقام پر پہنچا دیں۔ آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے اس کی تحقیق فرمائی۔ کیونکہ آپ ﷺ کسی خبر پر یقین نہیں کرتے تھے جب تک اس کی تحقیق نہ فرما لیتے اور قرآن کریم کا بھی یہی حکم ہے کہ جب تمہارے پاس کوئی خبر پہنچے ﴿فَتَبَيَّنُوْا﴾ "تو تحقیق کر لیا کرو۔"

تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ واقعی فوجیں تبوک کے مقام پر پہنچ گئی ہیں۔ ترکوں کے زمانے میں سعودیہ نے جب لائن بچھائی تھی تو مدینہ طیبہ سے تبوک پندرھواں اسٹیشن تھا اور ہمارے ہاں تو اسٹیشن قریب قریب ہیں وہاں آبادی نہ ہونے کی وجہ سے دور دور ہیں۔ تم یوں سمجھو کہ پندرہ دن کی مسافت تھی لمبا سفر تھا اور سخت گرمی کے دن تھے اسی سورت میں آگے آئے گا کہ منافقوں نے ایک دوسرے سے کہا ﴿لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ﴾ بڑی گرمی ہے نہ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا﴾ آپ کہہ دیں کہ جہنم کی آگ بہت گرم ہے۔ پھر فصلیں پکی ہوئی تھیں، کھجوریں اُتارنے کا وقت تھا۔ فصلوں کی کٹائی کے وقت فصل والوں کو فرصت نہیں ہوتی۔ کہاوت مشہور ہے کہ "ان دنوں میں جاٹوں کی ماں مر گئی تھی تو اُنھوں نے کہا تھا کہ اس کو بھڑولے میں ڈال دو فصل سے فارغ ہونے کے بعد دفن کر لیں گے۔" یعنی وہ اتنے مصروف ہوتے ہیں۔ تو وہ موقع تھا فصل کی کٹائی کا اس وجہ سے کچھ لوگوں سے کمزوری سامنے آئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ فرمائی اگر تم اپنے نبی کے ساتھ جہاد میں شریک نہیں ہو گے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کا کوئی دوسرا ذریعہ پیدا فرما دے گا۔

ارشادِ ربانی ہے ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿مَا لَكُمْ﴾ تمھیں کیا ہو گیا ہے ﴿اِذَا قِيْلَ لَكُمُ﴾ جب تمھیں کہا جاتا ہے ﴿انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ کوچ کرو اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ﴾ تو تم بوجھل ہوئے جاتے ہو زمین کی طرف، بوجھ بن کر زمین پر گر پڑتے ہو (یعنی زمین سے چمٹ کر رہ جاتے ہو)۔ ﴿اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ کیا تم راضی ہو چکے ہو دنیا کی زندگی پر ﴿مِنَ الْاٰخِرَةِ﴾ آخرت کے مقابلے میں ﴿فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ پس نہیں ہے فائدہ دنیا کی زندگی کا آخرت کے مقابلہ میں مگر بہت تھوڑا۔ آخرت کی زندگی نہ ختم ہونے والی ہے وہ آج ہمارے تصور میں بھی نہیں آسکتی۔ دنیا کی زندگی کتنی ہے؟ دس سال، بیس سال، چالیس سال، پچاس سال، سو سال، پانچ سو سال بالآخر ختم ہونے والی ہے۔

تو یہ آخرت کے مقابلے میں ہیچ ہے تم اس زندگی پر راضی ہو چکے ہو اور آخرت کو نظر انداز کر رہے ہو ﴿اِلَّا تَنْفِرُوْا﴾ اگر تم کوچ نہیں کرو گے ﴿يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ اللہ تعالیٰ تمھیں سزا دے گا دردناک سزا ﴿وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ﴾ اور تبدیل کر دے گا تمہاری جگہ دوسری قوم کو۔ یہ نہ سمجھو کہ تم ہی ہو اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے وہ دینِ حق اور توحید کی امداد کے لیے کوئی اور قوم

لے آئے گا جو دین حق کی امداد کرے گی ﴿وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا﴾ اور تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ اور اگر "ہٗ" ضمیر کا مرجع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا جائے تو پھر مطلب یہ ہوگا اگر تم جہاد کے لیے نہیں نکلو گے تو پیغمبر کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے اللہ تعالیٰ ان کے امدادی اور بنا دیں گے ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

تو جن لوگوں نے غزوۂ تبوک کے موقع پر کچھ سستی دکھائی تھی کہ فصل کی کٹائی کا موسم تھا، سفر لمبا تھا، گرمی کا موسم تھا ان کو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ﴾ اگر تم مدد نہیں کرو گے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پس تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد کی ہے ﴿اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ جب نکالا اس کو اُن لوگوں نے جو کافر تھے ﴿ثَانِیَ اثْنَیْنِ﴾ دو میں سے دوسرے تھے ﴿اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ﴾ جس وقت وہ دونوں غار میں تھے۔ نویں پارے میں اس کی تم تفصیل سن چکے ہو۔

دار الندوہ میں مشرکین مکہ کی میٹنگ

قریش مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دار النَّدْوَة میں اکٹھے ہوئے اس وقت یہ جگہ مسجد حرام میں شامل ہو گئی ہے۔ اس مشورے کے لیے ہر قبیلے کے ایک آدمی کو دعوت تھی اور مدعوین کے علاوہ کسی اور کو اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ دروازے پر پہرے دار بٹھا دیا گیا تھا کہ کوئی غیر متعلقہ آدمی داخل نہ ہو صرف وہ آئیں جن کے نام مدعوین میں شامل ہیں۔

چنانچہ وہی لوگ آئے دروازہ بند ہونے والا تھا ایک ناواقف آدمی بزرگانہ شکل میں آیا اور کہنے لگا کہ میں نے بھی اس میٹنگ میں شریک ہونا ہے۔ پہرے دار نے پوچھا کہ تو کہاں سے آیا ہے؟ کہنے لگا نجد سے آیا ہوں چوکی دار نے اندر جا کر بتایا کہ ایک معزز بوڑھا نجد سے آیا ہے اور اندر آنا چاہتا ہے۔ مجلس والوں نے کہا کہ آنے دو کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ یہ اندر جا کر بیٹھ گیا۔

ابو جہل نے اُٹھ کر کہا مکے والو! تمھیں معلوم ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معاملہ روز بروز دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کا کلمہ پڑھنے والوں کو تم نے مارا ہے، شہید کیا ہے، مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی مگر اس کے ساتھیوں پر کوئی اثر نہیں ہوا وہ بڑھتے ہی جا رہے ہیں اگر معاملہ اسی طرح رہا تو تمہارے سارے بچے گمراہ ہو جائیں گے اور تمہارے باپ دادا کا دین مٹ جائے گا۔ لہٰذا آج کی مجلس میں آخری فیصلہ کر کے اٹھنا ہے۔ یہ رائے جب سامنے آئی تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ہمارا خیال ہے کہ اس کو نظر بند کر دیا جائے نہ لوگ اس کو ملیں اور نہ وہ کسی کو ملے۔ چند آدمیوں نے ان کی رائے کی تائید کی کہ یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں ایسا کر لو اور دنیا میں غلط سے غلط بات کی تائید کرنے والے بھی موجود ہوتے ہیں۔ ان کی رائے کے بعد ابو جہل اٹھا اور کہنے لگا مَنْ جَرَّبَ الْمُجَرَّبَ فَقَدْ حَلَّتْ بِهِ النَّدَامَةُ "تجربہ شدہ بات کا تجربہ کرنا نادانوں کا کام ہے۔" تین سال تم نے اس کو شعب ابی طالب میں بند رکھا بتاؤ ان تین سالوں میں اسلام کم ہوا یا زیادہ ہوا ہے؟ کہنے لگے ٹھیک ہے ہم اپنے الفاظ واپس لیتے ہیں۔ اور چند لوگ کھڑے ہو

کر کہنے لگے کہ اس کو جلا وطن کر دو نہ تم اس کو دیکھو گے نہ یہ تم کو دیکھے گا۔ ان کی بھی کچھ لوگوں نے کھڑے ہو کر تائید کی کہ یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ابوجہل نے کھڑے ہو کر کہا تم عجیب لوگ ہو کیسی بات کر رہے ہو؟ تمھیں معلوم ہے کہ اس کی زبان کتنی میٹھی ہے کہ ہماری اس شدید مخالفت کے باوجود اور رکاوٹیں ڈالنے کے باوجود اس کے پروگرام میں کوئی فرق نہیں آیا اور ساتھی اس کے بڑھتے جا رہے ہیں۔ جب یہ کسی نئی جگہ جائے گا تو اس کا مقابلہ کون کرے گا وہاں یہ دنوں میں فوج بنا لے گا اور تم پر حملہ کر کے تمھیں کچل کر رکھ دے گا کچھ سوچ سمجھ کر بات کرو۔ ان لوگوں نے بھی کہا کہ ہم اپنی تجویز واپس لیتے ہیں۔ ابوجہل نے کہا کہ اب آخری بات بتاؤ۔ لوگوں نے کہا پھر یہی ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ وہ نجدی بابا جو اصل میں شیطان لعین تھا کہنے لگا یہ بات بڑی اچھی ہے مگر قتل اس طرح کرو کہ ہر برادری کا ایک ایک آدمی اس کے قتل میں شریک ہو تا کہ بنو ہاشم انتقام نہ لے سکیں اور دیت دینا آسان ہو۔

ہجرت مدینہ !!

جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سارے مشورے کی اطلاع دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو لے کر جبلِ ثور کی چوٹی پر غار میں جا کر بیٹھ گئے۔ جبلِ ثور مکہ مکرمہ سے جنوب مشرق کی طرف کافی بلند پہاڑ ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں پونے دو گھنٹوں میں غار تک پہنچا تھا کھڑے ہونے کی جگہ نہیں تھی بیٹھ کر میں نے دو نفل بھی پڑھے تھے۔

کافروں کو جب پتا چلا کہ وہ ہاتھ سے نکل گئے ہیں تو ان میں کھلبلی مچ گئی کھوجیوں کو بلایا سراغ لگانے کے لیے کوئی ادھر بھاگا کوئی اُدھر بھاگا بڑا کھوجی مخزومی ان کو لے کر غار کے منہ پر پہنچ گیا اور کہنے لگا یہاں تک ان کا نشان پہنچتا ہے۔ ادھر یہ ہوا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غار کے اندر چلے گئے تو غار کے منہ پر مکڑی نے جالا بُن دیا اور اس پر جنگلی کبوتروں نے گھونسلا تیار کر کے انڈے دے دیئے۔ جب یہ چیز دیکھی تو مشرکین نے کھوجی کی بات پر اعتبار نہ کیا اور کہنے لگے یہ جالا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے وہ اس غار میں کدھر سے جا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو مکڑی کے جالے سے قلعے کا کام لے لے۔ غار کے اندر سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مشرکین کے پاؤں دیکھے تو آپ رضی اللہ عنہ کو سخت پریشانی ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اگر یہ لوگ اپنے پاؤں کی طرف جھک کر دیکھیں تو ہمیں پا لیں گے۔ اس موقع کا ذکر ہے ﴿اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ جب کہا اس نے اپنے صحابی کو تو غم نہ کر بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار، قرآن کا انکار ہے !!

مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا نص سے ثابت ہے۔ لہٰذا جو شخص ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کا انکار کرتا ہے وہ قرآن کا منکر ہے۔ اور یہاں ظلم یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ سب سے بڑا کافر ہی ابوبکر ہے (معاذ اللہ تعالیٰ)۔ خمینی نے کشف الاسرار میں لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن پاک کا پہلا منکر

ابوبکر ہے اور دوسرے نمبر پر قرآن کا منکر، ملحد اور زندیق عمر تھا (رضی اللہ عنہ)۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ یہ باتیں جب حکومت کے سامنے آتی ہیں تو ان کے کانوں پر جوں بھی نہیں رینگتی۔ الٹا حکومت دوسروں کو پکڑتی ہے کہ تم نے یہ حوالے ظاہر کر کے توہین کی ہے۔ توہین تو اُنھوں نے کی ہے جنھوں نے یہ کتابیں لکھی ہیں اور شیخین کو قرآن کا منکر لکھنے سے بڑی توہین اور کیا ہے؟ ان کتابوں پر پابندی کیوں نہیں لگاتے؟ بے شک سپاہ صحابہ کے ساتھی جذباتی ہیں جذبات میں غلو نہیں کرنا چاہیے مگر وہ مجبور ہیں جب وہ حالات دیکھتے ہیں کہ یک طرفہ کارروائی ہو رہی ہے تو ان کے جذبات ابھرتے ہیں۔

﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ﴾ پس نازل کی اللہ تعالیٰ نے اپنی تسلی ان پر۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر بھی ﴿وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید کی ایسے لشکروں کے ساتھ جن کو تم نے نہیں دیکھا۔ فرشتوں کا لشکر اُترا جو نظر نہیں آیا لیکن اس کے اُترنے کے بعد کافروں کے دلوں میں رعب پیدا ہو گیا اور اپنے کھوجی کو ڈانٹا اور کہنے لگے تیری مت ماری گئی ہے وہ غار کے اندر جاتے تو یہ انڈے ضرور ٹوٹتے تو نے خواہ مخواہ ہماری ٹانگیں تھکا دی ہیں اور مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔

﴿وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى﴾ اور کر دیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا فیصلہ جنھوں نے کفر کیا تھا پست اور ناکام۔ ان کا فیصلہ یہ تھا کہ معاذ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیتے ہیں لیکن وہ شہید نہ کر سکے ﴿وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾ اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہی غالب ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان محفوظ رہی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جان محفوظ رہی اور تین راتیں اور تین دن غار ثور میں رہنے کے بعد منزل بہ منزل چل کر مدینہ منورہ محلہ قبا میں پہنچے۔ چودہ دن وہاں رہے پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے ﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے، حکمت والا ہے۔ تو اے لوگو! اگر تم اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کی مدد کرے گا جس نے اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی۔

﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا﴾ کوچ کرو ہلکے ہونے کی حالت میں اور بوجھل ہونے کی حالت میں ﴿وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ﴾ اور جہاد کرو اپنے مالوں کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ ﴿فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ یہی تمہارے لیے بہتر ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم جانتے ہو ﴿لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا﴾ اگر ہوتا سامان قریب ﴿وَّسَفَرًا قَاصِدًا﴾ اور سفر درمیانہ ﴿لَّاتَّبَعُوْكَ﴾ البتہ یہ ضرور تمہاری پیروی کرتے ﴿وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ﴾ اور لیکن بعید ہو گئی ان پر مسافت ﴿وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ اور عنقریب یہ قسمیں اٹھائیں گے اللہ کے نام کی ﴿لَوِ اسْتَطَعْنَا﴾ اگر ہم طاقت رکھتے ﴿لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ﴾ تو البتہ ضرور نکلتے تمہارے ساتھ ﴿يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ﴾ یہ ہلاک کرتے ہیں اپنی جانوں کو ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اور

اللہ تعالیٰ جانتا ہے بے شک یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ﴾ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا ﴿لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾ آپ نے کیوں اجازت دی ان کو ﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ﴾ یہاں تک کہ واضح ہو جاتے آپ کے لیے ﴿الَّذِيْنَ صَدَقُوْا﴾ وہ لوگ جو سچے ہیں ﴿وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ اور آپ جان لیتے جھوٹوں کو ﴿لَا يَسْتَاْذِنُكَ﴾ نہیں رخصت طلب کرتے آپ سے ﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ﴿اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ﴾ اس بات کی کہ وہ جہاد کریں اپنے مالوں کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے پرہیز گاروں کو۔

پچھلے درس میں میں نے بیان کیا تھا کہ آگے مسلسل کئی رکوع غزوۂ تبوک کے بارے میں نازل ہوئے ہیں۔ تبوک سعودی عرب میں ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ طیبہ سے تقریباً آٹھ سو[۸۰۰] کلومیٹر کی مسافت پر ہے۔ تبوک کے مقام پر آج کل امریکہ کی فوجیں بیٹھی ہوئی ہیں۔ ان کو شہزادوں نے اپنے تحفظ کے لیے بٹھایا ہوا ہے کہ امریکہ نے ان کے دماغوں پر یہ ہوّا سوار کیا ہوا ہے کہ اگر ہماری فوجیں نہیں ہوں گی تو تمھیں کویت کھا جائے گا، عراق کھا جائے گا اور ان کا سارا خرچہ سعود یہ برداشت کرتا ہے۔ حالانکہ ان کی فوجوں کو سرزمین عرب میں رکھنا آنحضرت ﷺ کے صریح ارشاد کے خلاف ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا اَخْرِجُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ "یہود و نصاریٰ کو عرب کی سرزمین سے نکال دو۔" یہ آپ ﷺ نے اس سال فرمایا جس سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی ہے۔ اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اِنْ عِشْتُ اگر آئندہ سال تک میں زندہ رہا تو کوئی یہودی اور عیسائی یہاں نہیں رہنے دوں گا عرب میں صرف مسلمان رہیں گے۔ کتنا صاف اور صریح حکم ہے لیکن سعودی شہزادے اپنے دفاع کے لیے اس کی صریح خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اپنے ذاتی تحفظ کے لیے تو اتنا کچھ کر رہے ہیں اور ادھر کسوؤ میں مسلمانوں پر جو ظلم ہو رہا ہے خدا کی پناہ پوری خبریں نہیں آتیں اور جو آتی ہیں وہ انسان کے دل کو ہلا دیتی ہیں۔

کسوؤ، یوگوسلاویہ کی ایک ریاست ہے وہاں لاکھوں کی تعداد میں مسلمان ہیں ان کو وہاں سے نکالنے کی کوشش کی گئی چار لاکھ کے قریب مسلمان بے دردی کے ساتھ شہید کر دیئے، کچھ نکال دیئے ہیں اور باقیوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن تمام مسلمان حکومتوں کے سربراہ گونگے، اندھے بنے ہوئے ہیں۔ ہمارے وزیر اعظم صاحب شلجموں سے مٹی جھاڑنے کے لیے گئے تھے جس طرح امداد ہونی چاہیے تھی اس طرح نہیں ہوئی۔ باقی مسلمان ملک خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں اور اپنے مزے اور عیش میں ہیں۔ حالانکہ حدیث پاک میں آتا ہے "مسلمان کی مثال ایسے ہے جیسے انسان کے اعضاء ہوتے ہیں ایک عضو کو تکلیف ہو تو باقی سارے اعضا بے قرار ہو جاتے ہیں۔" ایسا نہیں کہ آنکھ کو درد ہو تو دوسرے اعضا کہیں کہ ہمیں کیا، کان میں درد ہو، دانت میں درد ہو، جسم کے کسی بھی حصہ میں تکلیف ہو تو سارے اعضا اس کے لیے بے قرار ہو جاتے ہیں مگر آج ہم اتنے بے حس

ہو چکے ہیں کہ اس درد سے غافل ہیں۔

تو خیر تبوک کے مقام پر ہرقل روم کی فوجیں پہنچ گئیں تو آنحضرت ﷺ نے وہاں پہنچنے کا اعلان فرمادیا۔ اور کل میں نے بیان کیا تھا کہ گرمی کا موسم تھا جیسے یہاں جولائی کے مہینے میں ہوتی ہے۔ فصلیں پکی ہوئی تھیں، گندم، جو، کھجوریں وغیرہ اور سفر بھی لمبا تھا، سواریوں کی کمی تھی۔ دس دس آدمیوں کے لیے ایک ایک سواری تھی ایک آدمی ایک میل سوار ہوتا پھر دوسرا پھر تیسرا یوں سمجھو سارا سفر ہی پیدل تھا۔ مخلص ساتھ رہے اور منافقوں نے جان چھڑانے کے لیے خوب بہانے بنائے۔ بڑے مکار تھے وہ جانتے تھے کہ مقابلہ رومیوں کے ساتھ ہے وہاں سے کچھ غنیمت ملنے کی بھی توقع نہیں تھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا﴾ کوچ کرو ہلکے ہونے کی حالت میں اور بوجھل ہونے کی حالت میں۔ ہلکے پھلکے ہونے کا کیا معنٰی ہے؟ تو اس کی تفسیر یہ ہے کہ تم غریب ہو تمہارے پاس زیادہ سامان نہیں ہے پھر بھی جاؤ۔ غریب آدمی کا کیا ہے چادر کندھے پر ڈالی، تلوار سیدھی الٹی پکڑی اور چل پڑا۔ اور یہ تفسیر بھی کرتے ہیں کہ انسان تندرست ہو تو اس کا بدن ہلکا پھلکا ہوتا ہے۔ اور بوجھل کا معنٰی ہے کہ امیر ہو کہ امیر آدمی اپنی سہولت کے لیے سامان رکھ کر بوجھل ہو جاتا ہے اور ایک معنٰی یہ ہے کہ بیمار ہو تو بیماریوں کی وجہ سے بدن بوجھل ہو جاتا ہے۔ تو مطلب یہ بنے گا کہ غریب ہو یا امیر ہو، تندرست ہو یا بیمار ہو مگر ایسی بیماری کہ جس کے ساتھ سفر کر سکتے ہو تو کوچ کرو۔

﴿وَ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ﴾ اور جہاد کرو اپنے مالوں کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ ﴿فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ کہ جب آنکھیں بند ہو جائیں گی قبر برزخ کا معاملہ ہوگا، جنت دوزخ کی منزل آئی ہے اس وقت ان چیزوں کے درجے کا پتا چلے گا کہ کتنا ہے۔ فرمایا ﴿لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا﴾ اگر ہوتا سامان قریب۔ کہ ان کا خیال ہوتا کہ ہمیں وہاں سامان ملے گا مالِ غنیمت کا ﴿وَّ سَفَرًا قَاصِدًا﴾ اور سفر ہوتا درمیانہ ﴿لَّاتَّبَعُوْكَ﴾ البتہ یہ ضرور تمہاری پیروی کرتے جان چرانے والے منافق ﴿وَ لٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ﴾ اور لیکن بعید ہوگئی ان پر مسافت۔ "شُقَّه" کا معنٰی ہے مسافت، کہ مسافت لمبی ہے، رومیوں کے ساتھ مقابلہ ہے، کچھ ملنے کی امید نہیں ہے۔ آگے اسی سورت میں آئے گا ﴿لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ﴾ منافقوں نے ایک دوسرے سے کہا بڑی گرمی ہے نہ جانا۔

﴿وَ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ اور عنقریب یہ قسمیں اٹھائیں گے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جب تم واپس آؤ گے ﴿لَوِ اسْتَطَعْنَا﴾ اگر ہم طاقت رکھتے ﴿لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ﴾ تو البتہ ہم ضرور نکلتے تمہارے ساتھ لیکن ہم مجبور تھے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ﴾ یہ ہلاک کرتے ہیں اپنی جانوں کو جھوٹ بول کر ﴿وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بے شک یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ ان کا کوئی عذر نہیں تھا سوائے اس کے کہ گرمی تھی، سفر لمبا تھا وہاں سے کچھ ملنے کی توقع نہیں تھی۔

غزوہ تبوک کا سفر اور منافقین کی چالاکیاں

بعض منافق بڑے ہوشیار تھے جب سفر شروع ہونے لگا تو آپ ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ کسی نے کہا حضرت! میری

ماں بیمار ہے اور بالکل قریب المرگ ہے اور میرا کوئی بھائی بھی نہیں کہ اس کو دفن ہی کردے۔ حضرت! قبر کھودنی ہے، کفن کا انتظام کرنا ہے، یہ مجبوری ہے ورنہ میں تو بالکل تیار تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا تجھے چھٹی ہے۔ ایک اور آیا اس نے کہا حضرت! میرا غلام جو کام کرتا تھا بھاگ گیا ہے (اور خود بھگا کے آیا) بکریاں بھیڑیں ہیں، اونٹ ہیں، فصل کی کٹائی کرنی ہے کوئی اور آدمی نہیں ہے اگر میں چلا گیا تو جانور بھوکے مر جائیں گے اور کھیتی تباہ ہو جائے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تجھے بھی چھٹی ہے۔ اس قسم کے بہانے بناتے رہے اور آپ ان کو اجازت دیتے رہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تنبیہ فرمائی ﴿عَفَا اللّٰہُ عَنْكَ﴾ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا ﴿لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾ آپ نے ان کو کیوں اجازت دی ﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا﴾ یہاں تک کہ واضح ہو جاتے آپ کے لیے وہ لوگ جو سچے ہیں ﴿وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ اور آپ جان لیتے جھوٹوں کو۔ کہ انھوں نے جانا ہی نہیں تھا کسی بھی قیمت پر۔ اب انھوں نے آپ ﷺ کی اجازت کو سہارا بنا لیا ہے کہ حضرت نے اجازت دی تھی اس لیے نہیں گئے۔ یہ ان کے ہاتھ سند آ گئی۔

﴿لَا يَسْتَاْذِنُكَ﴾ نہیں اجازت طلب کرتے آپ سے ﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ﴿اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ﴾ اس بات کی کہ وہ جہاد کریں اپنے مالوں کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ مخلصوں میں سے کسی نے اجازت نہیں مانگی چاہے وہ آسانی میں تھے یا تنگی میں۔ اُنھوں نے آنحضرت ﷺ کا ساتھ دیا اور جھوٹے منافقوں نے مختلف بہانے بنا کر اپنی جان چھڑائی۔ سوائے چند منافقوں کے جو آپ ﷺ کے ساتھ گئے جن کی تعداد کوئی دس بتلاتا ہے، کوئی بارہ اور کوئی چودہ بتلاتا ہے۔ ان کے علاوہ کوئی منافق اس سفر میں شریک نہیں ہوا۔

آگے ذکر آئے گا کہ اس سفر میں ایسے حالات بھی پیش آئے کہ کچھ ساتھی پیاس کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ آواز دی گئی هَلْ مَعَكُمْ مِنْ مَّاءٍ کسی کے پاس کچھ پانی ہے۔ کسی کے پاس پانی نہ ملا۔ دائیں بائیں دوڑے شاید کہیں سے پانی مل جائے، جب نہ ملا تو ذہن میں یہ بات آئی کہ اُونٹ ذبح کر و اس کی اوجھڑی سے پانی نچوڑ کر ان لوگوں کے منہ میں ڈالو کہ ان کی جانیں بچ جائیں۔

مجبوری کی حالت میں شریعت ان چیزوں کی اجازت دیتی ہے۔ شراب حرام ہے، مردار حرام ہے، خنزیر حرام ہے لیکن قرآن پاک میں فَمَنِ اضْطُرَّ کا استثنیٰ موجود ہے کہ اگر کوئی شخص اتنا مجبور ہے کہ ان کے کھائے پیئے بغیر جان نہیں بچ سکتی تو ان کو کھا پی کر جان بچا لے ﴿غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ﴾ نہ لذت تلاش کرنے والا ہو کہ ان کا مزہ کیسا ہوتا ہے اور نہ ضرورت سے زیادہ کھائے۔ اگر ایسی مجبوری کی حالت میں ان کو کھائے گا نہیں، پیئے گا نہیں اور مر جائے تو گنہگار موت مرے گا کیونکہ رب تعالیٰ نے اس کو اجازت دی ہے اور رب تعالیٰ کی اجازت کو نہ ماننا بھی گناہ ہے ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے پرہیزگاروں کو۔ اور جن لوگوں نے چھٹی مانگی ہے وہ منافق بے ایمان ہیں۔

﴿اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُكَ﴾ پختہ بات ہے آپ سے اجازت مانگتے ہیں ﴿الَّذِیْنَ﴾ وہ لوگ ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ جونہیں ایمان رکھتے اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ﴿وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ اور شک میں پڑے ہوئے ہیں دل ان کے ﴿فَهُمْ فِیْ رَیْبِهِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ﴾ پس وہ اپنے شک میں ہی متردد ہیں ﴿وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ﴾ اور اگر وہ ارادہ کرتے نکلنے کا جہاد کے لیے ﴿لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً﴾ تو ضرور تیار کرتے اس کے لیے سامان ﴿وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے ناپسند کیا ان کا اٹھ کھڑا ہونا ﴿فَثَبَّطَهُمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو روک دیا ﴿وَقِیْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِیْنَ﴾ اور کہا گیا (تکوینا) بیٹھ جاؤ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ ﴿لَوْ خَرَجُوْا فِیْكُمْ﴾ اور اگر وہ نکلتے تمہارے درمیان ﴿مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا﴾ تو نہ زیادہ کرتے تمہارے لیے مگر فساد ﴿وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ﴾ اور البتہ شرارت کے گھوڑے دوڑاتے تمہارے درمیان ﴿یَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ﴾ اور تلاش کرتے تمہارے لیے فتنہ ﴿وَفِیْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ﴾ اور تمہارے اندر ان کی باتیں سننے والے ہیں ﴿وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو ﴿لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ﴾ البتہ تحقیق وہ تلاش کر چکے ہیں فتنے کو اس سے پہلے ﴿وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ﴾ اور الٹ دیا انھوں نے معاملات کو آپ کے سامنے ﴿حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ﴾ یہاں تک کہ حق آ گیا ﴿وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ﴾ اور ظاہر ہو گیا اللہ تعالیٰ کا حکم ﴿وَهُمْ كٰرِهُوْنَ﴾ اور وہ ناپسند کرتے تھے۔

ماقبل سے ربط ؟

پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کا شیوہ بیان فرمایا کہ وہ اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور اس معاملے میں وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ سے رخصت طلب نہیں کرتے انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں جو بھی تکلیف پہنچے اسے وہ برداشت کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف منافقوں کا طرز عمل یہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ﴾ پختہ بات ہے آپ سے اجازت مانگتے ہیں جہاد پر نہ جانے کی وہ لوگ ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ جونہیں ایمان رکھتے اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر۔ نہ ان کا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے اور نہ آخرت پر ان کا ایمان ہے ﴿وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ اور شک میں پڑے ہوئے ہیں دل ان کے اسلام کے بارے میں ﴿فَهُمْ فِیْ رَیْبِهِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ﴾ پس وہ اپنے شک میں ہی متردد ہیں۔ ان کے دل ایمان والے نہیں ہیں اس لیے کبھی کوئی بہانہ بناتے ہیں اور کبھی کوئی بہانہ بناتے ہیں۔ فرمایا ہم ایک نشانی بتا دیتے ہیں ان کے جھوٹے ہونے کی وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ نے تبوک کے سفر پر روانگی سے چند دن قبل اعلان فرمایا کہ ہم نے اس طرح تبوک کے مقام پر پہنچنا ہے۔ اپنا سامان تیار کر لو، اپنے لیے گھوڑے، خچر، اونٹ وغیرہ سواریوں کا انتظام کر لو اور جو کچھ تمہارے پاس اسلحہ ہے تلواریں، نیزے، تیر کمان وغیرہ کا سامان کر لو۔ آپ ﷺ نے یہ اعلان نماز کے بعد فرمایا کہ میری بات سن کر جانا۔

سب لوگ نمازی تھے ہر ایک کی خواہش ہوتی تھی کہ مسجد نبوی میں آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھے۔ اس زمانے میں اس بات کا تصور بھی نہیں ہوتا تھا کہ مسلمان ہو، معذور بھی نہ ہو اور مسجد میں حاضر نہ ہو۔ اذان کے ساتھ ہی مسجدیں بھر جاتی تھیں۔ تو آپ ﷺ نے نماز کے بعد اعلان فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ میرا اعلان جہاں تک پہنچا سکتے ہو پہنچاؤ۔ مدینہ طیبہ اور اردگرد کی آبادیوں کا کوئی شخص ایسا نہیں ہوگا جس تک یہ جہاد کا اعلان نہ پہنچا ہو۔ اور عین جب جانے کا وقت ہوا تو یہ منافق آ گئے اور مختلف بہانے بنا کر اجازت طلب کرنے لگے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ﴾ اور اگر وہ ارادہ کرتے نکلنے کا جہاد کے لیے ﴿لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً﴾ تو ضرور تیار کرتے اس کے لیے اپنا سامان۔ سفر کے لیے جو سامان تیار کرنا تھا وہ تو کیا نہیں اور ماں بیمار ہے، مرنے والی ہے اور کسی نے کہا کہ میرا غلام بھاگ گیا ہے کام کرنے والا کوئی نہیں، بہانے بنا کر رخصت طلب کرنے کے لیے آ گئے ہیں۔ ان کا جانے کا ارادہ ہی نہیں تھا ﴿وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ نے ناپسند کیا ان کا اٹھ کھڑا ہونا۔ جہاد کے لیے ان کا جانا رب تعالیٰ کو پسند ہی نہیں تھا ﴿فَثَبَّطَهُمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو روک دیا۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ [النساء: ۱۱۵] "ہم پھیر دیتے ہیں جدھر کوئی پھرے۔" کیوں کہ ان کا ارادہ اور نیت ہی جہاد کے لیے جانے کی نہیں تھی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو روک دیا کہ جانے کی توفیق ہی نہیں دی۔ ﴿وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ﴾ اور کہا گیا (تکوینی طور پر) بیٹھ جاؤ تم بیٹھ جانے والوں کے ساتھ۔ تمہارا جنگ میں جانا سود مند ثابت نہیں ہوگا کیوں کہ ﴿لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ﴾ اور اگر وہ نکلتے تمہارے درمیان۔ یعنی تمہارے ساتھ جہاد کے لیے جاتے ﴿مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا﴾ تو نہ زیادہ کرتے تمہارے لیے مگر فساد۔ مقصد یہ ہے کہ اگر بادل نخواستہ آپ ﷺ کے ساتھ چل پڑتے تو آپ کے لیے مشکلات میں اضافہ کا باعث بنتے لہٰذا ان کا نہ جانا ہی بہتر تھا۔ ﴿وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ﴾ اور البتہ شرارت کے گھوڑے دوڑاتے تمہارے درمیان۔ "ایضاع" گھوڑے اور اُونٹ کے تیز دوڑانے کو کہتے ہیں مگر محاورہ کے طور پر اس سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ اِدھر کی باتیں اُدھر کی جائیں اور اُدھر کی باتیں اِدھر کی جائیں جس سے فتنہ فساد کا بازار گرم ہو۔ منافقین کی ایک خصلت یہ بھی بیان فرمائی ﴿يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ﴾ اور تلاش کرتے تمہارے لیے فتنہ۔

جب سے آنحضرت ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تھے یہ لوگ ہمیشہ سازشوں میں مصروف رہے اور فتنہ فساد کی آگ بھڑکاتے رہے۔ کبھی یہودیوں کے ساتھ مل کر اہل ایمان کے خلاف سازش کی اور کبھی مشرکین مکہ کو مسلمانوں کے خلاف مدد دی۔ اب بھی اگر یہ لوگ جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوتے تو کوئی نہ کوئی فتنہ ہی کھڑا کرتے لہٰذا اچھا ہوا کہ آپ ﷺ کے ساتھ اس سفر میں رفیق نہیں بنے۔

﴿وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ﴾ اور تمہارے اندر ان کی باتیں سننے والے ہیں۔ یعنی تمہارے اندر ایسے لوگ بھی ہیں جو ان کی باتوں کو سنتے ہیں یعنی ان کی لگائی بجھائی سے متاثر ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ سچے مومن دل کے کھرے ہیں ان کو بھی وہ کھرے سمجھتے ہیں۔ جب سچے مومن منافقین کی چال میں آ جائیں گے تو فتنہ ہی برپا ہوگا۔ جیسے: محدثین کرام ﷭ فرماتے ہیں کہ یہ جو اللہ تعالیٰ

کے نیک بندے ہیں مثلاً: شیخ عبدالقادر جیلانی یہ بڑے بزرگ ہیں ہم ان کے متعلق امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنت میں بہترین ٹھکانے بنائے ہیں لیکن ہم ان کی بیان کردہ ہر حدیث نہیں مانیں گے۔ کیونکہ یہ بڑے صاف دل اور سچے لوگ تھے یہ دوسروں کے بارے میں بھی یہی گمان کرتے ہیں کہ وہ بھی سچ کہہ رہے ہیں اور تحقیق نہیں کرتے جو ان کے سامنے حدیث کہہ کر بیان کرے لے لیتے ہیں۔ حالانکہ بڑے بڑے حدیث کے وضاع اور کذاب بھی گزرے ہیں جو جعلی احادیث بناتے رہے ہیں۔ یہ نیک لوگ کھوٹے کھرے کی تمیز نہیں کر سکتے۔

شیخ عبدالقادر کی کتاب غنیۃ الطالبین کی تحقیق !!

غنیۃ الطالبین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی کتاب ہے مگر جعلی احادیث کا اس میں انبار ہے۔ اس وجہ سے بعض محدثین نے انکار کر دیا ہے کہ یہ کتاب ان کی نہیں ہے۔ ناقد فنِ رجال علامہ ذھبی وغیرہ فرماتے ہیں کہ کتاب انہی کی ہے مگر چونکہ بزرگ تھے روایات بیان کرنے والوں نے بیان کیں اُنھوں نے لکھ لیں تحقیق نہیں کی۔ خود سچے تھے دوسروں کو بھی سچا سمجھتے تھے۔

اور محدثین کرام رحمہم اللہ تو راویوں کے بال کی کھال اُتارتے ہیں کہ یہ راوی کب پیدا ہوا، کس استاد سے پڑھا، کس سے سنا اور کس وقت سنا؟ وہ جب حدیث سنتے ہیں تو راوی کی تحقیق کر کے پاؤں سے زمین نکال دیتے ہیں۔ جیسے: آج کل وکیل گواہ پر جرح کرتے ہیں وہ ایسی باتیں پوچھتے ہیں کہ گواہ بے چارہ حیران ہو جاتا ہے۔

تو فرمایا تمہارے اندر ان کی باتیں سننے والے بھی ہیں جو نیک ہیں، سچے ہیں وہ سمجھتے ہیں یہ بھی سچ کہتے ہیں۔ اچھا ہوا کہ یہ شیطان ساتھ نہیں گئے کہ اگر یہ جاتے تو تمہارے لیے فساد اور شرارتیں تلاش کرتے ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو ﴿لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ﴾ البتہ تحقیق وہ تلاش کر چکے ہیں فتنے کو اس سے پہلے ﴿وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ﴾ اور الٹ دیا انھوں نے معاملات کو آپ کے سامنے ﴿حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ﴾ یہاں تک کہ حق آ گیا ﴿وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ﴾ اور ظاہر ہو گیا اللہ تعالیٰ کا حکم۔ اس طرح کے بہت سارے واقعات قرآن پاک میں ہیں کہ واقعہ کچھ تھا اور منافقوں نے پلٹ کر کچھ اور بنا کر دکھایا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس کی حقیقت کو ظاہر فرمایا اور معاملہ صاف ہوا۔ ایک واقعہ میں عرض کرتا ہوں جس کا پانچویں پارے میں ذکر ہے۔

بشیر نامی منافق کا واقعہ !!

بشیر نامی ایک منافق نے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کے گھر نقب لگائی اور آٹے کی بوری، تلوار، زرہ اور خود چوری کر کے لے گیا۔ بوری میں تھوڑا سا سوراخ تھا جس راستے سے جاتا رہا تھوڑا تھوڑا آٹا گرتا رہا، تھا بڑا ہوشیار اور چالاک کہ بوری اپنے گھر رکھنے کی بجائے دور محلے میں لبید ابن الاعصم کے گھر جا کر رکھی۔ ادھر صبح کو جب گھر والے اٹھے دیکھا دیوار پھٹی ہوئی ہے اور سے روشنی اندر آ رہی ہے عورتوں نے شور مچایا کہ چوری ہو گئی ہے۔ آٹے کی بوری نہیں، تلوار نہیں، زرہ نہیں اور خود نہیں، اس وقت

یہ قیمتی چیزیں ہوتی تھیں۔ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ بوڑھے آدمی تھے منہ میں کوئی دانت نہیں تھا کوئی بات ان کی سمجھ آتی تھی کوئی سمجھ نہیں آتی تھی۔ انھوں نے اپنے بھتیجے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا بیٹے یہ معاملہ ہوگیا ہے اور تجھے معلوم ہے کہ میں بوڑھا ہوں میری کوئی بات سمجھ آتی ہے اور کوئی سمجھ نہیں آتی اور چل بھی نہیں سکتا لہٰذا تم میری طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مقدمہ پیش کرو کہ اس طرح ہماری چوری ہوگئی ہے اور قرائن سے ہمیں فلاں آدمی پر شک ہے۔

وہاں منافق بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے فوراً آپس میں میٹنگ کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہ جس نوجوان کا یہ ذکر کرتے ہیں وہ تو بڑا پارسا، نیک آدمی ہے، بڑا متقی اور پرہیزگار آدمی ہے بلاوجہ اس پر الزام لگا رہے ہیں ان کے پاس کوئی گواہ ہے؟ بھائی! رات کو کون گواہ ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے اس انداز سے گفتگو کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باتوں کو سچا سمجھا اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو جھڑک دیا کہ بغیر ثبوت کے تم ایک آدمی پر چوری کا الزام لگاتے ہو اتنے آدمی اس کی صفائی پیش کر رہے ہیں۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بڑا حیران ہوا اور روتا ہوا تایا جی کے پاس آیا اور ان کو بتایا کہ یہ بات ہوئی ہے۔ فرمانے لگے بیٹا! کوئی بات نہیں دنیا میں ایسا ہوتا رہتا ہے لیکن حق حق ہے ان شاء اللہ حق ہو کر رہے گا۔ تو اس سلسلے میں دو رکوع نازل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ﴿لَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ﴾ [النساء: ۱۰۷] "ان کی طرف سے جھگڑا نہ کریں جنھوں نے اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کی۔" یہ واقعی جھوٹے ہیں، چور ہیں۔ اب دیکھو! منافقوں نے معاملہ کو کس طرح پلٹا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹوں کو سچا اور سچوں کو جھوٹا سمجھا۔ حق آیا، وحی آئی اور اللہ تعالیٰ کا حکم ظاہر ہوا۔

تو فرمایا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہلے بھی معاملات پلٹ چکے ہیں یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ تعالیٰ کا حکم ظاہر ہوا ﴿وَهُمْ كٰرِهُوْنَ﴾ اور وہ ناپسند کرتے تھے حقیقت کے کھلنے کو لیکن اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دی۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ﴾ اور بعض ان منافقوں میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں ﴿ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ﴾ کہ آپ مجھے رخصت دے دیں اور مجھے فتنے میں نہ ڈالیں ﴿اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا﴾ خبردار فتنے میں تو یہ گرے ہوئے ہیں ﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾ اور بے شک جہنم البتہ گھیرنے والی ہے کافروں کو ﴿اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ﴾ اگر پہنچے آپ کو کوئی بھلائی ﴿تَسُؤْهُمْ﴾ ان کو بری لگتی ہے ﴿وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ﴾ اور اگر پہنچے آپ کو کوئی مصیبت ﴿يَّقُوْلُوْا﴾ تو کہتے ہیں ﴿قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ﴾ تحقیق ہم نے اپنا معاملہ سنبھال لیا تھا اس سے پہلے ﴿وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ﴾ اور پھرتے ہیں وہ اس حال میں کہ وہ خوش ہوتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَّنْ يُّصِيْبَنَآ﴾ ہمیں ہرگز نہیں پہنچے گی ﴿اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا﴾ مگر وہی چیز جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دی ہے ہمارے لیے ﴿هُوَ مَوْلٰىنَا﴾ وہی

ہمارا آقا ہے ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی پر چاہیے کہ بھروسا کریں ایمان والے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ﴾ تم نہیں انتظار کرتے ہمارے بارے میں ﴿اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ﴾ مگر دو بھلائیوں میں سے ایک کی ﴿وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ﴾ اور ہم انتظار کرتے ہیں تمہارے بارے میں ﴿اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ﴾ کہ پہنچائے اللہ تعالیٰ تم کو عذاب ﴿مِّنْ عِنْدِهٖٓ﴾ اپنی طرف سے ﴿اَوْ بِاَيْدِيْنَا﴾ یا ہمارے ہاتھوں کے ساتھ ﴿فَتَرَبَّصُوْٓا﴾ پس تم انتظار کرو ﴿اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ﴾ بے شک ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں ﴿قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا﴾ آپ کہہ دیں خرچ کرو تم خوشی سے یا جبراً ﴿لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ﴾ ہرگز نہیں قبول کیا جائے گا تم سے ﴿اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ﴾ بے شک تم نافرمان قوم ہو۔

غزوہ کی تعریف اور ان کی تعداد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جو جہاد پیش آئے ہیں ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت کی یا حکم دیا اس کو غزوہ کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ستائیس (۲۷) غزوات ہوئے ہیں اور جہاد ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوا ہے۔ گویا نو [۹] سالوں میں ستائیس [۲۷] غزوات ہوئے تو اوسطاً فی سال تین غزوے ہیں۔ ان میں سے پہلا جہاد غزوۂ بدر تھا جو بالکل بے سروسامانی کا معاملہ تھا لیکن رب تعالیٰ نے اپنی قدرت سے غلبہ عطا کیا۔ اس کے بعد غزوۂ احد تھا، پھر احزاب تھا، اس کے بعد بنو قریظہ اور پھر غزوۂ خیبر ہوا اس کے بعد مکہ مکرمہ فتح ہوا۔

اور یہ جو رکوع چلے آرہے ہیں ان میں غزوۂ تبوک کا ذکر ہے۔ یہ ہجرت کے نویں سال پیش آیا اور پہلے میں نے بتایا تھا کہ یہ جتنے غزوات ہوئے ہیں ان میں یہودیوں کے مذہبی اور سیاسی پیشوا ابو عامر کا ہاتھ تھا۔ عرب کی ساری زمین ۸ھ تک جب اسلام کے جھنڈے کے نیچے آگئی تو یہ بہت زیادہ پریشان ہوا کہ عرب تو سارا ان کے ہاتھ آگیا ہے اب انھوں نے دوسرے ملکوں پر بھی حملہ کر دینا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اے غریب مسلمانو! ایک وقت آئے گا کہ تم قیصر و کسریٰ کی حکومتوں پر بھی فتح پاؤ گے۔ یہ لفظ بھی اس نے باقاعدہ نوٹ کیے ہوئے تھے۔ چنانچہ اس نے ہرقل روم کو جا کر اُکسایا۔ اس کو کہا کہ میں مدینہ طیبہ سے آیا ہوں اور تم سن چکے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نامی شخص نے عرب کی ساری زمین فتح کر لی ہے اور اب وہ تم پر حملہ کرنے والا ہے اس کے متعلق کچھ فکر کرو۔ وہ بادشاہ تھا کچھ باتیں اُس نے بھی سنی ہوئی تھیں اِس نے اور تیز کر دیا۔ اُس نے کمانڈروں کے ساتھ مشورے کے بعد فوجیں تبوک کے مقام پر پہنچا دیں کہ یک بارگی حملہ کر کے سارے عرب سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ واقعی تبوک کے مقام پر ہرقل کی فوجیں پہنچ چکی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنے ساتھیوں کو تبوک کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ مخلص ساتھی سارے تیار ہو گئے باوجودیکہ سخت گرمی اور فصلوں کی کٹائی کا موسم تھا اور بے سروسامانی کا عالم تھا۔ لیکن منافقوں نے طرح طرح کے بہانے تراش کر جان چھڑائی سوائے چند منافقین کے جو مجبوراً ساتھ گئے۔ جیسے: عبداللہ ابن ابی۔ لیکن وہ بھی اپنی سازشوں سے باز نہیں آیا۔ ان منافقوں میں ایک جُدُّا بْنُ قَیْس بھی تھا۔ یہ بڑا صحت مند، خوب صورت اور مال دار آدمی تھا۔ اس کی شکل وشباہت دیکھ کر آدمی مرعوب ہو جاتا تھا۔ یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا حضرت! میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کے ساتھ جاؤں اور اس غزوے میں ضرور شرکت کروں لیکن میرے اندر ایک کمزوری ہے، نقص ہے کہ میں ہرجائی ہوں (اردو کی اصطلاح میں ہرجائی اس آدمی کو کہتے ہیں جو ہر سفید گوری عورت کو دیکھ کر اس پر عاشق ہو جائے)۔ اور سنا ہے کہ روم کی عورتیں بڑی گوریاں ہیں پھر میں تو ان کو دیکھ کر وہیں کا ہو جاؤں گا۔ اندازہ لگاؤ کیسی گفتگو کر رہا ہے یہ بات کرتے ہوئے شرم بھی نہیں آئی، اس کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ﴾ اور بعض ان منافقوں میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں، جُدُّ ابْنُ قیس وغیرہ ﴿ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ﴾ "کہ آپ مجھے رخصت دے دیں اور مجھے فتنے میں نہ ڈالیں" کہ میں وہاں گیا تو وہاں کا ہو کر رہ جاؤں گا کہ میرے اندر عیب ہے میں گوری عورت دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو جاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا﴾ خبردار فتنے میں تو یہ گرے ہوئے ہیں ﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾ اور بے شک جہنم البتہ گھیرنے والی ہے کافروں کو۔

منافقین کی اور برائی ﴿اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ﴾ اگر پہنچے آپ کو کوئی بھلائی ﴿تَسُؤْهُمْ﴾ ان کو بری لگتی ہے۔ کسی جگہ فتح ہو جائے، مالِ غنیمت مل جائے، کافر دھڑا دھڑ مسلمان ہو جائیں جو بات بھی آپ کے لیے خوشی اور بھلائی ہو ان کو بری لگتی ہے ﴿وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ﴾ اور اگر پہنچے آپ کو کوئی مصیبت ﴿يَّقُوْلُوْا﴾ کہتے ہیں ﴿قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ﴾ تحقیق ہم نے اپنا معاملہ سنبھال لیا تھا اس سے پہلے۔ یعنی ہم نے اپنے بچاؤ کا سامان کر لیا تھا کہ شریک ہی نہیں ہوئے اور دوسرے مقام پر آتا ہے کہ اگر آپ ﷺ کو تکلیف پہنچتی ہے تو یہ خوش ہوتے ہیں۔ ﴿وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ﴾ اور وہ پھرتے ہیں اس حال میں کہ وہ خوش ہوتے ہیں۔ اچھا ہوا ان کو تکلیف پہنچی اور ہماری جان بچ گئی۔

اُحد کے مقام پر آپ ﷺ کا دانت مبارک شہید ہوا، چہرۂ اقدس زخمی ہوا تھا مسلمانوں کے صدمے کی کوئی حد نہیں تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بہادر قدم اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے ایک چٹان کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت انس ابن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا عمر کیا بات ہے؟ فرمایا ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔ عرض کیا کہ کوئی مرہم پٹی کی ہے؟ فرمایا اس طرح نہیں ٹوٹی تو نے نہیں سنا کہ آنحضرت ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ انھوں نے کہا کیا تمہارے لیے جنت کا دروازہ بند ہو گیا ہے؟ فرمایا نہیں! مگر پاؤں آگے چلیں تو میں چلوں۔ اتنے بہادر آدمی کے صدمے کا یہ عالم تھا کہ قدم اٹھانے کی سکت نہیں اور منافق خوش تھے کہ اچھا ہوا۔

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا﴾ ہمیں ہرگز نہیں پہنچے گی مگر وہی چیز جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے ﴿هُوَ مَوْلٰىنَا﴾ وہی ہمارا آقا ہے، ہمارا کارساز ہے ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ پر ہی چاہیے کہ بھروسا کریں ایمان والے۔ کہ وہ ہمارا رب ہے اس نے جو ہمارے لیے لکھا ہوگا وہی ہوگا۔ ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ﴾ تم نہیں انتظار کرتے ہمارے بارے میں مگر دو بھلائیوں میں سے ایک کی۔ ایک بھلائی ہے ہمارا شہید ہوجانا اور ایک بھلائی ہے ہمارا فتح پالینا۔ ہمارے لیے وہ بھی ٹھیک ہے اور یہ بھی ٹھیک ہے۔

شہید کا مقام :

کافروں پر فتح ہوجائے تو یہ بھی ہمارے لیے خوشی ہے اور اگر شہادت مل جائے تو یہ بھی ہمارے لیے خوشی ہے کہ ایک شہید کو ستر بہتر گنہگاروں کی سفارش کا موقع ملے گا۔ شہید سے قبر میں سوال جواب نہیں ہوتے، قبر کے حساب سے بالکل فارغ ہو جاتا ہے حالانکہ قبر کا حساب بڑا سخت اور مشکل ہے اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ اس کے بدن سے خون کے قطرے بعد میں زمین پر گرتے ہیں اور حوریں پہلے پہنچ جاتی ہیں۔ کوئی معمولی درجہ ہے؟ اور جنت میں سو درجے اونچی بلڈنگ شہید کو ملے گی اور رب تعالیٰ کی رضا ہوگی۔ تو ہمارے لیے شہادت بھی اچھی ہے اور کافروں پر فتح اور غلبہ بھی اچھا ہے ﴿وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ﴾ اور ہم انتظار کرتے ہیں تمہارے بارے میں ﴿اَنْ یُّصِیْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ﴾ کہ پہنچائے اللہ تعالیٰ عذاب تم کو اپنی طرف سے کہ براہِ راست سزا دے ﴿اَوْ بِاَیْدِیْنَا﴾ یا ہمارے ہاتھوں سے کہ ہمیں حکم دے تمہارے خلاف لڑنے کا۔ ہمارے ہاتھوں سے تمھیں سزا دے۔ ہم رب تعالیٰ کے حکم کے منتظر ہیں۔ کافروں کے ساتھ جہاد تلوار کے ساتھ تھا اور منافقوں کے ساتھ تلوار کا نہیں تھا۔

ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضرت! کافروں کے خلاف ہم لڑتے ہیں یہ منافق ان سے زیادہ سخت ہیں ان کے ساتھ کیوں نہ لڑیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((دَعْ اِنَّ النَّاسَ یَتَحَدَّثُوْنَ اَنَّ مُحَمَّدًا (ﷺ) یَقْتُلُ اَصْحَابَہٗ)).

"چھوڑو! لوگ کہیں گے کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔"

چونکہ یہ لوگ زبانی کلمہ پڑھتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں عام لوگ معاملہ فہم نہیں ہوتے وہ سمجھیں گے کہ کلمہ پڑھنے والوں کو قتل کردیا ہے۔ وہ کلمہ سے بیزار ہوجائیں گے اور بدنامی ہوگی۔

فرمایا ﴿فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ﴾ پس تم انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں کہ رب تعالیٰ کا حکم کیا آتا ہے؟ یہ منافقین چندہ بھی دیتے تھے لیکن چندہ دینے کا انداز بڑا عجیب ہوتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے مخلص تھے ریاکاری سے بچتے تھے۔ وہ کوشش کرتے تھے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے ہوں اس وقت چندہ دیں یا ایسے موقع پر کہ لوگ کم سے کم جمع ہوں۔ لیکن یہ منافق بڑے ہوشیار تھے۔ یہ انتظار کرتے تھے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ جمع ہوجائیں اور بڑا مجمع بن

جائے۔ پھر آ کر کہتے کہ حضرت! یہ ہماری طرف سے چندہ ہے تاکہ لوگ دیکھیں اور سمجھیں کہ یہ بھی مسلمان ہیں اور ہمیں کچھ نہ کہیں اور دھوکے میں بھی رہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ﴾ خرچ کرو تم خوشی سے یا جبراً ﴿ لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ﴾ ہرگز نہیں قبول کیا جائے گا تم سے یہ مال اور چندہ۔ کیوں کہ قبولیت کی بنیادی شرط ایمان ہے اور ایمان تو دل کے ساتھ تعلق رکھتا ہے ﴿ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ ﴾ [النحل:۱۰۶] "اس کا قلب مطمئن ہو ایمان کے ساتھ۔" ایمان کا مرکز دل ہے۔ اگر دل میں ایمان نہیں تو زبان سے کلمہ پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور منافق اسے کہتے ہیں جو زبان سے کلمہ پڑھتا ہے دل سے نہیں ﴿ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴾ بے شک تم نافرمان قوم ہو۔ تم دل سے ایمان نہیں لائے تمہارے چندے رب تعالیٰ کیوں قبول کرے؟

﴿ وَ مَا مَنَعَهُمْ ﴾ اور نہیں روکا ان کو ﴿ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ ﴾ کہ قبول کیے جائیں ان سے ﴿ نَفَقٰتُهُمْ ﴾ ان کے چندے ﴿ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ ﴾ مگر اس بات نے کہ بے شک انھوں نے کفر کیا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ ﴿ وَ لَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ ﴾ اور وہ نہیں ادا کرتے نماز کو ﴿ اِلَّا وَ هُمْ كُسَالٰى ﴾ مگر اس حال میں کہ وہ سست ہوتے ہیں ﴿ وَ لَا يُنْفِقُوْنَ ﴾ اور نہیں خرچ کرتے وہ ﴿ اِلَّا وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ ﴾ مگر اس حال میں کہ وہ ناپسند کرتے ہیں ﴿ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ ﴾ پس نہ تعجب میں ڈالیں آپ کو ان کے مال ﴿ وَ لَاۤ اَوْلَادُهُمْ ﴾ اور نہ ان کی اولاد ﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ ﴾ پختہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے ﴿ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا ﴾ کہ ان کو سزا دے ان کی وجہ سے ﴿ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ دنیا کی زندگی میں ﴿ وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ ﴾ اور نکلیں ان کی جانیں ﴿ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴾ اس حال میں کہ وہ کفر کرنے والے ہوں ﴿ وَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ اور وہ قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نام کی ﴿ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ﴾ کہ بے شک وہ تم میں سے ہیں ﴿ وَ مَا هُمْ مِّنْكُمْ ﴾ حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں ﴿ وَ لٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴾ اور لیکن وہ قوم ہے ڈرنے والی ﴿ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً ﴾ اگر وہ پائیں کوئی جائے پناہ ﴿ اَوْ مَغٰرٰتٍ ﴾ یا کوئی سرنگیں ﴿ اَوْ مُدَّخَلًا ﴾ یا کوئی داخل ہونے کی جگہ ﴿ لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ ﴾ البتہ پھر جائیں اس کی طرف ﴿ وَ هُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴾ اور وہ بڑی تیزی سے جائیں ﴿ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ ﴾ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ پر عیب لگاتے ہیں ﴿ فِي الصَّدَقٰتِ ﴾ صدقات کی تقسیم میں ﴿ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا ﴾ پس اگر دیا جائے ان کو اس میں سے ﴿ رَضُوْا ﴾ راضی ہو جاتے ہیں ﴿ وَ اِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَاۤ ﴾ اور اگر ان کو نہ دیا جائے اس میں سے ﴿ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴾ اچانک وہ ناراض

ہو جاتے ہیں ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا﴾ اور اگر وہ بے شک راضی ہو جاتے ہیں ﴿مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ﴾ اس چیز پر جو دی ہے ان کو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ﴾ اور کہتے ہیں ہمیں اللہ کافی ہیں ﴿سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ عنقریب دے گا ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ﴿وَرَسُوْلُهٗٓ﴾ اور اللہ تعالیٰ کا رسول ﴿اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ﴾ بے شک ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔

ماقبل سے ربط

گذشتہ درس میں یہ بات بیان ہوئی تھی کہ منافق مختلف موقعوں پر چندہ بھی پیش کرتے دکھاوے کے لیے اور ایسے موقع پر پیش کرتے تھے کہ لوگوں کی حاضری زیادہ ہوتا کہ لوگ دیکھیں کہ فلاں نے اتنا چندہ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ چندہ خوشی سے دیں یا جبراً دیں ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ عدم قبولیت کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ﴾ اور نہیں روکا ان کو کہ قبول کیے جائیں ان سے چندے اور خرچے (مالی امداد) ﴿اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ﴾ مگر اس بات نے کہ انھوں نے کفر کیا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ۔

قبولیت عمل کی شرائط

کفر کی حالت میں چندہ دینے اور امداد کرنے کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ اعمال کی قبولیت کا مدار تین چیزوں پر ہے۔

① ایمان۔ اگر کسی میں ایمان نہیں ہے اس کی کوئی نیکی قبول نہیں ہوگی۔ نہ قولی، نہ فعلی، نہ مالی، نہ بدنی، چاہے وہ کتنی خوب صورت ہی کیوں نہ ہو۔

② ایمان کے بعد دوسری چیز ہے اخلاص کہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو ریاکاری اور دکھلاوا نہ ہو، نام اور شہرت مقصود نہ ہو۔ اگر کسی عمل میں نمود آ گئی تو گناہ لازم اور ثواب کچھ بھی نہیں ملے گا۔

③ اور تیسری چیز اتباع سنت ہے۔ سنت کی پیروی میں جو عمل کیا جائے گا وہ قبول ہوگا۔ بدعات و رسومات کا کوئی ثواب نہیں ہے بلکہ اس پر گرفت ہوگی۔ تو چونکہ ان میں ایمان نہیں ہے اس لیے ان کے چندے قبول نہیں ہیں۔

﴿وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى﴾ اور وہ نہیں ادا کرتے نماز کو مگر اس حال میں کہ وہ سست ہوتے ہیں۔ نماز میں سستی کرنا منافقوں کا کام ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس عادت سے بچائے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: ((اَثْقَلُ الصَّلٰوةِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ)) "منافقوں پر بھاری نمازیں دو ہیں عشاء اور فجر کی۔" مومن سارے کام چھوڑ کر نماز کی طرف آتا ہے اور منافق بہانے بناتا ہے۔ ﴿وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ﴾ اور نہیں خرچ کرتے وہ مگر اس حال میں کہ وہ ناپسند کرتے ہیں۔ خوشی سے چندہ نہیں دیتے بلکہ دکھلاوے کے طور پر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ﴾ پس نہ تعجب میں ڈالیں آپ کو اے نبی کریم ﷺ! ان کے مال اور نہ ان کی اولاد۔ کہ ان کو اتنا مال کیوں ملا ہے اور اتنی اولاد کیوں ملی ہے؟ تعجب نہ کریں کیوں؟ ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ﴾ پختہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے ﴿لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ کہ ان کو سزا دے ان اموال اور اولاد کی وجہ سے دنیا کی زندگی میں ﴿وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ اور نکلیں ان کی جانیں اس حال میں کہ وہ کفر کرنے والے ہوں۔ مال مشقت سے کماتے ہیں پھر اس کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح اولاد کے پالنے کی مشقت برداشت کرتے ہیں لیکن ایمان نہیں ہے تو یہ مشقتیں آخرت میں کام نہیں آئیں گی۔ تو ان کے لیے دنیا کی زندگی میں عذاب ہی ہے کہ جس کا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ مومن بھی مال کماتے ہوئے مشقت برداشت کرتا ہے لیکن چونکہ ایمان ہے تو یہ مشقت اس کے گناہوں کا کفارہ بنے گی اور کمانے پر ثواب بھی ملے گا اور گناہوں کا کفارہ بھی ہوگا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ مومن جو لقمہ کما کر بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے اس سے اس کو صدقے کے برابر ثواب ملتا ہے۔ حالانکہ بیوی کا خرچہ اس پر فرض ہے اسی طرح اولاد کو خوراک اور لباس مہیا کرتا ہے تو اس پر بھی اس کو ثواب ملتا ہے حالانکہ یہ بھی اس کے ذمے ہیں۔

فرمایا ﴿وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ اور وہ قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نام کی ﴿اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ﴾ کہ بے شک وہ تم میں سے ہیں۔ منافقین اللہ تعالیٰ کی قسمیں اٹھا کر مومنوں کو کہتے تھے کہ ہم تم میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ﴾ حالانکہ وہ منافق تم میں سے نہیں ہیں ﴿وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ﴾ اور لیکن وہ قوم ہے ڈرنے والی، ڈرپوک قوم۔ یہ تم سے ڈرتے ہیں کہ اگر ان کو پتا چل گیا ہماری منافقت کا تو ہم پر سختی کریں گے اس لیے جان بچانے کے لیے تمہارے سامنے قسمیں اٹھاتے ہیں کہ ہم بھی مومن ہیں۔

فرمایا ان کی حالت یہ ہے ﴿لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً﴾۔ "مَلْجَاً" کا معنیٰ ہے جائے پناہ۔ اگر وہ پائیں کوئی جائے پناہ ﴿اَوْ مَغٰرٰتٍ﴾ مَغٰرٰتٍ "مَغَارَةٌ" کی جمع ہے مَغَارَةٌ کا معنیٰ ہے سرنگ جو پہاڑوں میں ہوتی ہیں۔ بہت سارے علاقے ایسے ہیں کہ وہاں کے لوگ اس وقت بھی سرنگوں میں گذارا کرتے ہیں۔ عالم اسباب میں افغانستان میں جنگ جیتنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ مجاہدین کی بڑے بڑے پہاڑوں میں سرنگیں ہیں جہاں وہ رہتے ہیں۔ روس اپنا پورا زور لگا چکا ہے نہ وہ ان پہاڑوں کو اُڑا سکا ہے اور نہ سرنگیں ختم کر سکا ہے۔

تو فرمایا ان کو سرنگیں مل جائیں ﴿اَوْ مُدَّخَلًا﴾ یا کوئی داخل ہونے کی جگہ ﴿لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ﴾ البتہ پھر جائیں اس کی طرف ﴿وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ﴾ اور وہ بڑی تیزی سے جائیں۔ جمح کا معنیٰ ہے گھوڑا لگام کی پروا کیے بغیر تیزی کے ساتھ چلے۔ مطلب یہ ہے کہ بے لگام گھوڑے کی طرح سر اُٹھائے چلے جائیں مگر اب مصیبت یہ ہے کہ سارا عرب اسلام کے جھنڈے تلے آ گیا ہے ان کو کوئی جگہ نہیں ملتی سر چھپانے کو اس لیے اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں اٹھا کر تمھیں اعتماد میں لیتے ہیں اور الٹی سیدھی نمازیں بھی پڑھ لیتے ہیں مگر اندر سے دل صاف نہیں ہیں۔ زبانی طور پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں حقیقت میں مومن نہیں ہیں۔

﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّلْمِزُكَ فِی الصَّدَقٰتِ﴾ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ پر عیب لگاتے ہیں صدقات کی تقسیم میں۔ آنحضرت ﷺ کے پاس مال آیا آپ ﷺ اس کو تقسیم فرما رہے تھے اور آپ ﷺ کی خدمت میں کافی لوگ جمع تھے۔ آپ ﷺ گھر کے افراد اور لوگوں کی حیثیت کو سامنے رکھ کر مال تقسیم فرما رہے تھے۔ مثلاً: جس آدمی کے گھر کے افراد دس تھے اس کو اس کے مطابق دیا اور یہ بھی انصاف کا تقاضا ہے۔ اور جو مقروض تھا اس کو قرض کی ادائیگی کے لیے کچھ زیادہ دے دیا، بڑے کو کچھ زیادہ دے دیا، چھوٹے کو تھوڑا دے دیا اور ظاہر بات ہے کہ بڑے کا خرچہ اور ہوتا ہے چھوٹے کا خرچہ اور ہوتا ہے۔ فقہائے کرام ﷭ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ملک کا بادشاہ ہے اس کے گھر کے افراد چار ہیں لیکن اس کے گن مین ہیں، چپڑاسی ہے، اردلی ہے تو اس کو خرچہ صرف چار افراد کے حساب سے نہیں دیا جائے گا بلکہ اس کے باقی عملے کو سامنے رکھ کر خرچہ دیا جائے گا یہ ساری باتیں انصاف اور شریعت کے مطابق ہیں لیکن دنیا نہیں سمجھتی۔ تو آنحضرت ﷺ صدقات تقسیم فرما رہے تھے حرقوص بن زہیر قبیلہ بنو تمیم کا بڑا منہ پھٹ آدمی تھا اس نے اعتراض کیا۔ کہنے لگا مَا عَدَلْتَ فِی الْقِسْمَةِ یَا مُحَمَّدُ " آپ نے تقسیم میں انصاف نہیں کیا کسی کو زیادہ اور کسی کو کم دیا ہے۔" اس کا ذکر ہے کہ ان میں وہ بھی ہیں جو آپ ﷺ پر عیب لگاتے ہیں صدقات کی تقسیم کے سلسلہ میں ﴿فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا﴾ پس اگر دیا جائے ان کو اس میں سے تو راضی ہو جاتے ہیں پھر زبان نہیں کھولتے ﴿وَ اِنْ لَّمْ یُعْطَوْا مِنْهَاۤ﴾ اور اگر ان کو نہ دیا جائے صدقات میں سے اور صرف مستحقین کو دیا جائے تو ﴿اِذَا هُمْ یَسْخَطُوْنَ﴾ اچانک وہ ناراض ہو جاتے ہیں کہ ہمیں نہیں دیا ﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا﴾ اور اگر بے شک وہ راضی ہو جاتے ہیں ﴿مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ﴾ اس چیز پر جو ان کو دی ہے اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے۔

اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے صدقات، عشر اور زکوٰۃ اکٹھی ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ ان کو اپنے ہاتھوں سے تقسیم کر دیتے ہیں۔ یہ مطلب ہے کہ جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اور رسول ﷺ نے دیا ﴿وَ قَالُوْا﴾ اور کہتے ہیں ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ﴾ ہمیں اللہ کافی ہیں ﴿سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ عنقریب ہمیں دے گا اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے۔ آئندہ بھی ایسے مواقع آئیں گے جن میں مال غنیمت، مال فئی، صدقات آئیں گے ان میں سے اللہ تعالیٰ ہمیں دے گا ﴿وَ رَسُوْلُهٗۤ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ تقسیم کریں گے۔ آپ ﷺ کے دور میں فطرانہ وغیرہ مسجد نبوی میں جمع ہوتا تھا اور آپ ﷺ اپنی نگرانی میں تقسیم کراتے تھے اور آپ ﷺ مصروف ہوتے تو کسی کو مقرر کر دیتے۔ زکوٰۃ، صدقات مستحقین میں تقسیم ہوتے تھے اور اگر کوئی مستحق نہیں ہوتا تھا وہ خود کہہ دیتا تھا کہ میں اس کا مستحق نہیں ہوں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانے میں کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں تھا!

اور حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور میں لوگ زکوٰۃ دیتے وقت پریشان ہوتے تھے کہ ہم زکوٰۃ کس کو دیں؟ رات کو ایک تھیلے میں سونے کے دینار اور ایک تھیلے میں چاندی کے درہم ڈال کر رکھ دیتے۔ صبح کی نماز اور اشراق پڑھ کر ناشتہ کر کے وہ

تھیلے لیتے اور بازاروں، چوکوں اور گلیوں میں پھرنا شروع کر دیتے۔ جو ملتا اس سے پوچھتے کہ بھائی یہ زکوٰۃ کی رقم ہے اگر آپ مصرف اور مستحق ہیں تو لے لیں۔ وہ کہتا ذہائی خدا کی میں تو خود دینے والا ہوں۔ سارا دن پھرتے، لینے والا کوئی نہ ملتا تھا شام کو لاکر گھر رکھ دیتے تھے پھر دوسرے دن اسی طرح پھرتے۔

اندازہ لگاؤ ایک وہ زمانہ تھا اور ایک آج کا زمانہ ہے کہ مستحق ہو یا نہ ہو کہتا ہے سارا مصرف میں ہی ہوں مجھے دے دو۔ نہ دینے والے کو زکوٰۃ کے مصرف کا علم اور نہ لینے والے کو مصرف کا علم۔ اکثریت تو زکوٰۃ دیتی نہیں اور جو دیتے ہیں ان میں بہت تھوڑے ایسے ہیں جو صحیح مستحقین کے حوالے کریں۔

حکومتِ پاکستان نے جب زکوٰۃ اور عشر وصول کرنا شروع کیا تو ہم نے اس پر تنقید کی کہ یہ مصرف پر خرچ نہیں ہوگی اور ہمارا خدشہ درست ثابت ہوا لوگوں نے زکوٰۃ سے نالیاں بنوائیں اور الیکشن لڑے اور یہ باتیں آج تک اخباروں میں آرہی ہیں بہت کم لوگ ہیں جو مالی معاملات میں دیانت داری سے کام لیتے ہوں ﴿اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ﴾ بے شک ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ اگر اس طرح وہ کرتے تو بڑی اچھی بات ہوتی مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔

~~~

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝﴾

پختہ بات ہے صدقات فقیروں کے لیے ہیں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور جو اس پر عمل کرتے ہیں ان کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے ہیں جن کے دلوں میں اُلفت ڈالی جائے اور گردنوں کو آزاد کرنے میں اور جو تاوان میں دبے ہوئے ہیں ان کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اور مسافروں کے لیے، یہ فریضہ ہے ٹھہرایا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے حکمت والا ہے۔

مصارفِ زکوٰۃ؟

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف بیان فرمائے ہیں کہ زکوٰۃ کس کس کو دی جاسکتی ہے اور یہ بھی یاد رکھنا کہ جو حکم زکوٰۃ کا ہے سو حکم صدقات واجبہ کا ہے۔ صدقاتِ واجبہ سے مراد فطرانہ، نذر، منت، قسم کے کفارے کی رقم، کفارۂ ظہار، یہ تمام صدقات واجبہ ہیں۔ ان کے احکام اچھی طرح سمجھ لیں تاکہ نہ دینے والے غلط فہمی کا شکار ہوں اور نہ لینے والے غلط فہمی میں رہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ واجب قسم کے صدقات کسی غیر مسلم کو نہیں لگتے یعنی اگر تم غیر مسلم کو زکوٰۃ، عشر، فطرانہ وغیرہ دو گے تو وہ ادا نہیں ہوں گے دینے کے باوجود تمہارے ذمہ اسی طرح رہیں گے۔ اور ہر ایسا شخص مسلمان نہیں
~~~

ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔

قادیانی، رافضی، خارجی، بہائی کو بہ وجہ مسلمان نہ ہونے کے زکوٰۃ نہیں لگتی

مسلمان وہ ہے جس کو شریعت مسلمان کہے اور وہ نفس الامر میں صحیح معنیٰ میں مسلمان ہو۔ یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ کہنے کو تو قادیانی بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، منکرین حدیث اور رافضی بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں خارجی، بہائی اور ذکری بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی مسلمان نہیں ہے۔ لہٰذا تصدیق کر کے کہ مسلمان ہے یا نہیں۔

پھر واجب قسم کا صدقہ دو تو پہلی بنیادی شرط یہ ہے کہ مسلمان ہو اگر عقیدے کا کچا ہے تو چاہے وہ کتنا بھوکا اور محتاج کیوں نہ ہو اس کو واجب قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں ہے ہاں نفلی قسم کا صدقہ دے سکتے ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ سادات میں سے نہ ہو۔ سید کو صدقہ واجبہ دینا جائز نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

((اِنَّمَا هِيَ اَوْسَاخُ الْمَالِ لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ ﷺ)). (بخاری شریف)

"یہ صدقات زکوٰۃ وغیرہ یہ لوگوں کے مالوں کی میل کچیل ہے نہ میرے لیے حلال ہے اور نہ میری آل کے لیے حلال ہے۔" (بخاری شریف)

اب رہا یہ سوال کہ سید کون ہیں؟ تو پانچ بزرگوں کی اولاد سید ہے۔

①..... حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد چاہے وہ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے ہو چاہے کسی اور سے ہو۔ یہ جو اعوان برادری ہے یہ کہتے ہیں کہ ہم عون ابن علی رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں اگر واقعی ان کی بات صحیح ہے تو یہ بھی سادات ہیں ان کو بھی زکوٰۃ وغیرہ صدقہ واجبہ دینا جائز نہیں ہے۔

②..... حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد۔

③..... حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اولاد، جو اپنے آپ کو جعفری کہتے ہیں۔

④..... حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کی اولاد، جو عقیلی کہلاتے ہیں۔

⑤..... آپ ﷺ کے چچا حارث کی اولاد، یہ خود تو مسلمان نہیں ہوئے تھے البتہ ان کے بیٹے ابوسفیان بن حارث مسلمان تھے۔ تو ان پانچ بزرگوں کی اولاد کو شریعت سادات کہتی ہے۔ یعنی علوی، عباسی، اعوان، جعفری، عقیلی، حارثی حضرات، یہ نہ تو دوسروں سے زکوٰۃ وغیرہ لے سکتے ہیں اور نہ آپس میں ایک دوسرے کو دے سکتے ہیں۔

اور تیسری شرط یہ ہے کہ مال دار اور غنی نہ ہو۔ اور شریعت مال دار کسے کہتی ہے؟ شریعت مال دار اسے کہتی ہے کہ جس پر قرض نہ ہو نقد روپیہ اور سونا چاندی بھی اس کے پاس نہیں ہے مگر اس کے گھر میں ضرورت سے زائد اتنا سامان ہے کہ اگر اس کو فروخت کیا جائے گا تو ساڑھے باون تولے چاندی کو پہنچ جاتا ہے تو یہ شخص شریعت کے نزدیک مال دار ہے۔ زائد سامان سے وہ

سامان مراد ہے جو عموماً استعمال میں نہیں ہوتا۔ مثلاً: گھر میں دو درجن برتن ہیں ایک درجن استعمال میں ہیں اور ایک درجن ویسے ہی پڑے ہیں کبھی کوئی مہمان آئے تو استعمال ہوتے ہیں۔ ایک درجن بستر ے ہیں چھ سات استعمال میں ہیں اور باقی کبھی کبھار استعمال ہوتے ہیں۔ کچھ چار پائیاں استعمال میں ہیں اور کچھ ویسے ہی پڑی ہیں کبھی کبھار استعمال ہوتی ہیں یہ سب زائد سامان کہلاتا ہے۔ اور یہ بات بھی سمجھ لیں کہ کوئی عورت بیوہ ہے مگر اس کے پاس اتنا مال ہے کہ وہ نصاب کو پہنچ جاتا ہے تو اس کو زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ میں سے رقم دینا جائز نہیں ہے۔ لوگ محض بیوہ سمجھ کر دے دیتے ہیں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ اسی طرح بعض لوگ یتیم بچے سمجھ کر زکوٰۃ دے دیتے ہیں اگر وہ واقعتاً مستحق ہیں تو ٹھیک ہے اور اگر ان کے باپ نے اتنا مال چھوڑا ہے کہ ہر بچے کے حصے میں اتنا آتا ہے کہ جس کی مالیت ساڑھے باون تولے چاندی کو پہنچ جاتی ہے تو وہ بھی زکوٰۃ، صدقاتِ واجبہ نہیں لے سکتے۔ مال کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ نقد روپے یا سونا چاندی ہی ہو بلکہ کرسیاں، پلنگ، بیڈ، بستر، برتن یہ تمام چیزیں مال ہیں۔ ان مسائل کو اچھی طرح سمجھ لیں یہ چیزیں ہمارے عمل کی ہیں اور اکثر حضرات زکوٰۃ دیتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ دی ہے اور کچھ لینے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ﴾۔ "فُقَرَاء" فقیر کی جمع ہے۔ پختہ بات ہے صدقات فقیروں کے لیے ہیں ﴿وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ اور مسکینوں کے لیے ہیں۔

فقیر اور مسکین کی تعریف

فقیر اور مسکین کی تعریف میں فقہائے کرام رحمہم اللہ اختلاف کرتے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ فقیر وہ ہے کہ جس کے پاس ایک وقت کی خوراک بھی نہ ہو اور نہ اس کے پاس زائد سامان اور سونا چاندی ہے۔ اور مسکین وہ ہے کہ جس کے پاس ضرورت سے زائد کچھ چیزیں ہیں مگر اتنی نہیں ہیں کہ ساڑھے باون تولے چاندی کی مالیت کو پہنچ جائیں تو یہ مسکین ہے۔ اور سید چاہے فقیر مسکین ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سید کو اگر زکوٰۃ نہ دی تو وہ بھوکا مر جائے گا یہ لوگوں کے ڈھکوسلے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا شریعت نے تم سے سارا مال لے لیا ہے اور تمہارے پاس کچھ نہیں چھوڑا؟ اگر ایسا ہے تو پھر تو تمہارا کہنا بجا ہے لیکن شریعت نے تو چالیس میں سے ایک روپیہ لیا ہے باقی انتالیس روپے تمہارے پاس ہیں ان انتالیس پاکیزہ میں سے سید بادشاہ کو دو تم نے ضرور سید کو میل کچیل کھلانا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: اِنَّ فِی الْمَالِ حَقًّا سِوَی الزَّكٰوةِ "مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہیں۔" صرف یہ نہیں کہ زکوٰۃ، فطرانہ، عشر دے کر تم فارغ ہو گئے صحیح مال بھی یتیموں، مسکینوں اور ناداروں پر خرچ کرو اور مال کے پورے حقوق ادا کرو۔

اور تیسرا مصرف: ﴿وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا﴾ اور جو اس پر عمل کرتے ہیں، وصول کرنے اور تقسیم کرنے کے لیے حکومتی سطح پر مقرر ہیں کہ فلاں علاقے کی زکوٰۃ تم نے وصول کرنی ہے اور فلاں حلقے کی اس نے وصول کرنی ہے۔ تو ان وصول کرنے والوں کو

بھی زکوٰۃ میں سے معاوضہ دیا جاسکتا ہے یا کسی کی ڈیوٹی لگائی ہے کہ تم یہ زکوٰۃ کی رقم دیانت داری سے تقسیم کرو اور وہ غریب ہے تو اس کو بھی اس میں سے معاوضہ دیا جاسکتا ہے یا حساب کرنے والا ہے اس کو بھی معاوضہ اس سے دیا جاسکتا ہے۔ لیکن روح المعانی میں تصریح ہے کہ کوئی عامل سادات میں سے نہیں ہوسکتا۔ ان مسائل کو اچھی طرح سمجھ لو بہت سارے لوگ ان مسائل میں مبتلا ہیں۔

آج کل مانگنے والے لیچڑ قسم کے آدمی ہوتے ہیں پیچھا نہیں چھوڑتے۔ وہ ایسی باتیں کرتے ہیں کہ دینے والا سمجھتا ہے کہ واقعی یہ مستحق ہیں۔ اول تحقیق کرو ثانیاً اپنا ظن غالب کرو کہ غالب گمان کا بھی اعتبار ہے۔ اگر تم نے کسی شخص کو غالب گمان سے مستحق سمجھ کر زکوٰۃ دے دی پھر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ مصرف نہیں تھا تو زکوٰۃ ادا ہوگئی کہ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرہ:۲۸۶] "نہیں تکلیف دی اللہ تعالیٰ نے کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق۔" آگے ان شاء اللہ مزید تفصیل آئے گی۔

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ﴾ پختہ بات ہے کہ صدقات فقراء کے لیے ہیں ﴿وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ اور مسکینوں کے لیے ﴿وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا﴾ اور جو زکوٰۃ وصول کرنے کا کام کرتے ہیں ان کے لیے ہیں ﴿وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ﴾ اور ان لوگوں کے لیے ہیں جن کے دلوں میں الفت ڈالی جائے ﴿وَفِي الرِّقَابِ﴾ اور گردنوں کو آزاد کرنے میں ﴿وَالْغٰرِمِيْنَ﴾ اور جو تاوان میں دبے ہوئے ہیں ان کے لیے ﴿وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ اور مسافروں کے لیے ﴿فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ﴾ یہ فریضہ ہے ٹھہرایا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے ﴿وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ﴾ اور ان منافقوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں ﴿يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ﴾ جو تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ﴿وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ وہ کان ہی کان ہے ﴿قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ﴾ آپ کہہ دیں وہ کان ہیں تمھاری بہتری کے لیے ﴿يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ﴾ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے ﴿وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور تصدیق کرتا ہے ایمان والوں کی ﴿وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ﴾ اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے تم میں سے ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ اور وہ لوگ جو تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے رسول کو ﴿لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

کل کے سبق میں کچھ مصارف کے متعلق بیان ہوا تھا اور میں نے تفصیل کے ساتھ سمجھایا تھا کہ فقیر کسے کہتے ہیں اور مسکین کسے کہتے ہیں۔ تاکہ اس مسئلے کو اچھی طرح سمجھ لیں، دینے والے بھی اور لینے والے بھی۔ کہ اگر کسی نے لاپروائی میں دی اور وہ مصرف پر خرچ نہ ہوئی تو دینے والا فارغ الذمہ نہ ہوگا۔ اس کو اس طرح سمجھو کہ ایک آدمی ناپاک کپڑوں کے ساتھ نماز

پڑھتا ہے تو اس کی نماز نہیں ہوگی چاہے پورے اطمینان کے ساتھ رکوع وسجود وغیرہ کرے۔ کیوں کہ شرط نہیں پائی گئی کہ کپڑے پاک نہیں ہیں یا جگہ پاک نہ ہو باقی ساری شرطیں پائی جائیں یا قبلے کی طرف رخ نہیں کیا، نماز نہیں ہوگی چاہے کتنے خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھے نماز نہیں ہوگی۔ تو جس طرح نماز بغیر شرطوں کے نہیں ہوتی اسی طرح زکوٰۃ بھی شرطوں کے بغیر ادا نہیں ہوگی۔ اور مستحق کی بھی وضاحت کی تھی تا کہ لینے والے بھی حرام خوری کے مرتکب نہ ہوں۔

تو مستحق کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو اور مسلمان بھی وہ جس کو شریعت مسلمان کہے از خود اپنے کو مسلمان کہنے والا نہ ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ نماز روزے کا پابند ہو، برے کام نہ کرتا ہو۔ اگر شرابی، زانی، جوا کھیلنے والے کو علم ہوتے ہوئے زکوٰۃ دو گے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ وہ تمھاری زکوٰۃ والی رقم سے شراب پیئے گا، جوا کھیلے گا، برے کام کرے گا۔ ہاں! اگر تمھیں علم نہیں تھا اور مصرف سمجھ کر زکوٰۃ دے دی تو تمھارا فریضہ ادا ہو گیا غیب اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ سادات میں سے نہ ہو اور سادات کی تفصیل پچھلے سبق میں بیان ہو چکی ہے۔

وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ اور وَفِي الرِّقَابِ کی تفسیر

﴿وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ﴾ اور ان لوگوں کے لیے ہیں جن کے دلوں میں الفت ڈالی جائے۔ اس کی دو طرح سے تفسیر کی گئی ہے۔ ایک یہ کہ ابتداء میں جب مسلمان تھوڑے تھے اور اسلام کمزور تھا بعض اثر ورسوخ والے کافروں کو زکوٰۃ دینا جائز تھی جن کے ایمان لانے کی توقع ہوتی تھی تا کہ ان کے دل اسلام کی طرف مائل ہوں۔ یہ شق اب تمام کے نزدیک منسوخ ہے کسی کافر کو تالیف قلب کے لیے زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔

اور دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ جو نئے مسلمان ہوئے تھے کافر برادری ان سے تعاون ختم کر دیتی تھی تو ایسے نومسلم کو تالیف قلب کے لیے زکوٰۃ دی جاتی تھی کہ وہ اسلام پر پختہ ہو جائے۔ اور چونکہ وہ مسلمان ہوتا اس لیے اس کو پاؤں پر کھڑا کرنے اور اس کی ضروریات پوری کرنے کے لیے زکوٰۃ دی جاتی تھی۔ یہ شق اب بھی موجود ہے۔

﴿وَفِي الرِّقَابِ﴾ اور گردنوں کو آزاد کرنے میں۔ اس زمانے میں غلام اور لونڈیاں ہوتی تھیں وہ آزادی چاہتے تھے اور اکثر مالک بغیر رقم کے آزاد نہیں کرتے تھے۔ تو ان لونڈیوں اور غلاموں کو بھی زکوٰۃ دے سکتے ہو تا کہ وہ اپنی آزادی حاصل کر سکیں۔ اس وقت ہمارے علم میں نہیں ہے کہ کسی ملک میں شرعی غلام ہو ویسے کسی کو زبردستی غلام اور لونڈی بنا لینا صحیح نہیں ہے۔ یہ تو دھکے شاہی ہے۔

﴿وَالْغٰرِمِيْنَ﴾ اور جو تاوان میں دبے ہوئے ہیں۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً: تاجر سے سامان لوٹ لیا گیا کہ اس کے پاس کچھ نہیں رہا، آگ لگ گئی، مکان جل گیا یا دکان جل گئی یا سیلاب آ گیا اور سب کچھ اس میں بہہ گیا، دشمنوں نے حملہ کیا

اور سارا مال لے گئے۔ بے شک پہلے یہ مال دار تھا لیکن اب یہ تاوان میں آ گیا ہے اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ مگر شرائط مذکورہ کے ساتھ کہ غیر مسلم نہ ہو اور سید نہ ہو اور بُرا، بدمعاش نہ ہو۔

﴿وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جو جہاد کرتے ہیں اور ان کے پاس خرچہ نہیں اسلحہ نہیں تو زکوٰۃ کی رقم سے ان مجاہدین کی امداد کرنا اگر وہ مال دار نہ ہوں۔ اگر وہ مال دار ہیں تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ ہم کسی پر بدگمانی نہیں کرتے غیب صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے لیکن حالات واقعات کو سامنے رکھ کر بات کر رہا ہوں کہ آج بعض تنظیمیں ایسی ہیں مجاہدین کی کہ ان کا مقصد صرف پیسا اکٹھا کرنا ہے۔ لہٰذا جو تمہارے پاس آئیں پہلے ان کی مکمل تحقیق کرلو کہ واقعی یہ تنظیم صحیح مصرف میں خرچ کرتی ہے یا صرف روپیہ اکٹھا کرتی ہے پھر اس کے مطابق فیصلہ کرو۔

﴿وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾ اور مسافروں کے لیے۔ کئی مسافر ایسے ہوتے ہیں کہ سفر میں ان کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ ہو جاتا ہے کہ ان کے پاس کرایہ نہیں رہا چاہے اپنے گھر میں وہ مال دار ہی کیوں نہ ہوں ان کی زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ میں سے امداد کی جا سکتی ہے۔

تو یہ آٹھ مصارف ہیں زکوٰۃ کے اور جو حکم زکوٰۃ کا ہے وہی حکم فطرانے، عشر، کفارۂ قسم اور کفارۂ ظہار کا ہے۔

سیّد کو زکوٰۃ نہیں لگتی

اور ایک دفعہ پھر سمجھ لیں کہ سید کو زکوٰۃ نہیں لگتی۔ بعض لوگ غلط فہمی کی وجہ سے کہتے ہیں کہ زکوٰۃ سید کو لگتی ہیں۔ میری پھوپھی اور بڑی ہمشیرہ سادات کے گھر میں ہے۔ میں جب دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر آیا تو ایک مولوی صاحب جو مدرس، عالم اور سید تھے، کہنے لگے سید کو زکوٰۃ لگتی ہے اور میں نے کتابوں میں پڑھا تھا کہ نہیں لگتی۔ وہ پرانے بزرگ تھے اور میں نوعمر تھا۔ اُنھوں نے کہا کہ لگتی ہے میں نے کہا نہیں لگتی کافی بحث ہوئی۔ اُنھوں نے امام طحاوی جو کہ تین واسطوں سے امام ابوحنیفہ کے شاگرد اور احناف کے وکیل اور بڑے بزرگ ہیں ان کی وفات ۳۲۱ھ میں ہوئی ہے، اُنھوں نے ان کی ایک عبارت اپنے مؤقف پر پیش کی تو میں تردد میں پڑ گیا۔

چونکہ ہمت کافی تھی اور مطالعہ کا شوق بھی تھا الحمد للہ! شاذ و نادر ہی کسی عالم نے میرے جتنا مطالعہ کیا ہوگا۔ چنانچہ میں نے حدیث کی کتابیں اور شروحِ حدیث کی کتابیں اور فقہ کی ساری کتابیں چھان ماریں اور اپنے موقف سے مطمئن ہوا کہ سید کو زکوٰۃ نہیں لگتی۔ میں نے اس پر ایک مستقل کتاب لکھی "الکلام الحاوی فی تحقیق عبارۃ الطحاوی" اور علامہ طحاوی کی عبارت سے ثابت کیا کہ سید کو زکوٰۃ نہیں لگتی اور جس عبارت سے اُنھوں نے استدلال کیا تھا کہ سید کو زکوٰۃ لگتی ہے۔ اس کتاب پر دارالعلوم دیوبند کے مفتی اور مفتی محمود صاحب، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا عبدالعزیز وغیرہ حضرات نے تصدیقات کیں۔ اس لیے زکوٰۃ صدقاتِ واجبہ دیتے ہوئے اچھی طرح چھان بین کرو، جلد بازی سے کام نہ لو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ﴾ یہ فریضہ ہے ٹھہرایا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ اس کا انکار کرنے والا کافر ہے، نہ دینے والا گنہ گار ہے اور یہ مسئلہ سمجھ لیں کہ زکوٰۃ لازم ہو جانے کے بعد فوراً اس کو ادا کر دے لیکن اگر فوری طور پر ادا نہیں کرنا چاہتا تو زکوٰۃ کی رقم الگ کر کے اس میں وصیت لکھ کر رکھ دے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے اور گھر کے دیانت دار افراد کو بتلا دے کہ زندگی کا کوئی بھروسا نہیں ہے اگر میں مر گیا تو ادا کر دینا۔ اگر بغیر تحریر کے مر گیا یا گھر کے افراد کو بتلائے بغیر مر گیا تو گنہگار مرے گا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو ضروری کام ہیں ان کی باقاعدہ وصیت لکھ کر دو بغیر وصیت لکھے دو راتیں بھی نہ گزرنے پائیں۔ کسی سے قرض لینا ہے کسی کو قرض دینا ہے تفصیل کے ساتھ تحریر لکھ کر رکھنی چاہیے۔ لوگ بے پروائی کرتے ہیں یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اگر قرض دینا ہے اور بغیر دیئے فوت ہو گیا ہے اور وارثوں کو بھی علم نہیں ہے کہ وہ ادا کر دیں تو اس کی قبر پر بوجھ ہو گا۔ اور اگر قرض لینا ہے اور نہیں بتلایا تو وارثوں کی حق تلفی ہوگی۔ یہ باتیں اچھی طرح سمجھ لو زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ہے کوئی یہ کہے کہ میں بوڑھا ہو کر مروں گا تو وہ غلط فہمی کا شکار ہے اور تندرست یہ کہے کہ میں بیمار ہوں گا تو مروں گا یہ بھی غلط فہمی کا شکار ہے۔ کیا تندرست نہیں مرتے؟ ہمارا دور تو حادثی دور ہے معلوم نہیں تھوڑی دیر میں کیا ہو جاتا ہے۔ میں نے بارہا کہا ہے کہ اس دور میں اگر کوئی صبح کو گھر سے نکلا ہے اور بخیریت رات کو واپس آ گیا ہے تو اس کو دو نفل شکرانے کے پڑھنے چاہئیں۔

فرمایا ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے، حکمت والا ہے ﴿وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ﴾ اور ان منافقوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں ﴿يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ﴾ جو تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ کو۔ کبھی کوئی شوشہ چھوڑتے ہیں اور کبھی کوئی شوشہ چھوڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نبی کے خلاف باتیں کرتے ہیں ﴿وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ وہ کان ہی کان ہے۔ یہ لوگ جب آپس میں واہی تباہی قسم کی باتیں کرتے تھے تو دوسرے کہتے کہ یہ تمہاری باتیں اس تک پہنچی تو تمھیں تنبیہ کرے گا تو کہنے لگے وہ تو کان ہی کان ہے ہم جو کہیں گے وہ مان لے گا۔ کیوں کہ جو آدمی خود سچا ہوتا ہے وہ دوسروں کو بھی سچا سمجھتا ہے۔

اور یہ تفسیر بھی کرتے ہیں کہ جب منافقین میں سے کچھ آپ کی بدخواہی کرتے تو دوسرے کہتے بھائی ایسی باتیں نہ کرو وہ نرا کان ہے یہ باتیں اس تک پہنچ جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ﴾ وہ کان ہیں تمہاری بہتری کے لیے ﴿يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ﴾ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے ﴿وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور تصدیق کرتا ہے ایمان والوں کی ﴿وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ﴾ اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے تم میں سے۔

آنحضرت ﷺ کا ایک لقب رحمۃ للعالمین بھی ہے کہ آپ ﷺ سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں مگر فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جو مومن ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ اور وہ لوگ جو تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو ﴿لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ آپ ﷺ کی شان تو بہت بلند ہے عام مسلمان کو کوئی قولاً یا فعلاً تکلیف پہنچائے تو اس کو سخت سزا ملے گی۔

﴿یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ﴾ منافقین قسم اٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نام کی تمہارے سامنے ﴿لِیُرْضُوْكُمْ﴾ تاکہ تمھیں راضی کردیں ﴿وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ﴾ حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ حق دار ہے ﴿اَنْ یُّرْضُوْهُ﴾ کہ یہ اس کو راضی کریں ﴿اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴾ اگر وہ مومن ہیں ﴿اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا﴾ کیا ان لوگوں نے نہیں جانا ﴿اَنَّهٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ کہ بے شک وہ شخص جو مخالفت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی ﴿فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِیْهَا﴾ پس بے شک اس کے لیے جہنم کی آگ ہے ہمیشہ اس میں رہے گا ﴿ذٰلِكَ الْخِزْیُ الْعَظِیْمُ﴾ یہ رسوائی بہت بڑی ہے ﴿یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ ڈرتے ہیں منافق ﴿اَنْ تُنَزَّلَ عَلَیْهِمْ سُوْرَةٌ﴾ اس بات سے کہ نازل کی جائے ان پر کوئی سورۃ ﴿تُنَبِّئُهُمْ﴾ جو خبر دے ان کو ﴿بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ﴾ ان چیزوں کی جو ان کے دلوں میں ہیں ﴿قُلِ اسْتَهْزِءُوْا﴾ آپ کہہ دیں کہ مذاق کرلو ﴿اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نکالنے والے ہیں اس چیز کو جس سے تم ڈرتے ہو ﴿وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ﴾ اور اگر آپ ان سے سوال کریں ﴿لَیَقُوْلُنَّ﴾ تو وہ ضرور کہیں گے ﴿اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ﴾ پختہ بات ہے ہم تو شغل کرتے تھے اور کھیلتے تھے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَبِاللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کی آیات کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ ﴿كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ تم مذاق کرتے تھے ﴿لَا تَعْتَذِرُوْا﴾ مت بہانے بناؤ ﴿قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ﴾ تحقیق تم نے کفر کیا ہے ایمان ظاہر کرنے کے بعد ﴿اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ﴾ اگر ہم معاف کردیں تم میں سے ایک گروہ کو ﴿نُعَذِّبْ طَآىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِیْنَ﴾ ہم سزا دیں گے ایک گروہ کو اس وجہ سے کہ بے شک وہ مجرم ہیں۔

منافقوں کی شرارتیں اور گناہوں کا ذکر ہے کل کی آیت کریمہ میں تم نے پڑھا تھا ﴿وَمِنْهُمُ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ النَّبِیَّ﴾ ان منافقوں میں سے وہ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نبی کو تکلیف پہنچاتے ہیں زبانی طور پر بھی اور عملی طور پر بھی۔ مثلاً: آنحضرت ﷺ تشریف فرما ہوتے آپ ﷺ کے پاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دوسرے لوگ بھی ہوتے تھے۔

منافقین کا آپ ﷺ کو ایذا پہنچانا!

منافق جب مجلس میں گفتگو کرتے تو بڑے ترش لہجے میں کرتے اور کہتے یَا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنَا" اے محمد (ﷺ)! ہمیں یہ بتایئے۔" حالانکہ بغیر القاب کے محض نام لے کر بلانا بے ادبی ہے۔ ہمارے معاشرے میں بھی اگر کسی کو خالی نام لے کر آواز دی جائے تو وہ محسوس کرتا ہے اور کڑھتا ہے۔ البتہ نام وہ لے سکتا ہے جو عمر میں بڑا ہو یا کوئی بے تکلف ساتھی ہو ورنہ وصفی نام سے بلاتے ہیں مولوی صاحب، حاجی صاحب، قاری صاحب، منشی جی! تو پیغمبر خدا کو القاب کے ساتھ متوجہ کرنا چاہیے تھا۔ مثلاً:

یارسولَ اللہِ، یاحبیبَ اللہِ، یانبیَ اللہِ، یاشفیعَ اللہِ، اچھے الفاظ کے ساتھ۔ مگر وہ بے ادبی کے لہجے میں بلاتے تھے اور پھر ایسی عجیب باتیں پوچھتے تھے کہ جن کا مجلس کے موضوع کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا تھا۔

مثلاً: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وعظ ونصیحت کر رہے تھے کہ ابن سُلَیط منافق نے آ کر کہا: یَامُحَمَّدُ اَخْبِرْنِیْ اَیْنَ نَاقَتِیْ "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میری اونٹنی گم ہوگئی ہے بتاؤ کہاں ہے؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا اَدْرِیْ اَیْنَ نَاقَتُكَ "میں نہیں جانتا تیری اونٹنی کہاں ہے۔" میں تو لوگوں کو مسائل بتا رہا ہوں۔ وہ بڑبڑ کرتا ہوا اور یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا یُخْبِرُنَا بِخَبَرِ السَّمَآءِ وَلَا یَدْرِیْ اَیْنَ نَاقَتِیْ "ہمیں آسمان کی خبریں بتاتا ہے اور یہ معلوم نہیں کہ میری اونٹنی کہاں ہے۔" اب اندازہ لگاؤ کہ باتیں تو دین کی ہو رہی ہیں اور یہ درمیان میں اونٹنی پوچھتا پھر رہا ہے۔ کیا غیب جانتے تھے یا اونٹنیاں چوری کرواتے تھے کہ آپ کو معلوم ہوتا کہ تیری اونٹنی فلاں کے پاس ہے۔ بعض صحابہ نے سنا اور بعض نے اس بُڑبُڑ کو نہ سنا۔ کچھ اس کی طرف بڑھے کہ اس کو دو چار لگائیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا تو کچھ نہ کہا۔ اتنے میں جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئے اور بتلایا کہ اس کی اُونٹنی فلاں جگہ پر جھاڑیوں میں پھنسی ہوئی ہے اس طرح کہ اس کا مضبوط پٹا مضبوط ٹہنی کے ساتھ اَڑ گیا ہے کہ نہ ٹہنی ٹوٹتی ہے اور نہ پٹا ٹوٹتا ہے یہ وہاں اَڑی ہوئی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی جو آدمی بات کر رہا تھا اس کو بلاؤ بعض صحابہ اس کو بلا لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے مجھ سے اپنی اونٹنی کے متعلق پوچھا تھا کہ وہ کہاں ہے؟ خدا کی قسم مجھے اس وقت علم نہ تھا جَآءَنِیْ جِبْرَئِیْلُ فَاَخْبَرَنِیْ اب جبرئیل علیہ السلام نے مجھے آ کر خبر دی ہے کہ تیری اونٹنی فلاں جگہ جھاڑیوں میں پھنسی ہوئی ہے۔ ایسی بے موقع باتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچاتے تھے پھر اپنی صفائی کے لیے مومنوں کے سامنے جھوٹی قسمیں کھاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ﴾ منافقین قسم اٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نام کی تمہارے سامنے کہ ہم دل سے سچے ہیں ویسے ہی غیر محتاط بات منہ سے نکل گئی ہے۔ یہ قسمیں کیوں کھاتے ہیں؟ ﴿لِیُرْضُوْكُمْ﴾ تاکہ تمہیں راضی کریں اے پیغمبر کے ساتھیو! ﴿وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ﴾ حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ حقدار ہے کہ یہ ان کو راضی کریں۔ اللہ تعالیٰ راضی تو سارا جہان راضی۔ اللہ تعالیٰ کا رسول راضی ہو جائے تو مسلمانوں کے لیے اس سے بڑی خوش قسمتی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے ﴿اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴾ اگر وہ مومن ہیں تو اللہ تعالیٰ کو راضی کریں اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کریں۔

بعض جاہل قسم کے لوگ اس آیت کریمہ سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک شے ہیں۔ یعنی وہی اللہ ہے اور وہی رسول ہے الگ الگ نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذات واحد کہتے ہیں اور استدلال اس طرح کرتے ہیں ﴿اَنْ یُّرْضُوْهُ﴾ میں ضمیر مفرد کی ہے جو لوٹ رہی ہے اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ اگر اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم الگ الگ ہوتے تو ضمیر تثنیہ کی ہوتی یعنی "ہ" کی بجائے "هُمَا" ہوتی اور معنیٰ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ حقدار ہیں کہ یہ ان دونوں کو راضی کریں اور موجود صورت میں معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ حقدار ہیں کہ یہ اس

کوراضی کریں۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اوررسول اللہ ﷺ ایک ہی چیز ہیں، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ ایک کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی ذات خالق ہے آنحضرت ﷺ کی ذات مخلوق ہے اوراس میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ ساری مخلوق میں اعلیٰ وافضل ہیں۔مگر خالق اور مخلوق گڈمڈ کس طرح ہو گئے؟

اب رہا یہ سوال کہ ضمیر مفرد کی کیوں لائے ہیں؟ تواس کے متعلق مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اوررسول ﷺ کی رضا ایک ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا آنحضرت ﷺ کی رضا میں ہے۔ ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ [النساء: ۸۰] "جس شخص نے اطاعت کی رسول کی بے شک اس نے اطاعت کی اللہ تعالیٰ کی۔" جس نے رسول ﷺ کوراضی کیا اس نے رب کوراضی کیا اور جب تک آنحضرت ﷺ راضی نہ ہوں اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا جب تک آنحضرت ﷺ نہ راضی ہوں۔توچوں کہ رضا ایک ہے اس لیے ضمیر مفرد لائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا﴾ کیا ان لوگوں نے نہیں جانا ﴿اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ کہ بے شک وہ جو مخالفت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی اوراس کے رسول ﷺ کی ﴿فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا﴾ پس بے شک ان کے لیے جہنم کی آگ ہے ہمیشہ اس میں رہیں گے ﴿ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ﴾ یہی رسوائی بہت بڑی ہے۔

منافقین کی کیفیتِ باطنی کا بیان

آگے اللہ تعالیٰ نے منافقین کی ذہنی کیفیت کو بیان فرمایا ہے۔دو چار منافق جب اکٹھے ہو جاتے تو اپنے خبث باطن کا اظہار کرتے۔مسلمانوں کا، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کا، قرآن کریم کی آیات کا مذاق اُڑاتے۔ چنانچہ ایک سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ مُخَشّیٰ ابن حمیر منافق اور چھ سات افراد اور بھی تھے رات کو سفر کرتے ہوئے یہ ٹولا دوسرے حضرات سے علیحدہ چلتا تاکہ گپیں لگا سکیں اور دل کی باتیں ایک دوسرے کے سامنے کر سکیں۔باتوں باتوں میں ان منافقین نے قرآن کریم کی آیات سے آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق مذاق شروع کر دیا اور واہی تباہی قسم کی باتیں کیں۔ان میں سے کسی نے کہا کہ ایسی باتیں نہ کرو قرآن نازل ہوگا اور تمہاری ساری باتیں ظاہر کر دے گا پھر تمہیں شرمندگی ہوگی۔تو منافق شرارتیں بھی کرتے تھے اور ساتھ ساتھ ڈرتے بھی تھے ان کی اسی کیفیت کو بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ﴾ ڈرتے ہیں منافق اس بات سے کہ نازل کی جائے ان پر کوئی سورۃ ﴿تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ جو خبر دے ان کو ان چیزوں کی جو ان کے دلوں میں ہیں۔کہ وحی اُترے گی اور ہماری حقیقت لوگوں کے سامنے کھل جائے گی اور ہم شرمندہ ہوں گے ﴿قُلِ اسْتَهْزِءُوْا﴾ آپ کہہ دیں کہ مذاق کر لو ﴿اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نکالنے والے ہیں اس چیز کو جس سے تم ڈرتے ہو ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ﴾ اور اگر آپ ان سے سوال کریں ﴿لَيَقُوْلُنَّ﴾ تو وہ ضرور کہیں گے ﴿اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ﴾ پختہ بات ہے ہم تو شغل کرتے تھے اور کھیلتے تھے، دل لگی

کرتے ہیں۔ ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَبِاللّٰهِ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ذات کے ساتھ ﴿وَاٰيٰتِهٖ﴾ اور اس کی آیات کے ساتھ ﴿وَرَسُوْلِهٖ﴾ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ﴿كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ تم مذاق کرتے تھے۔ اپنی واہی تباہی باتوں کا انکار تو نہ کر سکے البتہ یہ بہانہ بنایا کہ ہم خوش گپیاں کرتے تھے تاکہ سفر طے ہو جائے۔ حقیقتاً اللہ تعالیٰ، اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق نہیں کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾ مت بہانے بناؤ تحقیق تم نے کفر کیا ہے ایمان ظاہر کرنے کے بعد۔ تمہاری دل لگی اللہ تعالیٰ، اس کی آیات اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ہی ہو سکتی تھی اور کوئی نہ تھا استہزاء کے لیے اور وقت گزارنے کے لیے؟ مذاق کے علاوہ اور کوئی بات نہیں تھی۔ استہزاء تو بڑا جرم ہے۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جو چیز خبر واحد سے ثابت ہے اگر کوئی آدمی اس کا انکار کرے گنہگار ہوگا کافر نہیں ہوگا لیکن اگر اس نے اس کا مذاق اڑایا تو کافر ہو جائے گا۔ حالانکہ فقہائے کرام رحمہم اللہ کا طبقہ بڑا محتاط طبقہ ہے اتنی جلدی کسی پر کفر کا فتویٰ نہیں لگاتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ﴾ اگر ہم معاف کر دیں تم میں سے ایک گروہ کو ﴿نُعَذِّبْ طَآئِفَةً﴾ ہم سزا دیں گے ایک گروہ کو۔ منافقین میں سے مخشی ابن حمیر کو اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق عطا فرمائی اس نے سچے دل سے توبہ کی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں یمامہ کے مقام پر مسیلمہ کذاب سے لڑتا ہوا شہید ہوا۔ تو جو نفاق کو چھوڑ دیں گے ان کو معافی مل جائے گی اور جو کفر پر اڑے رہیں گے ان کو سزا دیں گے اور سب سے زیادہ سخت سزا منافقین کی ہے۔ قرآن پاک میں ہے ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ [النساء: ۱۴۵] "بے شک منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔" ان کو سزا کیوں دیں ﴿بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ﴾ اس وجہ سے کہ بے شک وہ مجرم ہیں۔ جرم سخت ہے سزا بھی سخت ہوگی۔

﴿اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ﴾ منافق مرد اور منافق عورتیں ﴿بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ﴾ یہ بعض بعض سے ہیں ﴿يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ﴾ حکم دیتے ہیں برائی کا ﴿وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ﴾ اور منع کرتے ہیں نیکی سے ﴿وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ﴾ اور روکتے ہیں اپنے ہاتھوں کو ﴿نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ﴾ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا پس اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو بھلا دیا ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ بے شک منافق لوگ وہی ہیں نافرمان لوگ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ﴾ وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں کے ساتھ ﴿وَالْكُفَّارَ﴾ اور کافروں کے ساتھ ﴿نَارَ جَهَنَّمَ﴾ جہنم کی آگ کا ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ہمیشہ رہیں گے اس میں ﴿هِيَ حَسْبُهُمْ﴾ یہ ان کو کافی ہے ﴿وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ﴾ اور ان کے لیے دائمی عذاب ہوگا ﴿كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ان لوگوں کی طرح جو تم سے پہلے گزرے ہیں ﴿كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً﴾ تھے وہ زیادہ طاقت والے تم سے

﴿وَّاَکۡثَرَ اَمۡوَالًا وَّاَوۡلَادًا﴾ اور زیادہ تھے اموال میں اور اولاد میں ﴿فَاسۡتَمۡتَعُوۡا بِخَلَاقِہِمۡ﴾ پس انھوں نے فائدہ اُٹھایا اپنے حصے کا ﴿فَاسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِخَلَاقِکُمۡ﴾ پس تم نے فائدہ اُٹھایا اپنے حصے کا ﴿کَمَا اسۡتَمۡتَعَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ﴾ جس طرح کہ فائدہ اُٹھایا ان لوگوں نے جو تم سے پہلے تھے ﴿بِخَلَاقِہِمۡ﴾ اپنے حصے سے ﴿وَخُضۡتُمۡ کَالَّذِیۡ خَاضُوۡا﴾ اور شغل کیا تم نے جیسا کہ شغل کیا انھوں نے ﴿اُولٰٓئِکَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُہُمۡ﴾ یہی لوگ ہیں جن کے اعمال اَکارت ہو گئے ہیں ﴿فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ﴾ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ﴿وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ﴾ اور یہی لوگ ہیں نقصان اُٹھانے والے۔

پچھلے رکوعوں میں منافقوں کے کچھ حالات بیان کیے گئے تھے کہ جہاد سے جان بچاتے، آنحضرت ﷺ پر اعتراض کرتے اور آپ ﷺ کے لیے تکلیف دہ گفتگو کرتے، فتنہ فساد، شرارت، یہ ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ اور شریر آدمی جب تک شرارت نہ کرے اس کو کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ شعوری طور پر بھی اور لاشعوری طور پر بھی شرارت ضرور کرتا ہے۔

منافقین کی بُری خصلت

انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ بَعۡضُہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ﴾ منافق مرد اور منافق عورتیں یہ بعض بعض سے ہیں۔ کیوں کہ اَلۡجِنۡسُ یَمِیۡلُ اِلَی الۡجِنۡسِ "جنس کو جنس پیاری ہوتی ہے۔" مومن کو مومن کے ساتھ الفت ہوتی ہے اور کافر کو کافر کے ساتھ محبت ہوتی ہے، منافق کو منافق کے ساتھ پیار ہوتا ہے۔ منافقوں کی خصلت ہے ﴿یَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمُنۡکَرِ﴾ حکم دیتے ہیں برائی کا ﴿وَیَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِ﴾ اور منع کرتے ہیں نیکی سے۔ اگر کوئی نماز پڑھنے کے لیے جاتا ہے تو اس کو کہتے ہیں کہ نماز میں کیا ہے، روزے دار کو کہتے ہیں روزے میں کیا رکھا ہے، فلاں کام میں کیا ہے فلاں کام میں کیا ہے۔ ایسا ذہن بناتے ہیں کہ کچے ذہن کے لوگ اس سے متاثر ہوتے ہیں اور برائیوں کی ترغیب دیتے ہیں۔ اور مومن خود بھی نیکی کرتا ہے اور دوسروں کو بھی نیکی کا سبق دیتا ہے۔ خود برائی سے رکتا ہے اور دوسروں کو بھی برائی سے منع کرتا ہے۔

اور منافق اس کے برعکس ہیں ﴿وَیَقۡبِضُوۡنَ اَیۡدِیَہُمۡ﴾ اور روکتے ہیں اپنے ہاتھوں کو۔ جہاں خرچ کرنے کا موقع ہوتا ہے وہاں سے ہاتھ روکتے ہیں اور جہاں خرچ نہیں کرنا وہاں بے تحاشا خرچ کرتے ہیں۔ مسجد کی ضرورت کے لیے چندہ مانگو تو اس کے ماتھے پر بل پڑ جاتے ہیں اور منگنی اور شادی کے موقع پر ٹھاہ ٹھاہ کے لیے ہزاروں لاکھوں خرچ کر دیتے ہیں مشاہدے کی بات ہے۔ حالاں کہ یہ بڑے گناہوں میں سے ہے کیونکہ یہ تبذیر ہے یہ خرچ کرنا ناجائز ہے مگر ہماری عادت بن گئی ہے۔ سنت کے مطابق تو کوئی شادی ہوتی ہی نہیں ہے۔ اللہ معاف فرمائے۔ ﴿نَسُوا اللّٰہَ فَنَسِیَہُمۡ﴾ اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا پس اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو بھلا دیا۔ رب تعالیٰ بھولتا تو نہیں ہے اس کی شان ہے ﴿وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا﴾ [مریم: ۶۴] "تیرا رب

بھولنے والانہیں ہے۔" تو نَسِیَ کا معنٰی ہے رب تعالیٰ نے ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا ہے کہ جو کرتے ہیں کرتے رہیں۔ اُنھوں نے رب تعالیٰ کے قرآن واحکام کو بھلا دیا رب تعالیٰ نے بھی ان کی پروانہیں کی ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ بے شک منافق لوگ وہی ہیں نافرمان لوگ۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں آنحضرت ﷺ کی نافرمانی کرتے ہیں ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ﴾ وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں کے ساتھ اور کافروں کے ساتھ ﴿نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ جہنم کی آگ کا ہمیشہ رہیں گے اس میں ﴿هِیَ حَسْبُهُمْ﴾ یہ ان کو کافی ہے۔

نارِ جہنم کی شدت

یہ دنیا کی آگ اُس آگ کے مقابلے میں نرم ہے مگر اس میں لوہا تانبا پگھل جاتا ہے، پتھر جل جاتے ہیں، ساری دھاتیں پگھل جاتی ہیں اور وہ آگ اس سے انہتر گنا زیادہ تیز ہے۔ اگر اس آگ میں لے جا کر مارنا مقصود ہو تو ایک شعلہ ہی کافی ہے۔ لیکن وہاں تو سزا بھگتنی ہے کہ ﴿لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی﴾ [سورۃ الاعلیٰ:۱۳] "وہ نہ مرے گا اس دوزخ میں اور نہ ہی وہ زندہ رہے گا۔" دعائیں کریں گے ﴿یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَ﴾ [الحاقۃ:۲۷] "کاش کہ موت مجھے ختم کر دیتی۔" اور پکاریں گے ﴿یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ﴾ [الزخرف:۷۷] "اے مالک چاہیے کہ فیصلہ کر دے ہم پر تمہارا پروردگار ﴿قَالَ﴾ وہ کہے گا ﴿اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ﴾ بے شک تم رہنے والے ہو۔" مالک (علیہ السلام) جہنم کے انچارج فرشتے کا نام ہے اور جنت کے انچارج فرشتے کا نام رضوان ہے۔ ان کے ماتحت بے شمار فرشتے ہیں۔ سارے جہنمی مل جل کر مالک علیہ السلام سے کہیں گے کہ اے مالک! اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ ہمیں ذلیل کر کے مار ہی دے۔ وہ یہ بھی کہیں گے تمہارے پاس پیغمبر نہیں آئے تھے، کتابیں نہیں آئی تھیں، حق کی آواز پہنچانے والے نہیں آئے تھے؟ جہنمی کہیں گے آئے تھے ﴿وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا﴾ [فاطر:۳۷] "اور وہ چلائیں گے اس کے اندر۔" لیکن ﴿وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ﴾ [المومن:۵۰] "اور نہیں ہے پکار کافروں کی مگر ناکامی میں۔" یعنی کافروں کی دعاؤں کا نتیجہ برآمد نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ اس حالت سے بچائے اور سب سے زیادہ سخت عذاب منافقوں کو ہوگا ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ [النساء:۱۴۵] "بے شک منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔" جس میں سب سے زیادہ سزا ہوگی۔ آگ کے علاوہ ان کو بچھو ڈسیں گے اور ایک ایک بچھو خچر کے برابر ہوگا ایک ڈنک مارے گا تو ساری عمر اس کی جلن نہیں جائے گی اور سانپ ڈسیں گے، فرشتے ہتھوڑے ماریں گے، بھوک پیاس ہوگی اور ضریع جیسی خاردار جھاڑیاں کھانا پڑیں گی، پیاس لگے گی تو پیشاب اور غلاظت ان کو پلائی جائے گی۔ آج کوئی انسان اس کا تصور نہیں کر سکتا۔

﴿وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ﴾ اور ان کے لیے دائمی عذاب ہوگا کبھی بھی عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان منافقوں کو خطاب کر کے فرماتے ہیں ﴿كَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ان لوگوں کی طرح جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ تمہارا طریقہ بھی اُنھی کی طرح ہے اور یاد رکھو ﴿كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً﴾ تم سے زیادہ سخت تھے قوت

ہیں، قدان کے بڑے بڑے تھے، بدنی قوت میں بھی بڑے مضبوط تھے اور للکارتے تھے ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ [حم سجدہ:۱۵] "ہم سے زیادہ کون طاقت ور ہے۔" ایسے بھی تھے کہ پتھر کو ہاتھ میں پکڑتے تھے تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیتے تھے ﴿وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ﴾ [الشعراء:۱۳۰] "اور جب تم ہاتھ ڈالتے ہو کسی پر تو گرفت کرتے ہو ظلم کے ساتھ۔" تو اتنے مضبوط اور طاقتور تھے۔ ﴿وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا﴾ اور زیادہ تھے مالوں میں اور اولاد میں۔

قارون کا قصہ

قارون کا قصہ قرآن کریم میں آتا ہے۔ نام اس کا منور تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا اور کتابوں میں بھی اس بات کی تصریح ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے بعد توریت کا سب سے زیادہ ماہر تھا۔ کلمہ پڑھتا تھا، نمازیں پڑھتا تھا مگر دل سے صاف نہیں تھا اور اتنا مال دار تھا کہ اس کے خزانوں کی چابیاں ایک اچھی خاصی جماعت اُٹھاتی تھی۔ سورۃ قصص آیت ۷۶ میں ہے ﴿اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ﴾ "بے شک اس کی چابیوں سے تھکتے کئی مرد طاقتور۔" پھر وہ شرارتوں پر اُتر آیا یہاں تک کہ بدقماش بازاری عورت کو کچھ رقم دی کہ تو موسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگا کہ اس نے میرے ساتھ برا کام کیا ہے۔

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام بیان کر رہے تھے کہ مجمع میں وہ اُٹھ کر کھڑی ہوگی اور پڑھا ہوا سبق سنا دیا۔ موسیٰ علیہ السلام حیران ہو گئے کہ یہ کیا کہہ رہی ہے؟ اور مخلص مومن بھی بڑے حیران ہوئے کہ یہ کس بات کی نسبت موسیٰ علیہ السلام کی طرف کر رہی ہے حالاں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے معصوم پیغمبر ہیں۔ مگر جو شریر قسم کے لوگ تھے اُنھوں نے کہا کہ بڑے صحت مند موٹے تازے آدمی ہیں ایسی حرکت ہوگئی ہو تو کیا بعید ہے۔ مجلس میں تو ہر قسم کے لوگ موجود ہوتے ہیں اچھے بھی بُرے بھی۔ موسیٰ علیہ السلام فوراً سجدے میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کی اے پروردگار! یہ بنی اسرائیل کا بھرا مجمع ہے اور اس میں ہر طرح کے لوگ موجود ہے اور یہ عورت مجھے کہہ رہی ہے کہ آپ نے فلاں رات میرے ساتھ بُرا کام کیا ہے۔ مخلص لوگ اس کی نہیں مانیں گے اور جو غیر مخلص ہیں وہ کہیں گے کہ ہو سکتا ہے کیوں کہ انسان ہیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اس عورت سے کہو کہ صحیح بات بتا دے ورنہ ابھی رب تعالیٰ کا عذاب آئے گا۔ وہ ڈر گئی اور کہنے لگی کہ میں نہیں بولتی یہ رقم کی تھیلی جو مجھے قارون نے دی ہے یہ بول رہی ہے۔ آپ نے میرے ساتھ کوئی برائی نہیں کی یہ دس ہزار روپیہ بول رہا ہے۔ وہ تائب ہو کر الگ ہوگئی۔

جب وہ شرارتوں میں اس حد تک آگے چلا گیا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ﴾ [القصص:۸۱] "پس ہم نے دھنسا دیا اس قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں۔" اس کی بڑی کوٹھی تھی اور نوکروں کے کوارٹر تھے، بڑا پھیلا ہوا عملہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو زمین میں دھنسا دیا۔

تو فرمایا کہ وہ لوگ تم سے مال میں بھی زیادہ تھے اور اولاد میں بھی ﴿فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ﴾ پس اُنھوں نے فائدہ اٹھایا اپنے حصے کا۔ یعنی اس وقت کے جو منافق اور کافر تھے ﴿فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ﴾ پس تم نے فائدہ اٹھایا اپنے حصے کا۔ جو رزق

تمہارے مقدر میں ہے کھاپی رہے ہو۔رزق کا دروازہ اللہ تعالیٰ کافروں پر بھی بند نہیں کرتا ﴿وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ﴾[نور:۳۸] "رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔"

کافر لوگ غلط فہمی میں مبتلا تھے کہتے تھے کہ ہمارے پاس رزق زیادہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہم پر راضی ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں اور تم بھوکے مرتے ہو معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ تم پر ناراض ہے۔قرآن پاک میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ہے کہ رزق کا مسئلہ علیحدہ ہے۔اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور خوشی کے ساتھ نہیں ہے۔وہ رزق نیکوں کو بھی دیتا ہے اور بُروں کو بھی دیتا ہے۔ایمان کی دولت صرف اپنے پیاروں کو دیتا ہے۔صحیح حدیث میں ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ يُّحِبُّ وَمَنْ لَّا يُحِبُّ "بے شک اللہ تعالیٰ دنیا دیتا ہے اس کو جس کے ساتھ محبت کرتا ہے اور اس کو بھی کہ جس کے ساتھ محبت نہیں کرتا وَلَا يُعْطِي الْاِيْمَانَ اِلَّا مَنْ يُّحِبُّ "اور نہیں دیتا ایمان مگر اس کو جس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔" اور ایک روایت میں ہے وَلَا يُعْطِي الدِّيْنَ اِلَّا مَنْ يُّحِبُّ "اور دین نہیں دیتا مگر اس کو جس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔" یعنی رب تعالیٰ کی محبت کا معیار ایمان، اسلام، دین ہے۔جس کو اللہ تعالیٰ نے ایمان اور دین کی دولت سے نوازا ہے کہ اس میں دین کی تڑپ ہے دین وایمان کو دنیا پر مقدم رکھتا ہے وہ سمجھ لے کہ رب تعالیٰ مجھ سے راضی ہے اور اللہ تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے اور جس کے پاس دولت زیادہ ہے اور دین وایمان سے محروم ہے وہ قطعاً اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ رب تعالیٰ مجھ سے راضی ہے۔

تو فرمایا کہ تم نے فائدہ اٹھایا ﴿كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ جس طرح کہ فائدہ اٹھایا ان لوگوں نے جو تم سے پہلے تھے ﴿بِخَلَاقِهِمْ﴾ اپنے حصے کا ﴿وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا﴾ اور شغل کیا تم نے جیسا کہ شغل کیا اُنھوں نے۔وہ شغل کیا تھا؟ کفر کی حمایت اور حق کی مخالفت، بُرے کام کرنے اور اچھے کاموں سے روکنا۔جو اُنھوں نے کیا تم بھی وہی کر رہے ہو۔وہ دنیاوی طور پر نیکی کے کام بھی کرتے تھے کہ راستہ بنا دیا، کنواں کھدوا دیا، مسافروں کو کھانا کھلاتے، صدقہ خیرات کرتے۔کافر، منافق یہ کام دکھلاوے کے طور پر کرتے تھے۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ یہی لوگ ہیں جن کے اعمال اکارت ہو گئے ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔جو نیکی کے کام اُنھوں نے کیے، کسی غریب کی ہمدردی کی، مالی معاونت کی، کسی بیمار کا علاج کرایا، کسی گرے ہوئے کو سہارا دیا وغیرہ تمام نیکیاں ختم ہو گئیں۔کیوں کہ نیکیوں کی قبولیت کا مدار ایمان، اخلاص اور اتباع سنت رسول ﷺ ہے جو نیکی ایمان، اخلاص، اتباع سنت کے بغیر ہو گی اس کا نہ دنیا میں کوئی فائدہ ہے اور نہ آخرت میں۔﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ اور یہی لوگ ہیں نقصان اٹھانے والے۔اللہ تعالیٰ نے نیکی اور بدی کا راستہ بتلا کر خبردار کر دیا ہے۔

﴿اَلَمْ یَاْتِهِمْ﴾ کیا نہیں آئی ان کے پاس ﴿نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ خبر ان لوگوں کی جو ان سے پہلے گزرے ہیں ﴿قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ﴾ نوح علیہ السلام کی قوم کی خبر اور قوم عاد کی خبر اور قوم ثمود کی خبر ﴿وَقَوْمِ اِبْرٰهِیْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْیَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ﴾ اور ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی خبر اور مدین والوں کی خبر اور ان بستیوں کی خبر جو الٹ دی گئیں ﴿اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ﴾ آئے ان کے پاس رسول واضح دلائل کے ساتھ ﴿فَمَا كَانَ اللّٰهُ﴾ پس نہیں تھا اللہ تعالیٰ ایسا ﴿لِیَظْلِمَهُمْ﴾ کہ ان پر ظلم کرتا ﴿وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ﴾ اور لیکن تھے وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ﴾ اور مومن مرد اور مومن عورتیں ﴿بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ﴾ ان میں سے بعض بعض کے دوست ہیں ﴿یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ حکم کرتے ہیں وہ نیکی کا ﴿وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ اور روکتے ہیں برائی سے ﴿وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ اور قائم کرتے ہیں نماز کو ﴿وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ اور دیتے ہیں زکوٰۃ ﴿وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور اطاعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ﴿اُولٰٓىِٕكَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ﴾ یہی لوگ ہیں کہ عنقریب ان پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے مومن مردوں کے ساتھ اور مومن عورتوں کے ساتھ ﴿جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ باغات کہ جاری ہوں گی ان کے نیچے نہریں ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ ہمیشہ رہیں گے ان باغوں میں ﴿وَمَسٰكِنَ طَیِّبَةً﴾ اور پاکیزہ مکانات کا وعدہ کیا ہے ﴿فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ﴾ رہنے کے باغوں میں ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندگی تو سب سے بڑی ہے ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ یہی بڑی کامیابی ہے۔

منافقوں کو پہلی قوموں سے عبرت حاصل کرنی چاہیے

اس سے قبل منافقوں کی نشانیاں، علامات اور ان کے کردار کا ذکر تھا کہ منافق مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں اور برائی کا حکم کرتے ہیں اور نیکی سے روکتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ ان کو تنبیہ فرماتے ہیں کہ ان کے پاس نافرمان قوموں کی خبر نہیں آئی؟ ان کا انجام کیا ہوا۔ ﴿اَلَمْ یَاْتِهِمْ﴾ کیا نہیں آئی ان کے پاس ﴿نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ خبر ان لوگوں کی جو ان سے پہلے گزرے ہیں ﴿قَوْمِ نُوْحٍ﴾ نوح علیہ السلام کی قوم کی خبر۔ کہ ان کی قوم نے نافرمانی کی اللہ تعالیٰ نے ان کو سیلاب میں تباہ و برباد کیا۔ رب تعالیٰ کی قدرت اب بھی اسی طرح ہے جس طرح پہلے تھی۔ ﴿وَّعَادٍ﴾ اور عاد قوم کی خبر کہ انھوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی مخالفت کی۔ اللہ تعالیٰ نے تیز و تند ہوا ان پر چھوڑ دی سات دن اور آٹھ راتیں کہ ان میں سے ایک بھی نہ

بچا ﴿وَ ثَمُوْدَ﴾ اور ثمود قوم کی خبر کہ زلزلے نے ان کو آ پکڑا اور چیخ نازل ہوئی۔ ان کے جگر پھٹ گئے اور ہر چیز تہہ و بالا ہو گئی اور پوری کی پوری قوم تباہ ہو گئی ﴿وَ قَوْمِ اِبْرٰهِیْمَ﴾ اور ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی خبر کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔

ان کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح تباہ کیا کہ نمرود ابن کنعان نے ایک بہت بڑی بلڈنگ بنائی تھی اس میں الگ الگ کمرے تھے۔ کوئی کمرہ شراب نوشی کے لیے مخصوص تھا، کوئی جوے کے لیے مخصوص تھا، کوئی بے حیائی کے لیے مخصوص تھا، کوئی کسی کام کے لیے اور کوئی کسی کام کے لیے یہ سارے لوگ اس میں اکٹھے تھے اور اپنی اپنی خواہشات کو پورا کرنے میں لگے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آیا بلڈنگ گری سب کے سب تباہ ہو گئے ﴿وَ اَصْحٰبِ مَدْیَنَ﴾ اور مدین والوں کی خبر۔ مدین شہر کا نام بھی تھا اور قوم کا نام بھی تھا۔ ان کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ اس قوم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت گرمی مسلط فرمائی کہ آسانی سے سانس بھی نہیں لے سکتے تھے بادل کا ایک ٹکڑا آیا کچھ لوگ اس کے نیچے جا کر کھڑے ہوئے اور دوسروں کو بھی آواز دی کہ یہاں سانس آسانی سے آتا ہے فوراً یہاں آ جاؤ۔ چنانچہ وہ ساری قوم اس بادل کے نیچے اکٹھی ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بادل میں سے آگ کے شعلے برسائے اور سب کے سب تباہ ہو گئے۔

﴿وَ الْمُؤْتَفِكٰتِ﴾ اور ان بستیوں کی خبر جو الٹ دی گئیں۔ یہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں تھیں ﴿جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا﴾ [ہود: ۸۲] جبرئیل علیہ السلام نے آ کر زمین پر پر مارے اور زمین کو اٹھا کر الٹا کر دیا اور وہ سب لوگ ہلاک کر دیے گئے۔ فرمایا کہ ان قوموں کا حال ان منافقوں کے پاس نہیں پہنچا کہ یہ اس سے عبرت حاصل کریں۔ ﴿اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ﴾ آئے ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل کے ساتھ۔ معجزات لے کر آئے مگر انھوں نے ایک نہ سنی اور ہلاک ہوئے ﴿فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ﴾ پس نہیں تھا اللہ تعالیٰ ایسا کہ ان پر ظلم کرتا ﴿وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ﴾ اور لیکن تھے وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے کہ نافرمانیاں کیں اور ان کی سزا بھگتی۔ اللہ تعالیٰ تو کسی پر رائی کے دانے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔

مومنوں کے اوصاف

آگے مومنوں کے متعلق بیان ہے ﴿وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ﴾ اور مومن مرد اور مومن عورتیں بعض ان میں سے بعض کے دوست ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ الفت، محبت، خیر خواہی اور ہمدردی ان کا کام ہے۔ اور ان کا کیا کام ہے ﴿یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ حکم کرتے ہیں وہ نیکی کا۔ جس طرح نیکی کرنا اور نیکی کا حکم کرنا مردوں کے ذمہ ہے اسی طرح نیکی کرنا اور نیکی کا حکم کرنا عورتوں کے بھی ذمہ ہے۔ عورتیں یہ نہ سمجھیں کہ تبلیغ کرنا اور مسائل کا بتانا صرف مردوں کا کام ہے عورتوں کی بھی ذمہ داری ہے۔ اب تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دین بڑا آسان ہو گیا ہے اللہ والوں نے اردو زبان میں کتابیں لکھ کر آسان کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبروں پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔ بہشتی زیور گھر میں ہو اس کو خود بھی پڑھیں، بچوں کو پڑھ کر سنائیں، دوسری عورتوں کو پڑھ کر سنائیں تو ان کی اصلاح ہو جائے گی، آخرت بن جائے گی۔

﴿وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ اور روکتے ہیں برائی سے۔ برائی سے روکنا جس طرح مردوں کا کام ہے اسی طرح عورتوں کا بھی کام ہے ﴿وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ اور قائم کرتے ہیں نماز کو۔ مومن مرد بھی اور مومن عورتیں بھی اور صرف خود ہی قائم نہیں کرتے بلکہ اپنے اہل وعیال کو بھی اس کی تاکید کرتے ہیں اور ان کی نماز کا بھی خیال رکھتے ہیں ﴿وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ اور دیتے ہیں زکوٰۃ۔

جس طرح مردوں پر زکوٰۃ ہے اگر عورتیں بھی صاحب نصاب ہوں تو ان پر بھی زکوٰۃ ہے۔ شریعت نے عورت کے وجود کو تسلیم کیا ہے۔ عورت کو جو مال جہیز میں ملتا ہے تحفہ تحائف ملتے ہیں ان چیزوں کی عورت خود مالک ہوتی ہے اس کی اجازت کے بغیر اس کے مال کو نہ ساس خرچ کر سکتی ہے نہ خسر، حتی کہ خاوند جس کا عورت پر بہت زیادہ حق ہے وہ بھی بیوی کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر خرچ نہیں کر سکتا۔ شریعت نے عورت کے حق کا اتنا لحاظ کیا ہے۔

لہٰذا عورت پر باقاعدہ زکوٰۃ، قربانی، فطرانہ ہے اور ان احکام پر عمل کرنے میں وہ خاوند کی اجازت کی بھی محتاج نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ فرضِ عین ہے جس طرح نماز، روزہ فرض عین ہیں۔ اور نماز، روزہ کی ادئیگی کے لیے خاوند سے اجازت کی ضرورت نہیں ہے ہاں! نفلی روزے اگر عورت رکھنا چاہے تو ان کے لیے خاوند کی اجازت کی ضرورت ہے اگرچہ وہ بیمار بھی نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور وہ اطاعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی۔ جس طرح اطاعت مردوں کے لیے ہے اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ہے، جس طرح دین مردوں کے لیے ہے اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ہے، جس طرح قرآن مردوں کے لیے اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ہے، جس طرح آنحضرت ﷺ کی سنت مردوں کے لیے ہے اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ہے۔ ﴿أُولٰٓئِكَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ﴾ یہی لوگ ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ عنقریب رحم فرمائے گا ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔

مومنوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ

پہلے تم پڑھ چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں اور کافروں کے ساتھ دوزخ کی آگ کا وعدہ کیا تھا اور فرمایا کہ ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اب اس وعدے کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ساتھ کیا ہے ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے مومن مردوں کے ساتھ اور مومن عورتوں کے ساتھ ﴿جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ﴾ باغات کہ جاری ہوں گی ان کے نیچے نہریں۔ سرزمین عرب بڑی خشک ہے ان لوگوں کے لیے پانی بڑی نعمت تھا اور ہے۔ سایہ ان لوگوں کے لیے بڑی نعمت تھا اور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کا مفہوم سمجھانے کے لیے فرمایا وہاں بڑے بڑے گھنے باغ ہوں گے ﴿ظِلًّا ظَلِیْلًا﴾ [النساء:۵۷] وہاں نہریں چل رہی ہوں گی۔ تاکہ وہ آسانی کے ساتھ سمجھ سکیں کہ جنت کتنی عیش کا مقام ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ﴿وَلَهُمْ مَّا یَشْتَهُوْنَ﴾ [النحل:۵۷] "اور ان کے لیے جنت میں وہ کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے۔" یہ تو موٹی موٹی چیزیں اللہ تعالیٰ نے بتلائی ہیں۔

روایات میں آتا ہے کہ اگر کوئی پرندہ کسی کو بہت بلندی پر اُڑتا ہوا نظر آئے گا اور وہ خیال کرے گا کہ یہ میری خوراک بن جائے ارادہ کرتے ہی وہ سامنے بھنا ہوا پڑا ہوگا۔ بہت بلند درختوں پر پھل لگے ہوں گے جنتی پھل کھانے کا ارادہ کرے گا اس کی ٹہنی خود بخود جھک جائے گی ﴿قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ﴾ [الحاقۃ: ۲۳] اس کو اُٹھ کر توڑنے کی ضرورت نہیں پیش آئی گی ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ہمیشہ رہیں گے ان باغوں میں۔ جو خوش نصیب، نیک بخت، سعادت مند جنت میں داخل ہوگا وہ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہے گا وہاں سے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور جنت میں کتنا عرصہ رہے گا؟ سو سال، ہزار سال، لاکھ سال، کروڑ سال، ارب سال، کھرب سال، پدم سال، نہیں نہیں اس کی انتہاء ہی کوئی نہیں ہے اور یہ دنیا کی زندگی تو تھوڑی سی زندگی ہے اس میں آخرت بنالو معلوم نہیں کس وقت ختم ہو جائے۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ابھی جوان ہوں بوڑھا ہو کے مروں گا یا میں تندرست ہوں بیمار ہو کر مروں گا تو غلط فہمی کا شکار ہے جوان بھی مر رہے ہیں اور تندرست بھی مر رہے ہیں۔

میں نے بارہا یہ بات کہی ہے اور اب بھی کہتا ہوں کہ یہ ہمارا دور تو حادثاتی دور ہے اس دور میں کوئی شخص رات کو گھر آجائے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، دو رکعت نفل پڑھے کہ اے پروردگار! تیرا شکر ہے کہ میں خیریت سے گھر آ گیا ہوں۔ روڈ وسلطان ضلع جھنگ میں دو تین دن پہلے کا واقعہ ہے کہ پٹرول کی ٹینکی پھٹی تیل بہنے لگ گیا لوگ پٹرول مختلف برتنوں میں بھرنے لگ گئے، پٹرول کو آگ لگ گئی تقریباً سو آدمی جل کر مر گئے۔ کس کام میں مصروف تھے، کس حالت میں مرے؟ چوری کی حالت میں مرے۔ اللہ تعالیٰ سب کو معاف فرمائے اللہ تعالیٰ کی رحمت بڑی وسیع ہے مگر ہم نے رحمت والا کوئی کام ہی نہیں کیا۔ اس واقعہ سے عبرت حاصل کرو ان کو وہم بھی نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ساتھ وعدہ کیا ہے باغوں کا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ﴿وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً﴾ اور پاکیزہ مکانات کا وعدہ کیا ہے۔ جو بڑے ستھرے ہوں گے، نہ مکھی ہوگی، نہ مچھر ہوگا، نہ کیڑا مکوڑا ہو گا۔ ان کی صحیح کیفیت کا آج تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ ﴿فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ﴾ رہنے کے باغوں میں (گویا وہ باغ سدابہار ہوں گے)۔ یہ جو دنیا کے باغ ہیں ان پر کبھی پھل ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا جنت کے باغوں کی یہ خوبی ہے کہ پھل توڑیں گے ساتھ ہی لگ جائے گا ﴿لَا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ﴾ [واقعہ: ۳۳] نہ وہ قطع کیے جائیں گے اور نہ روکے جائیں گے۔ نہ وہاں کے درختوں کے پتے جھڑیں گے نہ خشک ہوں گے۔

رضائے الٰہی سب سے بڑی کامیابی ہے!

مومن مردوں اور عورتوں کو اور کیا ملے گا؟ فرمایا ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی تو سب سے بڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس پر راضی ہو جائے بہت بڑی بات ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے یہ لقب اور سند دنیا ہی میں عطا فرمادی ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ "اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔" ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

الْعَظِيمُ ﴾ یہی بڑی کامیابی ہے۔ کہ آدمی سے رب راضی ہو جائے، بندہ خدا کے غضب سے بچ جائے، جنت میں پہنچ جائے، جنت کی نعمتیں حاصل ہوں، اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ تمام مومنین اور مومنات کو نصیب فرمائے۔ لیکن اس نعمت کے حاصل کرنے کے لیے محنت کی ضرورت ہے مفت میں نہیں ملتی۔

﴿يَآيُّهَا النَّبِيُّ ﴾ اے نبی ﷺ! ﴿ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ﴾ آپ جہاد کریں کافروں اور منافقوں کے ساتھ ﴿وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ﴾ اور ان پر سختی کریں ﴿وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے ﴿وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا﴾ وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں اٹھاتے ہیں کہ انھوں نے کچھ نہیں کہا ﴿وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ﴾ اور البتہ تحقیق انھوں نے کہی ہے کفر کی بات ﴿وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ﴾ اور کفر کیا انھوں نے اسلام ظاہر کرنے کے بعد ﴿وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا﴾ اور انھوں نے ارادہ کیا اس چیز کا جس کو وہ پا نہ سکے ﴿وَمَا نَقَمُوْٓا﴾ اور انھوں نے نہیں بدلہ لیا ﴿اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ﴾ مگر اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو غنی کر دیا اور اس کے رسول ﷺ نے بھی ﴿مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اپنے کرم سے ﴿فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ پس اگر وہ توبہ کر لیں تو بہتر ہوگا ان کے لیے ﴿وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا﴾ اور اگر اعراض کریں گے يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ تو سزا دے گا اللہ تعالیٰ ان کو دردناک سزا ﴿فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ دنیا میں اور آخرت میں ﴿وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ اور نہیں ہوگا ان کے لیے زمین میں ﴿مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔

کافروں اور منافقوں کا آپ ﷺ کی نرمی سے غلط فائدہ اٹھانا

آنحضرت ﷺ مجسمۂ اخلاق اور بڑے نرم مزاج تھے اتنا کہ کافر آپ ﷺ کے منہ پر کہتے تھے کہ تم بڑے جھوٹے اور جادوگر ہو، کبھی کہتے تم پاگل ہو، دیوانے ہو، کبھی کہتے تم اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے ہو اور کبھی کہتے تم کاہن فال نکالنے والے ہو۔ عجیب عجیب قسم کی باتیں کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ ان کی یہ ساری باتیں سن کر درگزر فرماتے اور ان کا کوئی جواب نہ دیتے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾ "پس اللہ تعالیٰ کی رحمت سے آپ ان کے لیے نرم ہیں ﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ﴾ اور اگر آپ سخت مزاج تنگ دل ہوتے ﴿لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ [آل عمران: ۱۵۹] تو یہ لوگ آپ کے اردگرد سے پراگندہ ہو جاتے۔" ظاہر بات ہے کہ جو آدمی سخت مزاج اور لڑاکا ہوتا ہے اس کے قریب کوئی نہیں جاتا۔ نرم مزاج، اخلاق والا ہو تو اس کے پاس لوگ بیٹھتے ہیں تو کافر اور منافق آپ ﷺ کی نرمی سے غلط فائدہ اٹھاتے تھے اور غلط باتیں کر

جاتے تھے۔ چنانچہ یہودی آکر کہتے اَلسَّامُ عَلَیْكَ درمیان سے لام کھا جاتے، اس کا معنیٰ ہے تیرے اُوپر موت پڑے۔

ایک دفعہ اس طرح ہوا کہ ایک یہودی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اُم المؤمنین پردے کے پیچھے چلی گئیں اتنے زیادہ کمرے تو نہیں ہوتے تھے کہ ان کو الگ بٹھاتے وہی حجرہ ہوتا تھا پردہ لٹکتا تھا جب مرد آتے تو عورتیں پردے کے پیچھے چلی جاتی تھیں۔ تو یہودی نے کہا اَلسَّامُ عَلَیْكَ آپ ﷺ نے فرمایا عَلَیْكَ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پیچھے سے فرمایا عَلَیْكَ السَّامُ وَ اللَّعْنَةُ تجھ پر موت اور لعنت پڑے۔ یہودی جب اپنی بات کر کے چلا گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا عائشہ! تو بڑے غصے میں تھی۔ کہنے لگیں حضرت! آپ نے سنا نہیں اس نے کیا کہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے جو جواب دیا وہ تو نے نہیں سنا میں نے کہا عَلَیْكَ تجھ پر پڑے۔ بس جواب پورا ہو گیا مزید کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ تو آپ ﷺ کی نرمی سے لوگ بڑا غلط فائدہ اُٹھاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ کافروں اور منافقوں کے ساتھ اتنی نرمی کی ضرورت نہیں ہے۔

کافروں کے ساتھ جہاد بالسیف ہے اور منافقوں کے ساتھ باللسان ہے

ارشادِ ربانی ہے ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ﴾ اے نبی ﷺ! آپ جہاد کریں کافروں اور منافقوں کے ساتھ۔ کافروں کے ساتھ جہاد تلوار کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوا تھا اور منافقوں کے ساتھ جہاد زبان کے ساتھ ہوتا ہے تلوار سے نہیں۔ بخاری شریف میں روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر کہا حضرت! ہم کافروں کے ساتھ لڑنے کے لیے دور دراز کے محاذوں پر جاتے ہیں اور یہ منافق لوگ ہمارے قریب ہیں ہم ان کے ساتھ جہاد کر کے تلوار کے ساتھ ان کا صفایا نہ کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کے ساتھ تلوار کا جہاد نہیں کرنا اِنَّ النَّاسَ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ مُحَمَّدًا یَقْتُلُ اَصْحَابَهٗ "لوگ کہیں گے کہ بے شک محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔" کیوں کہ بہ ظاہر یہ کلمہ پڑھتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں عوام سطحی ہوتے ہیں وہ ان کی منافقت کو نہیں جانتے لہٰذا اگر ان کو قتل کیا گیا تو عوام پر اس کا برا اثر پڑے گا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کچھ لوگ جو نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں وہ بددل ہو جائیں گے اور دوسرے لوگ مسلمان نہیں ہوں گے۔

زبانی جہاد کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ کوئی بات کریں تو ان کو معقول طریقے سے ایسا جواب دو کہ جو منہ توڑ ہو کہ پھر ایسی بات نہ کر سکیں ﴿وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ﴾ اور ان پر سختی کریں۔ سختی کا یہ مطلب نہیں کہ گالیاں دو۔ نہیں بلکہ بات معقول ہو اور لہجہ اور انداز ایسا ہو کہ اس کو پتا چلے کہ یہ سخت بات کر رہا ہے۔ بالکل نرمی کرو گے تو یہ اس سے غلط فائدہ اٹھائیں گے ﴿وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ﴾ اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے ﴿وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ﴾ اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر صحیح العقیدہ مسلمان کو دوزخ سے بچائے گا۔

منافقوں کی ایک سازش کا تذکرہ

آگے منافقوں کے ایک واقعہ کا ذکر ہے۔ وہ اس طرح کہ غزوہ تبوک ۹ ھ رجب کے مہینے میں پیش آیا۔ چند منافق بھی اس غزوہ میں شریک تھے۔ اُنھوں نے راستے میں بھی شرارتیں نہیں چھوڑیں۔ اس سے پہلی آیات میں تم پڑھ چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ

کی ذات کے ساتھ مذاق، آنحضرت ﷺ کی ذات کے ساتھ ٹھٹھا، قرآن کریم کے ساتھ مخول کرتے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ تو کہنے لگے کہ ہم تو صرف دل لگی کر رہے تھے کہ راستہ طے ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ تم ٹھٹھا کرتے ہو، تمہارے مسخرے کے لیے یہی رہ گئے تھے۔

اس غزوہ میں منافقوں کا یہ ذہن تھا کہ آپ ﷺ زندہ بچ کر واپس نہیں آئیں گے اور نہ ہی ان کے ساتھی زندہ بچیں گے۔ کیونکہ رومیوں کی بے شمار فوج ہے ان کے ساتھ مقابلے کے بعد یہ کیسے زندہ واپس آسکتے ہیں؟ یہ خیال ذہن میں جما کر وہ بہت خوش تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت اور شان کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے تمام ساتھی زندہ واپس آگئے سوائے ایک دو ساتھیوں کے کہ وہ طبعی طور پر دورانِ سفر میں فوت ہو گئے تھے باقی ان میں کوئی ضائع نہیں ہوا۔

جب آپ ﷺ مدینہ طیبہ کے قریب آگئے تو منافق پریشان ہو گئے تو منافقوں نے آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ دریافت کیا کہ آپ ﷺ کس راستے سے واپس آ رہے ہیں اور آپ ﷺ کے ساتھ کون کون ہیں؟ بتایا گیا کہ آپ ﷺ فلاں راستے سے آ رہے ہیں اور آپ ﷺ کے ساتھ عمار ابن یاسر اور حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہما ہیں۔ مسلم شریف کی روایت میں بارہ تیرہ اور چودہ پندرہ کا ذکر ہے۔ رات کا وقت تھا نہ کھلی روشنی تھی اور نہ بالکل اندھیرا تھا ان تیرہ چودہ منافقوں نے نقاب پہن رکھے تھے تاکہ ہم پہچانے نہ جائیں اور ایک درے کے پاس چھپ کر بیٹھ گئے کہ جب آپ ﷺ یہاں سے گزریں تو اچانک حملہ کر کے آپ ﷺ کا کام تمام کر دیں۔ آپ ﷺ سواری پر تھے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سواری کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ سواری کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چل رہے تھے۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے آدمیوں کی آہٹ محسوس کی کہ کچھ آدمی ہیں دیکھا تو واقعی ایک گروہ تھا جو آپ ﷺ پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ایسی جرأت اور ہمت عطا فرمائی کہ تلوار لے کر ان کو للکارا۔ وہ دوڑ پڑے یہ ان کے پیچھے دوڑے دور تک تعاقب کرنے کے بعد واپس آئے۔ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ رہے کہ ایسا نہ ہو کہ تنہائی میں آپ ﷺ پر کوئی وار کر دے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ان منافقین کے نام بتائے کہ فلاں فلاں منافق تھا اور فرمایا کہ یہ تیرا میرا راز ہے کسی کو بتانا نہیں۔ اسی لیے ان کو صاحب سرّ رسول اللہ ﷺ کہا جاتا ہے۔

ان منافقوں میں ایک جلاس نامی آدمی بھی تھا بعد میں وہ تائب ہو کر رضی اللہ عنہ ہو گئے تھے۔ اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ان کے پیٹ میں مروڑ اٹھیں گے اور یہ اس بیماری کے ساتھ ختم ہو جائیں گے۔ ان منافقوں کا علم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی کو نہ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اگر کوئی مشہور مسلمان فوت ہوتا تو وہ بے کھٹکے اس کا جنازہ پڑھ لیتے تھے اور جس کے متعلق صحیح طور پر علم نہیں ہوتا تھا تو اس کے بارے میں پوچھتے تھے کہ حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ جنازے میں شریک ہیں یا نہیں؟ اگر

حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ ہوتے تو بے کھٹک جنازہ پڑھا دیتے اور اگر حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو تحقیق کرنے کے بعد جنازہ پڑھاتے کہ کہیں ان منافقوں میں سے کسی کا جنازہ نہ ہو۔ ان میں سے بعض کے متعلق لوگوں کو شبہ ہوا کہ ان لوگوں نے منصوبہ بنایا تھا کیونکہ یقینی طور پر تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں تھا۔ جن کے متعلق شبہ تھا ان سے پوچھا کہ تم نے یہ حرکت کرنے کی کوشش کی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق واہی تباہی قسم کی باتیں کی تھیں کہ مثلاً: یہ کہا ﴿هُوَ اَكَّالٌ﴾ یہ پیٹو ہے۔ خیبر کھا لیا، مکہ کھا لیا، عرب سارا کھا لیا اب رومیوں کو کھانے کے لیے جا رہا ہے کہ ان کو شکست دے کر ان کا مال کھائے اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ اور یاد رکھنا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ توہین بھی کفر ہے۔ مثلاً: اگر کوئی شخص حقارت کے طور پر کہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر میلی تھی تو فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں یہ شخص کافر ہو گیا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص تحقیراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کے متعلق کہے بالڑو، تو کافر ہو جائے گا۔ تو جب ان سے پوچھا گیا تو منکر ہو گئے اور قسمیں کھانے لگے اس کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا﴾ وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں اُٹھاتے ہیں کہ اُنھوں نے کچھ نہیں کہا ﴿وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ﴾ اور البتہ تحقیق اُنھوں نے کہی ہے کفر کی بات۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر کی اور مذاق اڑایا، معاذ اللہ تعالیٰ ﴿وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ﴾ اور انھوں نے کفر کیا اسلام ظاہر کرنے کے بعد کہ دل سے تو ایمان نہیں لائے تھے زبانی طور پر کلمہ پڑھتے تھے اور زبانی طور پر کلمہ پڑھنے کے بعد قولاً فعلاً یہ کفریہ کارروائی کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیٹو کے لفظ استعمال کیے اور عملاً یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کرنے کے درپے ہوئے۔ ﴿وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا﴾ اور اُنھوں نے ارادہ کیا اس چیز کا جس کو وہ پا نہ سکے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا ارادہ کیا اور کر نہ سکے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایسی جرأت کے ساتھ ان کو للکارا کہ یہ گیدڑوں کی طرح بھاگے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان میں ایسے لوگ بھی تھے کہ جو غریب اور مسکین تھے بھوکے مرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو زکوٰۃ، صدقات اور فطرانہ میں سے ان کی بڑی معاونت کی، بیت المال میں سے ان کی امداد کی۔ اس کا ذکر ہے۔

فرمایا ﴿وَ مَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اور اُنھوں نے نہیں بدلہ لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیب جوئی نہیں کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کارروائی نہیں کی مگر اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو غنی کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ، صدقات اور فطرانہ سے رقم دے کر اور بیت المال سے امداد کر کے ان کو مال دار کر دیا اپنے کرم۔ جس کا یہ بدلہ لے رہے ہیں۔

﴿فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ پس اگر وہ توبہ کر لیں تو بہتر ہو گا ان کے لیے۔ جس طرح جلاس نے سچے دل سے توبہ کی اور رضی اللہ عنہ ہو گئے۔ ﴿وَ اِنْ يَّتَوَلَّوْا﴾ اور اگر وہ توبہ سے اعراض کریں گے ﴿يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ﴾ تو سزا دے گا ان کو اللہ تعالیٰ دردناک سزا دنیا میں کہ جس وقت ان کے پیٹ میں مروڑ اُٹھتا تھا تو گدھے کی طرح زمین میں لیٹیاں لیتے

تھے اور چیخیں مارتے تھے۔ ایسی تکلیف سے اللہ تعالیٰ بچائے اور آخرت میں جو سزا ہوگی وہ علیحدہ ہے۔ ﴿وَ مَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ اور نہیں ہوگا ان کے لیے زمین میں ﴿مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ کوئی حمایتی کہ زبانی کلامی حمایت کرے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اس طرح کا بھی کوئی نہیں ہوگا اور نہ کوئی ان کا عملی طور پر مددگار ہوگا جب یہ رب تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ﴾ اور بعض ان منافقوں میں سے وہ ہیں جنھوں نے عہد کیا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ کہ اگر دے گا اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے ﴿لَنَصَّدَّقَنَّ﴾ تو ہم ضرور صدقہ خیرات کریں گے ﴿وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ اور البتہ ہم ضرور ہوں گے نیکوں میں سے ﴿فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ پس جب اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا اپنے فضل سے ﴿بَخِلُوْا بِهٖ﴾ تو انھوں نے بخل کیا اس میں ﴿وَ تَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ اور انھوں نے اعراض کیا اور وہ اعراض کرنے والے ہیں ﴿فَاَعْقَبَهُمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے پیچھے لگا دیا ﴿نِفَاقًا﴾ نفاق ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ ان کے دلوں میں ﴿اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ﴾ اس دن تک جس دن اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے ﴿بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ﴾ اس وجہ سے کہ انھوں نے خلاف ورزی کی اللہ تعالیٰ سے ﴿مَا وَعَدُوْهُ﴾ اس چیز کی جس کا انھوں نے وعدہ کیا تھا اللہ تعالیٰ سے ﴿وَ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ﴾ اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا﴾ کیا وہ نہیں جانتے ﴿اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان کی مخفی بات کو ﴿وَنَجْوٰىهُمْ﴾ اور ان کی سرگوشی کو ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ غیبوں کا جاننے والا ہے۔ ﴿اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ﴾ منافق وہ ہیں جو عیب لگاتے ہیں خوشی سے کرنے والوں پر ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ایمان والوں میں سے ﴿فِي الصَّدَقٰتِ﴾ صدقہ خیرات ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ﴾ اور ان لوگوں پر جو نہیں پاتے ﴿اِلَّا جُهْدَهُمْ﴾ مگر اپنی محنت ﴿فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ﴾ پس وہ مسخرہ کرتے ہیں ان کے ساتھ ﴿سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ مسخرہ کرے گا، بدلہ دے گا ٹھٹھے کا ﴿وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدعہدی کرنے والوں کا انجام !

منافقوں کی کارستانیاں اور ان کی تردید کا سلسلہ شروع ہے۔ مدینہ طیبہ میں ثعلبہ ابن ابی حاطب نامی ایک آدمی تھا اکثر تفسیروں میں اس کا نام ثعلبہ ابن حاطب لکھا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ ثعلبہ ابن حاطب رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں اور بدریوں

کے بارے میں یہ روایت بخاری، مسلم، تمام کتبِ صحاح میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ((اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ وَ قَدْ وَ جَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةُ)) "جوتمہارا جی چاہے کرو تحقیق میں نے تمھیں بخش دیا اور تمہارے لیے جنت واجب کردی ہے۔" تو بدریوں کی بخشش قطعی ہے۔ اسی طرح حدیبیہ والوں کے بارے میں الجامع الصغیر میں روایت ہے۔ یہ بھی حدیث کی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور جو صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے میں ان کو معاف کر چکا ہوں۔ لہٰذا یہ واقعہ ثعلبہ ابن حاطب کا نہیں بلکہ ثعلبہ ابن ابی حاطب کا ہے۔ کیوں کہ یہ واقعہ منافق کا ہے اور حافظ ابن حجر اور دیگر مفسرین اور محدثین کرام ﷭ نے تصریح فرمائی ہے کہ اس کا نام ثعلبہ ابن ابی حاطب ہے۔

اور آگے اسی سورۃ میں مسجد ضرار کا ذکر آرہا ہے جو منافقوں نے مسجد قبا کے پاس بنائی تھی یہ اس کے بانیوں میں شامل تھا۔ تو یہ ثعلبہ ابن ابی حاطب آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا حضرت! میں بھوکا مر رہا ہوں، فاقوں پہ فاقے آرہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا دنیا میں غربت بھی ہے اور امارت بھی ہے، بھوک بھی ہے پیاس بھی ہے، راحت بھی ہے، تکالیف بھی ہیں، برداشت کرو۔ کہنے لگا حضرت! برداشت سے باہر ہے دعا کرو اللہ تعالیٰ مجھے مال دے دے۔ آپ ﷺ نے اس کو سمجھایا کہ مال دولت میں فراوانی طلب نہ کرو مال کے بہت سارے حقوق ہیں آدمی اگر وہ حقوق ادا نہ کرے تو مال اس کے لیے وبال کا باعث ہوتا ہے۔ کہنے لگا اگر اللہ تعالیٰ مجھے مال دے تو میں صدقہ خیرات کروں گا اس کے ذریعے نیکیاں کماؤں گا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے لیے دعا کی اللہ تعالیٰ نیکوں کی دعا قبول فرماتے ہیں اگرچہ وہ اس میں مجبور نہیں ہے۔ چاہے تو نوح علیہ السلام کی دعا کو رد کر دے مگر بہ نسبت عام لوگوں کے نیکوں کی دعا زیادہ قبول کرتے ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی سے بڑھ کر خدا کی دنیا میں کون نیک ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا قبول فرمائی۔

ثعلبہ تاجر پیشہ آدمی تھا۔ بھیڑ، بکریاں، اُونٹ خریدے اس سے اس کو کافی مالی فائدہ ہوا اور اس کے پاس بھیڑ، بکریاں، اُونٹ اتنے زیادہ ہو گئے کہ مدینہ طیبہ میں نہ رکھ سکا باہر لے گیا۔ پہلے رات کی نماز گئی، پھر دن کی نماز گئی صرف جمعہ رہ گیا اور پھر رفتہ رفتہ جمعہ کی شرکت بھی ختم ہوگئی۔ بہر حال اس کے پاس کافی مال جمع ہوگیا اور مسئلہ یہ ہے کہ جانوروں کی زکوٰۃ، زمین کی پیداوار کا عشر، باغات کے پھل کا عشر، حکومت براہِ راست وصول کرتی ہے اور اموالِ باطنہ جیسے سونا چاندی، سامانِ تجارت ہے ان کی زکوٰۃ مالک خود ادا کرے گا شرعاً حکومت لینے کی مجاز نہیں ہے۔ ہاں! اگر واقعی طور پر کوئی ضرورت پیش آجائے تو وہ علیحدہ مسئلہ ہے۔

جب ضیاء الحق کے دور میں حکومت نے لوگوں کی زکوٰۃ کاٹنا شروع کی تھی تو ہم نے اس پر سخت تنقید کی تھی کہ حکومت اس کی مجاز نہیں ہے اور یہ کہ اپنے مصرف میں خرچ نہیں ہوگی اور ہم نے جو خدشات ظاہر کیے تھے وہ پورے ہوکر رہے اور زکوٰۃ کو مصرف پر خرچ کرنے کے بجائے اس رقم سے گلیاں، نالیاں بنتی رہیں۔ سو میں سے پانچ دس آدمی ہوں گے جنھوں نے صحیح جگہ پر خرچ کی ہو ورنہ کوئی اس رقم سے الیکشن لڑتا رہا اور کوئی کچھ کرتا رہا، کوئی کچھ کرتا رہا۔ قصہ یہ کہ جانوروں کی زکوٰۃ براہِ راست حکومت

وصول کرتی ہے۔

ثعلبہ کے مال پر جب سال گزر گیا تو آنحضرت ﷺ نے آدمی بھیجا کہ ثعلبہ سال پورا ہو گیا ہے جانوروں کا حساب کر کے زکوۃ دو۔ ثعلبہ ابن ابی حاطب نے آپ ﷺ کے نمائندے کو کہا میں نے ابھی حساب نہیں کیا تم کل آنا، اگلے دن پھر یہی کہا کہ میں نے ابھی حساب نہیں کیا تم کل آنا وہ کل کو گیا تو پھر کہنے لگا کہ میں نے ابھی حساب نہیں کیا تم کل آنا جب آدمی کے دل میں کھوٹ ہوتی ہے تو وہ ایسا ہی کرتا ہے۔ آپ ﷺ کے نمائندے نے کہا کہ اگر زکوۃ دینی ہے تو دے دو نہیں دینی تو انکار کر دو میں تو روزانہ چل چل کر تھک گیا ہوں۔ تو اس نے کہا مَا هِيَ اِلَّا اُخْتُ الْجِزْيَةِ "یہ زکوۃ تو ٹیکس کی طرح ہے۔" قاصد نے یہی الفاظ واپس آکر آنحضرت ﷺ کو بتلا دیئے۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا وَيْحَكَ يَا ثَعْلَبَةُ "اے ثعلبہ تجھ پر افسوس ہے۔" اور محصل کو فرمایا کہ اب تم اس کے پاس نہ جانا۔ اس کے بعد وہ خود زکوۃ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں آیا آپ ﷺ نے وصول کرنے سے انکار فرما دیا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کے پاس آیا انھوں نے بھی رد کر دی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کے پاس لے کر آیا اور کہنے لگا پہلے میں منافق تھا اب میں مخلص ہو گیا ہوں تم زکوۃ وصول کر لو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم جھوٹ بولتے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں ﴿فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ﴾ یہ نفاق ان کے دل میں اس دن تک رہے گا جس دن یہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے۔ تو نے کس طرح چھوڑ دیا ہے؟ تو سچا ہے یا رب تعالیٰ سچے ہیں؟ رد کر دی فرمایا لے جاؤ۔

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی لے کر آیا انھوں نے بھی رد کر دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ ثعلبہ ابن ابی حاطب منافق مر گیا۔ اس کا ذکر ہے۔ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ﴾ اور بعض ان منافقوں میں سے وہ ہیں جنھوں نے عہد کیا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ کہ اگر دے گا اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے مال ﴿لَنَصَّدَّقَنَّ﴾ تو ہم ضرور صدقہ خیرات کریں گے ﴿وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ اور البتہ ہم ضرور ہوں گے نیکوں میں سے ﴿فَلَمَّا اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ پس جب ان کو اللہ تعالیٰ نے دیا اپنے فضل سے ﴿بَخِلُوْا بِهٖ﴾ تو انھوں نے بخل کیا اس میں ﴿وَتَوَلَّوْا﴾ اور انھوں نے اعراض کیا یعنی وعدے سے پھر گئے ﴿وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ اور وہ اعراض کرنے والے ہیں ﴿فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا﴾ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے پیچھے لگا دیا نفاق کو ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ ان کے دلوں میں ﴿اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ﴾ اس دن تک جس دن وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے۔ یعنی مرتے دم تک منافقت اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ڈال دی ہے ﴿بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ﴾ اس وجہ سے کہ انھوں نے خلاف ورزی کی اللہ تعالیٰ سے ﴿مَا وَعَدُوْهُ﴾ اس چیز کی جس کا انھوں نے وعدہ کیا تھا اللہ تعالیٰ سے۔ کہ صدقہ خیرات کریں گے نیک بنیں گے ﴿وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ﴾ اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ زبان پر کچھ اور اندر کچھ ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا﴾ کیا وہ نہیں جانتے ﴿اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان کی مخفی بات کو اور ان کی سرگوشی کو ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ غیبوں کا جاننے والا ہے۔

مسلمانوں پر طعن و تشنیع منافقوں کا وتیرہ ہے

آگے اور واقعہ کا ذکر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر چندے کی اپیل کی۔ کسی محاذ پر دشمنوں کے مقابلہ کے لیے جانا تھا اسلحہ اور دیگر جنگی سامان کی ضرورت تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دل کھول کر چندہ دو بڑی ضرورت ہے۔ حضرت عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ عشرہ مبشرہ ان دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کہتے ہیں جن کو آنحضرت ﷺ نے ایک مجلس میں جنتی ہونے کی خوش خبری سنائی۔ اُنھوں نے چار ہزار درہم اور ایک روایت میں آٹھ ہزار درہم کا ذکر بھی آتا ہے لا کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے۔ ایک درہم ساڑھے تین ماشے چاندی کا ہوتا ہے اچھا خاصا وزن تھا تھیلا بھرا ہوا تھا منافقوں نے کہا کہ یہ ریاکاری ہے۔ زیادہ چندہ اس لیے دیا ہے کہ اس کا نام مشہور ہو اچھے نمبر ملیں۔

صحابی کا انوکھا ایثار

اور حضرت ابوعقیل حبحاب رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں۔ جب آپ ﷺ نے چندے کی اپیل کی یہ گھر تشریف لے گئے بیوی سے کہا تیرے پاس کوئی شے ہے؟ کھجوریں یا نقد یا آٹا یا ستو جو میں آپ ﷺ کو چندے میں دے سکوں۔ بیوی نے کہا کوئی شے نہیں ہے۔ بڑے پریشان ہوئے کہ میں اس موقع پر چندہ دینے سے محروم رہا۔ یہ ایک یہودی کے پاس گئے کہ میں عشاء سے لے کر صبح تک تیرے باغ کو پانی پلاؤں گا تو مجھے کیا دے گا؟ اس نے کہا دو صاع کھجوریں دوں گا۔ ایک صاع ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے۔ یہودیوں کے باغ ہوتے تھے کنوئیں میں سے پانی نکال کر باغات کو سیراب کرتے تھے۔ اُنھوں نے دیانت داری کے ساتھ مزدوری کی جس طرح کرنی چاہیے تھی۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ مزدور اگر مزدوری میں کوتاہی کرے گا داؤ لگائے گا تو اس کی کمائی حلال نہیں ہوگی۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ مزدور کو مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو۔ اگر آدمی مزدور کو مزدوری نہیں دیتا ٹال مٹول کرتا ہے تو گنہگار ہوگا۔ اُنھوں نے ساری رات باغ کو پانی پلایا دو صاع کھجوروں کے ملے۔ ایک صاع بیوی کو لا کر دیا کہ گھر کے لیے استعمال کرو اور ایک صاع کھجوروں کا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور ساری کہانی بھی سنا دی کہ یہ میں کس طرح مزدوری کر کے لایا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ کھجوریں دوسرے چندے کے اُوپر رکھ دیں کہ اس آدمی نے جو محنت کی ہے بڑی قابل قدر ہے۔

منافقوں نے ان کو بھی معاف نہ کیا کہنے لگے کہ کیا مصیبت پڑی تھی ساری رات کھڑے ہو کر باغ کو پانی پلانے کی۔ یہ لہو لگا کر شہیدوں میں اپنا نام لکھوانا چاہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ﴾ منافق وہ ہیں جو عیب لگاتے ہیں خوشی سے کرنے والوں پر ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ مومنوں میں سے ﴿فِي الصَّدَقٰتِ﴾ صدقہ خیرات۔ دل کھول کر صدقہ خیرات کرنے والوں پر بھی عیب لگاتے

ہیں جیسے: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پر عیب لگایا کہ یہ ریاکاری ہے نمبر لینے کے لیے یہ کام کیا ہے ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ﴾ اوران لوگوں پر جونہیں پاتے مگر اپنی محنت۔

جیسے: حضرت ابوعقیل حبحاب رضی اللہ عنہ کہ مشقت کر کے لائے ان کو معاف نہیں کیا۔ ﴿فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ﴾ پس وہ مسخرہ کرتے ہیں ان کے ساتھ کہ دیکھو ساری رات یہودی کے باغ کو پانی پلاتا رہا اور ایک صاع کھجوروں کا لا کر پیش کیا اگر نہ لاتا تو کیا ہو جاتا اور اب تیرے صاع کے ساتھ کون سی فتح ہو جانی ہے ﴿سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ مسخرہ کرے گا یعنی ان کو مسخرے (مذاق) کا بدلہ دے گا ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اوران کے لیے دردناک عذاب ہے کہ یہ منافق کسی کو معاف نہیں کرتے۔ شریر آدمی ہمیشہ شرارت کی بات کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شرارت سے بچائے اور محفوظ فرمائے۔

﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ آپ ان کے لیے بخشش طلب کریں ﴿اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ یا نہ طلب کریں ﴿اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً﴾ اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بھی بخشش طلب کریں ﴿فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ یہ اس لیے کہ انھوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کے حکموں کا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں کا ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا فاسق قوم کو ﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ﴾ خوش ہیں جو پیچھے چھوڑ گئے ﴿بِمَقْعَدِهِمْ﴾ اپنے بیٹھے رہنے پر ﴿خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے رسول کے پیچھے ﴿وَكَرِهُوْٓا﴾ اور انھوں نے ناپسند کیا ﴿اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ﴾ کہ وہ جہاد کریں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے ﴿فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿وَقَالُوْا﴾ اور انھوں نے کہا ﴿لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ﴾ نہ کوچ کرو تم گرمی میں ﴿قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا﴾ اے پیغمبر آپ کہہ دیں جہنم کی آگ بہت سخت گرم ہے ﴿لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ﴾ کاش کہ وہ سمجھ لیں ﴿فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا﴾ پس چاہیے کہ وہ ہنسیں تھوڑا ﴿وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا﴾ اور چاہیے کہ وہ روئیں زیادہ ﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ بدلہ ہے اس چیز کا جو وہ کماتے رہے۔

ایسے منافق بھی تھے جن کے نفاق کا آخر تک پتا نہ چلا ؟

مدینہ منورہ میں منافقوں کی کافی تعداد تھی۔ ان میں سے بعض ایسے گہرے منافق تھے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے بغیر کوئی نہیں جانتا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ﴾ "اور بعض اہل مدینہ میں وہ ہیں جو اڑے ہوئے ہیں نفاق پر ﴿لَا تَعْلَمُهُمْ﴾ آپ ان کو نہیں جانتے ﴿نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ ہم ان کو جانتے ہیں۔" اور کچھ منافق ایسے تھے کہ ان کی حرکات وسکنات، طور طریقے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ منافق ہیں۔ انھی میں سے عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین بھی

تھا۔ یہ بڑا قد آور، خوب صورت، صحت منداور مال دار آدمی تھا، گفتگو بڑے سلیقے اور طریقے سے کرتا تھا، جب بات شروع کرتا تھا تو آدمی کی خواہش ہوتی کہ اس کی باتیں سنتا رہے۔ اتنا باتونی آدمی تھا کہ آنحضرت ﷺ جیسی ذہین وفطین شخصیت کو بھی دھوکا دے جاتا تھا۔ اس انداز اور ڈھنگ سے بات کرتا تھا کہ آپ ﷺ بھی سمجھتے تھے کہ بڑا مخلص ہے اور جو کچھ کہہ رہا ہے سچ کہہ رہا ہے۔ اس رئیس المنافقین کا ایک بیٹا تھا اس کا نام بھی عبداللہ تھا۔ اس زمانے میں لوگ باپ کے نام پر نام رکھتے تھے، دادا کے نام پر نام رکھتے تھے۔ مثلاً: عباس ابن عباس ابن عباس، زبیر ابن زبیر ابن زبیر، عبداللہ ابن عبداللہ ابن عبداللہ۔ اور فرق اس طرح کرتے تھے کہ چھوٹا عبداللہ، درمیانہ عبداللہ، بڑا عبداللہ۔ مولانا الیاس صاحب جو تبلیغی جماعت کے بانی ہیں ان کے بیٹے کا نام تھا محمد یوسف فوت ہو گئے ہیں تو مفتی زین العابدین نے ان کے نام پر اپنے چاروں بیٹوں کے نام محمد یوسف رکھے اور فرق اس طرح کرتے کہ اول، ثانی، ثالث، رابع۔ یوسف اول، یوسف ثانی، یوسف ثالث، یوسف رابع۔ اول، دوم، سوم، چہارم۔ تو اس طرح وہ ناموں کی تعیین کرتے تھے۔

عبداللہ ابن اُبی رئیس المنافقین تھا اور بیٹا عبداللہ مخلص صحابی تھا۔ جب رئیس المنافقین فوت ہو گیا تو بیٹا آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا حضرت! میں یہ نہیں کہتا کہ میرا باپ مخلص تھا بلکہ میں بھی اس کو منافق ہی سمجھتا ہوں لیکن کوئی حیلہ کر کے دیکھ لو کہ رب تعالیٰ اس کی بخشش کر دے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی دل جوئی کے لیے فرمایا ہاں ٹھیک ہے۔ آپ ﷺ نے اس وقت دو کرتے پہنے ہوئے تھے۔ وہ کرتہ جو بدن کے ساتھ لگا ہوا تھا اُتار کر اس کو دے دیا کہ یہ کفن کے طور پر اس کو پہناؤ اور یہ بھی فرمایا کہ جنازہ بھی میں پڑھاؤں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! اس منافق کا جنازہ آپ ﷺ نے پڑھانا ہے جس نے فلاں دن یہ حرکت کی اور فلاں موقع پر یہ حرکت کی اور فلاں دن یہ حرکت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں چوں کہ میری طبیعت گرم تھی صبر نہ ہو سکا اور بار بار کہتا رہا کہ حضرت! آپ اس منافق کا جنازہ پڑھائیں گے۔ یہاں تک کہ بخاری شریف کی روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا اے عمر! تو مجھ پر داروغہ مسلط ہوا ہے، میں نے پڑھانا ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اس کے منہ میں اپنا لعاب مبارک ڈالا اور اس کا جنازہ بھی پڑھایا۔ ظاہر بات ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے جنازہ پڑھایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ ﷺ کے پیچھے جنازہ پڑھا۔ کیونکہ کسی صحابی میں جرأت نہ تھی کہ پیچھے رہتا۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نازل ہوا ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ آپ ان کے لیے بخشش طلب کریں یا ان کے لیے بخشش طلب نہ کریں ﴿اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً﴾ اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بھی بخشش طلب کریں ﴿فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

خدا کی پکڑ سے نبی بھی نہیں چھڑا سکتا:

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس کو اللہ تعالیٰ پکڑے اسے کوئی نہیں چھڑا سکتا اور ادھر پنجابی میں لوگوں نے کچھ اشعار بنائے

ہوئے ہیں۔

اللہ دے پکڑے چھڑائے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دے پکڑے چھڑا کوئی نہیں سکدا

رئیس المنافقین کو رب تعالیٰ نے پکڑا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھڑانے کی پوری کوشش کی ہے۔ کرتہ بہ طور کفن دیا ہے، لعاب مبارک منہ میں ڈالا ہے، بدن پر ملا ہے، جنازہ بھی پڑھایا ہے مگر رب تعالیٰ نے اس کو نہیں چھوڑا۔ تو یہ شعر بالکل قرآن کے خلاف ہے۔ خدا خدا ہے بے شک اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درجہ سب سے اعلیٰ اور افضل ہے مگر رب تعالیٰ کے مقابلے میں تو مخلوق ہیں۔ خالق اور مخلوق کا کیا مقابلہ ہے؟ رب تعالیٰ نے فرمایا ستر مرتبہ بھی بخشش طلب کرو گے تو میں نہیں بخشوں گا۔

اسی سورت میں آگے آئے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حقیقی چچا ابو طالب کو اس کی موت کے وقت کلمہ پڑھانے کی کوشش کی اس نے اس بات کا اقرار بھی کیا کہ تیرا دین سچا ہے لیکن میں اپنا دھڑا (پارٹی) چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی کی دعا مانگوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو طالب کے جنازے میں شریک نہیں ہوئے مگر اس کے لیے دعا مانگی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر اور لوگوں نے بھی دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں حکم نازل فرمایا ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى﴾ "نہیں لائق نبی کے اور ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ بخشش طلب کریں شرک کرنے والوں کے لیے اگرچہ وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ [التوبہ: ۱۱۳] بعد اس کے کہ واضح ہو چکا ہے ان کے لیے کہ وہ بے شک دوزخ والے ہیں۔" لہٰذا یاد رکھنا! رب تعالیٰ کے پکڑے ہوئے کو کوئی نہیں چھڑا سکتا۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ یہ اس لیے کہ انھوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کے حکموں کا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکموں کا۔ نہ دل سے انھوں نے اللہ تعالیٰ کو مانا، نہ قرآن کریم کو مانا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانا اور زبان سے ماننے کا کچھ اعتبار نہیں ہے اور ظاہری اعمال کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے اگر دل میں ایمان نہیں ہے۔

ظاہری اعمال میں تو منافقین بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ نماز کا وقت ہوتا تھا تو مخلصین سے پہلے آکر پہلی صف میں بیٹھ جاتے تھے ناواقف آدمی سمجھتا تھا بڑے اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں جو پہلے آگئے ہیں۔ چندہ دینے کے موقع پر پہلے چندہ پیش کرتے تھے اور بڑھ چڑھ کر پیش کرتے تھے، الا ماشاء اللہ۔ اور اگر اسلام کی تائید کی بات ہوتی تو ایسے انداز سے کرتے تھے کہ لوگ یہ سمجھتے کہ بڑے مخلص ہیں۔ کوئی ایسا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے کہ اعتماد اٹھنے کا خطرہ ہو مگر دل سے اللہ تعالیٰ کے حکموں کا انکار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکموں کا بھی انکار کرتے تھے۔ ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا فاسق قوم کو۔

غزوۂ تبوک میں منافقوں کا مختلف بہانے تراش کر جان چھڑانا

پہلے تفصیل کے ساتھ بات بیان ہو چکی ہے کہ غزوہ تبوک سخت گرمی میں ہوا تھا سفر لمبا تھا، لوگوں کی فصلیں پکی ہوئی تھیں، رومیوں کے ساتھ مقابلہ تھا منافقوں نے حیلے بہانے کر کے جان چھڑائی اس کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ ﴾ خوش ہیں جو پیچھے چھوڑ گئے۔ شیطان کے بہکاوے میں آکر پیچھے رہ گئے اور وہ خوش ہو گئے ﴿ بِمَقْعَدِهِمْ ﴾ اپنے بیٹھے رہنے پر ﴿ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے رسول کے پیچھے۔ آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے اور یہ پیچھے گھروں میں بیٹھ کر خوش ہوتے اور گپیں مارتے کہ ہمارا بڑا داؤ لگا ہے ﴿ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ﴾ اور انھوں نے ناپسند کیا کہ وہ جہاد کریں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے ﴿ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿ وَقَالُوْا ﴾ اور کہا انھوں نے دوسروں کو ﴿ لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ﴾ نہ کوچ کرو تم گرمی میں۔ سخت گرمی کا مہینہ تھا اور تقریباً ایک ماہ کا سفر تھا چل چل کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے اور ناخن اتر گئے ﴿ قُلْ ﴾ اے نبی کریم ﷺ! آپ کہہ دیں ﴿ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ﴾ جہنم کی آگ بہت سخت گرم ہے۔ تم اس دنیا کی گرمی سے بچنے کی کوشش کرتے ہو اُس آگ کی گرمی سے بچو جو اس دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہے۔

اس دنیا کی آگ میں لوہا پگھل جاتا ہے، تانبا پگھل جاتا ہے، سخت سے سخت دھاتیں پگھل جاتی ہیں تو اس کی کیا کیفیت ہوگی جو اس سے انہتر گنا تیز ہے۔ اگر دوزخ کی آگ سے مارنا مقصود ہوتو اس کا ایک شعلہ ہی کافی ہے لیکن وہاں تو ﴿ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴾ "نہ مرے گا نہ زندہ رہے گا۔" اور وہ زندگی زندگی نہیں وہ ایسی زندگی ہے جہنمی خود اپنے لیے موت مانگیں گے ﴿ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴾ [الحاقہ:۲۷] "کاش کہ ہم پر موت آجائے۔" اور جہنم کے داروغہ مالک فرشتے کو کہیں گے ﴿ يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ﴾ [الزخرف:۷۷] "اے مالک تیرا رب ہمیں مار دے، ختم کر دے۔" لیکن ان کو موت نہیں آئے گی۔ حکم ہوگا تم یہیں رہو گے یہی تمہارا ٹھکانا ہے۔ ﴿ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴾ کاش کہ وہ سمجھ لیں ﴿ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا ﴾ پس چاہیے کہ وہ ہنسیں تھوڑا۔ دنیا میں کوئی کتنا عرصہ ہنس لے گا کسی کی عمر دس سال، کسی کی بیس سال، کسی کی تیس سال، سو سال، پچاس سال، جتنی زندگی ہے اتنا ہی ہنسیں گے ﴿ وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ﴾ اور چاہیے کہ وہ روئیں زیادہ۔ آئندہ ساری زندگی رونا ہی ہے۔

اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ مجرم جس وقت روئیں گے تو ان کے آنسوؤں سے رخساروں میں گڑھے پڑ جائیں گے اور ایک ایک مجرم اتنا روئے گا کہ اس کے آنسوؤں میں کشتیاں چلائیں تو چل پڑیں۔ اللہ تعالیٰ نے سارے واقعات عبرت کے لیے ہمیں ابھی بتائے ہیں تاکہ جو نیکی کرنا چاہتا ہے اب کر لے اور آخرت کی فکر کر لے۔ آخرت کے عذاب سے بچنا اور اس کی فکر کرنا دین کا بڑا اہم حصہ ہے ﴿ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ بدلہ ہے اس چیز کا جو وہ کماتے رہے۔ اور جس نے جو کمائی کرنی ہے اس کو اس کا بدلہ ضرور ملنا ہے۔

﴿فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ﴾ پس اگر اللہ تعالیٰ آپ کو واپس لوٹائے ﴿اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ﴾ ان میں سے ایک گروہ کی طرف ﴿فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ﴾ پس وہ اجازت طلب کریں آپ سے نکلنے کی ﴿فَقُلْ﴾ پس آپ کہہ دیں ﴿لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا﴾ کہ ہرگز نہ نکلو میرے ساتھ کبھی بھی ﴿وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا﴾ اور نہ لڑو تم میرے ساتھ ہو کر دشمن سے ﴿اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ﴾ بے شک تم راضی ہو چکے ہو بیٹھے رہنے کے ساتھ ﴿اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ پہلی مرتبہ ﴿فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ﴾ پس بیٹھ جاؤ پیچھے بیٹھنے والوں کے ساتھ ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ﴾ اور نہ آپ جنازہ پڑھائیں کسی کا ﴿مِّنْهُمْ مَّاتَ﴾ ان میں سے جو مر گیا ہو ﴿اَبَدًا﴾ کبھی بھی ﴿وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ﴾ اور نہ کھڑے ہوں اس کی قبر پر ﴿اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ بے شک انھوں نے انکار کیا ہے اللہ تعالیٰ کے احکام کا اور اس کے رسول کے احکام کا ﴿وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ اور وہ مرے اس حال میں کہ وہ نافرمان ہیں ﴿وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ﴾ اور نہ تعجب میں ڈالیں آپ کو ان منافقوں کے مال اور ان کی اولاد ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے ﴿اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا﴾ کہ ان کو سزا دے ان کے اموال کی وجہ سے دنیا میں ﴿وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ﴾ اور نکلیں ان کی جانیں ﴿وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ اس حال میں کہ وہ کفر کرنے والے ہوں۔

یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ ہجرت کے نویں سال رجب کے مہینے میں مدینہ منورہ میں یہ خبر پہنچی کہ رومیوں کی فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے مسلمانوں کی سرحد تبوک کے مقام پر پہنچ چکی ہے اور مزید فوج پیچھے آ رہی ہے جب یہ اکٹھی ہو جائے گی تو مسلمانوں پر حملہ کر دے گی۔ آنحضرت ﷺ کا معمول تھا اگر کوئی خبر آپ ﷺ کے پاس پہنچتی تھی آپ ﷺ اس کی تحقیق کرتے تھے اگر سچی ہوتی تو اس پر عمل کرتے اور اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے ﴿اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا﴾ [الحجرات:۶] "اگر کوئی کچا آدمی تمہارے پاس خبر لائے تو اس کی خوب تحقیق کرلو" کہ جو بات یہ کہہ رہا ہے صحیح ہے یا نہیں۔ چنانچہ تحقیق کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ واقعی رومیوں کی فوج تبوک کے مقام کے قریب پہنچ چکی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ہنگامی حالت کا اعلان کیا اور فرمایا کہ چلو ہم بھی ان کا مقابلہ کریں۔ آپ ﷺ کے ساتھ مجاہدین کی تعداد تیس ہزار بھی لکھی ہے، چالیس ہزار بھی لکھی ہے اور ستر ہزار بھی لکھی ہے۔ اور یہ بات بھی پہلے بیان ہو چکی ہے کہ سخت گرمی کا زمانہ تھا، فصلیں پکی ہوئی تھیں اور سفر لمبا تھا اور رومیوں کی فوج کے ساتھ لڑنا تھا۔ یہ سب دشواریاں اور پریشانیاں سامنے تھیں۔ منافقین نے عجیب عجیب قسم کے بہانے کر کے آپ ﷺ سے اجازت اور چھٹی لے لی اور آپ ﷺ نے ان کو چھٹی دے بھی دی جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾ [التوبۃ:۴۳] "اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا آپ نے ان کو اجازت کیوں دی۔" یعنی نہیں دینی چاہیے تھی۔ انھوں نے تو کسی صورت بھی نہیں جانا تھا اب اجازت کو یہ اپنے لیے دلیل بناتے ہیں۔ تبوک کے سفر میں

لڑائی کی نوبت نہیں پیش آئی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ساری فوج صحیح وسالم واپس آئی۔

اب آئندہ کے لیے رب تعالیٰ فرماتے ہیں تبوک کے سفر کے دوران ہی میں یہ آیتیں نازل ہوئیں ﴿فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ﴾ پس اگر اللہ تعالیٰ آپ کو واپس لوٹائے تبوک سے مدینہ طیبہ کی طرف ان منافقوں میں سے ایک گروہ کی طرف۔ ﴿مِّنْهُمْ﴾ اس لیے فرمایا کہ ایک دو منافق بعد میں تائب ہو کر مخلص مسلمان ہو گئے تھے ﴿فَاسْتَاْذَنُوْكَ﴾ آئندہ وہ اجازت طلب کریں آپ سے ﴿لِلْخُرُوْجِ﴾ نکلنے کی جہاد کے لیے ﴿فَقُلْ﴾ تو آپ کہہ دیں ﴿لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا﴾ کہ ہرگز نہ نکلو میرے ساتھ کبھی بھی۔ آئندہ جہاد کا موقع آیا تو انھوں نے شامل ہونے کے لیے اجازت مانگی ہے تاکہ جو خفت ہوئی ہے اس کا مداوا ہو جائے ﴿وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا﴾ اور نہ لڑو تم میرے ساتھ ہو کر دشمن سے، میں تمھیں اجازت نہیں دیتا ﴿اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ بے شک تم راضی ہو چکے ہو بیٹھے رہنے کے ساتھ پہلی مرتبہ۔ تبوک کے مقام پر تم نے شرکت نہیں کی حالانکہ وہاں شرکت بہت ضروری تھی لہٰذا اب بھی بیٹھے رہو ﴿فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ﴾ پس بیٹھ جاؤ پیچھے بیٹھنے والوں کے ساتھ۔ لنگڑے، لولے، بیمار، نابینے، بوڑھے جو نہیں لڑ سکتے ان کے پاس بیٹھے رہو ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ﴾ اور نہ آپ جنازہ پڑھائیں ان میں سے کسی کا جو مر گیا ہو کبھی بھی اور نہ کھڑے ہوں ان کی قبر پر۔

کل تم پڑھ چکے ہو عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین کا جنازہ آپ ﷺ نے پڑھایا اس کے بیٹے کی دل جوئی کے لیے جو کہ بڑا مخلص تھا۔ بلکہ آپ ﷺ نے اپنا لعاب مبارک بھی اس کے جسم پر ملا اور کرتہ مبارک بھی اس کے جسم پر ڈالا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ ﷺ کی اقتداء جنازہ پڑھا مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً﴾ اگر آپ ستر مرتبہ بھی اس کے لیے بخشش طلب کریں اللہ تعالیٰ اس کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ جب آپ ﷺ نے جنازہ پڑھایا اس وقت تک ممانعت نہیں ہوئی تھی لیکن آئندہ کے لیے رب تعالیٰ نے پابندی لگا دی کہ نہ تو منافق کا جنازہ پڑھانا ہے نہ ہی کسی منافق کی قبر پر کھڑا ہونا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں کوئی مر جاتا تھا تو وہ بڑے پریشان ہوتے تھے کہ کہیں یہ منافق ہی نہ ہو۔ سب سے پہلے وہ حضرت حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تھے کہ وہ جنازے میں شریک ہوئے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ جنازے میں شریک ہوتے تھے تو بے کھٹک جنازہ پڑھا دیتے تھے اور اگر وہ جنازہ میں نظر نہ آتے تو ان کے متعلق سوال کرتے وہ کہاں ہیں کیوں نہیں آئے؟ اگر ان کے نہ آنے کی کوئی معقول وجہ ہوتی کہ وہ بیمار ہیں یا سفر پر گئے ہوئے ہیں تو پھر بھی جنازہ پڑھا دیتے تھے۔ کیوں کہ مسلمان کے جنازے میں شریک ہونا بھی اس کا حق سر سے اتارنا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چند حقوق ہیں۔ ایک یہ کہ اس نے سلام کیا ہے تو اس کا جواب دو اور اگر اس نے تمھیں دعوت دی ہے تو بغیر کسی شرعی عذر کے اس کو رد نہ کرو، بیمار ہو جائے تو تیمارداری کرو، فوت ہو جائے تو جنازے میں شرکت کرو۔

اور اگر معلوم ہوتا کہ حضرت حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ بیمار بھی نہیں اور سفر پر بھی نہیں ہیں تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنازہ نہیں پڑھاتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جنازہ پڑھانے اور دفن کر دینے اور اس کی قبر کو اونٹ کے کوہان کی طرح بنا دینے کے بعد کافی دیر ساتھیوں کے ہمراہ ٹھہرتے تھے اور فرماتے تھے اِسْتَغْفِرُوْا لِاَخِیْکُمْ اپنے بھائی کے لیے دعائے مغفرت کرو۔ اور یہ الفاظ بھی آتے ہیں سَلُوْا لَهٗ بِالتَّثْبِیْتِ فَاِنَّهُ اَلْآنَ یُسْئَلُ اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے سوال کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کو ثابت قدم رکھے کہ رب تعالیٰ کے فرشتے اس سے سوال کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ترغیب دیتے تھے کہ اپنے بھائی کے لیے دعائے مغفرت کرو قبر کی منزل بڑا مشکل مرحلہ ہے۔

مشہور صحابی حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ جب فوت ہوئے تو بخاری شریف میں روایت ہے اِهْتَزَّ لَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ ان کی وفات پر اللہ تعالیٰ کا عرش کانپ اٹھا۔ ان کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پڑھایا، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم جیسی شخصیات نے پیچھے کھڑے ہو کر جنازہ پڑھا۔ جب ان کو قبر میں دفن کیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ مبارک فق ہو گیا۔ فرمایا اس کی قبر تنگ ہو گئی ہے اگر اتنے بڑے صحابی کی قبر تنگ ہو گئی تو پھر ہمارا تمہارا کیا حال ہوگا؟

بھئی! بات یہ ہے کہ قبر ہماری ماں ہے انسان کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے۔ جب بچہ ماں سے جدا ہو کر دوبارہ ملتا ہے تو ماں اس کو بغل گیر ہو کر دباتی ہے۔ یہ دبانا پیار کی وجہ سے ہوتا ہے سزا دینے کے ارادے سے نہیں۔ تو زمین بھی ہماری ماں ہے ہم اس سے الگ ہوئے پھر جب قبر میں پہنچتے ہیں تو وہ تھوڑا سا دباتی ہے۔ البتہ پیغمبر اور چھوٹے معصوم بچے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ قبر کے قریب کھڑے ہو کر دعا کرنا جائز ہے۔ ہاتھ اٹھا کر بھی دعا کر سکتے ہو اور بغیر ہاتھ اٹھائے بھی دعا کر سکتے ہو۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ مولانا خیر محمد صاحب جالندھری جو حضرت تھانوی کے بڑے خلفاء میں سے تھے اور چوٹی کے علماء میں سے تھے۔ مجھے اپنے جلسے پر ضرور بلاتے تھے میں مولانا کے پاس کمرے میں بیٹھا تھا اور ان کے بیٹے مولانا محمد شریف صاحب بھی بیٹھے تھے اور ایک چائے پلانے والا خادم تھا۔

ایک مولوی صاحب نے اندر آ کر مسئلہ چھیڑ دیا کہ حضرت! آپ نے نمازِ حنفی میں لکھا ہے کہ جب قبر پر دعا کرو تو ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ مولانا خیر محمد صاحب نے فرمایا ہاں! ایسا ہی ہے۔ اس مولوی صاحب نے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ انھوں نے "راہِ سنت" میں لکھا ہے کہ ہاتھ اُٹھا کر دعا کر سکتے ہو۔ اب بتلاؤ ہم کس بزرگ کی بات مانیں؟ مولانا خیر محمد صاحب نے فرمایا انھوں نے لکھا ہے تو اس کی دلیل ان سے مانگیں۔ میں نے کہا جی میں نے اپنی دلیلیں بھی نقل کی ہیں۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع کے قبرستان میں تشریف لے گئے "رَفَعَ یَدَیْهِ وَ دَعَا ثَلٰثًا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھائے اور تین مرتبہ دعا کی اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُمْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُمْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُمْ" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کے درمیان ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی طلحہ ابن برآء رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جنازے میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ روایات میں موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قبر پر تشریف لے گئے فَرَفَعَ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی۔ اس کے بعد مولانا خیر محمد صاحب خاموش ہو گئے نہ میری تائید کی اور نہ تردید۔ تو اپنی تحقیق یہی ہے کہ قبرستان میں ہاتھ اُٹھا کر دعا کر سکتے ہو یعنی جائز ہے۔ لیکن ہاتھ اُٹھا کے دعا کرنا ضروری نہیں ہے۔ اور آج بھی جب مردے کو دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کے سرہانے کی طرف سورۃ البقرہ کا اول حصہ اور پاؤں کی طرف آخری حصہ پڑھ کر اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔

لیکن منافق کے لیے دعا کرنا جائز نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا ہے کیوں کہ ﴿اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ بے شک انھوں نے انکار کیا ہے اللہ تعالیٰ کے احکام کا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا ﴿وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ اور وہ مرے اس حال میں کہ وہ نافرمان ہیں۔ لہٰذا نہ ان کا جنازہ پڑھو نہ ان کی قبر پر کھڑے ہو اور نہ ان کے لیے دعا کرو ﴿وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ﴾ اور نہ تعجب میں ڈالیں آپ کو ان کے مال اور ان کی اولاد۔ کہ جب یہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہیں تو ان کو مال کیوں ملا ہے، اولاد کیوں ملی ہے؟ ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے ﴿اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا﴾ کہ ان کو سزا دے ان کے مالوں کی وجہ سے دنیا میں۔ کہ مال اور اولاد ان کے لیے وبالِ جان بن جائیں مال اولاد کی فکر ہی میں رہیں اور یہ ان کے لیے مصیبت بنا رہے گا۔ ہم غریب ہیں ہمیں اتنی فکر نہیں ہے جتنی مال دار کو ہوتی ہے۔

گوجرانوالا شہر کے ایک کارخانہ دار اتفاقاً مجھے ملے۔ کہنے لگے ہمیں تو کاموں سے فرصت ہی نہیں ملتی فلاں تاریخ کو سوئی گیس کا لاکھوں کا بل ادا کرنا ہے وہ رقم اکٹھی کرنی ہے اور فلاں تاریخ کو بجلی کا بل ادا کرنا ہے، فلاں تاریخ کو ٹیکس جمع کروانا ہے اگر جمع نہیں کراتے تو افسر ہمارے پیچھے پڑ جاتے ہیں یقین جانو! ہمیں تو نیند ہی نہیں آتی۔ غریب کو بے شک مالی طور پر پریشانی ہوتی ہے لیکن اتنا پریشان نہیں ہوتا جتنا مال دار ہوتا ہے ﴿وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ اور نکلیں ان کی جانیں اس حال میں کہ وہ کفر کرنے والے ہوں۔ لہٰذا کسی کے مال اور اولاد کو دیکھ کر یہ نہ سمجھو کہ وہ رب تعالیٰ کا پیارا ہے اگر ایمان اور عمل صالح نہیں ہیں تو یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے ان کو بہ طور سزا کے دی ہیں۔

﴿وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ﴾ اور جب نازل کی جاتی ہے کوئی سورۃ ﴿اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ﴾ کہ ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر ﴿وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ﴾ اور جہاد کرو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر ﴿اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ﴾ تو رخصت مانگتے ہیں آپ سے طاقت والے لوگ ان میں سے ﴿وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ﴾ اور کہتے ہیں چھوڑ دو ہمیں تاکہ ہو جائیں ہم پیچھے بیٹھنے والوں کے ساتھ ﴿رَضُوْا﴾ وہ راضی ہو چکے ہیں ﴿بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ﴾ اس بات پر کہ ہوں یہ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ ﴿وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ اور مہر لگا دی گئی ان

کے دلوں پر ﴿فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ پس وہ نہیں سمجھتے ﴿لٰكِنِ الرَّسُوْلُ﴾ لیکن رسول صلی اللہ علیہ وسلم ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں ان کے ساتھ ﴿جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ﴾ وہ جہاد کرتے ہیں اپنے مالوں کو لے کر اور اپنی جانوں کو لے کر ﴿وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ﴾ یہی لوگ ہیں جن کے لیے بھلائیاں ہیں ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے ﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ تیار کیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ﴿جَنّٰتٍ﴾ باغات ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ہمیشہ رہیں گے ان باغوں میں ﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ یہی بڑی کامیابی ہے۔

منافقوں کی کارروائیاں اور ان کی تردید چلی آرہی ہے اور سورت توبہ کا کافی حصہ انھی کے متعلق ہے۔ مدینہ طیبہ اور اردگرد کے جو دیہات تھے ان میں منافقوں کی کافی تعداد تھی۔ یہ لوگ آپس میں خفیہ طریقے سے میٹنگ اور مشورے بھی کرتے رہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو ٹالنے کے لیے عجیب وغریب قسم کے بہانے بناتے تھے۔ غزوہ تبوک کے سلسلے میں تفصیلاً سن چکے ہو کہ منافقین نے بہانے بنا کر اجازت لی تھی اور ایک گروہ تھا جس نے کوئی بہانہ نہیں بنایا۔ اس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ اور منافق اس امید پر تھے کہ مسلمانوں میں سے کوئی بچ کر واپس نہیں آئے گا اور مخلصین کی ساری جماعت کو رومی فوج تباہ کر دے گی اور وہ منافقین جنھوں نے سفر پر جانے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے لی تھی اللہ تعالیٰ ان کی تردید فرماتے ہیں۔

فرمایا ﴿وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ﴾ اور جب نازل کی جاتی ہے کوئی سورت قرآن پاک کی اور اس میں حکم ہوتا ہے ﴿اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ﴾ کہ ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ ایمان تمام نیکیوں میں سب سے بڑی نیکی ہے اور سب سے پہلے مطالبہ بھی ایمان کا ہے۔

مکی سورتوں کی تعداد و مقاصد:

مکہ مکرمہ میں تقریباً چھیاسی سورتیں نازل ہوئی ہیں۔ ان میں زیادہ ایمان پر زور، شرک کی تردید، رسالت کا اثبات، قیامت کا اثبات اور قرآن پاک کی حقانیت جیسے اصولی احکامات بیان کیے گئے ہیں۔ پھر جس وقت لوگوں کا ذہن بن گیا تو باقی احکام نازل ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں صرف دو نمازیں تھیں، فجر اور عصر۔ پانچ نمازوں کا حکم ہجرت سے تین سال قبل معراج کے موقع پر نازل ہوا۔ زکوٰۃ اور دیگر احکام مدینہ منورہ میں نازل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب کوئی سورت نازل ہوتی جس میں حکم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے تمام احکام کو تسلیم کرو، اس کے پیغمبروں کو، اس کی کتابوں کو، جو کچھ بھی ایمانیات میں ہے وہ ﴿اٰمِنُوْا﴾ میں شامل ہے۔ اور حکم ہوتا ہے ﴿وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهٖ﴾ اور جہاد کرو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر۔ یعنی ان کی معیت میں کافروں کے ساتھ لڑو ﴿اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ﴾

تو رخصت مانگتے ہیں آپ سے طاقت والے لوگ ان میں سے۔ یعنی ان کو بدنی اور مالی قوت حاصل ہے۔

تبوک کے سفر پر جانے سے پہلے ایک منافق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا حضرت! میں بالکل تیار ہوں مجھے کوئی تکلیف بھی نہیں ہے سارا سامان میں نے تیار کیا ہوا ہے لیکن میری ماں سخت بیمار ہے آخری سانس لے رہی ہے اگر میں چلا گیا تو اس کو دفن کون کرے گا اس کو سنبھالے گا کون؟ تھوڑی بہت تکلیف تو انسان کو ہوتی ہی ہے مگر وہ اس تھوڑی تکلیف کو بڑھا چڑھا کر ایسے انداز میں بیان کرتے تھے کہ جیسے وہ سچ مچ مر چلی ہے اور بعض نے اس طرح کیا کہ اپنے غلام کو خود بھگا دیا کہ جا تو دو دن چھٹی کر لے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر کہا کہ حضرت! میں بالکل تیار تھا لیکن میرا غلام دوڑ گیا ہے۔ اونٹ، بھیڑ، بکریوں کو پانی پلانے والا کوئی نہیں ہے، چارا ڈالنے والا کوئی نہیں ہے، بے زبان مخلوق ہے بھوکی پیاسی مر جائے گی۔ اب یہ ایسا بہانہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو رد نہیں کر سکتے تھے لہٰذا اجازت دے دی۔ ایک نے آ کر کہا کہ میری فصل بالکل پکی ہوئی ہے، کٹائی کرنے والا کوئی نہیں ہے، میں چلا گیا تو فصل ساری تباہ ہو جائے گی۔

﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا انھوں نے ﴿ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ﴾ چھوڑ دو ہمیں تاکہ ہو جائیں ہم پیچھے بیٹھنے والوں کے ساتھ۔ لنگڑے، لولے، اندھے، بیمار، بوڑھے، معذوروں کے ساتھ ﴿رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا﴾ اور وہ راضی ہو چکے ہیں اس بات پر کہ ہوں یہ ﴿مَعَ الْخَوَالِفِ﴾ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ۔ خَوَالِف خَالِفَةٌ کی جمع ہے۔ اس عورت کو کہتے ہیں جو پیچھے گھر میں رہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تو ان کو مرد بنایا ہے جہاد مردوں کا کام ہے اور یہ گھر رہنے والی عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھے رہیں ﴿وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ اور مہر لگا دی گئی ہے ان کے دلوں پر۔

اور یہ بات میں کئی دفعہ سمجھا چکا ہوں کہ ابتداءً ہی اللہ تعالیٰ مہر نہیں لگا دیتا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کو سمجھ عطا کی ہے، دین سمجھانے کے لیے پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں ہر زمانے میں حق کی آواز بلند کرنے والے کھڑے کیے، خیر اور شر کے دونوں راستے بتلائے اور ان کو انجام بتایا کہ اگر خیر کے راستے پر چلو گے تو جنت میں جاؤ گے، شر کے راستے پر چلو گے تو دوزخ میں جاؤ گے، یہ کام جنتیوں والے ہیں اور یہ کام دوزخیوں والے ہیں۔ اور جنتیوں والے وہ کام ہیں جن کو عقل اور فطرت بھی تسلیم کرتی ہے۔ اس کے باوجود جو کفر اور نافرمانی پر ڈٹے رہیں اور فخر یہ کہیں ﴿قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ﴾ "ہمارے دل غلافوں میں ہیں اس چیز سے جس کی طرف آپ بلاتے ہیں ﴿وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ﴾ اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہیں، ڈاٹیں چڑھائے ہوئے ہیں ﴿وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ﴾ اور ہمارے اور آپ کے درمیان پردہ ہے نہ ماننے کا ﴿فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ﴾ [حم سجدہ: ۵] آپ اپنا عمل کرتے جائیں ہم اپنا کام کر رہے ہیں۔" جب وہ لوگ اپنی اس حالت پر راضی ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ضابطہ ہے ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ ہم اس کو ادھر چلا دیتے ہیں جدھر وہ چلنا چاہتا ہے۔ ﴿فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ پس وہ نہیں سمجھتے بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے۔

یہاں تک تو منافقوں کی کارستانیوں کا ذکر تھا آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مخلص مومنوں کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں ﴿لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں آپ کے ساتھ ﴿جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ﴾ وہ جہاد کرتے ہیں اپنے مالوں کو لے کر اور اپنی جانوں کو لے کر۔ غزوۂ تبوک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس شریک ہوئے اور مجاہدین نے اس غزوے میں بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔

تاریخ بتلاتی ہے کہ ریت پر چل چل کر بعض کے پاؤں پر چھالے پڑ گئے، ناخن گر گئے، پیاس کی وجہ سے راستے میں بے ہوش ہوتے رہے لیکن ایمان میں وہ اتنے مضبوط تھے کہ ڈگمگائے نہیں۔ ایمانی قوت کے مقابلے میں کسی شے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس وقت ایٹم بم کی قوت کو بڑی قوت سمجھتے ہیں بے شک ظاہری لحاظ سے یہ بڑی قوت ہے لیکن یقین جانو! ایمان کی قوت ایٹم بم سے بہت زیادہ ہے۔ مومنوں کو جب بھی کامیابی ہوئی ہے ایمان کی برکت سے ہوئی ہے۔ محض اسلحہ اور تعداد کے بل بوتے پر کبھی کامیابی نہیں ہوئی۔ ﴿وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ﴾ یہی لوگ ہیں جن کے لیے بھلائیاں ہیں ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے ﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ﴾ تیار کیے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باغات ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں۔ عرب کی سرزمین خشک تھی دور دور تک پانی نظر نہیں آتا تھا وہ لوگ پانی کو ترستے تھے گرمی بہت سخت تھی، دھوپ تیز ہوتی تھی وہ لوگ جہاں پانی اور سایہ دار درخت دیکھتے تھے وہاں ڈیرا لگا لیتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی حضرت عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ غریب آدمی تھے۔ ایک سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ایک جگہ دیکھا کہ پانی کا چشمہ ہے، بڑے بڑے عمدہ درخت ہیں، ہری بھری گھاس ہے، سبزیاں لگی ہوئیں تھیں ارادہ کیا کہ یہیں ڈیرا لگا لوں گھر جا کے کیا کرنا ہے یہیں پر اللہ اللہ کرتا ہوں۔ پھر خیال آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر کیسے رہ سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا حضرت! کیسے ہرے بھرے عمدہ درخت ہیں، پانی کا چشمہ ہے، سبزیاں ہیں کیا میں یہیں ڈیرا نہ لگا لوں؟ اور اللہ اللہ کرتا رہوں بیوی بچے اپنا کام کاج کریں اور کھائیں نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عُثْمَانَ ابْنَ مَظْعُوْنٍ عَنِ التَّبَتُّلِ فرمایا "اسلام اس چیز کا قائل نہیں ہے کہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر، عزیزوں کو چھوڑ کر، ماں باپ، بہن بھائیوں کو چھوڑ کر الگ ہو جاؤ۔" اسلام یہ کہتا ہے کہ ان کے اندر رہو ان کی خدمت کرو ان کی تکلیف دہ باتوں کو برداشت کرو، ان کی طرف سے جو تکلیفیں آئیں برداشت کرو تمہارے گناہ معاف ہوں گے۔

بعض دفعہ عزیز رشتہ داروں کی طرف سے خلافِ طبع ایسی ایسی باتیں سننے میں آتی ہیں کہ آدمی پریشان ہو جاتا ہے لیکن وہ مومن کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں۔ یہ کیا زندگی ہے کہ اپنے سکھ کے لیے سب کو چھوڑ کر الگ ہو جائے؟ یہ کوئی زندگی نہیں ہے۔ اسلام کہتا ہے محنت مشقت کرو، کماؤ اور ماں باپ، بہن بھائیوں، بیوی بچوں کے حقوق ادا کرو، ہمسائیوں کا حق ادا کرو، یہ دین کا حصہ ہے۔ کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید دنیا کمانا گناہ ہے۔ ایسی بات نہیں ہے ہاں! وہ دنیا جو حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر کمائی جائے وہ گناہ اور حرام ہے۔ باقی جائز طریقے سے دنیا کمانا یہ بھی دین کا حصہ ہے۔

اگر مال اور دولت فی نفسہٖ بری شے ہوتی تو اس پر اسلام کے ارکان موقوف نہ ہوتے۔ زکوٰۃ اسلام کا رکن ہے اور مال

پر موقوف ہے اگر مال نہ ہو تو زکوۃ کس چیز کی ہوگی؟ حج اسلام کا رکن ہے رقم نہیں تو حج کیسے کرے گا؟ اگر مال نہیں ہے تو عشر کیسا، قربانی کس چیز کی، فطرانہ کس چیز کا؟ لہٰذا مال فی نفسہٖ بری چیز نہیں ہے بشرطیکہ جائز طریقے سے کمایا جائے اس کے کمانے کی وجہ سے نماز روزے میں خلل نہ آئے۔ اگر کوئی شخص نماز چھوڑ کر مال کماتا ہے وہ حلال نہیں ہے اگر روزہ نہ رکھ کر مال کماتا ہے تو وہ حلال نہیں ہے۔ مومن کا سونا بھی عبادت ہے، جاگنا بھی عبادت ہے، چلنا بھی عبادت ہے اگر شریعت کے تابع ہو۔ چونکہ وہ لوگ پانی اور سایہ دار درخت کو ترستے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تمہارے لیے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ ہمیشہ رہیں گے ان باغوں میں ﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ یہی بڑی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر صحیح العقیدہ مسلمان مرد عورت کو نصیب فرمائے۔

﴿وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ﴾ اور آئے عذر پیش کرنے والے ﴿مِنَ الْاَعْرَابِ﴾ دیہاتیوں میں سے ﴿لِیُؤْذَنَ لَهُمْ﴾ تاکہ اجازت دی جائے ان کو ﴿وَقَعَدَ الَّذِیْنَ﴾ اور بیٹھ گئے وہ لوگ ﴿كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ جنھوں نے جھوٹ بولا اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول ﷺ سے ﴿سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ﴾ عنقریب پہنچے گا ان لوگوں کو جنھوں نے کفر اختیار کیا ان میں سے ﴿عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ دردناک عذاب ﴿لَیْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ﴾ نہیں ہے ضعیفوں پر ﴿وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى﴾ اور نہ بیماروں پر ﴿وَلَا عَلَى الَّذِیْنَ﴾ اور نہ ان لوگوں پر ﴿لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ﴾ جو نہیں پاتے وہ چیز جو خرچ کریں ﴿حَرَجٌ﴾ کوئی گناہ ﴿اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ جب کہ وہ اخلاص سے پیش آئیں اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول کے ساتھ ﴿مَا عَلَى الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ﴾ نہیں ہے نیکی کرنے والوں پر کوئی الزام ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ﴿وَّلَا عَلَى الَّذِیْنَ﴾ اور نہیں ہے گناہ ان لوگوں پر ﴿اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ﴾ جو آئے تھے آپ کے پاس ﴿لِتَحْمِلَهُمْ﴾ تاکہ آپ ان کو سواری دیں ﴿قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَیْهِ﴾ تو کہا آپ نے کہ میں نہیں پاتا وہ چیز جس پر تم کو سوار کروں ﴿تَوَلَّوْا وَّاَعْیُنُهُمْ﴾ پھرے اور آنکھیں ان کی ﴿تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا﴾ بہا رہی تھیں آنسو غم کرتے ہوئے ﴿اَلَّا یَجِدُوْا مَا یُنْفِقُوْنَ﴾ کہ نہیں پاتے وہ اس چیز کو جس کو وہ خرچ کریں ﴿اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَى الَّذِیْنَ﴾ بے شک الزام ان لوگوں پر ہے ﴿یَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِیَآءُ﴾ جو آپ ﷺ سے اجازت مانگتے ہیں حالانکہ وہ مال دار ہیں ﴿رَضُوْا بِاَنْ یَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ﴾ وہ راضی ہو گئے اس بات پر کہ ہو جائیں وہ بیٹھنے والی عورتوں کے ساتھ ﴿وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ان کے دلوں پر ﴿فَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ پس وہ نہیں جانتے۔

غزوۂ تبوک اور منافقوں کا بہانا بنا کر رخصت لینے کا ذکر

کافی تفصیل کے ساتھ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ سورۃ توبہ کا بیشتر حصہ غزوہ تبوک کے متعلق ہے۔ تبوک ترکوں کے زمانے میں مدینہ طیبہ سے پندرھواں اسٹیشن تھا۔ اور ان کے اسٹیشن دور دور ہوتے تھے کہ وہاں آبادی کم تھی۔ ہمارے ہاں اسٹیشن قریب قریب ہیں کیونکہ یہاں آبادی قریب قریب ہے یا اس طرح سمجھو کہ کوئی تیز سواری پر چلے تو پندرہ دن کا راستہ تھا۔ اس زمانے میں یہ عرب کی آخری سرحد تھی اور اب سعودیہ میں شامل ہے اور بدقسمتی سے وہاں امریکی فوج بیٹھی ہوئی ہے۔

۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہو چکا تھا عرب کا بیشتر علاقہ اسلام کے پرچم تلے آچکا تھا اور نجران کے عیسائی بھی وفادار رعیت ہونے کا عہد کر چکے تھے۔ ابو عامر راہب یہودی جو بڑا خبیث قسم کا سازشی آدمی تھا اس نے ہرقل روم کو اُکسایا کہ اب مسلمان تم پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس کے اکسانے پر ہرقل روم نے لاکھوں کی تعداد میں فوج لا کر تبوک میں ڈیرہ ڈالا اور مسلمانوں پر حملے کی تیاریاں شروع کیں۔ آنحضرت ﷺ کو جب اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے بغیر اشارے اور کنائے کے صریح الفاظ میں فرمایا کہ ہم نے تبوک کے مقام پر جانا ہے اور رومیوں کے ساتھ ہماری لڑائی ہے۔ اس لڑائی کے سوا جہاں بھی تشریف لے گئے ﴿وڑی﴾ توریہ کرتے تھے

توریہ کا معنیٰ ہے کہ اصل جگہ نہیں بتلاتے تھے بلکہ اشارہ فرما دیتے تھے۔ مثلاً: لاہور جانا ہوتا تو فرماتے کاموکی کی طرف جانا ہے یہ نہ فرماتے کہ لاہور جانا ہے اور اگر راولپنڈی جانا ہوتا تھا تو فرماتے ہم نے جہلم کی طرف جانا ہے۔ اصل جگہ کا نام نہیں لیتے تھے تاکہ جاسوس درمیان میں کوئی خرابی پیدا نہ کریں۔ اس غزوہ میں سارے مخلصین شریک ہوئے سوائے دس آدمیوں کے جو سستی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ تین ان میں خاص تھے جن کا ذکر اسی سورت کے آخر میں آئے گا۔ ان پر بڑی پابندی لگی اور وہ بڑے امتحان سے گزرے اور سات عام تھے ان کی توبہ جلد قبول ہوگئی۔ شدید گرمی کا موسم تھا، سفر لمبا تھا، فصلیں پکی ہوئی تھیں منافقوں نے ایک دوسرے کو کہا ﴿لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ﴾ گرمی ہے نہ جاؤ۔ منافقوں نے عجیب و غریب قسم کے بہانے بنا کر رخصتیں لیں اور ان میں سے ایک گروہ وہ بھی تھا جنھوں نے رخصت لینے کی ضرورت نہ سمجھی۔ ان کے ذہن میں یہ تھا کہ انھوں نے کون سا بچ کر واپس آنا ہے رومیوں کی فوج ان کو تباہ و برباد کر دے گی رخصت لینے کی کیا ضرورت ہے؟ ان کا ذکر بھی آئے گا۔ اور اب ان کا ذکر ہے جنھوں نے آپ ﷺ کی روانگی سے پہلے بہانے بنائے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ﴾ اور آئے عذر پیش کرنے والے دیہاتیوں میں سے۔ یہ لوگ مدینہ طیبہ کے آس پاس دیہات میں رہنے والے تھے ﴿لِیُؤْذَنَ لَهُمْ﴾ تاکہ اجازت دی جائے ان کو پیچھے رہنے کی اور وہ جہاد میں شریک نہ ہوں۔

کچھ ایسے منافق جنھوں نے رخصت لینا بھی ضروری نہ سمجھا

﴿وَ قَعَدَ الَّذِیْنَ﴾ اور بیٹھ گئے وہ لوگ ﴿كَذَبُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ جنھوں نے جھوٹ بولا اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ کہ ہم مومن ہیں حالانکہ وہ مومن نہیں تھے اس لیے کہ وہ بلا عذر جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے جھوٹے عذر اور بہانے بنانے والوں اور بلا عذر جہاد میں شرکت نہ کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے۔ فرمایا ﴿سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ﴾ عنقریب پہنچے گا ان لوگوں کو ﴿كَفَرُوْا مِنْهُمْ﴾ جنھوں نے کفر کیا ان میں سے۔ منافق کافروں سے بھی بدتر ہیں ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ [النساء: ۱۴۵] "بے شک منافق جہنم کا جو سب سے نیچے والا طبقہ ہے اس میں ہوں گے۔" جس کا عذاب سب سے زیادہ سخت ہے۔ ﴿عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ دردناک عذاب۔ کیونکہ انھوں نے کلمہ پڑھا، مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔

معذور اگر جہاد میں شرکت نہ کریں تو ان پر کوئی گناہ نہیں

آگے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو حقیقتاً معذور ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے ﴿لَیْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ﴾ نہیں ہے ضعیفوں پر جو بوڑھے ہیں ﴿وَ لَا عَلَى الْمَرْضٰى﴾ اور نہ بیماروں پر ﴿وَ لَا عَلَى الَّذِیْنَ﴾ اور نہ ان لوگوں پر ﴿لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ﴾ جو نہیں پاتے وہ چیز جو خرچ کریں ﴿حَرَجٌ﴾ کوئی گناہ۔ یعنی جن لوگوں کا ذکر ہوا ہے یہ اگر جہاد میں شرکت نہ کریں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ کیوں کہ ایسے مخلص بھی تھے کہ ان کو تلوار خریدنے کی توفیق نہیں تھی، سفر خرچ نہیں تھا، سواری کا انتظام نہیں تھا۔

عرب کا گرم ریتلا علاقہ ہے اس علاقے میں اونٹ کے بغیر سفر بڑا مشکل ہوتا تھا۔ رب تعالیٰ نے اُونٹ کے چوڑے پاؤں بنائے ہیں کہ ریت میں نہ دھنسے اور قدم بھی لمبے لمبے رکھتا ہے سفر جلدی طے ہو جاتا ہے۔ ﴿لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ "اللہ تعالیٰ نے کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی۔" لیکن جن لوگوں کو جہاد میں شرکت نہ کرنے کی اجازت ہے ان کے لیے بھی ایک شرط ہے ﴿اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ جب کہ وہ اخلاص سے پیش آئیں اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر خواہ بن کر رہیں کہ مسلمانوں اور اسلام کے خلاف غلط پروپیگنڈا نہ کریں، غلط افواہیں نہ پھیلائیں ﴿مَا عَلَى الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ﴾ نہیں ہے نیکی کرنے والوں پر کوئی الزام ﴿وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

جہاد سے محروم ہونے کے خطرہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پریشانی و اخلاص

اسی طرح کے چند اور آدمیوں کا ذکر ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر مشہور صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بمع پانچ ساتھیوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ یمن کے

باشندے اور قبیلہ بنو اشعر کے فرد تھے۔ جب سارا عرب فتح ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے ان کو یمن کا گورنر مقرر کیا تھا۔ انھوں نے آنحضرت ﷺ سے گزارش کی کہ حضرت! ہم چھ آدمی ہیں ہم نے کوشش کر کے ستو، آٹا اور چھوہارے تو اکٹھے کر لیے ہیں مگر ہمارے پاس سواری کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ حضرت! ہمیں تین اونٹ دے دو تا کہ ہم جہاد کے لیے تبوک پہنچ سکیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میرے پاس سواریاں نہیں ہیں۔ کہنے لگے حضرت! چلو دو دے دو ہم تین تین آدمی باری باری ایک ایک سواری پر سوار ہو کر پہنچ جائیں گے۔ اندازہ لگاؤ کتنے مخلص تھے۔

بدر کے موقع پر اخلاص صحابہ رضی اللہ عنہم

بدر کے موقع پر آنحضرت ﷺ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابولبابہ ابن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ ان تینوں کے پاس صرف ایک اونٹنی تھی۔ ایک میل ایک سوار ہوتا دو پیدل چلتے، بدر مدینہ منورہ سے اسی میل کی مسافت پر ہے۔ کافی لمبا سفر تھا جس وقت آنحضرت ﷺ کے چلنے کی باری آئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! نَحْنُ نَمْشِيْ عَنْكَ ہم آپ ﷺ کی طرف سے چلتے ہیں آپ ﷺ سوار رہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مجھے یہ منظور نہیں ہے میں بھی چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلوں اور راستے کی گرد و غبار میرے پاؤں پر پڑے اور درجے بلند ہوں اور میں تم سے کمزور بھی نہیں ہوں۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کی صحت بہت اچھی تھی آٹھ ہجری میں کمزور ہو گئے تھے اور عموماً نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

تو خیر اشعریوں نے کہا حضرت! ہمیں دو اونٹنیاں ہی دے دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ "میں نہیں پاتا کوئی سواری کہ اس پر تمھیں سوار کر سکوں۔" اس جواب کے بعد یہ چھ آدمی آپ ﷺ کی مجلس سے روتے ہوئے اٹھے آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ ہمیں سواری کی توفیق نہیں ہے اور آپ ﷺ نے بھی جواب دے دیا۔ لہٰذا ہم تو اس سفر سے محروم ہو گئے اور اس طرح روئے جس طرح وہ آدمی روتا ہے جس کے گھر مرگ ہو گئی ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں پر بھی کوئی الزام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ﴾ اور نہیں ہے گناہ ان لوگوں پر ﴿اِذَا مَآ اَتَوْكَ﴾ جو آئے تھے آپ کے پاس ﴿لِتَحْمِلَهُمْ﴾ تا کہ آپ ان کو سواری دیں ﴿قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ﴾ تو کہا آپ نے میں نہیں پاتا وہ چیز جس پر تم کو سوار کروں ﴿تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ﴾ وہ پھرے اور آنکھیں ان کی بہا رہی تھیں آنسو ﴿حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ غم کرتے ہوئے کہ نہیں پاتے وہ اس چیز کو جس کو وہ خرچ کریں۔

تقسیم رزق صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے

اب تم اس آیت پر غور کرو اور ان لوگوں کے عقیدے کو بھی دیکھو جو کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے رزق کو تقسیم کرنے والے ہیں اور آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے خزانوں کے مالک ہے۔ بھائی خزانے کا مالک بھی کبھی کہتا ہے کہ میرے پاس نہیں ہے۔ رب تعالیٰ نے بھی کبھی کسی کو کہا کہ تیرے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ انتہائی ناپاک اور گندہ عقیدہ ہے ان

آگے اللہ تعالیٰ نے ان صاحب استطاعت لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو بلا عذر جہاد میں شرکت کرنے سے اعراض کرتے ہیں۔ فرمایا ﴿اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ﴾ بے شک الزام ان لوگوں پر ہے ﴿يَسْتَاْذِنُوْنَكَ﴾ جو آپ ﷺ سے اجازت مانگتے ہیں ﴿وَهُمْ اَغْنِيَآءُ﴾ حالانکہ وہ مال دار ہیں۔ سواریاں مہیا کر سکتے ہیں اور بدنی اعتبار سے بھی قوی ہیں، بوڑھے نہیں، لنگڑے لولے نہیں، پھر بھی جہاد سے جان کتراتے ہیں۔ ہاں! اگر دل میں اشتیاق پورا ہو مگر کسی مجبوری کی وجہ سے نہ جا سکے تو اس کو گھر بیٹھے بھی اجر ملتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے تبوک کے مقام پر پہنچ کر فرمایا: اِنَّ فِي الْمَدِيْنَةِ اَقْوَامًا بے شک مدینہ طیبہ میں کچھ لوگ ہیں ان کے لیے اتنا ہی اجر ہے جتنا تمھیں ملا ہے قَالُوْا وَهُمْ فِي الْمَدِيْنَةِ ساتھیوں نے کہا حضرت! ان کو گھروں میں بیٹھے ہوئے وہی اجر ملے گا جو ہمیں اتنی تکالیف اٹھانے کے بعد ملا ہے۔ ہمارے پاؤں گھس گئے، پاؤں میں چھالے پڑ گئے، ناخن اتر گئے، ہمارے حلیے بگڑ گئے۔ فرمایا ہاں! اتنا ہی اجر ان کو ملے گا کیوں کہ اَحْبَسَهُمُ الْعُذْرُ بخاری شریف کی روایت ہے کہ ان کو عذر نے روک لیا ہے۔ اگر نابینے، لنگڑے، بیمار نہ ہوتے تو ضرور آتے۔ تمھیں تمہارے عمل کی بنیاد پر اجر ملا ہے اور ان کو حسن نیت کی بنیاد پر۔

جامع الصغیر وغیرہ میں حدیث ہے آدمی کی نیت بھی نیکی ہے۔ اور بخاری شریف میں روایت ہے: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔" بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ نِيَّةُ الْمَرْءِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ "آدمی کی نیت عمل سے بھی بہتر ہوتی ہے۔" حدیث پاک میں آتا ہے جہاد کے دنوں میں جہاد کرو اگر نہیں تو پھر جہاد کی نیت کرلو اور جنھوں نے نیت بھی نہ کی مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنَ النِّفَاقِ "وہ منافقت کے ایک شعبے پر مرا۔" اور جس نے نیت کی کہ جب جہاد شروع ہوگا تو میں جہاد میں شریک ہوں گا اور اس کو جہاد کرنے کا موقع نہیں ملا جہاد شروع نہیں ہوا تو مسلم شریف کی روایت ہے بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَاِنْ مَاتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ "رب تعالیٰ اس کو شہداء کی منازل میں پہنچائے گا اگر چہ وہ بستر پر مرے۔" کیوں کہ اس کی نیت تھی جہاد میں شریک ہونے کی۔

تو فرمایا الزام ان لوگوں پر ہے جو مال دار ہونے کے باوجود جہاد سے کتراتے ہیں ﴿رَضُوْا﴾ وہ راضی ہو گئے ﴿بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ﴾۔ خوالف جمع ہے خَالِفَةٌ کی۔ اور خوالف گھر بیٹھنے والی عورت کو کہتے ہیں۔ تو معنیٰ ہوگا اس بات پر کہ ہو جائیں وہ گھر بیٹھنے والی عورتوں کے ساتھ۔ ان میں مردانہ اوصاف نہیں ہیں ﴿وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ان کے دلوں پر نفاق کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جھوٹ بولنے کی وجہ سے ﴿كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ زبان سے کہتے ہیں ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ [البقرہ: ۸] "ایمان لائے ہم اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر اور حقیقت میں وہ مومن نہیں ہیں۔" ﴿فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ پس وہ نہیں جانتے۔ جاننے کی کوشش بھی نہیں کرتے حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب پیدا فرمائے ہیں اگر آدمی ان اسباب سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے تو اٹھا سکتا ہے۔

﴿يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ﴾ عذر پیش کریں گے وہ تمہارے سامنے ﴿اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ﴾ جس وقت تم لوٹو گے ان کی طرف ﴿قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا﴾ آپ کہہ دیں تم عذر پیش نہ کرو ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ﴾ ہم ہرگز تمہاری تصدیق نہیں کریں گے ﴿قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہاری کچھ خبریں بتا دی ہیں ﴿وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ﴾ اور عنقریب دیکھ لے گا اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کو اور اس کا رسول بھی ﴿ثُمَّ تُرَدُّوْنَ﴾ پھر تم لوٹائے جاؤ گے ﴿اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ عالم الغیب والشہادہ کی طرف ﴿فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ پس وہ تمھیں خبر دے گا اس چیز کی جو تم کرتے رہے ﴿سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ﴾ عنقریب یہ لوگ قسمیں کھائیں گے اللہ تعالیٰ کے نام کی تمہارے سامنے ﴿اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ﴾ جب تم لوٹ کے جاؤ گے ان کی طرف ﴿لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ﴾ تاکہ تم اعراض کرو ان سے ﴿فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ﴾ پس اعراض کرو تم ان سے ﴿اِنَّهُمْ رِجْسٌ﴾ بے شک وہ پلید ہیں ﴿وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ﴾ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے ﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ بدلہ ہے اس چیز کا جو وہ کماتے رہے ﴿يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ﴾ وہ قسمیں اٹھائیں گے تمہارے سامنے ﴿لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ﴾ تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ ﴿فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ﴾ پس اگر تم ان سے راضی ہو گئے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں راضی ہوگا فاسق قوم سے ﴿اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا﴾ دیہاتی لوگ زیادہ سخت ہیں کفر میں اور منافقت میں ﴿وَّاَجْدَرُ﴾ اور زیادہ لائق ہیں ﴿اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ کہ وہ نہ جانیں وہ حدود جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیے ہیں ﴿عَلٰى رَسُوْلِهٖ﴾ اپنے رسول پر ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے حکمت والا ہے ﴿وَمِنَ الْاَعْرَابِ﴾ اور دیہاتیوں میں سے بعض وہ بھی ہیں ﴿مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ﴾ جو بناتے ہیں اس چیز کو جو خرچ کرتے ہیں ﴿مَغْرَمًا﴾ تاوان ﴿وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ﴾ اور انتظار کرتے ہیں تمہارے متعلق گردشوں کا ﴿عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ﴾ انہی پر پڑے بُری گردش ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

غزوۂ تبوک کا ذکر چلا آرہا ہے۔ اس غزوہ میں منافقین نے مختلف بہانے بنا کر جان چھڑائی۔ اس کی وجہ میں نے عرض کی تھی کہ سخت گرمی کا موسم تھا، فصلیں پکی ہوئی تھیں، سفر لمبا تھا، رومی فوج کے ساتھ مقابلہ تھا، مالِ غنیمت ملنے کی بھی کوئی امید نہیں تھی، جان بھی خطرے میں تھی۔ منافقین مدینہ طیبہ شہر میں بھی تھے اور باہر دیہات میں بھی تھے۔ پھر یہ منافق دو قسم کے تھے۔ ایک وہ جنھوں نے بہانے بنا کر رخصت لے لی اور آپ ﷺ نے ان کو رخصت دے دی اور یہ بات تم پہلے پڑھ چکے

ہو کہ اس رخصت دینے پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تنبیہ فرمائی ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾ [التوبہ: ۴۳] "اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا آپ نے ان کو کیوں چھٹی دی ہے۔" انھوں نے تو کسی قیمت پر نہیں جانا تھا اب ان کو بہانا مل گیا ہے کہ ہمیں رخصت مل گئی ہے۔ اور دوسرے وہ منافق تھے جنھوں نے بہانے بنا کر رخصت لینے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ ان کے ذہن میں یہ تھا کہ انھوں نے کون سا واپس آنا ہے روم کی فوج ان کو وہیں ختم کر دے گی ان کا نام ونشان تک باقی نہیں رہے گا ہم ان سے رخصت کیوں لیں۔

اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ کئی دنوں تک آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تبوک کے مقام پر رہے۔ ہرقل روم نے اپنے ان کمانڈروں کو بلایا جو خاص اس کے راز دان اور قریبی تھے اور ان سے کہا کہ میں نے جو تمھارے ساتھ بات کرنی ہے یہ راز ہے کسی اور کے ساتھ نہ کرنا۔ بات یہ ہے کہ تم اچھی طرح جانتے ہو اور میں بھی جانتا ہوں کہ ہمارا مقابلہ جس کے ساتھ ہے یہ وہی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں جنھوں نے آنا تھا اور پیغمبر کا مقابلہ کر کے کبھی کوئی کامیاب نہیں ہوا۔ لہٰذا ہم نے ان کے ساتھ لڑنا نہیں ہے اور اپنی فوج اور کمانڈروں کو مطمئن بھی کرنا ہے، یہ بھی بڑا کام ہے۔ لہٰذا تم یہ ہو کہ جب تک دوسرا فریق حملہ نہیں کرے گا ہم بھی حملہ نہیں کریں گے اور اس کو معلوم تھا کہ آنحضرت ﷺ حتی الوسع پہلے حملہ نہیں کرتے۔ جب دشمن حملہ آور ہوتا تھا تو اس کا دفاع ضرور کرتے تھے۔

لہٰذا جب انھوں نے حملہ نہیں کرنا اور ہم نے بھی پہل نہیں کرنی تو لڑائی کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ چند دن ٹھہرنے کے بعد کہنے لگے کہ اتنے دن ہم ٹھہرے رہے انھوں نے حملہ نہیں کیا لہٰذا واپس چلو یہ بہانہ بنا کر واپس چلے گئے اور آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بخیر وعافیت واپس تشریف لے آئے تو ان منافقین کو پریشانی ہوئی جنھوں نے نہ جانے کا کوئی عذر پیش نہیں کیا تھا۔ غزوہ تبوک کے سفر کے دوران ہی میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ﴾ عذر پیش کریں گے وہ تمھارے سامنے ﴿اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ﴾ جس وقت اے مسلمانو! تم ان کی طرف لوٹو گے ﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم ﷺ! آپ ان سے کہہ دیں ﴿لَا تَعْتَذِرُوْا﴾ تم عذر پیش نہ کرو۔ کیوں کہ ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ﴾ ہم ہرگز تمھاری تصدیق نہیں کریں گے۔ تمھارے عذر اور بہانوں کو ہم نہیں مانیں گے ﴿قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمھاری کچھ خبریں بتا دی ہیں۔ کہ یہ منافق ہیں جھوٹے ہیں ان کو کوئی عذر نہیں تھا یہ منافقت کی وجہ سے نہیں گئے اور آئندہ کے لیے ﴿وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ﴾ اور عنقریب دیکھ لے گا اللہ تعالیٰ تمھارے عمل کو اور اس کا رسول بھی ﴿ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ پھر تم لوٹائے جاؤ گے عالم الغیب والشہادہ کی طرف۔

عالم الغیب کا معنیٰ:

عالم الغیب کا معنیٰ ہے مَا غَابَ عَنِ الْخَلْقِ "جو مخلوق سے غیب ہے۔" اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز غائب نہیں ہے اللہ تعالیٰ

عالم الغیب ہماری نسبت سے ہے یعنی جو چیز مخلوق سے غائب ہے اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتا ہے۔ پھر تمہارا معاملہ اس کے ساتھ ہوگا۔ ﴿فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ پس وہ تمہیں خبر دے گا اس چیز کی جو تم کرتے رہے۔ آئندہ جو حالات پیش آئیں گے ان میں دیکھیں گے کہ تم کتنا ساتھ دیتے ہو۔

اہل بدعت کا استدلال اور اس کا جواب

﴿وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ﴾ کے لفظ سے اہل بدعت نے ثابت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں۔ وہ اس طرح کہ اس کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھے گا اور اس کا رسول۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اُمت کے تمام اعمال کا معائنہ کرتے ہیں اور ان کو دیکھتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں۔ لیکن ان کا یہ استدلال باطل ہے کیونکہ اس سے اگلے صفحے پر آیت کریمہ موجود ہے ﴿وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ "اور آپ ان منافقوں سے کہہ دیں عمل کیے جاؤ پس دیکھ لے گا اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کو اور اس کا رسول اور مومن۔"

اگر اس لفظ سے حاضر ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے تو پھر سارے مومن حاضر ناظر ہیں۔ کیوں کہ اعمال دیکھنے میں مومن بھی شامل ہیں۔ حالانکہ مطلب اتنا ہے کہ تم اس وقت بہانے نہ بناؤ آئندہ جہاد کے مواقع آئیں گے تو دیکھ لیں گے کہ تم کیا کرتے ہو۔ پھر حاضر و ناظر چند افراد کے حالات کو جاننے کا نام نہیں کیوں کہ بات تو منافقوں کی ہو رہی ہے کہ منافق تمہارے سامنے آ کر معذرت کریں گے لیکن تم نے ان کا عذر نہیں ماننا بلکہ کہو کہ آئندہ تمہارے اعمال دیکھیں گے۔ اس سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا کس طرح ثابت ہو گیا۔ حاضر و ناظر تو اسے کہتے ہیں کہ مشرق سے لے کر مغرب تک، شمال سے لے کر جنوب تک تمام کائنات اس کے سامنے ہو۔ چند منافقوں کے حالات جاننے سے حاضر و ناظر ہونا کس طرح ثابت ہو گیا؟

﴿سَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ﴾ عنقریب یہ لوگ قسمیں کھائیں گے اللہ تعالیٰ کے نام کی تمہارے سامنے ﴿إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ﴾ جب تم لوٹو گے ان کی طرف تبوک سے۔ تو یہ قسمیں کھائیں گے کہ رب تعالیٰ کی قسم ہے ہم تو بالکل تیار تھے یہ مجبوری آ گئی تھی یہ مجبوری آ گئی تھی، تمہیں اعتماد میں لینے کے لیے جھوٹی قسمیں کھائیں گے ﴿لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ﴾ تاکہ تم اعراض کرو ان سے کہ ان کو کچھ نہ کہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ﴾ پس اعراض کرو تم ان سے ﴿إِنَّهُمْ رِجْسٌ﴾ بے شک وہ پلید ہیں ﴿وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ﴾ اور ٹھکانا ان کا دوزخ ہے ﴿جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ بدلہ ہے اس چیز کا جو وہ کماتے رہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَحْلِفُونَ لَكُمْ﴾ یہ جھوٹے منافق تمہارے سامنے قسمیں اٹھائیں گے ﴿لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ﴾ تاکہ آپ ان سے راضی ہو جائیں ﴿فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ﴾ پس بالفرض اگر تم ان سے راضی ہو گئے ظاہر کو دیکھتے ہوئے ﴿فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں راضی ہوگا فاسق قوم سے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن کو جانتا ہے اس کو معلوم ہے کہ یہ جھوٹی قسمیں اٹھا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا﴾ دیہاتی لوگ زیادہ سخت

ہیں کفر میں اور منافقت میں۔ چوں کہ عموماً دیہاتی لوگ بہ نسبت شہریوں کے مزاجاً سخت ہوتے ہیں اور حالات سے بھی بے خبر ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت فرمائے مولانا عبدالمہیمن صاحب کو۔ جب پاکستان بن رہا تھا اس زمانے میں انھوں نے مجھ سے مشکوٰۃ شریف پڑھی تھی۔ نصرۃ العلوم سے فارغ ہو کر نصرت العلوم ہی میں کئی سال تک تدریس کی خدمت سرانجام دیتے رہے پھر جامعہ اسلامیہ میں شیخ الحدیث رہے۔ اب دو سال ہو گئے ہیں فوت ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ مشکوٰۃ شریف میں جب یہ روایت آئی مَنْ تَبَدّٰی فَقَدْ جَفَا " جس نے دیہاتی زندگی اختیار کی اس نے اپنے اوپر ظلم کیا۔" مولوی صاحب مرحوم کہنے لگے استاد جی! حدیث کا مفہوم سمجھ نہیں آ رہا کیوں کہ دیہات کی آب و ہوا بڑی عمدہ ہوتی ہے، دیہاتی لوگ بڑے مخلص ہوتے ہیں، محبت کرتے ہیں، چیزیں مفت دے دیتے ہیں۔ شہری لوگ بڑے ہوشیار ہوتے ہیں جی حضور جی حضور کر کے ٹرخا دیتے ہیں۔ پھر حدیث کا کیا معنیٰ ہے؟

میں نے سمجھانے کی کوشش کی کہ دیکھو شہروں میں دنیا کے واقعات، حالات، حادثات کا علم اور دیگر علوم حاصل ہونے کے مواقع اور اسباب ہوتے ہیں جو دیہات میں نہیں ہوتے اور انسانی ضروریات شہر میں حاصل ہو جاتی ہیں۔ دیہات میں بعض چیزیں نہیں ملتیں آدمی تنگ ہوتے ہیں۔ پھر شہر میں اگر کوئی اچانک بیمار ہو جائے تو فوراً ڈاکٹر حکیم کا انتظام ہو جاتا ہے دیہات میں فوراً انتظام نہیں ہوتا۔

مرحوم نے کہا استاد جی! ساری باتیں صحیح ہیں مگر تسلی نہیں ہوئی۔ میں نے کہا پھر تسلی اور کس طرح ہو؟ جو بڑی عمر کے لوگ ہیں ان کو معلوم ہوگا کہ جنرل یحییٰ کے زمانہ میں نوٹ تبدیل ہوئے تھے اور انھوں نے دو دن کی مہلت دی تھی نوٹ تبدیل کرانے کی۔ یہ بے چارے دیہات کے قبائلی علاقے میں رہتے تھے انھوں نے حج اور مکان بنانے کے لیے اسی، نوے ہزار روپیہ جمع کیا ہوا تھا اور یہ جہاں رہتے تھے وہاں نہ ریڈیو اور نہ اور کوئی ایسا ذریعہ تھا کہ جس سے ان کو پتا چل جاتا، دو دن گزر گئے اور یہ نوٹ تبدیل نہ کرا سکے۔ پھر وہ نوٹ لے کر پھرتے رہے کوئی لیتا نہیں تھا۔ کہتے تھے اب ان سے چائے پکا لو۔ کہنے لگے استاد جی! اب حدیث سمجھ آ گئی ہے کہ جس نے دیہاتی زندگی اختیار کی اس نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ اگر میں شہر کے اندر ہوتا تو اسی، نوے ہزار روپے تو برباد نہ ہوتے۔

تو دیہات میں علم کے مواقع کم ہوتے ہیں بہت ساری تکالیف ہوتی ہیں۔ مزاج کے لحاظ سے بھی پینڈو رے (دیہاتی) سخت ہوتے ہیں ﴿وَّ اَجْدَرُ﴾ اور زیادہ لائق ہیں ﴿اَلَّا یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ﴾ کہ وہ نہ جانیں وہ حدود جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیے ہیں اپنے رسول پر۔ علم کی کمی کی وجہ سے وہ ان چیزوں کو اچھی طرح نہیں سمجھتے ﴿وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے حکمت والا ہے ﴿وَ مِنَ الْاَعْرَابِ﴾ اور دیہاتیوں میں سے بعض وہ بھی ہیں ﴿مَنْ یَّتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ مَغْرَمًا﴾ جو بناتے ہیں اس چیز کو جو خرچ کرتے ہیں تاوان۔ زکوٰۃ، عشر، فطرانہ وغیرہ کو تاوان اور چٹی سمجھتے ہیں، بوجھ سمجھتے

ہیں کیونکہ ایمان پختہ نہیں ہے ﴿وَيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ﴾ اور انتظار کرتے ہیں تمہارے متعلق گردشوں کا۔ کہ مسلمانوں پر کوئی آفت آئے اور ہم ان کی گرفت سے بچ جائیں کیونکہ اس زمانے کے کافر گیدڑ بھبکیاں دیتے رہتے تھے یہ کریں گے اور وہ کریں گے اور منافق اندر اندر سے خوش ہوتے تھے کہ مکے والے مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کو ختم کر دیں گے، خیبر والے حملہ کر کے ختم کر دیں، روم والے حملہ کر کے ختم کر دیں، غسانی بادشاہ ان کو ختم کر دے، ساسانی ان کو ختم کر دیں گے، نجرانی ان کو ختم کر دیں گے، ان گردشوں کے منتظر رہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مومنوں پر گردش نہیں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ﴿عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ﴾ انہی پر پڑے بُری گردش۔ یہ لوگ ختم ہوں گے، ذلیل ہوں گے، ان کے نظریات مٹ جائیں گے ﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [الصف: ۸] "اللہ تعالیٰ نورِ اسلام، نورِ ایمان کو مکمل کرے گا چاہے کافر کڑھتے رہیں۔" ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ اس سے کوئی شے مخفی نہیں ہے نہ قولی نہ فعلی۔

~~~~~~

﴿وَمِنَ الْاَعْرَابِ﴾ اور دیہاتیوں میں سے بعض وہ ہیں ﴿مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ﴿وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اور بناتے ہیں اس چیز کو جو وہ خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں تقرب کا ذریعہ ﴿وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ﴾ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا ذریعہ ﴿اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ﴾ خبردار! بے شک یہ ان کے تقرب کا ذریعہ ہیں ﴿سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ﴾ عنقریب داخل کرے گا ان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ﴾ اور ایمان میں سبقت لے جانے والے سب سے پہلے ﴿مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾ مہاجرین اور انصار میں سے ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ اور جنھوں نے ان کا اتباع کیا اخلاص کے ساتھ ﴿رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے ﴿وَاَعَدَّ لَهُمْ﴾ تیار کیے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ﴿جَنّٰتٍ﴾ باغات ﴿تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ﴾ جاری ہیں ان کے نیچے ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ ہمیشہ رہا کریں گے ان میں ﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ یہی بڑی کامیابی ہے۔

دیہاتی لوگ عموماً علمی طور پر کمزور ہوتے ہیں اور گفتگو کا انداز بھی عجیب ہوتا ہے۔ اس میں ادب و احترام کا پہلو کم ہوتا ہے اور موٹی (کرخت) زبان رکھتے ہیں۔ شہری لوگ شہر میں رہنے کی وجہ سے علم بھی حاصل کرتے ہیں اور تازہ تازہ خبریں بھی ان کو معلوم ہوتی رہتی ہیں اگرچہ دیہاتیوں کی طرح مخلص نہیں ہوتے۔ کیوں کہ دیہاتی اپنے نظریے میں پختہ ہوتے ہیں، نظریہ
~~~~~~

جیسا بھی ہو اور بات کھری کر دیتے ہیں۔

دیہاتی چودھری کا کھرا پن

۱۹۷۱ء میں جمعیت علمائے اسلام نے قومی اور صوبائی اسمبلی کے الیکشن لڑنے کا فیصلہ کیا اور دو حلقوں گکھڑ، وزیر آباد کا حلقہ اور شہر گوجرانوالا کے حلقہ میں استاد محترم حضرت مفتی عبدالواحد صاحب کو کھڑا کیا گیا۔ ایک پر صوبائی کے لیے اور ایک پر قومی کے لیے۔ دیہاتی علاقوں میں ہمیں بھی جانا پڑتا تھا کیونکہ میں اس وقت جمعیت علمائے اسلام ضلع گوجرانوالا کا امیر تھا، جمعیت کے ساتھ تعلق تھا اور ۱۹۹۰ء کے بعد بڑھاپے اور بیماریوں کی وجہ سے اور کچھ پالیسیوں کی وجہ سے جمعیت کے ساتھ نہیں ہوں اور نہ ہی کسی اور جماعت کے ساتھ ہوں۔ حضرت درخواستی زندہ تھے میں نے ان کو اطلاع دے دی تھی کہ اب میرا کسی جماعت کے ساتھ تعلق نہیں ہے۔

تو خیر الیکشن کے سلسلہ میں علی پور کے قریب ایک قصبہ میں پہنچے۔ سورج طلوع ہوئے ایک گھنٹہ ہو چکا تھا چودھری کے بارے میں معلوم کیا۔ نام ان کا ڈائری میں درج ہے زبانی مجھے یاد نہیں ہے۔ چودھری صاحب آئے اور بڑے خوش ہوئے۔ کیونکہ مجھے بھی جانتے تھے میری تقاریر بھی سنتے تھے اور مفتی عبدالواحد صاحب کو بھی جانتے تھے۔ کہنے لگے آج میرے لیے عید کا چاند ہے اور دو عیدیں ہیں دو بزرگ ہمارے قصبے میں تشریف لائے ہیں بڑی خوشی ہوئی ہے۔ ہمارے ساتھ دس بارہ رضا کار بھی تھے کہ ویگن بھری ہوئی تھی۔ چودھری صاحب نے پر تکلف ناشتا کرانے کے بعد پوچھا کہ آپ کس لیے آئے ہیں؟ ہم نے بتایا کہ ہم الیکشن لڑ رہے ہیں اور مولانا کو اس حلقے میں کھڑا کیا ہے۔ آپ لوگوں کو اکٹھا کریں تا کہ ہم ان سے بات کریں چودھری صاحب نے لوگوں کو اکٹھا کیا جب لوگ اکٹھے ہو گئے تو ہم نے تقریریں کیں۔ بعد میں چودھری صاحب نے کہا علمائے کرام جی! اگر ناشتے میں کوئی کمی ہوئی ہے تو میں معذرت خواہ ہوں دوپہر کا کھانا آپ نے یہیں کھانا ہے ان شاء اللہ کھانے پینے کی کمی پوری کر دیں گے مگر ووٹ ہم میں سے کسی ایک نے بھی آپ کو نہیں دینے۔

ہم بڑے حیران ہوئے کہ چودھری صاحب تو بڑے خوش تھے اور کہہ رہے تھے ہمارے لیے عید کا چاند چڑھ گیا ہے اور اب کہتے ہیں کہ ایک ووٹ بھی نہیں دینا۔ بڑا کھرا آدمی تھا کہنے لگا سنو! ہماری آپس میں لڑائیاں ہوتی ہیں۔ بنے پر، زمین پر، پرنالے پر، درخت پر، جانوروں پر، رشتوں پر، ہم سچے بھی ہوتے ہیں جھوٹے بھی ہوتے ہیں آپ سارے کاموں میں ہمارا ساتھ دیں گے؟ ہم نے کہا نہیں! تو کہنے لگا پھر ہم نے ووٹ ان کو دینے ہیں کہ اگر ہم جھوٹے بھی ہوں تو وہ ہمارا ساتھ دیں۔ ہم نے قتل بھی کیا ہو تو ہمارے ساتھ جائیں اور کہیں یہ قاتل نہیں ہیں، چوری کی ہو تو کہیں یہ تو بڑے پارسا ہیں، ڈاکا ڈالا ہو تو کہیں یہ تو ڈاکو نہیں ہیں۔ ہم نے تو ووٹ ایسے لوگوں کو دینے ہیں اس لیے ہم معذرت خواہ ہیں آپ حضرات کو مغالطے میں نہیں رکھنا چاہتے۔ اور شہری لوگوں کا حال یہ ہے کہ ایک آیا تو اس کو قسم اٹھا کر تسلی دے دی دوسرا آیا تو اس کو قسم اٹھا کر تسلی دے دی۔ ایک

کے سامنے قرآن اٹھا لیتے ہیں اور دوسرے کے لیے بھی قرآن سر پر رکھ لیتے ہیں باطن میں کچھ اور ظاہر میں کچھ ہوتے ہیں۔ تو دیہاتیوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ کفر اور نفاق میں پکے ہوتے ہیں۔

لطیفہ:

امام غزالی نے ایک لطیفہ نقل کیا ہے کہ ایک امام تھا جس کو چند سورتیں یاد تھیں اور اس کو اس سورۃ کا ﴿اَشَدُّ کُفْرًا وَّنِفَاقًا﴾ والا رکوع بھی یاد تھا اور یہ رکوع وہ اکثر نماز میں پڑھتا تھا۔ ایک دیہاتی نے ایک بار سنا، دوسری بار سنا، تیسری بار سنا تو امام کو ڈنڈا مار کر کہا کہ تم ہمیشہ ہمارے پیچھے ہی لگے رہتے ہو ﴿اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّنِفَاقًا﴾ تمھیں اور کوئی آیت نہیں آتی۔ کچھ عرصہ بعد آیا تو امام صاحب مذکورہ آیت پڑھ چکے تھے اور ﴿وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ دیہاتیوں میں سے وہ بھی ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ﴿وَیَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰہِ﴾ اور بناتے ہیں وہ اس چیز کو جو وہ خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں تقرب کا ذریعہ ﴿وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ﴾ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا ذریعہ، پڑھ رہے تھے۔ وہ دیہاتی کہنے لگا اَلْاٰنَ نَفَعَكَ الْعَصَا میرا ڈنڈا کام آ گیا ہے۔ پہلے تو دیہاتیوں کی مذمت کرتا تھا اور اب تو نے تعریف شروع کر دی ہے۔ تو سارے دیہاتی بُرے نہیں ہوتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اور دیہاتیوں میں سے بعض وہ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ﴿وَیَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰہِ﴾ اور بناتے ہیں اس چیز کو جو وہ خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں تقرب کا ذریعہ ﴿وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ﴾ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا ذریعہ، یعنی وہ مال اس نظریے سے خرچ کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دعائیں دیں گے اور آئندہ رکوع میں آ رہا ہے کہ جب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صدقہ خیرات پیش کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے دعا فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ﴾ خبردار! بے شک یہ ان کے تقرب کا ذریعہ ہے۔ صدقات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے اور حدیث پاک میں آتا ہے اَلصَّدَقَةُ تَدْفَعُ مَيْتَةَ السُّوْءِ "جو شخص صدقہ خیرات کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بری موت سے بچائے گا۔" اور یہ بھی حدیث پاک میں آتا ہے اَلصَّدَقَةُ تَدْفَعُ الْبَلَاءَ "صدقہ خیرات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مصیبت ٹال دیتا ہے۔" اور یہ بھی آتا ہے اَلصَّدَقَةُ تُطْفِیئُ غَضَبَ الرَّبِّ کہ صدقے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔ یہ سب روایات اپنی جگہ صحیح ہیں لیکن عوام نے صدقے کا مفہوم نہیں سمجھا۔

صدقے کا مفہوم:

عوام یہ سمجھتے ہیں کہ کالے بکرے کی سری دینا صدقہ ہے اور اس سے بڑی چھلانگ لگائی تو بکرا چھترا دے دیا۔ یہ صحیح معنی میں صدقہ نہیں ہے اس لیے کہ صدقے کا مفہوم ہے غریب کی ضرورت پوری کرنا۔ غریب کو آٹے دانے کی ضرورت ہے،

جوتے کی ضرورت ہے، صابن تیل کی ضرورت ہے، اس کے بچوں کو فیس کی ضرورت ہے، کتاب کاپی کی ضرورت ہے یہ کالی سری کہاں کہاں کام آئے گی اس سے کون کون سی ضرورت پوری ہو گی؟ تو صدقے خیرات کا مفہوم ہے غریب کی ضرورت پوری کرنا۔ اس کا بہترین طریقہ ہے کہ اس کو نقد دے دو تا کہ اس کی جو ضرورت ہو اس سے وہ پوری کر لے۔

ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ﴾ عنقریب ان کو داخل کرے گا اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی خاص رحمت نازل فرمائے گا ﴿إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اگر نیکی کرنے والوں سے چھوٹی موٹی غلطی ہو گی تو معاف کر دے گا۔ پہلے تفصیل کے ساتھ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ سورۃ توبہ میں غزوۂ تبوک کا ذکر ہے جو ہجرت کے نویں سال رجب کے مہینے میں پیش آیا سخت گرمی کا موسم اور سفر لمبا تھا اور رومیوں کے ساتھ مقابلہ تھا۔ منافقوں نے حیلے بہانے کر کے جان چھڑائی سوائے چند منافقوں کے جو ساتھ جانے پر مجبور تھے اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کی مذمت اور برائی بیان فرمائی ہے۔

اب ان لوگوں کا ذکر ہے جنھوں نے دل وجان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اور ہر نیکی کے کام میں پیش پیش رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ﴾ اور ایمان میں سبقت لے جانے والے سب سے پہلے اور عمل میں بھی ﴿مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾ مہاجرین اور انصار میں سے ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ اور جنھوں نے ان کا اتباع کیا اخلاص کے ساتھ ﴿رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ سے کون لوگ مراد ہیں؟

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ﴾ سے کون لوگ مراد ہیں؟ مفسرین کرام رحمہم اللہ سے تین تفسیریں منقول ہیں۔ پہلی تفسیر یہ ہے کہ وہ مہاجرین جو سب سے پہلے ایمان لائے یہ تو وہ ہوئے ایمان میں سبقت لے جانے والے اور وہ مہاجر جو دوسرے تیسرے چوتھے نمبر پر مسلمان ہوئے وہ ان کا اتباع کرنے والے ہوئے۔ اسی طرح وہ انصار جنھوں نے پہلے نصرت اور مدد کی وہ تو ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ﴾ میں ہوئے اور جنھوں نے دوسرے تیسرے نمبر پر مدد کی وہ ان کا اتباع کرنے والے ہوئے۔ تو اس تفسیر کے مطابق تمام کے تمام مہاجرین اور انصار ہوئے یعنی ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ﴾ بھی اور ان کا اتباع اور پیروی کرنے والے بھی۔

اور دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ﴾ سے مراد تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور ﴿اتَّبَعُوْهُمْ﴾ سے مراد تابعین ہیں اور تابعی اسے کہتے ہیں جس نے ایمان کی حالت میں صحابی کو دیکھا ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔ جن لوگوں نے مہاجرین اور انصار کو دیکھا ہے وہ تابعین ہیں انھوں نے اخلاص کے ساتھ مہاجرین اور انصار کی پیروی کی ان سے بھی اللہ تعالیٰ راضی ہے۔

اور تیسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ ﴿اتَّبَعُوْهُمْ﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جو مہاجرین اور انصار کی ایمان میں، عمل صالح میں،

جہاد میں، ہجرت میں پیروی کرنے والے ہیں قیامت تک۔ اُن کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں سے بنائے جو مہاجرین انصار کا دامن تھامنے والے ہیں، پاؤں پکڑنے والے ہیں، ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔

﴿وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ﴾ تیار کیے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باغات، جاری ہیں ان کے نیچے نہریں۔ جنت کی نہریں دنیا کی نہروں کی طرح زمین کے پیٹ میں نہیں بہتیں بلکہ وہ سطح زمین کے اوپر چلتی ہیں اور دونوں طرف موتیوں کے بند بنے ہوئے ہوں گے اور احادیث میں آتا ہے کہ جو آدمی چاہے گا کہ پانی کا رخ میری طرف ہو سونے کی چھڑی اس کے ہاتھ میں ہوگی اس کے ساتھ اشارہ کرے گا پانی کا رخ اس کی طرف ہو جائے گا اور اردگرد بند بندھتا چلا جائے گا۔ وہاں کسی شے کی کمی نہیں ہوگی۔

دنیا میں تو ہمارے پاس تھوڑی تھوڑی جگہ ہے اور جنت کے بارے میں حدیث پاک میں آتا ہے کہ ادنیٰ ترین جنتی کو اس دنیا سے دس گنا زیادہ جگہ ملے گی اور ہر ایک جنتی کا مکان موتی کا ہوگا جو ساٹھ میل میں پھیلا ہوا ہوگا۔ یہ چیزیں ہمیں یہاں سمجھ نہیں آسکتیں۔ جس طرح ماں کے پیٹ میں بچے کو یہ دنیا سمجھ نہیں آسکتی کیونکہ اس کے لیے ماں کا پیٹ ہی ساری دنیا ہے۔ اس کو وہاں کوئی سمجھائے کہ جب تو ماں کے پیٹ سے باہر آئے گا تو تجھے بڑی وسیع دنیا نظر آئے گی اور بہت اونچا آسمان نظر آئے گا باغات، دریا، درخت اور میدان ہوں گے تو ظاہر بات ہے کہ وہ نہیں سمجھ سکتا۔ اسی طرح یہاں دنیا میں ہوتے ہوئے ہمیں بھی آخرت سمجھ میں نہیں آسکتی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا﴾ ہمیشہ رہا کریں گے ان باغوں میں ﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ یہی بڑی کامیابی ہے۔ رب تعالیٰ تمام مومنین و مومنات کو نصیب فرمائے۔

﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ﴾ اور ان میں سے جو تمہارے اردگرد ہیں دیہاتوں میں رہنے والے لوگ ﴿مُنٰفِقُوْنَ﴾ منافق ہیں ﴿وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ﴾ اور بعض مدینہ طیبہ میں سے بھی ﴿مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ﴾ جوڑتے ہوئے ہیں منافقت پر ﴿لَا تَعْلَمُهُمْ﴾ اے نبی کریم ﷺ! آپ ان کو نہیں جانتے ﴿نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ صرف ہم ہی ان کو جانتے ہیں ﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ﴾ بہ تاکید ہم ان کو دو مرتبہ سزا دیں گے ﴿ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِیْمٍ﴾ پھر وہ لوٹائے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف ﴿وَ اٰخَرُوْنَ﴾ اور کچھ دوسرے لوگ ہیں ﴿اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ﴾ جنھوں نے اعتراف کیا ہے اپنے گناہوں کا ﴿خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا﴾ ملایا ہے انھوں نے نیک عمل اور دوسرا برا ﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ﴾ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رجوع کرے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾

بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ آپ لیں ان کے مالوں میں سے صدقہ ﴿تُطَهِّرُهُمْ﴾ آپ پاک کریں ان کو ﴿وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ اور صاف کردیں ان کو اس صدقے کی وصولی کے ساتھ ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ﴾ اور دعا کریں ان کے لیے ﴿اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ بے شک آپ کی دعا ان کے لیے تسکین کا باعث ہے ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا﴾ کیا وہ نہیں جانتے ﴿اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی قبول کرتا ہے توبہ ﴿عَنْ عِبَادِهٖ﴾ اپنے بندوں سے ﴿وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ﴾ اور وہی وصول کرتا ہے صدقات ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ﴿وَقُلِ اعْمَلُوْا﴾ اور آپ ان سے کہہ دیں عمل کرتے رہو ﴿فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ عنقریب دیکھے گا اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کو اور اس کا رسول ﷺ بھی دیکھے گا اور مومن بھی دیکھیں گے ﴿وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ اور عنقریب تم لوٹائے جاؤ گے اس ذات کی طرف جو غیب اور حاضر چیزوں کو جاننے والی ہے ﴿فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ پس وہ ذات تمھیں بتادے گی وہ عمل جو تم کرتے تھے۔

آج کی آیات میں غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے والے منافقین اور وہ مسلمان جنھوں نے تن آسانی کی خاطر سفر اختیار نہیں کیا تھا کا رد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ﴾ اور ان میں سے جو تمہارے اردگرد ہیں ﴿مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ﴾ دیہاتوں میں رہنے والے لوگ منافق ہیں۔ اردگرد سے مراد وہ دیہات ہیں جو مدینہ طیبہ سے دو تین چار چھ دس بارہ میل کے فاصلے پر آبادیاں تھیں اور وہ سودا سلف خریدنے کے لیے مدینہ طیبہ آتے تھے۔ ﴿وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ﴾ اور بعض مدینہ طیبہ میں سے بھی منافق ہیں ﴿مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ﴾ جوڑے ہوئے ہیں منافقت پر ﴿لَا تَعْلَمُهُمْ﴾ اے نبی کریم ﷺ! آپ ان کو نہیں جانتے ﴿نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ صرف ہم ہی ان کو جانتے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نہ تو عالم الغیب تھے اور نہ آپ ﷺ کو مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْنُ کا علم حاصل تھا۔ کیوں کہ یہ سورۃ توبہ قرآن کریم کی بڑی سورتوں میں سے آخری سورت ہے۔ اس کے بعد صرف ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ﴾ نازل ہوئی ہے اور کوئی سورت نازل نہیں ہوئی۔ چنانچہ بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت ہے کہ آخری سورت نَزَلَتْ سُوْرَةُ التَّوْبَةِ قرآن کریم کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت توبہ ہے۔ اور یہ آیت کریمہ اس بات پر واضح دلیل ہے کہ مدینہ طیبہ میں ان منافقوں کو جن کا نفاق حد کمال کو پہنچا ہوا تھا اور جو نفاق پر اڑے ہوئے اور بہ ضد تھے ان کو بھی جناب نبی کریم ﷺ نہیں جانتے تھے۔ ان کا علم بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کو تھا۔ اگر آپ ﷺ عالم الغیب اور مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْنُ کے عالم ہوتے تو لامحالہ آپ ﷺ کو ان منافقوں کے حالات معلوم ہوتے اور اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتے کہ آپ ﷺ

ان کو نہیں جانتے فقط ہم ہی جانتے ہیں۔

اور یاد رکھنا! اہل بدعت میں جو ہوشیار قسم کے مولوی ہیں ان کے سامنے جب وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غیب کی نفی ہے تو وہ یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس وقت علم نہیں تھا بعد میں غیب حاصل ہو گیا تھا۔ عوام سطحی ہوتے ہیں مان لیتے ہیں کیوں کہ قرآن کریم کا نزول تو ہوتا رہا ہے اگر پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب حاصل نہیں ہوا تو بعد میں حاصل ہو گیا ہوگا۔ لہٰذا آیات اچھی طرح سمجھ لیں اور ان کے داؤ میں نہ آنا۔ کیوں کہ یہ قرآن کریم کی بڑی سورتوں میں سے آخری سورت ہے اس کے بعد کوئی ایسی سورۃ نازل نہیں ہوئی جس میں اس بات کا ذکر ہو کہ بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب حاصل ہو گیا تھا اور نہ ہی اس کے بعد کوئی ایسی آیت کریمہ نازل ہوئی کہ جس میں یہ ذکر ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عَالِمُ مَاكَانَ وَمَايَكُوْنُ بنا دیا گیا ہے۔ اس سبق کو اچھی طرح سمجھ لو اور یاد کر لو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ﴾ بہ تاکید ہم ان کو دو مرتبہ سزا دیں گے۔ ایک اس وقت جب فرشتے کافر، منافق کی جان نکالتے ہیں تو اُسے ہتھوڑے سے مارتے ہیں ﴿يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ﴾ [انفال: ۵۰] "ان کے چہروں پر مارتے ہیں اور پشتوں پر مارتے ہیں۔" اور حدیث پاک میں آتا ہے ان کی جان ایسے نکلتی ہے جیسے گیلی اون سے لوہے کی گرم سلاخ کو کھینچا جائے تو سی سی کرے گی۔ اور دوسری سزا قبر میں ہوگی ﴿ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ﴾ پھر وہ لوٹائیں جائیں گے بڑے عذاب کی طرف۔ یہ تیسرا عذاب آخرت کا ہوگا اور یہ سب سے بڑا اور ہمیشہ رہنے والا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔

بخلاف اس کے مومن کی جان نکالنے کے لیے جب فرشتے اس کے سامنے آتے ہیں تو اس کو اس کا جنت کا مقام دکھاتے ہیں کہ تو نے اب وہاں جانا ہے۔ اس کو بڑا شوق پیدا ہوتا ہے اور کہتا ہے مجھے جلدی لے چلو۔ اور مومن کی جان ایسے نکلتی ہے جیسے مشکیزہ کا منہ کھول دیا جائے تو پانی نکل جاتا ہے۔

عام اور خاص کا فرق

آگے ان دس مخلص مومنوں کا ذکر ہے جو صرف گرمی سے بچنے اور تن آسانی کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شریک نہ ہوئے۔ ان میں سے سات عام اور تین خاص مخلص تھے۔ ان آیات میں سات عام کا ذکر ہے اور جو تین خاص تھے ان کا ذکر سورت کے آخر میں آئے گا ﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾ کے اندر۔ ان کی توبہ پچاس دن کے بعد قبول ہوئی۔ کیوں کہ جس کو جتنا قرب زیادہ حاصل ہوتا ہے اس کا امتحان بھی اتنا زیادہ ہوتا ہے اور جس کی اتنی حیثیت نہیں ہوتی اس کے لیے زیادہ امتحان اور پابندی بھی نہیں ہوتی۔

چنانچہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی نے سب

کے سامنے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بازو چڑھا کر پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے بھاگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا کہ اس کو نہ روکو۔ اس کے یہاں پیشاب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو پیشاب کی تکلیف ہے تم روکو گے تو تکلیف زیادہ ہوگی۔ اب تو یہ ایک کونے میں پیشاب کر رہا ہے اس کا دھونا آسان ہے اگر تم اس کے پیچھے بھاگو گے وہ آگے بھاگے گا ساری مسجد پلید کرے گا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جاہل کا پیشاب کرنا بھی گوارا کر لیا۔ اور دوسری روایت ابوداؤد شریف کی ہے کہ ایک چھوٹی سی مسجد کا امام تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امام کو قبلے کی طرف تھوکتے دیکھا تو فرمایا کہ تاحکمِ ثانی یہ تمھیں امامت نہیں کروا سکتا۔ حالانکہ تھوک پلید نہیں ہے۔ تو خاص کے لیے پابندیاں زیادہ ہوتی ہیں۔

نیکاں را بیش بود حیرانی

جتنا قرب ہوگا اتنا امتحان اور پابندی زیادہ ہوگی۔ اور جو سات عام تھے ان کی توبہ اللہ تعالیٰ نے فوراً قبول فرما لی اس کا ذکر ہے۔ فرمایا ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ﴾ اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جنھوں نے اعتراف کیا ہے اپنے گناہوں کا ﴿خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا﴾ ملا یا ہے انھوں نے نیک عمل اور دوسرا برا عمل کہ اس جہاد میں شریک نہیں ہوئے ﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ﴾ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رجوع کرے گا کہ ان کی توبہ قبول کرلے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ سات آدمی زکوٰۃ لے کر آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گریز کیا کہ یہ لوگ غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوئے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ اپنے لیے نہیں لیتے تھے بلکہ جمع کر کے فقیروں، مسکینوں، ضرورت مندوں پر خرچ کرتے تھے۔ تو حق تعالیٰ نے فرمایا ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ آپ لیں ان کے مالوں میں سے صدقہ زکوٰۃ ﴿تُطَهِّرُهُمْ﴾ آپ پاک کریں ان کو ﴿وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ اور صاف کردیں ان کو اس صدقہ زکوٰۃ کی وصولی کے ساتھ بخل سے، تطہیر سے مال پاک ہوگا اور تزکیہ سے دل پاک ہوگا ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ﴾ اور آپ دعا کریں ان کے لیے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جو آدمی زکوٰۃ لا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے دعا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ بَنِيْ فُلَانٍ "اے اللہ فلاں کی آل اولاد پر رحمت فرما۔" ﴿اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ بے شک آپ کی دعا ان کے لیے تسکین کا باعث ہے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ بہ نسبت عام لوگوں کے نیکوں کی دعائیں زیادہ قبول کرتا ہے مگر سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے پیغمبروں کی دعا قبول فرماتا ہے ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ یہ نہ تو منافق ہیں اور نہ ہی ریاکار ہیں سستی سے غلطی ہوئی ہے اور اپنی کوتاہی کا اقرار بھی کر رہے ہیں کہ ہم سے غلطی ہوئی ہے۔ ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا﴾ کیا وہ نہیں جانتے ﴿اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے۔ ﴿وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ [آل عمران: ۱۳۵] "اللہ تعالیٰ کے سوا گناہ کون معاف کرسکتا ہے۔"

حدیث پاک میں آتا ہے يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ كُلُّكُمْ خَطَّاءُوْنَ "اے اولادِ آدم! تم سب خطا کار ہو وَ خَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ

التَّوَّابُوْنَ اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو فوراً توبہ کرتے ہیں۔" ہر وقت اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے ہیں۔ ﴿وَیَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ﴾ اور وہی وصول کرتا ہے صدقات یعنی قبول کرتا ہے۔ جو صدقہ اخلاص کے ساتھ دیا جاتا ہے اس کے لیے قبولیت ہوگی ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

﴿وَقُلِ﴾ اور آپ ان سے کہہ دیں ﴿اعْمَلُوْا﴾ عمل کرتے رہو ﴿فَسَیَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ عنقریب دیکھے گا اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کو اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی دیکھے گا اور مومن بھی دیکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ تو حقیقت جانتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے جانتے ہیں اور عام مومن قرائن اور شواہد سے جانتے ہیں کہ یہ شخص مخلص ہے یا نہیں۔ باقی اندر کی بات کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے ﴿وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ اور عنقریب تم لوٹائے جاؤ گے اس ذات کی طرف جو غیب اور حاضر چیزوں کو جاننے والی ہے۔ یعنی جو چیزیں تمہارے سامنے حاضر ہیں رب تعالیٰ ان کو بھی جانتا ہے اور جو چیزیں تم سے غائب ہیں رب تعالیٰ ان کو بھی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز غائب نہیں ہے وہ مخلوق کی نسبت سے عالم الغیب ہے یعنی جو چیزیں مخلوق سے غائب ہیں وہ ان کو بھی جانتا ہے ﴿فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ پس وہ ذات تمھیں بتادے گی وہ عمل جو تم کرتے تھے۔ یعنی ان کا نتیجہ تمہارے سامنے آجائے گا۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا۔

﴿وَاٰخَرُوْنَ﴾ اور بعض دوسرے لوگ ہیں ﴿مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ﴾ جن کو مہلت دی گئی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ﴿اِمَّا یُعَذِّبُهُمْ﴾ یا تو اللہ تعالیٰ ان کو سزا دے گا ﴿وَاِمَّا یَتُوْبُ عَلَیْهِمْ﴾ یا ان کی توبہ قبول کرلے گا ﴿وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ﴿وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے بنائی ہے مسجد ﴿ضِرَارًا وَّكُفْرًا﴾ ضرر دینے کے لیے اور کفر کے لیے ﴿وَّتَفْرِیْقًۢا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور ایمان والوں کے درمیان تفریق ڈالنے کے لیے ﴿وَاِرْصَادًا﴾ اور اڈا بنانے کے لیے ﴿لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ﴾ اس شخص کے لیے جو لڑتا رہا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سے پہلے ﴿وَلَیَحْلِفُنَّ﴾ اور البتہ یہ لوگ قسمیں اٹھائیں گے ﴿اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى﴾ کہ ہم نے نہیں ارادہ کیا مگر نیکی کا ﴿وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ البتہ یہ لوگ جھوٹے ہیں ﴿لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا﴾ آپ نہ کھڑے ہوں اس مسجد میں کبھی بھی ﴿لَمَسْجِدٌ﴾ البتہ وہ مسجد ﴿اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ﴾ جس کی بنیاد رکھی گئی تقویٰ پر پہلے دن سے ﴿اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ﴾ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں ﴿فِیْهِ رِجَالٌ﴾ اس میں مرد ہیں ﴿یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا﴾ جو پسند کرتے ہیں اس بات کو کہ وہ پاکیزگی حاصل کریں ﴿وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ﴾

اور اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے طہارت حاصل کرنے والوں کو۔

غزوۂ تبوک کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ منافقوں نے تو صرف منافقت کی وجہ سے شرکت نہیں کی تھی ورنہ ان کو مالی اور بدنی کسی قسم کا عذر نہیں تھا اور دس مخلص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے محض گرمی اور لمبے سفر سے بچنے کے لیے غزوۂ تبوک میں شرکت نہیں کی۔ ان میں سے سات تو عام تھے جن کی توبہ فوراً قبول ہوگئی جن کے متعلق تم سن چکے ہو اور تین خاص تھے۔ حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت مُرَارَہْ ابن ربیع رضی اللہ عنہ اور ہلال ابن امیہ رضی اللہ عنہ۔ ان میں سے دو تو بدری صحابی تھے اور اصحابِ بدر کا درجہ بہت بلند ہے۔ تیسرے بدری نہیں تھے مگر والسابقون الاولون میں سے تھے۔ چوں کہ ان کا مقام بہت اونچا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ فوراً قبول نہیں فرمائی۔ بخاری اور مسلم کی روایات میں بڑی تفصیل ہے مکمل پچاس دن ان کا بائیکاٹ رہا کوئی مسلمان ان کو نہ سلام کہتا تھا اور نہ ان کے سلام کا جواب دیتا تھا ان کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ﴾ اور بعض دوسرے ہیں جن کو مہلت دی گئی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ﴿اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ﴾ یا تو ان کو اللہ تعالیٰ سزا دے گا ﴿وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ﴾ یا ان کی توبہ قبول کرے گا۔ آگے ذکر آئے گا کہ انھوں نے رو رو کے اللہ تعالیٰ کو منایا۔ پچاس دن کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

منافقوں کی سازش کا تذکرہ

آگے منافقوں کی ایک سازش کا ذکر ہے۔ مدینہ طیبہ میں ابو عامر راہب نامی ایک آدمی تھا یہ پہلے یہودی تھا اس کی بُری حرکتوں اور بُرے اخلاق کی وجہ سے یہودی متنفر ہوئے تو یہ عیسائی بن گیا اور نجران چلا گیا۔ چونکہ وہاں کافی عیسائی آباد تھے اور وہ اس کے حالات سے ناواقف تھے۔ وہاں جا کر اس نے پیری مریدی شروع کر دی۔ یہ بڑا خبیث قسم کا آدمی تھا۔ غزوۂ بدر سے لے کر غزوۂ تبوک تک جتنی جنگیں ہوئی ہیں تمام میں اس کا حصہ تھا۔ یہ کافروں کو ابھارتا اور برانگیختہ کرتا تھا اور غزوۂ تبوک بھی اسی کی شرارت کا نتیجہ تھا کہ روتا ہوا ہرقل روم کے پاس گیا کہ ہم مارے گئے ہیں ہم پر بڑے ظلم ہوئے ہیں ہمارے آدمی مار دیئے گئے علاقے ہمارے سے چھین لیے گئے روم ہمارا مرکز ہے وہ روم پر بھی حملہ کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ ہرقل روم چوں کہ عیسائی تھا اور یہ ان کا راہب اور پادری بنا ہوا تھا اُس نے اِس کے اُکسانے پر فوجیں تبوک کے مقام پر بھیج دیں۔

غزوۂ تبوک سے پہلے کا قصہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں اس کے خاص بارہ آدمی تھے ان کے ذریعے اس نے شرارت کا منصوبہ بنایا۔ ان میں سے ایک ثعلبہ ابن ابی حاطب بھی تھا جس کا ذکر پہلے سن چکے ہو۔ ابو عامر راہب نے ان بارہ منافقوں کے ساتھ میٹنگ کر کے یہ طے کیا کہ مسجد قبا سے الگ ایک مسجد بنائیں تا کہ مسلمانوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کا موقع کم ملے اور دین نہ سیکھ سکیں اور ان کی ایسی ذہن سازی کرو کہ ان کی پرانی لڑائیاں پھر تازہ ہو جائیں۔ کیوں کہ اوس اور خزرج سے

درمیان خاندانی رقابتیں تو پہلے تھیں ان کا ہمیشہ مسئلہ رہا ہے اور ہم اپنا کفر خفیہ طریقے سے پھیلاتے رہیں اور مسلمانوں کو تقسیم کرتے رہیں۔ اور ابو عامر نے کہا کہ میرا اڈا بن جائے گا میں یہاں آکر ٹھہرا کروں گا۔ یہ ان کے مقاصد تھے مسلمانوں کو ضرر پہنچانا، اپنا کفر پھیلانا، اور مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنی اور ابو عامر کے لیے اڈا بنانا۔

ان بارہ منافقوں نے ابو عامر راہب کے مشورے سے مسجد بنا دی۔ چوں کہ بڑے مکار تھے انھوں نے سوچا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں نہ آئے تو مسلمانوں نے اعتماد نہیں کرنا لہٰذا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جائے اور گزارش کرے کہ حضرت! مسجد قبا ہم سے دور ہے گرمی بھی ہوتی ہے، بارش بھی ہوتی ہے، کبھی آندھی اور طوفان بھی آجاتا ہے، اندھیرا ہوتا ہے ہم میں سے بوڑھے اور بیمار اس مسجد تک نہیں پہنچ سکتے ان کی سہولت کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہم نے مسجد بنائی ہے۔ حضرت! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افتتاح فرمادیں کہ وہ مسجد ہی کیا ہوئی جس میں آپ نماز نہ پڑھائیں اور بڑی قسمیں اٹھائیں کہ حضرت! ہمارا مقصد اور کچھ نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو سچا سمجھ کر وعدہ فرمالیا کہ تبوک کے سفر سے واپسی پر ان شاء اللہ تعالیٰ آکر تمہاری مسجد میں نماز پڑھوں گا کیوں کہ اب تو میں تبوک کی تیاری میں مصروف ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے تبوک کے سفر سے واپس مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے ہی یہ آیات نازل فرما کر بتادیا کہ یہ نام نہاد مسجد اسلام کے خلاف سازش کرنے اور مسلمانوں کے درمیان تفریق ڈالنے کے لیے تیار کی گئی ہے لہٰذا اس میں کبھی کھڑے نہ ہونا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسجد ضرار کو مسمار کروانا

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار صحابہ مالک ابن دُخشم، مَعْن ابن عدی، عامر ابن سکن اور وحشی ابن حرب جنھوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا کو بھیجا کہ اس مسجد کو جا کر گرادو۔ چنانچہ یہ گئے اور جا کر مسجد کو آگ لگا کر راکھ کر کے رکھ دیا۔ پھر منافقوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کردیا کہ مسجد کو آگ لگادی ہے مسجد نے کسی کا کیا بگاڑا تھا، شہتیروں اور دروازوں نے کسی کا کیا بگاڑا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے بنائی ہے مسجد ضرر دینے کے لیے مسلمانوں کو اور اپنے کفر کو پھیلانے کے لیے ﴿وَتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور ایمان والوں کے درمیان تفریق ڈالنے کے لیے ﴿وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ﴾ اور اڈا اور مورچہ اس شخص کے لیے جو لڑتا رہا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس سے پہلے۔ وہ شخص کون ہے؟ جس کے لیے مورچہ بنا رہے تھے، ابو عامر راہب۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى﴾ اور البتہ یہ لوگ قسمیں اٹھائیں گے کہ ہم نے نہیں ارادہ کیا مگر نیکی اور بھلائی کا۔ منافقین میں سے جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تھے بڑی شکل وصورت، قد وقامت والے اور

گفتگو کے ایسے ماہر کہ آدمی ان کی باتوں میں آجاتے تھے حتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ذہین وفطین شخصیت بھی۔ ایسے ہی ایک منافق کے بارے میں آتا ہے ﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَ هُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ﴾[البقرہ: ۲۰۴] "اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں کہ دنیوی زندگی کے متعلق اس کی بات آپ کو تعجب میں ڈالتی ہے اور اس چیز پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہے جو اس کے دل میں ہے حالانکہ وہ شخص بہت جھگڑا کرنے والا ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں ﴿وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ البتہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ انھوں نے مسجد اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں بنائی ﴿لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نہ کھڑے ہوں اس میں کبھی بھی۔ ﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ﴾ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد رکھی گئی تقویٰ پر پہلے دن سے ﴿اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ﴾ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں یعنی مسجد قبا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے تشریف لائے تو مدینہ طیبہ سے پہلے قبا کا علاقہ تھا اب تو یہ مدینہ طیبہ میں داخل ہو گیا ہے اُس وقت یہ ملحقات اور مضافات مدینہ میں سے تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دو چار ساتھی اور تھے۔ یہ حضرات چودہ یا بیس دن یہاں تشریف فرما ہوئے۔ حضرت کلثوم ابن ہدم رضی اللہ عنہ کے گھر۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے پریشان اور مغموم تھے انھوں نے خیال کیا کہ شاید خدمت میں کوئی کمی واقع ہوئی ہے۔ پہلے تو پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی لیکن بالآخر پوچھ لیا کہ حضرت! ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا پریشان اور مغموم دیکھتے ہیں اگر مہمان نوازی میں کوئی کمی ہوئی ہے تو ہمیں بے تکلف بتا دیں تاکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کے مطابق خدمت کر سکیں۔ فرمایا نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں جو بات تھی اس کو کھل کر بیان نہ کیا۔

ساتھیوں نے آپس میں بات کی کہ ہجرت بھی کوئی معمولی بات نہیں ہے گھر چھوڑنا، برادری چھوڑنا، بچوں کو چھوڑنا، ہو سکتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وجہ سے پریشان ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگے حضرت! شاید پریشانی کی وجہ ہجرت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر بار چھوڑ کر آئے ہیں ہمیں بھی افسوس ہے مگر ہم کر کچھ نہیں سکتے۔ ہمارے جو اختیار میں ہے اس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیں ہم کرنے کے لیے تیار ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس لیے پریشان نہیں ہوں بلکہ میری پریشانی کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پر اجتماعی نماز پڑھنے کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ حضرت کلثوم ابن ہدم رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! یہ سارا رقبہ میرا ہے بلاشرکت غیرے۔ جتنا رقبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہیے اتنے پر لکیر لگا دیں ہم مسجد بنا دیتے ہیں۔

تو قبا کی علاقہ میں مسجد تعمیر کی گئی اسی لیے اس کا نام مسجد قبا ہے۔ پہلے یہ چھوٹی سی تھی اب حکومت نے بہت بڑی بنا دی ہے۔ میں نے وہ چھوٹی مسجد بھی دیکھی ہے اس میں قبلے کے قریب ایک جگہ پر نوٹ لکھا ہوا ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں جبرائیل علیہ السلام ایک آیت کریمہ لے کر آئے تھے۔ الحمد للہ! وہاں مرد بھی جاتے ہیں عورتیں بھی جاتی ہیں اور دو رکعت نفل پڑھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ہفتے کے دن وہاں پیدل تشریف لے جاتے اور دو رکعتیں پڑھ کر واپس تشریف لے آتے۔

چار بڑے درجے والی مسجدیں

چار مسجدیں بڑے درجے والی ہیں۔ایک مسجد حرام،دوسری مسجد اقصیٰ،تیسری مسجد نبوی اور چوتھی مسجد قبا اور یہ چاروں مسجدیں پیغمبروں کے ہاتھ سے بنی ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فِيْهِ رِجَالٌ﴾ اس میں مرد ہیں ﴿يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا﴾ جو پسند کرتے ہیں اس بات کو کہ وہ پاکیزگی حاصل کریں۔ترمذی شریف اور دیگر احادیث کی کتابوں میں روایت ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے قبا والوں کو بلا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعریف کی ہے بتاؤ وہ کون سی پاکیزگی ہے جو تم حاصل کرتے ہو؟ تو قبا والوں نے کہا حضرت! ہم جب پیشاب پاخانے سے فارغ ہوتے ہیں تو پہلے ڈھیلے استعمال کرتے ہیں پھر پانی کے ساتھ استنجا کرتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس بات پر تمہاری تعریف کی ہے لہٰذا اس عمل کو قائم رکھنا۔

اصل بات یہ ہے کہ عرب کے علاقہ میں پانی کی قلت ہوتی تھی عموماً لوگ استنجا کے لیے صرف ڈھیلا استعمال کرتے تھے اور قبا والے ڈھیلا اور پانی دونوں استعمال کرتے تھے ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے طہارت حاصل کرنے والوں کو۔جتنا کوئی بدنی اور اخلاقی لحاظ سے پاک رہے گا اللہ تعالیٰ کے ہاں اُسے اتنا ہی تقرب حاصل ہوگا۔

﴿اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ﴾ کیا پس وہ شخص جس نے بنیاد رکھی ہے اپنی عمارت کی ﴿عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ﴿خَيْرٌ﴾ یہ بہتر ہے ﴿اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ﴾ یا وہ شخص جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی ﴿عَلٰى شَفَا جُرُفٍ﴾ گڑھے کے کنارے پر ﴿هَارٍ﴾ جو گرنے والا ہے ﴿فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ﴾ پس وہ اس کو لے گرا جہنم کی آگ میں ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو ﴿لَا يَزَالُ﴾ ہمیشہ رہے گی ﴿بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا﴾ ان کی عمارت جو انھوں نے تعمیر کی تھی ﴿رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ تردد اور شک ان کے دلوں میں ﴿اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ﴾ مگر یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے خرید لی ہیں مومنوں سے ﴿اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ﴾ ان کی جانیں اور ان کے مال ﴿بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ کہ اس کے بدلے میں ان کے لیے جنت ہے ﴿يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ لڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ﴾ پس وہ قتل کرتے ہیں دشمنوں کو اور خود قتل کیے جاتے ہیں ﴿وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا﴾ یہ وعدہ ہے رب تعالیٰ کے ذمے سچا ﴿فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ﴾ تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں ﴿وَمَنْ

﴿أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ﴾ اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے عہد کو ﴿مِنَ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ سے ﴿فَاسْتَبْشِرُوا﴾ پس تم خوش ہو جاؤ ﴿بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ﴾ اپنے اس سودے پر جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا ہے ﴿وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ اور یہی ہے بڑی کامیابی۔

یہ بات پچھلے درس میں بیان ہو چکی ہے کہ ابو عامر راہب جو پہلے یہودی تھا پھر عیسائیوں کا پادری بن گیا۔ یہ بڑا شریر، خبیث اور اسلام کا سخت دشمن تھا۔ اس کے ساتھ ثعلبہ ابن ابی حاطب وغیرہ دس بارہ منافق تھے۔ انھوں نے مشورہ کیا کہ مسجد قبا کے مقابلے میں ایک مسجد بنائی جائے تاکہ لوگوں کو مسجد نبوی اور مسجد قبا سے روکا جا سکے کہ لوگ یہاں آئیں گے تو ان کی اسلام کے خلاف ذہن سازی کی جا سکے اور اوس اور خزرج قبیلے جو زمانہ جاہلیت میں ایک دوسرے کے دشمن تھے پرانی باتوں کو سامنے لا کر ان کو آپس میں لڑا دیا جائے اور ابو عامر راہب نے کہا کہ میرے لیے اڈا بن جائے گا میں یہاں آ کر رہا کروں گا۔ چنانچہ مسجد بنانے کے بعد وفد کی شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہ حضرت! آپ اس مسجد کا افتتاح فرما دیں۔ کیوں کہ مسجد نبوی بھی ہم سے دور ہے اور مسجد قبا بھی فاصلے پر ہے۔ گرمی بھی ہوتی ہے، کچھ بوڑھے بھی ہیں، کچھ معذور بھی ہیں ان لوگوں کے لیے سہولت رہے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ کر لیا کہ تبوک کے سفر سے واپسی پر تمہاری مسجد میں نماز پڑھاؤں گا۔ واپس آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ فرما دیا کہ یہ مسجد مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور تفریق ڈالنے کے لیے بنائی گئی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کا اڈا اور مورچہ انھوں نے بنایا ہے۔ لہٰذا آپ وہاں کھڑے بھی نہ ہوں اور مسجد قبا میں کھڑے ہوں جس کی بنیاد تقویٰ اور پرہیزگاری پر ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ﴾ کیا پس وہ شخص جس نے بنیاد رکھی ہے اپنی عمارت کی تقویٰ پر ﴿مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے۔ زمین حضرت کلثوم ابن ہدم رضی اللہ عنہ نے دی تھی جو بڑے نیک صحابی تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اس کی بنیاد رکھی تھی ﴿خَيْرٌ﴾ یہ بہتر ہے ﴿أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ﴾ یا وہ شخص جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی گڑھے کے کنارے پر۔ ﴿شَفَا﴾ شین کے فتح کے ساتھ ہو تو اس کا معنیٰ ہے کنارہ اور شین کے کسرے کے ساتھ ہو ﴿شِفَآءٌ﴾ تو اس کا معنیٰ ہے صحت یابی۔ جس طرح شہد کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ﴾ [النحل: ۶۹] اس میں لوگوں کے لیے صحت یابی ہے۔ اور قرآن کریم کے بارے میں فرمایا ﴿شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ﴾ [یونس: ۵۷] کہ قرآن کریم دل کی بیماریوں کے لیے شفاء ہے۔ اور ﴿جُرُفٍ﴾ کا معنیٰ ہے گڑھا۔ یوں سمجھو کہ بہت بڑا گڑھا ہو اور ہو بھی گرنے والا اور اس کے کنارے مکان ہو گڑھا گرا، مکان گرا اور مکان والے بھی گر گئے۔

یہ مثال ہے مسجد ضرار کی کہ اس کی بنیادرکھی ایسے گڑھے کے کنارے پر کہ وہ خود گرنے والا ہے ﴿ھَارٍ فَانْھَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ﴾ جو گرنے والا ہے پس وہ اس کو لے گرا جہنم کی آگ میں۔ کہ وہاں سے سیدھا دوزخ میں چلا گیا ﴿وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ (زبردستی) ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو۔ ﴿لَا یَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ﴾ ہمیشہ رہے گی ان کی مسجد ضرار کی عمارت ﴿بَنَوْا﴾ جو انھوں نے بنائی ﴿رِیْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ﴾ تردد اور شک ان کے دلوں میں۔ کیوں کہ اگر کسی کا منصوبہ ناکام ہو جائے تو اس پر اس کا بڑا صدمہ ہوتا ہے لہٰذا یہ عمارت ان کو ہمیشہ کھٹکتی رہے گی کہ ہم نے تو کچھ اور سکیم بنائی تھی مگر ہو کچھ اور گیا۔ یہ ناکامی ان کو ہمیشہ یاد رہے گی ﴿اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ﴾ مگر یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں کہ ان میں سمجھ کی صلاحیت ہی نہ رہے یعنی مر جائیں تو تردد ختم ہوگا اور بھول جائیں گے ﴿وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے حکمت والا ہے۔

مسلسل کئی رکوعوں میں غزوۂ تبوک کا ذکر ہو چکا ہے کہ منافقوں نے مختلف بہانے کر کے جان بچائی لیکن مخلص مومنوں نے سوائے دس آدمیوں کے جن میں سے سات کی توبہ جلدی قبول ہوگئی اور تین کا ذکر آگے آرہا ہے، باقی نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے خرید لی ہیں مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال۔ یہ خریدنا مجازی طور پر کہا ہے اپنے لطف اور کرم کا اظہار کرتے ہوئے۔ اس لیے کہ خریدی تو دوسرے کی چیز جاتی ہے مومنوں کے مال اور جانیں تو اللہ تعالیٰ کی اپنی ہیں۔ اپنے مال کو خریدنے کا کیا معنیٰ ہے؟ یہ صرف تشبیہ دی ہے سمجھانے کے لیے حقیقتاً سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ شاعر نے اسی کا مفہوم ادا کیا ہے:

جان دی ، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

تو رب تعالیٰ نے مجازاً فرمایا ہے کہ مومنوں کی جانیں اور مال خرید لیے ہیں اور کس چیز کے بدلے میں خریدے ہیں؟ ﴿بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ اس کے بدلے میں ان کے لیے جنت ہے۔ مومن کرتے کیا ہیں؟ ﴿یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ لڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں۔ دنیا میں لڑائیاں تو بہت ہیں کسی کا کوئی مقصد ہے کسی کا کوئی مقصد ہے، کوئی کسی شے کے لیے لڑتا ہے کوئی کسی شے کے لیے لڑتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ لڑائی پسندیدہ ہے جو فی سبیل اللہ لڑی جائے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت! کچھ لوگ مال غنیمت کے لیے لڑتے ہیں اور کچھ لوگ بہادری کے جوہر دکھانے کے لیے لڑتے ہیں بعض کسی اور مقصد کے لیے لڑتے ہیں تو کیا یہ بھی فی سبیل اللہ کی مد میں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں وہ ہے قَاتَلَ لِتَکُوْنَ کَلِمَةُ اللّٰهِ الْعُلْیَا جو لڑتا ہے اللہ تعالیٰ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے جو لڑتا ہے وہ فی سبیل اللہ ہے۔

شہادت کی اقسام

اورشہادت کی بڑی قسم یہی ہے اس کے علاوہ اور بھی بڑی قسمیں ہیں۔حدیث پاک میں آتا ہے جوآدمی مکان سے گر کر مرجائے وہ بھی شہید ہے، جو پانی میں ڈوب کر مرجائے وہ بھی شہید ہے، آگ میں جل جائے وہ بھی شہید ہے، نمونیا سل میں مرجائے وہ بھی شہید ہے، جو شخص اپنی جان کا دفاع کرتے ہوئے مارا جائے وہ بھی شہید ہے، سواری سے گر کر مرجائے وہ بھی شہید ہے، جو سانپ ڈسنے کی وجہ سے مرجائے وہ بھی شہید ہے، اپنے مال کا تحفظ کرتے ہوئے مارا جائے وہ بھی شہید ہے، لیکن سب سے بلند مقام اس شہید کا ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے مارا جائے۔

پہلے لوگ بہت سمجھ دار تھے وہ ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کے دین کو مقدم رکھتے تھے اور کامیابی ان کے قدم چومتی تھی۔ اب لوگوں نے دنیا کو مقصد بنالیا ہے یہ دیوانے لوگ ہیں ان کو کامیابی اور فتح بھی نصیب نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ﴾ پس وہ قتل کرتے ہیں دشمنوں کو اور خود بھی قتل کیے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہوتے ہیں ﴿وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا﴾ یہ وعدہ ہے رب تعالیٰ کے ذمے سچا کہ ان کو جنت دے گا ﴿فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ﴾ تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں۔ اور قرآن پاک میں یہ بھی ہے ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ [النساء: ۱۲۲] "اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کہنے کے اعتبار سے۔"

فرمایا ﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ﴾ اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے عہد کو اللہ تعالیٰ سے۔ سب سے سچا وعدہ تو اللہ تعالیٰ ہی کا ہے لہٰذا اس نے جو مجاہدین کے ساتھ وعدہ کیا ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ اس کے لیے وعدہ پورا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ مخلوق سے وعدہ خلافی ہوسکتی ہے کہ مخلوق عاجز اور قاصر ہے۔ بعض دفعہ آدمی وعدے میں مخلص بھی ہوتا ہے مگر نباہ نہیں سکتا اور بعض لوگ وعدے کو داؤ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر تم نے کسی کے ساتھ کسی چیز کا وعدہ کرنا ہے تو سوچ سمجھ کر کرو کہ میں اس پر پورا اتر سکوں گا، مجھ سے یہ ہوسکے گا یا نہیں، اگر وہ کام ہوسکتا ہے اور تمہاری نیت بھی صحیح ہے تو پھر وعدہ کرو ورنہ نہ کرو۔ حدیث میں وعدہ خلافی منافق کی خصلت بتائی گئی ہے۔ فرمایا: اِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ "جب وعدہ کرتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے۔" مومن کا کام ہے وعدے کو پورا کرنا۔

مولانا حسین احمد مدنی کا واقعہ

حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے ایک جگہ وقت دیا تھا جگہ اسٹیشن سے دور تھی تانگہ وغیرہ کوئی سواری انھوں نے لینے کے لیے نہ بھیجی مغالطے میں رہے۔ حضرت! نے دوڑ لگا دی خادم کو بھی دوڑنا پڑا۔ خادم نے کہا حضرت! کیا دوڑ کر وقت پر پہنچ جائیں گے؟ حضرت نے فرمایا دوڑ رہے ہیں اگر گر گئے تو قیامت والے دن یہ تو کہہ سکیں گے کہ اے پروردگار! وعدہ پورا کرنے کے لیے ہمارے اختیار میں اتنا ہی تھا ہم یہی کچھ کر سکتے تھے۔ اندازہ لگاؤ ان لوگوں کو وعدے کا کتنا احساس تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ﴾ پس تم خوش ہو جاؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے مال اور جانیں جنت کے بدلے خرید لی ہیں اور رب تعالیٰ کی کمال شفقت دیکھو کہ ہے بھی سب کچھ اس کا یعنی مال بھی اس کا جانیں بھی اسی کی پھر فرما رہے ہیں کہ میں نے تم سے خرید لی ہیں۔

ہماری جانیں اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں اسی لیے خودکشی حرام ہے اور اس پر گرفت ہے۔ اگر انسان اپنے وجود کی حفاظت نہیں کرتا تو گناہ گار ہے۔ گرمی میں گرمی سے نہیں بچتا اور سردی میں سردی سے نہیں بچتا، سڑک اور لائن کراس کرتے ہوئے بے احتیاطی کرتا ہے اور مر جاتا ہے تو گناہ گار مرا ہے۔

خودکشی کرنے والے کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ اس کو حلال سمجھ کر کرتا ہے تو کافر ہے اس کا جنازہ جائز نہیں ہے۔ اگر حرام سمجھتا ہے اور جذبات میں آکر کر لیتا ہے تو گناہ گار ہے اس کا جنازہ پڑھنا جائز ہے۔ البتہ آنحضرت ﷺ نے صاحبِ اقتدار اور حاکم وقت کو خودکشی کرنے والے کا جنازہ پڑھانے سے منع فرمایا ہے تاکہ خودکشی کا رجحان پیدا نہ ہو۔

آج کل اخبارات پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خودکشی کا سلسلہ ہی چل پڑا ہے۔ یہ گناہ کی بات ہے۔ یہ جان رب تعالیٰ کی امانت ہے اور مال بھی رب تعالیٰ کی امانت ہے۔ اگر مال بھی بے جا خرچ کرے گا تو قیامت والے دن گرفت ہو گی۔ یہاں تک کہ ایک روپے کا پٹاخا بھی چلائے گا تو قیامت والے دن اس کا حساب دینا ہو گا کہ اے بندے! یہ روپیہ تو نے بے جا کیوں خرچ کیا تھا۔ مگر آج شادیوں پر شرلی پٹاخوں کا اتنا زور لگا دیتے ہیں کہ توبہ توبہ، (الحفیظ والامان!)۔ نہ محلے والوں کو سونے دیتے ہیں اور نہ خود سوتے ہیں۔

ان کو اگر کہو کہ اللہ کے بندو روپے کسی دینی مدرسے پر لگا دو، طالب علموں پر خرچ کرو، کہیں مسجد بنا دو تو اس طرف نہیں آتے۔ ان کے دلوں پر ایسی مار اور لعنت پڑی ہے کہ ٹھاہ ٹھاہ کی طرف جاتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں اور خوش نصیب ہیں وہ جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال اور جانیں خرچ کرتے ہیں

﴿وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ اور یہی ہے بڑی کامیابی۔ رب تعالیٰ ہر مسلمان کو نصیب فرمائے۔

﴿اَلتَّآىِٕبُوْنَ﴾ توبہ کرنے والے ہیں ﴿الْعٰبِدُوْنَ﴾ عبادت کرنے والے ہیں ﴿الْحٰمِدُوْنَ﴾ تعریف کرنے والے ہیں ﴿السَّآىِٕحُوْنَ﴾ روزہ رکھنے والے ہیں ﴿الرّٰكِعُوْنَ﴾ رکوع کرنے والے ہیں ﴿السّٰجِدُوْنَ﴾ سجدہ کرنے والے ہیں ﴿الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ نیکی کا حکم کرنے والے ہیں ﴿وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ اور برائی سے روکنے والے ہیں ﴿وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی (حدود کی) حفاظت کرنے والے ہیں ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور آپ خوش خبری سنا دیں ایمان والوں کو ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ﴾ نہیں تھا لائق نبی کریم ﷺ کے

﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اور نہ ان کے لیے جو ایمان لائے ﴿اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ﴾ کہ بخشش طلب کریں مشرکوں کے لیے ﴿وَ لَوْ کَانُوْٓا اُولِیْ قُرْبٰی﴾ اور اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ﴾ بعد اس کے ان کے سامنے واضح ہو چکا ﴿اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ﴾ کہ بے شک وہ دوزخ والے ہیں ﴿وَ مَا کَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ﴾ اور نہیں تھا بخشش مانگنا ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کے لیے ﴿اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّ عَدَهَآ اِیَّاهُ﴾ مگر ایک وعدے کی بناء پر جو انھوں نے اپنے والد سے کر رکھا تھا ﴿فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗٓ﴾ پس جب واضح ہو گیا ابراہیم علیہ السلام کے سامنے ﴿اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ﴾ کہ ان کا باپ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے ﴿تَبَرَّاَ مِنْهُ﴾ تو اس سے بیزار ہو گئے ﴿اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ﴾ بے شک ابراہیم علیہ السلام آہ وزاری کرنے والے، تحمل والے تھے ﴿وَ مَا کَانَ اللّٰهُ لِیُضِلَّ قَوْمًۢا﴾ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ ایسا کہ گمراہ کردے کسی قوم کو ﴿بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ﴾ بعد اس کے کہ ان کی راہنمائی کی ہے ﴿حَتّٰی یُبَیِّنَ لَهُمْ مَّا یَتَّقُوْنَ﴾ یہاں تک کہ بیان کردے وہ باتیں جن سے انھوں نے بچنا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی ﴿یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ﴾ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے ﴿وَ مَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا ﴿مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ﴾ کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔

اس سے پہلی آیت کریمہ میں اس کا ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال جنت کے بدلے خرید لی ہیں۔

مومنوں کے اوصاف

آگے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے نمایاں اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ مومنوں کی پہلی صفت: ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ﴾ توبہ کرنے والے ہیں اگر ان سے گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کرتے ہیں کیوں کہ گناہ پر اصرار کرنا بڑا گناہ ہے۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ صغیرہ گناہ پر اصرار کرنے یعنی بار بار کرنے سے کبیرہ ہو جاتا ہے۔ اور مومنوں کی صفت یہ ہے کہ گناہ کرنے کے بعد توبہ کرتے ہیں۔

دوسری صفت: ﴿الْعٰبِدُوْنَ﴾ عبادت کرنے والے ہیں۔ نہایت اخلاص سے نماز ادا کرتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، حج کرتے ہیں یہ بڑی بڑی عبادتیں ہیں۔ ﴿الْحٰمِدُوْنَ﴾ تعریف کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ کی ہر وقت اور ہر حال میں، راحت میں، تکلیف میں، غمی میں، خوشی میں، سفر میں، حضر میں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ وغیرہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

﴿السَّآئِحُوْنَ﴾۔ اس کا ایک معنی ہے روزہ رکھنے والے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((سِیَاحَةُ اُمَّتِی الصِّیَامُ))

"میری اُمت کی سیاحت روزہ رکھنا ہے۔" تو اس حدیث کی روشنی میں ﴿السَّآئِحُوْنَ﴾ کا ترجمہ ہوگا روزہ رکھنے والے ہیں۔ بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ نے یہ لفظ سیر و سیاحت کے معنی میں لیا ہے۔ تو اس وقت معنی ہوگا چلنے پھرنے کا کہ مومن اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لیے چلتے پھرتے ہیں۔ کیوں کہ جہاد کے لیے بھی چلنا پڑتا ہے۔ بعض حضرات نے اس سے دینی طلبہ مراد لیے ہیں کہ وہ بھی سفر کر کے دینی مدارس میں پہنچتے ہیں دین حاصل کرنے کے لیے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ﴿السَّآئِحُوْنَ﴾ سے مراد مہاجرین ہیں کہ جب کسی علاقے میں کفر کا غلبہ ہو جائے تو وہ وہاں سے ہجرت کر جاتے ہیں۔ بہر حال ان معانی میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اس کا مصداق روزہ رکھنے والے بھی ہیں، طالب علم بھی ہیں، مہاجر بھی ہیں اور مجاہد بھی ہیں۔

﴿الرّٰكِعُوْنَ﴾ رکوع کرنے والے ہیں ﴿السّٰجِدُوْنَ﴾ سجدہ کرنے والے ہیں اطمینان سے۔ جس آدمی نے رکوع، سجدہ اطمینان کے ساتھ نہ کیا، رکوع سے اٹھ کر تھوڑا سا قومہ نہ کیا، دونوں سجدوں کے درمیان قعدہ نہ کیا اس نے اپنا وقت ہی ضائع کیا ہے۔ نماز اس کے منہ پر ماری جائے گی۔ ﴿الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ نیکی کا حکم کرنے والے ہیں، نیکی کی تعلیم دیتے ہیں ﴿وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ اور برائی سے روکنے والے ہیں ﴿وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ یعنی صرف دوسروں کو ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے خود بھی ان چیزوں کی پابندی کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے مومنوں کی موٹی موٹی اوصاف بیان کر کے فرمایا ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور آپ خوشخبری سنا دیں ایمان والوں کو اور اس کے برعکس مشرکوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعائے مغفرت بھی نہیں کر سکتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مہربان چچا ابو طالب عبد ابن مناف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی خدمت کی ہے اور اس خدمت کا اُسے صلہ بھی ملا کہ جہنم کا سب سے ہلکا عذاب اس کو ہوگا کہ اس کو آگ کا جوتا پہنایا جائے گا جس سے اس کا دماغ اس طرح اُبلے گا جس طرح تیز آگ پر ہانڈی ابلتی ہے۔ سمجھ دار ہونے کے باوجود اس نے اپنا دھڑا نہیں چھوڑا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی وفات کے وقت اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ چچا جان کلمہ پڑھ لو تا کہ میں آپ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کچھ کہہ سکوں۔ کہنے لگا وَلَقَدْ عَلِمْتُ اَنَّ دِيْنَ مُحَمَّدٍ مِنْ خَيْرِ اَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِيْنًا "اور البتہ تحقیق میں جانتا ہوں کہ تمہارا دین دُنیا کے تمام دینوں سے سچا اور کھرا ہے۔" مگر میں اپنا دھڑا چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ یہ خلاصہ ہے اس کے جواب کا۔

فوت ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جنازے میں شریک نہیں ہوئے لیکن مغفرت کی دعا کی کہ اے پروردگار! اس نے میری بڑی خدمت کی ہے تیرے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے اس کو بخش دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنے بڑوں کے لیے جو شرک پر مرے تھے دعائیں شروع کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ نہیں تھا لائق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور نہ ان کے لیے جو ایمان لائے ﴿اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ﴾ کہ بخشش طلب کریں مشرکوں کے لیے ﴿وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى﴾ اور اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں ﴿مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ بعد اس کے کہ ان کے سامنے واضح ہو چکا کہ بے شک وہ دوزخ والے ہیں۔ کہ انھوں نے کلمے کا انکار کر دیا اور کفر پر

مرے تو ان کے لیے مغفرت کی نہ نبی دعا کر سکتے ہیں اور نہ مومن کر سکتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد جن کا نام آزر تھا۔ ساتویں پارے میں ہے ﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ﴾ "اور جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر کو ﴿اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً﴾ تو بتوں کو معبود بناتا ہے ﴿اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ [انعام: ۷۴] بے شک میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو بڑا سمجھایا مگر وہ نہ مانا اور آخر دم تک شرک پر ڈٹا رہا۔ تو اس کے لیے مغفرت کی دعا کیوں مانگی تھی؟

اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں ﴿وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ﴾ اور نہیں تھا بخشش مانگنا ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کے لیے ﴿اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ﴾ مگر ایک وعدے کی بنا پر جو انھوں نے اپنے والد سے کر رکھا تھا۔ جس کا ذکر سورۃ مریم آیت نمبر ۴۷ میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو سمجھایا جب وہ نہ مانا تو کہا ﴿سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا﴾ "میں بخشش طلب کروں گا تیرے لیے اپنے پروردگار سے بے شک وہ میرے ساتھ بہت مہربان ہے۔" اور امید تھی کہ یہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے گا اور بخشش کا اہل ہو جائے گا۔ ﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ﴾ پس جب واضح ہو گیا ابراہیم علیہ السلام کے سامنے کہ بے شک ان کا باپ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے ﴿تَبَرَّاَ مِنْهُ﴾ تو اس سے بیزار ہو گئے۔ بیزاری کا اعلان کر دیا پھر ان کے لیے مغفرت کی دعا نہیں مانگی۔ اور مشرک، کافر کے لیے اللہ تعالیٰ کا پیغمبر بھی دعا مانگے تو قبول نہیں ہوتی۔ آپ حضرات پہلے تفصیلاً پڑھ چکے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رئیس المنافقین عبداللہ ابن اُبی کو اپنا کرتہ بہ طور کفن کے پہنایا، اپنا لعاب مبارک اس کے بدن پر ملا اور اس کا جنازہ پڑھایا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ستر مرتبہ بھی استغفار کریں تو ﴿فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ ان کو اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں بخشے گا۔

فرمایا ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ﴾ بے شک ابراہیم علیہ السلام آہ و زاری کرنے والے (انتہائی نرم دل) تحمل والے تھے ﴿وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا﴾ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ ایسا کہ گمراہ کر دے کسی قوم کو ﴿بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ﴾ بعد اس کے کہ ان کی راہنمائی کی ہے ﴿حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ﴾ یہاں تک کہ بیان کر دے وہ باتیں جن سے انھوں نے بچنا ہے۔ ایک ہدایت تو فطری طور پر ہر آدمی میں موجود ہوتی ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے ((كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ)) "ہر بچے کو اللہ تعالیٰ فطرت اسلام پر پیدا فرماتے ہیں۔" اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں اور حق کی آواز پہنچانے والے بھیجتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے پروگرام کی خوب تشہیر کرتے ہیں خدا کی خوشی اور ناراضی سے آگاہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد اگر کوئی گمراہ ہوتا ہے تو ہوتا رہے زبردستی اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ ہدایت کے اسباب اس نے نازل اور پیدا کر دیئے ہیں، حجت تمام کر دی ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے، اس کے علم سے کوئی شے باہر نہیں ہے۔

اس کی شان یہ ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی

اور زمین کی۔ خالق بھی وہی ہے، مالک بھی وہی ہے، زمین اور آسمانوں میں تصرف کا اختیار بھی اسی کو ہے اس کے سوا یہ اختیارات اور کسی کو حاصل نہیں ہیں اور نہ ہی اس نے کسی کو دیئے ہیں۔ ﴿يُحْيِ وَيُمِيتُ﴾ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اس کے سوا اور کسی کے پاس موت وحیات کا اختیار نہیں ہے ﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت اور عذاب آئے گا تو تمھیں کوئی نہیں بچا سکے گا نہ زبانی طور پر حمایت کر سکے گا اور نہ عملی طور پر کوئی تمہاری مدد کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات سب کچھ کرنے والی ہے۔

﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ﴾ البتہ تحقیق رجوع فرمایا اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ﴿وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾ اور مہاجرین اور انصار پر ﴿الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾ جنھوں نے نبی کا اتباع کیا تنگی کی گھڑی میں ﴿مِنْۢ بَعْدِ﴾ بعد اس کے ﴿مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ﴾ قریب تھا کہ ٹیڑھے ہو جاتے دل ان میں سے ایک فریق کے ﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے رجوع فرمایا ان پر ﴿اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک وہ ان کے ساتھ شفقت کرنے والا مہربان ہے ﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾ اور ان تین پر بھی رب تعالیٰ نے رجوع فرمایا جن کا معاملہ پیچھے رکھا گیا تھا ﴿حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ﴾ یہاں تک کہ جب تنگ ہوگئی ان پر زمین ﴿بِمَا رَحُبَتْ﴾ باوجود کشادہ ہونے کے ﴿وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ﴾ اور تنگ ہوگئیں ان پر ان کی جانیں بھی ﴿وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ﴾ اور انھوں نے یقین کر لیا کہ کوئی جائے پناہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مگر اسی کی طرف سے ﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر رجوع فرمایا ﴿لِيَتُوْبُوْا﴾ تاکہ وہ توبہ کر لیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

مسلسل کئی رکوعوں میں غزوۂ تبوک کا ذکر چلا آرہا ہے۔ سخت گرمی کا زمانہ تھا، کھیت پکے ہوئے تھے، مالی طور پر بھی تنگی تھی، سفر بڑا مشکل تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان کے بعد جہاد کے لیے جانا فرض ہو گیا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تیار ہو گئے۔ اس فرض میں جن لوگوں نے کوتاہی کی وہ دو قسم کے تھے۔ ایک تو منافق کہ جن کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر ومنزلت نہیں تھی انھوں نے حیلے بہانے کر کے رخصت لے لی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رخصت دے بھی دی اور اس پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ بھی فرمائی کہ ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾ "اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا آپ نے ان کو چھٹی کیوں دی؟" جانا تو انھوں نے تھا ہی نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت کو انھوں نے جواز کا راستہ بنا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی اس سورۃ میں کافی تردید فرمائی۔

دوسرے پیچھے رہ جانے والے دس مخلص مسلمان تھے۔ سات ان میں سے عام اور تین خاص تھے۔ عام اور خاص کا فرق ہوتا ہے۔ عام اگر غلطی کرے تو اس کی غلطی کو برداشت کیا جاتا ہے خاص غلطی کرے تو اس کو تنبیہ ہوتی ہے کہ اس کا مقام بلند تھا اس کی شان بلند تھی اس نے یہ حرکت کیوں کی۔ تو عام کی تو فوراً توبہ قبول ہوگئی اور وہ تین جو خاص تھے حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ غزوہ بدر کے سوا کسی غزوے میں پیچھے نہیں رہے اور غزوہ بدر میں اس لیے شریک نہ ہو سکے کہ اس موقع پر یہ سفر پر تھے۔ دوسرے مرارہ ابن ربیع رضی اللہ عنہ یہ بدری صحابی ہیں اور تیسرے ہلال ابن امیہ رضی اللہ عنہ یہ بھی بدری صحابی ہیں۔ اور بدر والوں کا مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہت بلند تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بدریوں پر اہل بیت کو ترجیح دینا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اصحابِ بدر کا وظیفہ فی کس چھ چھ ہزار درہم سالانہ مقرر فرمایا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وظیفہ پچیس ہزار سالانہ تھا۔ بعض حضرات نے اعتراض بھی کیا کہ حضرت! ان کو آپ نے بدریوں پر ترجیح دی ہے حالانکہ یہ تو بدر کے قیدیوں میں سے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِیْہِ "چچا باپ کی طرح ہوتا ہے۔" اس نسبت کی وجہ سے میں ان کو اتنا وظیفہ دیتا ہوں۔ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا وظیفہ بھی چھ چھ ہزار سالانہ تھا۔ اس پر بھی بعض نے اعتراض کیا کہ حضرت! بدر کے موقع پر تو ان کے ماں باپ کا نکاح بھی نہیں ہوا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بدر کے بعد ہوئی ہے۔ ۴ھ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور ۵ھ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ آپ نے ان کو بدریوں میں شامل کر دیا ہے ان کا تو اس وقت وجود ہی نہیں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں اس نسبت کی وجہ سے ان کا وظیفہ بدریوں کے برابر مقرر کیا ہے۔ اندازہ لگاؤ ان کو اہل بیت کے ساتھ کتنی محبت تھی اور غلط کاروں نے کچھ کا کچھ بنا دیا ہے کہ یہ اہل بیت کے دشمن تھے، معاذ اللہ تعالیٰ۔ دشمنی اس کا نام ہے؟

مہاجرین کا وظیفہ فی کس چار چار ہزار سالانہ تھا اور اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ساڑھے تین ہزار سالانہ دیتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضرت! آپ نے مہاجرین کا وظیفہ چار چار ہزار مقرر فرمایا ہے اور اپنے بیٹے کا پانچ سو کم حالانکہ وہ بھی مہاجر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ دوسرے مہاجر تو از خود آئے تھے اور یہ اپنے باپ کے ساتھ آیا تھا اس لیے اس کا وظیفہ کم مقرر کیا ہے۔ آج کا دور ہوتا تو کہتے کہ باپ کے ساتھ آیا ہے اور صدر کا بیٹا ہے لہٰذا اس کا وظیفہ زیادہ ہونا چاہیے۔

تو خیر ان تین خاص میں سے دو بدری صحابی تھے اور حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ بھی بڑے بلند پائے کے صحابی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس سفر میں تم ہمارے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوئے؟ کھری کھری بات کہہ دی کوئی حیلہ بہانہ نہیں کیا کہ حضرت! سواری بھی تھی،

سلحہ بھی تھا، سفر خرچ بھی تھا جانے میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں تھی صرف تن آسانی نے خراب کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان کے ساتھ بائیکاٹ ہے، ان کے ساتھ کوئی میل جول نہ رکھے حتیٰ کہ ان کو سلام بھی نہ کرے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی غسان کے بادشاہ کے ساتھ دوستی تھی جو کہ کافر تھا۔ اس کو معلوم ہوا تو اس نے رقعہ دے کر قاصد بھیجا کہ تیرے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تو میرے پاس آ جا۔ قاصد ناواقف تھا جس سے ان کے متعلق پوچھتا زبان سے کوئی نہ بتلاتا صرف اشارہ کرتے کہ اس طرف جا اُس طرف جا۔ بالآخر وہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گیا اور رقعہ ان کے حوالے کیا۔ وہاں تندور جل رہا تھا انھوں نے رقعہ پڑھ کر قاصد کے سامنے آگ میں پھینک دیا اور فرمایا کہ کافروں کو اتنی جرأت ہوگئی ہے کہ میرے ایمان پر ڈاکا ڈالنے لگے ہیں۔ میں نے غلطی کی ہے کہ غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوا، خطا کار ہوں مگر رب تعالیٰ کی رحمت سے نا امید تو نہیں ہوں کہ کافروں سے جا ملوں۔ قاصد کو فرمایا کہ میرے دوست کو اسی طرح جواب دینا جس طرح میں نے تیرے سامنے کیا ہے کہ اس کا رقعہ میں نے تندور میں ڈال دیا ہے اور یہ کہ میں نے غلطی کی ہے خطا کار ہوں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امید تو نہیں ہوں۔

بائیکاٹ کی حالت میں پچاس دن اور پچاس راتیں گزر گئیں اور ان کی بیویوں کو بھی حکم ہو گیا کہ ان کے قریب نہیں جانا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اس کا ذکر ہے ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ﴾ البتہ تحقیق رجوع فرمایا اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر ﴿وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾ اور مہاجرین اور انصار پر کہ ان کو ثابت قدم رکھا ﴿الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾ جنھوں نے نبی کا اتباع کیا تنگی کی گھڑی میں۔ پیغمبر تو معصوم ہے اور مہاجرین وانصار نے بھی آپ ﷺ کی پیروی کی، مخالفت نہیں کی۔ تو یہاں تاب کا معنیٰ ان کو توبہ پر قائم رکھا جو وہ پہلے سے کرتے ہیں۔ اس لشکر کو "جیش العسرۃ" تنگی کے وقت سفر کرنے والا لشکر کہتے ہیں۔ سفر لمبا تھا، گرمی کا موسم تھا، دس دس آدمیوں کے پاس ایک سواری تھی، ایک میل سوار اور نو میل پیدل چلنا ہوتا تھا۔ اسی سفر میں آپ ﷺ نے ایک ایک کھجور دو دو آدمیوں کو دی، آدھی ایک کو آدھی دوسرے کو، یہ خوراک تھی۔ آدھا دانہ کیا کرے گا؟ یہ تو بچے کو بھی کفایت نہیں کرتا۔

شدتِ پیاس کی وجہ سے صحابی کا بے ہوش ہونا:

اس سفر میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ ایک ساتھی پیاس کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر گیا۔ آواز لگائی گئی هَلْ مَعَ اَحَدٍ مِّنْ مَّآءٍ "کسی کے پاس پانی ہے؟" ستر ہزار آدمیوں میں سے کسی کے پاس پانی نہیں تھا۔ کیوں کہ ایک روایت میں غزوۂ تبوک میں شریک ہونے والوں کی تعداد ستر ہزار بتلائی گئی ہے۔ جان خطرے میں تھی اونٹ ذبح کیا گیا اس کی اوجھڑی نچوڑ کر اس کو پانی پلایا گیا تو اس کی جان بچی۔ ضرورت کے وقت اس کی اجازت ہے۔ جان خطرے میں ہو تو اتنی شراب پی سکتے ہو کہ جان خطرے میں نہ رہے۔ خنزیر اور مردار حرام ہیں لیکن اگر جان خطرے میں ہو تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کھانے کی اجازت دی ہے کہ اتنا

کھا سکتے ہو کہ جان بچ جائے۔

تو فرمایا انھوں نے تنگی میں پیغمبر کی پیروی کی ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ﴾ بعد اس کے کہ قریب تھا ﴿يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ﴾ ٹیڑھے ہوجاتے دل ان میں سے ایک فریق کے ﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے رجوع فرمایا ان پر کہ توبہ پر قائم رکھا ﴿اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک وہ ان کے ساتھ شفقت کرنے والا مہربان ہے ﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾ اور ان تین پر بھی رب تعالیٰ نے رجوع فرمایا ان کی بھی توبہ قبول ہوگئی جن کا معاملہ پیچھے رکھا گیا تھا کعب ابن مالک، مرارہ ابن ربیع، ہلال ابن امیہ رضی اللہ عنہم ﴿حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ﴾ یہاں تک کہ جب ان پر تنگ ہوگئی زمین ﴿بِمَا رَحُبَتْ﴾ باوجود کشادہ ہونے کے۔ کوئی آدمی ان کے ساتھ بات کرنے کے لیے تیار نہیں، سلام کا جواب تک کوئی نہیں دیتا، بیوی بھی بولنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ کا چچا زاد بھائی ابوقتادہ ان کا بڑا گہرا دوست تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیکاٹ کے اعلان کے بعد یہ ان کے پاس گئے کہ بھائی! تو تو میرے ساتھ بات کرے گا دوسروں نے تو بائیکاٹ کیا ہے۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا خاموش رہے جب انھوں نے بار بار کہا تو کہنے لگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے آؤ پھر بولوں گا ورنہ نہیں۔ گہرے دوست بھی بولنے کے لیے تیار نہیں ہیں ﴿وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ﴾ اور تنگ ہوگئیں ان پر ان کی جانیں۔ ان کی جانیں بھی ان کے لیے وبال بن گئیں کہ گھر کے افراد بھی سلام کلام کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں ﴿وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ﴾ اور انھوں نے یقین کر لیا کہ کوئی جائے پناہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آفت سے بچنے کے لیے مگر اسی کی طرف سے۔ چوں کہ ایمان پختہ تھا اس لیے سمجھتے تھے کہ رب تعالیٰ ہی نے معافی دینی ہے اور کوئی حل نہیں ہے۔

حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ کو بعض ساتھیوں نے کہا کہ آپ گفتگو کرنے کے ماہر تھے کوئی بہانہ بنا لیتے معافی مل جاتی پھر توبہ کر لیتے یہ تمہارے لیے آسان تھا۔ کہنے لگے توبہ توبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھوٹ بولتا اور میرے جھوٹے ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی ہوتی یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا تھا میں نے سچی بات کہہ دی ہے اللہ تعالیٰ فضل کرے گا۔ اس سچائی کی بنا پر ان کی توبہ قبول ہوئی۔

فرمایا ﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر رجوع فرمایا ﴿لِيَتُوْبُوْا﴾ تاکہ وہ توبہ کرلیں۔ سچے دل سے توبہ کی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ اچھے خاصے مال دار آدمی تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی زمین تھی، خیبر میں بھی تھی اور مختلف جگہوں میں بھی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر کہنے لگے حضرت! اللہ تعالیٰ نے میری توبہ قبول فرمائی ہے اس پر میں نے ارادہ کیا ہے کہ اپنا سارا مال صدقہ کر دوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سارا مال صدقہ نہ کرو اپنی بھی ضروریات ہوتی ہیں کچھ اپنے لیے بھی رکھو۔ یہ صدقہ اچھا نہیں ہے سارا مال صدقہ کر کے پھر دوسروں سے مانگتے پھرو۔

ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ ایک دبلا پتلا آدمی پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے آیا اس نے سوال

کیا اس کی حالت کو دیکھ کر آپ ﷺ کو ترس آ گیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی مدد کرو مختلف ساتھیوں نے اس کی مدد کی۔ ایک ساتھی نے سونے کی ڈلی دے دی۔ کسی اور نے دیکھا کہ یہاں تو سونا مل رہا ہے اس نے بھی سوال کر دیا کہ میں بھی غریب آدمی ہوں میری بھی مدد کرو۔ پہلے سوالی نے وہ سونے کا ٹکڑا نکال کر آنحضرت ﷺ کو دیا کہ حضرت! یہ اس کو دے دیں یہ میرے سے زیادہ مستحق ہے۔ آپ ﷺ نے وہ سونے کا ٹکڑا اس کو زور سے مارا اور فرمایا کہ ابھی تو مانگ رہا تھا اور اب دینے والا بن گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب آدمی خود ضرورت مند ہو تو آگے صدقہ نہ کرتا پھرے۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ اپنے گھر کی ضروریات پوری ہوں تو پھر صدقہ کرنا چاہیے۔ اور اگر گھر کے افراد مشکل میں ہوں تو سخی نور بننے کی ضرورت نہیں ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ﴾ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ اور ہو جاؤ سچوں کے ساتھ ﴿مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ﴾ نہیں تھا مناسب مدینہ طیبہ والوں کے لیے ﴿وَمَنْ حَوْلَهُمْ﴾ اور نہ ان لوگوں کے لیے جو مدینہ طیبہ کے اردگرد رہتے ہیں ﴿مِنَ الْأَعْرَابِ﴾ دیہاتیوں میں سے ﴿أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ﴾ کہ وہ پیچھے رہ جاتے اللہ تعالیٰ کے رسول سے ﴿وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ﴾ اور نہ یہ مناسب تھا کہ وہ عزیز سمجھتے اپنی جانوں کو ﴿عَنْ نَفْسِهِ﴾ اس کی جان سے ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ﴾ یہ اس لیے کہ بے شک وہ ﴿لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ﴾ جن کو نہیں پہنچے گی پیاس اور نہ ﴿وَلَا مَخْمَصَةٌ﴾ اور نہ بھوک ﴿فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا﴾ اور نہ وہ روندیں گے کسی راستے کو ﴿يَغِيظُ الْكُفَّارَ﴾ جو کافروں کو غصے میں ڈالے ﴿وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَيْلًا﴾ اور نہیں پائیں گے وہ دشمن سے کوئی غنیمت کا مال ﴿إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ﴾ مگر یہ کہ ان سب کے بدلے میں لکھا جائے گا نیک عمل ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا اجر نیکی کرنے والوں کا ﴿وَلَا يُنْفِقُونَ نَفَقَةً﴾ اور نہیں خرچ کریں گے کوئی خرچہ ﴿صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً﴾ چھوٹا اور نہ بڑا ﴿وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا﴾ اور نہ طے کریں گے وہ کسی میدان کو ﴿إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ﴾ مگر ان کے لیے نیکی لکھی جائے گی ﴿لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ﴾ تاکہ بدلہ دے ان کو اللہ تعالیٰ ﴿أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ بہتر اس کام کا جو وہ کرتے رہے۔

کافی تفصیل سے تم سن چکے ہو کہ ۹ھ رجب کے مہینے میں غزوۂ تبوک کا سفر پیش آیا۔ گرمی کا موسم تھا فصل پکی ہوئی تھی سفر لمبا تھا روم کی تجربہ کار فوج کے ساتھ مقابلہ۔ اس زمانے میں دو ہی بڑی حکومتیں تھیں روم اور ایران۔ روم کے بادشاہ کا لقب

قیصر ہوتا تھا اور یہ عیسائی تھے اور ایران کے بادشاہ کا لقب کسریٰ ہوتا۔ ان دو حکومتوں کے علاوہ جو حکومتیں تھیں وہ سب ان کی حاشیہ بردار اور ان کی دم چھلا تھیں۔ اس سفر میں منافقین نے مختلف حیلوں بہانوں سے جان چھڑائی سوائے چند منافقوں کے وہ مجبوراً گئے اور مخلص مسلمانوں میں سے دس آدمی تن آسانی اور سستی کی وجہ سے نہیں گئے۔ جن میں سے سات کی توبہ فوراً قبول ہو گئی اور تین کی توبہ کا ذکر تم گزشتہ درس میں سن چکے ہو کہ ان کی توبہ پچاس دنوں کے بعد قبول ہوئی۔ انھوں نے نہ جانے پر کوئی حیلہ بہانہ نہیں کیا بلکہ سچ کہہ دیا کہ ہم نے تن آسانی کی وجہ سے سستی کی ہے۔

سچوں کا ساتھ دو

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے ایمان والو ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ڈرو اللہ تعالیٰ سے، اس کے احکام مانو، نافرمانی نہ کرو ﴿وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ اور ہو جاؤ سچوں کے ساتھ۔ جن لوگوں نے سچ بولا اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان سے راضی ہو گیا اور جنھوں نے جھوٹ بولا ان کے متعلق فرمایا ﴿یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ﴾ "منافق تمھارے سامنے جھوٹی قسمیں اٹھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ ﴿فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ﴾ پس اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ﴾ [التوبہ:۹۶] بے شک اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا فاسق قوم سے۔"

قرآن کی یہ آیت کریمہ بتلا رہی ہے کہ جو لوگ سچے ہیں عقیدے کے لحاظ سے، عمل کے لحاظ سے، اخلاق کے لحاظ سے، سیاسی لحاظ سے ان کا ساتھ دینا چاہیے اور جھوٹوں کا ساتھ نہیں دینا چاہیے۔ مگر آج مصیبت یہ ہے کہ لوگوں نے دھڑے بازی برادری سسٹم کو اپنایا ہوا ہے اور حق و باطل کی تمیز نہیں کرتے۔

غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے والوں کو تنبیہ

آگے اللہ تعالیٰ نے غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے والوں کو تنبیہ فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ﴾ نہیں تھا مناسب مدینہ طیبہ میں رہنے والوں کے لیے ﴿وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ﴾ اور نہ ان لوگوں کے لیے مناسب تھا جو مدینہ طیبہ کے ارد گرد رہتے ہیں دیہاتیوں میں سے ﴿اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ﴾ کہ وہ پیچھے رہ جاتے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ سے۔ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر تو اس لمبے سفر میں تکالیف برداشت کرے اور آپ ﷺ پر ایمان لانے والے، آپ ﷺ کا کلمہ پڑھنے والے مخلص ہو کر گھروں میں بیٹھیں آپ ﷺ جہاد کے لیے جائیں اور تم گھروں میں آرام کرو یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا ﴿وَ لَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ اور نہ یہ مناسب تھا کہ وہ عزیز سمجھتے اپنی جانوں کو آپ ﷺ کی ذات سے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ))۔ "تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک میں اس کو زیادہ محبوب ہو جاؤں اس کی اولاد سے

اس کے ماں باپ سے اور تمام انسانوں سے۔" اور محبت کا پتا ٹکراؤ میں لگتا ہے کہ ایک طرف آنحضرت ﷺ کا ارشاد اور فعل ہو دوسری طرف ماں باپ ہوں یا اولاد جو اس کے خلاف چاہتے ہوں تو پتا چلے گا کہ آنحضرت ﷺ کے قول و فعل کو ترجیح دیتا ہے یا ان کی بات مانتا ہے۔ اگر ماں باپ وغیرہ کے طریقے پر چلتا ہے تو مسلمان نہیں ہے۔ ایک طرف آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی اور آپ ﷺ کا فعل ہے اور دوسری طرف دوسرے لوگ ہیں اگر آپ ﷺ کے مقابلے میں ان کی بات مانے گا یا ان کے طریقے پر چلے گا تو مومن نہیں ہے کیوں کہ آپ ﷺ نے قسم اٹھا کر فرمایا ہے: وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ "اللہ تعالیٰ کی قسم ہے تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا۔" اس کے بعد بے شک وہ اپنے آپ کو مومن کہلاتا پھرے۔

مجاہد کا ہر فعل اور حرکت نیکی ہوتا ہے !

﴿ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ﴾ یہ اس لیے کہ بے شک وہ ﴿لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ﴾ نہیں پہنچے گی ان کو پیاس ﴿وَّلَا نَصَبٌ﴾ اور نہ سفر کی تھکاوٹ ﴿وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ﴾ اور نہ بھوک اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا﴾ اور نہ وہ روندیں گے کسی راستے کو ایسا روندنا ﴿يَّغِيظُ الْكُفَّارَ﴾ جو کافروں کو غصے میں ڈالے۔ ظاہر بات ہے کہ مومن جہاد کے لیے راستے پر چلیں گے تو کافروں کو دکھ ہوگا ﴿وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا﴾ اور نہیں پائیں گے وہ دشمن سے کوئی غنیمت کا مال ﴿إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ﴾ مگر یہ کہ ان سب کے بدلے میں لکھا جائے گا نیک عمل۔

جہاد کے راستے میں جو پیاس لگے گی یہ ان کی نیکی ہے، چلنے سے جو تھکاوٹ ہوگی وہ نیکی ہے، بھوک لگے گی وہ بھی نیکی ہے۔ کافروں کے ساتھ جہاد کے لیے سفر کافروں کو ناگوار ہے، یہ چلنا بھی باعث ثواب ہے اور کافروں سے جو مال غنیمت حاصل کیا اس پر بھی ثواب ملے گا۔ مجاہد اللہ تعالیٰ کے راستے میں جب ایک قدم رکھتا ہے تو اس کی ادنیٰ ترین نیکی سات سو ہے ﴿وَاللهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [البقرہ: ۲۶۱] "اور اللہ تعالیٰ بڑھا دے گا جس کے لیے چاہے گا۔" عام حالات میں مومن کے لیے ایک نیکی کا اجر دس گنا ملتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾ [الانعام: ۱۶۰] "جو شخص لایا ایک نیکی اس کے لیے دس گنا اجر ہے۔" مثلاً: ایک شخص سلام کہتا ہے السلام علیکم۔ اس پر اس کو دس نیکیاں ملیں گی، ایک درجہ بلند ہوگا، ایک صغیرہ گناہ خود بخود معاف ہو جائے گا اور وعلیکم السلام کہنے والے کو بھی اتنا ہی اجر ملے گا۔ وضو کی برکت سے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آنے پر ہر قدم کے بدلے دس نیکیاں ہیں اور اگر یہ نیت کر کے آئے کہ میں نے قرآن وحدیث کا درس سننا ہے تو پھر ہر ہر قدم پر سات سات سو نیکیاں ملیں گی۔

ہر عمل کی قبولیت کے لیے تین شرائط !

لیکن ہر عمل کی قبولیت کے لیے تین شرطیں ہیں۔ ① ایمان ② اخلاص ③ اتباع سنت۔

اگر عقیدہ درست نہیں ہے تو نیکی کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اخلاص نہیں ہے ریاکاری، دکھلاوے کے لیے عمل کیا ہے تو

ضائع ہوگیا، خلاف سنت کیا ہے تو بھی قبول نہیں ہوگا اور جتنا ثواب آنے پر ملتا ہے اسی طرح واپسی پر بھی ہر ہر قدم پر اتنا ہی ثواب ملتا ہے۔ اندازہ لگاؤ کتنا ذخیرہ ہوگیا۔ مسجد سے جتنا بھی دور ہو ہر ہر قدم پر ثواب اتنا ہی ملے گا۔

مسجد نبوی کے آس پاس یہودیوں کے مکانات تھے جب مسجد نبوی میں اذان شروع ہوئی تو یہ بڑے پریشان ہوئے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ کی آواز جب ان کے کانوں میں پڑتی تو ان کے کلیجے پھٹتے۔ آپس میں انھوں نے مشورہ کیا کہ جس چیز کو ہم گوارا نہیں کرتے وہ چیز یہ ہمارے کانوں میں ڈالتے ہیں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ. پھر یہ نماز کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں تب ہمارے سینے جلتے ہیں پھر وہاں بیٹھ کر دین کی باتیں کرتے ہیں اور باہر سے وفد آتے جاتے ہیں اس سے ہمیں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ چوں کہ یہودی امیر لوگ تھے کہنے لگے یہ مکانات کرائے پر دے دو اور دوسرے مکانوں میں چلے جاتے ہیں جو یہاں سے دور ہیں۔ نہ ان کی اذان کی آواز سنیں گے اور نہ ہی نماز پڑھتے دیکھیں گے۔ چنانچہ مشورے کے بعد یہودی دوسرے محلوں میں منتقل ہوگئے۔

مسجد نبوی سے دور جہاں مسجد قبلتین ہے یہاں دو قبیلے بنو حارثہ اور بنو سلمہ آباد تھے۔ یہ وہاں سے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے لیے آتے تھے۔ انھوں نے خیال کیا کہ مسجد نبوی کے پاس مکان کرائے پر مل رہے ہیں تو ہم وہاں جا کر رہیں۔ مسجد قریب ہوگی نماز کی پریشانی نہیں ہوگی۔ پھر کہنے لگے آنحضرت ﷺ سے پوچھ لو۔ آنحضرت ﷺ کا کلمہ پڑھا ہے ان کی رضا کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے حضرت! آپ ﷺ کے علم میں ہے کہ ہم نماز میں شرکت کے لیے دور دور سے آتے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ شدید گرمی میں اور بارش ہو تو رات کو آنا جانا مشکل ہوتا ہے۔ بوڑھوں کے لیے اگرچہ جوانوں کے لیے تو مشکل نہیں ہے۔

مجھے یاد ہے کہ میں جوانی میں اپنے گھر سے چل کر دس منٹ میں نارمل سکول کی مسجد میں پہنچ جاتا تھا اور اب بوڑھا ہوگیا ہوں نہیں پہنچ سکتا۔ تو انھوں نے کہا حضرت! ہمیں اجازت دے دیں کہ ہم مسجد کے قریب رہائش کرلیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں تمھیں اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔ کیوں کہ جتنا دور سے آؤ گے اتنے قدم زیادہ ہوں گے نیکیاں زیادہ ملیں گی تو میں کم نیکیوں کا مشورہ کیوں دوں اور دوسری بات یہ ہے کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی محلہ مسلمانوں کے وجود سے خالی ہو۔ کوئی علاقہ کوئی محلہ مسلمانوں کے وجود سے خالی نہیں ہونا چاہیے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمھیں جتنی بھی تکلیفیں پیش آئیں گی اللہ تعالیٰ کے راستے میں بھوک لگے گی، پیاس لگے گی، تھکاوٹ ہوگی یہ تمھارے نامۂ اعمال میں نیکی لکھی جائے گی۔ یہاں تک کہ زمین کا روندنا اور مالِ غنیمت کا حاصل کرنا بھی تمھارا نیک عمل تحریر ہوگا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا اجر نیکی کرنے والوں کا ﴿وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً﴾ اور نہیں خرچ کریں گے کوئی خرچہ ﴿صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً﴾ چھوٹا اور نہ بڑا ﴿وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا﴾ اور نہ طے کریں گے وہ کسی میدان کو ﴿اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ﴾ مگر ان کے لیے نیکی لکھی جائے گی جس کا ادنیٰ ترین بدلہ سات سو ہے ﴿لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ﴾ تاکہ

بدلہ دے ان کو اللہ تعالیٰ ﴿اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ بہتر اس کام کا جو وہ کرتے رہے۔

مجاہدین کو اللہ تعالیٰ نے بڑا مقام عطا فرمایا ہے اور فی سبیل اللہ کی کئی مدات (شعبے) ہیں۔ ایک کافروں کے ساتھ جہاد کرنا ہے اور ایک دین کا علم حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا ہے اور دین کی تبلیغ کے لیے سفر کرنا ہے اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ صحیح العقیدہ نماز، روزے کا پابند آدمی رزق حلال کے لیے سفر کرتا ہے یہ بھی فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔ رزق کمانے کے لیے دکان پر جاتا ہے، کارخانے جاتا ہے، ملازمت پر جاتا ہے، مزدوری کے لیے جاتا ہے اس کا ہر قدم فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔ اور عقیدہ صحیح نہیں ہے نماز، روزے کا پابند نہیں ہے تو پھر کچھ بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ ایمان بنیادی شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔

﴿وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور مناسب نہیں مومنوں کے لیے ﴿لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً﴾ کہ کوچ کر جائیں سارے کے سارے ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ﴾ پس کیوں نہیں کوچ کیا ہر خاندان میں سے ﴿مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ﴾ ایک گروہ ان میں سے ﴿لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ﴾ تاکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کریں ﴿وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ﴾ اور تاکہ وہ ڈرائیں اپنی قوم کو ﴿اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ﴾ جس وقت کہ وہ واپس لوٹیں ان کی طرف ﴿لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ تاکہ وہ بچ جائیں ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ﴾ لڑو ان لوگوں کے ساتھ جو تمہارے قریب ہیں کافروں میں سے ﴿وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً﴾ اور چاہیے کہ وہ پائیں تمہارے اندر سختی ﴿وَ اعْلَمُوْٓا﴾ اور تم جان لو ﴿اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ﴿وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ﴾ اور جس وقت اتاری جاتی ہے کوئی سورۃ ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ﴾ پس بعض ان منافقوں میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں ﴿اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا﴾ تم میں سے کس کا زیادہ کیا ہے اس سورۃ نے ایمان ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ پس بہرحال وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں ﴿فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ پس وہ سورت ان کے ایمان کو زیادہ کرتی ہے ﴿وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ اور وہ خوش ہوتے ہیں۔

فقہ مطلوب ہے، فقہ کے بغیر چارہ نہیں

اس سے قبل مسلسل کئی رکوع گزر چکے ہیں جن میں غزوۂ تبوک کا ذکر تھا جو ۹ ھ کو پیش آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی قیادت فرمائی۔ اس سورت میں منافقوں کی بڑی تردید فرمائی گئی کہ طاقت اور اسلحہ ہوتے ہوئے بھی تم نے جہاد میں کیوں شرکت نہیں کی حالانکہ اپنے آپ کو مومن کہتے ہو۔ مومن ہو تو پھر حکم کیوں نہیں مانا اور جو مخلص مومن شریک نہیں ہوئے تھے ان کو

بھی بڑا سخت سست کہا گیا۔ غزوۂ تبوک کے بعد ایک چھوٹا سا غزوہ پیش آیا تھا اس میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ وہ غزوۂ بنو جذیمہ تھا یا کوئی اور۔ اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ خود تشریف نہیں لے گئے کہ ضرورت نہیں تھی۔ اس غزوہ میں ضرورت سے زیادہ لوگ چلے گئے تھے حالاں کہ اتنے آدمیوں کے جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ جب آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو آدمی بہت تھوڑے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ جس طرح جہاد میں نہ جانا گناہ ہے اسی طرح ضرورت سے زیادہ آدمیوں کا جانا بھی اچھی بات نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً﴾ اور مناسب نہیں ہے مومنوں کے لیے کہ کوچ کر جائیں جہاد کے لیے سارے کے سارے ﴿فَلَوْ لَا نَفَرَ﴾ پس کیوں نہ کوچ کیا ﴿مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ﴾ ہر خاندان میں سے ﴿مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ﴾ ان میں سے ایک گروہ۔ ہر خاندان میں سے کچھ آدمی چلے جاتے باقی رہ جاتے ﴿لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ﴾ تا کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہنے والے دین کی سمجھ حاصل کرتے۔ کیوں کہ آپ ﷺ کی مجلس میں ہر وقت دین کی باتیں ہوتی تھیں۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دین نہ سیکھتے اور نہ پہنچاتے تو کلمہ اور دین کسی تک نہ پہنچتا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تفقہ فی الدین کا سبق دیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ فقہ بھی بڑی چیز ہے۔ سطحی قسم کے لوگ ہیں جو فقہ کی سخت مخالفت کرتے ہیں حالاں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تفقہ فی الدین مطلوب ہے۔ بخاری شریف اور دیگر حدیث کی کتابوں میں بھی یہ روایت موجود ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ)) "اللہ تعالیٰ جس شخص کے بارے میں خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کی سمجھ، دین کی فقاہت عطا فرماتے ہیں۔" جس کو دین کی سمجھ ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں۔

ایک موقع پر آنحضرت ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر اس وقت آٹھ نو سال تھی۔ ان کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ آپ ﷺ واپس تشریف لائیں گے تو طہارت کریں گے۔ انھوں نے پانی کا ایک لوٹا لا کر رکھ دیا۔ آنحضرت ﷺ واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ با پردہ جگہ پر لوٹا رکھا ہوا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ يَّضَعُ هٰهُنَا)) "یہ لوٹا یہاں کس نے رکھا ہے؟" حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا حضرت! میں نے رکھا ہے۔ آپ ﷺ کے دل میں رقت پیدا ہوئی کہ بچے کو کیسا خیال آیا ہے کہ لوٹا مہیا کیا، پانی مہیا کیا، پھر با پردہ جگہ پر رکھا۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے دعا فرمائی ((اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ التَّاْوِيْلَ)) "اے اللہ! اس بچے کو قرآن پاک کی تفسیر کا علم عطا فرما ((وَفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ)) اور اس کو دین کی سمجھ عطا فرما، فقاہت عطا فرما۔" لہٰذا فقہ کا انکار قرآن کا انکار ہے اور حدیث کا انکار ہے۔

یاد رکھنا! سارے مسئلے قرآن پاک میں موجود نہیں ہیں۔ قرآن پاک میں اصول موجود ہیں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں ہے نماز کا مسئلہ ہی لے لو۔ قرآن کریم میں پانچ نمازوں کی تفصیل موجود نہیں ہے کہ فجر کے دو فرض ہیں، ظہر کے چار فرض ہیں، عصر کے چار فرض ہیں، مغرب کے تین فرض ہیں، عشاء کے چار فرض ہیں، فجر کی دو سنتیں ہیں اور ظہر کے فرضوں سے پہلے چار

سنتِ مؤکدہ ہیں اور دو بعد میں ہیں اور مغرب کے فرضوں کے بعد دو سنتیں مؤکدہ ہیں اور عشاء میں دو سنت مؤکدہ اور تین وتر واجب ہیں باقی نفل ہیں۔ یہ تفصیل قرآن پاک میں کسی جگہ بھی موجود نہیں ہے۔ اگر حدیث کی طرف رجوع نہیں کرو گے تو قرآن سمجھ نہیں آئے گا اور اگر فقہ کی طرف رجوع نہیں کرو گے تو حدیث سمجھ نہیں آئے گی۔ تمام مسائل صراحت کے ساتھ نہ قرآن میں ہیں اور نہ حدیث میں۔ قرآن و حدیث سے قیاس کے ذریعے جو مسئلہ نکلے گا وہ بھی دین ہے۔

۱۰ ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے ایک صوبے کا گورنر بنا کر بھیجنا چاہا کیوں کہ یمن کے دو صوبے تھے۔ ایک صوبے کا گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بنایا گیا تھا یہ معمر آدمی تھے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ نوعمر صحابی تھے انھوں نے معذرت کی کہ حضرت! گورنری کا عہدہ بڑا اہم عہدہ ہے اور میں تو جوان آدمی ہوں اور یمن میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں، یہودی، عیسائی، مجوسی اور مسلمان۔ ایسے علاقے میں فیصلے اور حکمرانی کرنا مشکل کام ہے۔ سب فرقوں کو مطمئن کرنا آسان کام نہیں ہے۔ جہاں ایک ذہن کے لوگ رہتے ہوں وہاں حکمرانی آسان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے میں نے منتخب کیا ہے جانا پڑے گا پھر تکرار نہیں کی تیار ہو گئے۔

رخصت کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تیرے سامنے کوئی جھگڑا آئے تو تُو اس کا فیصلہ کیسے کرے گا؟ قَالَ اَقْضِیْ بِکِتَابِ اللّٰہِ انھوں نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تجھے نہ ملے تو پھر تو کیا کرے گا؟ قَالَ فَبِسُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ۔ انھوں نے کہا کہ پھر میں سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کروں گا قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِیْ سُنَّۃِ رسول اللہ ﷺ وَلَا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب اللہ میں تجھے نہ مل سکے تو پھر کیا کرے گا؟ قَالَ اَجْتَہِدُ بِرَائِیْ وَلَا اٰلُوْ انھوں نے فرمایا کہ پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کروں گا فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَدْرَہٗ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی چھاتی پر (رضا اور شفقت کا) ہاتھ مارا فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ لِمَا یَرْضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے جس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو اس چیز کی توفیق عطا فرمائی جس پر اللہ تعالیٰ کا رسول راضی ہے۔

اس حدیث سے صراحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہوئی کہ جو پیش آمدہ مسئلہ قرآن و حدیث میں نہ مل سکے اس میں مجتہد کا اجتہاد و قیاس کرنا اور اپنی رائے سے اس کو حل کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا سبب ہے اور اسی کا نام فقہ ہے۔ ان لوگوں کو بلا وجہ فقہ سے چڑ ہے۔ فقہ کے بغیر بات ہی نہیں بنتی۔ جو مسئلہ قرآن اور حدیث میں نہیں ہے اس کے بارے میں فقاہت سے کام لینا پڑے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین سب نے فقاہت سے کام لیا۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سب سے بڑے فقیہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے شاگرد ہیں ابراہیم نخعی اور ان کے شاگرد ہیں امام ابو حنیفہ۔ تمام ائمہ کرام رحمہم اللہ ان کی فقاہت کے قائل ہیں اور فقہ مطلوب ہے مبغوض نہیں ہے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مناسب نہیں تھا ایمان والوں کے لیے کہ کوچ کر جائیں سارے کے سارے پس نہ کوچ کیا ہر خاندان میں سے ایک گروہ نے تاکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کریں آپ کی خدمت میں رہ کر ﴿وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ﴾ اور تاکہ وہ ڈرائیں اپنی قوم کو۔ جنھوں نے دین کی سمجھ حاصل کی ہے ڈرائیں رب تعالیٰ کی مخالفت سے ﴿اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ﴾ جس وقت کہ وہ واپس لوٹیں جہاد سے ان کی طرف کہ تمہاری غیر موجودگی میں آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے ﴿لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ تاکہ وہ بھی بچ جائیں اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے۔ تو تفقہ فی الدین از روئے قرآن، از روئے حدیث، از روئے عقل بہت بلند چیز ہے۔

بخاری شریف میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے سمجھانے کے لیے فرمایا زمین تین قسم کی ہے۔ ایک وہ زمین ہے کہ جس پر بارش برستی ہے تو وہ بارش کے پانی کو جذب کر لیتی ہے۔ اس زمین سے درخت، سبزیاں، پھل، اناج پیدا ہوتا ہے۔ دوسری وہ ہے کہ جس میں پیداوار کی استعداد نہیں ہے اس سے کوئی چیز پیدا نہیں ہو سکتی البتہ پانی اس میں کھڑا ہو جاتا ہے جمع ہو جاتا ہے انسان پانی پیتے ہیں، جانور پانی پیتے ہیں اور فائدہ اُٹھاتے ہیں اور تیسری قسم کی وہ زمین ہے کہ نہ تو وہ پانی کو جذب کر کے کوئی چیز اُگاتی ہے اور نہ پانی اس میں جمع ہو کر ٹھہرتا ہے سارا پانی بہہ جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان تینوں زمینوں میں سے اچھا ٹکڑا کون سا ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا حضرت! سب سے اچھا ٹکڑا وہ ہے جس میں سبزیاں، پھل، فصلیں، اناج پیدا ہوتا ہے کیوں کہ اس سے ضرورت پوری ہوتی ہے۔ اور فی الجملہ وہ بھی اچھا ہے جس میں پانی رکا ہوا ہے۔ لیکن اس کا اتنا فائدہ نہیں ہے جتنا پہلی کا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا پہلی مثال فقہاء کی ہے کہ قرآن و حدیث ان میں جمع ہوتا ہے اور اس سے آگے نئے نئے مسائل نکالتے ہیں اور دوسری مثال محدثین کی ہے کہ پانی کو پانی کی شکل میں رکھا اور تیسری مثال عام لوگوں کی ہے کہ پانی آیا اور بہہ گیا۔ تو فقہائے کرام کا مقام بہت بلند ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے:

((فَقِيْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ)).

"ایک فقیہ زیادہ سخت اور بھاری ہے شیطان پر ہزار عابد سے۔"

شیطان جتنا ایک فقیہ سے گھبراتا ہے ہزار عابد سے نہیں گھبراتا۔ تو جو لوگ فقہ کی مخالفت کرتے ہیں وہ بڑے بے وقوف اور احمق ہیں۔

بہر حال جہاد کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے ایمان والو! ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ﴾ لڑو ان لوگوں کے ساتھ جو تمہارے قریب ہیں کافروں میں سے۔ جیسے بھارت ہمارے قریب ہے ﴿وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً﴾ اور چاہیے کہ وہ پائیں تمہارے اندر سختی، نرمی نہ کرو اور سختی بھی ایسی کرو کہ ان کو پتا چل جائے کہ لڑنا کسے کہتے ہیں۔ الحمد للہ! چند سو مجاہدین اپنے مورچوں میں ڈٹے ہوئے ہیں اور کافروں کے دانت کھٹے کیے ہوئے ہیں ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ

اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ﴾ اور تم جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ان کی امداد فرمائے گا۔

تردیدِ منافقین

آگے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی تردید فرمائی ہے۔ فرمایا ﴿وَ اِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ﴾ اور جس وقت اُتاری جاتی ہے کوئی سورت ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ﴾ پس بعض ان منافقوں میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں ﴿اَیُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِیْمَانًا﴾ تم میں سے کس کا زیادہ کیا ہے اس سورت نے ایمان۔ یہ بات وہ تمسخر کے طور پر کہتے تھے کہ اس سورت نے کس کا ایمان بڑھا دیا ہے۔ اور مومن جب کوئی سورت نازل ہوتی تھی تو اس پر ایمان لاتے تھے اور بڑھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ پس بہر حال وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا﴾ پس وہ سورت ان کے ایمان کو زیادہ کرتی ہے۔ چوں کہ اس سے پہلے اتنی چیزوں پر ایمان تھا جتنی نازل ہو چکی تھیں اور سورت جب اُتری تو اس کو بھی مانا اس میں جو احکامات نازل ہوئے ان کو بھی مانا تو ایمان بڑھ گیا۔ اسی طرح جوں جوں سورت نازل ہوتی جاتی ایمان بڑھتا جاتا ﴿وَّ هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ اور وہ خوش ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا تازہ حکم ہماری طرف نازل ہوا ہے اور ہمارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ ہے۔ آگے ذکر آئے گا کہ جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو منافق کڑھتے ہیں کہ یہ حکم کیوں نازل ہوا ہے؟

﴿وَ اَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ اور بہر حال وہ لوگ جن کے دلوں میں (منافقت کی) بیماری ہے ﴿فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ﴾ پس زیادہ کرتی ہے یہ سورۃ ان کے لیے گندگی کو ان کی گندگی کے ساتھ ﴿وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ اور مرتے ہیں اس حال میں کہ وہ کفر کرنے والے ہوتے ہیں ﴿اَوَ لَا یَرَوْنَ﴾ کیا اور وہ دیکھتے نہیں ہیں ﴿اَنَّهُمْ یُفْتَنُوْنَ﴾ کہ بے شک وہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں ﴿فِیْ كُلِّ عَامٍ﴾ ہر سال ﴿مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَیْنِ﴾ ایک مرتبہ یا دو مرتبہ ﴿ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ﴾ پھر وہ توبہ نہیں کرتے ﴿وَ لَا هُمْ یَذَّكَّرُوْنَ﴾ اور نہ وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں ﴿وَ اِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ﴾ اور جس وقت کوئی سورت نازل کی جاتی ہے ﴿نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ﴾ تو دیکھتے ہیں ان میں سے بعض بعض کی طرف ﴿هَلْ یَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ﴾ کہ کیا تم کو کوئی دیکھ رہا ہے ﴿ثُمَّ انْصَرَفُوْا﴾ پھر وہ کھسک جاتے ہیں ﴿صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ پھیر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ﴿بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ﴾ بے شک وہ قوم ہے جو فقاہت سے محروم ہے ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ﴾ البتہ تحقیق آیا تمہارے پاس رسول ﴿مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ تم میں سے ﴿عَزِیْزٌ عَلَیْهِ﴾ گراں گزرتی ہے اس ﴿مَا عَنِتُّمْ﴾ وہ چیز جو تمھیں مشقت میں ڈالے ﴿حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ﴾ بہت ہی حریص ہے تم پر ﴿بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾ مومنوں کے ساتھ شفقت کرنے والا

مہربان ہے ﴿فَاِنۡ تَوَلَّوۡا﴾ پس اگر یہ لوگ پھر جائیں ﴿فَقُلۡ حَسۡبِیَ اللّٰہُ﴾ پس آپ کہہ دیں مجھے اللہ کافی ہے ﴿لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ﴾ نہیں ہے کوئی الٰہ مگر وہی اللہ تعالیٰ ﴿عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ﴾ اسی پر میں نے بھروسا کیا ہے ﴿وَ ہُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ﴾ اور وہ رب ہے بہت بڑے عرش کا۔

پچھلے درس میں آپ نے یہ آیات پڑھیں کہ ﴿وَ اِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَۃٌ فَمِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّقُوۡلُ اَیُّکُمۡ زَادَتۡہُ ہٰذِہٖۤ اِیۡمَانًا﴾ "اور جس وقت اُتاری جاتی ہے کوئی سورت پس بعض ان منافقوں میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں تم میں سے کس کا زیادہ کیا ہے ایمان اس سورت نے۔" یہ بات وہ مذاق کے طور پر کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ مومنوں کا ایمان بڑھا دیتی ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں۔

نزولِ قرآن سے منافقت کی گندگی اور زیادہ ہو جاتی تھی

اب منافقوں کے بارے میں فرمایا ﴿وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ﴾ اور بہرحال وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے منافقت کی ﴿فَزَادَتۡہُمۡ رِجۡسًا اِلٰی رِجۡسِہِمۡ﴾ پس زیادہ کرتی ہے یہ سورۃ ان کے لیے گندگی کو گندگی کے ساتھ۔ پہلے بھی ان کے دل گندے ہیں سورۃ نازل ہوئی اس کا انکار کیا اور گندے ہو گئے گندگی بڑھ گئی۔ یہ مطلب ہے گندگی کے زیادہ کرنے کا ورنہ قرآن کریم تو نور ہدایت ہے۔ یہ گندگی کیسے بڑھاتا ہے؟ اس بات کو سمجھانے کے لیے شیخ سعدیؒ نے گلستان میں فرمایا ہے۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
درباغ لالہ روید و در شور بوم وخس

''بارش کہ اس کی طبیعت کے پاک ہونے میں اختلاف نہیں ہے باغ میں گل لالہ اُگاتی ہے اور خراب زمین میں کانٹے دار گھاس۔''

بارش کا پانی تو بڑا صاف ستھرا ہوتا ہے وہ کسی اچھی زمین پر برسے تو اس میں پھل، سبزیاں، پھول اور عمدہ عمدہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں اور اگر وہی بارش روڑی (گندگی کے ڈھیر) پر نازل ہو تو بدبو پھیلتی ہے، خراب زمین پر برسے تو کانٹے دار گھاس اور بڈ پھیڑے اُگتے ہیں۔ بارش میں تو کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے روحانی بارش ہے اچھے دلوں تک پہنچے تو ایمان بڑھتا ہے وہ خوش ہوتے ہیں اور بُرے دلوں پر پہنچے جو پہلے سے منکر ہیں تو انھوں نے مزید انکار کر کے کفر کی گندگی ونجاست بڑھا لی۔ فرمایا ﴿وَ مَاتُوۡا وَ ہُمۡ کٰفِرُوۡنَ﴾ اور مرتے ہیں اس حال میں کہ وہ کفر کرنے والے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا لوگوں کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے تکلیف میں مبتلا کرنا

﴿اَوَ لَا یَرَوۡنَ﴾ کیا اور وہ منافق دیکھتے نہیں ہیں ﴿اَنَّہُمۡ یُفۡتَنُوۡنَ فِیۡ کُلِّ عَامٍ﴾ کہ بے شک وہ آزمائش میں ڈالے

جاتے ہیں ہر سال ﴿مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ﴾ ایک مرتبہ یا دو مرتبہ۔ یہ آزمائش کیا ہوتی تھی؟ یہ کبھی سیلاب کی شکل میں، کبھی گرمی کی شکل میں، کبھی قحط کی شکل میں، کبھی دشمن کی طرف سے حملے کی شکل میں ہوتی، کبھی وبا اور طاعون کی شکل میں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جھنجوڑتا ہے کہ وہ سمجھ جائیں اور سنبھل جائیں۔

آج کل آپ اخبارات میں پڑھ رہے ہیں کہ فلاں جگہ گرمی کی وجہ سے اتنے آدمی فوت ہو گئے ہیں، فلاں جگہ اتنے فوت ہو گئے ہیں اور جب بارشیں شروع ہوں گی تو سیلاب میں مریں گے۔ یہ سب آزمائشیں ہیں مگر لوگ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ حالاں کہ یہ سب کچھ انسان کی تنبیہ کے لیے ہوتا ہے۔ آدمی کو جب بھی کوئی تکلیف آئے تو سمجھے کہ یہ میرے لیے تنبیہ ہے۔

جن کی فطرت مسخ ہو گئی ہو وہ توبہ نہیں کرتے

لیکن فرمایا ﴿ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ﴾ پھر وہ توبہ نہیں کرتے ﴿وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ﴾ اور نہ وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ اور مومن کو جو تکالیف آتی ہیں وہ اس کے گناہ کا کفارہ بنتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کو جو تکلیف آتی ہے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔ اور حدیث پاک میں یہ بھی آتا ہے بخاری شریف کی روایت ہے اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا يُّصِبْهُ "جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو کسی نہ کسی تکلیف میں مبتلا کر دیتے ہیں۔" بدنی تکلیف، مالی تکلیف، اہل خانہ کی طرف سے پریشانی، اولاد کی نافرمانی، مومن آدمی جب ان چیزوں کو برداشت کرتا ہے تو اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور منافق کسی تکلیف سے کوئی اثر نہیں لیتا جیسے: اونٹ کو باندھ دیا اور کھول دیا اس کو نہیں پتا کہ مجھے باندھا کیوں ہے اور کھولا کیوں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ﴾ اور جس وقت کوئی سورت نازل کی جاتی ہے ﴿نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ﴾ تو دیکھتے ہیں ان میں سے بعض بعض کی طرف۔ کیوں کہ قرآن کریم کی سورتوں میں توحید کا مسئلہ بیان ہوتا، قیامت کا مسئلہ بیان کیا جاتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور صداقت کا مسئلہ بیان ہوتا اور یہ سارے مسئلے ان کو چبھتے تھے اور وہ کڑھتے تھے کیوں کہ دل میں منافقت تھی۔ مجبوراً زبانی طور پر کلمہ پڑھتے تھے کہ اسلام کا غلبہ تھا، مالِ غنیمت، زکوٰۃ کا مال، بیت المال سے حصہ ملتا تھا۔ بس اس خوف اور لالچ کی وجہ سے کلمہ پڑھتے تھے۔

جب کوئی سورت نازل ہوتی تو ایک دوسرے کو دیکھتے تھے ﴿هَلْ يَرَاكُمْ مِّنْ أَحَدٍ﴾ کیا تم کو کوئی دیکھ رہا ہے۔ ان کا مطلب یہ ہوتا کہ مجلس میں موجود مخلص مسلمانوں میں سے اگر کوئی انہیں دیکھ رہا ہے تو بادل نخواستہ بیٹھے رہتے اگر سمجھتے کہ مسلمان ان کی طرف متوجہ نہیں ہیں تو ﴿ثُمَّ انْصَرَفُوا﴾ پھر وہ کھسک جاتے ہیں۔ جوتی اُٹھاتے اور چل پڑتے کیوں کہ قرآن کو سننا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ کیوں کہ عربی تھے اس لیے مطلب سمجھتے تھے ہماری زبان چوں کہ عربی نہیں ہے اس لیے ہم نہیں سمجھتے۔

﴿صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ﴾ اپھیر دیا اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے ﴿نُوَلِّهٖ مَا

تَوَلّٰی﴾[النساء:۱۱۵] "ہم اس کو پھیر دیں گے جس طرف کا اس نے رخ کیا ہے۔" جس طرف کوئی جانا چاہتا ہے اس طرف چلنے کی توفیق دے دیتے ہیں۔ ایمان کے راستے پر چلنا چاہے تو ایمان کی توفیق دے دیتے ہیں کفر کی طرف چلنا چاہے تو کفر کے راستے پر چلنے کی توفیق دے دیتے ہیں ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾[کہف:۲۹] "پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔" مجبور کسی شے پر نہیں ہے۔

یہ منافقت کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں ﴿بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ﴾ اس وجہ سے کہ بے شک وہ قوم ہے جو فقاہت اور سمجھ سے محروم ہے۔ اور دین کی سمجھ تو بڑی چیز ہے مَنْ يُّرِدِاللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ "اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں۔" وہ دین کے ساتھ تعلق، دین کے کاموں کو پسند کرتا ہے، دینی کاموں میں اس کا وقت گزرتا ہے اور منافق کی مثال ایسی ہے جیسے آزاد پرندے کو پنجرے میں بند کر دو تو وہ پھڑ کتا رہتا ہے۔ چوں کہ منافقوں کو دین کی سمجھ نہیں ہے اس لیے ان کو دین سے دلچسپی نہیں ہے وہ پنجرے میں قید ہیں دوڑ نہیں سکتے (انہیں آزادی نصیب نہیں)۔

مسئلہ بشریتِ پیغمبر ضروریاتِ دین میں سے ہے

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ﴾ البتہ تحقیق آیا تمہارے پاس رسول ﴿مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ تم میں سے یعنی تمہاری ہی جنس بشر اور انسانوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام رسول بشر اور انسان تھے اور اس کے متعلق تم کئی دفعہ پڑھ چکے ہو اور میں سمجھا چکا ہوں کہ بشریتِ رسول کوئی فرعی مسئلہ نہیں ہے، یہ عقیدے کا بنیادی مسئلہ ہے۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ کا طبقہ دین کے معاملے میں بڑا محتاط طبقہ ہے وہ بشریتِ رسول کے منکر کو کافر کہتے ہیں۔

چنانچہ روح المعانی، فتاویٰ عالم گیری، بحر الرائق اور متعدد کتابوں میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ کیا یہ جاننا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر اور عربی ہیں صحت ایمان کے لیے شرط ہے یا یہ فرض کفایہ ہے؟ تو انھوں نے اس کا جواب دیا کہ یہ صحتِ ایمان کے لیے شرط ہے۔ سو اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تمام مخلوق کے لیے مانتا ہوں لیکن میں یہ نہیں مانتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے یا فرشتہ یا جن یا یہ کہا کہ میں نہیں جانتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عربی تھے یا عجمی تو اس شخص کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے۔ کیوں کہ اس نے قرآن پاک کی تکذیب کی ہے۔ تو صرف اتنا کہنے سے کہ لَا اَدْرِیْ میں نہیں جانتا يَكْفُرُ کافر ہو گیا اور نکاح ٹوٹ گیا۔ کیوں کہ یہ جاننا ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ دین کا بنیادی عقیدہ ہے کہ جانے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں عربی ہیں کیوں کہتا ہے کہ مجھے پتا نہیں ہے؟ مسلمان نہیں ہے؟ اس کو ضروریاتِ دین کا علم کیوں نہیں ہے؟

کافی عرصے کی بات ہے مجھے ساتھیوں نے کہا کہ علامہ خالد محمود صاحب کی تقریر کرانی ہے۔ علامہ خالد محمود ہماری جماعت کے محقق عالم ہیں بہت کام کر رہے ہیں مجھ سے کافی چھوٹے ہیں اس وقت انگلستان میں ہیں۔ میں نے کہا بڑے شوق سے تقریر کراؤ مگر لاؤڈ سپیکر کی اجازت لے لو کیوں کہ لاؤڈ سپیکر پر پابندی ہے۔ نوجوان تھے تجربہ نہیں تھا درخواست دے دی

لیکن منظوری نہ ہوئی۔ ان نادانوں نے سمجھا کہ درخواست دینے سے ہی منظوری ہو جاتی ہے۔ اسی مسجد میں تقریر ہوئی میں اس مسجد کا تقریباً ساٹھ سال سے خطیب ہوں۔ مجھ پر مقدمہ ہو گیا۔ پہلے وزیر آباد پھر سیشن کورٹ گوجرانوالا منتقل ہو گیا۔ ابرار احمد ہمارا وکیل تھا جج نے پوچھا مولانا جب لاؤڈ سپیکر پر پابندی تھی تو آپ نے کیوں چلایا؟ وکیل نے وکیلانہ شوشہ چھوڑا کہ بوڑھے آدمی ہیں بزرگ ہیں ان کو معلوم نہیں تھا کہ قانون کیا ہے۔ جج نے بڑی معقول بات کہی کہ وکیل صاحب ملک میں رہ کر ملکی قانون سے بے خبر رہنا یہ کوئی وجہِ جواز نہیں ہے بہر حال اس نے ہمیں رہا (بری) کر دیا۔

تو ساتھیو! خدا کے ملک میں رہ کر، خدا کی زمین پر رہ کر، اس کے آسمان کی چھت کے نیچے رہ کر، اس کی پیدا کردہ خوراک کھا کر، اس کا پانی پی کر، اس کی ہوا اندر کھینچ کر زندہ رہے اور بنیادی عقیدے کے متعلق یہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں ہے یہ کیسے حجت ہوگا؟ فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ بالغ بچی کا نکاح ہو گیا۔ اس مجلس میں دو تین منٹ بعد اس سے پوچھا گیا کہ بیٹی ایمان کسے کہتے ہیں؟ وَ قَالَتْ لَا اَدْرِیْ اور اس نے کہا مجھے معلوم نہیں ہے تو نکاح ٹوٹ گیا۔ اس کو بالغ ہوتے ہی ایمان کی تیاری کرنی چاہیے تھی کہ ایمان کیا ہوتا ہے اور یہاں تو یہ حال ہے دادی نانی کو بھی پتا نہیں ہے کہ ایمان کسے کہتے ہیں۔

تو یاد رکھنا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسان ہیں، بشر ہیں، آدمی ہیں، عربی ہیں، ہاشمی قریشی ہیں اور نہ جاننے والا کافر ہے، نکاح ٹوٹ گیا۔

﴿عَزِیْزٌ عَلَیْهِ﴾ گراں گزرتی ہے اس پر ﴿مَا عَنِتُّمْ﴾ وہ چیز جو تمھیں مشقت میں ڈالے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن جمعہ کی تیاری کر رہے تھے اور بعض روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی آیا جس کا خستہ لباس اور بُری حالت تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو پریشان ہو گئے اور خطبہ موقوف کر کے اس کو فرمایا: قُمْ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ "اُٹھ کر دو رکعت پڑھو۔"

ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دو رکعتیں اس لیے پڑھوائیں تاکہ لوگ اس کو دیکھ لیں۔ ویسے خطبے کے وقت کوئی نماز درست نہیں ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب امام آ کر خطبہ شروع کر دے تو خاموشی کے ساتھ بیٹھو۔ تو لوگوں نے جب اس کی خستہ حالت کو دیکھ لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی حالت تمھارے سامنے ہے اس کی امداد کرو۔ تو ساتھیوں کی تکلیف اور مشقت کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پریشان ہو جاتے تھے۔

﴿حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ﴾ بہت ہی حریص ہے تم پر ایمان اور نیکی کے لیے ﴿بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾ مومنوں کے ساتھ شفقت کرنے والا مہربان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ﴿رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾ ہونا مخلوق کے اعتبار سے ہے کہ مخلوق میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بندوں پر زیادہ شفقت کرنے والے ہیں۔ خالق والی شفقت خالق کے ساتھ خاص ہے۔ ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ پس اگر یہ لوگ پھر جائیں، پیغمبر کی اطاعت سے اعراض کریں ﴿فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ﴾ آپ کہہ دیں مجھے اللہ کافی ہے ﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں ہے کوئی الٰہ مگر وہی اللہ تعالیٰ۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، کوئی معبود نہیں، کوئی سجدے کے لائق نہیں ہے، کوئی حاجت روا نہیں ہے،

کوئی مشکل کشا نہیں ہے، کوئی فریاد رس نہیں ہے، کوئی رزق دینے والا نہیں ہے، کوئی بیماروں کو شفا دینے والا نہیں ہے، کوئی اولاد دینے والا نہیں، کوئی مارنے اور زندہ کرنے والا نہیں، کوئی نذر و نیاز کے لائق نہیں مگر صرف اللہ تعالیٰ ﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ﴾ اسی پر میں نے بھروسا کیا ہے۔

ابوداؤد شریف میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح سات مرتبہ یہ دعا پڑھے ﴿حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ تو اللہ تعالیٰ سارا دن اس کے کاموں کی کفایت کرے گا اور جو رات کو پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ رات کو اس کے لیے کفایت فرمائے گا۔ لہٰذا یہ دعا سات دفعہ صبح کو پڑھا کرو اور سات دفعہ رات کو پڑھا کرو۔

﴿وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ اور وہ رب ہے بہت بڑے عرش کا۔ اللہ تعالیٰ کا عرش جسم اور حجم کے لحاظ سے ساری مخلوقات سے بڑا ہے جس کے اندر آسمان، زمین، کرسی سب کچھ ہے لیکن درجے، رتبے اور شان کے لحاظ سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بلند ہیں۔ نہ اس جہان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے کا کوئی ہے اور نہ اُس جہان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے کی کوئی مثال ہے۔ یہ دعا یاد کرو ﴿حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ سات دفعہ صبح اور سات دفعہ رات کو پڑھا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمام مہمات میں کامیابی عطا فرمائے گا اور ضروریات پوری فرمائے گا۔

آج بروز اتوار ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ بمطابق ۱۸ مئی ۲۰۰۸ء سورۃ التوبہ مکمل ہوئی۔

بتوفیق اللہ تعالیٰ و عونہ

(مولانا) محمد نواز بلوچ

مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس، جناح روڈ گوجرانوالا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تَفۡسِیۡر

سُوۡرَةُ یُوۡنُسَ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇦ يَعۡتَذِرُوۡنَ

(۱۱)

فہرست عنوانات

ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن

(حصہ نہم)

بسم الله الرحمن الرحيم

اہلِ علم سے گزارش

بندۂ ناچیز امام المحدثین مجدد وقت شیخ الاسلام حضرت العلام مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد بھی ہے اور مرید بھی۔

اور محترم لقمان اللہ میر صاحب حضرت اقدس کے مخلص مرید اور خاص خدام میں سے ہیں۔

ہم وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے جایا کرتے۔ خصوصاً جب حضرت شیخ اقدس کو زیادہ تکلیف ہوتی تو علاج معالجہ کے سلسلے کے لیے اکثر جانا ہوتا۔ جانے سے پہلے ٹیلیفون پر رابطہ کر کے اکٹھے ہو جاتے۔ ایک دفعہ جاتے ہوئے میر صاحب نے کہا کہ حضرت نے ویسے تو کافی کتابیں لکھی ہیں اور ہر باطل کا رد کیا ہے مگر قرآن پاک کی تفسیر نہیں لکھی تو کیا حضرت اقدس جو صبح بعد نمازِ فجر درسِ قرآن ارشاد فرماتے ہیں وہ کسی نے محفوظ نہیں کیا کہ اسے کیسٹ سے کتابی شکل سے منظر عام پر لایا جائے تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہوں۔ اور اس سلسلے میں جتنے بھی اخراجات ہونگے وہ میں برداشت کروں گا اور میرا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے، شاید یہ میرے اور میرے خاندان کی نجات کا سبب بن جائے۔ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمائی تھی۔

اس سے تقریباً ایک سال قبل میر صاحب کی اہلیہ کو خواب آیا تھا کہ ہم حضرت شیخ اقدس کے گھر گئے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت کیلوں کے چھلکے لے کر باہر آ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے دے دیں میں باہر پھینک دیتی ہوں۔ حضرت نے وہ مجھے دے دیے اور میں نے باہر پھینک دیے۔

چوں کہ حضرت خواب کی تعبیر کے بھی امام ہیں۔ میں نے مذکورہ بالا خواب حضرت سے بیان کیا اور تعبیر پوچھنے پر حضرت نے فرمایا کہ میرا یہ جو علمی فیض ہے اس سے تم بھی فائدہ حاصل کرو گے۔ چنانچہ وہ خواب کی تعبیر تفسیر قرآن "ذخیرۃ الجنان" کی شکل میں سامنے آئی۔

میر صاحب کے سوال کے جواب میں مَیں نے کہا اس سلسلے میں مجھے کچھ معلوم نہیں حضرت اقدس سے پوچھ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب گکھڑ حضرت کے پاس پہنچ کر بات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ درس دو تین مرتبہ ریکارڈ ہو چکا ہے اور محمد سرور منہاس کے پاس موجود ہے ان سے رابطہ کر لیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ گکھڑ والوں کے اصرار پر میں یہ درسِ قرآن پنجابی زبان میں دیتا رہا ہوں اس کو اُردو زبان میں منتقل کرنا انتہائی مشکل اور اہم مسئلہ ہے۔

اس سے دو دن پہلے میرے پاس میرا ایک شاگرد آیا تھا اس نے مجھے کہا کہ میں ملازمت کرتا ہوں تنخواہ سے اخراجات

پورے نہیں ہو پاتے، دورانِ گفتگو اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایم۔اے پنجابی بھی کیا ہے۔اس کی یہ بات مجھے اس وقت یاد آ گئی۔میں نے حضرت سے عرض کی کہ میرا ایک شاگرد ہے اس نے پنجابی میں ایم۔اے کیا ہے اور کام کی تلاش میں ہے، میں اس سے بات کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ہم حضرت کے پاس سے اٹھ کر محمد سرور منہاس صاحب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی خواہش رکھی انھوں نے کیسٹیں دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔کچھ کیسٹیں ریکارڈ کرانے کے بعد اپنے شاگرد ایم۔اے پنجابی کو بلایا اور اس کے سامنے یہ کام رکھا اُس نے کہا کہ میں یہ کام کر دوں گا، میں نے اسے تجرباتی طور پر ایک عدد کیسٹ دی کہ یہ لکھ کر لاؤ پھر بات کریں گے۔دینی علوم سے ناواقفی اس کے لیے سدِّ راہ بن گئی۔وہ قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور عربی عبارت سمجھنے سے قاصر تھا۔تو میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام خود ہی کرنے کا ہے میں نے خود ایک کیسٹ سنی اور اُردو میں منتقل کر کے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی۔حضرت نے اس میں مختلف مقامات میں سے پڑھ کر اظہارِ اطمینان فرمایا۔ اس اجازت پر پوری تن دہی سے متوکل علی اللہ ہو کر کام شروع کر دیا۔

میں بنیادی طور پر دنیاوی تعلیم کے لحاظ سے صرف پرائمری پاس ہوں، باقی سارا فیض علمائے ربانیین سے دورانِ تعلیم حاصل ہوا۔اور میں اصل رہائشی بھی جھنگ کا ہوں وہاں کی پنجابی اور لاہور، گوجرانوالا کی پنجابی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لہٰذا جہاں دشواری ہوتی وہاں حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلالپوری شہیدؒ سے رجوع کرتا یا زیادہ ہی الجھن پیدا ہو جاتی تو براہِ راست حضرت شیخؒ سے رابطہ کر کے تشفی کر لیتا لیکن حضرت کی وفات اور مولانا جلالپوریؒ کی شہادت کے بعد اب کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جس کی طرف رجوع کروں۔اب اگر کہیں محاورہ یا مشکل الفاظ پیش آئیں تو پروفیسر ڈاکٹر اعجاز سندھو صاحب سے رابطہ کر کے تسلی کر لیتا ہوں۔

اہل علم حضرات سے التماس ہے کہ اس بات کو بھی مدنظر رکھیں کہ یہ چونکہ عمومی درس ہوتا تھا اور یادداشت کی بنیاد پر مختلف روایات کا ذکر کیا جاتا تھا اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جو روایت جس کتاب کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے وہ پوری روایت اسی کتاب میں موجود ہو۔بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ روایت کا ایک حصہ ایک کتاب میں ہوتا ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے مگر باقی تفصیلات دوسری کتاب کی روایت بلکہ مختلف روایات میں ہوتی ہیں۔جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ کے اساتذہ اور طلبہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لیے ان دروس میں بیان کی جانے والی روایات کا حوالہ تلاش کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا جائے۔

علاوہ ازیں کیسٹ سے تحریر کرنے سے لے کر مسودہ کے زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے تک کے تمام مراحل میں اس مسودہ کو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ میں بذاتِ خود اور دیگر تعاون کرنے والے احباب مطالعہ اور پروف ریڈنگ کے دوران غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور حتی المقدور اغلاط کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔کمپوزنگ اور اغلاط کی نشاندہی کے بعد میں

ایک مرتبہ دوبارہ مسودہ کو چیک کرتا ہوں تب جا کر انتہائی عرق ریزی کے بعد مسودہ اشاعت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ ہم سارے انسان ہیں اور انسان نسیان اور خطا سے مرکب ہے غلطیاں ممکن ہیں۔ لہٰذا اہل علم سے گزارش ہے کہ تمام خامیوں اور کمزوریوں کی نسبت صرف میری طرف ہی کی جائے اور ان غلطیوں سے مطلع اور آگاہ کیا جائے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔

العارض

محمد نواز بلوچ

فارغ التحصیل مدرسہ نصرۃ العلوم و فاضل وفاق المدارس العربیہ، ملتان

میرے شیخ، میرے مشفق، میرے مرشد، میرے مربی

اس بات میں تو کوئی شک شبہ نہیں ہے کہ شرعی سوگ صرف تین دن ہے اس کے بعد سوگ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔لیکن کچھ صدمے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو بھلانے پر وقت لگتا ہے اور جس کو جس سے جتنا تعلق اور قرب ہوتا ہے اس کی جدائی کا اس پر اتنا ہی اثر ہوتا ہے مجھے ابھی تک ہوش نہیں آئی اور وارثوں کی طرف سے خط آ گیا ہے کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے متعلق اپنے تاثرات قلم بند کر کے دیں۔(الشریعہ والوں نے امام اہلسنت نمبر کے لیے تاثرات قلم بند کرنے کے لیے خط بھیجا تھا اور ان دنوں استاد جی بلوچ صاحب کی کیفیت یہ تھی کہ جمعہ پڑھاتے ہوئے دورانِ تقریر جب کبھی امام اہل سنت رحمہ اللہ کا ذکر آتا تو آپ بجائے رحمہ اللہ کہنے کے مدظلہ العالی کہہ دیتے گویا ۔ تیری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے والی کیفیت تھی۔آپ کا ذہن ابھی تک اس بات کو قبول کرنے کو تیار نہ تھا کہ امام اہلسنت اس دنیا سے رحلت فرما گئے ہیں اس سے استاد محترم کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔اور یاد رہے کہ یہ تاثرات ماہنامہ الشریعہ اور مجلہ المصطفیٰ میں اشاعت کے لیے بھیجے گئے تھے لیکن انھوں نے اس میں قطع و برید کر کے شائع کیا۔لہٰذا اب یہاں مکمل تحریر شائع کی جا رہی ہے)۔کم از کم ایک سال کے بعد اگر یہ بات مجھے کہی جاتی تو لکھنے کی کیفیت کچھ اور ہوتی۔لیکن چونکہ حکم ہے اس لیے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے کچھ لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ؎

ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
لوٹ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

میں نے ۱۹۷۹ء میں مدرسہ نصرت العلوم میں موقوف علیہ میں داخلہ لیا۔عید الاضحیٰ کی چھٹیوں میں گھر گیا، ابھی دو تین چھٹیاں باقی تھیں کہ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرے شیخین (یعنی حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت شیخ الحدیث والتفسیر مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ) دونوں اکٹھے کھڑے ہیں اور دونوں حضرات دونوں ہاتھوں سے واپس آنے کا اشارہ کر کے بلا رہے ہیں۔میں نے محسوس کیا کہ کوئی اہم مسئلہ ہے صبح ہوتے ہی میں نے واپسی کا سفر شروع کیا، راستے میں واصو آستانہ کے ساتھیوں نے جمعہ پڑھانے کے لیے کہا کہ ان کے خطیب سفر پر تھے، جمعہ کے بعد پھر سفر شروع ہوا۔ ہفتے والے دن جونہی دروازے سے اندر داخل ہوا تو کچھ حضرات سامنے برآمدے میں جمع تھے، مجھے دیکھ کر مولانا عبد القدوس صاحب قارن نے کہا کہ وہ بلوچ آ گیا ہے۔خواب تو میرے ذہن میں تھا ہی یہ آواز سن کر فکر مند ہوا کہ اللہ تعالیٰ خیر کرے۔ان حضرات نے مجھے اپنی طرف بلا لیا اور مجھے کہا کہ حضرت شیخ کا حکم ہے کہ آپ ان حضرات کے ساتھ امامت کے لیے جائیں۔یہ حضرات

مجھے مدنی مسجد اندرون قدیم گرجا کھ کی امامت کے لیے لے آئے۔ (اس کی تفصیل وقت نے ساتھ دیا تو ان شاء اللہ آئندہ کبھی لکھوں گا کہ مجھے وہاں بھیجنے کی کیا وجہ تھی)۔ اگلے دن میں نے حضرت شیخ سے گزارش کی کہ حضرت! امامت کی ذمہ داری کی وجہ سے میرے اسباق میں فرق آئے گا اگر کسی اور ساتھی کو بھیج دیں تو...... حضرت نے فرمایا کہ تو پریشان نہ ہو ان شاء اللہ پڑھائی میں کوئی فرق نہیں آئے گا، میں مطمئن ہو گیا۔ وہاں ڈیڑھ سال کا عرصہ گزرا تھا کہ جامع مسجد عثمانیہ کی کمیٹی حضرت صوفی صاحبؒ کے پاس آ گئی اور کہا کہ بلوچ جس مسجد میں ہے وہ چھوٹی ہے آپ اُسے ہمیں عثمانیہ مسجد کے لیے دے دیں۔ حضرت نے وعدہ فرمالیا کہ دورے سے فراغت کے بعد تمھیں دے دیں گے۔ چنانچہ دستار بندی کے موقع پر وہ حضرات آئے ہوئے تھے۔ حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کو وعدہ یاد کرایا، حضرت نے مجھے فرمایا کہ آپ سامان اُٹھا کر عثمانیہ مسجد میں آ جائیں۔ چنانچہ میں عثمانیہ مسجد آ گیا لیکن یہاں کچھ نمازیوں کے ساتھ اختلاف ہو گیا اور معاملہ کافی طول پکڑ گیا۔ جب حضرت صوفی صاحبؒ کو علم ہوا تو فرمایا کہ سامان اُٹھا کر واپس مدرسہ میں آ جائیں۔

اِدھر مسجد ریحان والوں کو معلوم ہوا تو یہ حضرات صوفی صاحبؒ کے پاس گئے کہ بلوچ ہمیں دے دو۔ لیکن میں ایک ہفتہ کی چھٹی لے کر گھر چلا گیا تھا۔ حضرت صوفی صاحبؒ نے ان سے وعدہ فرمایا کہ وہ ایک ہفتے کی چھٹی پر گیا ہے جب آئے گا تو تمھارے ساتھ بھیج دوں گا۔ چنانچہ جس دن میں واپس آیا تو الحاج نور محمد صاحبؒ دو تین ساتھیوں کے ہمراہ مدرسہ میں موجود تھے۔ حضرت نے مجھے ان کے حوالہ کیا کہ جاؤ وہاں جا کر کام کرو۔ اس وقت سے لے کر آج تک میں یہیں کام کر رہا ہوں۔ نصرت العلوم میں داخلے کے کچھ دنوں بعد میں نے حضرت امام اہل سنتؒ سے بیعت کا تعلق قائم کر لیا اور پڑھائی کے اوقات کے علاوہ توجہ حاصل کرنے کے لیے میں گکھڑ جا کر ان سے ملتا رہتا تھا۔

حضرت صوفی صاحبؒ جلالی مزاج رکھتے تھے ان کو ملتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔ ایک دفعہ میں مٹھائی کا ایک ڈبہ بطور ہدیہ لے کر گیا تو حضرت صوفی صاحبؒ نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ مجھے انقباض ہو جاتا ہے۔ کافی منت اور اصرار کے بعد وہ ہدیہ قبول کیا۔ لیکن حضرت شیخؒ جمالی مزاج کے مالک تھے۔ ملتے ہی آدمی کو ٹھنڈک محسوس ہوتی تھی۔ اس انداز سے ملتے تھے کہ اجنبی بھی یہ محسوس کرتا تھا کہ جیسے حضرت میرے پرانے واقف کار ہیں اور میں تو شاگرد بھی تھا اور مرید بھی۔ میں بیعت بھی گکھڑ جا کے ہوا تھا۔ حضرت امام اہلسنتؒ نے بیعت لینے کے بعد فرمایا کہ تیرا وظیفہ ہے توحید وسنت کو بیان کرنا اور شرک و بدعت کی تردید کرنا، اور یہ بھی فرمایا کہ جب میں مولانا حسین علی صاحبؒ سے بیعت ہوا تھا تو انھوں نے مجھے یہی وظیفہ بتایا تھا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ علم بڑھانا ہے تو کسی نہ کسی باطل کے خلاف کام جاری رکھنا! فرمایا کہ یہ بات مجھے قاضی نور محمد صاحبؒ نے فرمائی تھی۔ اس کے بعد میں وقتاً فوقتاً توجہ حاصل کرنے کے لیے گکھڑ جاتا رہتا تھا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا، محبت اور تعلق بڑھتا گیا۔

حضرت شیخ صاحبؒ پہلے سرکلر روڈ والے راستے سے مدرسہ نصرت العلوم آتے جاتے تھے مگر جب جناح روڈ بن گیا تو واپسی اسی راستے سے ہوتی تھی۔ کبھی کبھی میری مسجد کے دروازے پر گاڑی رکوا دیتے۔ مجھے پتا چلتا تو میں ننگے پاؤں دوڑتا ہوا

جاتا۔ مدرسہ کے طالب علم بھی اسی طرح دوڑتے ہوئے باہر آجاتے۔ حضرت حال احوال پوچھتے اور دعائیں دیتے ہوئے تشریف لے جاتے۔

۱۹۸۵ء میں میرا بڑا بیٹا جس کا نام میں نے اپنے شیخ حضرت امام اہلسنتؒ کے نام پر محمد سرفراز خان رکھا تھا، ڈیڑھ سال کی عمر میں وفات پا گیا۔ جب چوتھے روز میں گاؤں سے واپس آیا تو حسب سابق حضرت امام اہلسنتؒ کی گاڑی رکی، ہم سب دوڑتے ہوئے باہر آگئے لیکن حضرت اندر تشریف لے آئے۔ ہم نے مسجد کے ساتھ والے کمرے میں بٹھایا۔ انھوں نے مجھ سے تعزیت کی اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ اس سے پہلے میرا نظریہ یہ تھا کہ تعزیت کے موقع پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا صحیح نہیں ہے۔ میں نے سوال کیا کہ حضرت! کیا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا صحیح ہے؟ فرمایا کہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے چالیس مسائل میں لکھا ہے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے۔

حضرت امام اہل سنتؒ مسائل میں اپنے بزرگوں پر کلی طور پر اعتماد کرتے تھے اور اپنے شاگردوں اور متعلقین کو بھی یہی درس دیتے تھے کہ اپنے بزرگوں کا دامن نہ چھوڑنا۔ چنانچہ ایک دن حسبِ معمول راقم اثیم اور حضرت کے طبیب ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب اور خادم خاص لقمان اللہ میر صاحب ان کے پاس بیٹھے تھے کہ حضرت کا پوتا عمار خان ناصر آ گیا جس کے متعلق یہ شکایتیں حضرت امام اہلسنت کو پہنچ چکی تھیں کہ وہ بے راہ روی اختیار کرتا جا رہا ہے اور اپنے بزرگوں کے خلاف لب کشائی کرتا ہے۔ حضرت نے اس کو سمجھایا اور فرمایا کہ اپنے اکابر کے خلاف کبھی بات نہ کرنا، اگر چہ ان میں کوئی غلطی بھی ہو۔ ان کی نیکیوں کی بوریاں بھری ہوئی ہیں، اگر ان میں ایک چٹکی مٹی کی بھر بھی گئی تو کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ ۱۹/اپریل ۲۰۰۲ء کی بات ہے۔

پہلے پہل میں اکیلا یا کسی مولوی ساتھی کو ساتھ لے کر حضرت شیخ سے ملاقات کے لیے جاتا تھا۔ حضرت کے مرید لقمان اللہ میر صاحب سے بھی وہاں ملاقات ہو جاتی تھی، پھر ان کے ساتھ آنے جانے لگا۔ ایک دن کہنے لگے کہ ہمارے دوسرے رشتہ داروں کے ہاں علمائے کرام اور بزرگ آتے ہیں، میری والدہ کہتی ہے کہ ہمارے گھر بھی کبھی اسی طرح بزرگ اور علماء آئیں گے؟ یعنی وہ دوسرے رشتہ داروں پر رشک کرتی ہیں لہٰذا حضرت کو گھر لے جانے کا کوئی پروگرام بناؤ۔ چنانچہ میں نے امام اہل سنتؒ سے درخواست کی جو انھوں نے قبول فرمالی اور میر لقمان صاحب کی والدہ کی یہ دعا اور خواہش پوری فرمائی کہ پھر دوسرے رشتہ داران پہ رشک کرنے لگے۔ ہمیں اگر کسی مسئلہ میں اشکال ہوتا یا کوئی دلیل پوچھنی ہوتی تو فوراً حضرت شیخ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

۱۹۹۵ء کی بات ہے۔ میں اپنی گاڑی کا کام کروانے کے لیے لاری اڈا کے قریب ایک الیکٹریشن (Electrition) کے پاس گیا۔ مدرسہ ریحان المدارس کے جلسہ دستار فضیلت کے اشتہار بھی میرے پاس تھے۔ الیکٹریشن غیر مقلد تھا۔ اشتہار پڑھ کر کہنے لگا کہ دستار فضیلت باندھنے کا تمھارے پاس کیا ثبوت ہے؟ میں نے کہا کہ اس کی دلیل تو میرے علم میں نہیں ہے لیکن میں اتنی بات یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہمارے بزرگ کوئی کام بغیر ثبوت کے نہیں کرتے۔ میں تجھے اس کی دلیل لا کر دوں گا۔

جب گاڑی کا کام ہو گیا تو میں نے گاڑی کا رخ سیدھا گکھڑ کی طرف کیا۔ اپنے شیخ، اپنے مرشد سے ملاقات کی اور دستارِ فضیلت سے متعلق ثبوت دریافت کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ مستدرک حاکم جلد نمبر چار [۴] اُٹھا کے لاؤ اس کے شروع میں میرا نوٹ ہوگا، وہ پڑھ کر صفحہ نکالو۔ میں نے صفحہ نمبر پانچ سو چالیس [۵۴۰] نکالا۔ فرمایا فلاں سطر والی حدیث جس پر میں نے نشان لگایا ہے پڑھو! وہ حدیث میں نے پڑھ کر سنائی اور نوٹ بھی کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سر پر پگڑی باندھ کر ایک مہم پر روانہ فرمایا۔ میں گکھڑ سے شاداں و فرحاں واپس اس غیر مقلد کے پاس پہنچا اور باحوالہ روایت سنائی تو اس نے تسلیم کر لیا اور کہا کہ آئندہ میں یہ اعتراض نہیں کروں گا۔

حضرت لمبے سفر پر مجھے ساتھ لے جاتے تھے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ میں خادم بن کر رہتا تھا عالم بن کر نہیں اور دوسرا یہ کہ میں نے حضرت کو کبھی بیچا نہیں تھا کہ حضرت کا نام لے کر چندہ کروں۔

یہ ۱۹۹۷ء کی بات ہے۔ ایک دن آپ کے پاس بیٹھے تھے کہ حضرت نے فرمایا مجلس عمل علماء اسلام کے اجلاس میں شرکت کے لیے مری جانا ہے۔ میر صاحب نے کہا حضرت! گاڑی کے متعلق کسی کو کہنے کی ضرورت نہیں ہم اپنی گاڑی پر آپ کو لے جائیں گے۔ حضرت نے فرمایا ٹھیک ہے۔ میر صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں لمبے سفر پر ہوں تو مجھ سے گاڑی نہیں چلتی، گاڑی ڈرائیو آپ نے کرنی ہے۔ میں نے کہا آپ فکر نہ کریں ڈرائیونگ میں ہی کروں گا۔ ہم حضرت کو لے کر مری حاجی محمد شعیب صاحب کے گھر پہنچے، کیوں کہ مشائخ کا یہ خصوصی اجلاس انھی کے ہاں رکھا گیا تھا۔ جب میر صاحب کی نگاہ حضرت خواجہ خان محمد صاحب کی گاڑی پر پڑی تو کہنے لگے ہماری گاڑی حضرت کی شان کے لائق نہیں کہ ہمارے پاس سوزوکی مارگلہ (Suzuki Margala) تھی، آئندہ جو سفر ہوگا نئی گاڑی پر ہوگا۔ چنانچہ واپس آ کر انھوں نے زیرو میٹر ٹو۔ ڈی خریدی۔ اجلاس کے اختتام پر میزبان حاجی محمد شعیب صاحب اور مقامی علماء خصوصاً قاری محمد سعید صاحب کے اصرار پر ہم تین دن مزید وہاں ٹھہرے۔ جب ان حضرات نے مزید اصرار کیا تو حضرت نے وعدہ فرمایا کہ ان شاء اللہ دوبارہ آئیں گے۔

اگلے سال پھر ایک ہفتہ کے لیے ہم حضرت امام اہل سنت کو مری لے گئے۔ قیام کے دوران حضرت نفلی عبادات معمول کے مطابق ادا کرتے تھے اور فرماتے کہ ہمارے بزرگوں کا یہی معمول رہا ہے کہ سفر جاری ہوتا تو نفلی عبادات کو چھوڑ دیتے تھے اور اگر پڑاؤ ہوتا تو فرضوں میں تو رخصت پر عمل کرتے لیکن نوافل اور سنتیں پوری پڑھتے۔ عصر کی نماز کے بعد تلاوتِ قرآن کریم کا معمول تھا اور فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عصر اور مغرب کے درمیان پیدا فرمایا تھا لہٰذا یہ وقت اللہ تعالیٰ کے شکر ادا کرنے کا ہے۔ وہاں مختلف مساجد میں حضرت کے دروس ہوئے، کہیں ظہر کے بعد اور کہیں مغرب کے بعد اور کہیں عشاء کے بعد۔ درس میں لوگ کثیر تعداد میں شریک ہوتے اور بڑے شوق کے ساتھ سنتے۔ میں بھی سامنے بیٹھ کر سنتا تھا اور لوگوں کے تاثرات بھی معلوم کرتا، لوگ کہتے تھے کہ بابا بڑے سخت مسئلے بیان کرتا ہے۔ ان دنوں حضرت ان مسائل پر بہت زور دیتے تھے کہ جس کے ناخن بڑھے ہوئے ہوں اس کی نماز نہیں ہوتی، کیوں کہ ناخنوں کے نیچے میل جم جاتی ہے جس سے وضو نہیں ہوتا۔

عورتیں ناخن پالش نہ لگائیں کیوں کہ ناخن پالش کے ہوتے ہوئے پانی ناخن تک نہیں پہنچتا جس سے وضو اور غسل نہیں ہوتا۔ پڑھی ہوئی نمازیں بھی ذمے میں باقی رہتی ہیں۔ اور اگر خواتین نے ناخن پالش لگانی ہی ہے تو نماز کے وقت سے پہلے پہلے صاف کر لیں۔ وضو کرتے وقت انگوٹھی اچھی طرح ہلائیں تا کہ نیچے پانی چلا جائے اور انگوٹھی والی جگہ خشک نہ رہے، ورنہ وضو نہیں ہوگا۔ عورتیں کوکے اور بالی کے سوراخ میں پانی پہنچائیں ورنہ وضو اور غسل نہیں ہوگا۔ عورت اگر باریک دوپٹہ پہن کر نماز پڑھے جس سے سر کے بال نظر آتے ہوں تو نماز نہیں ہوگی، چاہے بند کمرے ہی میں کیوں نہ پڑھے، کیوں کہ سر عورت کے ستر میں داخل ہے۔

حضرت امام اہل سنت کی برکت سے میں بھی تہجد پڑھ لیتا تھا، ورنہ میں تہجد گزار نہیں ہوں۔ ایک دن میں نے تہجد کی نماز کے بعد دعا کی کہ اے پروردگار! مال وافر مقدار میں عطا فرما۔ حضرتؒ نے صبح کی نماز میں سورہ بنی اسرائیل کے دوسرے رکوع کی تلاوت کی جس میں آتا ہے ﴿وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝﴾ "اور مانگتا ہے انسان برائی کو جیسا کہ وہ مانگتا ہے بھلائی کو اور ہے انسان جلد باز۔" میں نے میر لقمان صاحب کو قصہ سنایا تو بہت ہنسے۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میری اصلاح کے لیے حضرت کو یہ القا فرمایا ہے۔ واپسی سے دو دن پہلے میں نے اپنے جی میں فیصلہ کیا کہ پرسوں واپس جانا ہے، کل کو خوب خریداری کروں گا۔ صبح حضرت نے نماز پڑھائی تو سورہ بنی اسرائیل کا تیسرا رکوع تلاوت فرمایا۔ جس میں ہے ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝﴾ "بے شک بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔" میں نے فوراً اپنے ارادے سے توبہ کر لی۔

ایک دفعہ میں اور کاتب خاور بٹ صاحب تفسیر ذخیرۃ الجنان کے متعلق کچھ ہدایات لینے کے لیے گئے۔ بھوک سخت لگی ہوئی تھی اور روٹی کا وقت بھی نہیں تھا۔ میں نے بٹ صاحب سے کہا کہ آج اگر حضرت کھانا کھلا دیں تو کیا بات ہے۔ ہم ابھی مصافحہ کر کے بیٹھے ہی تھے کہ حضرت نے فوراً گھر حکم بھیجا کہ ان کو کھانا کھلاؤ۔ میں نے بٹ صاحب کو کہا کہ شریعت میں اگر دھمال ڈالنے کی اجازت ہوتی تو آج میں اس القا پر دھمال ڈالتا۔

خیر میں مری کی بات کر رہا تھا۔ ہم چار سال مسلسل ایک ہفتہ کے لیے حضرت امام اہل سنت کو مری لے جاتے رہے ہیں۔ حاجی محمد شعیب صاحب بھی خدمت کی حد کر دیتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت کی بھلائی نصیب فرمائے۔ چوتھے سال جب مری گئے تو حضرت نے فرمایا کہ آگے کشمیر چلنا ہے اور مولانا محمد اسحاق صاحب جھالہ بازار والے کو فون کر کے اطلاع کر دو کہ اس نے ہمارے ساتھ رہنا ہے۔ کشمیر کی طرف سفر شروع ہوا اور میں با کرہ گاڑی ٹوڈی چلا رہا تھا۔ جب ہم نے دریائے کنہار کراس کیا، پہاڑی سفر تو تھا ہی آگے اندھے موڑ شروع ہو گئے۔ میر صاحب نے حضرت سے دریافت کیا کہ حضرت! یہ بتلائیں کہ بلوچ ڈرائیونگ میں پاس ہے یا نہیں۔ حضرت نے فرمایا پاس ہے۔ جب ہم مدرسہ انوار العلوم دھیر کوٹ پہنچے تو مولانا محمد اسحاق صاحب وہاں پہنچ چکے تھے۔ ہم وہاں کچھ دیر ٹھہرے اور حضرت نے بیان بھی فرمایا۔ پھر مجاہد آباد، ہاڑی گیل، ارجع

لقمان پورہ، ملوٹ، نیلہ بٹ، بیس بگلہ، غنی آباد، تھب، باغ، یہاں مفتی عبدالشکور صاحب تحصیل مفتی باغ بھی قافلے میں شامل ہو گئے۔ جگہ جگہ حضرت کے بیان ہوئے، کہیں تفصیلی اور کہیں اجمال کے ساتھ۔

یہاں ایک بات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ جب ہم ملوٹ مدرسہ تعلیم القرآن کے پاس پہنچے تو ساتھ کالج میں چودہ اگست کے حوالے سے پروگرام ہو رہا تھا۔ کچھ حضرات نے کہا کہ حضرت کا بھی مختصر سا بیان ہو جائے، یہ ایک اتفاقی امر تھا پروگرام میں شامل نہیں تھا اور نہ ہی حضرت کو اس کی پیشگی اطلاع تھی۔ مفتی عبدالشکور صاحب نے اسٹیج سیکرٹری کو کہا کہ حضرت علیل ہیں صرف دعا فرمائیں گے مگر ایک نوجوان ماسٹر نے قریب آ کر کہا کہ حضرت! یہ بتلائیں کہ علمائے دیوبند نے پاکستان بننے کی مخالفت کیوں کی تھی؟ حضرت امام اہل سنتؒ نے خطبہ کے بعد فرمایا کہ جن علماء نے حمایت کی تھی وہ بھی ہمارے بزرگ تھے اور جنھوں نے مخالفت کی تھی وہ بھی ہمارے بزرگ تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ قائداعظم نے کہا تھا کہ پاکستان میں خلافت راشدہ کا نظام ہوگا۔ جن علماء نے ان کی بات پہ اعتماد کیا انھوں نے ساتھ دیا، حمایت کی اور جنھوں نے ان کی بات پر اعتماد نہیں کیا انھوں نے مخالفت کی۔ میری اس بات کی تصدیق کے لیے پاکستان بننے سے پہلے کے اخبارات کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ فیصلہ آپ حضرات خود کر سکتے ہیں کہ جن علماء نے اعتماد نہیں کیا تھا ان کی سوچ صحیح تھی یا نہیں؟ اور مزید یہ بھی کہا کہ آیا قائداعظم نے عہد کا ایفاء کرتے ہوئے پاکستان میں خلافت راشدہ کا نظام نافذ کیا یا نہیں؟ اس کے بعد حضرت نے خلافت راشدہ کے نظام پر مختصر سی روشنی ڈالی اور دعا فرمائی۔

ان حضرات نے اس کثرت سے بیان کروائے کہ واپسی پر مفتی عبدالشکور پر نظر پڑی تو فرمایا مفتی صاحب! اب تم میری جان چھوڑ دو۔ جناب محمد رفیق صاحب مرحوم ممبر قانون ساز اسمبلی آزاد کشمیر آخری تین دن حضرت کے ساتھ رہے۔ ان کے بھائی ماسٹر غلام رسول عباسی صاحب کا گھر پستی میں تھا، رفیق صاحب نے گزارش کی کہ حضرت! بھائی کے گھر صرف دعا فرما دیں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں چوں کہ علیل ہوں اس لیے نیچے جا نہیں سکتا۔ انھوں نے کہا کہ ہم آپ کو چارپائی پر اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ زندہ ہوتے تو چارپائی پر نہیں جاؤں گا۔ پھر کرسی پر بیٹھا کر نیچے لے جایا گیا۔ حضرت کچھ دیر وہاں ٹھہرے اور پھر واپسی کا سفر شروع ہوا۔ یہ سات دن کا سفر تھا۔ جب گکھڑ پہنچے تو کھانا تیار تھا، ہم نے حضرت کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ بعد میں حضرت نے مجھے قریب بلایا اور فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ)).

"جو شخص بندوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکریہ ادا نہیں کرتا۔"

اور مجھے پانچ سو روپے دیئے اور میر لقمان صاحب کو فقط دعا دی اور ہم واپس آ گئے۔

یہ میں نے صرف ایک سفر بیان کیا ہے۔ اگر سرگودھا، ملتان، پسرور، پشاور، پنڈی، مانسہرا، بٹگرام جیسے سارے سفروں کی تفصیل بیان کروں تو یہ مستقل ایک کتاب ہوگی۔ حضرت کا حوصلہ، صبر اور برداشت بیان کرنے سے باہر ہے۔ اس وقت تک

حضرت امام اہل سنت کے پاس روزانہ جانے کا معمول نہیں تھا وقفے، وقفے کے بعد ملاقات کے لیے جاتے تھے۔ میر صاحب اور میں جی ٹی روڈ پر کسی جگہ اکٹھے ہو جاتے تھے اور واپسی پر وہ مجھے جی ٹی روڈ پر ہی اُتار دیتے تھے، وہ اپنے گھر اور میں رکشہ پر بیٹھ کر مدرسے آ جاتا۔

ایک دفعہ سبق کے دوران حضرت شیخ رحمہ اللہ نے خود بیان فرمایا کہ ایک دفعہ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ کے علماء کو میرے متعلق بتایا گیا تو وہ میرے پاس آ گئے۔ کافی دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ آخر میں ان حضرات نے مجھ سے تقاضا کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ یہ منہ اور یہ زبان جس سے اللہ تعالیٰ نے دین کا اتنا کام لیا اس کا لعاب ہمارے منہ میں ڈالیں یعنی ہمارے منہ میں آپ تھوکیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے کہا یہ بات ٹھیک نہیں ہے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے عظمت عطا فرمائی ہے لیکن انھوں نے مجھے تھوکنے پر مجبور کر دیا۔ فرمایا مولوی صاحب! مجھے مجبوراً یہ کام بھی کرنا پڑا کہ میں نے اپنا لعاب ان کے منہ میں ڈالا جس طرح دوسروں کو دم کیا جاتا ہے۔

ایک دن بندہ راقم حروف معمول کے مطابق بعد نماز ظہر حضرت کی تفسیر "ذخیرۃ الجنان" ترتیب دے رہا تھا کہ استاذ زادہ مولانا احمد اللہ خان کا جدے سے فون آیا کہ اباجی (استاذ محترم مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب) سے بات کرو۔ علیک سلیک کے بعد حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ یہاں مقیم ہمارے ساتھیوں نے مقامی احباب کو میرا تعارف کرا دیا جس پہ انھوں نے تقاضا کیا کہ ہمیں کچھ اسباق حدیث کے پڑھا دو۔ اس دوران میں نے حضرت شیخ کا تعارف کرایا تو جدہ کے بڑے عالم الشیخ احمد ہمدان اور ان کے ساتھیوں نے تقاضا کیا کہ ہماری شیخ صاحب سے بھی بات کراؤ اور حدیث کی اجازت بھی لے کر دو، لہٰذا آپ گکھڑ جا کر حضرت سے ہماری بات کروائیں۔ چنانچہ میں اسی وقت ساری مصروفیات کو پس پشت ڈال کر میر لقمان صاحب اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کو لے کر گکھڑ پہنچ گیا اور پھر ان عرب علماء سے رابطہ کیا۔ جب ان حضرات نے حضرت امام اہلسنت کا حال احوال دریافت کیا تو حضرت نے فرمایا کہ میں علیل ہوں۔ انھوں نے دعاؤں کے ساتھ اجازتِ حدیث طلب کی تو حضرت نے مجھے فرمایا کہ آپ ان کو میری طرف سے کہہ دیں کہ اجازت ہے۔ میں نے ان کو کہا کہ حضرت نے آپ حضرات کو اجازت دے دی ہے۔ اس پہ انھوں نے کہا کہ حضرت خود اپنی آواز میں ہمیں اجازت دیں۔ میں نے حضرت کو بتلایا کہ حضرت! وہ فرما رہے ہیں کہ آپ بلاواسطہ خود اجازت عنایت فرمائیں۔ اشارہ فرمایا کہ فون میری طرف کرو، میں نے موبائل حضرت کے منہ سے لگا دیا۔ آپ نے ان کو عربی میں فرمایا: أَجَزْتُكُمْ "میں تمھیں اجازت دیتا ہوں۔"

وفات سے تقریباً چھ ماہ پہلے کی بات ہے۔ تلونڈی موسیٰ خان مولوی نذیر صاحب سرگودھوی کی مسجد میں تبلیغی جماعت آئی، جس میں کچھ علماء بھی تھے۔ مولوی نذیر صاحب فرماتے ہیں کہ انھوں نے مجھ سے کہا کہ حضرت کی زیارت کے لیے چلیں، چنانچہ ہم حضرت کے پاس پہنچ گئے۔ ملاقات کے بعد علماء نے سند اجازت کا تقاضا کیا۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے ایک سے پوچھا تو کہاں سے فارغ ہے؟ اس نے کہا اکوڑہ خٹک سے۔ فرمایا اس کو سند دے دو۔ دوسرے سے پوچھا، اس نے کہا دار العلوم کراچی

سے۔فرمایا اس کو سند دے دو۔جب تیسرے سے پوچھا تو اس نے کہا رائے ونڈ سے۔فرمایا اس کو باہر نکال دو، اس کے لیے کوئی سند نہیں ہے اور پھر باہر نکلوا دیا۔

۲۰۰۱ء میں حضرت پر فالج کا حملہ ہوا، پریشانی بڑھ گئی۔ میں نے لقمان اللہ میر صاحب سے کہا کہ میرے ایک بہت اچھے دوست ہیں ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب جو اپنے شعبے میں کافی مہارت رکھتے ہیں۔حضرت کے علاج کے سلسلے میں ان کو ساتھ شامل کر لیتے ہیں۔میر صاحب نے کہا کہ ان کا ذہن کشمیریوں کے خلاف ہے۔میں نے جواب دیا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے، سارا نوریا واان کے پاس بیٹھا ہوتا ہے۔آپ ان سے ملاقات تو کریں۔ چنانچہ میں نے میر صاحب کی ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کروادی۔پھر ہم تینوں نے مل کر گکھڑ جانے کا معمول بنالیا۔اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ نماز ظہر کے بعد ہم آپس میں بذریعہ فون رابطہ کرتے کہ تم کہاں ہو اور تم کہاں ہو؟ پھر میر صاحب ڈاکٹر صاحب کو ہسپتال سے ریسیو کرتے اور مجھے حکم فرماتے کہ جی ٹی روڈ پر فلاں جگہ پہنچ جائیں۔عموماً شریف پورہ چوک میں ہم اکٹھے ہوتے، کبھی گوندلانوالا چوک، کبھی لاری اڈا، کبھی کسی اور جگہ، اور امام اہلسنت کے کھانے پینے کے لیے مختلف چیزیں ساتھ لے جاتے۔میرے ذمہ پرندوں کی یخنی ہوتی تھی۔جس دن میں نے نہیں جانا ہوتا تھا یخنی کسی ساتھی کے ذریعے ان کے پاس پہنچا دیتا تھا۔یخنی مختلف پرندوں مثلاً: فاختہ، تیتر، بٹیر، تلیر، چہے، پھاڑ، جل مرغی، جنگلی کبوتر، مرغابی وغیرہ کی بناتا تھا۔لیکن حضرت زیادہ شوق سے فاختہ کی یخنی نوش فرماتے تھے۔ بلکہ کبھی خود فرمادیتے کہ گھوگھی (فاختہ) کی یخنی لانی ہے۔گرمیوں میں زیادہ تر مکس پھلوں کا تازہ جوس، کبھی دودھ پلایا جاتا مگر خالی نہیں بلکہ اس میں مختلف قسم کے طاقت کے پوڈر اور دوائیاں ملائی جاتیں جن کا نام ڈاکٹر صاحب ہی بتا سکتے ہیں۔اور کبھی انڈا اور شہد مکس کر کے پلا دیتے۔ مجھے سب سے زیادہ فکر یہی ہوتی تھی کہ یخنی والے پرندوں کی کمی نہ ہو اور کبھی حضرت فرمادیتے کہ یخنی کی بجائے پرندے گھر پہنچا دو یہ خود تیار کر دیں گے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہوتی اور میں پرندے گھر پہنچا دیتا۔

خدمت کی ترتیب کچھ اس طرح تھی کہ حضرت امام اہل سنت کے پاس پہنچ کر علیک سلیک کے بعد ڈاکٹر صاحب بلڈ پریشر چیک کرتے، میں یخنی ٹھنڈی کرتا یا دودھ اور انڈہ مکس کرتا اور میر صاحب اپنے ہاتھوں سے پلاتے تھے۔جس دوائی کی ضرورت ہوتی وہ استعمال کرادی جاتی اور باقی ادویاں کا استعمال اہل خانہ کو سمجھا کے ہم واپس آجاتے۔ جب حضرت کی طبیعت معمول پر آجاتی تو پھر میں ایک دن کا ناغہ کرتا تھا لیکن میر صاحب ڈاکٹر صاحب کو لے کر روزانہ جاتے تھے۔اگر ڈاکٹر صاحب کو اپنا کوئی کام ہوتا تھا تو پھر ڈاکٹر سہیل انجم بٹ صاحب کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔اور ہم خدمت کے اس تسلسل کا توڑنا حرام سمجھتے تھے اور یہ سارے اخراجات میر صاحب نے اپنے ذمہ لیے ہوئے تھے۔میر صاحب فرماتے تھے کہ دوائی کے لیے کسی سے کوئی پیسا نہیں لینا، چاہے دوائی ایک روپے کی ہو یا ایک لاکھ کی۔انھوں نے اس عہد کو حضرت کی وفات تک بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ نبھایا۔

جب حضرت کا مثانے کا آپریشن لاہور میں چوبرجی کے قریب ایک ہسپتال میں ہوا تو مولانا حسن صاحب جامعہ مدنیہ

والے تشریف لائے جو حضرت کے بھی شاگرد ہیں اور میرے بھی شاگرد ہیں۔ وہ مجھ سے کہنے لگے استاد جی! اگر اجازت ہو تو آپریشن کا خرچہ میں دے دوں۔ میں نے جواب دیا کہ یہ ذمہ داری چوں کہ میر صاحب کی ہے لہٰذا میں ان سے پوچھ کر بتاتا ہوں۔ میر صاحب کے سامنے میں نے مولانا کی خواہش رکھی تو میر صاحب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ساتھیوں کے علم میں ہے کہ یہ کام میں کر رہا ہوں اور یہاں کوئی اور خرچ کرے یہ بات ٹھیک نہیں ہے، بات حقیقت کے خلاف ہو جائے گی لہٰذا مولانا سے معذرت کر لیں۔

یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا کہ ۲۰۰۳ء میں حضرت پر فالج کا دوبارہ اٹیک ہوا، طبیعت تو حضرت کی سنبھل گئی لیکن انھوں نے کھانا بہت کم کر دیا، اس پر ساتھی کافی پریشان ہوئے۔ جب کبھی مفتی محمد جمیل خانؒ صاحب تشریف لاتے تو بدوبدی کھانا کھلا دیتے، ہم بھی کہتے رہتے تھے کہ حضرت! کچھ نہ کچھ تو کھا لیا کریں۔ ایک دن ہم حضرت کے خدمت میں بیٹھے تھے کہ استاذ محترم مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب تشریف لائے۔ حضرت نے فرمایا مفتی صاحب یہ لوگ مجھے کھانے پر مجبور کرتے ہیں حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((لَا تُكْرِهُوْا مَرْضَاكُمْ عَلَى الطَّعَامِ فَإِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يُطْعِمُهُمْ وَيَسْقِيْهِمْ)).

"اور اپنے بیماروں کو کھانے پر مجبور مت کرو کیوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کو کھلاتا اور پلاتا ہے۔"

اور فرمایا کہ مفتی صاحب آپ نے یہ حدیث باحوالہ لکھ کر مجھے دینی ہے۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے یہ حدیث ترمذی شریف ابواب الطب کے حوالے سے لکھ کر مجھے دی، میں نے وہ پرچی حضرت کو دے دی۔ فرمایا پڑھو! میں نے پڑھی تو فرمانے لگے، پھر تم مجھے زیادہ کھانے پر کیوں مجبور کرتے ہو؟ آخری پانچ چھ سال تو یخنی، مشروبات، چائے اور کبھی معمولی سا دلیہ کھا لیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرے شیخ جس طرح اپنی ذات اور صفات میں بے مثال تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی خدمت بھی بے مثال کروائی۔ ایسی خدمت کی مثال کسی بزرگ کی کوئی نہیں پیش کر سکتا جیسی خدمت حضرت کی ہوئی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا ان پر فضل و کرم تھا جو انھوں نے دین کی خدمت کی تھی۔ یہاں میں لفظ شیخ کی تھوڑی سی وضاحت کر دوں تاکہ اگلی بات آسانی سے سمجھ آ سکے۔ شیخ لغت میں بوڑھے آدمی کو کہتے ہیں اور اصطلاحِ شرع میں شیخ کہتے ہیں کہ:

مَنْ يُّحْيِي السُّنَّةَ وَيُمِيْتُ الْبِدْعَةَ وَيَكُوْنُ اَقْوَالُهٗ وَاَفْعَالُهٗ حُجَّةً لِّلنَّاسِ.

"جو سنت کو زندہ کرے اور بدعت کو مٹائے اور اس کے اقوال اور افعال لوگوں کے لیے حجت ہوں۔"

اور عرف عام میں شیخ اسے کہتے ہیں کہ:

مَنْ لَّهٗ مَهَارَةٌ كَامِلَةٌ فِيْ فَنٍّ مِّنَ الْفُنُوْنِ اَوْ عِلْمٍ مِّنَ الْعُلُوْمِ وَلَوْ كَانَ شَابًّا.

"جس کو کسی فن یا علم میں مہارت کامل حاصل ہو اگرچہ وہ جوان ہو۔"

یہ تینوں معانی میرے شیخ پر صادق آتے تھے۔ میں یہ بات بلا مبالغہ کر رہا ہوں کہ ایک پلڑے میں شریعت کو رکھا جائے اور دوسرے پلڑے میں میرے شیخ کو ان شاء اللہ العزیز ترازو برابر ہوگا۔ سیئات رب تعالیٰ کی طرف سے عفو ہیں اور عرفی معنیٰ کے اعتبار سے بھی آپ ہر فن اور علم میں شیخ تھے۔ آپ علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، علم معانی، علم ادب، علم اصول فقہ، علم الصرف والنحو غرض کہ آپ تمام علوم میں اللہ تعالیٰ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مہارتِ کاملہ رکھتے تھے اور اس بات کے دوست دشمن بھی معترف تھے۔ استاذ محترم حضرت مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب فرماتے ہیں کہ ۱۹۸۷ء کی بات ہے۔ مجھ سے مولانا عبدالمالک صاحب آف قلعہ دیدار سنگھ نے بیان کیا کہ نوشہرہ ورکاں میں ایک بہت بڑے جلسہ سے مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم بیان فرما رہے تھے اور شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر اور سید عنایت اللہ شاہ صاحب گجراتی اسٹیج پر موجود تھے۔ حضرت شیخ القرآن صاحب نے ایک حدیث بیان کی اور فرمایا مجھے اس کی سند اور درجے کا علم نہیں ہے۔ اتنے میں شاہ صاحب بخاری نے آواز دے کر کہا کہ گھبرانے کی کیا ضرورت ہے ہمارے پاس بیہقی وقت مولانا محمد سرفراز خان بیٹھے ہیں۔ پھر شیخ الحدیث صاحب نے فی البدیہہ کہا کہ اس حدیث کی سند یہ ہے اور درجہ یہ ہے اور فلاں فلاں محدث نے اس حدیث کے بارے میں یہ یہ بیان کیا ہے۔

حضرت مفتی صاحب ہی فرماتے ہیں کہ میں اپنے رفقاء کے ساتھ حضرت قاضی شمس الدین صاحبؒ کے پاس ترمذی شریف کا سبق پڑھ رہا تھا کہ ایک راوی کے متعلق قاضی صاحب سے سوال کیا۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ حاشیہ پر دیکھو! لیکن حاشیے پر اس کے متعلق کچھ نہ لکھا تھا۔ فرمایا پھر مولانا محمد سرفراز خان سے دریافت کر لینا۔ تیسرے گھنٹے میں ہم حضرت شیخ صاحب کے پاس ابوداؤد شریف پڑھ رہے تھے کہ قاضی صاحب کلاس میں تشریف لے آئے۔ شیخ صاحب نے قاضی صاحب کو دیکھا تو کھڑے ہونے لگے، حضرت قاضی صاحب نے فرمایا بیٹھے رہو۔ حضرت شیخ صاحب نے فرمایا کہ آپ زبردستی کرتے ہیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کھڑے ہوں اور میں بیٹھا رہوں۔ قاضی صاحب نے فرمایا یہ بتاؤ کہ ترمذی شریف کا فلاں راوی کس پائے کا ہے؟ شیخ نے فوراً اس کی وضاحت فرمائی۔ حضرت قاضی صاحب نے فرمایا مولوی عیسیٰ سن لیا! میں نے کہا جی ہاں! حضرت سن لیا۔ فرمایا اچھا السلام علیکم۔

میرے شیخ تعبیر الرویا یعنی خوابوں کی تعبیر کے بھی شیخ تھے۔ ایک دفعہ چودھری محمد یعقوب صاحب جو گلی لانگریاں والی میں رہتے ہیں، تشریف لائے اور اپنا خواب سنایا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میری والدہ کا کفن چھوٹا ہے۔ سر ڈھانپتے ہیں تو پاؤں ننگے ہو جاتے ہیں اور اگر پاؤں ڈھانپتے ہیں تو سر ننگا ہو جاتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہاری والدہ کی قبر کے ساتھ قبر کھودی گئی ہے جس سے تمہاری والدہ کی قبر چھوٹی ہوگئی ہے۔ بعد میں چودھری صاحب نے مجھے بتایا کہ حضرت نے جو تعبیر بتائی تھی بالکل صحیح تھی۔ میں نے قبرستان جا کر معلوم کیا تو واقعتاً پاؤں کی طرف قبر کھودی گئی تھی اور میری والدہ کی قبر کا کچھ حصہ اس میں شامل ہو گیا تھا۔ ایک دفعہ ایک شیخ صاحب نے آکر اپنا خواب سنایا کہ خواب میں میں قبرستان گیا ہوں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میرے والد کا

سر قبر سے باہر پڑا ہوا ہے اور منہ سے سورہ الم نشرح کی آواز آ رہی ہے۔ شیخ نے تعبیر بتائی کہ تیرے والد کی جائیداد صحیح تقسیم نہیں ہوئی۔ تعبیر پوچھنے والے نے کہا کہ حضرت باقی وراثت تو تقسیم کر دی ہے البتہ میں نے اپنے والد صاحب سے پچاس ہزار روپے لیے تھے، وہ تقسیم نہیں کیے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ بھی حصہ کے مطابق سب میں تقسیم کرو۔ اب حضرت کے صاحبزادے مولانا عبدالقدوس قارن صاحب تعبیر تو بتاتے ہیں لیکن پوچھنے سے پہلے ٹوکن لینا پڑے گا کیوں کہ معروف بہت زیادہ ہیں۔

بہرحال میرے شیخ ہر فن کے امام تھے۔ میرے علم کے مطابق حضرت پاک و ہند کے آخری شیخ الحدیث تھے۔ اب آپ کو اشتہاری اور اخباری شیخ الحدیث بہت ملیں گے لیکن جو شیخ الحدیث کی تعریف ہے اس کے مطابق کوئی شیخ الحدیث نہیں پائیں گے۔ بلکہ اب تو رواج بن گیا ہے کہ جو بخاری شریف پڑھائے اس کو شیخ الحدیث کہتے ہیں، چاہے اسے بخاری شریف کے دس راویوں کے حالات کا بھی علم نہ ہو۔ میرے ساتھ دورۂ حدیث میں ایک شریک ساتھی کو قال کا صیغہ نہیں آتا ہے وہ بھی آج کل اپنے نام کے ساتھ شیخ الحدیث لکھتا ہے۔ کیوں کہ وہ بچیوں کے ایک مدرسہ میں بخاری شریف پڑھاتا ہے، اس لیے کہ بخاری شریف کی مترجم بازار سے مل جاتی ہے۔

بہرحال میرے نزدیک میرے شیخ، میرے مرشد، میری مربی، حضرت شیخ الحدیث والتفسیر امام اہل سنت آخری شیخ الحدیث تھے۔ حضرت امام اہل سنت تقوی وطہارت کے پیکر تھے۔ ہم جب حضرت کی ملاقات کے لیے جاتے تو ملک محمد یوسف صاحب باہر اپنی دکان پر بیٹھے ہوتے تھے، ہمیں دیکھ کر کھڑے ہو جاتے اور کہتے ماشاء اللہ، ماشاء اللہ حضرت کے خادم آ گئے ہیں۔ ایک دن مجھے کہنے لگے میرے پاس بیٹھو، میں تمھیں حضرت کا ایک واقعہ سناؤں۔ ایک دن حضرت نے حقوق العباد کے موضوع پر درس دیا، میرے والد صاحب درس میں موجود تھے۔ حضرت جب اشراق سے فارغ ہو کر آئے تو میرے والد صاحب نے روک لیا کہ حضرت! میں نے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔ حضرت نے فرمایا کرو بات۔ والد صاحب نے کہا حضرت! آج آپ نے بہت اچھا درس دیا ہے لیکن حضرت یہ بتایئے کہ صبح کا ناشتہ کس چیز سے کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا پراٹھا، دو انڈے اور چائے۔ کہنے لگے حضرت! یہ بتایئے کہ وہ انڈے اپنی مرغی کے استعمال کرتے ہو؟ حضرت نے فرمایا ہاں! والد صاحب کہنے لگے کہ آپ کی مرغیاں تو ہمارے دانے چگ جاتی ہیں (کیونکہ اس وقت غالباً ان کی گندم کی دکان تھی)۔ حضرت نے فرمایا اچھا! میں اس کا بندوبست کرتا ہوں، آئندہ آپ کے دانے نہیں کھائیں گی۔ گھر جا کر ساری مرغیاں ذبح کر دیں۔ ملک یوسف کہنے لگے یہ تھا حضرت کے تقوی کا عالم۔ حالانکہ یہ بیان کرنے والا غیر مقلد تھا، اب مرحوم ہو گیا ہے۔

حضرت امام اہل سنت کی آنکھ کا آپریشن کروا کے جب ہم واپس لے کر آئے، نماز کا وقت ہوا، فرمایا کہ صوفی صاحب کو فون کر کے پوچھو کہ میں نے تیمم کرنا ہے یا باقی اعضاء کا غسل اور چہرے کا مسح؟ حضرت صوفی صاحبؒ نے فرمایا کہ تیمم کرنا ہے۔ پھر فرمایا مفتی عیسیٰ صاحب سے پوچھو۔ ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے بھی یہی جواب دیا۔ حضرت نے تیمم کیا، نماز پڑھی پھر فرمایا کہ مسئلے کا مجھے بھی علم تھا لیکن میں چونکہ مبتلیٰ بہ تھا اس لیے ان سے پوچھا تا کہ حجت تام ہو جائے۔ اللہ اللہ! کیا تقوی اور کیا

احتیاط ہے، حالانکہ خود فقہ اور اصولِ فقہ کے امام ہیں۔

قاری محمد قاسم صاحب آف قلعہ دیدار سنگھ اپنے والد مرحوم مولانا عبد المالک سے روایت کرتے ہیں کہ شاہدرہ میں جلسہ تھا۔ سید عنایت اللہ شاہ بخاری بیان فرما رہے تھے اور حضرت شیخ الحدیث صاحب سٹیج پر بیٹھے تھے۔ دوران تقریر حضرت شاہ صاحب نے کہا کہ جس نے وقت کا امام اعظم ابوحنیفہ دیکھنا ہو تو سٹیج پر مولانا محمد سرفراز خان صفدر بیٹھے ہیں، ان کو دیکھ لو۔ سفر حضر میں حضرت ساتھیوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ ڈرائیور کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے تھے۔

حج سے واپسی پر مجھے سفید رنگ کا کالی دھاری والا رومال دیا اور فرمایا کہ صرف دو رومال لایا تھا، ایک صوفی صاحب کو دیا ہے اور ایک تجھے دے رہا ہوں۔ مجھ سے کبھی کبھی فرماتے کہ فلاں حدیث کی کتاب اُٹھا کر پڑھ کر سناؤ۔ ایک دن فرمانے لگے کہ لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِي صَلَاحًا کی ترکیب بتاؤ۔ میں نے عرض کیا حضرت! لعل مشبہ بالفعل میں سے ہے لفظ اللہ اس کا اسم ہے اور آگے مکمل جملہ اس کی خبر ہے۔ کبھی کبھی میر صاحب مجھے فرماتے کہ حضرت کو کوئی نعت سناؤ تا کہ دھیان بٹ جائے اور کچھ کھا پی لیں۔

اجل کو لبیک کہنے سے آٹھ دن پہلے جو تھوڑا بہت پیتے تھے وہ بھی بند کر دیا جس سے بڑی پریشانی ہوئی۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب سفر پر تھے۔ ڈاکٹر سہیل انجم نے عرض کیا حضرت! جسم میں خون بالکل نہیں ہے یا تو کچھ کھائیں، پئیں یا پھر خون کی بوتلیں لگانے کی اجازت دیں۔ بڑی مشکل سے منت سماجت کے بعد اجازت دی، دو دن خون کی بوتلیں لگیں پھر تھوڑا بہت پینا شروع کر دیا مگر نہ چاہتے ہوئے۔ تین دن پہلے ڈاکٹر صاحب نے پھر عرض کی کہ حضرت بوتل لگانے کی اجازت دے دیں۔ تو فرمایا اب تم میرے ساتھ بکھیڑے کرنے چھوڑ دو، مجھے میرے حال پہ چھوڑ دو۔ میں سمجھ گیا کہ اب میرے شیخ آخرت کی تیاری فرما چکے ہیں۔ آخری دنوں میں حضرت پر کبھی کبھی استغراق کی کیفیت ہو جاتی تھی۔ وہ اس طرح کہ آسمان کی طرف رخ کر کے ٹکٹکی باندھ لیتے اور اس حالت میں کسی کے ساتھ گفتگو کرنا بھی پسند نہیں کرتے تھے بلکہ اگر اس کیفیت میں کسی نے مخل ہونے کی کوشش کی تو اس کو تھپڑ بھی مار دیتے تھے اور فرماتے کہ مجھے نہ چھیڑو۔ جب اس کیفیت سے واپس آتے تو پھر ہمیں خود پکارتے اور ہم سے باتیں کرتے۔

حضرت کی کیفیت دیکھ کر جب مجھے یقین ہو گیا کہ حضرت کا آخری وقت قریب آ گیا ہے تو میں نے اپنے ساتھی مولانا ریاض انور گجراتی کو فون کیا کہ جاؤ حضرت کی زندگی میں جتنی زیارت کر سکتے ہو کر لو حضرت آخرت کی تیاری فرما چکے ہیں۔ اور مولانا نور حسین عارف صاحب کو بھی بتا دو۔ پھر میں نے قاری محمود صاحب اختر کو بھی فون پر یہی بات گوش گزار کی کہ جاؤ حضرت کی جتنی زیارت کر سکتے ہو کر لو، حضرت آخرت کی تیاری فرما چکے ہیں، ورنہ پچھتاؤ گے۔

چنانچہ اس کے دو ہی دن بعد میرے شیخ نے اجل کو لبیک کہا اور ہمیں داغ مفارقت دے کر دار الفناء سے دار البقاء تشریف لے گئے۔

جس دن سے جدا وہ ہم سے ہوئے اس دل نے دھڑکنا چھوڑ دیا

ہے چاند کا منہ اُترا اُترا، تاروں نے چمکنا چھوڑ دیا

وہ پاس ہمارے ہوتے تھے بے رت بھی بہار آ جاتی تھی

اب لاکھ بہاریں آئیں بھی تو دل نے مہکنا چھوڑ دیا

لیکن میرے شیخ کا فیض ایسا نہیں ہے کہ ان کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ختم ہو جائے گا۔ نہیں نہیں، ہرگز نہیں! میرے شیخ کے عقائد ونظریات، دینی خدمات اور فرقِ باطلہ کی سرکوبی، تحریر وتصنیف کی شکل میں موجود ہے۔ حضرت کا یہ فیض قیامت تک جاری وساری رہے گا۔

ان شاء اللہ تعالیٰ

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ شیخ کے لواحقین، متعلقین، مریدین اور شاگردوں کو صبر عطا فرمائے اور حضرت کے مشن کو زندہ وجاری رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

طبیعت کو ہو گی خلق چند روز

سنبھلتے سنبھلتے سنبھل جائے گی

خاکپائے امام اہل سنت محمد نواز بلوچ

مدرسہ ریحان المدارس جناح روڈ، گوجرانوالا

۱۶ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ بمطابق ۱۰/جون ۲۰۰۹ء

آیاتھا ۱۰۹ (۱۰) سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ (۵۱) رکوعاتھا ۱۱

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

﴿الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ﴾ یہ آیتیں ہیں حکمت والی کتاب کی ﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا﴾ کیا ہے لوگوں کے لیے تعجب ﴿اَنْ اَوْحَيْنَآ﴾ اس بات میں کہ ہم نے وحی بھیجی ﴿اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ﴾ ان میں سے ایک شخص پر ﴿اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ﴾ یہ کہ ڈرائیں آپ لوگوں کو ﴿وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اور خوش خبری دیں ان لوگوں کو جو ایمان لائے ﴿اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ﴾ کہ بے شک ان کے لیے سچائی کا قدم ہے ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ان کے رب کے ہاں ﴿قَالَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ کہا کافروں نے ﴿اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ﴾ بے شک یہ پیغمبر البتہ جادوگر ہے کھلا ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ﴾ بے شک تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے ﴿الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ﴿فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ چھ دنوں میں ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ پھر وہ مستوی ہوا عرش پر ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ﴾ وہ تدبیر کرتا ہے ہر کام کی ﴿مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ﴾ نہیں ہے کوئی سفارشی مگر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ﴾ یہی ہے تمھارا اللہ ﴿رَبُّكُمْ﴾ تمھارا پروردگار ﴿فَاعْبُدُوْهُ﴾ پس اسی کی عبادت کرو ﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ کیا پس تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ﴿اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا﴾ اسی کی طرف ہے تم سب کا لوٹنا ﴿وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا﴾ اللہ کا وعدہ سچا ہے ﴿اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ﴾ بے شک وہی مخلوق کو پیدا کرتا ہے ﴿ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ پھر اس کو لوٹائے گا ﴿لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ﴾ تاکہ بدلہ دے ان لوگوں کو ﴿اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے عمل کیے ﴿بِالْقِسْطِ﴾ انصاف کے مطابق ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا ﴿لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ﴾ ان کے لیے پینا ہوگا کھولتا ہوا پانی ﴿وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور عذاب ہوگا دردناک ﴿بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ﴾ اس لیے کہ وہ کفر کرتے تھے۔

سورۃ یونس کی وجہ تسمیہ وحروف مقطعات؟

اس سورۃ کا نام یونس ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر کا نام یونس ہے، علیہ الصلاۃ والسلام۔ ان کے نام پر اس سورۃ کا نام رکھا گیا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام ملک عراق کے صوبہ موصل میں نینوا شہر میں رہتے تھے وہ شہر آج بھی موجود ہے۔ اس سورۃ میں حضرت یونس علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر آئے گا۔ یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے اور اس سے پہلے پچاس [۵۰] سورتیں نازل ہو چکی تھیں اس کے گیارہ [۱۱] رکوع اور ایک سو نو [۱۰۹] آیات ہیں۔

﴿الٓرٰ﴾ یہ حروفِ مقطعات میں سے ہے اور ان کے متعلق پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کسی لفظ کو اختصار کے ساتھ پیش کرنے کے لیے اس سے ایک حرف الگ کر لیا جائے، پورا لفظ نہ بولا جائے۔ اور یہ ہر زبان میں استعمال ہوتا ہے۔ تو یہ حروف کس سے مخفف ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "الف" سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی یہ لفظ اللہ سے مخفف ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے۔ باقی اس کے صفاتی نام ہیں۔ جیسے رحمٰن، رحیم، قہار، جبار، رزاق، رشید، جلیل۔ اور "لام" سے مراد لطیف ہے۔ اس کا معنیٰ ہے باریک بین۔ باریک سے باریک تر چیز بھی رب تعالیٰ کے سامنے ہے۔

بزرگانِ دین نے اپنے تجربات میں لکھا ہے کہ اگر رشتے ناتے میں کوئی رکاوٹ ہو یا کاروباری سلسلے میں کوئی رکاوٹ ہو تو لطیف کا ذکر کثرت کے ساتھ کرنے سے اللہ تعالیٰ سہولت پیدا فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سارے نام برکت والے ہیں۔ اور "را" سے مراد رؤف ہے۔ یعنی یہ رؤف سے مخفف ہے، معنیٰ ہے شفقت کرنے والا۔ یہ بھی رحمٰن، رحیم کی طرح اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ﴾ یہ آیتیں ہیں حکمت والی کتاب کی۔ یعنی یہ آیتیں جو تمہارے سامنے پڑھی جاتی ہیں اس کتاب کی ہیں جو حکیم ہے۔ حکیم کا معنیٰ ہے دانا، تو مطلب یہ بنے گا کہ دانائی والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنی کتابیں نازل ہوئی ہیں سب برحق ہیں مگر ان تمام کتابوں میں سے زیادہ دانائی اور حکمت اس کتاب میں ہے اور حکیم کا معنیٰ محکم اور اٹل بھی کرتے ہیں کہ یہ کتاب اپنی جگہ بڑی محکم اور اٹل ہے۔ دنیائے کفر نے اس کے خلاف بڑی کوشش کی ہے مگر کامیاب نہیں ہو سکی اور قیامت تک کامیاب نہیں ہو سکتی۔

توحید باری تعالیٰ پر کافروں کا تعجب

فرمایا ﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا﴾ کیا ہے لوگوں کے لیے تعجب ﴿اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ﴾ اس بات میں کہ ہم نے وحی بھیجی ان میں سے ایک شخص پر یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر۔ کافروں کو اس بات پر تعجب تھا کہ وحی الٰہی مکہ مکرمہ کے ایک ایسے شخص پر نازل ہوئی ہے جو یتیم ہے۔ اس کا کاروبار ہے نہ اس کے پاس مال و دولت ہے۔ کہتے تھے: ﴿وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ [الزخرف: ۳۱] "کیوں نہیں اُتارا گیا یہ قرآن کسی بڑے آدمی پر دو بستیوں میں سے۔" کہ مکہ مکرمہ اور طائف میں سے کسی بڑے آدمی پر قرآن کیوں نہیں اتارا گیا۔ جدہ اس وقت نہیں تھا بعد میں آباد ہوا ہے۔ اس وقت مکہ مکرمہ میں بڑا چودھری ولید بن مغیرہ تھا۔ مشہور صحابی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا باپ۔ اس کے تیرہ (۱۳) بیٹے تھے۔ بڑے خوب صورت اور صحت مند جوان۔ اس کی اپنی صحت بھی بڑی اچھی تھی بیٹوں میں بیٹھا ہوا یوں لگتا تھا کہ بھائی ہے۔ مال بھی اس کے پاس سب سے زیادہ تھا۔ مشرکین کہتے تھے مکہ مکرمہ میں اس پر قرآن نازل ہونا چاہیے تھا۔ اور طائف میں اس وقت بڑا سردار عروہ ابن مسعود ثقفی تھا جو بعد میں صحابی بنا اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو گیا۔

پیغمبر کی ذمہ داری، مقصودِ بعثت!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا تو آپ کی ذمہ داری کیا ہے؟ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ یہ کہ ڈرائیں آپ لوگوں کو کہ جو رب تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا اس پر دنیا میں بھی عذاب آسکتا ہے اور آئے گا اور قبر اور آخرت کا عذاب تو اپنی جگہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کافروں کو رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں ﴿وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اور خوش خبری دیں ان لوگوں کو جو ایمان لائے ﴿اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ﴾ کہ بے شک ان کے لیے سچائی کا قدم ہے۔

﴿قَدَمَ صِدْقٍ﴾ کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت میں کھڑے ہوں گے تو ڈگمگائیں گے نہیں بلکہ نہایت مضبوطی کے ساتھ، رب تعالیٰ جو فرمائیں گے اس کا جواب دیں گے۔ اور ﴿قَدَمَ صِدْقٍ﴾ کا ایک معنیٰ یہ کرتے ہیں جو سچائی اُنھوں نے آگے بھیجی ہے۔ یعنی جو نیکیاں وہ زندگی میں کر چکے ہیں وہ ان کو ملیں گی اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی ضائع نہیں کرتا۔

اور بعض حضرات نے ﴿قَدَمَ صِدْقٍ﴾ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد لی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچائی کا پہاڑ تھے۔ جن قدموں پر کھڑے ہوتے آخر دم تک وہاں سے نہ ہٹتے، مشن اور پروگرام کے اعتبار سے۔

تو ایمان والوں کے لیے سچائی کا قدم ہے ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ان کے رب کے ہاں ﴿قَالَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ کہا کافروں نے ﴿اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ﴾ بے شک یہ پیغمبر البتہ جادوگر ہے کھلا، معاذ اللہ تعالیٰ۔ رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر جو معجزات صادر کیے تھے ان کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر کہتے تھے کہ یہ جادو کے ذریعے لوگوں پر اثر ڈالتا ہے۔ بجائے اس کے کہ معجزات کو دیکھ کر تسلیم کرتے اور کہتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی سچائی کی دلیل ہے الٹا یہ کہا کہ جادوگر ہے۔

کس چیز کے نہ ماننے پر ڈرانا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کے سامنے جو چیزیں بیان فرمائی ہیں ان میں سے پہلی چیز توحید ہے اور جتنے بھی پیغمبر تشریف لائے ہیں سب کی پہلی دعوت تھی ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ "اے میری قوم! رب تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔" رب کا معنیٰ ہے پالنے والا، تربیت کرنے والا۔ اگر کوئی رب کے مفہوم ہی کو سمجھ لے تو شرک کے قریب نہ جائے۔ تربیت کے لیے بڑی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ خوراک کی ضرورت ہے کہ کوئی جاندار، نباتات خوراک کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہ خوراک رب تعالیٰ نے پیدا کی ہے، کوئی جان دار ہوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا یہ ہوا بھی رب تعالیٰ نے پیدا کی۔ غرضیکہ جتنی ضرورت کی چیزیں ہیں سب کی سب رب تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہیں تو کوئی اور معبود کس طرح بن گیا؟

﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ﴾ بے شک تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ تمہارا پالنے والا، تربیت کرنے والا اللہ جَلَّ جَلَالُهٗ ہے ﴿الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ﴿فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ چھ دنوں میں۔ چھ دنوں سے مراد چھ دن کا وقفہ ہے حقیقتاً دن مراد نہیں ہے۔ کیوں کہ ہمارے ہاں تو دن کہتے ہیں سورج کے طلوع ہونے سے غروب ہونے تک کو

کہ سورج طلوع ہوا تو دن ہو گیا اور غروب ہوا تو دن ختم ہو گیا۔ حالاں کہ اس وقت نہ سورج تھا، نہ چاند تھا، نہ آسمان تھا، نہ زمین تھی۔ تو چھ دنوں کا وقفہ مراد ہے اور اس طرح پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ ورنہ اس کی قدرت یہ ہے کہ ایک دن میں پیدا کر سکتا ہے اور فنا بھی کر سکتا ہے ﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ [یٰسین: ۸۲] " بے شک اس کا حکم جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی چیز کے بارے میں تو کہتا ہے اس کو ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔ " رہی یہ بات کہ قادر مطلق ہو کر بتدریج اور آہستہ آہستہ کیوں پیدا فرمایا ہے؟ تو اس سے مخلوق کو بتلایا ہے کہ دنیا میں ہر کام آہستہ آہستہ ہونا ہے۔ قادرِ مطلق ہو کر میں نے زمین و آسمان چھ دنوں میں پیدا فرمائے ہیں لہٰذا تم بھی جو کام کرو آہستہ آہستہ کرو۔

استویٰ علی العرش کا مطلب ؟

﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ پھر وہ مستوی ہوا عرش پر۔ عرش پر وہ کیسے مستوی ہے؟ کیوں کہ مستوی کا معنیٰ ہے بیٹھنا۔ دیکھو! میں چھوٹی سی گدی پر بیٹھا ہوں اور تم ان دریوں پر بیٹھے ہو۔ کسی وقت آدمی کرسی پر بیٹھتا ہے، کسی وقت چارپائی پر، کسی وقت صف پر اور کبھی زمین پر اور کبھی آدمی پلنگ پر بیٹھتا ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام دار الہجرت ہیں۔ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ ان سے ان کے شاگردوں نے پوچھا حضرت! رب عرش پر کیسے مستوی ہے؟ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بیٹو یاد رکھو! اَلْاِيْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ " اس پر ایمان لانا ضروری ہے وَ كَيْفِيَّتُهٗ مَجْهُوْلَةٌ اور اس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں ہے۔ ہم یہی کہہ سکتے ہیں جو اِستوی اس کی شان کے لائق ہے وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ اور اس کے متعلق سوال کرنا یعنی بار بار پوچھنا بدعت ہے اس کے قریب نہ جاؤ۔ "

محترم ساتھیو! ہم اس کی باقی صفات کب سمجھ سکتے ہیں۔ مثلاً: وہ سنتا ہے مگر کان نہیں ہیں، وہ دیکھتا ہے لیکن مخلوق کی طرح آنکھیں نہیں ہیں، بولتا ہے لیکن ہماری طرح ہونٹ اور دانت نہیں ہیں، ﴿بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ میں ایک ہاتھ کا ذکر ہے کہ اس کے ہاتھ میں شاہی ہے ﴿بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ﴾ میں دو ہاتھوں کا ذکر ہے کہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں۔ اب اس کے ہاتھ کیسے ہیں؟ ہم نہیں سمجھ سکتے بس یہی کہیں گے جو اس کی شان کے لائق ہیں۔

اور رحمٰن کے بارے میں جس طرح یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ وہ عرش پر مستوی ہے اسی طرح یہ بھی ماننا اور تسلیم کرنا ہے کہ ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ [الحدید: ۴] " اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔ " صرف عرش ہی پر نہیں ماننا۔ اس کا ارشاد ہے ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ [ق: ۱۶] " اور ہم زیادہ قریب ہیں اس سے اس کی دھڑکتی ہوئی رگ سے۔ " حبل الورید رگ جان، جس کو شہ رگ کہتے ہیں جو دل سے دماغ تک جاتی ہے۔ رب اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ یہ تمام باتیں قرآن پاک میں موجود ہیں ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ﴾ وہ تدبیر کرتا ہے ہر کام کی۔ زمین و آسمان کا مدبر وہی ہے، خدائی اختیارات اس نے کسی کو نہیں دیے اور یہ سب غلط نظریے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بزرگوں کو سارے جہان کی تدبیر کے اختیارات دے دیے ہیں۔

احمد رضا خان بریلوی کے شرکیہ اشعار اور ان کا رد

جیسے احمد رضا خان بریلوی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہتے ہیں: ۔

ذی تصرف بھی ہے ، ماذون بھی ہے ، مختار بھی ہے

کار عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر

[حدائق بخشش ،ص۱۹ ،ج دوم]

کہ اللہ تعالیٰ نے سارے اختیارات سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو دے دیے ہیں، وہی سارا نظام چلاتے ہیں، العیاذ باللہ۔ اس سے بڑا کفر اور کیا ہوگا۔ تو یاد رکھنا! مدبر صرف پروردگار ہے۔ اور "الامن والعلی" صفحہ ۱۰۸ میں لکھتے ہیں:

"آفتاب طلوع نہیں کرتا جب تک کہ حضور سیدنا غوث اعظم پر سلام نہ کرے۔" لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

سوال یہ ہے کہ سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۴۹۰ھ میں ہوئی ہے اور وفات ۵۶۱ھ میں ہوئی ہے۔ اس سے پہلے جہان کا مدبر کون تھا؟ اور اس سے پہلے سورج کس کو سلوٹ مارتا تھا یا اس سے پہلے سورج طلوع ہی نہیں ہوتا تھا؟ لہٰذا یہ سب غلط نظریات ہیں۔ جہان کا مدبر صرف رب تعالیٰ ہے۔ اور اس بات کو کافر بھی مانتے تھے کہ سارے جہان کی تدبیر رب تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے ﴿مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ﴾ [سورۃ یونس:۳۱] "کون تدبیر کرتا ہے کاموں کی تو وہ بولیں گے کہ اللہ۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ﴾ نہیں ہے کوئی سفارشی مگر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد۔ یعنی اس کے بعد کوئی سفارش کر سکے گا اس سے پہلے کوئی نہیں کر سکتا۔ قیامت کے دن جب ساری کائنات پریشان ہوگی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں گر پڑیں گے اور اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ تسبیحات بتلائیں گے جو ابھی (دنیا میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے :

((يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ اِشْفَعْ تُشَفَّعْ)).

"اے محمد! سر اٹھایئے آپ کو سفارش کرنے کی اجازت ہے، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔"

اس کو شفاعتِ کبریٰ کہتے ہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی سفارش رب تعالیٰ کی اجازت سے کریں گے۔ رب تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی فرشتہ، نہ کوئی پیغمبر، نہ کوئی اور دم مار سکتا ہے۔

﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ﴾ یہی ہے تمھارا اللہ، تمھارا پروردگار ﴿فَاعْبُدُوْهُ﴾ پس تم اسی کی عبادت کرو ﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ کیا پس تم نصیحت حاصل نہیں کرتے، یہ باتیں تمھیں سمجھ نہیں آتیں ﴿اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا﴾ اسی کی طرف ہے تم سب کا لوٹنا ﴿وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا﴾ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ سب نے اس کے سامنے پیش ہونا ہے۔ ﴿اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ بے شک وہی مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر اس کو لوٹائے گا۔ اگر تم اس کے لوٹانے میں شک کرتے ہو تو پھر یہ بھی کہو کہ ہمیں رب تعالیٰ نے پیدا نہیں

کیا اور اس کا تم انکار نہیں کر سکتے کہ رب تعالیٰ خالق نہیں ہے بلکہ اسی کو خالق مانتے ہو۔ تو پھر یہ بھی تسلیم کرو کہ وہی لوٹائے گا۔
کیوں؟ ﴿لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ تاکہ بدلہ دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اُنھوں نے عمل کیے اچھے ﴿بِالْقِسْطِ﴾ انصاف کے ساتھ۔

اللہ تعالیٰ کی حکومت اندھیر نگری نہیں

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت اندھیر نگری نہیں ہے کہ نیک کو نیکی کا بدلہ نہ دے اور برے کو سزا نہ ملے۔ کیوں کہ دنیا میں تو کتنے شریر ایسے ہیں کہ ان کو ان کے شر کے مطابق سزا نہیں ملتی اور کتنے نیک ایسے ہیں کہ ان کو نیکی کی جزا نہیں ملتی۔ اوروں کو تو چھوڑیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے زیادہ نیک دنیا میں کوئی نہیں ہے اور حال یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ تین دن مسلسل ہمیں روٹی سالن کے ساتھ کبھی نہیں ملی اور دو، دو ماہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چولھے میں آگ نہیں جلتی تھی۔ کیوں کہ پکانے کے لیے کچھ نہیں ہوتا تھا۔ آج ہم تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہمارے گھروں میں چار دن آگ نہ جلے تو عورتیں ہمیں کچا کھا جائیں۔ پوچھنے والے نے پوچھا پھر کیا کرتے تھے؟ فرمایا ردی کھجوریں مل جاتی تھیں وہ کھا لیتے تھے، پانی پی کر گزارا کر لیتے تھے۔ انصارِ مدینہ کے کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی دودھ ہدیہ کے طور پر بھیج دیتے تھے دودھ پی کر گزارا کر لیتے تھے۔ اگر قیامت نہ آئی ہو تو معاذ اللہ نیکوں کو بدلہ تو نہ ملا اور بُروں کو صحیح معنوں میں برائی کی سزا تو نہ ملی۔ پھر معاذ اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کی حکومت سکھا شاہی ہوئی کہ نہ کافروں کو بدلہ نہ نیکوں کو بدلہ۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا ﴿لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ﴾ ان کے لیے پینا ہو گا کھولتا ہوا پانی۔ اتنا گرم کہ ہونٹ کے ساتھ لگائیں گے تو ﴿يَشْوِي الْوُجُوْهَ﴾ [الکہف:۲۹] ہونٹ جل جائیں گے۔ پھر وہ گھونٹ گھونٹ کر کے پیٹ میں ڈالیں گے۔ جب چند قطرے پیٹ میں جائیں گے ﴿فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ﴾ [محمد:۱۵] وہ انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پاخانے کے راستے نکال دے گا۔ یہ سب قرآن پاک میں ہے۔

﴿وَعَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور عذاب ہو گا دردناک ﴿بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ﴾ اس لیے کہ وہ کفر کرتے تھے۔ لہٰذا قیامت ضرور قائم ہو گی تاکہ نیک کو نیکی کا بدلہ ملے اور بُرے کو برائی کا۔

﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً﴾ وہی اللہ ہے جس نے بنایا ہے سورج کو روشن ﴿وَّالْقَمَرَ نُوْرًا﴾ اور چاند کو نور ﴿وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ﴾ اور مقرر کی ہیں اس کے لیے منزلیں لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ تاکہ جان لو تم سالوں کی گنتی اور حساب ﴿مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ﴾ نہیں پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو ﴿اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ مگر حق کے ساتھ ﴿يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ﴾ وہ تفصیل سے بیان کرتا ہے آیتیں ﴿لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو جانتی ہے ﴿اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ

﴿النَّهَارِ﴾ بے شک رات اور دن کے بدلنے میں ﴿وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ﴾ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے ﴿فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ آسمانوں اور زمین میں ﴿لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ﴾ البتہ نشانیاں ہیں اس قوم کے لیے جو پرہیزگار ہے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا﴾ جو نہیں امید رکھتے ہماری ملاقات کی ﴿وَ رَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ اور راضی ہو گئے ہیں وہ دنیا کی زندگی پر ﴿وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا﴾ اور وہ مطمئن ہو گئے ہیں اس زندگی پر ﴿وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ﴾ اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ﴾ یہی لوگ ہیں کہ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے ﴿بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ بہ سبب اس کے جو وہ کماتے رہے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کیے اچھے ﴿يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ﴾ رب تعالیٰ ان کو ہدایت پر قائم رکھے گا ان کے ایمان کی وجہ سے ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ﴾ جاری ہوں گی ان کے نیچے سے نہریں ﴿فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ﴾ نعمتوں کے باغوں میں ﴿دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا﴾ اور پکار ان کی ان باغوں میں ﴿سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ﴾ اے اللہ! تیری ذات پاک ہے ﴿وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ﴾ اور ملاقات ان کی اس کے اندر سلام ہوگا ﴿وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ﴾ اور ان کی آخری دعا ہوگی ﴿اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت کے دلائل

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور وحدانیت سمجھانے کے لیے مخلوق کی توجہ مختلف چیزوں کی طرف دلائی اور اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات کو سمجھو۔

ارشاد ہے ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً﴾ وہی اللہ ہے جس نے بنایا ہے سورج کو روشن۔ سورج کی روشنی کا فائدہ ساری دنیا جانتی ہے۔ یہاں تک کہ چھوٹے بچے بھی سمجھتے ہیں۔ کوئی شخص سورج کی روشنی سے اور اس کے ذریعے فصلوں، میوے اور پھلوں کے پکنے سے انکار نہیں کر سکتا۔ ﴿وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا﴾ اور چاند کو نور بنایا ہے ﴿وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ﴾ اور مقرر کی ہیں اس کے لیے منزلیں، ۲۹ یا ۳۰۔ کبھی چھوٹا ہوتا ہے کبھی بڑا ہوتا ہے ﴿لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ﴾ تاکہ جان لو تم سالوں کی گنتی اور حساب۔

دنیا میں دو قسم کے حساب ہیں۔ ایک کا تعلق سورج کے ساتھ اور ایک کا تعلق چاند کے ساتھ ہے۔ جنوری، فروری، مارچ، اپریل وغیرہ کا تعلق سورج کے ساتھ ہے اور جیٹھ، ہاڑ، ساون وغیرہ جو ہندی مہینے ہیں ان کا تعلق بھی سورج کے ساتھ ہے اور جو اسلامی مہینے ہیں محرم، صفر، ربیع الاول وغیرہ یہ چاند کے لحاظ سے ہیں۔ ہماری عبادات کا تعلق دونوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ مثلاً: رمضان المبارک کا مہینہ ہے اس کا تعلق چاند کے ساتھ ہے۔ رمضان المبارک کا چاند چڑھے گا تو لوگ روزہ رکھیں

گے،شوال کا چاند طلوع ہوا تو ہم نے عید کر لی۔اسی طرح ذوالحجہ کا چاند طلوع ہوگا تو حج کے احکام کی تیاری ہوگی اور نو ذوالحجہ کو حج ہو گا۔ ہماری نمازوں کے اوقات، روزہ رکھنے اور افطار کرنے کا تعلق سورج کے ساتھ ہے۔آج ہم نے جس وقت پر نماز پڑھی ہے چند دنوں کے بعد نماز کا وقت آگے کرنا پڑے گا۔

تو چوں کہ ہماری عبادات کا تعلق چاند اور سورج کے حساب سے ہے اس لیے فقہائے کرام ﷭ فرماتے ہیں کہ حساب کا علم جاننا فرض کفایہ ہے۔ اگر کسی جگہ کے مسلمانوں کو ان کا حساب نہیں آتا تو وہاں کے سارے لوگ گنہگار ہیں۔لیکن اگر کچھ لوگ ایسے ہیں کہ ان کو چاند اور سورج کے حساب کا علم ہے تو باقی لوگ گناہ سے بچ جائیں گے۔جیسے: تبلیغ فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں ہے کہ ہر بندے پر فرض ہو۔فرض کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کچھ افراد تبلیغ کر رہے ہیں تو باقی گناہ سے بچ جائیں گے اور اگر کسی مقام پر کوئی بھی تبلیغ نہیں کرتا تو سارے گنہگار ہیں۔ بہر حال چاند کے حساب کو اور سورج کے حساب کو یاد رکھنا ہے کیوں کہ ہماری عبادات اس پر موقوف ہیں کہ کس وقت صبح صادق ہوگی؟ اشراق کس وقت پڑھنی ہے؟ سورج کس وقت غروب ہوگا کہ مغرب پڑھنی ہے، روزہ افطار کرنا ہے۔

﴿مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ نہیں پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو مگر حق کے ساتھ۔سورج بھی تمہارے فائدے کے لیے ہے اور چاند بھی تمہارے فائدے کے لیے ہے۔ دنیا کی ہر چیز تمہارے فائدے کے لیے ہے ﴿يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ وہ تفصیل سے بیان کرتا ہے آیتیں اس قوم کے لیے جو جانتی ہے، علم سے فائدہ حاصل کرتی ہے اور جس نے آنکھیں بند کر لی ہیں اس کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔

پہلے اللہ تعالیٰ نے چاند اور سورج کا انعام ہونا بتایا ہے آگے قدرت کی دلیلیں بیان فرمائی ہیں۔فرمایا ﴿اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ بے شک رات اور دن کے بدلنے میں۔رات بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے ﴿وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا﴾ اگر چند دن آدمی کو نیند نہ آئے تو کلی طور پر پاگل ہو جائے گا یا نیم پاگل تو ضرور ہو جائے گا۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں میں نیند کا ذکر فرمایا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بندہ ہر وقت سویا ہی رہے، نہ نماز روزے کا خیال ہو، نہ ڈیوٹی کا خیال ہو۔اپنے وقت پر سونا نعمت ہے اور اپنے وقت پر جاگنا عبادت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین میں۔ چاند، سورج، ستارے بے شمار چیزیں آسمانوں میں پیدا کی ہیں اور زمین میں پہاڑ، میدان، دریا، درخت، انسان، حیوان، کیڑے مکوڑے، پھل فروٹ، اناج، رنگا رنگ پھول، ترکاریاں اور فصلیں پیدا فرمائی ہیں۔ یہ تمام چیزیں ﴿لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ﴾ البتہ نشانیاں ہیں اس قوم کے لیے جو پرہیزگار ہے۔اس کی وحدانیت کی دلیلیں ہیں اور اس کے انعامات ہیں۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا﴾ بے شک وہ لوگ جو نہیں امید رکھتے ہماری ملاقات کی یعنی قیامت کے قائل نہیں ہیں ﴿وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ اور راضی ہو گئے ہیں وہ دنیا کی زندگی پر ﴿وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا﴾ اور وہ مطمئن ہو گئے ہیں اس زندگی پر۔اس

طرح کہ نہ نماز کا خیال ہے، نہ حلال حرام کی پروا ہے۔ بس یہی خیال ہے کہ دنیا آئے چاہے جس طرح آئے۔ قرآن اس کی تردید کرتا ہے، حدیث اس کی تردید کرتی ہے۔ اور ایک ہے فرائض اور واجبات کا خیال رکھتے ہوئے جائز طریقے سے مال کمانا اور یہ بات میں کئی دفعہ سمجھا چکا ہوں کہ اس سے شریعت نہیں روکتی۔ جائز ملازمت ہے، مزدوری ہے، صنعت وزراعت ہے۔ جائز قسم کے جتنے بھی پیشے ہیں سب صحیح ہیں۔

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ﴾ اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ﴾ یہی لوگ ہیں کہ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ یعنی جو لوگ قیامت کی امید نہیں رکھتے دنیا کی زندگی پر راضی اور مطمئن ہیں اور آخرت کی فکر نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے غافل ہیں۔ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ کیوں؟ ﴿بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ بہ سبب اس کے جو وہ کماتے رہے ہیں۔ اس کا پھل ان کو ملے گا۔ ہر آدمی اس بات کو جانتا ہے۔ شاعر کہتا ہے: ؎

از مکافاتِ عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو از جو

"اے بندے! عمل کے نتیجے سے غافل نہ ہو گندم بوئے گا گندم کاٹے گا، جَو بوئے گا جَو کاٹے گا۔"

جو نیکی کرے گا اس کا پھل پائے گا، بدی کرے گا اس کا پھل پائے گا۔ لیکن معاف کرنا! آج ہمارا ذہن کچھ ایسا بن گیا ہے کہ بوتے کچھ ہیں اور امید کسی اور کی رکھتے ہیں۔ بلکہ بوتے کچھ بھی نہیں اور کہتے ہیں کاٹیں گے سب کچھ۔ عمل کے قریب نہیں جاتے اور اُمیدیں یہ ہیں کہ ہمیں جنت میں سب کچھ ملے گا، جنت کے ہم وارث ہیں۔ جو آدمی کبھی نماز روزے کے قریب نہیں گیا مرنے کے بعد اس کو بہشتی کہتے ہیں۔

غافلوں کے برعکس فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور اُنھوں نے اچھے عمل کیے کیوں کہ محض دعویٰ ایمان سے کچھ نہیں بنتا ساتھ اچھے عمل بھی چاہئیں ﴿يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ﴾ رب تعالیٰ ان کو ہدایت پر قائم رکھے گا اور ان کو پہنچائے گا ان کے ایمان کی وجہ سے ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ﴾ جاری ہوں گی ان کے نیچے نہریں ﴿فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ﴾ نعمتوں کے باغوں میں۔

جنت کی نعمتوں کا تذکرہ

وہاں نعمتیں ہی نعمتیں ہوں گی اور خوشیاں ہی خوشیاں ہوں گی، جنت کا درخت نہ تو کبھی سوکھے گا اور نہ ہی اس کا پھل کبھی ختم ہوگا نہ اس کے پتے جھڑیں گے ﴿لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ﴾ [سورۃ الواقعۃ: ۳۳] "نہ وہ قطع کیے جائیں گے اور نہ روکے جائیں گے۔" پھل توڑے گا دوسرا لگ جائے گا، پینے کے لیے جنت میں نہریں ہوں گی، شرابِ طہور کی اور دودھ کی نہریں ہوں گی، خالص پانی کی نہریں ہوں گی، شہد کی نہریں اور رقبہ اتنا وسیع ہوگا کہ حدیث پاک میں آتا ایک، ایک جنتی کو ساٹھ، ساٹھ میل کا رقبہ

ملے گا، ایک، ایک مکان ساٹھ، ساٹھ میل میں پھیلا ہوا ہوگا۔ اس میں بے شمار کمرے ہوں گے، ان میں قالین بچھے ہوئے ہوں گے، تکیے لگے ہوئے ہوں گے۔ نہ وہاں کسی کے سر درد ہوگا، نہ پیٹ درد، نہ بخار، بغیر محنت اور مشقت کے سب کچھ ملے گا۔ جو خواہش کریں گے پوری ہوگی۔ اگر وہاں اپنے کسی دوست کو ملنے کی خواہش کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اسی وقت اُڑ کے اس کے پاس پہنچ جائے گا ایک لحہ کی تاخیر نہیں ہوگی۔

﴿دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا﴾ اور پکاران کی جنت کے باغوں میں ﴿سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ﴾ ہوگی، اے اللہ تیری ذات پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ تسبیح غیر ارادی طور پر جنتیوں کی زبان پر جاری ہو جائے گی۔ جس طرح سانس انسان کو الہام کیا گیا ہے کہ ہم ہر وقت سانس لیتے رہتے ہیں، سوتے ہوئے، جاگتے ہوئے، چلتے پھرتے، بیٹھے ہوئے، لیٹے ہوئے اور تکلیف نہیں ہوتی۔ اسی طرح وہاں ﴿سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ﴾ بغیر کسی تکلیف کے ادا کرتے رہیں گے۔ وہاں تکلیفی زندگی نہیں ہے (وہاں کا عمل معمول کے سانچے میں ڈھل جائے گا)۔ ﴿وَ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ﴾ اور ملاقات ان کی، اس کے اندر، سلام ہوگا۔ جنتی آپس میں ملاقات کریں گے، جی آیاں کہا کریں گے تو کہیں گے سَلَامٌ عَلَیْکُمْ۔ فرشتے بھی سلام کریں گے، جنت میں حوریں بھی ملیں گی اور غلمان جنتی بچے ملیں گے خدمت کے لیے، پروردگار کی طرف سے بھی سلام ہوگا ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ﴾ [سورۃ یٰسین] جنت میں داخلے کے وقت ہی سے سلام شروع ہو جائے گا ﴿وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ﴾ [سورۃ الزمر: ۷۳] "اور کہیں گے اس کے داروغے سلام ہو تم پر، خوش رہو داخل ہو جاؤ جنت میں ہمیشہ رہنے والے۔" وہاں کوئی خطرہ ہوگا نہ فکر، نہ کوئی بیماری نہ کوئی جھگڑا، پوری جنت میں ایک تھانے دار بھی نہ ہوگا۔ کیوں کہ اس کی ضرورت ہی نہیں ہوگی۔ دلوں سے اللہ تعالیٰ کدورت نکال دیں گے دل شیشے کی طرح صاف ہوں گے۔ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی، راحت اور آرام کے ساتھ نصیب ہوگی۔ جنتی جب مجلس برخاست کریں گے تو ﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ اور ان کی آخری دعا ہوگی کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ جس نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں یہاں پہنچایا ہے۔

﴿وَ لَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ جلدی کرے لوگوں کے لیے برائی کو ﴿اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَیْرِ﴾ جیسا کہ وہ جلدی طلب کرتے ہیں خیر کو ﴿لَقُضِیَ اِلَیْهِمْ اَجَلُهُمْ﴾ تو البتہ فیصلہ کر دیا جائے ان کی طرف ان کی عمروں کا ﴿فَنَذَرُ الَّذِیْنَ﴾ پس ہم چھوڑتے ہیں ان لوگوں کو ﴿لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا﴾ جو نہیں امید رکھتے ہماری ملاقات کی ﴿فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ﴾ وہ اپنی سرکشی میں سرگردان ہو رہے ہیں ﴿وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ﴾ اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف ﴿دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ﴾ تو وہ پکارتا ہے ہمیں اپنے پہلو کے بل ﴿اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآىِٕمًا﴾ یا بیٹھا ہوا یا کھڑا ہوا ﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ﴾ پس جب ہم کھول دیتے ہیں اس سے اس کی تکلیف کو ﴿مَرَّ كَاَنْ لَّمْ یَدْعُنَاۤ﴾ تو

وہ گزرتا ہے گویا کہ اس نے ہمیں پکارا ہی نہیں ﴿اِلٰی ضُرٍّ مَّسَّهٗ﴾ کسی تکلیف کی طرف جو اس کو پہنچی تھی ﴿كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ﴾ اسی طرح مزین کیا گیا ہے مسرفوں کے لیے ﴿مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ وہ جو کچھ کیا کرتے تھے ﴿وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے ہلاک کیا ہے کئی قوموں کو ﴿مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ تم سے پہلے ﴿لَمَّا ظَلَمُوْا﴾ جب کہ انھوں نے ظلم کیا ﴿وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ اور آئے ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل کے ساتھ ﴿وَ مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا﴾ اور نہیں تھے وہ لوگ کہ وہ ایمان لاتے ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں مجرم قوم کو ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ﴾ پھر ہم نے بنایا تم کو نائب زمین میں ﴿مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ ان کے بعد ﴿لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾ تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسا عمل کرتے ہو۔

پچھلے درس میں یہ بیان ہوا تھا کہ کافروں کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ جب دوزخ اور نار کا لفظ آتا تو قیامت کے منکر کہتے تھے کہ جو دوزخ اور آگ تم نے ہمارے لیے رکھی ہوئی ہے وہ لے آؤنا، جلدی کرو! جزا، سزا کا مذاق اُڑاتے ہوئے ایک بے ایمان ہندو شاعر کہتا ہے کہ۔

ملے گی شیخ کو جنت ہمیں دوزخ عطا ہو
بس اتنی بات ہے جس کے لیے محشر بپا ہو

یعنی یہ بھی کوئی کام ہے۔ بھائی! یہ چھوٹی بات ہے کہ رب تعالیٰ تجھے دوزخ میں ڈالے اور شیخ کو، نیک کو جنت میں بھیجے۔ یہ کوئی معمولی بات ہے کہ ہر ایک کو عمل کے مطابق اس کے انجام تک پہنچایا جائے۔

اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے مطالبے پر شر بھیج دے تو کوئی نہ بچے

﴿وَ لَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ جلدی کرے لوگوں کے لیے برائی کو۔ خیر کو شر سے بدل دے ﴿اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ﴾ جیسا کہ وہ جلدی طلب کرتے ہیں خیر کو۔ مال مانگتے ہیں، اولاد مانگتے ہیں، صحت مانگتے ہیں، دنیا کی ترقی مانگتے ہیں اور رب تعالیٰ ان کو دیتا ہے۔ تو جس طرح وہ رب تعالیٰ سے خیر مانگتے ہیں اسی طرح اگر رب تعالیٰ ان کو شر دے دے تو ﴿لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ﴾ تو البتہ فیصلہ کر دیا جائے ان کی طرف ان کی عمروں کا کہ زندگی کی میعاد ختم کر دی جائے مگر نہیں۔ رب تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر فرمایا ہے ہر آدمی کو رب تعالیٰ نے ایک وقت دیا ہے۔ ہر قوم کے لیے ایک وقت ہے وقت آنے پر سب کچھ ہوگا۔ ان کی جلدی مانگنے سے قیامت برپا نہیں ہوگی اور نہ ان کے انکار کرنے سے ٹل سکتی ہے۔

مشرکین مکہ توحید کی مخالفت میں اس حد تک آگے جا چکے تھے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو کہا ﴿وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ [سورۃ الانفال: ۳۲] ”اے اللہ اگر یہ بات حق ہے تیری

طرف سے تو پھر برسا دے ہم پر پتھر آسمان کی طرف سے یا لے آ ہمارے پاس کوئی دردناک عذاب۔" تاکہ میدان تیرے پیغمبر کے لیے صاف ہو جائے۔ مگر رب تعالیٰ بڑا حکیم ہے وہ اپنی باتوں کو خود ہی سمجھتا ہے، وہ اپنے افعال میں کسی کا پابند نہیں ہے اور بندوں کو اس کے فیصلوں پر راضی ہونا چاہیے۔

حدیث پاک میں ہے کہ" آنحضرت ﷺ نے فرمایا اپنی اولاد اور مال کے لیے بددعا نہ کرو ہو سکتا ہے کہ وہ قبولیت کا وقت ہو اور تمہاری بددعا قبول ہو جائے۔" اور یہ بھی فرمایا کہ ((لَا يَتَمَنَّى أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ))"تم میں سے کوئی آدمی موت کی تمنا نہ کرے۔" تکالیف اور پریشانیوں سے تنگ آ کر، کیوں کہ رب تعالیٰ کا ایک فیصلہ ہے کہ فلاں نے فلاں وقت میں مرنا ہے اور یہ اس سے پہلے موت مانگ رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ رب تعالیٰ کے فیصلے پر راضی نہیں ہے۔ حالاں کہ مومن وہ ہے جو رب تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہو اور اگر خواہ مخواہ کوئی مجبوری ہے تو ان لفظوں کے ساتھ دعا کرے اے پروردگار! اگر میرے لیے زندگی بہتر ہے تو مجھے زندگی عطا فرما اور اگر تیرے علم میں میرے لیے موت بہتر ہے تو مجھے موت دے دے، رب تعالیٰ کے حوالے کر دے اپنی رائے نہ دے۔

تو فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ جلدی کر دے لوگوں کے لیے برائی کو جیسا کہ وہ جلدی طلب کرتے ہیں خیر کو تو البتہ فیصلہ کر دیا جائے ان کی طرف ان کی عمروں کا، زندگی ختم کر دی جائے۔ ﴿فَنَذَرُ الَّذِينَ﴾ پس ہم چھوڑتے ہیں ان لوگوں کو ﴿لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا﴾ جو نہیں امید رکھتے ہماری ملاقات کی، قیامت پر ان کا ایمان نہیں ہے ﴿فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں ہو رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں مصلح بھیجے

اللہ تعالیٰ نے سمجھانے اور اصلاح کرنے کے لیے پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں ہیں اور ہر دور میں حق کی آواز پہنچانے والے بھی بھیجے ہیں۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھ تک حق نہیں پہنچا۔ خصوصاً اس دور میں کہ ذرائع ابلاغ اور مواصلات نے دنیا کو ایک مٹھی، گلوبل ولیج) کر دیا ہے (دنیا سمٹ کر رہ گئی ہے)۔ لیکن اگر کوئی شخص ضد کی وجہ سے اپنے غلط نظریات کو نہ چھوڑنا چاہے تو اس کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ ایسے شخص کو تو رب تعالیٰ کے پیغمبر بھی نہیں منوا سکے۔ نوح علیہ السلام کا بیٹا ضد پر اڑ گیا، صدیاں گزر گئیں نہیں منوا سکے، نوح علیہ السلام کی بیوی ضد پہ اڑ گئی کلمہ نہیں پڑھا۔ نوح علیہ السلام جیسا اولوالعزم پیغمبر اپنی بیوی کو کلمہ نہیں پڑھا سکا کیوں کہ ضد اور ہٹ دھرمی کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ بس یہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ حق کے مقابلہ میں کسی کے سینے میں ضد نہ پیدا فرمائے۔ کیوں کہ ضد اور ہٹ دھرمی پیدا ہو گئی تو اس کو حق سمجھ نہیں آئے گا چاہے وہ سارے معجزے دیکھ لے۔

دیکھو! چودھویں کا چاند تھا اور کافروں کا خاصا مجمع تھا آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یہ چاند دو ٹکڑے

ہو جائے تو ہم تیرے اوپر ایمان لے آئیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ کام تو رب تعالیٰ کا ہے میں تو نہیں کر سکتا لیکن اگر اللہ تعالیٰ ایسا کر دے تو ایمان لے آؤ گے؟ کہنے لگے کیوں نہیں لائیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے اس طرح ہاتھ سے اشارہ کیا۔ چاند کا ایک ٹکڑا مشرق کی طرف چلا گیا اور دوسرا مغرب کی طرف اور سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ماننے کی بجائے کہنے لگے ﴿سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ "یہ جادو ہے جو مسلسل چلا آ رہا ہے۔" ﴿وَكَذَّبُوْا﴾ [سورۃ القمر: ۲، ۳] "اور جھٹلایا اُنھوں نے۔" تو ضد بُری چیز ہے۔

﴿وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ﴾ اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف، دکھ ﴿دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآىِٕمًا﴾ تو وہ پکارتا ہے ہمیں پہلو کے بل یا بیٹھا ہوا یا کھڑا ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان جب کسی بیماری اور تکلیف میں مبتلا ہو جائے تو ہمیں پکارتا ہے ﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ﴾ پس جب ہم کھول دیتے ہیں اس سے اس کی تکلیف کو، دور کر دیتے ہیں ﴿مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ﴾ تو وہ گزرتا ہے، چلتا پھرتا ہے گویا کہ اس نے ہمیں کبھی پکارا ہی نہیں ﴿اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ﴾ کسی تکلیف کی طرف جو اس کو پہنچی تھی۔ بیمار ہوتا ہے، زندگی سے مایوس ہوتا ہے تو دعا کرتا ہے رب تعالیٰ کو پکارتا ہے کہتا ہے اے اللہ! مجھے صحت دے دے، میری بیماری دور کر دے۔ جب اللہ تعالیٰ صحت یاب کر دیتے ہیں اور چلنے پھرنے لگتا ہے تو اس طرح پھرتا ہے کہ گویا اس کو کبھی اللہ تعالیٰ کی ضرورت پڑی ہی نہیں ہے۔ یہ انسان کی خصلت اور عادت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اسی طرح مزین کیا گیا ہے مسرفین کے لیے جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ بُرے کام کرتے ہیں بُرے کاموں پر راضی ہیں، اچھے کاموں سے انہیں نفرت ہے۔ اللہ تعالیٰ مسرفین سے بچائے اور محفوظ رکھے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے بُروں کے انجام کا ذکر فرمایا ہے ﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ قرن کے عربی لغت میں بہت سے معانی آئے ہیں۔ مثلاً: ایک معنٰی اس کا صدی ہے۔ دوسرا معنٰی جماعت اور آدمیوں کا گروہ ہے وغیرہ۔ اس مقام پر قرن کا معنٰی جماعت ہے اور قرون کا معنٰی جماعتیں۔ ترجمہ ہوگا اور البتہ تحقیق ہم نے ہلاک کیا ہے کئی جماعتوں اور قوموں کو تم سے پہلے۔ نوح علیہ السلام کی قوم، ہود علیہ السلام کی قوم، صالح علیہ السلام کی قوم، لوط علیہ السلام کی قوم، شعیب علیہ السلام کی قوم، آل فرعون وغیرہ کو ﴿لَمَّا ظَلَمُوْا﴾ جب کہ اُنھوں نے ظلم کیا اللہ تعالیٰ کے حق میں کہ اس کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہرایا کیوں کہ ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ [لقمان: ۱۳] "بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔" اور بندوں پر بھی اُنھوں نے بڑا ظلم کیا، زیادتی کی تو جب اُنھوں نے ظلم کیا تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کہیں وہ بے چارے بے خبری میں نہ مارے گئے ہوں ان کو کسی شے کا علم نہ ہو، جائز ناجائز کا، حلال حرام کا، ایمان اور شرک کا؟ فرمایا نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے ﴿وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ اور آئے ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی طرف اُس قوم کی بولی میں سمجھانے والا بھیجا اور بڑے عرصے تک

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے ان کو سمجھایا حجت مکمل فرمائی۔ عموماً غیر قوم کا نبی نہیں بھیجا انہی میں سے بھیجا تا کہ یہ نہ کہیں کہ ہم اس کی بولی نہیں سمجھتے تھے لیکن ﴿وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا﴾ اور نہیں تھے وہ لوگ کہ ایمان لاتے، کفر پر ڈٹے رہے ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں مجرم قوم کو۔ تم جرم کرو گے تو تم بھی سزا پاؤ گے۔ ان قوموں کی ہلاکت کے بعد ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ پھر بنایا ہم نے تم کو نائب زمین میں اُن کے بعد۔ اے اس وقت زمین میں رہنے والو! ان کے بعد تمھیں زمین میں نائب اور خلیفہ کیوں بنایا؟ ﴿لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾ تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسا عمل کرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ نے یہ واقعات اس لیے بیان فرمائے ہیں تا کہ کوئی بے خبری میں نہ رہے اور کل رب تعالیٰ کی عدالت میں یہ نہ کہہ سکے کہ میں جاہل تھا، بے خبری میں تھا، مجھے کچھ معلوم نہ تھا لہٰذا میں بے قصور ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر، کتابیں اور اہل حق بھیج کر حجت پوری کر دی۔

﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا﴾ اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر ہماری آیتیں ﴿بَيِّنٰتٍ﴾ صاف صاف ﴿قَالَ الَّذِيْنَ﴾ تو کہتے ہیں وہ لوگ ﴿لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا﴾ جو نہیں امید رکھتے ہماری ملاقات کی ﴿ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ﴾ لے آ کوئی قرآن اس کے علاوہ ﴿اَوْ بَدِّلْهُ﴾ یا اس کو تبدیل کر دے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿مَا يَكُوْنُ لِيْٓ﴾ نہیں ہے مجھے کوئی اختیار ﴿اَنْ اُبَدِّلَهٗ﴾ یہ کہ تبدیل کروں اس کو ﴿مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ﴾ اپنی طرف سے ﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ نہیں پیروی کرتا میں مگر اس چیز کی جو وحی کی جاتی ہے میری طرف ﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ﴾ بے شک میں ڈرتا ہوں ﴿اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ﴾ اگر میں نے نافرمانی کی اپنے رب کی ﴿عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ بڑے دن کے عذاب سے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا ﴿مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ﴾ نہ تلاوت کرتا میں اس قرآن کی تم پر ﴿وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ﴾ اور نہ پروردگار تمہیں بتاتا یہ قرآن ﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا﴾ پس بے شک میں ٹھہر چکا ہوں تمہارے درمیان عمر کا ایک حصہ ﴿مِّنْ قَبْلِهٖ﴾ اس سے پہلے ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا تم نہیں سمجھتے ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ﴾ پس کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے ﴿افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ جس نے افترا باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا ﴿اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ﴾ یا جھٹلایا اس کی آیتوں کو ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ نہیں فلاح پائیں گے مجرم۔

اس سے پہلے سبق میں یہ بیان ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے لیکن وہ لوگ ایمان نہیں لائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر کے زمین میں تمھیں ان کا نائب اور خلیفہ بنایا تا کہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ لیکن

لوگوں کی ضد کا حال یہ ہے ﴿وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ﴾ اور جب پڑھی جاتی ہیں ان لوگوں پر ہماری آیتیں صاف صاف۔ کیوں کہ ان کی زبان بھی عربی تھی اور قرآن کریم بھی عربی میں تھا اس لیے مطلب اور مفہوم کو سمجھتے تھے۔

قرآن کریم لغت قریش پر نازل ہوا ہے

یہاں پر ایک ضروری بات سمجھ لیں۔ وہ یہ کہ قرآن کریم قریش کی لغت اور زبان ہی میں نازل ہوا ہے۔ دوسرے علاقوں کی زبانوں میں کچھ فرق تھا جس طرح یہاں کی پنجابی اور ہے، میانوالی کی اور ہے اور ملتان کی اور ہے۔ اسی طرح علاقے، علاقے کی پشتو کا فرق ہے۔ تو دوسرے قبیلوں اور قریش کی لغت میں زبر زیر کا کچھ فرق تھا۔ مثلاً: قریش پڑھتے ﴿يَعْلَمُوْنَ﴾ "یَ" کے زبر کے ساتھ اور دوسری بولی والے پڑھتے ﴿يِعْلَمُوْنَ﴾ "یِ" کے زیر کے ساتھ۔ تو انھوں نے کہا حضرت! ہماری بولی کچھ اور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی کہ تم اپنی بولی میں قرآن پاک پڑھ لیا کرو معنیٰ نہیں بدلے گا۔ بعض لوگ یَقْصِصُ میں "صاد" کی جگہ "سین" پڑھتے تھے۔ فرمایا پڑھ لیا کرو معنیٰ میں فرق نہیں آئے گا۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور آیا۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ روس کے علاقہ آذر بائیجان اور آرمینیا میں جنگیں جاری تھیں، جہاد ہو رہا تھا مجاہدین کا آپس میں اختلاف ہو گیا۔ ایک نے پڑھا ﴿يَعْلَمُوْنَ﴾ "یَ" کے فتحہ کے ساتھ۔ دوسرے نے کہا ﴿يِعْلَمُوْنَ﴾ ہے "یِ" کے کسرہ کے ساتھ۔ اور اس پر خاصا اصرار اور تکرار ہوا۔ جس طرح یہاں ضاد، داد کا جھگڑا ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ﴾ پڑھے تو اس کے ساتھ لڑائی شروع کر دیتے ہیں کہ تو نے دالین کیوں نہیں پڑھا؟ اور اگر ان سے پوچھو کہ تمہارا ضلع کون سا ہے تو ضلع کہیں گے دِلع نہیں کہیں گے، وضو کہتے ہیں ودو نہیں کہتے، رمضان کہتے ہیں رمدان نہیں کہتے، فضیلت کہتے ہیں فدیلت نہیں کہتے، ناراض کہتے ہیں ناراد نہیں کہتے، اگر کسی کو مرض لگ جائے تو یہ نہیں کہتا کہ مجھے مرد لگ گیا ہے۔ لیکن ﴿وَ لَا الضَّآلِّيْنَ﴾ پر جھگڑ پڑتے ہیں کہ مولوی صاحب تو نے ﴿وَلَا﴾ الدالین کیوں نہیں پڑھا؟ بھائی! تم یہ لفظ روزمرہ بولتے ہو عرضی نویس کہتے ہو عردی نویس نہیں کہتے لیکن مولوی نے ضاد پڑھی ہے تو تم اس کے خلاف ہو گئے ہو۔

تو خیر اسی طرح ان لوگوں کے درمیان یَعْلَمُوْنَ، یِعْلَمُوْنَ پر جھگڑا ہو گیا۔ لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شکایت کی حضرت! قرآن پاک کی لغت میں جھگڑا ہوا ہے اَصْلِحْ آپ اس قوم کی اصلاح فرمائیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چوں کہ خلیفہ راشد تھے انھوں نے صرف قریش کی لغت رہنے دی اور باقی ساری لغتیں ختم کر دیں کہ قرآن کریم باقی لغات پر نہیں پڑھا جا سکتا تاکہ لڑائیاں ختم ہو جائیں۔ اور ان کی بات ہمارے لیے حجت ہے کیوں کہ وہ خلیفہ راشد ہیں۔ امت کو فساد سے بچانے کے لیے انھوں نے یہ کام کیا ہے۔ یہ ہمارے پاس جو قرآن ہے یہ لغتِ قریش کے مطابق ہے۔

تو فرمایا ﴿وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ﴾ اور جب اُن پر پڑھی جاتی ہیں ہماری آیتیں صاف صاف ﴿قَالَ الَّذِيْنَ﴾

کہتے ہیں وہ لوگ ﴿لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا﴾ جو نہیں امید رکھتے ہماری ملاقات کی ﴿ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ﴾ لے آ کوئی قرآن اس کے علاوہ اور اگر یہی قرآن رکھنا ہے تو ﴿اَوْ بَدِّلْهُ﴾ یا اس کو تبدیل کر دے، اس میں ترمیم کر دے۔

مشرکوں کو توحید سے چڑ تھی :

اس قرآن سے ان کو کیا تکلیف تھی اور اس میں وہ کیا ترمیم چاہتے تھے؟ اس کا ذکر اس مقام پر نہیں ہے۔ اس کا ذکر دوسرے مقام پر ہے کہ وہ کیا تبدیلی چاہتے تھے۔ سب سے پہلے وہ توحید کے مسئلہ میں تبدیلی چاہتے تھے۔ سورۃ الصّٰفّٰت آیت نمبر ۳۵ میں ہے ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ "بے شک یہ لوگ کہ جب ان کے سامنے کہا جاتا ہے ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ تو تکبر کرتے ہیں۔" یعنی جب ان کے سامنے وحدہٗ لاشریک لہٗ کا مسئلہ پیش کیا جاتا ہے تو اچھلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس نے سب خداؤں کی نفی کر دی ہے اور سورۃ ص آیت نمبر ۵ میں ہے ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ "کیا کر دیا ہے اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود؟ بے شک یہ عجیب چیز ہے۔" یہ کہتا ہے کہ صرف ایک خدا ہے، صرف ایک حاجت روا ہے، صرف ایک مشکل کشا ہے، صرف ایک ہی فریادرس ہے تو یہ جو ہمارے خدا ہیں یہ کدھر گئے؟

یاد رکھنا! قریش مکہ، مشرکین مکہ کو آنحضرت ﷺ کی ذات سے کوئی اختلاف نہیں تھا آپ کو تو وہ صادق و امین مانتے تھے۔ سورۃ الانعام آیت نمبر ۳۳ میں ہے ﴿فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾ "پس بے شک یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے لیکن ظالم لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔" ابوجہل نے آنحضرت ﷺ کے منہ پر کہا تھا لَا نُكَذِّبُكَ وَلٰكِنْ نُكَذِّبُ بِالَّذِيْ جِئْتَ بِهٖ "ہم تجھے نہیں جھٹلاتے اور لیکن ہم جھٹلاتے ہیں اس کو جو آپ لے کر آئے ہیں۔" جو آپ سبق پڑھاتے ہیں وہ جھوٹا ہے۔

تو وہ کہتے تھے کہ مسئلہ توحید میں ترمیم کر پھر ہم مانیں گے۔ جواب دیا گیا ﴿قُلْ﴾ آپ ان کو کہہ دیں ﴿مَا يَكُوْنُ لِيْٓ﴾ نہیں ہے مجھے کوئی اختیار ﴿اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ﴾ یہ کہ میں تبدیل کروں اس کو اپنی طرف سے۔ یہ رب تعالیٰ کا کلام ہے اس نے نازل کیا ہے، جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے ہیں، میں اس میں تبدیلی کا قطعاً مجاز نہیں ہوں ﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ نہیں پیروی کرتا میں مگر اس چیز کی جو وحی کی جاتی ہے میری طرف۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیغام میری طرف آتا ہے میں اس کی پیروی کرتا ہوں اس کو بدلنے کا مجھے اختیار نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وہی کلام پاک ہے جو لوح محفوظ میں ہے وہاں سے جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے ہیں اور آپ ﷺ نے اُمت کے سامنے پیش کیا۔ الحمد للہ تعالیٰ! آج ہمارے سامنے وہی قرآن کریم موجود ہے۔

حلال و حرام کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے :

قرآن بنانا، شریعت بنانا پیغمبر کا کام نہیں۔ ابوجہل کی لڑکی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ منورہ

آئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو جویریہ کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے۔ کہنے لگے حضرت! ارادہ تو ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی! لَسْتُ اُحَرِّمُ حَلَالًا وَلَا اُحِلُّ حَرَامًا "جو چیز حلال ہے میں اس کو حرام نہیں کرسکتا اور جو چیز حرام ہے میں اس کو حلال نہیں کرسکتا۔" یہ رشتہ تیرے لیے حلال ہے مگر میں فاطمہ کا باپ ہوں اور بہ حیثیت باپ مجھے اپنی بیٹی کے متعلق کچھ فکر لاحق ہے۔ وہ یہ کہ میری بیٹی کا مزاج نرم ہے اور ابوجہل کے خاندان کا مزاج سخت ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ جس گھر میں مزاج ایک جیسے نہ ہوں تو وہ گھر عذاب بنا رہتا ہے، ہر وقت لڑائی رہتی ہے۔ اگر کوئی نہ مانے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ جس طرح میراثی کو کسی نے کہا تمہارا جھگڑا ختم کیوں نہیں ہوتا؟ کہنے لگا کہ ہم ایک دوسرے کی نوک جھوک کو سمجھتے ہیں۔

لہٰذا اگر تو نے اس کے ساتھ نکاح کرنا ہے تو میری بیٹی کو طلاق دے دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب طلاق کا لفظ سنا تو کہا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں اور نکاح نہیں کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دنیا سے رخصت ہوئی ہیں۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اور عورتوں کے ساتھ نکاح کیا۔ تمام عورتوں سے اکیس لڑکے اور انیس لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ بڑا گھرانا تھا۔ تو کسی شے کو حلال حرام کرنا رب تعالیٰ کا کام ہے پیغمبر کا کام نہیں ہے۔

ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا پیش کیا گیا اس کے ساتھ سلاد بھی تھا۔ جس طرح آج کل لوگ کھانے کے ساتھ سلاد پیش کرتے ہیں۔ اس میں پیاز، لہسن، مولیاں، ٹماٹر وغیرہ ہوتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی کھانا تو کھایا مگر سلاد نہ کھایا۔ کسی نے پوچھا حضرت! کیا یہ حرام ہے؟ فرمایا نہیں اللہ تعالیٰ نے اس کو حلال کیا ہے میں اس کو حرام نہیں کرسکتا لیکن اِنِّیْ اُنَاجِیْ مَنْ لَا تُنَاجِیْ "میں ان سے گفتگو کرتا ہوں جن سے تم گفتگو نہیں کرتے۔" یعنی میں فرشتوں سے گفتگو کرتا ہوں اور اس کے کھانے سے منہ سے بو آتی ہے اور فرشتے بو سے نفرت کرتے ہیں اور تمہاری طرف وحی تو نہیں آتی۔

تو فرمایا کہ میں اپنی طرف سے قرآن کریم میں ترمیم نہیں کرسکتا میں تو اس وحی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف کی جاتی ہے ﴿اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ﴾ بے شک میں ڈرتا ہوں اگر میں نے نافرمانی کی اپنے رب کی ڈرتا ہوں بڑے دن کے عذاب سے، مراد قیامت کا دن ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا ﴿مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ﴾ نہ تلاوت کرتا میں اس قرآن کی تم پر۔ رب چاہتا تو میرے اوپر نازل ہی نہ کرتا، مجھے نبی نہ بناتا، مجھے پڑھنے کا حکم نہ دیتا۔ کیوں کہ نبی بنانا رب تعالیٰ پر لازم تو نہیں ہے۔ یہ اس کی مہربانی ہے کہ اس نے نبی بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں، دنیا پیدا فرمائی، اس کا احسان ہے نہ پیدا کرتا تو اس کو کون پوچھ سکتا تھا۔ ایک وقت آئے گا کہ دنیا کو فنا کرے گا مگر فنا کرنا اس پر لازم نہیں ہے اس کی مرضی ہے۔ کیوں کہ کسی چیز کے لازم اور واجب ہونے سے مجبور ہو جاتا ہے اور اختیار ختم ہو جاتا ہے اور رب تعالیٰ کسی شے میں مجبور نہیں ہے۔

﴿وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ﴾ اور نہ پروردگار تمہیں بتاتا یہ قرآن پاک۔ سب کچھ رب تعالیٰ کے اختیار میں ہے میں تو اس کا

پیغمبر ہوں، اس کے حکموں کی تعمیل کرنے کے لیے آیا ہوں۔ اپنی طرف سے تبدیلی اور ترمیم کا اختیار نہیں رکھتا ﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ﴾ پس تحقیق میں ٹھہر (گزار) چکا ہوں تمہارے اندر عمر کا ایک حصہ اس سے پہلے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرافت وصداقت کے سب قائل تھے

چالیس سال کا عرصہ بڑا عرصہ ہوتا ہے اور وہ چالیس سال زندگی بھی ایسی کہ نہ ماں کی سرپرستی، نہ باپ، نہ دادا کی، نہ بھائی ہے، نہ بہن ہے، نہ مال و دولت ہے۔ ان حالات میں بچے عموماً آوارہ ہو جاتے ہیں۔ مگر یہاں حالت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ مکرمہ کی گلیوں سے گزرتے تو کیا مکہ کے سردار اور کیا غلام، کیا مرد اور کیا عورتیں، سب آپ کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے کہ ایسا شریف انسان ہم نے نہیں دیکھا اور مختلف علاقوں میں تجارت کے لیے جانے آنے والے لوگ یعنی جہان دیدہ لوگ جو کبھی یمن جا رہے ہیں، کبھی شام، کبھی کہیں اور کبھی کہیں، کہتے تھے کیسا انسان ہے کہ نگاہ پاک، دل پاک، زبان پاک اور پھر اس زمانے میں کہ لوگ شراب اس طرح پیتے تھے جس طرح یہاں لسی اور چائے پیتے ہیں اور اس پینے کو کوئی عیب نہیں سمجھتا۔ لیکن کیا مجال کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک نے کبھی شراب کا ایک قطرہ بھی چکھا ہو باوجود اس کے کہ اس وقت شراب حلال تھی۔ اور عقیدے کی مخالفت کے باوجود لوگ امانتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رکھتے تھے۔

اور مشرکوں کے بڑوں کی خیانت کا یہ عالم تھا کہ غسان کے بادشاہ نے کسی اہم کام کے لیے منت مانی تھی کہ اگر میرا کام ہو گیا تو میں سونے کا ہرن کعبۃ اللہ کے لیے نذرانہ پیش کروں گا۔ رب تعالیٰ نے اس کا کام کر دیا۔ اس نے سونے کا ہرن تیار کرا کے بھیج دیا۔ اس کے کارندے تاخیر سے پہنچے، لوگ آرام کر رہے تھے۔ متولیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حقیقی چچا ابولہب بھی تھا، یہ موجود تھا اس کو انھوں نے کہا کہ یہ کعبۃ اللہ کا نذرانہ ہے ہم سے وصول کر لو اور کعبۃ اللہ کی ضروریات پر صرف کر لو کیوں کہ ہم نے جلدی واپس جانا ہے۔ ابولہب نے وہ سونے کا ہرن وصول کیا اور ہڑپ کر گیا۔ اس کا دھواں تک نہ نکلنے دیا۔ اتنے بددیانت تھے اور ادھر دیکھو کہ زندگی پر کوئی انگلی نہیں رکھ سکتا۔ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت، شرافت، امانت اور دیانت پر کوئی انگشت نمائی نہیں کر سکتا)۔

﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا تم نہیں سمجھتے ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ پس کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جس نے افتراء باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا ﴿اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ﴾ یا جھٹلایا اس کی آیتوں کو۔ اللہ تعالیٰ پر افتراء یہ ہے کہ کوئی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے کہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا ہے، میں تو اللہ تعالیٰ کا سچا پیغمبر ہوں، میں اللہ تعالیٰ پر افتراء نہیں باندھ رہا اور نہ ہی میں قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی طرف غلط منسوب کر رہا ہوں بلکہ من وعن وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف نازل فرمایا ہے وہی قرآن میں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ میں اگر اللہ تعالیٰ کا پیغمبر نہ ہوتا میرے اوپر قرآن کریم نازل نہ ہوتا اور میں یہ دعویٰ کرتا تو مجھ سے بڑا کوئی ظالم نہ ہوتا اور یہ تو نہیں ہے لہٰذا اب تم سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہے کہ تم رب تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہو۔

فرمایا ایک علامت بھی تمھیں بتلا دیتے ہیں ﴿ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ نہیں فلاح پائیں گے مجرم۔ مجرم لوگ کبھی فلاح نہیں پا سکتے معلوم ہو جائے گا کہ کامیابی کس کو حاصل ہوتی ہے۔ اگر مجھے کامیابی حاصل ہوئی اور ہوگی کہ چند سالوں میں سارا عرب اسلام کے جھنڈے تلے آجائے گا تو پھر سب کو معلوم ہو جائے گا کہ مجرم کون ہے۔

﴿ وَیَعْبُدُوْنَ ﴾ اور وہ عبادت کرتے ہیں ﴿ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ سے ورے ورے (کے سوا) ﴿ مَا ﴾ اس مخلوق کی ﴿ لَا یَضُرُّهُمْ ﴾ جو ان کو نقصان نہیں پہنچا سکتی ﴿ وَلَا یَنْفَعُهُمْ ﴾ اور نہ ان کو نفع پہنچا سکتی ہے ﴿ وَیَقُوْلُوْنَ ﴾ اور وہ کہتے ہیں ﴿ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے پاس ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ ﴾ کیا تم بتاتے ہو اللہ تعالیٰ کو ﴿ بِمَا ﴾ وہ چیز ﴿ لَا یَعْلَمُ ﴾ جس کو وہ نہیں جانتا ﴿ فِی السَّمٰوٰتِ ﴾ آسمانوں میں ﴿ وَلَا فِی الْاَرْضِ ﴾ اور نہ زمین میں ﴿ سُبْحٰنَهٗ ﴾ اس کی ذات پاک ہے ﴿ وَتَعٰلٰی ﴾ اور بلند ہے ﴿ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴾ ان چیزوں سے جن کو اس کے ساتھ شریک بناتے ہو ﴿ وَمَا كَانَ النَّاسُ ﴾ اور نہیں تھے لوگ ﴿ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ مگر ایک ہی گروہ ﴿ فَاخْتَلَفُوْا ﴾ پس انھوں نے اختلاف کیا ﴿ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ ﴾ اور اگر نہ ہوتی ایک بات ﴿ سَبَقَتْ ﴾ جو طے ہو چکی ہے ﴿ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ تیرے رب کی طرف سے ﴿ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ ﴾ تو البتہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا ﴿ فِیْمَا ﴾ ان چیزوں میں ﴿ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴾ جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں ﴿ وَیَقُوْلُوْنَ ﴾ اور کہتے ہیں ﴿ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ ﴾ کیوں نہیں اُتاری گئی اس نبی پر ﴿ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ﴾ کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے ﴿ فَقُلْ ﴾ پس آپ کہہ دیں ﴿ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰهِ ﴾ پختہ بات ہے کہ غیب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ﴿ فَانْتَظِرُوْا ﴾ پس تم انتظار کرو ﴿ اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴾ میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

توحید بنیادی عقیدہ

قرآن پاک کے بنیادی اصول اور بنیادی عقائد میں سے ایک عقیدہ توحید بھی ہے۔ یعنی قرآن کریم میں جو اصول اور عقائد بیان کیے گئے ہیں ان میں سے ایک بنیادی عقیدہ توحید ہے۔ توحید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات وصفات اور افعال میں وحدہٗ لاشریک سمجھا جائے اور کسی فرشتے، کسی پیغمبر، کسی ولی اور شہید کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور افعال میں شریک نہ سمجھا جائے اور یہ بات بھی ذہن میں بٹھائیں کہ جس طرح توحید ایک بنیادی عقیدہ ہے اسی طرح شرک کا رد بھی بنیادی

عقیدہ ہے۔ کیوں کہ جب تک شرک کا رد نہیں کیا جائے گا توحید سمجھ نہیں آئے گی۔

چنانچہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے ایک مغالطے کو بیان فرمایا ہے اور ان کے عقیدہ کا رد فرمایا ہے اور یہ مغالطہ عامۃ الورود ہے جس میں پہلے زمانے کے مشرک بھی مبتلا تھے اور آج کل کے مشرک بھی۔ وہ یہ کہ جب مشرکوں سے کہا جاتا ہے کہ تم غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز کیوں دیتے ہو، ان کے نام کے چڑھاوے کیوں چڑھاتے ہو؟ یہ کوئی رب ہے؟ ان کی پوجا پاٹ کیوں کرتے ہو؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم کی ان پوجا پاٹ خدا سمجھ کر نہیں کرتے، نہ وہ خدا ہیں اور نہ ہی ہم ان کو رب مانتے ہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے بزرگ اور ولی ہیں، نیک اور پرہیز گار ہیں اور ہم بڑے گناہ گار ہیں ہماری اللہ تعالیٰ کی ذات تک رسائی اور پہنچ نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ اور ہمارے درمیان واسطہ ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے ہماری وہاں تک پہنچ نہیں ہے یہ رب تعالیٰ اور ہمارے درمیان رابطے کا ذریعہ ہیں۔ یہ رب تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے ہماری سیڑھیاں ہیں۔

پھر مثال دیتے ہیں کہ دیکھو! رعیت کا کوئی آدمی بادشاہ کو بغیر واسطہ کے نہیں مل سکتا وہ ملنے کے لیے رابطہ تلاش کرے گا، ڈی سی کا، کمشنر کا، وزیر اعلیٰ کا، گورنر کا، پھر کہیں وہ بادشاہ تک پہنچے گا ان کی سفارش کے ساتھ۔ تو ہم جو فرشتوں، نبیوں، شہیدوں اور ولیوں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں اور ان کی نذر و نیاز دیتے ہیں تو اس لیے کہ یہ ہم سے راضی اور خوش ہو کر رب تعالیٰ کے سامنے ہماری سفارش کریں (اور یہ بات ان میں سے وہ کرتے ہیں جو چالاک اور سمجھ دار ہیں۔ ورنہ جو عام ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اختیارات دیے ہوئے ہیں ان کے پاس خدائی اختیارات ہیں یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ تو ہم اس لیے ان کو خوش رکھتے ہیں تاکہ یہ ہم کو فائدہ پہنچائیں اور نقصان سے بچائیں۔ نواز بلوچ)

اقسامِ سفارش:

سفارش کے متعلق بھی سمجھ لیں کہ سفارش کی دو قسم ہیں۔ ایک ماتحت الاسباب سفارش کرنا اور ایک مافوق الاسباب سفارش کرنا ہے۔

ماتحت الاسباب کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً: دو آدمی زندہ موجود ہیں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں ان میں سے ایک دوسرے کو کہتا ہے کہ آپ میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میرا فلاں کام کر دے تو یہ دوسرا جو دعا کرے گا یہ اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش ہے اور ماتحت الاسباب ہے یہ شرعاً جائز ہے اور یہ دعا اپنے سے بڑے سے بھی کرائی جا سکتی ہے اور چھوٹے سے بھی۔ چند دن پہلے تم یہ حدیث سن چکے ہو کہ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمرہ کرنے کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ((يَا أُخَيَّ لَا تَنْسَنَا فِيْ دُعَائِكَ)) "اے میرے چھوٹے بھائی! اپنی دعا میں مجھے نہ بھولنا۔" یہ ماتحت الاسباب سفارش ہے۔

اور ایک ہے مافوق الاسباب سفارش۔ کہ ایک آدمی موجود نہیں ہے، سامنے نہیں ہے، اس کو کہے کہ تو رب تعالیٰ کے

سامنے سفارش کرو وہ میرا کام کردے۔مثلاً: کوئی کہے کہ اے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ آپ اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں کہ وہ میرا فلاں کام کردے۔اب دیکھو! شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہم سے ہزاروں میل دور بغداد میں اپنی قبر کے اندر موجود ہیں۔یہاں پر جو شخص یہ کہے گا تو وہ چند چیزوں کا نظریہ رکھتے ہوئے یہ کہے گا۔

①...... اس کا یہ عقیدہ ہوگا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ حاضر وناظر ہیں، مجھے دیکھ رہے ہیں اور میری بات سن رہے ہیں۔

②...... یا یہ نظریہ رکھے گا کہ وہ عالم الغیب ہیں جب میں ان کو پکارتا ہوں تو میری بات کو سنتے اور جانتے ہیں۔

③...... اور اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ نظریہ بھی رکھے گا کہ وہ تصرف فی الامور پر بھی قادر ہیں کہ میری بات سن کر آگے پہنچائیں گے۔

تو یہ مافوق الاسباب سفارش ہے اور یہی شرک کی بنیاد ہے۔

فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ: مَنْ قَالَ اَرْوَاحُ الْمَشَائِخِ حَاضِرَۃٌ تَعْلَمُ یَکْفُرُ "جس شخص نے کہا بزرگوں کی روحیں حاضر ہیں اور ہمارے حالات جانتی ہیں وہ کافر ہوا۔" حالاں کہ فقہائے کرام رحمہم اللہ کا طبقہ بڑا محتاط طبقہ ہے۔بلکہ مسائل کے متعلق شاید ہی کوئی اتنی احتیاط کرتا ہو۔کتنا محتاط طبقہ ہے؟

فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے ایک کلمہ بولا جس کے سو معانی بن سکتے ہیں اور سو میں سے ایک معنیٰ اسلام کا ہے اور ننانوے کفر یہ ہیں تو کہنے والے کو کافر نہ کہو کہ ممکن ہے اس نے اسلام والا معنیٰ مراد لیا ہو یعنی وہ ایک فیصد احتمال کو بھی رد نہیں کرتے۔اتنے محتاط لوگ ہیں۔لیکن ساتھ فرماتے ہیں کہ اگر بولنے والا شخص کفر کا معنیٰ متعین کرلے کہ میری مراد یہ ہے تو پھر وہ کافر ہے اور اس کو کافر نہ کہنے والا بھی کافر ہے۔یہ جو صلح کلی قسم کے لوگ ہوتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ کافر کو بھی کافر نہ کہو۔کیوں نہ کہیں کافر کو کافر، نہ کہنے والا تو خود کافر ہوجاتا ہے تو کافر کو کافر نہ کہہ کر خود کافر بنیں؟

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا عمل بیان فرمایا ہے ﴿وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ اور وہ عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ورے ورے۔وہ عبادت کبھی نذر ونیاز کی شکل میں ہے، کبھی سجدہ کرنے کی شکل میں ہے، کبھی طواف کرنے کی شکل میں ہے اور کبھی گیارھویں کی شکل میں ہے۔غیر اللہ کے نام پر کوئی چیز دینا یہ بھی اس کی عبادت کرنا ہے۔

﴿مَا لَا یَضُرُّھُمْ﴾ اس مخلوق کی جو ان کو نقصان نہیں پہنچا سکتی ﴿وَلَا یَنْفَعُھُمْ﴾ اور نہ ان کو نفع پہنچا سکتی ہے۔کیوں کہ نفع اور ضرر کا اختیار صرف رب تعالیٰ کو ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نفع، نقصان کا مالک نہیں ہے اور نہ ہی کوئی کسی کو نفع، نقصان پہنچا سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان کروایا: ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ [الاعراف: ۱۸۸] "میں اپنے نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں۔" اور فرمایا ان کو بھی سنا دیں: ﴿قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ [سورۃ الجن: ۲۱] "میں تمہارے لیے نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں۔" جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں تو: ؎

دیگراں چہ رسد

دوسرا کون مائی کالال ہے جس کو یہ اختیار ہو۔ تو یاد رکھنا! نہ فرشتے نفع، نقصان پہنچا سکتے ہیں، نہ پیغمبر، نہ صحابہ، نہ شہید، نہ ولی۔ نفع، نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

تو مشرکین غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے مختلف شکلوں میں، کبھی طواف، کبھی غلاف چڑھاتے، کبھی دیگیں اتارتے، کبھی بکرے چھترے کا چڑھاوا اور کہتے تھے کہ یہ ہم اس لیے کرتے ہیں کہ ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰی﴾ [سورۃ زمر: ۳] "نہیں عبادت کرتے ہم ان کی مگر اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب پہنچا دیں گے۔" یہ رب نہیں ہیں۔ ﴿وَیَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اور وہ کہتے ہیں یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے پاس۔ مافوق الاسباب جو سفارش ہے یہی شرک ہے۔

فتاویٰ بزازیہ، البحر الرائق وغیرہ جو فقہ کی مستند کتابیں ہیں ان میں یہ جزیہ موجود ہے کہ مَنْ قَالَ اَرْوَاحُ الْمَشَائِخِ حَاضِرَةٌ تَعْلَمُ یَكْفُرُ "جو شخص یہ کہے کہ بزرگوں کی روحیں حاضر و ناظر ہیں اور ہمارے حالات کو جانتی ہیں وہ کافر ہے۔" یہ بزرگوں کے متعلق حاضر و ناظر کا عقیدہ کفریہ ہے۔ اور بریلویوں میں کوئی ہوگا جس کا یہ نظریہ نہ ہو ورنہ سب کا یہی نظریہ ہے۔ اور بزرگوں کے بارے میں علم الغیب اور مختار کل کا نظریہ بھی رکھتے ہیں۔ ان کی صلاتوں میں تم یہ جملہ بھی سنتے ہو: اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا مُخْتَارَ مُلْكِ اللّٰهِ "کہ اللہ تعالیٰ کے تمام ملک کا اختیار تمھارے پاس ہے۔" اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی یہی نظریہ رکھتے ہیں۔

بھئی! سوال یہ ہے کہ اگر سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اختیار میں کچھ ہوتا تو پچھلے دنوں ۲۵، ۳۰ حکومتوں نے عراق پر حملہ کیا اور خود ان کے روضۂ اقدس پر بھی بمباری ہوئی اور بڑا نقصان ہوا اور اس کے خلاف احتجاج بھی ہوا اور انھوں نے معذرت بھی کی کہ غلطی سے ہوا ہے اور جانی نقصان بھی کافی ہوا جن میں فوجی بھی تھے اور غیر فوجی بھی تھے۔ حضرت کے اختیار میں ہوتا تو ان کی جانوں کو بچا نہ لیتے۔ یہاں تمھارے گھٹڑ میں آکر بچاتے ہیں وہاں نہیں بچاتے، یہ ان کی عجیب منطق ہے اور یہ لوگ حل مشکلات کے لیے وظائف پڑھتے ہیں یَا شیخ عبدالقادر جیلانی شَیْئًا لِلّٰهِ، یہ کفر ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ میں تفصیل ہے کہ عربی لغت کے اعتبار سے اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ لام معطیٰ لہٗ پر بھی داخل ہوتا ہے تو اس لحاظ سے اس جملے کا معنیٰ بنے گا اے شیخ عبدالقادر جیلانی! تم رب تعالیٰ کو کچھ دو۔ معاذ اللہ! رب منگتا ہوا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ دینے والے ہوئے۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم مجھے کوئی شے دو اللہ تعالیٰ کے واسطے سے دینا لینا تو تمھارا کام ہے رب تعالیٰ درمیان میں واسطہ ہے تو یہ بھی کفر ہے۔ ہاں اگر شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو واسطہ بناؤ اور مانگو رب تعالیٰ سے تو یہ جائز ہے۔ چنانچہ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ "تقویۃ الایمان" میں فرماتے ہیں کہ: "اگر کوئی یہ کہے کہ اے پروردگار! تو مجھے دے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے تو یہ جائز ہے۔" دینا تو رب تعالیٰ نے ہے یہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں، اور ہماری ان سے محبت ہے تو ان کے نیک ہونے کی وجہ سے جو وسیلہ ہوگا تو وہ توسل بالاعمال الصالحہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! ﴿اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ﴾ کیا تم بتاتے ہو اللہ تعالیٰ کو

﴿بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ﴾ وہ چیز جس کو وہ نہیں جانتا آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ رب تعالیٰ کو تو اپنا شریک نہ آسمانوں میں معلوم ہے نہ زمینوں میں۔ اگر کوئی اس کا شریک ہوتا تو اس کے علم میں تو ہوتا۔

اور ﴿اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ﴾ کی دوسری تفسیر اس طرح کرتے ہیں کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو خبر دیتے ہو اس مخلوق کی کہ وہ مخلوق نہیں جانتی آسمانوں میں اور نہ زمینوں میں۔ یعنی جس کو آسمانوں اور زمینوں کا علم نہیں ہے اس کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہو بتاؤ کس معنیٰ میں تم ان کو سفارشی بنا کر پکارتے ہو ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ اس کی ذات پاک ہے اور بلند ہے ان چیزوں سے جن کو اس کے ساتھ شریک بناتے ہو۔ فرمایا ﴿وَ مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ اور نہیں تھے لوگ مگر ایک ہی گروہ ﴿فَاخْتَلَفُوْا﴾ پس اُنھوں نے اختلاف کیا۔

شرک کی ابتداء کس طرح ہوئی ؟

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک سارے کے سارے لوگ دین کے اعتبار سے ایک تھے۔ پہلی مشرک قوم جو پیدا ہوئی وہ نوح علیہ السلام کی قوم ہے اور شرک کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ پانچ بزرگ تھے جن کے نام سورۃ نوح میں آتے ہیں وَد، سواع، یغوث، یعوق، نسر۔ حضرت ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وَد حضرت ادریس علیہ السلام کا لقب تھا اور باقی چار ان کے نیک بیٹے تھے اور کتاب التفسیر بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ هٰۤؤُلَاءِ اَسْمَاءُ رِجَالٍ صَالِحِيْنَ "یہ پانچ بزرگ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک بندوں کے نام ہیں۔" یہ لوگوں کی روحانی اور اخلاقی تربیت کرتے تھے، دین کی باتیں بتاتے تھے۔

اور یاد رکھنا! جس طرح جسم کی خوراک ہے اسی طرح روح کی بھی خوراک ہے۔ دیکھو! جن لوگوں کو درس سننے کی عادت ہے جس دن اُن کا درس رہ جائے ان کو افسوس ہوتا ہے اور وہ پریشان ہوتے ہیں کہ ان کو روح کی خوراک نہیں ملی۔ تو جب یہ بزرگ اللہ تعالیٰ والے دنیا سے رخصت ہو گئے تو لوگوں کو روحانی خوراک نہ ملی اور وہ پریشان ہو گئے اور اداس اداس رہنے لگے۔ ابلیس لعین بزرگانہ شکل ولباس میں آ پہنچا لوگ سر جھکائے ہوئے بیٹھے تھے۔ کہنے لگا کیا بات ہے کیوں پریشان ہو؟ اُنھوں نے بتایا کہ ہمارے بزرگ تھے ہمیں دین سمجھاتے، سکھاتے تھے، اچھی اچھی باتوں کی رہنمائی کرتے تھے وہ ہم سے رخصت ہو گئے ہیں تو ہمیں جو روحانی خوراک ملتی تھی وہ نہیں مل رہی اس لیے ہم پریشان ہیں۔

ابلیس نے کہا واقعی تمھارا صدمہ بجا ہے مگر وہ تو اب واپس نہیں آسکتے لہٰذا تم اس طرح کرو کہ ان کے مجسمے اور تصویریں بنا کر گھروں اور عبادت خانوں میں رکھ لو اور یوں سمجھو کہ وہ ہمارے اندر موجود ہیں اور اُس وقت جان دار چیز کی تصویر بنانا جائز تھی۔ یہ تو نہ کر سکا کہ ان کی عبادت کرواتا کیوں کہ یہ پختہ ذہن کے لوگ تھے انھوں نے مجسموں کو سجدہ نہیں کرنا تھا۔ ان سے صرف مجسمے اور تصویریں بنوائیں۔ جب یہ دنیا سے رخصت ہو گئے اور دوسری نسل آئی تو اس کو یہ سبق پڑھایا کہ تمہارے بڑے

ان کی پوجا کرتے تھے تو انھوں نے ان کی پوجا شروع کر دی۔ یہ پہلی مشرک قوم تھی دنیا میں جس نے شرک کی ابتداء کی اور ان کی طرف نوح علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ اس سے پہلے لوگ ایک ہی مذہب پر تھے، توحید پر تھے۔ اس طرح اُنھوں نے توحید میں اختلاف کیا۔

﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ﴾ اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو طے ہو چکی ہے تیرے رب کی طرف سے۔ وہ کون سی بات ہے؟ وہ یہ ہے کہ ہر قوم کے فنا اور تباہ ہونے کا ایک وقت مقرر ہے۔ اگر پہلے سے یہ بات طے نہ ہوتی تو جس وقت اُنھوں نے اختلاف شروع کیا تھا اسی وقت ان کو ختم کر دیا جاتا ﴿لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ﴾ تو البتہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا ﴿فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ﴾ ان چیزوں میں جن میں اختلاف کرتے ہیں اور سنو! ﴿وَيَقُولُونَ﴾ اور وہ کہتے ہیں ﴿لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ﴾ کیوں نہیں اتاری گئی اس نبی پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے۔

جس کو وہ نشانی سمجھتے تھے کہ صفا و مروہ کی چٹانیں سونا بن جائیں، اس کی کوٹھی سونے کی ہونی چاہیے، اس کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہونا چاہیے اور یہ بھی کہتے تھے کہ یہ اُڑ کر ہمارے سامنے آسمان کی طرف چلا جائے خالی ہاتھ اور وہاں سے کتاب لے کر آئے ﴿أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا﴾ [بنی اسرائیل: ۹۲] یا ہمارے سامنے رب تعالیٰ اور فرشتوں کو لا کھڑا کرے۔ آگے رب تعالیٰ ہو اور اس کے پیچھے فرشتے ہوں اور رب تعالیٰ کہے کہ واقعتاً یہ میرا پیغمبر ہے میں نے اس کو بھیجا ہے اور فرشتے رب تعالیٰ کی تائید کریں کہ ہمارا رب ٹھیک کہتا ہے پھر ہم مانیں گے۔ یہ تھیں ان کی منہ مانگی نشانیاں ورنہ اگر محض نشانیوں کی بات ہوتی تو قرآن کریم کوئی چھوٹی نشانی ہے کہ ساری دنیا اس کا مثل لانے سے عاجز ہے، اس کی ایک سورۃ کا مثل لانے سے عاجز ہے، چاند کا دو ٹکڑے ہونا نشانی نہیں تھی؟ درختوں کا چل کر آنا، پتھروں کا بولنا نشانی نہیں تھی؟ انگلیوں سے پانی کا نکلنا، تھوڑی چیز کا زیادہ ہو جانا نشانی نہیں ہے؟ نشانیاں تو بڑی تھیں مگر ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ ضد کا علاج تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے پاس بھی نہیں ہے۔ پھر کہتے تھے کہ آنی کب ہے؟

فرمایا ﴿فَقُلْ﴾ پس آپ کہہ دیں ان کو ﴿إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ﴾ پختہ بات ہے کہ غیب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ میں غیب دان نہیں ہوں رب تعالیٰ جانتا ہے کہ کب کوئی نشانی آنی ہے اس کی طرف سے اور سورۃ النحل آیت نمبر ۷۷ میں فرمایا ﴿وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ "اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے غیب آسمانوں اور زمین کا۔" اس کے سوا کوئی غیب دان نہیں ہے ﴿فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِينَ﴾ پس تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ دیکھو! نشانی کب نازل ہوتی ہے۔

پھر ان مکے والوں پر نشانی اس طرح آئی کہ رب تعالیٰ نے ان پر قحط سالی مسلط فرمائی۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ ان پر اتنی بھوک مسلط ہوئی کہ حَتّٰى اَكَلُوا الْمَيْتَةَ وَ الْجُلُوْدَ وَ الْعِظَامَ اُنھوں نے مردار، چمڑے اور ہڈیاں کھائیں کہ تم نافرمانی کرتے ہو رب تعالیٰ کی طرف سے نشانی آئی ہے۔ اور بخاری شریف میں روایت ہے کہ ابوسفیان وفد لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ تیری قوم اور برادری ہے۔ آپ نے ان کے لیے قحط سالی کی بددعا کی تھی

اب دعا کرو رب تعالیٰ حالات بدل دے۔ اس حد تک تسلیم کرتے تھے اور مانتے تھے مگر پرنالا اپنی جگہ پر ہے، ضد اسی طرح ہے۔ بھائی ضد کا دنیا میں کیا علاج ہے؟ اور ضد کی وجہ سے آدمی بہت سی چیزوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ضد سے بچائے۔

﴿وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً﴾ اور جب ہم چکھاتے ہیں لوگوں کو رحمت ﴿مِّنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ﴾ تکلیف کے بعد جو ان کو پہنچی ہے ﴿اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا﴾ تو اچانک وہ تدبیریں کرتے ہیں ہماری آیتوں کو گرانے کے لیے ﴿قُلِ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا﴾ اللہ تعالیٰ بہت جلد تدبیریں کرنے والا ہے ﴿اِنَّ رُسُلَنَا﴾ بے شک ہمارے فرشتے ﴿يَكْتُبُوْنَ﴾ لکھتے ہیں ﴿مَا تَمْكُرُوْنَ﴾ جو تم تدبیریں کرتے ہو ﴿هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ذات ہے جو چلاتی ہے تمھیں خشکی میں اور سمندر میں ﴿حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ﴾ یہاں تک کہ جب تم ہوتے ہو کشتیوں میں ﴿وَجَرَيْنَ بِهِمْ﴾ اور وہ کشتیاں ان لوگوں کو لے کر چلتی ہیں ﴿بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ﴾ خوشگوار ہوا کے ساتھ ﴿وَّفَرِحُوْا بِهَا﴾ اور وہ اس کے ساتھ خوش ہو جاتے ہیں ﴿جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ﴾ تو آ جاتی ہے ان پر ہوا بڑی تیز و تند ﴿وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ﴾ اور آتا ہے ان پر طوفان ہر طرف سے ﴿وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ﴾ اور وہ یقین کر لیتے ہیں کہ بے شک وہ گھیرے گئے ہیں ﴿دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خالص کرتے ہوئے اسی کے لیے دین ﴿لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ﴾ اگر تو نے ہمیں نجات دے دی اس مصیبت سے ﴿لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ البتہ ضرور ہم ہو جائیں گے شکر کرنے والوں میں سے ﴿فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ﴾ پس جب اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دی ﴿اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ اچانک وہ سرکشی کرتے ہیں زمین میں ﴿بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ ناحق ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے لوگو! ﴿اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ﴾ بے شک تمھاری سرکشی تمھاری جانوں پر پڑے گی ﴿مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ یہ سامان ہے دنیا کی زندگی کا ﴿ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ﴾ پھر ہماری طرف ہے تمہارا لوٹنا ﴿فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ پس ہم تمھیں خبر دیں گے اس کارروائی کی جو تم کرتے تھے۔

اس سے پہلی آیت کریمہ میں تھا کہ یہ منہ مانگی نشانیاں مانگتے ہیں یعنی ضد اور عناد کی وجہ سے ورنہ نشانیاں تو اللہ تعالیٰ نے بے شمار ظاہر فرمائی ہیں اگر تم نہیں مانتے تو پھر حتمی فیصلہ کے لیے تم بھی انتظار کرو اور میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کا منتظر ہوں۔

انسان کی دو حالتوں کا ذکر

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی دو حالتوں یعنی تکلیف اور راحت کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿وَ اِذَاۤ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً﴾ اور جب ہم چکھاتے ہیں لوگوں کو رحمت ﴿مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ﴾ تکلیف کے بعد جو ان کو پہنچی ہے ﴿اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِیْۤ اٰیَاتِنَا﴾ تو اچانک وہ تدبیریں کرتے ہیں ہماری آیتوں کو گرانے کے لیے۔ آدمی بیمار ہو جائے اور اپنی زندگی سے نا اُمید ہو جائے کہ ڈاکٹر بھی علاج کر کے تھک جائیں اور حکیم بھی کہ ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ہے تو آدمی دعائیں کرواتا ہے کہ میرے لیے دعا کرو اللہ تعالیٰ مجھے شفا دے اور اپنے دل میں بھی تہیہ کرتا ہے کہ میں نمازیں پڑھوں گا، روزے رکھوں گا، اچھے کام کروں گا، برائیوں سے بچوں گا اور اللہ تعالیٰ سے بڑے بڑے وعدے کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تو قادر مطلق ہے مجھے شفا دے دے میں یہ کروں گا وہ کروں گا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ شفا دے دیتا ہے، صحت مند اور طاقت ور ہو جاتا ہے کچھ دن گزرتے ہیں تو وہ سارے کیے ہوئے وعدے بھول جاتا ہے ﴿كَاَنْ لَّمْ یَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ﴾ پھر یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس کو کبھی رب تعالیٰ سے واسطہ ہی نہیں پڑا۔

انسان کتنا رنگ بدلتا ہے ہر آدمی کو اپنے اوپر غور کرنا چاہیے۔ انسان وہ ہے جو اپنی حقیقت کو سمجھے اور اپنی اوقات کو یاد رکھے۔ غربت کے بعد امیری آئی تو غربت کو نہ بھولے اور بیماری کے بعد تندرستی آئی ہے تو بیماری کو نہ بھولے تو ایسے شخص کی اصلاح ہوگی اور اگر سمجھے کہ:

پدرم سلطان بود

میرا باپ بادشاہ تھا اور میں خاندانی لینڈ لارڈ ہوں تو ایسے شخص کی کبھی اصلاح نہیں ہوتی۔ آج کئی لوگ ہیں کہ چار ٹکے آجانے کے بعد انھوں نے ذاتیں بدل لی ہیں۔

ذات بدلنا کبیرہ گناہ ہے

ذات کچھ ہے اور بتلاتے کچھ ہیں۔ مثلاً: نائی سے باجوہ بن گئے ہیں، کمہار سے گوندل بن گئے۔ یہ بڑا سخت گناہ ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس شخص نے اپنا نسب بدلا وہ جنت سے محروم ہو جائے گا، لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ۔ اپنے باپ دادا کی ذات کو اپنے لیے کیوں عار سمجھتے ہو۔ بھائی جائز کام سارے صحیح ہیں۔

انبیاء نے ہر جائز پیشہ اختیار کیا

اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے سارے کام کیے ہیں حضرت آدم علیہ السلام نے کھیتی باڑی بھی کی ہے اور کھڈی پر بیٹھ کر کپڑے بھی بُنے ہیں، حضرت داؤد علیہ السلام نے لوہاروں والا کام کیا ہے، حضرت زکریا علیہ السلام نے ترکھانوں والا کام کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائی ہیں اور دوسرے پیغمبر بھی بکریاں چراتے رہے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرانے کی مزدوری کی ہے۔ جائز پیشہ کوئی بھی ہو اس کے کرنے میں کیا حرج ہے؟ یہ سارے کام ایسے ہیں کہ ان کے بغیر دنیا کا نظام نہیں چل سکتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تکلیف جب دور ہو جاتی ہے تو ﴿اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا﴾ اچانک وہ تدبیریں کرتے ہیں ہماری آیتوں کو گرانے کے لیے ﴿قُلِ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا﴾ اللہ تعالیٰ بہت جلد تدبیریں کرنے والا ہے۔ تمھاری تدبیریں دھری رہ جائیں گی اور ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا اور جو وہ چاہے گا۔ آئے دن اخبارات میں پڑھتے رہتے ہو کہ شادی کے موقع پر دولھا بھی مر گیا اور راستے براتیے بھی مر گئے۔ خوشی میں گا رہے تھے کہ چار پائیاں مُردوں کی اٹھائی گئیں۔ انسان کو قطعاً کبھی بھی رب تعالیٰ کے ڈر سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے۔

فرمایا ﴿اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ﴾ بے شک ہمارے فرشتے لکھتے ہیں جو تدبیریں تم کرتے ہو۔ ہر آدمی کے ساتھ دو فرشتے دن کو ہوتے ہیں اور دو رات کو ہوتے ہیں۔ ان کو کراماً کاتبین کہتے ہیں۔ انسان جو لفظ بولتا ہے وہ لکھ لیتے ہیں ﴿يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ "اور وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔" سب تحریر میں آ رہا ہے اور سارا ریکارڈ محفوظ ہے، قیامت والے دن جب سامنے آئے گا تو انسان حیران ہوگا کہ فلاں فلاں چیز بھی لکھی ہوئی ہے۔ وہاں ہر آدمی اپنا نامۂ اعمال خود پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو پڑھنے کا ملکہ عطا فرمائیں گے۔ ارشاد ہوگا: ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ [سورۃ بنی اسرائیل: ۱۴] "پڑھ اپنی کتاب کافی ہے تیرا نفس آج کے دن تجھ پر محاسبہ کرنے والا۔" جب تھوڑا سا پڑھے گا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے أَظَلَمَكَ كَتَبَتِيْ "کیا میرے لکھنے والے فرشتوں نے زیادتی کی ہے؟" کہے گا نہیں۔ پھر کچھ پڑھے گا۔ سوال ہوگا کہ یہ مضمون تو نے خود پڑھا ہے کیا تیرے ساتھ زیادتی تو نہیں ہوئی؟ کہے گا نہیں بلکہ میں نے یہ سب کچھ کیا تھا۔ بھائی! یہ سب کچھ سامنے آنے والا ہے لہٰذا کبھی بھی رب تعالیٰ سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے اور رب تعالیٰ کے عذاب سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتوں کا ذکر

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے اور مشرکین کے شرکیہ نظریہ کا ذکر فرمایا ہے ﴿هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جو چلاتی ہے تمھیں خشکی میں اور سمندر میں۔ خشکی میں چلنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اونٹ، گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا فرمائے ہیں۔ اُس زمانے میں یہی سواریاں ہوتی تھیں۔ ان پر تم سوار ہوتے ہو اور غریب پیدل چلتے تھے۔ بہر حال یہ چلنے کی توفیق پیدل یا سواری پر رب تعالیٰ ہی نے تمھیں عطا فرمائی ہے۔ اور سمندر میں بھی تمھیں رب تعالیٰ ہی چلاتا ہے۔ اُس زمانے میں کشتیاں ہوتی تھیں جن پر لوگ سفر کرتے تھے ﴿حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ﴾ یہاں تک کہ جب تم ہوتے ہو کشتیوں میں ﴿وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ﴾ اور وہ کشتیاں ان کو لے کر چلتی ہیں خوشگوار ہوا کے ساتھ کہ بہ ظاہر ان کے غرق ہونے کا امکان نہیں ہوتا ﴿وَّفَرِحُوْا بِهَا﴾ اور وہ اس کے ساتھ خوش ہو جاتے ہیں کہ ہم جدھر جانا چاہتے ہیں ہوا کا رخ بھی اُدھر ہی ہے کشتیوں کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

اسی خوشی میں ہوتے ہیں کہ ﴿جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ﴾ تو آجاتی ہے ان پر ہوا بڑی تیز وتند ﴿وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ

مَكَانٍ﴾ اور آتا ہے ان پر طوفان ہر طرف سے۔ دائیں بائیں سے، آگے پیچھے سے ﴿وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ﴾ اور وہ یقین کر لیتے ہیں کہ بے شک وہ گھیرے گئے ہیں ان میں ان کا بچنا مشکل ہے۔ جب وہ زندگی سے نا اُمید ہو جاتے ہیں ﴿دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خالص کرتے ہوئے اسی کے لیے دین کو، خالص اسی پر یقین رکھتے ہوئے۔ اس حالت میں مکہ مکرمہ اور عرب کے مشرک سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں پکارتے تھے۔

مکہ مکرمہ کے بڑے مجرموں کا روپوش ہونا

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر دو روایتیں نقل فرمائی ہیں۔ ایک روایت نسائی شریف کی ہے کہ ہجرت کے آٹھویں سال رمضان المبارک کے مہینے میں مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو جو لوگ اپنے آپ کو بڑا مجرم سمجھتے تھے وہ روپوش ہو گئے۔ مثلاً: وحشی ابن حرب جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا مبارک حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا لیکن بعد میں یہ مسلمان ہو گئے تھے، رضی اللہ عنہ۔

ہبار ابن اسود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا پر ظلم کیا تھا۔ وہ اس طرح کہ یہ مردوں اور عورتوں کے قافلے کے ساتھ مدینہ طیبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے جا رہی تھیں۔ ہبار ابن اسود رشتے میں خسر لگتا تھا، حقیقی خسر نہیں تھا۔ کہنے لگا تو کہاں جا رہی ہے؟ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اپنے خاوند (محصر ابوالعاص ابن ربیع) کی اجازت سے اباجی کو ملنے جا رہی ہوں۔ کہنے لگا تجھے کوئی اجازت نہیں ہے۔ انھوں نے کہا میرے ساتھ کوئی بات نہ کرو اگر بات کرنی ہے تو میرے خاوند سے کرو۔ کہنے لگا کوئی اجازت نہیں ہے ان کی ٹانگ سے پکڑ کر پیچھے کھینچا وہ اونٹ سے نیچے گر گئیں پیٹ میں بچہ تھا حمل ضائع ہو گیا اور بیمار ہو گئیں۔ جس نے ایسی حرکت کی ہو اس کو تو خطرہ ہوتا ہے کہ میں نے جرم کیا ہے تو یہ بھی بھاگ گیا۔ بعد میں یہ بھی مسلمان ہو گیا تھا، رضی اللہ عنہ۔

ابو جہل کا بیٹا عکرمہ بھی بھاگ گیا تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد سارے کفریہ کام یہی کرتا تھا لیکن بعد میں مسلمان ہو گیا تھا، رضی اللہ عنہ۔ اسی طرح صفوان ابن امیہ بڑا ہوشیار قسم کا آدمی تھا اور بڑا فراخ دل تھا خود پیچھے رہتا تھا، ہتھیار اور رقم کافروں کو مہیا کرتا تھا ان کا بڑا معاون تھا یہ بھی بھاگ گیا۔ اس وقت جدہ شہر نہیں تھا یہ بعد میں آباد ہوا ہے اور مکہ مکرمہ سے بینتالیس میل کے فاصلے پر ہے اور بندرگاہ ہے۔ اس زمانے میں کعبۃ اللہ کے دروازے کی سیدھ پر تیس میل کے فاصلے پر سمندر کے کنارے کشتیاں کھڑی ہوتی تھیں اور وہاں کچھ جھونپڑیاں تھیں اگر کسی نے حبشہ وغیرہ جانا ہوتا تھا تو وہاں سے کشتیوں پر سوار ہو کے جاتے تھے۔ جھونپڑیوں میں لوگ رہتے تھے، دودھ، ستو اور کھجوریں بیچتے تھے۔ اس زمانے میں یہی چیزیں ہوتی تھیں۔ عکرمہ نے دیکھا کہ اب عرب میں مجھے پناہ نہیں مل سکتی کیوں کہ سارے عرب میں اسلام کا جھنڈا لہرا دیا گیا ہے لہٰذا میں حبشہ چلا جاؤں حالات سازگار ہوئے تو واپس آ جاؤں گا ورنہ وہیں رہوں گا۔

مشرکین مکہ انتہائی مشکل میں صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے

اتفاق کی بات ہے کہ جب یہ وہاں پہنچا تو کشتی تیار تھی اور لوگوں کے ساتھ یہ بھی سوار ہو گیا۔ کشتی جب پانچ چھ میل کا سفر کر چکی تو اچانک سخت طوفان آ گیا کشتی کے سواروں میں سے کسی نے کہا یَامَنَاتُ اَغِثْنِیْ اے منات! میری مدد کر، کسی نے کہا یَاعُزّٰی اَغِثْنِیْ اے عزیٰ! میری مدد کر، کسی نے کہا یَا لَاتُ اَغِثْنِیْ اے لات! میری مدد کر۔ ہر ایک نے اپنے اپنے معبود کو پکارنا شروع کیا۔ کشتی بانوں یعنی ملاحوں نے کہا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ پکارو فَاِنَّ اٰلِھَتَکُمْ لَا تُغْنِ ھٰھُنَا شَیْئًا " بے شک تمھارے خدا یہاں کام نہیں آ سکتے۔" یہاں صرف رب تعالیٰ کو پکارو، یہاں اگر بچانا ہے تو صرف رب نے بچانا ہے۔ یہاں اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ لات، منات اور عزیٰ کسی نے ٹانگ نہیں اڑائی۔ حالاں کہ ملاح بھی مشرک تھے۔

عکرمہ نے کہا کہ اگر یہاں ہمارے خدا کچھ نہیں کر سکتے تو خشکی میں کیا کرتے ہیں۔ یہی سبق تو ہمیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیتے ہیں کہ صرف ایک رب کو پکارو اور کسی کو نہ پکارو! میں رب تعالیٰ کو گواہ بنا کے کہتا ہوں کہ اگر میں بچ گیا تو ضرور میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دوں گا یعنی ان کی بیعت کروں گا۔ تو اس وقت کے مشرکوں کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ انتہائی مشکل میں صرف رب تعالیٰ کو پکارتے تھے ﴿دَعَوُا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ﴾ پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خالص کرتے ہوئے اسی کے لیے پکار کو۔

آج کل کے مشرک مشرکینِ مکہ سے بھی آگے ہیں

لیکن آج کل کا مشرک کہتا ہے۔

بگرداب بلا افتاد کشتی
مدد کن یا معین الدین چشتی

یا بہاؤ الحق بیڑا دھک

امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن
در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبد القادر

العیاذ باللہ، یقین جانو! یہ لوگ مشرک ہیں اور مشرکین مکہ سے ایک نمبر آگے ہیں۔ یہ ایک نمبر کے مشرک ہیں۔ مشرک کو کوئی سینگ نہیں لگا ہوتا وہ ہماری طرح کا انسان ہوتا ہے۔ ساتھیو! شرک سے بچو یہ اتنی بری چیز ہے کہ اس کے چند قطرے بھی نیکیوں میں پڑ گئے تو ساری نیکیاں تباہ ہو جائیں گی۔

تو خیر عکرمہ نے کہا کہ اگر ہمارے خدا ہمیں یہاں نہیں بچا سکتے تو باہر بھی نہیں بچا سکتے لہٰذا کشتی واپس کرو، ملاح کشتی واپس لے آئے۔ عکرمہ نے دیکھا کہ اس کی بیوی اُم حکیم بغل میں کوئی چیز چھپائے کنارے پر کھڑی ہے۔ یہ بڑا حیران ہوا کہ یہ

یہاں کس طرح اور کیوں آئی ہے؟ اس کی بیوی نے کہا خیریت ہے پریشانی والی کوئی بات نہیں ہے، میں تجھے بلانے کے لیے آئی تھی جب یہاں پہنچی تو کشتی جا چکی تھی۔ میں حیران تھی کہ معلوم نہیں اب چھ ماہ بعد آئے یا سال بعد مگر تم جلدی واپس آگئے ہو۔

عکرمہ نے کہا خیر ہے مکہ والوں کا کیا بنا؟ اس کی بیوی نے کہا مکے والے بڑے خوش ہیں۔ حضرت محمد ﷺ نے صفا کی چٹان پر کھڑے ہو کر لوگوں کو بلایا، مرد، عورتیں، بچے اور بوڑھے سب آگئے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو ان کے جرائم بتائے کہ فلاں موقع پر تم نے یہ کیا، فلاں موقع پر تم نے میرے ساتھ یہ زیادتی کی، میرے فلاں فلاں ساتھی کو شہید کیا، فلاں عورت کو شہید کیا۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا، حضرت حارث ابن ہالہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند کے بیٹے تھے جن کو مشرکوں نے شہید کیا تھا، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ فلاں وقت تم نے یہ کیا، فلاں وقت تم نے یہ کیا۔

جب آپ ﷺ جرائم بیان کرتے جا رہے تھے یقین ہوتا جا رہا تھا کہ ہمیں کبھی معافی نہیں ملے گی لیکن آپ ﷺ نے جرائم بیان کرنے کے بعد فرمایا مکے والو! تمھیں معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ کیا ہونا چاہیے؟ سب کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں وہی کچھ کہوں گا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو کہا تھا ﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ [سورۃ یوسف:۹۲] "نہیں ملامت آج کے دن تم پر۔" میں نے تم سب کو معاف کر دیا کسی کو کچھ نہیں کہوں گا۔

اُم حکیم فرماتی ہیں کہ میں آپ ﷺ کے قریب ہوئی اور کہا کہ مجھے جانتے ہو؟ فرمایا ہاں! تو ام حکیم ہے۔ کہنے لگی میرا خاوند عکرمہ بھاگا ہوا ہے اس کے لیے پناہ ہے؟ فرمایا ہاں! اس کے لیے پناہ ہے، وحشی ابن حرب بھاگا ہوا ہے اس کے لیے پناہ ہے؟ فرمایا ہاں! اس کے لیے بھی پناہ ہے۔ ہبار بن اسود کا بھتیجا آیا کہ حضرت! میرے چچا کو بھی پناہ ہے؟ فرمایا اس کو بھی پناہ ہے، صفوان ابن اُمیہ کا پوتا آیا کہ اس کو بھی پناہ ہے؟ فرمایا اس کو بھی پناہ ہے۔

اُم حکیم فرماتی ہیں کہ میں نے کہا میرا خاوند یقین نہیں کرے گا آپ کوئی نشانی دے دیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے کالے رنگ کی پگڑی باندھی ہوئی تھی عَمَامَةٌ سَوْدَاءُ۔ آپ ﷺ نے اپنی پگڑی اُتار کر دے دی اور فرمایا کہ سب جانتے ہیں کالی پگڑی میری ہے۔ کہنے لگی میں آپ ﷺ کی پگڑی لے کر آئی ہوں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اُونٹ پر سوار ہو کر آئی تھی اسی پر دونوں سوار ہو کر واپس گئے۔ روایات میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب دروازے سے دیکھا کہ عکرمہ آرہا ہے تو اس کی دل جوئی کی خاطر اُٹھے اور فرمایا: مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ کہ اب تو رب تعالیٰ کے رسول کی طرف ہجرت کر کے آیا ہے۔

تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مشرک جب انتہائی مشکل میں پھنستے تھے تو خالص اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے اور کیا دعائیں کرتے تھے؟ ﴿لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ اگر تو نے ہمیں نجات دے دی اس مصیبت سے تو البتہ ضرور ہم ہو جائیں گے شکر کرنے والوں میں سے ﴿فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ﴾ پس جب اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دیتا ہے ﴿اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ تو اچانک وہ سرکشی کرتے ہیں زمین میں ﴿بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ ناحق کہ دریا میں تو اکیلے رب تعالیٰ کو پکارتے ہیں اور باہر

آ کر کہتے ہیں فلاں نے بچا لیا، فلاں نے بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ﴾ اے لوگو! ﴿اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ﴾ بے شک تمہاری سرکشی تمہاری جانوں پر پڑے گی۔ رب تعالیٰ کا کیا بگڑے گا بگڑے گا تو تمہارا ہی ﴿مَّتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ یہ سامان ہے دنیا کی زندگی کا، فائدہ اٹھالو ﴿ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُكُمْ﴾ پھر ہماری طرف ہے تم کا لوٹنا، آنا تو ہمارے پاس ہی ہے نا! ﴿فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ پس ہم تمھیں خبردیں گے اس کارروائی کی جو تم کرتے تھے۔ ہم سب کچھ جانتے ہیں کہ تم کیا کرتے ہو۔

﴿اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ پختہ بات ہے مثال دنیا کی زندگی کی ﴿كَمَآءٍ﴾ ایسے ہی ہے جیسے پانی ﴿اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ﴾ جسے نازل کیا ہم نے آسمان سے ﴿فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ﴾ پس مل گیا اس کے ساتھ زمین کا سبزہ ﴿مِمَّا یَاْكُلُ النَّاسُ وَ الْاَنْعَامُ﴾ جس کو کھاتے ہیں لوگ اور جانور ﴿حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ﴾ یہاں تک کہ جب پکڑ لیتی ہے زمین ﴿زُخْرُفَهَا﴾ اپنی رونق ﴿وَ ازَّیَّنَتْ﴾ اور زمین مزین ہو جاتی ہے ﴿وَ ظَنَّ اَهْلُهَاۤ﴾ اور گمان کرتے ہیں زمین کے رہنے والے ﴿اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَاۤ﴾ کہ بے شک وہ اس پر قادر ہیں ﴿اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا﴾ تو آیا اس پر ہمارا حکم رات کو یا دن کو ﴿فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا﴾ پس ہم نے کر دیا اس کو کٹی ہوئی کھیتی ﴿كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ﴾ گویا کہ وہ نہیں تھی کل وہاں ﴿كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ﴾ اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیتیں ﴿لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ ایسی قوم کے لیے جو فکر کرتی ہے ﴿وَ اللّٰهُ یَدْعُوْۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ﴾ اور اللہ تعالیٰ دعوت دیتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف ﴿وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ﴿اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ سیدھے راستے کی طرف ﴿لِلَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے ﴿اَحْسَنُوا﴾ جو نیکی کرتے ہیں ﴿الْحُسْنٰى﴾ اچھائی ہوگی ﴿وَ زِیَادَةٌ﴾ اور مزید کچھ ہوگا ﴿وَ لَا یَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ﴾ اور نہیں چڑھے گی ان کے چہرے پر ﴿قَتَرٌ وَّ لَا ذِلَّةٌ﴾ سیاہی اور نہ ذلت ﴿اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ﴾ یہی لوگ ہیں جنت والے ﴿هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ وہ جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿وَ الَّذِیْنَ كَسَبُوا السَّیِّاٰتِ﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے کمائی ہیں برائیاں ﴿جَزَآءُ سَیِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا﴾ بدلہ برائی کا اس جیسا ہی ہوگا ﴿وَ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ﴾ اور چھا جائے گی ان پر ذلت ﴿مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ نہیں ہوگا ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے ﴿مِنْ عَاصِمٍ﴾ کوئی بچانے والا ﴿كَاَنَّمَاۤ اُغْشِیَتْ وُجُوْهُهُمْ﴾ گویا کہ ڈھانپ دیئے گئے ہیں ان کے چہرے ﴿قِطَعًا مِّنَ الَّیْلِ مُظْلِمًا﴾ رات کے ٹکڑوں کے ساتھ جو کالی رات ہے ﴿اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ یہی لوگ ہیں دوزخ والے ﴿هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

دُنیاوی زندگی کی بے ثباتی

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کا ناپائیدار ہونا سمجھایا ہے اور بتایا کہ مخلوق کی زندگی ہمیشہ کی نہیں ہے یہ ہیشگی کی صفت صرف رب تعالیٰ کو حاصل ہے کہ اس پر کبھی فنا نہیں آئے گی۔ سورۃ الرحمٰن میں ہے ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝﴾ "جو کوئی بھی ہے زمین میں فنا ہونے والا ہے اور باقی رہے گی تیرے پروردگار کی ذات جو بزرگی اور عظمت والا ہے۔" لہٰذا دنیا کی زندگی کو عارضی سمجھو دائمی نہ سمجھو۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ مثال کے ذریعے سمجھاتے ہیں۔

فرمایا ﴿اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ پختہ بات ہے مثال دنیا کی زندگی کی ﴿كَمَآءٍ﴾ ایسے ہی ہے جیسے پانی ہے ﴿اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ﴾ جس کو ہم نے نازل کیا آسمان سے کہ بارش برسی ﴿فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ﴾ پس مل گیا اس پانی کے ساتھ زمین کا سبزہ ﴿مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ﴾ جس کو کھاتے ہیں لوگ جیسے ساگ، مولی اور ٹماٹر وغیرہ سبزیاں جو انسان کھاتے ہیں ﴿وَالْاَنْعَامُ﴾ اور جانور کھاتے ہیں۔ پہلے زمین پر کوئی چیز نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بارش ہوتی ہے جس سے چارا اور فصلیں پیدا ہوتی ہیں اور جانور کھاتے ہیں ﴿حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا﴾ یہاں تک کہ جب زمین پکڑ لیتی ہے اپنی رونق ﴿وَازَّيَّنَتْ﴾ اور مزین ہو جاتی ہے ﴿وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ﴾ اور گمان کرتے ہیں زمین پر رہنے والے کہ وہ بے شک اس پر قادر ہیں کاٹنے کے لیے ﴿اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا﴾ تو آیا اس پر ہمارا حکم عذاب کا رات کو یا دن کو ﴿فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا﴾ پس ہم نے کر دیا اس کو کٹی ہوئی کھیتی ﴿كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ﴾ گویا کہ وہ نہیں تھی کل وہاں، سیلاب آیا سب کو بہا کر لے گیا، آگ آئی سب کو جلا کے رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب نے سرسبز زمین کو کھنڈر بنا دیا ایسے ہی تم زندگی کو سمجھو یہ زندگی بھی ایک سبزی کی طرح ہے آدمی ہمیشہ جوان نہیں رہتا یہ زوال پذیر مخلوق ہے، بچپن، جوانی، بڑھاپا۔

بعض خوابوں کی تعبیر

اس آیت کریمہ کی روشنی میں علم تعبیر الرؤیا والے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص خواب میں پانی دیکھے تو اس سے مراد زندگی ہوگی، زیادہ پانی دیکھے تو زیادہ زندگی مراد ہوگی اور اگر کم پانی دیکھے تو کم زندگی مراد ہوگی، صاف پانی دیکھے تو صاف زندگی ہوگی اور اگر میلا کچیلا پانی دیکھے تو تکلیف دہ زندگی ہوگی اور اگر خواب میں دودھ دیکھے تو اس سے مراد علم ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا خواب میں میں نے دیکھا کہ میرے سامنے دودھ کا پیالہ پیش کیا گیا میں نے وہ دودھ پیا پھر وہ پیالہ میں نے عمر ابن خطاب کو پکڑا دیا انھوں نے خود بھی پیا اور لوگوں میں بھی تقسیم کیا۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا حضرت! دودھ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا علم مراد ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے جو علم حاصل کیا تھا اس کو اپنی خلافت کے دور میں دنیا میں پھیلا دیا۔

حضور ﷺ جب دنیا سے رخصت ہوئے تو مسلمانوں کی تعداد

آنحضرت ﷺ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ڈیڑھ لاکھ کے قریب تھی۔

بعض حضرات نے ایک لاکھ چالیس ہزار اور بعض نے ایک لاکھ چوالیس ہزار بھی لکھی ہے۔ بہر حال ڈیڑھ لاکھ پورے نہیں تھے۔

لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دنیا سے رخصت ہوئے اس وقت کلمہ پڑھنے والوں کی تعداد چھ کروڑ تھی۔ مصر فتح ہوا، عراق فتح ہوا، روم کا کافی علاقہ فتح ہوا۔ یہ تقریباً تیئیس [۲۳] لاکھ مربع میل کا رقبہ بنتا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں فتح ہوا سرزمین عرب کے علاوہ۔ اور انھوں نے مؤذن اور امام مقرر کیے، مساجد میں تعلیم کا نظام شروع کیا اور پڑھانے والوں کے وظائف مقرر کیے اور پورا انتظام فرمایا۔

مسجدوں کی روشنی اور چٹائیوں کی ابتداء

پہلے مسجدوں میں چٹائیاں نہیں ہوتی تھیں، کوئی شوقین ہوتا تھا تو اپنا مصلیٰ چادر گھر سے ساتھ لاتا اور اس پر نماز پڑھ لیتا تھا ورنہ صرف زمین پر نماز پڑھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے کہ گرد وغبار کپڑوں کو لگتا ہے تو انہوں نے مسجدوں میں صفوں کا انتظام کروایا۔ تو مسجدوں میں چٹائیاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں شروع ہوئی ہیں۔ اسی طرح پہلے مسجدوں میں روشنی کا انتظام بھی نہیں ہوتا تھا یہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں شروع ہوا۔ اس کی صورت یہ پیش آئی کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں پہلے عیسائی تھے پھر مسلمان ہوئے، یہ سحری کے وقت مسجد میں تشریف لائے اندھیرا تھا کسی آدمی سے ٹکرا گئے، آگے چلے تو دوسرا کھڑا تھا اس کو ٹکر لگی مسجد نبوی میں تہجد پڑھنے کے لیے لوگ آجاتے تھے۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے خیال کیا کہ مجھے ٹکر لگی ہے تو اوروں کو بھی لگتی ہوگی لہٰذا مسجد میں چراغ کا انتظام کیوں نہ کر لیا جائے؟ چنانچہ اُنھوں نے محراب کے پاس دو اینٹیں رکھیں اور ان پر مٹی کا چراغ رکھ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فجر کی سنتیں گھر پڑھ کر تشریف لاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی معمول تھا۔ صبح کی نماز اس زمانے میں جلدی ہوتی تھی کیوں کہ سارے ہی تہجد پڑھنے والے ہوتے تھے اذان ہوتے ہی سارے مسجد میں پہنچ جاتے تھے اور آج صورتِ حال یہ ہے کہ جب صبح کی اذان ہوتی ہے تو ہم آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھتے ہیں پھر قضائے حاجت سے فارغ ہو کر وضو کرتے ہیں کافی وقت لگ جاتا ہے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سنتیں پڑھ کر آئے تو اُنھوں نے دیکھا کہ مسجد میں خلافِ معمول روشنی ہے۔ پوچھا: مَنْ وَضَعَهَا هٰهُنَا یہ چراغ یہاں کس نے رکھا ہے؟ قدرتی طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قد بھی بڑا تھا اور آواز بھی کھڑاک (رعب) والی تھی۔ کوئی نہ بولا تو پھر ذرا غصے سے کہا: مَنْ وَضَعَهَا هٰهُنَا پھر کوئی نہ بولا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نَوَّرَ اللّٰهُ قَبْرَهٗ كَمَا نَوَّرَ مَسْجِدَنَا "اللہ تعالیٰ چراغ رکھنے والے کی قبر کو روشن کرے جس طرح اس نے ہماری مسجد کو روشن کیا ہے۔" یہ لفظ سنتے ہی حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بولے کہ حضرت! چراغ میں نے رکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ضرورت کے مطابق مسجد میں روشنی ہونی چاہیے ضرورت سے زیادہ اسراف ہوگا۔

تو یہ سارے انتظامات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئے۔ اور وہ دودھ کا پیالہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا تھا اور پھر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیا تھا اس سے مراد علم اور دین تھا اور وہ اس طرح پھیلا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾ اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیتیں ایسی قوم کے لیے جو فکر کرتی ہے۔

جنت سلامتی کا گھر ؟

﴿ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ دعوت دیتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف۔ جنت کا نام دارالسلام بھی ہے اس لیے کہ جس وقت جنتی جنت میں داخل ہوں گے تو فرشتے کہیں گے سَلَامٌ عَلَيْكُمْ سلام ہو تم پر، اندر قدم رکھیں گے تو حوریں سلام کریں گی وہاں جو بچے ہوں گے غلمان ہوں گے وہ سلام کریں گے حتی کہ ﴿ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴾ رب تعالیٰ کی ذات بھی اپنے بندوں کو سلام کہے گی۔ اور اس لیے بھی دارالسلام ہے کہ وہاں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی، نہ بخار، نہ سردرد، نہ نزلہ زکام، نہ پیٹ درد، نہ جھگڑا فساد، یہ جتنی بیماریاں اور شرارتیں دنیا میں ہیں سب ختم ہو جائیں گی، آرام ہی آرام، سکون ہی سکون ہوگا۔

﴿ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف۔ اور ہدایت دیتا کن لوگوں کو ہے ﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾ [سورۃ عنکبوت:۶۹] "اور وہ لوگ جنھوں نے کوشش کی ہمارے لیے ہم ضرور راہنمائی کریں گے ان کی اپنے راستوں کی طرف۔" جو اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کی کوشش کرتے ہیں، نیکی کے کام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔ اور جو غلط راستے پر چلتے ہیں ﴿ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ﴾ [سورۃ صف:۵] "جب وہ ٹیڑھے راستے پر چل پڑے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے۔" زبردستی اللہ تعالیٰ نہ کسی کو ایمان دیتا ہے اور نہ گمراہ کرتا ہے۔ قادرِ مطلق ہے چاہے تو اس طرح بھی کر سکتا ہے لیکن اس طرح کرتا نہیں ہے۔

یاد رکھنا! صراط مستقیم پر قائم رہنا بڑی چیز ہے ہم ہر نماز میں کہتے ہیں ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴾ "چلا ہمیں سیدھے راستے پر راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام کیا ہے۔" اور جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے وہ پیغمبر ہیں، صدیق ہیں، شہید ہیں، صالحین ہیں۔ ﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ﴾ ان لوگوں کے لیے جو نیکی کرتے ہیں بھلائی ہوگی اور مزید کچھ اور ہوگا۔

زیادہ کی تین تفسیریں ؟

اور مفسرین کرام رحمہم اللہ اس کا یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں جو آدمی ایمان کی حالت میں اخلاص کے ساتھ اتباعِ سنت پہ عمل کرے گا اس کو ایک نیکی کا بدلہ دس گنا ملے گا۔

﴿ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ﴾ [الانعام:۱۶۰] قاعدے کے تحت نیکی اس نے ایک کی ہے اور رب تعالیٰ نے نو مزید دے دیں۔ مسلمان مسلمان بھائی کو کہے السلام علیکم! تو اللہ تعالیٰ دس نیکیاں بھی دیتا ہے اور ایک صغیرہ گناہ بھی معاف کرتا ہے اور ایک درجہ بھی بڑھا دیتا ہے۔ ایک دفعہ الحمدللہ! کہنے سے دس نیکیاں مل گئیں۔ قرآن کریم پڑھتا ہے ﴿ الٓمّٓ ﴾۔ تو الف کی دس نیکیاں الگ، لام کی دس نیکیاں الگ اور میم کی دس نیکیاں الگ، تیس نیکیاں مل گئیں۔ پڑھنے والے کو اور سننے والے کو بھی اتنی ہی مل جاتی

ہیں اور نیکی فی سبیل اللہ کی مد میں ہو تو ایک کے بدلے کم از کم سات سو ہیں۔

جو آدمی گھر سے اس نیت کے ساتھ چلا کہ میں دین سیکھوں گا اور اس کی نشر و اشاعت کروں گا اس کا ہر قدم فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔ ایک روپیہ خرچ کرے گا سات سو کا ثواب ملے گا ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ "اور اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے۔" اور یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ ان لوگوں کے لیے جنھوں نے نیکی کی جنت ہے اور زیادہ ہوگی یعنی اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوگی۔ چنانچہ مسلم شریف اور ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ زیادہ سے مراد دیدارِ خداوندی ہے۔ جو کسی کو ایک دن میں دو دفعہ ہوگا، کسی کو ایک دفعہ، کسی کو ہفتے کے بعد ہوگا اس دیدار سے جو خوشی اور لذت ہوگی وہ آدمی وہیں سمجھے گا یہاں نہیں سمجھ سکتا۔

مسلمانوں کے چہرے منور ہوں گے

﴿وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ﴾ اور نہیں چڑھے گی ان کے چہرے پر سیاہی اور نہ ذلت۔ ﴿قَتَرٌ﴾ تارکول کو کہتے ہیں، لُک جو سڑکوں پر ڈالی جاتی ہے، مراد سیاہی ہے۔ اور کافروں کے بارے میں آتا ہے ﴿تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ﴾ "ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔" اور نافرمانوں کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ ﴿خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ﴾ [القلم: ۴۳] "آنکھیں ان کی جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت سوار ہوگی۔" ایمان والوں کے چہرے منور اور ہشاش بشاش ہوں گے۔

﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ﴾ یہی لوگ ہیں جنت والے ﴿هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ وہ جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے کمائی ہیں برائیاں ﴿جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا﴾ برائی کا بدلہ اس جیسا ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھو کہ ایک نیکی پر دس گنا اجر ملتا ہے اور بُرائی ایک کی دو نہیں ہوتیں، ایک ہی رہے گی۔ دس دفعہ سبحان اللہ! کہو تو سو نیکیاں درج ہوتی ہیں اور دس برائیاں کرو تو دس ہی لکھی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھو! اتنا کچھ ہوتے بھی انسان جنت سے محروم رہے تو واقعی بڑا بدقسمت ہے۔

﴿وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ﴾ اور چھا جائے گی ان پر ذلت ﴿مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ﴾ نہیں ہوگا ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی بچانے والا۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ان کو کوئی چھڑانے والا نہیں ہوگا ﴿كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا﴾ گویا کہ ڈھانپ دیے گئے ہیں ان کے چہرے رات کے ٹکڑوں کے ساتھ جو کالی رات ہے۔ ان کے چہرے ایسے کالے سیاہ ہوں گے جیسے کالی رات کے ٹکڑے اُتار کر ان کے چہروں پر لگا دیے گئے ہیں، بڑی بُری شکلیں ہوں گی ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ یہی لوگ ہیں دوزخ والے ﴿هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دوزخ کے کاموں سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ [آمین]

﴿وَ یَوۡمَ نَحۡشُرُهُمۡ جَمِیۡعًا﴾ اور جس دن ہم جمع کریں گے ان سب کو ﴿ثُمَّ نَقُوۡلُ﴾ پھر کہیں گے ﴿لِلَّذِیۡنَ اَشۡرَكُوۡا﴾ ان لوگوں کو جنھوں نے شرک کیا ﴿مَكَانَكُمۡ﴾ اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو ﴿اَنۡتُمۡ وَ شُرَكَآؤُكُمۡ﴾ تم اور تمہارے شریک بھی ﴿فَزَیَّلۡنَا بَیۡنَهُمۡ﴾ پھر ہم ان کو الگ الگ کر دیں گے ﴿وَ قَالَ شُرَكَآؤُهُمۡ﴾ اور کہیں گے ان کے شریک ﴿مَّا كُنۡتُمۡ اِیَّانَا تَعۡبُدُوۡنَ﴾ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے ﴿فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیۡدًۢا بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَكُمۡ﴾ پس کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ ہمارے اور تمھارے درمیان ﴿اِنۡ كُنَّا عَنۡ عِبَادَتِكُمۡ لَغٰفِلِیۡنَ﴾ بے شک ہم تمہاری عبادت سے بے خبر تھے ﴿هُنَالِكَ تَبۡلُوۡا كُلُّ نَفۡسٍ﴾ اس مقام پر جانچ لے گا ہر نفس ﴿مَّاۤ اَسۡلَفَتۡ﴾ جو اس نے آگے بھیجا ہے ﴿وَ رُدُّوۡۤا اِلَى اللّٰهِ﴾ اور لوٹائے جائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿مَوۡلٰىهُمُ الۡحَقِّ﴾ جو ان کا سچا آقا ہے ﴿وَ ضَلَّ عَنۡهُمۡ﴾ اور غائب ہو جائے گی ان سے وہ چیز ﴿مَّا كَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ﴾ جو افتراء باندھتے رہے تھے ﴿قُلۡ﴾ آپ کہہ دیں ﴿مَنۡ یَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ﴾ کون رزق دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے ﴿اَمَّنۡ یَّمۡلِكُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ﴾ آیا کون ہے مالک کانوں کا اور آنکھوں کا ﴿وَ مَنۡ یُّخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ﴾ اور کون ہے جو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے ﴿وَ یُخۡرِجُ الۡمَیِّتَ مِنَ الۡحَیِّ﴾ اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے ﴿وَ مَنۡ یُّدَبِّرُ الۡاَمۡرَ﴾ اور کون سب معاملات کی تدبیر کرتا ہے ﴿فَسَیَقُوۡلُوۡنَ اللّٰهُ﴾ پس یقیناً وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ ہی ہے ﴿فَقُلۡ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ﴾ پس آپ کہہ دیں پھر تم شرک سے کیوں نہیں بچتے ﴿فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ﴾ پس یہی ہے اللہ تعالیٰ ﴿رَبُّكُمُ الۡحَقُّ﴾ تمھارا سچا پروردگار ﴿فَمَاذَا بَعۡدَ الۡحَقِّ﴾ پس کیا ہے حق کے بعد ﴿اِلَّا الضَّلٰلُ﴾ سوائے گمراہی کے ﴿فَاَنّٰى تُصۡرَفُوۡنَ﴾ پس کدھر اُلٹے پھیرے جا رہے ہو۔

میدانِ محشر میں مشرکوں کی رسوائی

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ یَوۡمَ نَحۡشُرُهُمۡ جَمِیۡعًا﴾ اور جس دن ہم جمع کریں گے ان سب کو۔ حشر کا معنیٰ ہے اکٹھا کرنا، جمع کرنا اور نشر کا معنیٰ بکھیرنا۔ قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت ہوگی، اللہ تعالیٰ سب کو جمع کریں گے۔ ﴿ثُمَّ نَقُوۡلُ لِلَّذِیۡنَ اَشۡرَكُوۡا﴾ پھر ہم کہیں گے ان لوگوں کو جنھوں نے شرک کیا ﴿مَكَانَكُمۡ﴾ اپنی اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو ﴿اَنۡتُمۡ وَ شُرَكَآؤُكُمۡ﴾ تم اور تمھارے شریک بھی کہ جن کو تم نے رب تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا تھا۔ کچھ وقت کے لیے سب اکٹھے ہوں گے ایک دوسرے کی شکلیں، صورتیں، قد و قامت دیکھیں گے، ایک دوسرے کی شناخت کر لیں گے پھر رب تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ الگ الگ ہو جاؤ۔

فرمایا ﴿فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ﴾ پھر ہم ان کو الگ الگ کر دیں گے۔ جو مشرک عبادت کرنے والے تھے علیحدہ اور جن کو معبود بنایا تھا وہ علیحدہ، درجہ بندی ہو گی ﴿وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ﴾ اور کہیں گے ان کے شریک۔ جن کو رب تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا تھا ﴿مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ﴾ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے ﴿فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ پس کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ ہمارے تمھارے درمیان ﴿اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ﴾ بے شک ہم تمہاری عبادت سے غافل اور بے خبر تھے۔ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ تم نے کس کی عبادت کی ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ یہ معبود کون ہیں جو اپنی عبادت کے منکر ہوں گے؟ تو تفسیروں میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ بت تھے جن کی عبادت کی گئی ہے تو ظاہر بات ہے کہ بت بے حس وحرکت ہوتا ہے اس کو کیا معلوم کہ کوئی کیا کر رہا ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے ہیں جیسے حضرت عزیر، حضرت عیسیٰ، حضرت مریم علیہم السلام وغیرہم کہ ان کی بھی عبادت کی گئی ہے، ان کو بھی لوگوں نے الٰہ بنایا ہے، فرشتوں کو بھی الٰہ بنایا گیا ہے ان کی بھی پوجا کی گئی ہے۔

تو یہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ گواہ ہے ہمیں نہیں معلوم کہ تم نے کس کی عبادت کی ہے۔ ہم نے تو اپنی عبادت کا کسی کو نہیں کہا۔ یہ جو کچھ تم کرتے رہے ہو ہمارے حکم سے نہیں کیا اور نہ ہی ہمیں تمھاری عبادت کا کوئی پتا ہے۔ کیوں کہ یہ تو سارے اپنی اپنی جگہ آرام فرما رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوسرے آسمان پر زندہ موجود ہیں ان کو کیا معلوم کہ زمین پر عیسائی کیا کر رہے ہیں، حضرت عزیر علیہ السلام اپنی جگہ جنت میں آرام فرما ہیں ان کو کیا معلوم کہ پیچھے یہودی ان کی پوجا کر رہے ہیں، حضرت مریم علیہا السلام اپنی جگہ آرام فرما ہیں ان کو کیا معلوم کہ پیچھے کیا ہو رہا ہے۔ اور ہر فرشتہ ہر آدمی کے ساتھ نہیں ہوتا جہاں جس کی ڈیوٹی ہے وہیں ہوتا ہے اور غیب کا علم فرشتوں کو بھی نہیں ہے۔ وہ اپنی اپنی جگہ پر ہیں ان کو کیا معلوم کہ لوگ ہمارے بارے میں کیا کہتے اور کرتے ہیں۔

اور معبودانِ باطلہ جنھوں نے اپنی عبادتیں کروائی ہیں وہ بھی انکار کریں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی خواہشات کے پیچھے لگے ہوئے تھے تو اس طرح سارے ہی عبادت کرنے والوں کی عبادت کا انکار کر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ﴾ اس مقام پر جانچ لے گا ہر نفس جو اس نے آگے بھیجا ہے۔ نیکیاں بھیجی ہیں وہ بھی سامنے آ جائیں گی، برائیاں بھیجیں ہیں وہ بھی سامنے آ جائیں گی، توحید سامنے آئی گی، شرک سامنے آئے گا، سنت پر عمل سامنے آئے گا، بدعت سامنے آئی گی۔ سب اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہوں گے ایک بھی ایسا نہیں ہو گا جو اس عدالت سے غائب یا غیر حاضر ہو۔

﴿وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ﴾ اور لوٹائے جائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف جو ان کا سچا آقا ہے ﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ اور غائب ہو جائے گی ان سے وہ چیز جو افتراء باندھتے رہے تھے۔ نہ شرک کام آئے گا، نہ مال، نہ اولاد کام آئے گی، نہ گروہ، نہ پارٹی کام آئے گی۔ غرضیکہ کوئی شے کام نہیں آئے گی صرف حق ہی حق کام آئے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

مشرک بنیادی طور پر ساری چیزوں کو مانتے ہیں۔ عام طور پر جاہل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مشرک اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے یا مشرک یہ کہتے ہیں کہ ہمارا خالق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ہے، ایسا نہیں ہے۔ مشرکوں کا عقیدہ سنو!

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں، اے نبی کریم ﷺ! آپ ان سے پوچھیں ﴿مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ کون رزق دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے۔ آسمان سے رزق دینے کا مطلب یہ ہے کہ اُوپر سے بارش برستی ہے جس سے فصلیں پیدا ہوتی ہیں، سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں جس سے فصلیں بڑھتی اور پکتی ہیں، چاند کی مدھم روشنی کا بھی فصلوں پر اثر پڑتا ہے، ستاروں کی روشنی کا بھی فصلوں اور پھلوں پر اثر پڑتا ہے، ہوا اُوپر سے آتی ہے اس کا بھی فصلوں پر اثر پڑتا ہے اور بالفعل فصلیں اور پھل زمین سے اُگتے ہیں۔ تم زمین میں دانے بکھیر کر آ جاتے ہو، یہ دانے کون اُگاتا ہے، ان کو فصلیں کون بناتا ہے؟ تو ایک سوال یہ ہے کہ زمین اور آسمان سے تمھیں رزق کون دیتا ہے؟

دوسرا سوال ﴿اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ﴾ کون ہے مالک کانوں کا اور آنکھوں کا۔ کانوں میں سننے اور آنکھوں میں دیکھنے کی طاقت کس نے رکھی ہے؟ ساتویں پارے میں ہے ﴿اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ﴾ [الانعام:۴۶] "اگر اللہ تعالیٰ لے لے تمھارے کان اور تمھاری آنکھیں اور مہر لگا دے تمھارے دلوں پر تو کون ہے معبود اللہ تعالیٰ کے سوا جو لائے تمھارے پاس اس چیز کو۔" اگر اللہ تعالیٰ تمھارے کان، آنکھیں اور دل چھین لے تو اور کون ہے جو تمھیں یہ چیزیں دے گا۔

مردہ سے زندہ، زندہ سے مردہ پیدا کرنے کا مطلب و معنی ؟

تیسرا سوال ﴿وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے، انڈہ بے جان ہے اس سے چوزہ اور منی کا قطرہ بے جان ہے اس سے بچہ کون پیدا کرتا ہے؟ کافر سے مومن اور جاہل سے عالم پیدا ہوتا ہے ﴿وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾ مردہ سے زندہ پیدا کرنے والا کون ہے؟ انسان زندہ ہے اس سے رب تعالیٰ نے منی پیدا فرمائی جس سے آگے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ مرغی سے انڈا پیدا ہوتا ہے اس میں بہ ظاہر جان نہیں ہوتی۔ حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں ان کا بیٹا کنعان کافر ہے تو مومن سے کافر کس نے پیدا کیا؟ کئی عالم ایسے ہیں کہ ان کی اولاد اَجْهَلُ النَّاس ہے۔

تو عالم سے جاہل پیدا کرنے والا کون ہے؟ یہ اُن مشرکوں سے پوچھا ہے۔ خلاصہ کلام ﴿وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ﴾ اور کون سب معاملات کی تدبیر کرتا ہے؟ جہان کے سارے نظام کو چلانے والا کون ہے ﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ﴾ پس یقیناً وہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یہ ان سارے کاموں کے بارے میں مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے اور اٹھارھویں پارے میں آتا ہے ﴿قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ﴾ "آپ کہہ دیں کس کے لیے ہے زمین اور جو کچھ اس کے اندر ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم کچھ جانتے ہو۔"

مشرک بنیادی طور پر اختیارات صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مانتے تھے

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ کون ہے رب سات آسمانوں کا اور کون ہے مالک عرش عظیم کا ﴿سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ﴾ تو کہیں گے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔

﴿قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ پس آپ کہہ دیں پھر تم شرک سے کیوں نہیں بچتے؟ ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ کون ہے جس کے قبضہ قدرت میں ہے بادشاہی ہر چیز کی اور پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں پناہ نہیں دی جا سکتی اگر تم جانتے ہو ﴿سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ﴾ [سورۃ مومنون] تو کہیں گے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ یہ سارا کچھ جانتے ہیں پھر بھی مشرک ہیں اور ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ﴾ کا جملہ بڑا جامع ہے کہ کام کی تدبیر کون کرتا ہے؟ آسمان سے زمین تک، مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک، جہان میں جو کچھ ہوتا ہے کون کرتا ہے؟ پس مشرک کہیں گے کہ اللہ ہی کرتا ہے۔ یہ عقیدہ تھا مشرکین مکہ کا اور آج حالت یہ ہے کہ احمد رضا خان اپنی کتاب حدائق بخشش میں لکھتے ہیں ؎

ذی تصرف بھی ہے، ماذون بھی ہے، مختار بھی ہے
کارِ عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر

"دنیا کا سارا نظام شیخ عبدالقادر جیلانی چلا رہے ہیں۔" [ص ۱۹، ج دوم]

اور حصہ دوم میں لکھتے ہیں ؎

احد سے احمد، احمد سے تجھ کو
کن اور سب کن مکن حاصل ہیں یا غوث

یعنی اللہ تعالیٰ نے سب خدائی اختیارات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے دیے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ سارے خدائی اختیارات شیخ عبدالقادر جیلانی کو دے دیے ہیں۔ اُوہ! خدا کی پناہ کیا یہ اسلام ہے؟ اور اگر یہ اسلام ہے تو کفر اور شرک کس بلا کا نام ہے؟ مکہ اور عرب کے سکہ بند مشرکوں سے پوچھا جاتا ہے کہ بتلاؤ تمھیں آسمان اور زمین سے روزی کون دیتا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ کانوں کا مالک کون ہے، آنکھوں کا مالک کون ہے، کہتے ہیں اللہ تعالیٰ ہے، مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کون پیدا کرتا ہے؟ تو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کرتا ہے، یہ تو مشرک ہیں اور جو کہیں یہ سارے کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عبدالقادر جیلانی کرتے ہیں وہ موحد ہوں۔ الٹی گنگا ہے خدا کی پناہ۔ ذاتی طور پر ہمیں کسی سے کوئی عداوت نہیں ہے لیکن یہ جو اسلام کا نقشہ بدل کر رکھ دیا ہے اس کی ہم اجازت نہیں دیں گے۔ اور یہ جو کچھ میں نے بتایا ہے کسی عام آدمی کی بات نہیں ہے۔ احمد رضا خان بریلویوں کا امام ہے۔ اس نے کہا ہے: ؎

ذی تصرف بھی ہے، ماذون بھی، مختار بھی ہے
کارِ عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر

اور اس نے کتاب "الامن والعلی" [صفحہ ۱۰۸] میں لکھا ہے کہ: "سورج طلوع نہیں کرتا جب تک ان کے نائب، ان کے وارث، ان کے فرزند، ان کے دل بند، غوث الثقلین، غوث الکونین، حضور پُرنور، سیدنا ومولانا، امام ابواحمد شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ پر سلام نہ کرے۔" لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ سوال یہ ہے کہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی ولادت ہوئی ہے ۴۹۰ھ میں اور ان کی وفات ہوئی ہے ۵۶۱ھ میں۔ تو کیا ۴۹۰ھ سے پہلے سورج طلوع ہوتا تھا یا نہیں؟ اگر ہوتا تھا اور یقیناً طلوع ہوتا تھا تو اس وقت کس کو سلام کر کے چلتا تھا؟ کچھ تو خدا کا خوف کرو۔ سورج پر بھی ان کی بادشاہی ہوئی اور چاند پر بھی ان کی بادشاہ ہوئی اور ہر چیز پر ان کا قبضہ اور کنٹرول ہے اور اسی لیے کہتے ہو: ؎

امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن

در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادر

یہ مسجدوں میں سارا شرک جس کو مٹانے کے لیے قرآن آیا ہے۔ یہ آیات اچھی طرح سمجھو اور گھروں میں عورتوں کو سمجھاؤ، خود پڑھو سمجھو، عورتوں اور بچوں کو پڑھاؤ اور سمجھاؤ ﴿قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ پس آپ کہہ دیں پھر تم شرک سے نہیں بچتے اور کہتے ہو ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ "یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔" یہ جس کے بارے میں تم اقرار کرتے ہو کہ وہ تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے، کانوں، آنکھوں کا مالک ہے، زندہ کو مردہ سے، مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور ساری کائنات کے نظام کو چلانے والا ہے۔ ﴿فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ﴾ پس یہی ہے اللہ تعالیٰ تمہارا سچا پروردگار ﴿فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ﴾ پس کیا ہے حق کے بعد سوائے گمراہی کے ﴿فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ﴾ پس کدھر اُلٹے پھرے جا رہے ہو کچھ تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ ساتھیو! قرآن تمھارے سامنے ہے یہ سب کچھ ماننے کے باوجود وہ مشرک تھے اور اب یہ سب کچھ کرنے کے باوجود موحد ہیں۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

﴿كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ﴾ اسی طرح لازم ہو چکا ہے فیصلہ تیرے رب کا ﴿عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا﴾ ان لوگوں پر جنھوں نے نافرمانی کی ﴿اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ کہ بے شک وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ﴾ کیا ہے کوئی تمہارے شریکوں میں سے ﴿مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ﴾ جو ابتداءً مخلوق کو پیدا کرتا ہے ﴿ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ پھر اس کو دوبارہ لوٹائے ﴿قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ آپ کہہ دیں اللہ ہی ابتداءً مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر وہ اس کو دوبارہ لوٹائے گا ﴿فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴾ پس تم کدھر الٹے پھیرے جا رہے ہو ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ﴾ کیا تمھارے شریکوں میں سے کوئی ہے ﴿مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ﴾ جو راہنمائی کرے حق کی طرف ﴿قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ﴾ آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ہی راہنمائی کرتا ہے حق کی ﴿اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ

﴿اِلَى الْحَقِّ﴾ کیا پس وہ جو ہدایت دیتا ہے حق کی طرف ﴿اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ﴾ زیادہ حق دار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے ﴿اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْٓ﴾ یا وہ جو ہدایت نہیں پا سکتا ﴿اِلَّآ اَنْ یُّهْدٰی﴾ مگر یہ کہ اس کو ہدایت دی جائے ﴿فَمَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ﴾ پس کیا ہو گیا ہے تمھیں تم کیسا فیصلہ کرتے ہو ﴿وَمَا یَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ﴾ اور نہیں پیروی کرتے ان میں سے اکثر ﴿اِلَّا ظَنًّا﴾ مگر گمان کی ﴿اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔا﴾ بے شک گمان نہیں کفایت کرتا حق کے سامنے کچھ بھی ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ﴿وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ﴾ اور نہیں ہے یہ قرآن ﴿اَنْ یُّفْتَرٰی﴾ کہ گھڑا جائے ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿وَلٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ﴾ اور لیکن تصدیق ہے اس چیز کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہے ﴿وَتَفْصِیْلَ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ﴾ اور یہ تفصیل ہے کتاب کی نہیں شک اس میں ﴿مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ کہ رب العالمین کی طرف سے ہے ﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ﴾ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی نے اس قرآن کو گھڑ لیا ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ﴾ پس لاؤ ایک چھوٹی سورت اس جیسی ﴿وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ﴾ اور بلاؤ جس کو بھی طاقت رکھتے ہو ﴿مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ اگر ہو تم سچے۔

مشرکین بزرگوں کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے سیڑھیاں بناتے تھے

گزشتہ درس میں تم نے پڑھا اور سنا کہ مشرکین اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ تمام بنیادی چیزوں کا مالک خالق اللہ تعالیٰ ہے اور تمام معاملات کا نظام چلانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور یہ ساری باتیں تسلیم کرنے کے باوجود وہ شرک میں مبتلا تھے اور کہتے تھے کہ بیشک یہ تمام کام رب تعالیٰ کرتا ہے مگر وہ ہم سے بہت دور ہے اور ہم بہت پست ہیں ہمیں رب تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے سیڑھی کی ضرورت ہے اور سیڑھی اور زینے کے بغیر ہم رب تک نہیں پہنچ سکتے۔

جن بابوں کی ہم پوجا کرتے ہیں یہ رب نہیں ہیں، زمین و آسمان کے خالق نہیں ہیں رب تعالیٰ نے ہمیں جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں آنکھ، کان، دل وغیرہ یہ ہمیں نہیں دے سکتے یہ سارے کام رب تعالیٰ کے ہیں یہ صرف ہمیں رب تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰی﴾ [سورۃ زمر: ۳] "ہم تو ان کو اس واسطے پکارتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے قریب پہنچا دیں درجہ میں۔" یہ اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں، مقبول ہیں یہ ہمیں رب تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں، یہ ہماری فریادیں اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں۔ اب غور کرو کہ جس کو تم مافوق الاسباب سفارشی مانو گے تو اس کے لیے غیب کی صفت بھی ماننی پڑے گی کہ وہ ہمارے حالات سے واقف ہے اور یہی کفر ہے۔ پھر اس کو حاضر و ناظر بھی ماننا پڑے گا کہ وہ میرے حالات کو دیکھتا ہے اور یہی کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ ﴾ اسی طرح لازم ہو چکا ہے فیصلہ تیرے رب کا ﴿ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا ﴾ ان لوگوں پر جنھوں نے نافرمانی کی ہے کہ سب کچھ جانتے اور مانتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتے ہیں تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ لازم ہو گیا ہے کہ ﴿ اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ کہ بے شک وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

ہر چیز کو پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے

﴿ قُلْ ﴾ اے نبی کریم ﷺ! آپ ان سے کہہ دیں، ان سے پوچھیں ﴿ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ ﴾ کیا ہے کوئی تمھارے شریکوں میں سے ﴿ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ﴾ جو ابتداءً مخلوق کو پیدا کرتا ہو پھر دوبارہ اس کو لوٹائے۔ ابتداءً انسان، جنات، فرشتے، حیوانات وغیرہ کو پیدا کیا ہو پھر قیامت والے دن دوبارہ اس کو لوٹائے، تمہارے خداؤں میں سے ہے کوئی جو یہ کام کرے؟ ﴿ قُلِ ﴾ آپ ہی کہہ دیں ﴿ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ﴾ اللہ ہی مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر وہ اس کو دوبارہ لوٹائے گا ﴿ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴾ پس تم کدھر اُلٹے پھیرے جا رہے ہو۔

﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ ﴾ کیا تمھارے شریکوں میں سے کوئی ہے۔ جن کو تم نے خدا کا شریک بنایا ہوا ہے ﴿ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ﴾ جو راہنمائی کرے حق کی طرف۔ حق کو سمجھنے کے لیے جو چیزیں درکار ہیں مثلاً: عقل ہے، کان ہیں کہ ان کے ذریعے سنتا ہے، آنکھیں ہیں ان کے ذریعے دیکھتا ہے، دل ہے جس کے ذریعے سوچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہے جو تمھیں یہ چیزیں دے؟ کتابوں کے ذریعہ ہدایت ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کتابیں کسی نے نازل کی ہیں؟ پیغمبروں کے ذریعہ ہدایت ملتی ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نے پیغمبر بھیجے ہیں؟

﴿ قُلِ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ﴾ اللہ تعالیٰ ہی راہنمائی کرتا ہے حق کی۔ اب تم خود فیصلہ کرو ﴿ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ﴾ کیا پس وہ جو ہدایت دیتا ہے حق کی طرف ﴿ اَحَقُّ ﴾ زیادہ حق دار ہے ﴿ اَنْ يُّتَّبَعَ ﴾ کہ اس کی پیروی کی جائے ﴿ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ ﴾ یا وہ جو ہدایت نہیں پا سکتا ﴿ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ﴾ مگر یہ کہ اس کو ہدایت دی جائے۔ یعنی ایک وہ ہے جو ہدایت دیتا ہے، ہدایت کے اسباب پیدا کرتا ہے اور ایک وہ ہے کہ اگر رب تعالیٰ ہدایت نہ دے تو اس کو ہدایت نہیں مل سکتی۔ تو کس کی بات ماننی ہے؟ جو خود ہدایت نہیں پا سکتا اس کی بات ماننی ہے یا اس کی جو ہدایت دے سکتا ہے۔ مگر یہاں تو بڑی مصیبت ہے کہ مشرکوں نے سب حدود پار کر لی ہیں۔ ایک غالی نے کہا ہے ؎

دل ملا، آنکھیں ملیں، ایمان ملا
جو ملا تجھ سے ملا احمد رضا
کون دیتا ہے مجھے کس نے دیا
جو دیا تو نے دیا احمد رضا

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ یہ عقائد رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ اسلام ہے۔ بھئی! اگر یہ اسلام ہے تو پھر کفر کس بلا کا نام ہے؟

﴿فَمَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ﴾ پس کیا ہوگیا ہے تمھیں تم کیسا فیصلہ کرتے ہو؟ یاد رکھنا! عقیدہ بڑی اور اصل چیز ہے۔ صحیح عقیدے کو اپنانا ہی بڑی بات ہے۔ ﴿وَمَا یَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا﴾ اور نہیں پیروی کرتے ان میں سے اکثر مگر گمان کی۔ اکثریت اپنے گمان پر چلتی ہے۔ حق کو ماننے والے دنیا میں بہت تھوڑے لوگ ہیں اور ضابطہ یہ ہے ﴿اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا﴾ بے شک گمان نہیں کفایت کرتا حق کے سامنے کچھ بھی۔ گمان سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی۔

منکرین حدیث کا عوام الناس کو دھوکا دینا

منکرین حدیث اس آیت کریمہ سے عوام الناس کو مغالطہ دیتے ہیں۔ ان کا مغالطہ بھی سمجھ لو۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن کہتا ہے ﴿اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا﴾ "کہ بے شک گمان نہیں کفایت کرتا حق کے سامنے کچھ بھی۔" اور احادیث ظنی ہیں اس لیے ہم نہیں مانتے۔ یاد رکھنا! ان کا یہ دعویٰ بالکل باطل ہے۔ کیوں کہ سب احادیث ظنی نہیں ہیں۔ احادیث قطعی بھی ہیں۔ جو احادیث متواتر ہیں قرآن کریم کی طرح قطعی ہیں۔ اور تواتر کی چار قسمیں ہیں۔

① ..... تواتر لفظی ② ..... تواتر معنوی

③ ..... تواتر طبقہ ④ ..... تواتر توارث

ان میں سے کسی بھی قسم سے ہو وہ قطعی ہے۔ اور احادیث کا بیشتر حصہ قطعی ہے۔ البتہ خبر واحد ظنی ہوتی ہے وہ عقیدہ کے لیے کفایت نہیں کرتی۔ یعنی اس سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔ لیکن عمل کے لیے وہ بھی کافی ہے اور ساری احادیث کو ظنی کہہ کر ٹھکرا دینا پرلے درجے کی جہالت ہے اور منکرینِ حدیث کا فتنہ بھی آج کل بڑے زوروں پر ہے۔ اُنھوں نے کویت میں فتور ڈالا ہوا ہے کہ حدیث کوئی شے نہیں ہے۔ علمائے کرام کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے اُنھوں نے وہاں ان کا مقابلہ کیا اور عوام کو بتلایا ہے کہ یہ لوگ مسلمان نہیں۔ اور حکومت کو بھی بتلایا ہے کہ یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں تو حکومت نے ان پر پابندی لگا دی۔

برطانیہ میں ان لوگوں کا بڑا زور ہے، پاکستان میں بھی ہیں۔ غلام احمد پرویز ان کا بڑا ہے اور اس کے چیلے چھلے ہوئے ہیں۔ کبھی قربانی کے مسئلہ کو اچھالتے ہیں، کبھی نماز اور زکوٰۃ اور کہتے ہیں کہ قرآن کے علاوہ کوئی شے نہیں ہے اور مانتے قرآن کو بھی نہیں ہیں۔ قرآن کو مان لیں تو پھر بھی بات بن جائے۔

غلام احمد پرویز نے چار جلدوں میں "معارف القرآن" کے نام سے تفسیر لکھی ہے۔ اس میں وہ لکھتا ہے کہ اگر سائنس ثابت بھی کر دے کہ انسان چند سیکنڈ میں آسمانوں پر جا اور آ سکتا ہے میں پھر بھی حضور ﷺ کے معراج جسمانی کو نہیں مانوں گا۔ اس وقت امریکہ اور روس نے خلائی جہاز نہیں چھوڑے تھے، بعد میں انھوں نے خلائی جہاز چھوڑے اور وہ چاند پر اُترے بھی

ہیں۔ضد کا اندازہ لگاؤ۔تونہیں مانتا تو نہ مان اور ماننے والے تھوڑے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے وہ جو کچھ کرتے ہیں ﴿وَ مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اورنہیں ہے یہ قرآن کہ گھڑا جائے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور نے اس کو بنایا ہو۔ایسا قطعاً نہیں ہے بلکہ یہ رب تعالیٰ کی کتاب ہے ﴿وَ لٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ﴾ اورلیکن تصدیق ہے اس کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہے۔قرآن پاک اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے ﴿وَ تَفْصِیْلَ الْكِتٰبِ﴾ اور یہ تفصیل ہے کتاب کی اور تمام اُصول وعقائد ونظریات موجود ہیں جو پہلی کتابوں میں نازل ہوئے ﴿لَا رَیْبَ فِیْهِ﴾ اس کتاب میں کوئی شک نہیں ہے ﴿مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ کہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔

مشرکوں کا شوشہ کہ یہ قرآن خود بناتا ہے ؟

مشرکین نے یہ شوشہ بھی چھوڑا تھا کہ یہ قرآن اِفْتَرٰهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ "اس نے اپنے پاس سے گھڑا ہے اور ایک قوم نے اس کی امداد کی ہے۔"فسطاس رومی ایک غلام تھا اس کی طرف نسبت کرتے تھے کہ وہ اس کو لکھاتا ہے۔حالانکہ وہ بے چارہ ٹوٹی پھوٹی عربی بھی نہیں بول سکتا تھا اور قرآن کریم تو بڑا فصیح اور صاف عربی میں ہے اس عجمی نے کیسے سکھا دیا؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ﴾ [سورۃ نحل:۱۰۳] "اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ قرآن صاف عربی زبان میں ہے۔" تو اس طرح کے شوشے چھوڑتے رہتے تھے۔تو اللہ تعالیٰ نے ان کو پہلا چیلنج دیا کہ اگر یہ قرآن کریم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے بنا کر لائے ہیں تو تم سارے جمع ہو کر اس جیسا قرآن لے آؤ اور اپنے ساتھ جنات کو بھی ملا لو۔پھر تحدی فرما دی اور فرمایا:

﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیں ﴿لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا﴾ [سورۃ بنی اسرائیل:۸۸] "اگر اکٹھے ہو جائیں انسان اور جنات سارے اس بات پر کہ وہ لائیں اس قرآن کے مثل تو نہیں لائیں گے اس کی مثل اگرچہ بعض ان کے بعض کے مددگار ہوں۔" کئی سال اس چیلنج پر گزر گئے اور وہ نہ لا سکے تو پھر ان کو چھوٹ دی گئی کہ قرآن پاک کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں تمھیں ایک سو چار معاف ﴿فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ﴾ "لاؤ دس سورتیں اس جیسی گھڑی ہوئیں۔" اور یہاں بھی فرمایا: ﴿وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ [سورۃ ھود:۱۳] "اور بلا لو جس کو تم طاقت رکھتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا اگر ہو تم سچے۔" اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا انسان، جن اور فرشتے سب کو ملا لو اور اس جیسی دس سورتیں بنا لاؤ۔مگر سالہا سال گزر گئے وہ قرآن پاک کی دس سورتوں کے مثل نہ لا سکے تو آخر میں فرمایا ﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ﴾ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی نے اس قرآن کو گھڑ لیا ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ﴾ پس لاؤ ایک چھوٹی سورت اس جیسی۔

سورۃ کے اوپر جو تنوین ہے وہ تقلیل کے لیے ہے یعنی چھوٹی سی سورت قرآن پاک جیسی لاؤ۔ قرآن پاک کی تین سورتیں چھوٹی ہیں سورۃ العصر، سورۃ الکوثر اور سورۃ النصر۔ ان تینوں کی تین تین آیتیں ہیں۔ ان جیسی کوئی سورت لاؤ اور پہلے پارے میں ہے ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا﴾ "پھر اگر تم نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور بلا لو جس کو بھی طاقت رکھتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر جس کو چاہو بلا لو اگر ہو تم سچے کہ یہ بندے کا بنایا ہوا ہے اور پیغمبر نے خود گھڑ لیا ہے۔ قرآن کریم کے اس چیلنج کو آج چودہ صدیاں گزر گئی ہیں کوئی مائی کا لال اس چیلنج کو قبول نہیں کر سکا کہ قرآن کی چھوٹی سی سورت کا مثل نہیں لا سکا۔ پھر گھڑنے اور بنانے کا شوشہ اس ذات کے لیے چھوڑتے ہیں جو الرَّسُوْلُ النَّبِیُّ الْاُمِّیُّ ہے۔ نہ لکھنا جانتا ہے نہ پڑھنا جانتا ہے۔ یہ شوشے صرف لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے چھوڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے بچائے۔ [آمین]

﴿بَلْ كَذَّبُوْا﴾ بلکہ جھٹلایا انھوں نے ﴿بِمَا﴾ اس چیز کو ﴿لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ﴾ جس کے علم کا احاطہ نہیں کیا انھوں نے ﴿وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ﴾ اور ابھی تک نہیں آئی ان کے پاس اس کی حقیقت ﴿كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ پس دیکھو کیا انجام ہوا ظالموں کا ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ﴾ اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اس قرآن پر ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ﴾ اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو ایمان نہیں لاتے ﴿وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ﴾ اور تیرا رب خوب جانتا ہے فسادیوں کو ﴿وَاِنْ كَذَّبُوْكَ﴾ اور اگر یہ لوگ تجھے جھٹلائیں ﴿فَقُلْ﴾ پس آپ کہہ دیں ﴿لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ﴾ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمھارے لیے تمھارا عمل ہے ﴿اَنْتُمْ بَرِيْٓئُوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ﴾ تم بیزار ہو اس چیز سے جو میں کرتا ہوں ﴿وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور میں بیزار ہوں اس چیز سے جو تم کرتے ہو ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ﴾ اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو کان لگا کے رکھتے ہیں آپ کی طرف ﴿اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ﴾ کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں ﴿وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ اگرچہ وہ عقل بھی نہ رکھتے ہوں ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ﴾ اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں ﴿اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْيَ﴾ کیا آپ اندھوں کو ہدایت دے سکتے ہیں ﴿وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ﴾ اگرچہ وہ نہ دیکھتے ہوں ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا کچھ بھی ﴿وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ اور لیکن لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

مشرکین شوشے محض ضد کی وجہ سے چھوڑتے تھے

اس سے قبل مشرکین کے اس شوشے کا ذکر تھا کہ یہ قرآن خود بنا کر لایا ہے جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں کہ اگر میں اُمّی ہونے کے باوجود بنا لایا ہوں تو تم سارے مل کر اس جیسی ایک سورۃ لے آؤ اور اگر تم ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہیں کر سکو گے تو پھر ایسے شوشے نہ چھوڑو۔ یہ شوشے تو محض ضد کی وجہ سے چھوڑتے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ ﴿بَلْ كَذَّبُوْا﴾ بلکہ جھٹلایا ہے انھوں نے ﴿بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ﴾ اس چیز کو جس کے علم کا احاطہ نہیں کیا انھوں نے۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آسمانی کتابوں میں سے اعلیٰ اور افضل ہے۔ اس میں جو اصول اور قاعدے بیان کیے گئے ہیں، ایسے جامع مانع ہیں کہ قیامت تک ان کو بدلنے کی ضرورت نہیں ہے ﴿وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ﴾ اور ابھی تک نہیں آئی ان کے پاس اس کی حقیقت۔ قرآن پاک کی تکذیب کا نتیجہ ہے عذاب، وہ ابھی تک ان پر نہیں آیا، آئے گا ضرور۔ کیوں کہ جن لوگوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی تعلیم کو جھٹلایا ہے ان پر عذاب آیا ہے۔

جن قوموں نے حق کو جھٹلایا ان کا انجام

پہلی قوم جس نے حق کو جھٹلایا وہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہے۔ کئی صدیاں حق کو جھٹلاتے رہے بالآخر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا اور سارے غرق ہو گئے۔ پھر حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے جھٹلایا ان پر عذاب آیا، پھر حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے جھٹلایا ان پر عذاب آیا، پھر حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے جھٹلایا ان پر عذاب آیا، فرعون اور اس کی جماعت نے حق کو جھٹلایا اور ٹھکرایا ان پر عذاب آیا۔ بے شمار قوموں کا قرآن میں ذکر ہے کہ حق کو جھٹلانے کا کیا انجام ہوا۔ ان پر ابھی تک حق کو جھٹلانے کا نتیجہ نہیں آیا کہ کیا ہوتا ہے؟

باقی ان کا حق کو جھٹلانا کوئی نئی بات نہیں ہے ﴿كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے اور اس کا نتیجہ بھی سامنے آ گیا ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ پس دیکھو کیا انجام ہوا ظالموں کا۔ عرب قوم تاجر تھی تجارت کے سلسلے میں شام جاتے تھے یمن جاتے تھے، لوط علیہ السلام کی بستیوں کے پاس سے گزرتے تھے۔ حجر اور مدین کے علاقے سے گزرتے تھے، تباہ ہونے والی قوموں کی جگہیں ان کے سامنے تھیں۔ حافظے ان کے بڑے قوی ہوتے تھے۔ رات کو جب اکٹھے ہوتے تو ان کے قصے بیان کرتے کہ فلاں قوم اس طرح تباہ ہوئی، فلاں قوم اس طرح تباہ ہوئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ﴾ اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اس قرآن پر۔ قرآن کریم کے نزول کے بعد اس کو ماننے والے بھی تھے اگرچہ تھوڑے سے ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ﴾ اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو ایمان نہیں لاتے اس قرآن پر۔ ہر دور میں حق والے بھی رہے ہیں اور باطل والے بھی رہے ہیں۔ البتہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے پہلے سارے لوگ حق پر تھے ﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ [سورۃ البقرۃ: ۲۱۳] "سب لوگ ایک ہی دین پر تھے۔"

پہلی قوم جو شرک میں مبتلا ہوئی ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم تھی اس کے بعد آج تک اکثریت کافروں کی ہے۔

اکثریت ہمیشہ گمراہوں کی رہی ہے

ایک دفعہ مشرکین مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم کہتے ہیں کہ ہم سچے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ ہم سچے ہیں۔ تو فیصلہ تو ثالث ہی کر سکتا ہے لہٰذا ایک ثالث مقرر کر کے مردم شماری کرالیں جس طرف اکثریت ہوئی وہ سچے ہوں گے۔ آٹھویں پارے میں ہے فرمایا: ﴿اَفَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِیْ حَكَمًا﴾ "کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں۔" پھر فرمایا: ﴿وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ [سورۃ الانعام: ۱۱۶] "اور اگر آپ اطاعت کریں گے ان لوگوں کی جو اکثر ہیں زمین میں تو وہ بہکا دیں گے آپ کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے۔" اکثریت تو گمراہوں کی ہے، ووٹ تو زیادہ ان کے ہیں اس طرح کے فیصلے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ حق حق ہے کوئی مانے یا نہ مانے اور یہ بات تم کئی دفعہ سن چکے ہو کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت میں ایسے پیغمبر بھی تشریف لائیں گے کہ ان کے ساتھ چار اُمتی ہوں گے اور ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے ساتھ دو اُمتی ہوں گے اور ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے ساتھ صرف ایک امتی ہوگا وَ یَجِیْئُ النَّبِیُّ وَ لَیْسَ مَعَهٗ اَحَدٌ اور ایسے پیغمبر بھی ہوں گے کہ ان کے ساتھ ایک اُمتی بھی نہیں ہوگا۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ پیغمبر تن تنہا ہوگا مگر پیغمبر سارے کامیاب اور جنھوں نے حق کو نہیں مانا وہ ناکام اور نامراد۔

تو اکثریت تو کوئی معیار نہیں ہے۔ ﴿وَ رَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِیْنَ﴾ اور تیرا رب خوب جانتا ہے فسادیوں کو کہ جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو نہیں مانتے وہ فسادی ہیں۔ دیکھو! یہ بات سارے ہی سمجھتے ہیں کہ جو ملکی قانون کو نہیں مانتا وہ مجرم ہوتا ہے تو جو اللہ تعالیٰ کے قانون کو نہیں مانتا اس سے بڑا مجرم کون ہوگا۔ ملکی قانون کے باغی کو حکومت کب معاف کرتی ہے۔ اور جو خدا کی زمین میں رہ کر اس کے آسمان کی چھت کے نیچے رہ کر رب تعالیٰ کے حکم کو نہ مانے اس سے بڑا فسادی کون ہوگا۔ فسادی صرف مکا مارنے والا ہی نہیں، چوری، ڈاکے ڈالنے والا ہی نہیں بلکہ جو حق کو نہیں مانتا وہ بھی فسادی ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ آپ کو تسلی دیتے ہیں۔ فرمایا ﴿وَ اِنْ كَذَّبُوْكَ﴾ اور اگر یہ لوگ تجھے جھٹلائیں ﴿فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ وَ لَكُمْ عَمَلُكُمْ﴾ پس آپ کہہ دیں میرے لیے میرا عمل ہے اور تمھارے لیے تمہارا عمل ہے۔ اگر تم میری بات نہیں مانتے تو تم اپنا کام کرتے رہو میں اپنے کام کو نہیں چھوڑوں گا ﴿اَنْتُمْ بَرِیْٓئُوْنَ مِمَّاۤ اَعْمَلُ﴾ تم بیزار ہو اس چیز سے جو میں کرتا ہوں ﴿وَ اَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور میں بیزار ہوں اس چیز سے جو تم کرتے ہو۔ تمھارے کفر و شرک سے میں بیزار ہوں اور میں توحید پر قائم ہوں اور توحید کا سبق دیتا ہوں، قیامت کو مانتا ہوں اور اس کی تلقین کرتا ہوں، قرآن پاک کو مانتا ہوں اور اس کا درس دیتا ہوں تم اس سے بیزار ہو میرا عمل میرے ساتھ اور تمھارا عمل تمھارے ساتھ۔ ﴿لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ﴾ "تمھارے لیے تمھارا دین اور میرے لیے میرا دین۔"

مشرک آپ ﷺ کا بیان محض پروپیگنڈہ کے لیے سنتے تھے

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ﴾ اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو کان لگائے رکھتے ہیں آپ کی طرف۔ آپ ﷺ کے مخالف آکر سنتے تھے اس ارادے اور قصد سے کہ ہمیں کوئی اعتراض کی بات مل جائے، پروپیگنڈہ کے لیے۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی بے بسی سمجھانے کے لیے مکھی کا بھی ذکر کیا ہے۔ سورۃ حج کے آخری رکوع میں ہے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ "بے شک وہ لوگ کہ پکارتے ہو تم ان کو اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ﴾ ہرگز نہیں پیدا کر سکتے ایک مکھی بھی اگرچہ سب اکٹھے ہو جائیں۔"

اور سورت بقرہ کے تیسرے رکوع میں ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا﴾ "بے شک اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا یہ کہ بیان کرے مثال مچھر کی یا اس سے بڑی۔" اور سورت عنکبوت آیت نمبر ۴۱ میں مشرکوں کے شرک کی حقیقت کو سمجھاتے ہوئے فرمایا: ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ﴾ "مثال ان لوگوں کی جنھوں نے بنائے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کارساز ﴿كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ﴾ مکڑی کی مثال ہے ﴿اِتَّخَذَتْ بَيْتًا﴾ جس نے بنایا اپنا گھر ﴿وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ﴾ اور بے شک تمام گھروں سے کمزور گھر البتہ مکڑی کا گھر ہوتا ہے ﴿لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ اگر ان لوگوں کو سمجھ ہوتی۔" کہ مکڑی کا جالا نہ اسے گرمی سے بچا سکتا ہے نہ سردی سے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر اعتماد کرنے والا اور کسی کو نافع اور ضار سمجھنے والا مکڑی کے جالے میں رہتا ہے۔

نفع نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ

یہ شرک کی تردید کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرک مکڑی کے جالے میں پناہ لیتا ہے کیوں کہ ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ﴾ اور اگر پہنچائے تجھ کو اللہ تعالیٰ ضرر تو کوئی نہیں اس کو ہٹانے والا ﴿وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ [سورۃ یونس: ۱۰۷] "اور اگر وہ ارادہ کرے آپ کے ساتھ بھلائی کا پس کوئی نہیں رد کر سکتا اس کے فضل کو۔" جو کرنا ہے وہ صرف رب نے کرنا ہے۔ تو قرآن کریم میں مکھی، مچھر اور مکڑی کا ذکر ہے۔ یہ لوگ جب اس طرح کی آیات سنتے تو کہتے کہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا کلام پاک ہے کہ اس میں ان چیزوں کا ذکر ہے۔

تو وہ پروپیگنڈہ کرنے کے لیے سنتے ہیں لیکن دل کے کان انھوں نے بند کیے ہوتے ہیں ﴿اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ﴾ کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں ﴿وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ اگرچہ وہ عقل بھی نہ رکھتے ہوں۔ جس آدمی نے توجہ سے بات نہیں سنی اور دل پر تالا لگا یا ہوا ہے اس کو سنانے کا کیا فائدہ ہوگا اس کا تو دل بند ہے۔ اور آپ ﷺ کے مخالفین تو اس پر فخر کرتے تھے۔ ﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ﴾ [حٰم سجدہ: ۵] "اور کہا انھوں نے ہمارے دل پردوں میں ہیں اس چیز سے جس کی طرف آپ بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہیں اور ہمارے درمیان اور آپ کے

درمیان پردہ ہے۔" تمھاری کوئی بات ہمارے دلوں تک نہیں پہنچتی اور ہم نے کانوں میں ڈاٹے چڑھائے ہوئے ہیں تمھاری کوئی بات ہم کانوں میں نہیں پڑنے دیتے۔ اس ضد کا دنیا میں کوئی علاج ہے؟ کوئی علاج نہیں ہے۔

﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّنْظُرُ اِلَیْكَ﴾ اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں ﴿اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ﴾ کیا آپ اندھوں کو ہدایت دے سکتے ہیں ﴿وَ لَوْ كَانُوْا لَا یُبْصِرُوْنَ﴾ اگرچہ وہ نہ دیکھتے ہوں۔ مثلاً: دوپہر کا وقت ہو سورج بالکل سر پر ہو بادل اور دھند بھی نہ ہو، غبار بھی نہ ہو یعنی مطلع بالکل صاف ہو اور کوئی شخص آنکھیں بند کر کے کہے کہ مجھے سورج دکھاؤ۔ بھائی! جب تو نے آنکھیں بند کر لی ہیں تو تجھے سورج کون دکھائے گا؟

آنکھیں اگر ہیں بند تو دن بھی رات ہے
بھلا اس میں قصور کیا ہے آفتاب کا

بہر حال مشرکوں کی حقیقت کی آنکھیں بند ہیں ﴿وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ﴾ اور وہ دیکھتے نہیں ہیں ﴿صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ﴾ بہرے ہیں حق سننے سے، گونگے ہیں حق بولنے سے، اندھے ہیں قدرت کی نشانیاں دیکھنے سے۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ کا مفہوم

حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ دنیا کے حکمران کانوں سے بہرے ہوں، آنکھوں سے اندھے ہوں گے، زبان سے گونگے ہوں گے۔ ہمارا طالب علمی کا زمانہ تھا آج سے ساٹھ ستر سال پہلے۔ ہمیں یہ حدیث سمجھ نہ آئی۔ ہم نے استاد سے پوچھا حضرت! اس وقت آنکھوں والے لوگ نہیں ہوں گے کہ لوگ اندھوں کو بادشاہ بنائیں گے، کانوں سے سننے والے نہیں ہوں گے کہ بہروں کو بادشاہ بنائیں گے اور بولنے والے نہیں ہوں کہ لوگ گونگوں کو بادشاہ بنائیں گے۔

تو استاد محترم مولانا عبدالقدیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میاں! (یہ ان کا تکیہ کلام تھا) کان بھی ہوں گے، آنکھیں بھی ہوں گی، زبانیں بھی ہوں گی۔ حق کی نشانیوں کو دیکھیں گے نہیں، حق کی بات کہیں گے نہیں، حق کی بات سنیں گے نہیں۔ وہی سارا قصہ ہے۔ حق کی بات نہیں سنتے چاہے کچھ ہو جائے، حق کی بات زبان پر نہیں لاتے، حق دیکھنے کے لیے تیار نہیں۔ حالانکہ زبان بھی رکھتے ہیں، آنکھیں بھی ہیں، کان بھی ہیں۔ یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

ایک شخص نے آ کر سوال کیا حضرت! قیامت کب آئے گی؟ فرمایا: اِذَا ضُیِّعَتِ الْاَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ "جب امانت ضائع کر دی جائے گی پس قیامت کا انتظار کرو وہ چلی آ رہی ہے۔" اس نے سوال کیا کہ حضرت! امانت کس طرح ضائع ہو جائے گی؟ اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَهْلِهٖ "جب حکمرانی نااہل لوگوں کے حوالے کر دی جائے گی۔" [بخاری شریف]

اب جو ہمارے حکمران ہیں وہ اس لائق نہیں ہیں کہ مسلمانوں کے بادشاہ ہوں۔ یہ بے چارے طالبان کے پیچھے

پڑے ہوئے ہیں اور جو غیر ہیں وہ بھی ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ان کے متعلق کبھی کوئی شوشہ چھوڑتے اور کبھی کوئی شوشہ۔ ان کے شوشوں سے قطعاً متاثر نہ ہوں اور سمجھو، اللہ تعالیٰ نے سب کو سمجھ دی ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا کچھ بھی، رتی کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا ﴿وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ اور لیکن لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ کے احکام کو نہیں مانتے، اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان نہیں لاتے، پیغمبروں کو نہیں مانتے، دنیا کے نشے میں ہیں۔مرنے کے بعد جب آنکھیں کھلیں گی تو پتا چلے گا کہ ہم اپنے ساتھ کیا کرتے رہے ہیں۔جس طرح آپریشن کے وقت ڈاکٹر بے ہوش کر کے ہاتھ کاٹ دیتے ہیں، ٹانگ کاٹ دیتے ہیں یا جسم کا جو بھی حصہ کاٹنا ہو اس وقت مریض کو معلوم نہیں ہوتا کیوں کہ نشے میں ہوتا ہے۔آہستہ آہستہ نشہ اُترتا ہے، ہوش آتا ہے پھر معلوم ہوتا ہے کہ میرے ساتھ کیا ہوا۔

آج ہم پر بھی دنیا کا نشہ ہے۔ہمیں اپنے نفع نقصان کا کوئی علم نہیں ہے۔جس وقت موت آئے گی آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے نشہ اُترے گا پھر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا اور پتا چل جائے گا کہ ہم دنیا میں کیا کما کر آئے ہیں اور کیا کر کے آئے ہیں۔اللہ تعالیٰ کرے کہ ہماری آنکھیں وقت سے پہلے کھل جائیں اور یہ بات سمجھ جائیں کہ دنیا کی زندگی بالکل فانی اور عارضی ہے اور موت صرف بوڑھوں کے لیے نہیں ہے اگر کوئی یہ سمجھتا ہے تو غلط فہمی میں مبتلا ہے۔کوئی یہ سمجھتا ہے کہ میں ابھی تندرست ہوں تو وہ بھی غلط فہمی میں مبتلا ہے۔موت سب کے لیے ہے، جوان بھی مر رہے ہیں، تندرست بھی مر رہے ہیں، بچے بھی مر رہے ہیں اور ہمارا زمانہ تو حادثاتی دور ہے۔میں بارہا کہہ چکا ہوں کہ اس زمانے میں اگر کوئی رات کو اپنے گھر خیریت کے ساتھ آ جائے تو دو رکعت شکرانے کے پڑھے کہ اے پروردگار! تیرا فضل ہے کہ میں خیریت کے ساتھ گھر لوٹ آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔ [آمین]

﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو اکٹھا کرے گا ﴿كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا﴾ گویا کہ وہ نہیں ٹھہرے ﴿اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ﴾ مگر دن کی ایک گھڑی ﴿يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ﴾ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ﴾ تحقیق خسارہ اٹھایا ان لوگوں نے ﴿كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ﴾ جنھوں نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی ملاقات ﴿وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ﴾ اور نہیں تھے وہ ہدایت یافتہ ﴿وَ اِمَّا نُرِيَنَّكَ﴾ اور اگر ہم دکھا دیں آپ کو ﴿بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ﴾ بعض وہ عذاب جس کی ہم ان کو دھمکی دے چکے ہیں ﴿اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ﴾ یا ہم آپ کو وفات دے دیں ﴿فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ﴾ پس ہماری طرف ہے ان کا لوٹنا ﴿ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ﴾ پھر اللہ تعالیٰ گواہ ہے ﴿عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ﴾ اس کارروائی پر جو وہ کرتے ہیں ﴿وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ﴾ اور ہر اُمت کے لیے رسول ہے ﴿فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ﴾

پس جب آئے گا ان کا رسول ﴿قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ﴾ تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا انصاف کے ساتھ ﴿وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿وَیَقُوْلُوْنَ﴾ اور وہ کہتے ہیں ﴿مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ﴾ کب آئے گا یہ وعدہ ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا﴾ میں مالک نہیں ہوں اپنے لیے ضرر کا اور نہ نفع کا ﴿اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر وہ جو رب چاہے ﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ﴾ ہر اُمت کے لیے ایک میعاد مقرر ہے ﴿اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ﴾ جب آئے گی ان کی میعاد ﴿فَلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً﴾ پس نہیں مؤخر ہوں گے ایک گھڑی ﴿وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ اور نہ آگے ہو سکتے ہیں۔

اس سے پہلے فرمایا ﴿فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ﴾ "پس دیکھ کیا انجام ہوا ظالموں کا" جن قوموں نے اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی، اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی مخالفت کی، حق کو قبول نہ کیا ان کا دنیا میں کیا حشر ہوا۔ قرآن پاک میں واضح الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ مثلاً: نوح علیہ السلام کی قوم، ہود علیہ السلام کی قوم، صالح علیہ السلام کی قوم، لوط علیہ السلام کی قوم، شعیب علیہ السلام کی قوم، تبع رحمۃ اللہ علیہ کی قوم اور دیگر قومیں دنیا میں کس طرح تباہ و برباد ہوئیں۔ اب فرماتے ہیں کہ آخرت میں ان کے ساتھ کیا ہوگا۔

نافرمان قوموں کا آخرت میں انجام ؟

﴿وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو اکٹھا کرے گا۔ محشر کا معنیٰ ہے اکٹھا ہونے کی جگہ، میدان محشر جب برپا ہوگا ﴿كَاَنْ لَّمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ﴾ گویا کہ وہ نہیں ٹھہرے مگر دن کی ایک گھڑی۔ ﴿كَاَنْ﴾ اصل میں ﴿كَاَنَّهُمْ﴾ تھا۔ جمہور مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی زندگی ان کو یوں محسوس ہوگی کہ گویا ہم دنیا میں ایک گھڑی رہے ہیں۔ بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ نے اس سے قبر اور برزخ کی زندگی مراد لی ہے۔ مرنے کے بعد قبر برزخ کی زندگی ہے جو نیکوں کے لیے راحت اور بُروں کے لیے تکلیف ہے۔ تو جس وقت قبر سے اٹھائے جائیں گے تو یوں محسوس کریں گے کہ گویا برزخ میں، قبر میں ایک گھڑی رہے ہیں اور حقیقت بھی ہے۔ کیونکہ قیامت کا دن ﴿خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ پچاس ہزار سال کا لمبا دن ہوگا۔ تو اس کے مقابلہ میں بیس سال، تیس سال، پچاس سال، سو سال، ہزار سال کی زندگی کچھ بھی نہیں ہے۔ اور جنت دوزخ کی زندگی تو نہ ختم ہونے والی زندگی ہے، ابدالآباد، ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہے۔ اس کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کچھ بھی نہیں ہے۔

﴿یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَهُمْ﴾ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ جیسے ہم یہاں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اسی طرح میدانِ محشر میں بھی اور جنت دوزخ میں بھی سب ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا﴾ تحقیق خسارہ اُٹھایا ان لوگوں نے جنھوں نے جھٹلایا ﴿بِلِقَآءِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو، قیامت قائم ہونے کو اور اللہ تعالیٰ کی عدالت کو تسلیم نہیں کیا۔ اور اہل حق اس بات کو مانتے ہیں کہ قیامت قائم ہوگی، اللہ تعالیٰ کی عدالت لگے گی، ہر ایک کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس

دن ملاقات ہوگی، رب تعالیٰ سب سے ملاقات کریں گے اور کافر منکر ہیں بلکہ مذاق اُڑاتے ہیں۔ایک ہندو بے ایمان شاعر ہے اس نے استہزاءً کہا ہے:

ملے گی شیخ کو جنت، ہمیں دوزخ عطا ہوگا

بس اتنی بات ہے جس کے لیے محشر بپا ہوگا

کیا یہ چھوٹی بات ہے؟ ﴿وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ﴾ اور نہیں تھے وہ ہدایت یافتہ۔

اللہ تعالیٰ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

آگے اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہیں۔کیوں کہ کافروں کی بے جا باتیں سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی تھی اور ہونی بھی چاہیے تھی کہ انسان ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر آپ کو پاگل، مجنون، ساحر، کذاب، جادوگر، مفتری اور کاہن کہتے تھے اور ہر قسم کا مذاق اڑاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ ہوتا اور دل میں آتا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو پکڑتا کیوں نہیں ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ﴾ اور اگر ہم دکھا دیں آپ کو بعض وہ عذاب جس کی ہم ان کو دھمکی دے چکے ہیں۔علمائے عربیت فرماتے ہیں کہ وَعَدَ يَعِدُ کا مصدر اگر وَعِيْدًا آئے تو معنیٰ دھمکی ہے اور اگر مصدر وَعْدًا آئے تو معنیٰ ہے وعدہ کرنا۔ اور یہاں وَعَدَ يَعِدُ وَعِيْدًا سے ہے یعنی جس عذاب کی ہم ان کو دھمکی دے چکے ہیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں آئے تو اس پر بھی ہم قادر ہیں ﴿اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ﴾ یا ہم آپ کو وفات دے دیں تو پھر بھی یہ عذاب سے نہیں چھوٹ سکتے ﴿فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ﴾ پس ہماری طرف ہے ان کا لوٹنا۔مَرْجِع کو مصدر میمی بھی قرار دیتے ہیں۔اگر مصدر میمی ہو تو پھر معنیٰ ہے لوٹنا اور اس کو ظرف کا صیغہ بھی قرار دیتے ہیں۔اگر ظرف کا صیغہ ہے تو پھر معنیٰ ہے لوٹانے کی جگہ، دونوں صحیح ہیں۔

﴿ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ﴾ پھر اللہ تعالیٰ گواہ ہے اس کارروائی پر جو وہ کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ﴾ اور ہر اُمت کے لیے رسول ہے ﴿فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ﴾ پس جب آئے گا ان کا رسول (میدان محشر میں) ﴿قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ﴾ تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا انصاف کے ساتھ ﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

روزِ قیامت کسی پر ظلم نہیں ہوگا

سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۷۱ میں ہے ﴿يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ﴾ "اور جس دن ہم بلائیں گے ہر گروہ کو اس کے امام کے ساتھ۔" مثلاً: حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم عدالت میں آئے گی۔نوح علیہ السلام پر بہت تھوڑے آدمی ایمان لائے تھے سو سے بھی کم تھے اکثریت کافروں اور مشرکوں کی تھی۔اللہ تبارک وتعالیٰ نوح علیہ السلام سے سوال کریں گے هَلْ بَلَّغْتَ قَوْمَكَ کیا آپ نے قوم کو تبلیغ کی تھی؟ فَيَقُوْلُ نَعَمْ حضرت نوح علیہ السلام عرض کریں گے ہاں اے پروردگار! میں نے تبلیغ کی تھی اور تبلیغ

بھی کیسی؟ ﴿اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا﴾ "بے شک میں نے ان کو برملا دعوت دی ﴿ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا﴾ [سورۃ نوح:۸،۹] پھر میں نے ان کو علی الاعلان دعوت دی اور میں نے ان کو پوشیدہ طور پر بھی دعوت دی۔" نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال سمجھایا۔ پھر ان کی قوم سے پوچھا جائے گا هَلْ بَلَّغَكُمْ نُوْحٌ کیا نوح علیہ السلام نے تمھیں تبلیغ کی تھی؟ کہیں گے ہمیں کب تبلیغ کی ہے؟ ہمارے پاس کوئی نہیں آیا۔ مشرک بہت بے حیا ہوتے ہیں قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت میں کہیں گے ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ [سورۃ انعام:۲۳] "قسم ہے اللہ تعالیٰ کی جو ہمارا پروردگار ہے نہیں تھے ہم شرک کرنے والے۔" اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ﴾ [انعام:۲۲] "دیکھو کیسا جھوٹ بولا ہے انھوں نے اپنی جانوں پر۔" تو مشرک سے زیادہ بے حیا کوئی نہیں ہے۔

چونکہ ضابطہ ہے کہ مدعی کے ذمہ ہے گواہ پیش کرنا اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِیْ وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نوح علیہ السلام سے فرمائیں گے مَنْ يَّشْهَدُ لَكَ تیرا گواہ کون ہے؟ نوح جواب میں فرمائیں گے محمد وَ اُمَّتُهٗ (یہ میں بخاری شریف کی روایت کا خلاصہ پیش کررہا ہوں)۔ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا جائے گا کہ کیا نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی تھی؟ یہ اُمت کہے گی ہاں! نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی تھی۔

اس اُمت کے گواہی دینے کا ذکر قرآن پاک میں بھی ہے ﴿لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ [سورۃ البقرۃ:۱۴۳] "تاکہ ہو جاؤ تم لوگوں پر گواہی دینے والے۔" تو جب یہ اُمت گواہی دے گی تو نوح علیہ السلام کی اُمت کہے گی ان کی گواہی منظور نہیں ہے کہ یہ موقع پر موجود نہیں تھے یہ تو ہم سے ہزاروں سال بعد کے ہیں گواہ تو موقع کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اُمت سے کہیں گے سنتے ہو یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ اُمت کہے گی اے پروردگار! یہ بات ٹھیک ہے مگر ہم سچے ہیں کیوں کہ ہم نے تیری پاک اور سچی کتاب میں پڑھا ہے ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ [المومنون:۲۳] "اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف پس کہا انھوں نے کہ اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود۔" اور اے پروردگار! تیرے آخری پیغمبر نے بھی ہمیں بتایا کہ قَدْ بَلَّغَ نُوْحٌ قَوْمَهٗ "تحقیق نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی۔" اے پروردگار! اگر تیری کتاب سچی ہے اور تیرا پیغمبر سچا ہے تو پھر ہم بھی سچے ہیں۔ اور جب کوئی اہم مسئلہ ہوتا ہے تو وہاں گواہوں کی بھی صفائی ہوتی ہے جس کو تزکیۃ الشھود کہتے ہیں۔ تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس اُمت کی صفائی پیش کریں گے وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا اور ہوں گے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ کہ میری اُمت نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے۔ تو اس طرح فیصلہ ہو جائے گا۔

قیامت اور موت کا علم کسی کو نہیں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ﴾ اور وہ کہتے ہیں کب آئے گا یہ وعدہ، قیامت کب لاؤ گے، فیصلے

کب ہوں گے؟ بتاؤ ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہو تم سچے۔ ہمیں نہیں بتلایا گیا کہ قیامت کب آئے گی ہمیں صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ قیامت آئے گی یہ راز کی بات ہے اور اس میں حکمت ہے جیسے مرنے کا وقت کسی کو نہیں بتلایا گیا۔ اگر وقت بتا دیتے تو دنیا کا کوئی کام نہ چل سکتا جس نے بیس سال بعد مرنا ہے وہ ابھی سے سوکھنا شروع ہو جاتا لہٰذا رب تعالیٰ نے نہیں بتایا چاہے آج ہی مر جائے اتنا بتلا دیا کہ ہر آدمی نے مرنا ہے۔ اسی طرح قیامت حق ہے مگر وقت کا کسی کو علم نہیں ہے۔

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا﴾ میں مالک نہیں ہوں اپنے لیے ضرر کا اور نہ نفع کا ﴿اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر وہ جو رب چاہے۔ یاد رکھنا! خدائی اختیارات اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دیئے، نفع دینے والا بھی رب ہے اور نقصان پہنچانے والا بھی رب ہی ہے۔ سورۃ یونس آیت نمبر ۱۰۷ میں ہے ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ﴾ "اور اگر پہنچائے تجھ کو اللہ تعالیٰ ضرر تو کوئی نہیں اس کو ہٹانے والا ﴿وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ اور اگر پہنچائے تجھ کو بھلائی تو کوئی پھیرنے والا نہیں ہے اس کے فضل کو۔" اور سورۃ جن میں ہے ﴿اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ "میں تمھارے لیے نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں۔" جب اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے بہتر شخصیت اپنے لیے نفع اور نقصان کی مالک نہیں ہے تو:

بدیگراں چہ رسد

اور کون ہوتا ہے کہ اس کے پاس خدائی اختیارات ہوں۔ ﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ﴾ ہر امت کے لیے ایک میعاد مقرر ہے ﴿اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ﴾ جب آئے گی ان کی میعاد ﴿فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً﴾ پس نہیں مؤخر ہوں گے ایک گھڑی ﴿وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ اور نہ آگے ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قانون بڑا اٹل، محکم اور مضبوط ہے۔ اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہے۔

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَرَءَيْتُمْ﴾ بھلا تم بتلاؤ ﴿اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا﴾ اگر آ جائے اس کا عذاب رات کے وقت ﴿اَوْ نَهَارًا﴾ یا دن کے وقت ﴿مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ کیا جلدی کر لیں گے اس سے مجرم لوگ ﴿اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ﴾ پھر کیا جس وقت وہ واقع ہو گیا ﴿اٰمَنْتُمْ بِهٖ﴾ تو اس پر ایمان لاؤ گے ﴿آٰلْئٰنَ﴾ اب ایمان لاتے ہو ﴿وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ﴾ اور تحقیق تھے تم اس کے ساتھ جلدی کرنے والے ﴿ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ پھر کہا جائے گا ان لوگوں سے جنھوں نے ظلم کیا ﴿ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ﴾ چکھو ہمیشہ کا عذاب ﴿هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ﴾ نہیں بدلہ دیا جائے گا تمھیں مگر اس کا جو تم کماتے تھے ﴿وَيَسْتَنْۢبِئُوْنَكَ﴾ اور آپ سے خبر طلب کرتے ہیں ﴿اَحَقٌّ هُوَ﴾ کیا یہ بات سچ ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِيْ وَرَبِّيْۤ﴾ ہاں میرے رب کی قسم ہے ﴿اِنَّهٗ لَحَقٌّ﴾ بے شک البتہ یہ بات حق ہے ﴿وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ﴾ اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے ﴿وَلَوْ

﴿اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ﴾ اور اگر ہو ہر نفس کے لیے ﴿ظَلَمَتْ﴾ جس نے ظلم کیا ﴿مَا فِی الْاَرْضِ﴾ جو کچھ زمین میں ہے ﴿لَافْتَدَتْ بِهٖ﴾ البتہ وہ فدیہ دے اس کے ساتھ ﴿وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ﴾ اور چھپائیں گے شرمندگی کو ﴿لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ﴾ جب کہ دیکھیں گے وہ عذاب کو ﴿وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ﴾ اور فیصلہ کر دیا جائے گا ان کے درمیان انصاف کے ساتھ ﴿وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ خبردار بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے ﴿اَلَاۤ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ خبردار بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے ﴿وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر ان میں سے نہیں جانتے ﴿هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ﴾ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے ﴿وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

گزشتہ درس میں تم نے یہ بات سنی کہ کافروں نے کہا مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ جس عذاب کی تم دھمکی دیتے ہو وہ کب آئے گا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ عذاب لانا میرے بس میں نہیں ہے۔ بلکہ میں تو اپنے نفع، نقصان کا مالک نہیں ہوں یہ رب تعالیٰ کا کام ہے اور نافرمانوں پر عذاب بہر حال آئے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَرَءَیْتُمْ﴾ تم بتلاؤ ﴿اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَیَاتًا﴾ اگر آجائے اس کا عذاب رات کے وقت ﴿اَوْ نَهَارًا﴾ یا دن کے وقت ﴿مَّا ذَا یَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ کیا جلدی کرلیں گے اس سے مجرم لوگ بچنے کے لیے۔ جب رب تعالیٰ کا عذاب آئے گا تو اس سے بچاؤ کا کیا انتظام کر سکو گے؟ اس کی گرفت سے کون بچ سکے گا وہ ایک لمحے میں بہت کچھ کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے عذاب سے آدمی بچ نہیں سکتا

آج سے چند سال قبل جاپان میں صرف سترہ سیکنڈ کا زلزلہ آیا تھا۔ اس سے اتنی تباہی ہوئی کہ حکومت جاپان نے کہا تھا کہ زلزلے سے جتنا نقصان ہوا ہے ہم پچاس سال تک پورا نہیں کر سکتے حالانکہ صنعت کے لحاظ سے جاپان تمام ملکوں سے آگے ہے۔ ﴿اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ﴾ پھر کیا جس وقت وہ عذاب واقع ہوگا ﴿اٰمَنْتُمْ بِهٖ﴾ تو اس پر ایمان لاؤ گے۔ ﴿بِهٖ﴾ کی "ہ" ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف بھی لوٹاتے ہیں اس وقت اس کا مطلب ہوگا کہ پھر اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ گے۔ اس کی ضمیر قرآن پاک کی طرف بھی لوٹاتے ہیں تو پھر معنی ہوگا پھر قرآن پاک پر ایمان لاؤ گے اور عذاب کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے۔ اس وقت معنی ہوگا پھر عذاب پر ایمان لاؤ گے۔ جب واقع ہو جائے گا پھر مانو گے۔ اس وقت کہا جائے گا ﴿آٰلْـٰٔنَ﴾ اب ایمان لاتے ہو ﴿وَ قَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ﴾ اور تحقیق تھے تم اس کے ساتھ جلدی کرنے والے اور کہتے تھے ﴿مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ﴾ یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ جس وقت اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے اس وقت کا ایمان معتبر نہیں ہے۔

صرف حضرت یونس علیہ السلام کی قوم تھی کہ جب عذاب کا آغاز ہوا تو وہ لوگ ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ نے اس قوم کے عذاب کو ٹال دیا باقی کسی قوم سے نہیں ٹلا ﴿ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ پھر کہا جائے گا ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا ﴿ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ﴾ چکھو تم ہمیشہ کا عذاب۔ مجرموں پر جب عذاب آتا ہے تو پھر اس کا تسلسل ختم نہیں ہوتا، دنیاوی عذاب کے بعد قبر کا عذاب، پھر میدان محشر میں، پھر پل صراط پر گزرتے ہوئے اور پھر دوزخ کا عذاب تو ہمیشہ کا ہے جو ختم ہونے میں نہیں آئے گا ﴿هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ﴾ نہیں بدلہ دیا جائے گا تمھیں مگر اس کا جو تم کماتے ہو۔

آگے ان کے مذاق کا ذکر ہے ﴿وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ﴾ اور آپ سے یہ خبر طلب کرتے ہیں کا معنیٰ ہے خبر اور باب استفعال طلب کے لیے آتا ہے کہ یہ جو آپ کہتے ہیں کہ عذاب آئے گا کیا یہ حق ہے، سچ ہے؟ ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِيْ وَرَبِّيْٓ﴾ ہاں میرے رب کی قسم ہے ﴿اِنَّهٗ لَحَقٌّ﴾ بے شک یہ بات البتہ حق ہے۔ تمھارے انکار کرنے کی وجہ سے وہ ٹلے گا نہیں اور آئے گا اپنے وقت پر ﴿وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ﴾ اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے کہ اللہ تعالیٰ عذاب نہ لا سکے معاذ اللہ تعالیٰ۔ آج تو تم ایسی باتیں کرتے ہو کل کیا بنے گا کہ ﴿وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ﴾ اور اگر ہو ہر نفس کے لیے جس نے ظلم کمایا ﴿مَا فِي الْاَرْضِ﴾ جو کچھ زمین میں ہے وہ سارا اس کو مل جائے۔ اور سورۃ آل عمران آیت نمبر ۹۱ میں ہے ﴿فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ﴾ "پس ہرگز قبول نہیں کی جائے گی ان میں سے کسی ایک سے ساری زمین سونے سے بھری ہوئی ہو مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک، زمین کے فرش سے لے کر آسمان کی چھت تک سونا ہی سونا ہو جائے اگرچہ وہ اس کا فدیہ دے دے۔" ﴿وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ﴾ [سورۃ الزمر] اور اتنی دنیا اور تصور کر لو وہ بھی سونے کے ساتھ بھری ہوئی ہو اور اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائیں کہ اے بندے! سب کچھ دے کر اپنی جان چھڑانے کے لیے آمادہ ہے۔

﴿لَافْتَدَتْ بِهٖ﴾ البتہ وہ فدیہ دے دے اس کے ساتھ اگر بالفرض کسی کے پاس ہو۔ اور سورۃ المعارج آیت نمبر ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵ میں ہے ﴿يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۢ بِبَنِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۝ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۝ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝ كَلَّا﴾ "مجرم خواہش کرے گا کاش کہ وہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹوں کا فدیہ دے دے اور اپنی بیوی اور بھائی کو اور اپنے اس قبیلے کو جو اس کو پناہ دیتا تھا اور سب زمین پر رہنے والوں کو بھی (فدیہ میں پیش کر دے) پھر اپنے آپ کو بچا لے ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔" دنیا میں تو بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ آدمی نے اپنی ماں کے لیے، باپ کے لیے، بیٹے بیٹی کے لیے، دوست کے لیے جان دے دی اور ان کو بچا لیا لیکن حشر میں ایسا نہیں ہوگا۔ سورۃ عبس میں ہے ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝﴾ "جس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے اور بھاگے گا اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے۔"

اور بعض تفسیری روایات میں آتا ہے کہ ایک آدمی کا نیکیوں اور بدیوں والا پلہ برابر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ایک نیکی تلاش کر کے لاؤ کہ تیری نیکیوں والا پلہ بھاری ہو جائے اور تو جنت میں جا سکے۔ وہ آدمی بہت خوش ہوگا کہ ایک نیکی کی کیا بات

ہے بھائی کے پاس جائے گا وہ انکار کرے گا، بیٹے کے پاس جائے گا وہ انکار کرے گا، باپ کے پاس جائے گا وہ انکار کرے گا، دوست کے پاس جائے گا وہ انکار کرے گا، آخر میں اپنی ماں کے پاس جائے گا اور کہے گا اَتَعْرِفُنِیْ کیا تو مجھے پہچانتی ہے؟ ماں کہے گی ہاں! میں نے تجھے بڑی تکلیف سے پیٹ میں رکھا پھر تجھے جنا اور پالا۔

حشر والے دن لوگ ایک دوسرے کو پہچانیں گے

اور گزشتہ سبق میں تم پڑھ چکے ہو کہ ﴿ یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَهُمْ ﴾ "وہاں لوگ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔" تو کہے گا امی مجھے ایک نیکی دے دو تاکہ میرا بیڑا پار ہو جائے۔ وہ ماں کہے گی اِلَیْكَ عَنِّیْ دفع ہو جا میں تجھے نیکی دے کر خود کہاں جاؤں گی؟ ایک نیکی کے لیے پورے میدان محشر میں پھرے گا کوئی ایک نیکی دینے کے لیے تیار نہیں ہوگا اور اپنے بدلے میں تمام برادری کو دوزخ میں ڈالنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ ﴾ اور چھپائیں گے شرمندگی کو جس وقت اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیشی ہو گی ﴿ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغٰوِیْنَ ﴾ [الشعراء: ۹۱-۹۰] "اور قریب کر دی جائے گی جنت متقیوں کے اور دوزخ گمراہوں کے سامنے کر دی جائے گی۔" ﴿ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ﴾ جب کہ دیکھیں گے وہ عذاب کو ﴿ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ ﴾ "آنکھیں ان کی جھکی ہوں گی۔" تاکہ ہمارے دشمن ہمیں نہ دیکھیں مگر کب تک اپنے آپ کو چھپائیں گے ﴿ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ﴾ اور فیصلہ کر دیا جائے گا ان کے درمیان انصاف کے ساتھ ﴿ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ جو نیکی قاعدے کے مطابق کی ہے اس کا اجر ملے گا اور جو بُرائی نہیں کی وہ ذمے نہیں لگائی جائے گی۔ ﴿ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ خبردار بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمینوں میں۔ ان کا خالق بھی وہی ہے اور ملک بھی اسی کی ہیں۔ اور زمین اور آسمانوں میں تدبیر بھی وہ کرتا ہے، قیامت بھی اسی نے برپا کرنی ہے ﴿ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ خبردار بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ قیامت کا سچا ہے وہ آ کے رہے گی ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ اور لیکن اکثر ان میں سے نہیں جانتے۔ فرمایا یاد رکھو! ﴿ هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ﴾ اللہ تعالیٰ ہی زندہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی مارتا ہے اور یہ تمہارے مشاہدے کی بات ہے ﴿ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

رب تعالیٰ کی کس قدرت کا تم انکار کر سکتے ہو؟ آدمی کو قبر حشر یاد رکھنا چاہیے۔ حدیث پاک میں آتا ہے:

((اَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتَ))۔

"لذتوں کو ختم کر دینے والی چیز موت کو کثرت سے یاد کرو۔"

موت کو یاد کرو گے تو نیکیوں کی فکر ہوگی اور برائیوں سے بچو گے۔ رب تعالیٰ سب کو توفیق عطا فرمائے۔ [آمین]

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ﴾ اے انسانو! ﴿قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ تحقیق آچکی تمھارے پاس نصیحت تمھارے رب کی طرف سے ﴿وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ﴾ اور شفا ہے ان بیماریوں کے لیے جو سینوں میں ہیں ﴿وَ هُدًى﴾ اور ہدایت ہے ﴿وَّ رَحْمَةٌ﴾ اور رحمت ہے ﴿لِّلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ ایمان والوں کے لیے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ کے فضل پر اور اس کی رحمت پر ﴿فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا﴾ پس اس لیے ان کو چاہیے کہ وہ خوش ہوں ﴿هُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ﴾ یہ بہتر ہے ان چیزوں سے جن کو وہ اکٹھا کرتے ہیں ﴿قُلْ اَرَءَیْتُمْ﴾ آپ کہہ دیں بتلاؤ (اے لوگو!) ﴿مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ﴾ جو اللہ نے نازل کیا ہے تمھارے لیے رزق ﴿فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا﴾ پس بنایا تم نے اس میں سے کچھ حرام اور کچھ حلال ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ﴾ کیا اللہ تعالیٰ نے تم کو اجازت دی ہے ﴿اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ﴾ یا تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہو ﴿وَ مَا ظَنُّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ اور کیا خیال ہے ان لوگوں کا جو جھوٹ باندھتے ہیں اللہ تعالیٰ پر ﴿یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ قیامت کے دن ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ فضل کرنے والا ہے لوگوں پر ﴿وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَشْكُرُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر ان میں سے شکر ادا نہیں کرتے۔

قرآن کریم میں جن مسائل پر زور دیا گیا ہے ان میں سے ایک مسئلہ توحید کا ہے اور یہ اسلام کا بنیادی مسئلہ ہے اور توحید اس وقت تک سمجھ نہیں آسکتی جب تک شرک کا مفہوم نہ سمجھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں شرک کا خوب رد کیا گیا ہے۔

مشرکین مکہ قیامت کے منکر تھے

دوسرا مسئلہ قیامت کا ہے۔ مشرکینِ مکہ قیامت کا زوردار الفاظ میں انکار کرتے تھے اور کہتے تھے ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ﴾ [سورۃ ق: ۳] "کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی یہ لوٹ کر آنا تو بہت بعید ہے۔" اور سورۃ مومنون آیت نمبر ۳۶ میں ہے کہتے تھے ﴿هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ "بعید ہے یہ بات بعید ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔" (کہ مرنے کے بعد تمھیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا)۔ اور سورۃ یٰسین آیت نمبر ۷۸ میں ہے ﴿قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ﴾ "کہتا ہے کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو حالانکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔" اور کہتے تھے ﴿اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ﴾ [سورۃ مومنون: ۳۷] "نہیں ہے یہ مگر ہماری دنیا کی زندگی ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور نہیں ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔" لہٰذا قرآن پاک میں قیامت کے مسئلے کا بھی زوردار الفاظ میں اثبات کیا گیا اور مشرکین کے غلط عقیدے کا رد کیا گیا اور ان بنیادی مسائل میں سے رسالت کا مسئلہ بھی ہے۔

مشرکین بشر کے رسول ہونے کو مناسب نہیں سمجھتے تھے

رسالت کے مفہوم کو تو وہ سمجھتے تھے مگر کہتے تھے کہ رسول کا بشر ہونا مناسب نہیں ہے، رسول نوری مخلوق میں سے ہونا چاہیے۔ قرآن پاک نے ان کے اس نظریے کی بھی تردید کی ہے۔ چنانچہ سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۹۵ میں ہے ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا﴾ "آپ کہہ دیں اگر ہوتے زمین پر فرشتے چلنے بسنے والے تو یقیناً ہم اُتارتے ان پر آسمان کی طرف سے فرشتے رسول بنا کر۔" لیکن چونکہ زمین کی خلافت انسان کو دی ہے لہٰذا اس کی اصلاح اور ہدایت کے لیے نبی بھی ان کی جنس انسان سے ہوگا اور ان بنیادی مسائل اور عقائد میں سے قرآن کی حقانیت بھی ہے۔ پہلے توحید کا مسئلہ بیان ہوا پھر قیامت کا اور اب قرآن پاک کی حقانیت کا مسئلہ بیان فرماتے ہیں۔

قرآن کریم کا نصیحت اور شفا ہونا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے انسانو! قرآن پاک انسانوں اور جنوں سب کے لیے ہے۔ لیکن زمین کی خلافت انسان کو دی گئی ہے۔ لہٰذا یہ اصل ہے اور جنات اس کے تابع ہیں اور خطاب اصل کو ہوتا ہے۔

﴿قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ تحقیق آ چکی نصیحت تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے، یہ قرآن پاک بڑی نصیحت والی کتاب ہے ﴿وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ﴾ اور شفا ہے ان تمام بیماریوں کے لیے جو سینوں میں ہیں۔ جیسے کفر ہے، شرک ہے، بغض ہے، حسد اور کینہ ہے، دنیا کی محبت ہے۔ قرآن کریم ان بیماریوں کے لیے شفا ہے۔ قرآن کریم جس طرح روحانی بیماریوں کے لیے شفا ہے اسی طرح جسمانی بیماریوں کے لیے بھی شفا ہے اور اس کی برکات ظاہری طور پر بھی ہیں اور باطنی طور پر بھی۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تیس [۳۰] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک مہم پر روانہ فرمایا تھا۔ یہ حضرات مہم سے فارغ ہو کر واپس آرہے تھے کہ رات ہوگئی۔ ایک قصبے میں پہنچے رات گزارنے کے لیے لیکن دیہاتیوں نے قصبے سے نکال دیا کہ تم صابی ہو۔ اس زمانے میں اہل حق کو صابی کہتے تھے جس طرح آج کل وہابی کہتے ہیں۔ بے چاروں نے قصبے سے باہر کھلی جگہ پر ڈیرا ڈال لیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ ان کے چودھری کو کسی زہریلی چیز سانپ وغیرہ نے کاٹ لیا فَسَعَوْا لَهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ وہ اس کے لیے ساری کوششیں کر چکے، کاہنوں سے دم کروایا، طبیبوں سے علاج کروایا مگر کوئی فرق نہ پڑا۔

مجبور تھے دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے کہ سَيِّدُنَا لُدِيْغَ "ہمارے سردار کو کسی زہریلی چیز نے کاٹ لیا ہے هَلْ مِنْكُمْ رَاقٍ تم میں سے کوئی دم کرنے والا ہے؟" ان میں انصار مدینہ میں سے نوعمر صحابی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کا نام سعد ابن مالک ابن سنان تھا۔ انھوں نے کہا کہ ہم دم کرتے ہیں مگر بغیر اجرت کے نہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ ہم دیں گے ہمارا سردار ٹھیک ہو جائے۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ گئے اور سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا كَاَنَّمَا نُشِطَ مِنْ عِقَالٍ "سردار

ایسا ہوگیا جیسے اس کو کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔" ان کے ساتھ تیس بکریاں طے تھیں کیوں کہ یہ تیس آدمی تھے کہ ہر ایک کو ایک ایک آجائے گی۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ دم پر اجرت جائز ہے اور اس کا یہی روایت ماخذ ہے۔ البتہ ہمارے اکابر کا طریقہ یہ تھا کہ وہ مانگتے نہیں تھے کوئی خوشی سے دیتا تو لے لیتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تیس بکریاں وصول کر کے کہنے لگے کہ آپس میں تقسیم کرلو پھر کہنے لگے کہ جاتو مدینہ منورہ رہے ہیں لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں کہ جو کام ہم نے کیا ہے ٹھیک ہے یا نہیں اس کے بعد فیصلہ کریں گے۔

مدینہ منورہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا واقعہ سنایا اور پوچھا کہ یہ ہمارے لیے جائز ہے یا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَاضْرِبُوْا لِیْ سَهْمًا مِّنْهُمْ "اس میں سے میرا حصہ بھی نکالو۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان لالچ کے طور پر نہیں تھا بلکہ یہ بتانا مقصود تھا کہ اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور ان کو یقین ہو جائے کہ اس میں ذرہ برابر بھی خرابی ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نہ لیتے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو حکم دیا ہے ﴿كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ [المومنون:۵۱] "پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوسعید! تجھے کس طرح معلوم ہوا کہ یہ سورۃ پڑھنی ہے؟ عرض کیا حضرت! ہم نے آپ سے سنا تھا کہ سورۃ فاتحہ کا نام شفا بھی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ شفا عطا فرماتے ہیں اس لیے میں نے یہ پڑھی۔ تو جس طرح سورۃ فاتحہ شفا ہے اسی طرح قرآن سارے کا سارا باطنی بیماریوں کے لیے تو شفا ہے ہی، ظاہری بیماریوں کے لیے بھی شفا ہے۔ اگر کسی وقت ہمارے پڑھنے اور دم کرنے سے اثر نہیں ہوتا تو وہ ہم میں کمی ہے قرآن پاک میں کوئی کمی نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وظائف بتائے ہیں ان میں کوئی کمی نہیں ہے۔

﴿وَهُدًى﴾ اور قرآن کریم نری ہدایت ہے ﴿وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور رحمت ہے ایمان والوں کے لیے۔ مومنوں کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ اس سے فائدہ وہ اُٹھاتے ہیں ورنہ بِالْقُوَّةِ هُدًى لِّلنَّاس ہے اور تمام مکلف مخلوق چاہے انسان ہوں یا جنات ہوں سب کے لیے رحمت اور ہدایت ہے ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ﴾ آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ کے فضل پر اور اس کی رحمت پر۔ مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ فضل سے مراد اسلام ہے اور رحمت سے مراد قرآن ہے۔ ﴿فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا﴾ پس اس لیے ان کو چاہیے کہ وہ خوش ہوں۔ جن کو اللہ تعالیٰ اسلام کی توفیق عطا فرمائے اور ایمان کی دولت نصیب فرمائے پھر اس کو قرآن کریم کی سمجھ عطا فرمائے۔ البتہ نیکی پر گھمنڈ بُری چیز ہے اور نیکی پر خوش ہونا اچھی بات ہے۔

ایمان کی پہچان

مسلم شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ حضرت! ایمان کی کوئی علامت بھی ہے؟ کہ جس

سے ہم سمجھیں کہ ہم مومن ہیں کیونکہ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی علامت اور نشانی ہوتی ہے جس سے اس شے کی شناخت ہوتی ہے۔ فرمایا، ہے! اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَأَنْتَ مُؤْمِنٌ "جب تیری نیکی تجھے خوش کردے کہ نیکی کرنے سے دل میں خوشی پیدا ہو اور جب تیری برائی تجھے بُری لگے کہ جب کوئی بُرائی کرو تو دل میں کڑھن پیدا ہو کہ مجھ سے یہ کام کیوں ہوا ہے پس سمجھ لو کہ مومن ہو۔"

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قد چھوٹا تھا۔ ناواقف آدمی ان کو دیکھ کر ان کے مقام کو نہیں سمجھ سکتا تھا کہ یہ کتنی بڑی شخصیت ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے کو علم سے منور کیا تھا۔ یہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑے مفسر قرآن اور سب سے بڑے فقیہ تھے۔ ان سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ يُّحِبُّ وَمَنْ لَّا يُحِبُّ "بے شک اللہ تعالیٰ دنیا اسے بھی دیتا ہے جس کے ساتھ محبت کرتا ہے اور اس کو بھی دیتا ہے جس کے ساتھ محبت نہیں کرتا وَلَا يُعْطِي الْاِيْمَانَ اِلَّا مَنْ يُّحِبُّ اور ایمان نہیں دیتا مگر اس کو جس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے وَلَا يُعْطِي الدِّيْنَ اِلَّا مَنْ يُّحِبُّ اور دین نہیں دیتا مگر اس کو کہ جس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔" دین کی سمجھ، دین کا ولولہ، ذوق شوق، دین کی طرف میلان رجحان جس شخص میں پیدا ہو جائے وہ سمجھے کہ رب تعالیٰ نے اس کے ساتھ محبت کا ارادہ کرلیا ہے۔

اور بخاری شریف میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ "اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں۔" فضل سے مراد اسلام ہے کہ جس کو اسلام کی دولت مل گئی ہے اسے خوش ہونا چاہیے اور خوش ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بھنگڑا ڈالو، جھنڈیاں لگاؤ، چراغاں کرو، اُچھلو اور کودو بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اے پروردگار! تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں توفیق بخشی ہے کہ الحمد للہ! ہم مسلمان ہیں ہمیں قرآن پاک سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشی ہے۔

﴿هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ یہ بہتر ہے ان چیزوں سے جن کو وہ اکٹھا کرتے ہیں۔ سونا چاندی، مال و دولت جو کچھ بھی جمع کرتے ہیں اس کے مقابلے میں یہ بہتر ہے اور قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ کے مقابلے میں دنیا و مافیہا کے خزانے ہیچ ہیں۔ ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ﴾ آپ ان سے کہہ دیں بتلاؤ (اے لوگو!) ﴿مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ﴾ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تمہارے لیے رزق۔ نازل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بارش آسمان کی سے نازل ہوتی ہے اس رزق سے پھل فصلیں پیدا ہوتی ہیں ﴿فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا﴾ پس بنایا تم نے اس میں سے کچھ حرام اور کچھ حلال اپنی مرضی سے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ﴾ کیا اللہ تعالیٰ نے تم کو اجازت دی ہے اس کو حلال کرو اور اس کو حرام کرو۔

کسی شے کو حلال حرام کرنا اللہ تعالیٰ کا منصب ہے

مسئلہ یہ ہے کہ حلال حرام کرنا رب تعالیٰ کا کام ہے۔ مخلوق میں یہ صفت اور اختیار رب تعالیٰ نے کسی کو نہیں دیا اگر یہ

اختیار مخلوق میں سے کسی کو حاصل ہوتا تو حضرت محمد ﷺ کو ہوتا کیونکہ ساری مخلوق میں بڑی فضلیت والی شخصیت آپ ﷺ ہیں لیکن حلال وحرام کرنے کا اختیار آپ ﷺ کو حاصل نہیں تھا۔ آپ نے خانگی مصلحت کے لیے ایک مرتبہ اپنی ذات کے لیے شہد حرام کیا تو اس پر پوری سورۃ تحریم نازل ہوئی ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ "اے نبی کریم ﷺ! آپ نے کیوں حرام کردی وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال فرمائی ہے۔" آگے فرمایا ﴿قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ﴾ "رب تعالیٰ نے فرض کیا تم پر کہ قسم کو توڑو۔" اور جو چیز حلال ہے اس کو استعمال کرو۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا تھا ابوجہل کی لڑکی جویریہ کے ساتھ نکاح کرنے کا۔ آنحضرت ﷺ کو پتا چلا تو بخاری شریف کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور فرمایا اے علی! مجھے خبر ملی ہے کہ تو جویریہ بنت ابوجہل کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے (جویریہ مسلمان ہو چکی تھی اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ آچکی تھی) یہ خبر اور افواہ صحیح ہے؟ کہنے لگے حضرت! کچھ ارادہ تو ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو! لَسْتُ اُحَرِّمُ حَلَالًا وَّ لَا اُحِلُّ حَرَامًا "جو چیز اللہ تعالیٰ نے حلال کردی ہے میں اس کو حرام کرنے کا مجاز نہیں ہوں اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے حرام کردی ہے میں اس کو حلال کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔" یہ رشتہ تیرے لیے جائز اور حلال ہے لیکن میں فاطمہ کا باپ ہوں اس کا مزاج اور ہے اور اُس خاندان کی عورتوں کا مزاج اور ہے۔ اس کو میں سمجھتا ہوں اس لیے تو نے اگر اس کے ساتھ نکاح کرنا ہے تو میری بیٹی کو طلاق دے دو یعنی مصلحت بھی دیکھنی چاہیے۔

چنانچہ جب تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زندہ رہی ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسی اور عورت سے شادی نہیں کی۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کئی عورتوں کے ساتھ نکاح کیا۔ تو حلال وحرام کا اختیار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شخصیت کو حاصل نہیں ہے۔

تو فرمایا کہ یہ جو تم چیزوں کو حلال وحرام کرتے ہو کیا اللہ تعالیٰ نے تمھیں اجازت دی ہے ﴿اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ﴾ یا تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ جو چیز رب تعالیٰ نے حلال کی دنیا کی کوئی طاقت اس کو حرام نہیں کرسکتی اور جس چیز کو رب تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے ساری دنیا اکٹھی ہو کر اس کو حلال نہیں کرسکتی۔

﴿وَمَا ظَنُّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ اور کیا خیال ہے ان لوگوں کا جو جھوٹ باندھتے ہیں اللہ تعالیٰ پر قیامت کے دن۔ اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں، رب تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں ﴿عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ اور ﴿الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ کہتے ہیں۔ ﴿وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بناتے ہیں۔ یہ جو رب تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا کیا خیال ہے قیامت والے دن کیا ہوگا ایسے ہی چھوٹ جائیں گے باز پرس نہیں ہوگی۔ قاعدہ تو یہ ہے ﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۝ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ۝﴾ "اور جس کسی نے ایک ذرہ کے برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی برائی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔" اور ہر چیز کا باقاعدہ جواب دینا ہوگا۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ فضل کرنے والا ہے لوگوں پر کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں، اس کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں، اس کے پیغمبروں کی توہین کرتے ہیں، انکار کرتے ہیں پھر بھی رب تعالیٰ ان کو رزق دیتا ہے، اولاد دیتا ہے کتنا بڑا مہربان ہے ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر ان میں سے شکر ادا نہیں کرتے۔ رب تعالیٰ کی ناشکری کرتے ہیں۔

﴿وَمَا تَكُوْنُ فِیْ شَاْنٍ﴾ اور نہیں ہوتے آپ کسی حال میں ﴿وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ﴾ اور نہیں تلاوت کرتے اس حال میں قرآن سے ﴿وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ﴾ اور نہیں عمل کرتے تم کوئی عمل ﴿اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا﴾ مگر ہم حاضر ہوتے ہیں تم پر ﴿اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ﴾ جس وقت تم مشغول ہوتے ہو اس کام میں ﴿وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ﴾ اور نہیں غائب تیرے رب سے ﴿مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ﴾ ایک ذرہ برابر چیز بھی زمین میں ﴿وَلَا فِی السَّمَآءِ﴾ اور نہ آسمان میں ﴿وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ﴾ اور نہ اس ذرے سے کوئی چھوٹی چیز اور نہ بڑی ﴿اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ مگر وہ ایسی کتاب میں درج ہے جو واضح ہے ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ﴾ خبردار! بے شک جو اللہ تعالیٰ کے اولیاء ہیں ﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ ولی وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور وہ متقی ہیں ﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ان کے لیے خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں ﴿وَفِی الْاٰخِرَةِ﴾ اور آخرت میں ﴿لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ﴾ نہیں ہے تبدیلی اللہ تعالیٰ کے کلمات میں ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ یہی ہے بڑی کامیابی۔

اللہ تعالیٰ کو حاضر ناضر سمجھنا بنیادی عقیدہ ہے؟

اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق جن بنیادی عقائد کا رکھنا ضروری اور لازمی ہے کہ جن کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر جگہ حاضر وناظر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس کے سوا کوئی حاضر وناظر نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا بھی بنیادی چیز ہے کہ رب تعالیٰ سب چیزوں کو جانتے ہیں ایک ذرہ برابر بھی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَا تَكُوْنُ فِیْ شَاْنٍ﴾ اور نہیں ہوتے آپ محمد رسول اللہ ﷺ کسی حال میں ﴿وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ﴾ اور نہیں تلاوت کرتے اس حال میں قرآن سے۔ اس حال سے مراد یہ ہے کہ کھڑے ہو کر تلاوت کرتے ہو، بیٹھ کر تلاوت کرتے ہو، لیٹ کر تلاوت کرتے ہو، چلتے پھرتے کرتے ہو، سب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے۔

آگے اُمتیوں کو خطاب ہے ﴿وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ﴾ اور اے اُمتیو! نہیں عمل کرتے تم کوئی عمل ﴿اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ

﴿شُهُودًا﴾ مگر ہم حاضر ہوتے ہیں تم پر یعنی اس عقیدے کو تم اچھی طرح ذہن میں رکھو کہ تم جو کچھ عمل کرتے ہو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے وہ دیکھ رہا ہے۔شھود جمع ہے شاھد کی۔شاھد کا معنی ہے حاضر۔جو کام تم کرتے ہو اور جس کام میں تم مصروف ہو وہاں اللہ موجود ہے ﴿إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ﴾ جس وقت تم مشغول ہوتے ہو اس کام میں۔تو اللہ تعالیٰ کی صفت حاضر و ناظر میں کوئی شریک نہیں ہے۔آگے صفت علم کا ذکر ہے ﴿وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ﴾ اور نہیں غائب تیرے رب سے ﴿مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ﴾ ایک ذرہ برابر چیز بھی زمین میں ﴿وَلَا فِي السَّمَآءِ﴾ اور نہ آسمان میں۔وہ ذرہ چاہے زمین میں ہو یا آسمان میں ہو۔ذرہ سرخ رنگ کی چیونٹی کو بھی کہتے ہیں جو نظر نہیں آتی اور ہوا میں جو باریک ذرات ہیں ان پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔

تو یہ عقیدہ رکھو کہ ہر جگہ حاضر و ناظر بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے اور ذرے ذرے کا علم بھی رب تعالیٰ رکھتا ہے ﴿وَلَآ أَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ أَكْبَرَ﴾ اور نہ اس ذرے سے کوئی چھوٹی چیز اور نہ بڑی چیز ایسی ہے جو رب تعالیٰ کے علم سے خارج ہو ﴿إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ﴾ مگر وہ ایسی کتاب میں درج ہے جو واضح ہے۔کتاب مبین سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔اللہ تعالیٰ نے جب سے دنیا پیدا کی ہے اس وقت سے لے کر دخولِ جنت و نار تک کی سب چیزیں لوحِ محفوظ میں درج ہیں۔دنیا کی پیدائش سے پہلے کی چیزیں اور مومن، کافر کے جنت، دوزخ میں داخل ہونے کے بعد ہمیشہ کی چیزوں کا علم صرف رب تعالیٰ کے پاس ہے۔کیوں کہ لوح محفوظ ایک متعین چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم ازلی اور ابدی ہے، جس کی نہ کوئی ابتداء ہے اور نہ انتہا ہے اور لوحِ محفوظ اللہ تعالیٰ کے علم کے کروڑ در کروڑ کا کروڑواں حصہ بھی نہیں ہے اور رب تعالیٰ کی اس صفت علم میں بھی کوئی شریک نہیں ہے۔لیکن دنیا میں غلط سے غلط عقیدہ رکھنے والے لوگ بھی موجود ہیں۔

احمد رضا خان کے غلط نظریات

احمد رضا خان صاحب اپنی متعدد کتابوں میں لکھتے ہیں کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر دخول جنت والنار تک اور از شرق تا غرب از شمال تا جنوب از فرش تا عرش کوئی ذرہ اور کوئی قطرہ بھی نہیں جس کا علم آنحضرت ﷺ کو نہ ہو، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔جب ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ تو شرک ہے رب تعالیٰ کے ساتھ تو پھر کہتے ہیں کہ یہ سارا علم رب نے آپ ﷺ کو دیا ہے یعنی شرک تب ہے کہ ذاتی علم مانا جائے۔یہ تو رب تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی شریک نہیں

یاد رکھنا! ان کی یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔نہ یہ سارا علم آپ ﷺ کو حاصل تھا اور نہ رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا کیا تھا۔قرآن کریم کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورۃ، سورت توبہ ہے [بخاری، ص ۶۲۶، ج ۲] اس کے بعد صرف سورۃ نصر نازل ہوئی ہے۔اس آخری سورت میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ اور بعض مدینے والے اڑے ہوئے ہیں نفاق پر اے محمد ﷺ! آپ ان کو نہیں جانتے صرف ہم ہی ان کو

جانتے ہیں۔“

یہ ارشاد اس امر پر واضح دلیل ہے کہ ان منافقوں کو جن کا نفاق حدِ کمال کو پہنچا ہوا تھا اور جو نفاق پر اڑے ہوئے اور بضد تھے ان کو بھی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے تھے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب اور جمیع مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کا علم ہوتا تو لامحالہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان منافقوں کے حالات معلوم ہوتے اور اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نہیں جانتے فقط ہم ہی جانتے ہیں۔ اس کے بعد وہ کون سی آیت نازل ہوئی ہے جس میں اس بات کا ذکر ہو کہ ان منافقوں کا علم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے؟ اور سورۃ یٰسین میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ﴾ ”اور ہم نے اس (جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور یہ ان کے لائق بھی نہیں ہے۔“ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اشعار کی تعلیم دی ہی نہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی تعلیم نہیں دی اور کہاں سے حاصل ہو گئی؟ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے واقعات بیان فرمائے ہیں۔ ان کے متعلق سورۃ مومن میں ہے ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ﴾ ”اور البتہ ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے ان میں سے بعض کے احوال ہم نے آپ کو بتائے اور بعض کے احوال ہم نے آپ کو نہیں بتائے۔“ ان کا علم رب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیا۔

تُبَّعٌ کا لفظ قرآن پاک میں دو دفعہ آیا ہے۔ اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لَا اَدْرِيْ اَتُبَّعٌ نَبِيٌّ اَمْ لَا ”میں نہیں جانتا مجھے اس کا علم نہیں کہ تبع نبی تھے یا نبی نہیں تھے“ وَلَا اَدْرِيْ اَذِي الْقَرْنَيْنِ نَبِيٌّ كَانَ اَمْ لَا ”مجھے معلوم نہیں کہ ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں۔“ یہ ابوداؤد وغیرہ کی روایت ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ذرے ذرے کے علم کا عقیدہ رکھنا صریحاً قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ یہ عقیدہ اچھی طرح یاد رکھیں کہ ہر جگہ حاضر وناظر صرف رب تعالیٰ کی ذات ہے اور ذرے ذرے کا علم بھی صرف پروردگار کو ہے اور کسی کو نہیں ہے۔

اولیاء اللہ کی تعریف

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلَآ﴾ خبردار! ﴿اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے جو ولی ہیں ﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾ نہ خوف ہوگا ان پر ﴿وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ آئندہ کے لیے کسی شے کا خدشہ ہو تو اس کو خوف کہتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور مہربانی سے جنت میں داخل ہو جائیں گے تو آئندہ پھر کوئی خطرہ نہیں ہوگا کہ ہمیں یہاں سے نکالا جائے گا یا ہم بیمار ہوں گے یا مر جائیں گے اور یہ کوٹھیاں ہم سے چھین لی جائیں گی۔ اور حزن کہتے ہیں گزشتہ کسی چیز پر غم کھانا۔ تو وہ اس بات کا غم نہیں کھائیں گے کہ کاش ہم دنیا میں نیکیاں کر لیتے کیوں کہ الحمد للہ! انھوں نے دنیا میں نیکیاں کی تھیں۔

اب رہی یہ بات کہ ولی کہتے کسے ہیں؟ تو رب تعالیٰ نے بالکل مختصر دو جملوں میں ولی کی تعریف کی ہے۔ فرمایا ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ ولی وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے۔ تو ولی کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو ﴿وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ اور وہ

متقی ہیں۔ یہ دوسری شرط ہے۔ متقی اُسے کہتے ہیں کہ جو کام کرنے والے ہوں انہیں چھوڑے نہ اور جو نہ کرنے کے ہوں ان کے قریب نہ جائے۔ یہ ہے ولی، یہ نہیں کہ جو کپڑے اُتار کر ننگ دھڑنگ ہو کر پھرے اور کہے کہ میں ولی ہوں تو اس کو ولی مان لو۔ یا گھنگرو پُل باندھ کر پھرے تو اس کو ولی مان لو بالکل نہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ایمان کے بغیر کوئی ولی نہیں ہو سکتا چاہے اس سے عجیب وغریب چیزیں ہی کیوں نہ صادر ہوں۔ دیکھو! دجال لعین کے ہاتھ سے بہت کچھ صادر ہوگا۔ مثلاً: اشارہ کرے گا بادل اکٹھے ہو جائیں گے اور بارش برسنی شروع ہو جائے گی، پاؤں مارے گا زمین سے سونا نکل آئے گا، غریب آدمی اسے کہے گا کہ میں بھوکا مر گیا ہوں اشارہ کرے گا اس کے پاس اتنی دولت ہو جائے گی کہ وہ سنبھال نہیں سکے گا اور جو مومن دجال کا انکار کرے گا اس کا سارا سامان دجال کے پیچھے چل پڑے گا۔ مومن کا گھر اس طرح خالی اور صاف ہو جائے گا جیسے ہتھیلی ہوتی ہے۔ کرسیاں پلنگ وغیرہ سب دجال کے پیچھے چل پڑیں گے۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ ایک آدمی کے دو ٹکڑے کر کے ایک اِدھر پھینک دے گا اور ایک اُدھر پھینک کر درمیان سے گزر جائے گا پھر اُسے زندہ کرے گا۔ تو اس کو ولی سمجھا جائے گا؟ ہرگز نہیں!

اسی لیے فقہائے کرام اور متکلمین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جس کے ہاتھ سے عجیب وغریب چیزیں ظاہر ہوں اس کو ولی نہ سمجھ لو بلکہ یہ دیکھو کہ وہ مومن متقی ہے یا نہیں۔ اگر مومن متقی ہے اور پھر اس کے ہاتھ سے خلافِ عادت چیزیں ظاہر ہوتی ہیں تو اس کی کرامت ہے اور اگر مومن متقی نہیں ہے اور اس سے عجیب وغریب چیزیں ظاہر ہوتی ہیں تو استدراج ہے یعنی رب تعالیٰ کی طرف سے مہلت ہے۔ گویا ولایت سے کرامت کی طرف جانا نہ کہ استدراج سے ولایت کی طرف۔ کیونکہ اگر محض عجیب چیز کا صادر ہونا ولایت کی دلیل ہو تو پھر دجال لعین کو تو رئیس الاولیاء ماننا پڑے گا۔ بڑی عجیب وغریب چیزیں اس کے ہاتھ پر ظاہر ہوں گی اور وہ خدا ہونے کا دعویٰ بھی کرے گا۔ چونکہ وہ مومن نہیں ہوگا اس لیے وہ ولی نہیں بلکہ دجال لعین ہوگا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں کوئی ایسا نبی نہیں آیا جس نے اپنی امت کو دجال کے متعلق آگاہ نہ کیا ہو مگر میں ایک بات کہتا ہوں لَمْ یَقُلْهُ نَبِیٌّ قَبْلِیْ جو میرے سے پہلے کسی نبی نے نہیں کہی وہ یہ کہ دجال اَعْوَرُ یعنی کانا ہوگا وَ اِنَّ رَبَّکُمْ لَیْسَ بِاَعْوَرٍ اور بے شک تمہارا رب کانا نہیں ہے۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔ دیکھو! بڑی عجیب بات ہے کہ بڑی عجیب وغریب چیزیں اس سے ظاہر ہوں گی مگر اپنے کانے پن کو دور نہیں کر سکے گا گویا رب تعالیٰ نے اس کے دجال ہونے کی علامت بتلائی ہے کہ ایک آنکھ آگے کو اُبھری ہوئی ہوگی بڑی بڑی لگے گی مگر وہ اس کو ٹھیک نہیں کر سکے گا۔ تو ولی کی تعریف یہ ہے کہ وہ مومن ہوتا ہے اور متقی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ﴾ ان کے لیے خوش خبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔ روایات میں آتا ہے کہ مومن صالح کی جب وفات ہوتی ہے تو فرشتے اس کے سامنے جنت میں اس کی کوٹھی کا نقشہ اس کے سامنے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو نے یہاں جانا ہے تو اس کے دل میں شوق پیدا ہوتا ہے کہ جلدی جاؤں اور کافر

کے سامنے جہنم کا نقشہ پیش ہوتا ہے تو وہ زاری کرتا ہے اور کہتا ہے ﴿لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ "اے میرے پروردگار! کیوں نہیں تو نے مجھے مہلت دی تھوڑی سی مدت تک تاکہ میں صدقہ کرتا اور ہوجاتا نیکوں میں سے۔" توبہ کر لیتا ﴿وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا﴾ [سورۃ منافقون] "اور اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں مؤخر کرے گا کسی جان سے موت جب اس کا وعدہ آگیا۔" وقت آنے کے بعد ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں ہوگی اور اس وقت توبہ، ایمان کوئی شے قبول نہیں ہوگی۔

اور آخرت میں قبر میں بھی ایمان والوں کو فرشتے خوشخبری سنائیں گے اور میدان محشر میں بھی اور جنت میں بھی خوشخبریاں ہوں گی ﴿لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ﴾ نہیں ہے تبدیلی اللہ تعالیٰ کے کلمات میں۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو کوئی تبدیل نہیں کرسکتا۔ ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ یہی بڑی کامیابی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں بھی خوشخبری ملے، آخرت میں بھی خوشخبری ملے اور عذاب سے بچ جائیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مقام میں پہنچ جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان مرد اور عورت کو نصیب فرمائے۔ (آمین)

﴿وَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ﴾ اور نہ غم میں ڈالے آپ کو ان کی بات ﴿اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا﴾ بے شک عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے سب ﴿هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ وہی سننے والا جاننے والا ہے ﴿اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ﴾ خبردار بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ﴿مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ﴾ وہ مخلوق جو آسمانوں میں ہے اور وہ مخلوق جو زمینوں میں ہے ﴿وَ مَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ﴾ اور نہیں پیروی کرتے وہ لوگ ﴿یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ﴾ جو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے شریکوں کو ﴿اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ﴾ نہیں پیروی کرتے مگر گمان کی ﴿وَ اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ﴾ اور نہیں ہیں وہ مگر اٹکل سے بات کرتے ﴿هُوَ الَّذِیْ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ﴿جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ﴾ جس نے بنائی تمہارے لیے رات ﴿لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ﴾ تاکہ تم اس میں آرام حاصل کرو ﴿وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا﴾ اور دن کو روشن بنایا ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ﴾ بے شک اس میں خدا کی قدرت کی دلیلیں ہیں ﴿لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو سنتی ہے ﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا﴾ کہا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ نے اولاد بنالی ہے ﴿سُبْحٰنَهٗ﴾ اس کی ذات پاک ہے ﴿هُوَ الْغَنِیُّ﴾ وہ بے پروا ہے ﴿لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ اسی کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں ﴿اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا﴾ نہیں ہے تمہارے پاس کوئی دلیل اس کی ﴿اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ﴾ کیا تم کہتے ہو اللہ تعالیٰ پر ﴿مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ وہ چیز جو تم نہیں جانتے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ﴾

﴿يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ بے شک وہ لوگ جو افتراء باندھتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا ﴿لَا يُفْلِحُوْنَ﴾ وہ فلاح نہیں پائیں گے ﴿مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا﴾ تھوڑا سا فائدہ ہے دنیا میں ﴿ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ﴾ پھر ہماری طرف ہی ہے ان کا لوٹنا ﴿ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ﴾ پھر ہم ان کو چکھائیں گے سخت عذاب ﴿بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ﴾ اس وجہ سے کہ وہ کفر کرتے تھے۔

مشرکین کا انداز غیر مہذب تھا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر بھی اور غائبانہ طور پر بھی ایسی باتیں کرتے تھے جو شرافت کی حد سے خارج تھیں۔ مجنون کہتے، مسحور کہتے، جادوگر کہتے، کذاب کہتے، مفتری کہتے، غربت کے طعنے دیتے، جس سے طبعاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی تھی اور یہ تکلیف انسان کے مزاج کی بات ہے۔ ہماری تمھاری کیا حیثیت ہے مگر ہمیں بھی کوئی کہے کہ تم پاگل ہو، بڑے جھوٹے ہو، افتراء باندھتے ہو، بہتان تراش ہو تو تکلیف ہوگی۔ کسی مال دار سے بات کریں تو وہ کہے گا کہ تیرے پاس کون سی کوٹھی ہے جو مجھ سے بات کرتا ہے، کون سی دولت ہے تیرے پاس، تیری کیا پوزیشن ہے میرے ساتھ بات کرنے کی؟ تو طبعاً تکلیف ہوگی۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اُن کی باتوں سے تکلیف اور رنج ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا ﴿وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ﴾ اور نہ غم میں ڈالے آپ کو ان کی بات کہ مخالف کا کام ہے مخالفت کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باتوں سے غمگین نہ ہوں کیوں کہ ﴿اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾ بے شک عزت ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اور سورۃ منافقون میں ہے ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ "اور اللہ تعالیٰ کے لیے عزت ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنوں کے لیے۔" عزت وہ ہے جو دل میں ہو، زبان سے انسان بہت کچھ کہہ جاتا ہے۔ کبھی گدھے کو بھی چچا کہہ دیتا ہے۔

اس میں ہمارے لیے سبق ہے کہ اگر مخالف تمھارے خلاف پروپیگنڈہ کرتا ہے تو اس نے تو کرنا ہے تم اس کی پروانہ کرو اور اپنا کام کرتے جاؤ۔ علامہ اقبال مرحوم نے کہا ہے ؎

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب!
یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اُڑانے کے لیے

"دشمن تند ہوا ہے اس کی مخالفت سے تم اور بلند ہو جاؤ گے۔ (گویا مخالفت سے بہادر ہمت نہیں ہارتے بلکہ اپنی کوشش تیز تر کر دیا کرتے ہیں)۔" دشمن کی باتوں سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ یہ ذہن بنالو کہ باتیں ہوئی ہی نہیں ہیں۔

﴿هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ وہی سننے والا جاننے والا ہے ﴿اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ خبردار بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے ہے وہ مخلوق جو آسمانوں میں ہے اور وہ مخلوق جو زمینوں میں ہے۔ آسمانوں میں فرشتے ہیں اور زمین میں انسان

ہیں، جنات ہیں اور رب تعالیٰ کی بے شمار مخلوق ہے سب رب تعالیٰ کی ملک ہے اور سب پر تصرف رب تعالیٰ کا ہے کسی اور کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

﴿وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ﴾ اور نہیں پیروی کرتے وہ لوگ ﴿يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ﴾ جو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے شریکوں کو حاجت روا، مشکل کشا سمجھ کر، فریادرس سمجھ کر۔ اپنے گمان میں وہ ان کو رب تعالیٰ کا شریک سمجھتے ہیں۔ حقیقت میں رب تعالیٰ کا شریک کون ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہٗ لا شریك لہٗ ہے۔ ﴿إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ﴾ نہیں پیروی کرتے وہ مگر گمان کی۔ اپنے گمان سے انھوں نے خدا کے شریک بنائے ہوئے ہیں اور ان کی پوجا کرتے ہیں یہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کے قطعاً شریک نہیں ہیں ﴿وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾ اور نہیں ہیں وہ مگر اٹکل سے بات کرتے۔ خرص کا لغوی معنیٰ ہے درخت پر لگے ہوئے پھل کا اندازہ لگانا کہ یہ کتنا ہوگا اور یہ اندازہ کبھی صحیح ہوتا ہے اور کبھی غلط ہوتا ہے۔ تو یہ غیر اللہ کے بارے میں تخمینے سے باتیں کرتے ہیں کہ وہ خدا کے شریک ہیں حقیقت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ وہ ذات میں بھی وحدہٗ لا شریك لہٗ ہے اور صفات میں بھی وحدہٗ لا شریك لہٗ ہے اور افعال میں بھی وحدہٗ لا شریك لہٗ ہے۔

﴿هُوَ الَّذِي﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے ﴿جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ﴾ جس نے بنائی تمھارے لیے رات ﴿لِتَسْكُنُوا فِيهِ﴾ تاکہ تم اس میں آرام حاصل کرو۔ رات اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں میں نیند کا بھی ذکر فرمایا ہے ﴿وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا﴾ اگر مسلسل کسی کو نیند نہیں آتی تو وہ پاگل ہوجاتا ہے۔ اَطِبّاء لکھتے ہیں کہ نوجوان کے لیے چوبیس گھنٹوں میں سات گھنٹے نیند ہونی چاہیے اور بوڑھوں کے لیے تین چار گھنٹے بھی کافی ہیں۔

فرمایا ﴿وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا﴾ اور دن کو روشن بنایا تاکہ تم دن کی روشنی میں دین کے کام بھی کرو اور دنیا کے کام بھی کرو ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ﴾ بے شک اس میں خدا کی قدرت کی دلیلیں ہیں۔ رات اور طرح ہے دن اور طرح ہے، رات کے کام اور ہیں دن کے کام اور ہیں، سورج ہے، چاند ہے، یہ سب خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں ﴿لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ﴾ اس قوم کے لیے جو سنتی ہے اور مانتی ہے۔ اور جس نے سننا ماننا نہیں ہے اس کے لیے کچھ بھی نہیں ہے وہ ﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ﴾ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں۔ عبرت حاصل کرنے والے ہی صحیح طور پر فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا﴾ کہا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ نے اولاد بنائی ہے اور سورۃ توبہ آیت نمبر ۳۰ میں ہے ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ﴾ "اور کہا یہودیوں نے عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور کہا نصاریٰ نے مسیح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔" پہلے تو عزیر علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنایا جب تھوڑا سا لوگوں کا ذہن بن گیا تو پھر دعویٰ کر دیا ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ﴾ [المائدہ: ۱۸] "اور کہا یہودیوں نے اور نصرانیوں نے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔"

اور عرب اور غیر عرب میں جو جاہل قسم کے لوگ تھے وہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ سورۃ النحل آیت نمبر ۵۷ میں ہے ﴿وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ﴾ "اور ٹھہراتے ہیں یہ لوگ اللہ کے لیے بیٹیاں ﴿سُبْحَانَهُ﴾ پاک ہے اس کی ذات

بیٹیوں سے بھی اور بیٹوں سے بھی۔" ان کے دعوے سب جھوٹے ہیں۔ یہ جاہل اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور خود ان کا اپنا حال یہ ہے کہ ﴿وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ﴾ [آیت:۵۸] "اور جب خوش خبری دی جائے ان میں سے کسی کو بیٹی کی تو ہو جاتا ہے اس کا چہرہ سیاہ اور وہ غم میں بھرا ہوا ہوتا ہے کہ میرے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے۔" اپنے لیے تو لڑکیوں کو پسند نہیں کرتے اور رب تعالیٰ کی طرف لڑکیوں کی نسبت کرتے ہیں یہ ظالم۔ اللہ تعالیٰ لڑکے لڑکیوں سے پاک ہے اگر اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد مناسب ہوتی تو صرف لڑکے ہوتے اور ہوتے بھی بے شمار۔

بھٹیارے کا پادری کو لاجواب کرنا

فانڈر پادری بڑا ذہین، طرار اور منہ پھٹ آدمی تھا۔ اس نے ایک دن دہلی کی شاہی مسجد کی سیڑھیوں کے پاس کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی اس کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ مسجد کے قریب ایک کالے رنگ کا بھٹیارا تھا لوگوں کو دانے بھون بھون کر دیتا تھا۔ وہ بھی تقریر سن رہا تھا لوگ اکٹھے ہو گئے لیکن کوئی اس کو جواب نہیں دے رہا تھا۔ بھٹیارا ہاتھ میں درانتی پکڑے ہوئے جس سے وہ دانے ریت ہلاتا تھا آ گیا اور کہنے لگا پادری صاحب مجھے یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے کتنے بیٹے ہیں؟ اس نے کہا ایک ہی بیٹا ہے یسوع مسیح علیہ السلام۔ بھٹیارے نے کہا مجھے دیکھ اور میری شکل اور قد کو دیکھ! میرے تو چودہ بیٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ اتنا بڑا ہے اس کا صرف ایک ہی بیٹا ہے؟ کوئی عقل کی بات کر۔ مطلب اس کا یہ تھا کہ بیٹا ہونا اگر کوئی کمال کی بات ہے تو پھر تو رب تعالیٰ مجھ سے بھی پیچھے رہ گیا کہ میرے تو چودہ بیٹے ہیں اور رب تعالیٰ کا صرف ایک بیٹا ہے۔ ہر آدمی کی گفتگو کا اپنا اپنا انداز ہوتا ہے پادری لاجواب ہو گیا۔

تو اللہ تعالیٰ کی ذات بیٹوں اور بیٹیوں سے پاک ہے، بیوی سے پاک ہے، ہر اس عیب سے پاک ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے۔ ﴿سُبْحٰنَهٗ﴾ اس کی ذات پاک ہے ﴿هُوَ الْغَنِيُّ﴾ وہ بے پروا ہے۔ بھئی! انسان تو اولاد اس لیے مانگتا ہے کہ جب میں بوڑھا ہو جاؤں گا تو میری خدمت کرے گی رب تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے وہ تو بے پروا ہے اور خدمت کی نیت بھی عام لوگ کرتے ہیں جو بے سمجھ ہیں پھر ان کو نیتوں کا پھل بھی بہت کم ملتا ہے۔ پہلے زمانے کے لوگ بڑے صحیح العقیدہ اور خالص لوگ تھے اور اولاد کی دعا کرتے تھے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بڑھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتیوں میں اضافہ ہو۔ خدمت بالتبع حاصل ہو جاتی تھی اللہ تعالیٰ ان کی نیتوں کو پھل لگا دیتا تھا اور ہماری نیتیں چونکہ خالص نہیں ہیں ہمارا ذہن یہ ہے کہ بچے پیدا ہوں گے وہ کمائیں گے اور ہمیں کھلائیں گے۔ جب وہ کمانے کے قابل ہوتے ہیں تو ان کے ہاتھوں سے جوتے کھاتے ہیں اور خوب جی بھر کے کھاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان تمام ضرورتوں سے پاک ہے۔ ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ﴾ اسی کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں۔ اس کے سوا کوئی مالک نہیں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے ﴿اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا﴾ اِنْ نافیہ ہے۔

معنیٰ ہوگا نہیں ہے تمھارے پاس کوئی دلیل اس کی کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں یا مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں یا فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ﴿مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا﴾ [جن:۳] "نہیں بنائی اس نے اپنے لیے کوئی بیوی اور نہ اولاد۔" وہ ان سب چیزوں سے پاک ہے نہ اس کی ابتداء ہے نہ اس کی انتہاء ہے۔ اس کے سارے اوصاف و کمالات ذاتی ہیں۔ مخلوق کے جتنے اوصاف ہیں وہ رب تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے ہیں۔ جب اپنی شے ہی کوئی نہیں تو غرور کس چیز کا، تکبر کس چیز کا؟ اس لیے تکبر مخلوق کے لیے حرام ہے۔

حدیث قدسی ہے اَلْکِبْرُ رِدَائِیْ فرمایا "تکبر میری چادر ہے" میری صفت ہے۔ مخلوق کی کوئی شے ذاتی نہیں ہے۔ ﴿اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ کیا کہتے ہو تم اللہ تعالیٰ پر وہ چیز جو تم نہیں جانتے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ بے شک وہ لوگ جو افتراء باندھتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا ﴿لَا يُفْلِحُوْنَ﴾ وہ فلاح نہیں پائیں گے۔ ان کو کبھی کامیابی نصیب نہیں ہوگی کتنے دن عیش کر لیں گے؟ اللہ تعالیٰ کی گرفت یقیناً آئے گی اس سے بچ نہیں سکتے ﴿مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا﴾ تھوڑا سا فائدہ ہے دنیا میں۔ دس دن کھالیں گے، سال کھالیں گے، دس سال، پچاس سال، سو سال کھالیں گے آخرت کی طویل زندگی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔

دنیوی زندگی آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں

حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چودہ سو سال زندگی عطا فرمائی۔ چالیس سال نبوت سے پہلے اور ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی اور طوفانِ نوح کے بعد کئی سو سال زندہ رہے۔ تفسیروں میں لکھا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا لوگ خبر گیری کے لیے آئے تو پوچھا حضرت! آپ نے بڑی زندگی پائی ہے دنیا کو آپ نے کیسا پایا؟ فرمایا یوں سمجھو کہ دنیا ایک مکان ہے اس کے ایک دروازے سے داخل ہوا ہوں اور دوسرے سے نکل رہا ہوں۔ یعنی چودہ سو سال کی زندگی کو اس طرح تعبیر کیا۔ ہماری زندگیاں تو ان کے مقابلے میں کچھ نہیں ہیں مگر ہم دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ آخرت کو، قبر کو کچھ نہیں سمجھتے اسی دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھ لیا ہے۔

یاد رکھنا! یہ زندگی عارضی اور فانی ہے اور اس کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہربانی ہے۔ کوئی پتا نہیں ہے کہ اب ہے چند منٹ بعد ہوگی کہ نہیں، صبح ہے شام ہے کہ نہیں اس مغالطے میں کبھی نہ آنا کہ ہم ابھی جوان ہیں بوڑھے ہوں گے تو مریں گے، تندرست ہیں بیمار ہوں گے تو مریں گے جوان بھی مرتے ہیں، تندرست بھی مرتے ہیں۔ یہ بات میں کئی دفعہ کہہ چکا ہوں کہ ہمارا دور حادثاتی دور ہے معلوم نہیں کہ کس وقت کیا ہونے والا ہے۔ اس حادثاتی دور میں جو شخص رات کو خیریت کے ساتھ گھر واپس آجائے تو دو رکعت شکرانے کے پڑھے کہ پروردگار تیرا شکر ہے کہ میں بخیریت گھر واپس آگیا ہوں۔

تو فرمایا کہ تھوڑا سا فائدہ اٹھالیں ﴿ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ﴾ پھر ہماری طرف ہی ہے ان سب کا لوٹنا ﴿ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ

﴿الشَّدِیۡدَ﴾ پھر ہم ان کو چکھائیں گے سخت عذاب۔ دیکھو! دنیا کی آگ میں پتھر، لوہا، تانبا پگھل جاتے ہیں اور دوزخ کی آگ اس سے انہتر گنا زیادہ تیز ہے۔ اگر بندے کو مارنا مقصود ہوتو اس آگ کا ایک شعلہ ہی کافی ہے لیکن مرجائے توسزا کس کو ہوگی۔ ﴿لَا یَمُوۡتُ فِیۡہَا وَ لَا یَحۡیٰی﴾ "نہ دوزخ میں مرے گا نہ جیے گا۔" مرے گا اس لیے نہیں کہ سزا کون بھگتے گا اور عذاب کی زندگی کوئی زندگی نہیں۔ خود اپنے لیے کہیں گے ﴿یٰلَیۡتَہَا کَانَتِ الۡقَاضِیَۃَ﴾[الحاقہ: ۲۷] "کاش کہ یہ موت مجھے ختم ہی کر دیتی۔" کاش کہ ہم پر موت ہی آجائے، اپنے لیے ہلاکت مانگیں گے مل جل کر مالک علیہ السلام جو جہنم کے انچارج ہیں ان کے پاس جائیں گے اور کہیں گے ﴿یٰمٰلِکُ لِیَقۡضِ عَلَیۡنَا رَبُّکَ﴾[الزخرف: ۷۷] "اے مالک چاہیے کہ فیصلہ کر دے ہم پر تمہارا پروردگار۔" وہ ہمیں مار دے۔ وہ جواب دیں گے چلے جاؤ تمھارے پاس پیغمبر نہیں آئے تھے، کتابیں نہیں آئی تھیں ﴿وَ مَا دُعٰٓؤُا الۡکٰفِرِیۡنَ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ﴾[رعد: ۱۴] "اور نہیں پکار کافروں کی مگر گمراہی میں۔"

تو ان کی موت کی دعا بھی قبول نہیں ہوگی اور سخت عذاب میں رہیں گے ﴿بِمَا کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ﴾ اس وجہ سے کہ وہ کفر کرتے تھے۔ رب تعالیٰ کی توحید کا انکار کرتے تھے، پیغمبروں کی رسالت کا انکار کرتے تھے، حق کی باتوں کا انکار کرتے تھے، قیامت کا انکار کرتے تھے، رب تعالیٰ کی صفات کا انکار کرتے تھے، کفر پر ڈٹے ہوئے تھے اس لیے سخت سے سخت عذاب ان کو دیا جائے گا۔

﴿وَاتۡلُ عَلَیۡہِمۡ﴾ اور اے پیغمبر آپ ان کو پڑھ کر سنائیں ﴿نَبَاَ نُوۡحٍ﴾ خبر نوح علیہ السلام کی ﴿اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِہٖ﴾ جب کہا انھوں نے اپنی قوم سے ﴿یٰقَوۡمِ﴾ اے میری قوم ﴿اِنۡ کَانَ کَبُرَ عَلَیۡکُمۡ مَّقَامِیۡ وَ تَذۡکِیۡرِیۡ﴾ اگر گراں گزرتا ہے تم پر میرا کھڑا ہونا اور میرا نصیحت کرنا ﴿بِاٰیٰتِ اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ ﴿فَعَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلۡتُ﴾ تو میں اللہ تعالیٰ پر توکل رکھتا ہوں ﴿فَاَجۡمِعُوۡۤا اَمۡرَکُمۡ﴾ پس تم جمع کر لو اپنا معاملہ ﴿وَ شُرَکَآءَکُمۡ﴾ اور اپنے شریکوں کو ﴿ثُمَّ لَا یَکُنۡ اَمۡرُکُمۡ عَلَیۡکُمۡ غُمَّۃً﴾ پھر نہ ہو تمھارے معاملے میں تم پر کوئی اشتباہ ﴿ثُمَّ اقۡضُوۡۤا اِلَیَّ﴾ پھر فیصلہ کر لو میرے خلاف ﴿وَ لَا تُنۡظِرُوۡنِ﴾ اور مجھے مہلت بھی نہ دو ﴿فَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ﴾ پس اگر تم نے روگردانی کی ﴿فَمَا سَاَلۡتُکُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ﴾ پس میں نہیں سوال کرتا تم سے کسی معاوضے کا ﴿اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ﴾ نہیں ہے میرا اجر مگر اللہ تعالیٰ کے ذمے ﴿وَ اُمِرۡتُ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے ﴿اَنۡ اَکُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ﴾ کہ ہو جاؤں میں مسلمانوں میں سے ﴿فَکَذَّبُوۡہُ﴾ پس جھٹلایا ان لوگوں نے نوح علیہ السلام کو ﴿فَنَجَّیۡنٰہُ﴾ پس نجات دی ہم نے اس کو ﴿وَ مَنۡ مَّعَہٗ فِی الۡفُلۡکِ﴾ اور ان کو جو ان کے ساتھ تھے کشتی میں ﴿وَ جَعَلۡنٰہُمۡ خَلٰٓئِفَ﴾ اور بنایا ہم نے ان کو نائب ﴿وَ اَغۡرَقۡنَا

﴿ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ﴾ اور غرق کیا ہم نے ان لوگوں کو جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿ فَانۡظُرۡ ﴾ پس دیکھو ﴿ کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُنۡذَرِیۡنَ ﴾ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جن کو ڈرایا گیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا میں سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو بھیجا اور آدم علیہ السلام ہی کو پیغمبر بنایا۔ تو آدم علیہ السلام پہلے انسان اور پہلے پیغمبر ہیں ان کی عمر ہزار سال تھی اُنھوں نے کئی نسلیں دیکھیں۔ اس دور میں اور گناہ تو تھے لیکن شرک وکفر نہیں تھا ﴿ کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً ﴾ عقیدے کے لحاظ سے لوگ ایک طرح کے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک ہزار سال بعد حضرت نوح علیہ السلام تشریف لائے۔ یہ پہلے پیغمبر ہیں جن کی قوم نے شرک کو ترویج دی ان کو اللہ تعالیٰ نے چودہ سو سال عمر عطا فرمائی۔ ساڑھے نو سو سال اُنھوں نے اپنی قوم کو تبلیغ کی۔

حق سے اگر کسی کو تکلیف ہوتی ہے تو ہوتی رہے !

اللہ تبارک وتعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں ﴿ وَاتۡلُ عَلَیۡہِمۡ ﴾ اور اے پیغمبر آپ ان کو پڑھ کر سنائیں ﴿ نَبَاَ نُوۡحٍ ﴾ نوح علیہ السلام کی خبر ﴿ اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِہٖ ﴾ جب کہا انھوں نے اپنی قوم سے ﴿ یٰقَوۡمِ ﴾ اے میری قوم! ﴿ اِنۡ کَانَ کَبُرَ عَلَیۡکُمۡ مَّقَامِیۡ ﴾ اگر گراں اور بھاری گزرتا ہے تم پر میرا کھڑا ہونا تبلیغ کے لیے ﴿ وَتَذۡکِیۡرِیۡ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ﴾ اور میرا نصیحت کرنا اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ تمھاری طبائع پر ناگوار گزرتا ہے تو ہوا کرے میں تو اس سے باز نہیں آؤں گا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا وعظ ونصیحت کرنا ان پر کتنا ناگوار تھا اس کا اندازہ آپ اس روایت سے لگائیں جو حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ نقل فرمائی ہے کہ جب نوح علیہ السلام کے دور میں طوفان آیا تو ایک نوجوان لڑکی شادی شدہ جس کی عمر تقریباً بیس سال ہوگی ایک خوب صورت بچہ اٹھائے ہوئے حضرت نوح علیہ السلام کے سامنے آئی۔ اس کو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا بیٹی! اپنی جان پر بھی رحم کرو اور اپنے بچے پر بھی رحم کرو اور میرا کلمہ پڑھ لو۔ کہنے لگی اگر تمہارا کلمہ پڑھنے کی وجہ سے میری جان بچتی ہے تو اس سے مر جانا بہتر ہے۔ اب اس ضد کا بھی کوئی علاج ہے؟

وہ بیٹھی اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی کہ پانی آ گیا وہ بچے کو لے کر اٹھ کر کھڑی ہوگئی پانی تو اللہ تعالیٰ کا غضب تھا اور بلند ہوا تو بچے کو کندھے پر بیٹھا لیا کہ پانی شاید یہاں تک نہ پہنچے پانی کندھے پر سے بھی گزر گیا تو اپنے ہاتھوں پر بچے کو اٹھا لیا مگر پانی آناً فاناً اور بڑھا اور وہ بچے سمیت غرق ہوگئی لیکن حق کو قبول نہیں کیا۔

تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا وعظ ونصیحت کے لیے کھڑا ہونا اگر تم پر گراں گزرتا ہے تو گزرے میں تو اللہ تعالیٰ کا دین بیان کرتا ہوں نہ اس میں کوتاہی کی ہے اور نہ کرنی ہے۔ ﴿ فَعَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلۡتُ ﴾ میں اللہ تعالیٰ پر توکل رکھتا ہوں تم میرے خلاف جو کر سکتے ہو کر لو ﴿ فَاَجۡمِعُوۡۤا اَمۡرَکُمۡ ﴾ پس تم جمع کر لو اپنا معاملہ ﴿ وَشُرَکَآءَکُمۡ ﴾ اور اپنے شریکوں کو بھی جن کو تم نے رب کا شریک بنایا ہوا ہے ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر، ان کو بھی بلا لو۔

ود، سواع وغیرہ کون تھے اور شرک کی ابتدا کیسے ہوئی ؟

اور میں اس بات کی وضاحت پہلے بھی کر چکا ہوں کہ وَدّ حضرت ادریس علیہ السلام کا لقب تھا اور باقی چاروں ان کے بیٹے اور صحابی تھے۔ جس وقت یہ بزرگ دنیا سے رخصت ہو گئے تو لوگ اُداس اُداس رہنے لگے۔ ایک دن یہ لوگ اکٹھے بیٹھے تھے کہ ابلیس لعین ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ کیا بات ہے پریشان اور غمگین ہو؟ لوگوں نے کہا کہ پریشان اس لیے ہیں کہ ہمارے بزرگ تھے جن کے ذریعے ہمیں روحانی خوراک ملتی تھی وہ دنیا سے چلے گئے ہیں اب ہمیں وہ خوراک نہیں مل رہی۔ کہنے لگا کہ تمھارا غمگین ہونا صحیح ہے مگر اب کیا ہو سکتا ہے وہ تو واپس نہیں آئیں گے تم ان کے بت بنا کر بطور یادگار اپنے پاس رکھ لو اور یہ سمجھو کہ گویا تمھارے اندر ہی موجود ہیں۔

چوں کہ وہ پختہ ذہن کے لوگ تھے ان کو یہ تو نہ کہہ سکا کہ تم ان کی پوجا کرو، ان سے مرادیں مانگو، ان کو حاجت روا، مشکل کشا اور فریاد رس سمجھو۔ البتہ شرک کی بنیاد رکھ دی جس وقت یہ پختہ ذہن کے لوگ ختم ہو گئے اور نئی نسل آئی تو ابلیس نے ان کو کہا کہ تمھارے بڑے ان کی پوجا کرتے تھے۔ اس پر ساری قوم اکٹھی ہو گئی اور ان کی پوجا شروع کر دی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال ان پر صرف کیے مگر وہ لوگ اپنی ضد سے باز نہ آئے الٹا نوح علیہ السلام کو قتل کی دھمکیاں دیتے تھے اور ان کو پتھر مارتے تھے۔ جب نوح علیہ السلام مجلس میں داخل ہوتے تھے تو کہتے تھے پاگل آ گیا ہے۔ پاگل پاگل کہہ کر دھکے مارتے تھے، قتل اور رجم کرنے کی دھمکیاں دیتے تھے۔

فرمایا سن لو! میرا بھروسا اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہے تم اپنی تدبیر کر لو اور اپنے شریکوں کو بھی بلا لو ﴿ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً﴾ پھر نہ ہو تمہارے معاملے میں تم پر کوئی اشتباہ ﴿ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ﴾ پھر فیصلہ کر لو میرے خلاف تم بھی اور تمہارے الٰہ بھی ﴿وَلَا تُنْظِرُوْنِ﴾ اور تم مجھے مہلت بھی نہ دو میرا جو کچھ تم کر سکتے ہو کر لو ﴿فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ﴾ پس اگر تم نے روگردانی کی حق سے، توحید سے، قیامت سے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی رسالت سے ﴿فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ﴾ پس میں نہیں سوال کرتا تم سے کسی معاوضے کا کہ تمھیں یہ خیال ہو کہ میں وعظ و تبلیغ کا تم سے معاوضہ مانگوں گا ہرگز نہیں! اور جتنے بھی پیغمبر دنیا میں تشریف لائے سب نے یہی کہا کہ ہم تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے ﴿اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ﴾ نہیں ہے میرا اجر مگر اللہ تعالیٰ کے ذمے وہ خود دے گا ﴿وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ہو جاؤں میں مسلمانوں میں سے اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بندوں میں سے ہو جاؤں ﴿فَكَذَّبُوْهُ﴾ پس جھٹلایا ان لوگوں نے نوح علیہ السلام کو۔ صاف لفظوں میں کہا کہ تم جھوٹے ہو، شریر ہو، تمہاری وجہ سے قوم میں اختلاف پیدا ہوا ہے، ہم تمھاری بات نہیں مانتے۔

سورت ہود میں بات تفصیل سے آئے گی کہ نوح علیہ السلام نے پانچ سو فٹ لمبی تیس فٹ چوڑی اور پچاس فٹ اُونچی کشتی بنائی اس میں انھوں نے طبقے بنائے ایک طبقے میں انسان تھے، ایک میں حیوانات تھے، ایک میں ضرورت کا سامان تھا تقریباً چھ ماہ ستر دن وہ کشتی میں رہے جب قوم غرق ہو گئی ﴿وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ﴾ اور وہ کشتی جودی پہاڑ پر آ کر بیٹھ گئی جس کو آج کل

کے جغرافیہ میں اِرَارَات کہتے ہیں۔ عراق کے ملک میں صوبہ موصل میں یہ پہاڑ ہے جس کی بلندی تقریباً سترہ ہزار [۱۶۸۵۴] فٹ ہے ﴿فَنَجَّيْنٰهُ﴾ پس ہم نے نجات دی نوح علیہ السلام کو ﴿وَ مَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ﴾ اور ان کو جو ان کے ساتھ تھے کشتی میں ﴿وَ جَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ﴾ اور بنایا ہم نے ان کو نائب تمام لوگوں کی تباہی کے بعد۔ جب زمین سے پانی خشک ہوا تو یہی لوگ زمین میں خلیفہ ہوئے ﴿وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ اور ہم نے غرق کیا ان لوگوں کو جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔ مکے والوں کو یہ واقعہ سناؤ کہ پیغمبروں کی تکذیب کرنے والوں کا یہ حشر ہوتا ہے یہی حال تمہارا ابھی ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ اور میں نے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ بدر کے موقع پر ان کی وہ گت بنی کہ بڑے حیران ہوئے کہ ہمارے ساتھ ہوا کیا ہے؟ ﴿فَانْظُرْ﴾ پس دیکھو اے مخاطب! ﴿كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ﴾ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جن کو ڈرایا گیا۔ آج کے نافرمانوں کا بھی وہی انجام ہوگا جو ان کا ہوا۔

﴿ثُمَّ بَعَثْنَا﴾ پھر بھیجے ہم نے ﴿مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا﴾ اس کے بعد کئی رسول ﴿اِلٰى قَوْمِهِمْ﴾ ان کی قوم کی طرف ﴿فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ پس وہ آئے ان کے پاس کھلے دلائل لے کر ﴿فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا﴾ پس نہیں تھے وہ لوگ کہ ایمان لاتے ﴿بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ﴾ اس چیز پر جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے ﴿كَذٰلِكَ نَطْبَعُ﴾ اسی طرح ہم مہر لگا دیتے ہیں ﴿عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَ هٰرُوْنَ﴾ پھر بھیجا ہم نے ان کے بعد موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو ﴿اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ﴾ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف ﴿بِاٰيٰتِنَا﴾ اپنی نشانیاں دے کر ﴿فَاسْتَكْبَرُوْا﴾ پس انھوں نے تکبر کیا ﴿وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ﴾ اور تھی وہ مجرم قوم ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا﴾ پس جب آیا ان کے پاس حق ہماری طرف سے ﴿قَالُوْۤا﴾ کہنے لگی ﴿اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ بے شک یہ البتہ کھلا جادو ہے ﴿قَالَ مُوْسٰۤى﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ﴾ کیا کہتے ہو حق کے بارے میں ﴿لَمَّا جَآءَكُمْ﴾ جب وہ حق تمہارے پاس آیا ﴿اَسِحْرٌ هٰذَا﴾ کیا یہ جادو ہے ﴿وَ لَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ﴾ حالانکہ نہیں فلاح پاتے جادوگر ﴿قَالُوْۤا﴾ کہنے لگے ﴿اَجِئْتَنَا﴾ کیا تو آیا ہے ہمارے پاس ﴿لِتَلْفِتَنَا﴾ تاکہ تو ہمیں پھیر دے ﴿عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا﴾ اس چیز سے جس پر پایا ہے ہم نے اپنے باپ دادا کو ﴿وَ تَكُوْنَ لَكُمَا﴾ اور ہو جائے تم دونوں کے لیے ﴿الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ﴾ سرداری زمین میں ﴿وَ مَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور نہیں ہیں ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے ﴿وَ قَالَ فِرْعَوْنُ﴾ اور کہا فرعون نے ﴿ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ﴾ لاؤ میرے پاس ہر جادوگر فن کو جاننے والا ﴿فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ﴾ پس جب آئے جادوگر ﴿قَالَ لَهُمْ﴾

مُّوْسٰی﴾ کہا ان کو موسیٰ علیہ السلام نے ﴿اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ﴾ ڈالو تم وہ چیز جو ڈالنا چاہتے ہو ﴿فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا﴾ پس جب انھوں نے ڈالا ﴿قَالَ مُوْسٰی﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ﴾ جو کچھ تم لائے ہو یہ جادو ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ عنقریب اس کو باطل کر دے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ درست نہیں کرتا فسادیوں کے عمل کو ﴿وَ يُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ﴾ اور ثابت کرتا ہے اللہ تعالیٰ حق کو ﴿بِكَلِمٰتِهٖ﴾ فیصلوں کے ساتھ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ اور اگرچہ ناپسند کریں مجرم۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر فرمایا اور نوح علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے بہت سارے پیغمبر بھیجے اس کا ذکر ہے۔ ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا﴾ پھر بھیجے ہم نے ان کے بعد کئی رسول ﴿اِلٰی قَوْمِهِمْ﴾ ان کی قوم کی طرف ﴿فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ پس وہ آئے ان کے پاس کھلے دلائل لے کر ﴿فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا﴾ پس نہیں تھے وہ لوگ کہ ایمان لاتے ﴿بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ﴾ اس چیز پر جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے ﴿كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ اسی طرح ہم مہر لگا دیتے ہیں تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد بے شمار پیغمبر تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پیغمبروں کو دلائل اور معجزات دے کر بھیجا لیکن لوگ بڑے ضدی تھے ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہوئے جب وہ ضد پر اڑ گئے۔ پہلے جھٹلا دیا پھر مانے نہیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دلوں پر مہریں لگا دیں کہ وہ حد سے تجاوز کر گئے تھے ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی وَ هٰرُوْنَ﴾ پھر بھیجا ہم نے ان کے بعد موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو۔ یہ دونوں بھائی تھے۔ حضرت ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے۔ قرآن پاک میں دونوں کے واقعات بڑی وضاحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

ان کو کدھر بھیجا؟ ﴿اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ﴾ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف یعنی اس کی جماعت کی طرف۔ فرعون مصر کے بادشاہ کا نام ہوتا تھا بہت سارے فراعنہ گزرے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو فرعون تھا اس کا نام مصعب بن ریان تھا۔ یہ بڑا چالاک، ہوشیار اور شاطر تھا جیسے آج کل کے اپنے لیڈر ہیں۔ ﴿بِاٰيٰتِنَا﴾ اپنی نشانیاں دے کر بھیجا۔ نو نشانیوں کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔ ایک موسیٰ علیہ السلام کا عصا مبارک تھا جو اژدہا بن جاتا تھا۔ دوسری نشانی یہ کہ ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالتے تو سورج کی طرح روشن ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر مکڑیاں مسلط فرمائیں، مینڈک مسلط کیے، ان کا کھانا خون بن جاتا تھا بڑا کچھ ہوا مگر ﴿فَاسْتَكْبَرُوْا﴾ پس اُنھوں نے تکبر کیا ﴿وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ﴾ اور تھی وہ قوم مجرم۔ اللہ تعالیٰ کے دو پیغمبروں نے پورا زور لگایا لیکن اُنھوں نے حق کو قبول نہیں کیا۔

﴿فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا﴾ پس جب آیا ان کے پاس حق ہماری طرف سے ﴿قَالُوْۤا﴾ کہنے لگے ﴿اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ بے شک البتہ یہ کھلا جادو ہے کہ لاٹھی اژدہا بن جاتی ہے، ہاتھ چمکنے لگ جاتا ہے یہ تو ہم بھی کر سکتے ہیں۔ ﴿قَالَ مُوْسٰی﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ﴾ کیا کہتے ہو حق کے بارے میں جب وہ حق تمھارے پاس آیا ﴿اَسِحْرٌ

ھٰذَا﴾ کیا یہ جادو ہے؟ پھر سن لو ﴿وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ﴾ حالانکہ نہیں فلاح پاتے جادوگر۔ جادوگروں کو کبھی فلاح نصیب نہیں ہوتی چنانچہ اسی طرح ہوا کہ جب جادوگروں کے ساتھ مقابلہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو غلبہ عطا فرمایا اور سارے جادوگر شکست کھا گئے۔ فرعون اور اس کے وزیر اعظم ہامان اور اس کے دست راست قارون نے کہا موسیٰ علیہ السلام کو کہ تو ہمیں ہمارے باپ دادا کے راستے سے پھیرنا چاہتا ہے۔ قارون موسیٰ علیہ السلام کے حقیقی چچا کا بیٹا تھا نام اس کا منور تھا۔ نسب اس کا اس طرح تھا منور بن یسر بن قحر بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کا نسب اس طرح ہے موسیٰ بن عمران بن قحر بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام۔ تو قارون یعقوب علیہ السلام کا شَر پوتا ہے بڑا پڑھا لکھا اور اونچے خاندان سے تعلق رکھتا تھا مگر مال نے اس کو غرور میں مبتلا کر دیا تھا۔

رزق کی زیادتی سے لوگ سرکشی میں مبتلا ہو جاتے ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ﴾ [شوریٰ: ۲۷] "اور اگر اللہ تعالیٰ رزق عام کر دے اپنے بندوں کا تو البتہ وہ سرکشی کریں زمین میں۔" اور یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ بعض لوگ جب غریب تھے تو نمازی بھی تھے اور روزے بھی رکھتے تھے درس بھی سنتے تھے۔ اب بیرون ملک جانے سے دولت آ گئی ہے تو کبھی جمعہ میں ان کی شکلیں نظر آتی ہیں اس کے علاوہ نظر ہی نہیں آتے۔ بھائی! ایسے مال کا کیا کرو گے، کتنا عرصہ کتنے دن کھا لو گے؟ یہ آخرت میں تو کام نہیں آئے گا اگر دین کے مطابق زندگی بسر نہیں کرو گے۔

تو فرعون، اس کے وزیر اعظم ہامان اور اس کے دست راست قارون نے کہا ﴿قَالُوْٓا﴾ کہا انھوں نے ﴿اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا﴾ کیا تو آیا ہے ہمارے پاس تاکہ تو ہمیں پھیر دے اس چیز سے جس پر ہم نے پایا ہے اپنے باپ دادا کو کہ ہمارے باپ دادا تو کئی خداؤں کے قائل تھے تیری بات مان کر سب کو چھوڑ دیں اور صرف ایک خدا کے قائل ہو جائیں۔ کیوں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو فرمایا کہ عبادت صرف ایک رب کی ہو گی اور دنیا میں جتنے بھی پیغمبر تشریف لائے ہیں سب کی پہلی پکار یہی ہوتی تھی ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ [ہود: ۵۰] "اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمھارے لیے اس کے سوا کوئی معبود۔" کوئی مسجود نہیں ہے، کوئی حاجت روا نہیں ہے اور فریاد رس نہیں ہے، نذر و نیاز کے لائق کوئی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات کے بغیر دستگیر کوئی نہیں ہے اور یہی بات سننا مشرکوں کے لیے بڑی مشکل اور کڑوی تھی۔

چنانچہ سورۃ صافات آیت نمبر ۳۵ میں ہے ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ "بے شک وہ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے تو وہ تکبر کرتے تھے" اور اُچھلتے کودتے تھے اور کہتے تھے ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ﴾ [سورۃ ص: ۵] "کیا کر دیا ہے اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود بے شک یہ عجیب چیز ہے۔" کہ ایک خدا سارا نظام چلاتا ہے۔

تو موسیٰ علیہ السلام کو انھوں نے کہا تو ہمیں ہمارے باپ دادا کے دین سے پھیرنا چاہتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ ﴿وَتَكُوْنَ لَكُمَا

الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ﴾ اور ہو جائے تم دونوں کے لیے سرداری زمین میں۔ ہمیں باپ دادا کے دین سے پھیر کر مصر کی زمین میں تم دونوں اپنا اقتدار چاہتے ہو۔ لہٰذا صاف طور پر سن لو ﴿وَ مَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور نہیں ہیں ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے۔ کتنا کھرا جواب ہے جو فرعون، ہامان، قارون اور ان کی جماعت نے دیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈالا اور وہ اژدہا بن گیا لوگ اس کو دیکھ کر گھبرائے اور فکر کرنے لگے اس اثر کو زائل کرنے کے لیے ﴿وَ قَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ﴾ اور کہا فرعون نے لاؤ میرے پاس ﴿بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ﴾ ہر جادوگر فن کو جاننے والا ماہر۔ اگر اس نے سانپ نکالا ہے تو ہم بھی سانپ نکالیں گے۔ چنانچہ جادوگر آئے اور وہ کتنے تھے؟ تفسیروں میں مختلف روایات ہیں اسی [۸۰] ہزار اور بہتر [۷۲] ہزار اور کم اور زیادہ کا بھی ذکر آتا ہے۔ پھر دور دراز سے آئے تھے کسی کے ساتھ دو خادم تھے کسی کے ساتھ چار خادم تھے کسی کے پاس چار سواریاں ہیں کسی کے پاس دس سواریاں ہیں عجیب قسم کا منظر تھا۔

باطل لوگ مفاد پرست ہوتے ہیں

جادوگروں نے آپس میں کہا کہ پہلے اس سے تسلیم کرالو کہ ہمیں معاوضہ ملے گا کہ نہیں ﴿قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ﴾ "انھوں نے کہا اے فرعون! ﴿اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ﴾ کیا بے شک ہمارے لیے اجر ہوگا اگر ہم غالب آئے۔" یا صرف بیگار لے گا اور کوئی معاوضہ نہیں دے گا۔ چنانچہ جادوگروں کا ایک نمائندہ وفد فرعون کے پاس گیا اور کہا کہ ہمیں کوئی معاوضہ بھی ملے گا یا نہیں۔ ہم دور دراز سے خرچہ کر کے آئے ہیں۔ فرعون نے کہا ﴿نَعَمْ وَ اِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾ [شعراء: ۴۲] "ہاں یقیناً تم اس وقت البتہ مقربین میں سے ہو جاؤ گے۔" تمھیں معاوضہ بھی ملے گا اور سرکاری خطابات بھی ملیں گے۔

مصر کا ملک تھا، قاہرہ کا علاقہ تھا، عید کا دن تھا، چاشت کا وقت تھا عید کے موقع پر عام تعطیل ہوتی ہے۔ وسیع میدان بھرا ہوا تھا فرعون، ہامان، قارون اور ان کے سردار کرسیاں لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، فوج اور پولیس والے بھی تھے عوام و خواص مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے سب موجود تھے ﴿فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ﴾ پس جب آئے جادوگر سَحَرَةٌ سَاحِرٌ کی جمع ہے ﴿قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى﴾ کہا ان کو موسیٰ علیہ السلام نے ﴿اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ﴾ ڈالو تم وہ چیز جو تم ڈالنا چاہتے ہو ﴿فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا﴾ پس جب انھوں نے ڈالا۔ کیا ڈالا؟ اس کا ذکر یہاں نہیں ہے لیکن سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۶۶ میں ہے ﴿فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِيُّهُمْ﴾ "اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں۔" ہر جادوگر نے ایک لاٹھی اور ایک رسی ڈالی وہ سانپ بن گئیں۔ لوگوں نے نعرے مارنے شروع کر دیے فرعون زندہ باد فرعون زندہ باد عجیب قسم کا منظر تھا ﴿فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ﴾ [الشعراء: ۴۵] "پھر ڈالا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی کو پس اچانک وہ نگلتی تھی اس چیز کو جو ان لوگوں نے بنایا تھا۔" وہ ایک لاکھ چوالیس ہزار کے قریب جو سانپ تھے موسیٰ علیہ السلام کا اژدہا سب کو نگل گیا موسیٰ علیہ السلام نے اژدہا پر ہاتھ رکھا وہ دوبارہ لاٹھی کی شکل اختیار کر گیا۔

جادوگر جو فن کے ماہر تھے سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں ہے۔ کیوں کہ جادو سے شے کی حقیقت نہیں بدلتی ان کے عصا کی

حقیقت بدل گئی ہے ﴿ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ﴾ "پس گر پڑے جادوگر سجدے میں ﴿ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ کہنے لگے ہم ایمان لائے ہیں رب العالمین پر ﴿ رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ ﴾ [الاعراف: ۴۶، ۴۷، ۴۸] وہی جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا رب ہے۔" فرعون ان کے پیچھے پڑ گیا ﴿ قَالَ فِرْعَوْنُ ﴾ "کہا فرعون نے ﴿ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ﴾ [الاعراف: ۱۲۳] کیا تم اس پر ایمان لائے ہو پہلے اس کے کہ میں تمھیں اجازت دیتا۔" کس کی اجازت سے تم نے ایمان قبول کیا؟ بلایا تمھیں میں نے تھا ایمان اس پر لے آئے ہو۔ ﴿ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴾ "میں کاٹوں گا تمھارے ہاتھ اور پاؤں الٹے اور لٹکاؤں گا تم سب کو سولی پر ﴿ قَالُوْا لَا ضَیْرَ ۖ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴾ [شعراء: ۴۹، ۵۰] وہ کہنے لگے کوئی ڈر نہیں ہے بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں۔" تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں ہے کہ ستر آدمیوں کو اس نے سولی پر لٹکایا بھاگا کوئی بھی نہیں باقی اپنے نمبر کے انتظار میں بیٹھے رہے۔ فرعون نے سمجھا کہ یہ تو ڈرتے نہیں اور ایمان چھوڑنے کے لیے کوئی تیار نہیں ہے اور اس میں میری بدنامی ہوگی۔ یہ کہہ کر بات کو ٹال گیا کہ آج اتنے ہی کافی ہیں باقیوں کو پھر سولی پر لٹکاؤں گا۔

﴿ قَالَ مُوْسٰی ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿ مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ ﴾ جو کچھ تم لائے ہو یہ جادو ﴿ اِنَّ اللّٰهَ سَیُبْطِلُهٗ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ عنقریب اس کو باطل کر دے گا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈالا وہ سب کو نگل گیا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ درست نہیں کرتا فسادیوں کے عمل کو ﴿ وَ یُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ﴾ اور ثابت کرتا ہے اللہ تعالیٰ حق کو اپنے فیصلوں کے ساتھ۔ چنانچہ اس میدان میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو غلبہ عطا کیا اور سارے جادوگر شکست کھا گئے ﴿ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ اور اگرچہ ناپسند کریں مجرم۔ مگر اللہ تعالیٰ حق کو ثابت کرتا ہے اور باطل کو مٹاتا ہے۔ یہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا قصہ ہے باقی اس کا نتیجہ آئے گا۔

﴿ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰی ﴾ پس نہیں ایمان لائے موسیٰ علیہ السلام پر ﴿ اِلَّا ذُرِّیَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ ﴾ مگر کچھ نوجوان ان کی قوم میں سے ﴿ عَلٰی خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهِمْ ﴾ ڈرتے ہوئے فرعون اور اس کی جماعت سے ﴿ اَنْ یَّفْتِنَهُمْ ﴾ کہ وہ ان کو فتنے میں مبتلا کر دے گا ﴿ وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ ﴾ اور بے شک فرعون ﴿ لَعَالٍ فِی الْاَرْضِ ﴾ سرکشی کرنے والا تھا زمین میں ﴿ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴾ اور بے شک وہ حد سے گزرنے والا تھا ﴿ وَ قَالَ مُوْسٰی یٰقَوْمِ ﴾ اور فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے اے میری قوم ﴿ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ ﴾ اگر تم ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ پر ﴿ فَعَلَیْهِ تَوَكَّلُوْٓا ﴾ پس اس پر بھروسا کرو ﴿ اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ ﴾ اگر ہو تم مسلمان ﴿ فَقَالُوْا عَلَی اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ﴾ پس کہا انھوں نے ہم نے اللہ تعالیٰ پر بھروسا کیا ﴿ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً ﴾ اے ہمارے پروردگار نہ بنا ہمیں آزمائش ﴿ لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ ظالم قوم کے لیے ﴿ وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ ﴾ اور نجات دے ہمیں اپنی رحمت کے ساتھ ﴿ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴾ کافر قوم سے ﴿ وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰی

﴿مُوْسٰى وَ اَخِیْهِ﴾ اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ علیہ السلام اور اس کے بھائی کی طرف ﴿اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا﴾ کہ بناؤ تم دونوں اپنی قوم کے لیے مصر کے اندر گھر ﴿وَّ اجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ قِبْلَةً﴾ اور بناؤ اپنے گھروں کو مسجد ﴿وَّ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور قائم کرو نماز ﴿وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور خوش خبری دو ایمان والوں کو۔

گزشتہ درس میں تم نے یہ بات سنی کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے جب فرعون، ہامان اور اس کی جماعت کو تبلیغ کی تو فرعون نے نشانی مانگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک زمین پر ڈالا تو وہ اژدہا بن گیا فرعون اپنے بلند تخت پر کرسی کے اوپر تاج شاہی پہن کر وزیروں اور مشیروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اژدہا دیکھ کر بدحواس ہو کر ایسے گرا کہ نیچے فرعون اور اُوپر کرسی۔ بجائے ماننے کے ضد پر آ گیا اور کہنے لگا کہ ہم بھی مقابلہ کریں گے۔ بھلا اس ضد کا بھی دنیا میں کوئی علاج ہے؟ کہنے لگا وقت مقرر کرو قریب ہی عید کا دن تھا موسیٰ علیہ السلام نے عید کا دن اور چاشت کا وقت مقرر کیا۔ فرعون نے ہزاروں کی تعداد میں جادوگر بلائے اور ان کے ساتھ معاوضہ بھی طے کیا اور سرکاری خطاب کا بھی وعدہ کیا۔ بہتر [۷۲] ہزار بھی تعداد لکھی ہے اور اس سے کم وبیش کا بھی ذکر آتا ہے۔ اگر بہتر [۷۲] ہزار بھی تعداد ہو تو ایک ایک نے دو دو سانپ نکالے تھے تو اس طرح ایک لاکھ چوالیس ہزار تعداد بنتی ہے۔ فرعونیوں نے دیکھا تو نعرے پر نعرے لگانے شروع کر دیئے جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈالی تو اس نے اژدہا بن کر سب کو نگل لیا پھر ہاتھ رکھا تو لاٹھی بن گئی۔ جادوگر اپنے فن کے ماہر تھے وہ سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں ہے، مسلمان ہو گئے۔ فرعون غصے میں آ گیا اور ستر آدمیوں کو سولی پر لٹکایا اور باقیوں کو دھمکی دے کر چھوڑ دیا کہ تمہارے ساتھ پھر نمٹ لوں گا۔ لوگ دور دراز سے آئے تھے اپنے اپنے علاقوں میں چلے گئے۔

فرعون کے خوف کی وجہ سے بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَمَاۤ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤى﴾ پس نہیں ایمان لائے موسیٰ علیہ السلام پر ﴿اِلَّا ذُرِّیَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ﴾ مگر کچھ نوجوان ان کی قوم میں سے۔ ذریت کا معنیٰ بچے نوجوان اور نوعمر ہے۔ وہ نوجوان بنی اسرائیل میں سے تھے جو ایمان لائے ﴿عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡىٕهِمْ﴾ ڈرتے ہوئے فرعون اور ان کی جماعت سے۔ ﴿مَلَاۡىٕهِمْ﴾ سے ان کے وڈیرے مراد ہیں۔ تو وہ وڈیروں سے بھی ڈرتے تھے کہ ہم ایمان لائیں گے تو وہ ہمیں ماریں گے کیوں کہ وہ بھی بڑے ظالم تھے فرعون کی طرح اور خوف کس بات کا تھا ﴿اَنْ یَّفْتِنَهُمْ﴾ کہ وہ ان کو فتنے میں مبتلا کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان نوجوانوں کا خوف بلا وجہ نہیں تھا اس لیے کہ ﴿وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِی الْاَرْضِ﴾ اور بے شک فرعون سرکشی کرنے والا تھا زمین میں ﴿وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِیْنَ﴾ اور بے شک وہ حد سے گزرنے والا تھا۔ اس لیے ان نوجوانوں کا خوف بے جا نہ تھا اور عالم اسباب میں خوف والی چیزوں سے خوف کرنا ایمان کے خلاف نہیں ہے۔ خود موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ دیکھ لو۔ مدین سے واپس آتے ہوئے جب طویٰ کے مقام پر پہنچے رات کا وقت تھا عُناب کے ایک درخت سے اللہ تعالیٰ

کے نور کی تجلی ظاہر ہورہی تھی۔ دور سے آگ کے شعلے نظر آتے تھے یہ آگ لینے کے لیے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ﴾ [طٰہٰ: ۱۲] ”بے شک میں تیرا پروردگار ہوں ﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِیْ﴾ [طٰہٰ: ۴۱] میں نے تجھے اپنی ذات کے لیے چن لیا ہے۔“ میں نے تجھے نبوت اور رسالت عطا کی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے پروردگار! میری زبان میں تھوڑی سی لکنت ہے ﴿وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا﴾ ”اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زبان میں زیادہ فصیح ہے ﴿فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً﴾ پس اس کو بھیج دے میرے ساتھ بطور معاون کے [قصص: ۳۴] ﴿قَالَ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی﴾ [طٰہٰ: ۳۶] تحقیق دیا گیا تجھ کو تیرا سوال اے موسیٰ۔“ ہم نے تیرا سوال قبول کر لیا تجھے بھی نبوت دی اور تیرے بھائی کو بھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَمَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰی﴾ ”اور کیا ہے تیرے داہنے ہاتھ میں اے موسیٰ ﴿قَالَ هِیَ عَصَایَ﴾ کہا موسیٰ علیہ السلام نے یہ میری لاٹھی ہے ﴿اَتَوَكَّؤُا عَلَیْهَا﴾ میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں ﴿وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِیْ﴾ اور پتے جھاڑتا ہوں بکریوں پر ﴿وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی﴾ اور میرے لیے اس میں دوسرے فائدے بھی ہیں ﴿قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس لاٹھی کو نیچے ڈال دو ﴿فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی﴾ [طٰہٰ: ۲۰] پس موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ڈالا پس اچانک وہ ہوگئی ایک سانپ دوڑتا ہوا۔“ اور سورت قصص میں ہے ﴿فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ﴾ ”اور جب دیکھا اس کو تو وہ حرکت کر رہی تھی گویا کہ وہ سانپ ہے، پشت پھیری موسیٰ علیہ السلام نے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔“

طبعی خوف ایمان کے خلاف نہیں

تو یہ سانپ سے خوف کرنا ایمان کے خلاف نہیں۔ حالاں کہ نبی کا ایمان تو پہاڑوں سے بھی وزنی ہوتا ہے اور نبی نبوت سے پہلے بھی مومن ہوتا ہے اور اب تو نبوت بھی مل چکی ہے لیکن سانپ کو دیکھ کر پشت پھیری اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ﴾ ”اے موسیٰ علیہ السلام اس کو پکڑ لیں اور خوف نہ کریں ﴿سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی﴾ [طٰہٰ: ۲۱] ہم اس کو پلٹ دیں گے اس کی پہلی حالت پر۔“ تو طبعاً شیر کتے سے ڈرنا، سانپ بچھو سے ڈرنا، چور اور دہشت گرد سے ڈرنے سے ایمان پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

تو وہ نوجوان جو فرعون سے ڈرے اور اس کی جماعت سے ڈرے تو اس سے ان کے ایمان پر کوئی زد نہیں آئی کیوں کہ ان چیزوں کا ڈر طبعی اور فطری چیز ہے۔ ﴿وَقَالَ مُوْسٰی﴾ اور کہا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿یٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم ﴿اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ﴾ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو ﴿فَعَلَیْهِ تَوَكَّلُوْۤا﴾ پس اسی اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسا کرو۔ توکل کا معنیٰ ہے ظاہری اسباب اختیار کر کے نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ﴾ اگر ہو تم مسلمان۔ تو اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرو وہ مسبب الاسباب خود اسباب پیدا کر دے گا ﴿فَقَالُوْا﴾ پس کہا ان نوجوانوں نے جو تھوڑی دیر پہلے مسلمان ہوئے تھے ﴿عَلَی اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا﴾ ہم نے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسا کیا ہے اور ساتھ ہی دعا کی ﴿رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ اے ہمارے پروردگار! نہ بنا ہمیں

آزمائش ظالم قوم کے لیے۔ اس کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہمیں ظالموں کے لیے تختہ مشق نہ بنا کہ وہ ہم پر ظلم ڈھاتے رہیں یعنی ہمیں ان کے ظلم سے بچا۔

اور مفسرین کرام رحمہم اللہ دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمیں اتنا کمزور نہ بنا کہ وہ ہماری کمزوری کو دیکھ کر کہیں کہ یہ اگر حق پر ہوتے تو اتنے کمزور نہ ہوتے ان کے ساتھ رب نہیں ہے۔ اور اُن کے دل بڑھ جائیں اور ہمارے ساتھ زیادتیاں کرنے لگ جائیں ﴿وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور نجات دے ہمیں اپنی رحمت کے ساتھ کافر قوم سے ﴿وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَ اَخِيْهِ﴾ اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ علیہ السلام اور اس کے بھائی کی طرف۔

موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سخت تھی

موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم پر صرف دو نمازیں فرض تھیں اور ان کو حکم تھا کہ نمازیں مسجد میں پڑھنی ہیں مسجد سے باہر ان کی نماز نہیں ہوتی تھی اور ان کو تیمم کی اجازت اور سہولت نہیں تھی۔ وضو کر کے اور غسل کر کے نماز پڑھنی ہوتی تھی اور اگر ان کے کپڑوں پر گندگی لگ جاتی تو دھونے سے پاک نہیں ہوتے تھے بلکہ اس جگہ کو قینچی سے کاٹنا ہوتا تھا سات دفعہ دھونے سے بھی پاک نہیں ہو تے تھے۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔

کتنی مشقت کی بات تھی کیوں کہ کبھی آدمی چھوٹے بچے کو اٹھاتا ہے وہ ناسمجھی کی وجہ سے پیشاب پاخانہ کر دیتا ہے، کبھی زخم سے خون نکل آتا ہے، کبھی پھوڑا پھنسی بہہ پڑتا ہے، کبھی نکسیر پھوٹ پڑتی ہے۔ تو جگہ کاٹنے کا حکم تھا اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ہمیں سہولتیں عطا فرمائی ہیں کہ گندگی دھونے سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے اور ساری زمین ہمارے لیے مسجد ہے۔ مسجد سے باہر بھی نماز ہو جاتی ہے ہاں اتنی بات ہے کہ بغیر کسی شرعی عذر کے لَا صَلٰوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِي الْمسجد دارقطنی کی روایت ہے کہ جو لوگ مسجد کے قریب رہتے ہیں وہ بلا کسی عذر کے بلا جماعت نماز پڑھیں تو ان کی نماز نہیں ہوگی۔

ہاں اگر شرعی عذر ہے تو الگ بات ہے۔ مثلاً: بیمار ہے یا گھٹنے اور پاؤں سے رہ گیا ہے یا سویا رہا اور وقت نکل گیا یا سفر میں ہے تو پھر گنجائش ہے مسجد سے باہر بھی نماز ہو جائے گی۔ لیکن بنی اسرائیل کے لیے پابندی تھی کہ نماز مسجد میں پڑھنی ہے مسجد سے باہر نماز نہیں ہوگی۔

جس وقت فرعونیوں کے جذبات زیادہ ابھرے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی طرف وحی بھیجی ﴿اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا﴾ کہ بناؤ تم دونوں اپنی قوم کے لیے مصر کے اندر گھر اور گھروں میں رہو۔ کیوں کہ ان کے جذبات اُبھرے ہوئے ہیں چلو پھر دگے تو وہ تمھارے ساتھ زیادتی کریں گے ﴿وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً﴾ اور بناؤ اپنے گھروں کو مسجد۔ یہ ان کو عارضی طور پر گھروں میں نماز پڑھنے کی اجازت ملی ورنہ عموماً ان کو مسجدوں کے بغیر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی اور اگر غسل جنابت کرنا ہوتا تھا تو سات دفعہ نہانا پڑتا تھا آدمی ایک دفعہ جسم پر پانی ڈالنے سے پاک نہیں ہوتا تھا۔ اندازہ لگاؤ ان

کے لیے کتنی سخت شریعت تھی؟ دیکھو! سردی کے زمانے میں سات دفعہ غسل کرنا پڑے اور پانی بھی ٹھنڈا ہو تو پہلے آ دردے گا کہ میرے لیے کفن تیار رکھنا کہ میں نے غسل کرنا ہے۔

فرمایا جب حالات قابو میں آ جائیں گے کہ ان کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو باہر آ جانا ﴿وَّ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ اور نماز قائم کرو۔ ان کے لیے صرف دو نمازیں تھیں ایک فجر اور ایک عصر کی۔ اور رکعتیں کتنی تھیں؟ اس کے متعلق بھی ہم قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے کہ کتنی رکعات تھیں۔ ہم اپنی شریعت کو سمجھ لیں تو بڑی بات ہے۔

﴿وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور خوش خبری دو ایمان والوں کو۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ جو مومن ہیں ان کو خوش خبری سنا دو کہ اللہ تعالیٰ کسی کا ایمان ضائع نہیں کرے گا نہ کسی کا عمل ضائع کرے گا اور اللہ تعالیٰ ان کو کامیابی نصیب فرمائے گا۔ لیکن ان دنوں میں گھروں سے باہر نہ نکلو اور نماز گھروں ہی میں پڑھو اور اللہ تعالیٰ پر بھروسا اور یقین رکھو۔

~~~

﴿وَ قَالَ مُوْسٰی﴾ اور کہا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿رَبَّنَآ﴾ اے ہمارے رب ﴿اِنَّكَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ﴾ بے شک تو نے دی ہے فرعون کو ﴿وَ مَلَاَهٗ زِیْنَةً﴾ اور اس کی جماعت کو زینت ﴿وَّ اَمْوَالًا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ اور مال دنیا کی زندگی میں ﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے پروردگار ﴿لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِكَ﴾ تا کہ وہ گمراہ کریں تیرے راستے سے ﴿رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤی اَمْوَالِهِمْ﴾ اے ہمارے پروردگار مٹا دے ان کے مالوں کو ﴿وَ اشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ﴾ اور سخت کر دے ان کے دلوں کو ﴿فَلَا یُؤْمِنُوْا﴾ پس وہ ایمان نہ لائیں ﴿حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ﴾ یہاں تک کہ وہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو ﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا﴾ تحقیق قبول کر لی گئی ہے تم دونوں کی دعا ﴿فَاسْتَقِیْمَا﴾ پس تم دونوں ڈٹ کر قائم ہو جاؤ ﴿وَ لَا تَتَّبِعٰٓنِّ﴾ اور نہ پیروی کرنا تم ﴿سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ ان لوگوں کے راستے کی جو نہیں جانتے ﴿وَ جٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ﴾ اور ہم نے پار کر دیا بنی اسرائیل کو سمندر سے ﴿فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَ جُنُوْدُهٗ﴾ پس پیچھا کیا ان کا فرعون نے اور اس کے لشکر نے ﴿بَغْیًا وَّ عَدْوًا﴾ سرکشی کرتے ہوئے اور زیادتی کرتے ہوئے ﴿حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ﴾ یہاں تک کہ جب پا لیا فرعون کو غرق ہونے نے ﴿قَالَ اٰمَنْتُ﴾ کہنے لگا ایمان لایا میں ﴿اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ﴾ کہ بے شک شان یہ ہے کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی ﴿اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ﴾ جس پر ایمان لائے بنی اسرائیل ﴿وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ اور میں بھی مسلمانوں میں سے ہوں ﴿آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ﴾ اب تو اسلام لاتا ہے اور تحقیق تو نے نافرمانی کی اس سے پہلے ﴿وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ اور تو فسادیوں میں سے تھا ﴿فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ﴾ پس آج کے دن بچا لیں گے ہم تیرے جسم کو
~~~

﴿لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً﴾ تا کہ ہو جائے تو ان لوگوں کے لیے جو تیرے بعد آئیں گے نشانی ﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ﴾ اور بے شک بہت سے لوگوں میں ایسے ہیں ﴿عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ﴾ جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرعون کو اقتدار اور حکومت دی تھی۔ یہ مطلق العنان یعنی بے لگام بادشاہ تھا۔ مال کی بہتات تھی اس کے پاس بھی اور اس کے فوجی افسروں کے پاس بھی۔ سارے ہی بڑے مال دار تھے۔ صرف ایک قارون کا اتنا خزانہ تھا کہ بیسویں پارے میں آتا ہے کہ اس کی چابیاں اچھی خاصی جماعت کو تھکا دیتی تھیں۔ مال کی کثرت نے ان کو بگاڑ دیا تھا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے پچیسویں پارے میں ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ﴾ [الشوریٰ:۲۷] "اور اگر اللہ تعالیٰ بڑھا دے رزق اپنے بندوں کے لیے تو وہ باغی ہو جائیں زمین میں۔" عموماً مال کی کثرت انسان کو سرکشی پر آمادہ کرتی ہے۔ کوئی ہزار میں سے ایک آدھ نکلے گا جو سرکشی سے بچ جائے خصوصاً اس دور میں تو خدا پناہ! اور ہر دور میں ایسا ہی ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَقَالَ مُوْسٰى﴾ اور کہا موسیٰ علیہ السلام نے۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور ہارون علیہ السلام نے آمین کہی۔ ﴿رَبَّنَآ﴾ اے ہمارے پروردگار! ﴿اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً﴾ بے شک دی تو نے فرعون کو اور اس کی جماعت کو زینت ﴿وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ اور مال دنیا کی زندگی میں۔ بادشاہی، کرسی، اقتدار، مال دولت، کوٹھیاں، باغات اور بڑا کچھ ﴿رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ﴾ اے رب ہمارے اس لیے کہ وہ گمراہ کریں تیرے راستے سے۔ مال دیا ہے ان کو کہ مال کے بل بوتے پر انھوں نے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ ﴿رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ﴾ اے ہمارے پروردگار! مٹا دے ان کے مالوں کو ﴿وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ اور سخت کر دے ان کے دلوں کو ﴿فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ پس وہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو۔

اب تک میں ان کو تبلیغ کرتا آیا ہوں اور یہ مقابلہ کرتے آئے ہیں اور ابھی تک گمراہی پر ڈٹے ہوئے ہیں اور دوسروں کو مال کے بل بوتے پر گمراہ کیے ہوئے ہیں ان کو اپنے مال و دولت پر بڑا گھمنڈ اور غرور ہے۔ چنانچہ پچیسویں پارے میں ذکر ہے کہ فرعون نے کہا ﴿اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ [الزخرف:۵۱] "کیا یہ ملک مصر میرے قبضے میں نہیں ہے اور یہ جو نہریں چلتی ہیں میری کوٹھیوں کے نیچے سے کیا پس تم دیکھتے نہیں ہو۔" اس مال کے بل بوتے پر انھوں نے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ ﴿قَالَ﴾ فرمایا رب تعالیٰ نے ﴿قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا﴾ تحقیق قبول کر لی گئی ہے تم دونوں کی دعا۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی اور ہارون علیہ السلام نے آمین کہی تھی۔ آمین کہنے والا بدستور دعا میں شریک ہوتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی بددعا اور اس کا ظہور

اسی مقام پر تفسیروں میں لکھا ہے کہ ان کے سونے چاندی کے سکے پتھر بن گئے اور ہیرے موتی سب عام پتھر بن گئے۔ وہ جب برتنوں کو کھول کر دیکھتے تو سونے چاندی کے سکوں کی جگہ پتھر پڑے ہوتے تھے باغ اجڑ گئے، دکانیں تباہ ہو گئیں،

قیمتی چیزیں پتھر بن گئیں، اٹھا کے سڑک کے کنارے پھینک دیتے ، مالی حیثیت ختم ہوگئی اور دعا کی قبولیت سامنے آگئی۔ اللہ نے فرمایا ﴿فَاسْتَقِيْمَا﴾ پس تم دونوں ڈٹ کر رہو۔ تھوڑے سے آدمی ان کے ساتھ تھے کیوں کہ فرعون کا غلبہ تھا، اقتدار تھا اور بڑا ظالم تھا جو کلمہ پڑھتا تھا اس پر بڑی سختی کرتا تھا ﴿وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور نہ پیروی کرنا تم ان لوگوں کے راستے کی جو نہیں جانتے۔ فرعون کی، نہ ہامان کی، نہ قارون کی، نہ ان کی جماعت کی اور حق پر ڈٹ کر رہنا ہے۔

مصر سے کنعان ہجرت کرنا

پھر عرصہ دراز تک موسیٰ اور ہارون علیہما السلام ان کو سمجھاتے رہے مگر وہ نہ مانتے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ارضِ مقدس کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پروگرام سے اپنی قوم کو آگاہ کیا کہ ہم نے رات کو یہاں سے ہجرت کر کے ارضِ مقدسہ فلسطین اور کنعان کے علاقہ میں جانا ہے اور یہ رب تعالیٰ کا حکم ہے پختہ ذہن کے لوگ تھے مرد، عورتیں، بچے اور بوڑھے سب تیار ہو گئے۔ رات ہوئی تو پروگرام کے مطابق مصر سے روانہ ہو گئے۔ عورتیں ساتھ ہوں تو شور تو ہوتا ہے فرعون کے ایجنٹوں نے اس کو بتا دیا کہ بنی اسرائیل یہاں سے چلے گئے ہیں۔ فرعون بڑا پریشان ہوا کہ یہی لوگ تھے کام کرنے والے جن کی وجہ سے ہم حکومت کرتے تھے اگر یہ کام کرنے والے نہ رہے تو ہمارا سارا نظام بگڑ جائے گا۔ فرعون نے اپنی فوج کو تیاری کا حکم دیا کہ ان کو پکڑنا ہے۔

بنی اسرائیل نے بحر قلزم کے قریب پڑاؤ ڈالا تھا۔ مُشْرِقِيْن کا لفظ قرآن پاک میں آتا ہے۔ جیسے اب سورج طلوع ہونے کا وقت ہے پیچھے سے فوجیں پہنچ گئیں۔ آگے بحر قلزم کی موجیں ہیں کشتیاں ان کے پاس نہیں تھیں بڑے پریشان ہوئے ﴿قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ﴾ "موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا بے شک ہم تو پکڑے گئے ﴿قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ﴾ [شعراء:۶۱، ۶۲] فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ہرگز نہیں بے شک میرے ساتھ میرا پروردگار ہے۔" اس کے حکم سے آئے ہیں ہمارے بچاؤ کا انتظام وہ خود کرے گا۔ جس وقت بحر قلزم کے کنارے آئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ﴾ مارو اپنی لاٹھی سمندر پر۔ بارہ خاندان تھے اللہ تعالیٰ نے ہر خاندان کے لیے الگ الگ راستہ بنا دیا بڑا گہرا سمندر تھا اس کا پانی اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے دیواریں ہوتی ہیں ﴿فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ﴾ پس پھٹ گیا وہ پس ہو گیا ہر ایک حصہ ایک بڑے پہاڑ کی طرح۔ پانی کی دیواریں ایسی تھیں جیسے پہاڑ کھڑے ہوں۔

بنی اسرائیلیوں نے بحر قلزم عبور کر لیا فرعون فوجیں لے کر آیا اس کے وزیر اعظم ہامان نے کہا کہ تم آگے چلو تمہارے پیچھے فوجیں ہوں گی اور ان کے پیچھے میں ہوں گا ان کا تعاقب کرنا ہے یہ کون ہوتے ہیں بھاگ کر جانے والے۔ جب سارے بحر قلزم میں اُتر گئے تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا چل پڑو۔ یہ سارے وہیں جہنم رسید ہوئے۔ فرعون نے بڑا واویلا کیا۔ اس کا ذکر ہے۔

﴿ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ ﴾ اور ہم نے پار کر دیا بنی اسرائیل کو سمندر سے ﴿ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ ﴾ پس پیچھا کیا ان کا فرعون نے اور اس کے لشکر نے۔ بہت بڑا لشکر تھا ﴿ بَغْيًا وَّعَدْوًا ﴾ سرکشی کرتے ہوئے اور زیادتی کرتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سرکشی کی اور اللہ تعالیٰ کے بندوں پر زیادتی کے لیے تیار ہو گئے۔ سارے غرق ہو گئے۔ جب فرعون غرق ہونے لگا ﴿ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ﴾ یہاں تک کہ جب پالیا فرعون کو غرق ہونے نے ﴿ قَالَ ﴾ کہنے لگا ﴿ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ ﴾ ایمان لایا میں کہ بے شک شان یہ ہے کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی جس پر ایمان لائے ہیں بنی اسرائیل ﴿ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ اور میں بھی مسلمانوں میں سے ہوں ﴿ آٰلْـٰٔنَ ﴾ اللہ تعالیٰ کے فرشتے جبرئیل علیہ السلام نے آواز دی اب ایمان لاتے ہو ﴿ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ ﴾ اور تحقیق تو نے نافرمانی کی اس سے پہلے ﴿ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ اور تو فسادیوں میں سے تھا۔

عذاب کے ظاہر ہونے اور نزع کے وقت کا ایمان قابل قبول نہیں

اللہ تعالیٰ کے عذاب آنے کے بعد کا ایمان قبول نہیں ہوتا۔ اسی طرح نزع کی حالت میں کوئی ایمان لائے یا توبہ کرے تو وہ بھی قبول نہیں ہے۔ آئندہ رکوع میں آئے گا کہ عذاب کے ظاہر ہو جانے کے بعد صرف حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ قبول ہوئی باقی دنیا میں کسی قوم کی توبہ اس حالت میں قبول نہیں ہوئی۔ کیوں کہ ایمان وہ قبول ہے جو بالغیب ہو ﴿ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ﴾ "وہ ایمان لاتے ہیں بن دیکھے۔" جب فرشتے نظر آجائیں تو ایمان بالغیب نہ رہا۔

احادیث میں آتا ہے کہ موت کے وقت ملک الموت آگے ہوتا ہے اور اٹھارہ فرشتے اس کے پیچھے ہوتے ہیں نیک آدمی کے لیے جنت کا کفن، جنت کی خوشبو لاتے ہیں۔ ملک الموت روح نکال کے ان کے حوالے کر دیتا ہے وہ فرشتے جنت کے کفن اور خوشبوؤں میں لپیٹ کر آسمانوں کی طرف اڑتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور اسے علیین میں پہنچاتے ہیں جو نیک لوگوں کی ارواح کا دفتر ہے۔ اور اگر مرنے والا کافر، مشرک، بے ایمان اور نافرمان ہے تو فرشتے اس کے لیے جہنم کا ٹاٹ اور بدبوئیں لے کر آتے ہیں۔ ملک الموت اس کی روح نکال کر ان کے حوالے کر دیتا ہے وہ اس کو آسمان کی طرف لے جاتے ہیں لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ "ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔" وہ اس کو واپس سجین میں لے آتے ہیں جو ساتویں زمین پر کافروں کی ارواح کا دفتر ہے۔ وہاں جب اندراج ہو جاتا ہے تو حدیث پاک میں آتا ہے تُعَادُ رُوْحُهٗ اِلٰى جَسَدِهٖ اس کی روح اس کے جسم کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔ لوگ اس کو ابھی دفنا کے واپس نہیں لوٹتے کہ اس کے جسم میں جان پڑ جاتی ہے اور وہ لوگوں کے جوتوں کی آہٹ قبر میں پڑا ہوا سن رہا ہوتا ہے۔

بخاری شریف کی روایت ہے لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ وہ ان کی جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے۔ پھر فرشتے آ کر اس سے سوال کرتے ہیں مَنْ رَّبُّكَ تیرا رب کون ہے؟ مَنْ نَبِيُّكَ تیرا نبی کون ہے؟ مَا دِيْنُكَ تو کس دین پر ہے؟ نیک ہے تو

ایمان کی برکت سے صحیح اور معقول جواب دیتا ہے اور اگر برا ہے تو حیران ہوتا ہے اور کہتا ہے ھَاہ ھَاہ لَا اَدْرِیْ مجھے معلوم نہیں کیا کہنا ہے۔

تو فرشتے نے آواز دی اب ایمان لاتا ہے اور اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا ہے اور فسادیوں میں سے تھا ﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ﴾ نُنَجِّيْكَ کے دو معنی بیان کرتے ہیں۔ایک یہ کہ نجوی سے لیا جائے اور نجوی کا معنی ہے دریا کا کنارہ۔سَاحِلِ بَحْر نُلْقِيْكَ عَلٰى نَجْوَةٍ مِّنَ الْبَحْرِ ہم تیرے بدن کو سمندر کے کنارے پھینک دیں گے ﴿لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً﴾ تاکہ ہو جائے تو ان لوگوں کے لیے جو تیرے بعد آئیں نشانی۔دوسرا معنی نجات کا کرتے ہیں کہ ہم تیرے بدن کو نجات دیں گے یعنی تیرے بدن کو نجات دیں گے روح اور بدن دونوں کو نجات نہیں ہو سکتی کہ تو آخرت سے بچ جائے۔پھر فرعون کی لاش مشک بنی ہوئی باہر پڑی تھی کہ پیٹ میں پانی بھر گیا تھا تاکہ پچھلوں کو پتا چلے کہ یہ ہے وہ فرعون جو کہتا تھا ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ [نازعات:۲۱] "تمہارا بڑا رب تو میں ہوں۔" آج دیکھو! اس کا یہ حال ہے۔مصر کے عجائب گھر میں کئی فرعونوں کی لاشیں پڑی ہیں۔صدیاں گزر گئیں ہیں لوگ وہاں جا کے دیکھتے ہیں۔جو فرعون موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھا اس کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا۔[تفسیر قرطبی] اسی لیے بعض احادیث میں آتا ہے کہ ولید نام ٹھیک نہیں ہے۔دوسری احادیث میں ہے کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ بہت سارے صحابی ہیں جن کے نام ولید رکھے گئے ہیں۔

آج سے چند سال قبل مصر کی حکومت نے کہا کہ اس کو دفن کر دینا چاہیے۔دوسروں نے کہا کہ نہیں! کیوں کہ یہی سلسلہ چلا آ رہا ہے اور لوگ آ کر اس کو دیکھتے ہیں لہٰذا دفن نہیں کرنا چاہیے تو پھر حکومت کی رائے بدل گئی۔﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ﴾ اور بے شک بہت سے لوگوں میں ایسے ہیں ﴿عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ﴾ جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔ہماری قدرت پر یقین نہیں رکھتے اور ہماری نشانیوں سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

﴿وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے جگہ دی بنی اسرائیل کو ﴿مُبَوَّاَ صِدْقٍ﴾ بڑی اچھی جگہ ﴿وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ اور ان کو روزی دی پاکیزہ چیزوں کی ﴿فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ﴾ پس نہیں اختلاف کیا انھوں نے یہاں تک کہ ان کے پاس علم آ گیا ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ﴾ بے شک تیرا رب فیصلہ کرے گا ان کے درمیان ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن ﴿فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ ان چیزوں کے بارے میں جن میں اختلاف کرتے تھے ﴿فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ﴾ پس اگر آپ شک میں ہیں ﴿مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ﴾ اس چیز کے بارے میں جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ﴿فَسْئَلِ الَّذِيْنَ﴾ پس آپ پوچھ لیں ان لوگوں سے ﴿يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ جو پڑھتے ہیں کتاب آپ سے پہلے ﴿لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ﴾ البتہ تحقیق آ چکا ہے حق تیرے پاس

تیرے رب کی طرف سے ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ﴾ پس ہرگز نہ ہوں آپ شک کرنے والوں میں سے ﴿وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِیْنَ﴾ اور ہرگز نہ ہوں ان لوگوں میں سے ﴿كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ جنھوں نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو ﴿فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ پس آپ ہوجائیں گے نقصان اٹھانے والوں میں سے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ﴾ بے شک وہ لوگ جن پر لازم ہوچکا ہے ﴿كَلِمَتُ رَبِّكَ﴾ تیرے رب کا فیصلہ ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰیَةٍ﴾ اور اگرچہ آجائے ان کے پاس ہر قسم کی نشانی ﴿حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ﴾ یہاں تک کہ وہ دیکھ لیں دردناک عذاب۔

اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل سے ناشکری کا شکوہ

اسرائیل حضرت یعقوب کا لقب تھا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے بارہ بیٹے عطا فرمائے ان میں سے ایک حضرت یوسف علیہ السلام بھی تھے ہر بیٹے سے آگے خاندان چلا اور بنی اسرائیل کہلائے یہ نسلاً بعد نسلٍ بہت پھیلے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑے انعام واکرام سے نوازا لیکن ان پر اللہ تعالیٰ نے جتنی نعمتیں کیں یہ اُتنے ہی زیادہ سرکش ہوئے اور نافرمانی ان کی گھٹی میں داخل تھی اسی کا پروردگار شکوہ فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے جگہ دی بنی اسرائیل کو بڑی اچھی جگہ۔ بنی اسرائیل جب وادی تیہ پہنچے۔ (جس کو آج کل کے جغرافیہ میں وادی سینائی کہتے ہیں۔ جس کی لمبائی چھتیس میل اور چوڑائی چوبیس میل ہے اور سطح سمندر سے تقریباً چار ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔ اس وادی کے ایک حصہ سے تیل اور پٹرول بھی نکلتا ہے۔ یہود نے ۱۹۶۷ء میں اسی پر قبضہ کیا تھا اور تیل والے حصہ پر اب بھی یہود کا قبضہ ہے باقی ریت والا حصہ مصر کو واپس دے دیا ہے۔: نواز بلوچ)

تو ان کے لیے وہاں خوراک پانی کا کوئی انتظام نہ تھا، دھوپ سے بچنے کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔ بڑی سخت دھوپ تھی ﴿وَظَلَّلْنَا عَلَیْكُمُ الْغَمَامَ﴾ "اور ہم نے تمہارے اوپر بادلوں کا سایہ کیا۔" جب سورج چڑھتا تھا تو گھرے بادل ان کے اوپر سایہ کرتے تھے کھانے کے لیے بھنے ہوئے بٹیر اور کھیر دو تھال دو وقت اُترتے تھے اور یہ مزے کے ساتھ کھاتے تھے پانی کا انتظام نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو۔ انھوں نے جب لاٹھی ماری تو بارہ چشمے پتھر سے بہہ پڑے۔ ہر خاندان کے لیے ایک ایک چشمہ مقرر کردیا اور مسلسل چالیس سال ان کے لیے یہی انتظام رہا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ﴾ اور ہم نے ان کو روزی دی پاکیزہ چیزوں کی۔ تیار کھانا وقت پر آجاتا تھا لیکن کہنے لگے ہم ایک قسم کے کھانے پر صبر نہیں کرسکتے ہمیں پیاز، دال مسور کی اور فلاں فلاں چیزیں چاہئیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تمھیں اعلیٰ چیزیں بلا مشقت مل رہی ہیں ان کو چھوڑ کر ادنیٰ مانگتے ہو ﴿اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ﴾ [بقرہ:۶۱] "شہر میں اُتر جاؤ بے شک تمھارے لیے وہی کچھ ہوگا جو تم نے مانگا ہے۔" انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کی اس کے بعد یہ

وادی سینائی سے نکل کر شام کے علاقہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت شام، فلسطین، اردن اور وہ علاقہ جو اس وقت اسرائیل کے پاس ہے یہ سارا مجموعہ ارضِ مقدس کہلاتا تھا، کنعان کہلاتا تھا۔ ظالم انگریز نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اصحاب وہاں کے حکمرانوں کا یہ حال ہے کہ امریکہ، برطانیہ، جرمنی وغیرہ باطل قوتوں کے ساتھ مل سکتے ہیں آپس میں سر نہیں جوڑ سکتے۔ اتنا بُعد اور تنفر پیدا کر دیا گیا ہے۔ شام کا علاقہ بڑا زرخیز ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو پھل سبزیاں اور ہر طرح کی فصلیں عطا فرمائی ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد مصر گئے، مصر کا علاقہ بھی بڑا زرخیز ہے، مصر میں بھی عمدہ غذائیں کھاتے پیتے رہے۔

تو بات یہ ہو رہی تھی کہ وادی سینائی میں ان کو من وسلویٰ کی شکل میں پاکیزہ کھانے ملتے تھے ﴿فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ﴾ پس نہیں اختلاف کیا اُنھوں نے یہاں تک کہ ان کے پاس علم آ گیا۔ علم آنے کے بعد اُنھوں نے اختلاف کیا۔ ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ بے شک تیرا رب فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن ﴿فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ ان چیزوں کے بارے میں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ یہ اختلاف ان کا محض ضد کی وجہ سے تھا۔

یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح پہچانتے تھے

یہودی دنیا کی ذہین اور ضدی قوموں میں سے ایک قوم ہے۔ ورنہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے اور پہچانتے تھے کہ یہ وہی پیغمبر برحق ہیں جنھوں نے آنا تھا اور وہ اپنی مجلسوں میں اس کا تذکرہ بھی کرتے تھے کہ یہ وہی پیغمبر ہے جس نے آنا تھا۔ قرآن پاک میں ہے ﴿يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ "وہ اس پیغمبر کو اس طرح پہچانتے ہیں علامات اور نشانیوں سے کہ جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔" بلکہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو پہلے یہودی تھے بعد میں مسلمان ہو گئے۔ وہ فرماتے تھے کہ ہمیں اپنے بچوں کے بارے میں تردد ہو سکتا ہے کہ شاید ہماری بیویوں نے خیانت کی ہو مگر اس نبی کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے بلکہ یہ وہی برحق نبی ہیں۔

چند یہودی مسلمان ہوئے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت ثعلبہ، حضرت بن یامین رضی اللہ عنہم اور اکثریت نافرمان ہی تھی اور حق کے ساتھ ٹکراتے تھے حالانکہ ان کے بڑوں کے مدینہ آنے کی وجہ تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ ان کے پاس علامات تھیں کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں پیدا ہونا ہے اور مدینہ طیبہ میں ہجرت کر کے آنا ہے۔ یہودیوں نے صدیوں پہلے یہاں آ کر ڈیرے ڈالے ہوئے تھے کہ وہ آئیں گے تو ان کا کلمہ پڑھیں گے۔ ان کے بڑے اتنے عقیدت مند تھے مگر بعد میں آنے والی نسلیں بگڑ گئیں دیکھنے سننے کے باوجود نہیں مانا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کرنے کے درپے ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا، کھانے میں زہر ملا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا اور بہت کچھ کیا۔

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ کا مفہوم

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ﴾ پس اگر آپ شک میں ہیں۔ یہ خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر سمجھایا اُمت

کو جارہا ہے۔ بعض دفعہ اس طرح ہوتا ہے کہ: ۔

گفتہ آید در حدیث دیگراں

"سمجھانا کسی کو ہوتا ہے اور خطاب کسی اور کو ہوتا ہے۔"

جس طرح پنجابی میں کہتے ہیں: ۔

آکھے دھی نوں تے سناوے نوہ نوں

آنحضرت ﷺ کو شک ہو ہی نہیں سکتا۔

تو فرمایا اگر آپ شک میں ہیں ﴿مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ﴾ اس چیز کے بارے میں جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ﴿فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ پس آپ پوچھ لیں ان لوگوں سے جو پڑھتے ہیں کتاب آپ سے پہلے۔ پھر سمجھ لیں کہ یہ آپ ﷺ کو خطاب کر کے لوگوں کو بتایا ہے کہ اگر تمھیں شک ہے تو پہلے ان لوگوں سے پوچھ لو جو کتاب پڑھتے ہیں۔ اور نویں پارے میں تم پڑھ چکے ہو ﴿الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ﴾ "جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں۔" اس کی علامات اور نشانیاں بلکہ سورت فتح کے آخری رکوع میں صحابہ کرام کی علامات بھی بتلائی ہیں جو پانچویں دن تم صبح کی قرات میں سنتے ہو۔ (حضرت شیخ صبح کی نماز میں جو قرات تلاوت فرماتے تھے وہ سات دن کے لیے الگ الگ رکوع تھے۔ پانچویں دن ایک رکعت میں سورت فتح کا آخری رکوع پڑھتے تھے اس کے متعلق فرمایا کہ پانچویں دن صبح کی قرات میں تم سنتے ہو۔ نواز بلوچ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تین علامتیں

اس رکوع میں صحابہ کرام کی علامتیں بیان کی گئیں ہیں ﴿مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ﴾ "ان کی مثال تورات میں ہے اور انجیل میں اس طرح ہے ﴿كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ﴾ جیسا کہ کھیتی اپنا پٹھا نکالتی ہے ﴿فَاٰزَرَهٗ﴾ پھر اس کو مضبوط کرتی ہے۔"

﴿لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ﴾ البتہ تحقیق آچکا ہے حق تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴾ پس ہرگز نہ ہوں آپ شک کرنے والوں میں سے۔ آپ ﷺ کو خطاب کر کے دوسروں کو سمجھایا جارہا ہے کہ اگر تمھیں اپنے بارے میں نبوت و رسالت اور کتاب کے ملنے میں شک ہے تو پہلے جو کتابیں پڑھتے ہیں توریت انجیل ان سے پوچھ لیں۔ کیوں کہ توریت، انجیل اور زبور میں آنحضرت ﷺ کی بشارتیں موجود ہیں۔ ہزارہا تحریفات کے باوجود آج بھی اشارات موجود ہیں۔ انجیل یوحنا میں یہ آیت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگردوں اور حواریوں سے فرمایا کہ: "اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔" [باب ۱۵: آیت ۳۰]

حضرت شیخ رحمہ اللہ کی پادریوں کے ساتھ گفتگو

ایک دن دو مہمان آئے میں ان کو جا کر بیٹھک میں ملا اور دریافت کیا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ ان میں سے ایک نے کہا کہ میرا نام پادری پطرس گل ہے دوسرے کا نام یاد نہیں ڈائری میں لکھا ہوا ہے۔ کہنے لگا کہ میں انارکلی لاہور کے گرجے کا مین انچارج ہوں اور یہ میرا معاون ہے۔ میں نے سوچا کہ ان کے پادریوں کا مجھ سے کیا جوڑ اور ربط ہے؟ کوئی مولوی، قاری، حافظ یا طالب علم ہوتے تو الگ بات تھی۔ میں ذہنی طور پر متردد ہوا کہ یہ کیوں آئے ہیں؟ خیر میں نے ان سے پوچھا کہ تم کیسے تشریف لائے ہو۔ کہنے لگے ہم نے آپ کی کتاب "عیسائیت کا پس منظر" پڑھی ہے اس میں آپ نے انجیل یوحنا کی ایک آیت کو اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر فٹ کیا ہے حالانکہ وہ آپ کے پیغمبر پر فٹ نہیں آتی۔ کیوں کہ آیت میں جو یہ جملہ ہے کہ دنیا کا سردار آتا ہے۔ اس سے مراد تمہارا نبی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد تو شیطان ہے۔

میں نے کہا پادری صاحبان لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ یہ بتاؤ کہ شیطان پہلے موجود نہیں تھا کہ اس نے اب آنا ہے؟ آدم علیہ السلام کو جنت سے کس نے نکلوایا تھا، حوا علیہا السلام کے جنت سے نکلنے کا سبب کون بنا تھا؟ وہ شیطان نہیں تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں جاؤں گا اور وہ آئے گا اور کیا تم شیطان کو دنیا کا سردار مانتے ہو؟ وہ تو جوتیاں مارنے کے قابل ہے۔ ایسی غلط تاویلیں کرتے ہو۔ پھر وہ چائے پی کر چلے گئے۔ اور انجیل متی میں ہے: "میں آنے والے کی جوتیاں اٹھانے کے قابل بھی نہیں ہوں۔" بے شک عیسیٰ علیہ السلام اپنی جگہ پیغمبر ہیں، نبی ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا تو کوئی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ سب سے بلند ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ اور ہرگز نہ ہوں ان لوگوں میں سے جنھوں نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے اُمت کو سمجھایا جا رہا ہے۔ ﴿فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ پس آپ ہو جائیں گے نقصان اٹھانے والوں میں سے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ﴾ بے شک وہ لوگ جن پر لازم ہو چکا ہے تیرے رب کا فیصلہ ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ شروع ہی سے فیصلہ نہیں فرما دیتے کہ یہ ایمان نہیں لائے گا۔ بلکہ جب وہ کفر پر ڈٹ جاتے ہیں اور ایمان نہ لانے کا فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہم نے نہیں ماننا تب اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فیصلہ فرما دیتے ہیں اور ان سے ایمان لانے کی صلاحیت ختم کر دیتے ہیں پھر وہ ایمان نہیں لاتے کیوں کہ اللہ تعالیٰ جبراً نہ کسی کو ہدایت دیتا ہے اور نہ گمراہ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان اور جنات میں نیکی بدی کی صلاحیت رکھی ہے اور اختیار دیا ہے کہ ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف:۲۹] "پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے اپنی مرضی سے۔" سورت النساء میں فرمایا ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ "ہم اس کو پھیر دیتے ہیں اسی طرف جس طرف اس نے رخ کیا۔" یعنی جس طرف کوئی چلنا چاہے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس طرف جانے کی توفیق دے دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نہ جبراً کسی کو ہدایت دیتے ہیں اور نہ گمراہ کرتے ہیں

سورت عنکبوت آیت نمبر ۶۹ میں ہے فرمایا ﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ "اور وہ لوگ جو کوشش کرتے ہیں ہماری طرف آنے کی ہم ضرور راہنمائی کریں گے ان کی اپنے راستوں کی طرف۔" یعنی اللہ تعالیٰ ان کو اپنے راستوں کی توفیق عطا فرما دیں گے۔ اور سورت صف میں فرمایا ﴿فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ "پس جب وہ ٹیڑھے چلے (یعنی غلط راستے پر چلے) تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔" یعنی اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو غلط راستے پر چلا دیا۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی پر جبر نہیں کرتے۔ قادر مطلق ہے کر سکتا ہے مگر اس نے اختیار دیا ہے۔ اختیار کے ساتھ نیکی، بدی کریں اور جو کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں ﴿وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ﴾ اور اگرچہ آ جائے ان کے پاس ہر قسم کی نشانی ایمان نہیں لائیں گے ﴿حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ یہاں تک کہ وہ دیکھ لیں دردناک عذاب۔

جیسا کہ تم نے گزشتہ درس میں پڑھا ہے کہ فرعون پہلے انکار کرتا رہا ﴿حَتّٰى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ "یہاں تک کہ جب اس کو پالیا (فرعون کو) غرق ہونے نے تو کہنے لگا ایمان لایا ہوں میں کہ بے شک کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں بھی مسلمانوں میں سے ہوں۔" اور اس رب پر ایمان لایا جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا رب ہے۔ فرشتے نے کہا ﴿آٰلْئٰنَ﴾ اب ایمان لاتے ہو ﴿وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ اور تحقیق تو نے نافرمانی کی اس سے پہلے اور تھا تو فسادیوں میں سے۔ اب ایمان لانے کا کیا فائدہ اور عذاب الیم آ جانے کے بعد نجات نہیں مل سکتی۔

﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْیَةٌ﴾ پس کیوں نہ ہوئی کوئی بستی ﴿اٰمَنَتْ﴾ کہ ایمان لاتی ﴿فَنَفَعَهَآ اِیْمَانُهَآ﴾ پھر نفع پہنچاتا اس کو اس کا ایمان ﴿اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ﴾ مگر یونس علیہ السلام کی قوم ﴿لَمَّآ اٰمَنُوْا﴾ جس وقت وہ ایمان لائی ﴿كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ﴾ دور کر دیا ہم نے ان سے رسوائی والا عذاب ﴿فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ دنیا کی زندگی میں ﴿وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِیْنٍ﴾ اور ہم نے ان کو فائدہ پہنچایا ایک وقت تک ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ﴾ اور اگر چاہے تیرا رب ﴿لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا﴾ البتہ ایمان لے آئیں جو بھی ہیں زمین میں سب کے سب ﴿اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ﴾ کیا پس آپ لوگوں کو مجبور کر سکتے ہیں ﴿حَتّٰى یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴾ یہاں تک کہ وہ ہو جائیں مومن ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ﴾ اور نہیں ہے کسی نفس کو اختیار ﴿اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ کہ وہ ایمان لائے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ﴿وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ﴾ اور وہ ڈالتا ہے گندگی ﴿عَلَى الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ﴾ ان لوگوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے ﴿قُلِ انْظُرُوْا﴾ آپ

فرما دیں دیکھو ﴿مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کیا کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں ﴿وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ﴾ اور نہیں فائدہ دیتیں نشانیاں اور ڈرانے والے ﴿عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ان لوگوں کو جو ایمان نہیں لاتے ﴿فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ﴾ پس یہ نہیں انتظار کرتے ﴿اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ﴾ مگر ان لوگوں کے دنوں کی طرح ﴿خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ جو گزرے ہیں ان سے پہلے ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿فَانْتَظِرُوْا﴾ پس تم انتظار کرو ﴿اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ﴾ بے شک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں ﴿ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا﴾ پھر ہم نجات دیتے ہیں اپنے رسولوں کو ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور ان کو جو ایمان لائے ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ﴿حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ لازم ہے ہمارے اوپر کہ ہم نجات دیتے ہیں ایمان والوں کو۔

عذاب سے نجات صرف قومِ یونس علیہ السلام کو ملی

دنیا میں بہت سی قوموں پر عذاب آئے ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں جا بجا موجود ہے۔ لیکن عذاب آنے کے بعد کسی قوم کو نجات نہیں ملی سوائے یونس علیہ السلام کی قوم کے۔ جس کا ذکر ان آیات میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ﴾ پس کیوں نہ ہوئی کوئی بستی کہ ایمان لاتی ﴿فَنَفَعَهَا اِيْمَانُهَا﴾ پھر نفع پہنچاتا اس کو اس کا ایمان۔ یعنی عذاب آنے کے بعد کسی بستی والوں کو ان کے ایمان نے نفع نہیں دیا ﴿اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ﴾ مگر یونس علیہ السلام کی قوم ﴿لَمَّا اٰمَنُوْا﴾ جس وقت وہ ایمان لائی ﴿كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ﴾ دور کر دیا ہم نے ان سے رسوائی والا عذاب ﴿فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی میں ﴿وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ﴾ اور ہم نے ان کو فائدہ پہنچایا ایک وقت تک۔ عذاب آ جانے کے بعد کسی قوم کو نجات نہیں ملی سوائے یونس علیہ السلام کی قوم کے جس کا مختصر واقعہ یہ ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا تعارف اور ابتلا کا واقعہ

عراق کے صوبہ موصل میں ایک شہر تھا جس کا نام نینوا تھا اور یہ شہر آج بھی موجود ہے۔ یہ بڑا مرکزی شہر ہوتا تھا ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب اس کی آبادی تھی۔ سورت صٰفّٰت میں ہے ﴿وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ﴾ "اور بھیجا ہم نے ان کو ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف۔" حضرت یونس علیہ السلام کے والد کا نام متّٰی تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یونس علیہ السلام کو نبوت و رسالت عطا فرما کر اس قوم کی اصلاح کے لیے مبعوث فرمایا۔ حضرت یونس علیہ السلام کی شادی بھی ہوئی اللہ تعالیٰ نے دولڑکے بھی عطا فرمائے۔ عرصہ دراز تک انھوں نے اس قوم کو حق سنایا اور پہنچایا مگر کوئی شخص بھی ایمان نہ لایا سوائے اہلیہ محترمہ کے اور والد صاحب فوت ہو گئے تھے اور کوئی رشتہ دار نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دھمکی بھیجی کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے تو ان پر عذاب آئے گا۔ ایک آدمی نے استہزاء کے طور پر کھڑے ہو کر کہا کہ کب تک آئے گا؟ فرمایا تین دن تک آئے گا اور ایک روایت میں

ہے کہ فرمایا چالیس دن تک آئے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دن کی تعیین نہیں تھی یہ حضرت یونس علیہ السلام سے اجتہادی غلطی ہوئی کہ انھوں نے از خود تعیین فرما دی۔ پھر جب تین دن یا چالیس دن پورے ہونے لگے تو حضرت یونس علیہ السلام اپنی بیوی اور دونوں بچوں کو جن میں ایک کی عمر دس سال تھی اور ایک کی سات سال تھی لے کر چل پڑے کہ ان پر تو عذاب آئے گا میں اس معذب قوم میں کیوں رہوں؟ حالانکہ یہ جانے کا حکم بھی ابھی تک رب تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا تھا یہ بھی انھوں نے اپنے اجتہاد کے ساتھ ایسا کیا۔

اور ایک تفسیر یہ بھی کرتے ہیں کہ انھوں نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ میری تعیین کا پابند تو نہیں ہے کہ وہ تین دن یا چالیس دن میں عذاب لے لائے اور اگر عذاب نہ آیا تو لوگ مجھے شرمندہ کریں گے اس لیے وہاں سے چل پڑے۔ اب یہ بھی سمجھ نہیں آ رہی کہ کہاں جانا ہے؟ ایک طرف رخ کر کے چل پڑے کچھ آگے گئے تو دیکھا کہ معزز لوگوں کا قافلہ آ رہا ہے۔ قافلے والوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو گھیر لیا اور کہنے لگے تم کون ہو اور کہاں جا رہے ہو؟ یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں قوم کو تبلیغ کرتا رہا ہوں لیکن انھوں نے مانا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کی دھمکی سنا کر میں جا رہا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ آپ بیوی کو ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ بڑی منت سماجت کی، بحث مباحثہ ہوا فرمایا پیغمبر کی بیوی ہے کہنے لگے ہوگی مگر ہم نہیں چھوڑیں گے چنانچہ چھین کر لے گئے۔

اب آپ اندازہ لگائیں کہ کتنے صدمے کی بات تھی۔ آگے گئے تو ایک نہر تھی جس کا پانی بڑا تیز چل رہا تھا اس کو عبور کر کے دوسری طرف جانا تھا ایک بچے کو نہر کے کنارے بٹھایا کہ ایک کو چھوڑ آؤں پھر دوسرے کو لے جاؤں گا۔ جس وقت نہر کے درمیان میں پہنچے تو دیکھا کہ کنارے والے بچے کو بھیڑیا اٹھا کے لے جا رہا ہے بچے کی حالت کو دیکھ کر کانپ گئے تو جو بچہ کندھے پر تھا وہ نہر میں گر گیا بڑی کوشش کی مگر کچھ نہ کر سکے۔ باہر نکل کر پریشانی میں گھوم رہے ہیں، کبھی اِدھر کبھی اُدھر، دونوں کا کوئی سراغ نہ لگا۔ بیوی بچوں سے نااُمید ہو کر آگے چلے تو آگے دریا تھا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دریائے فرات تھا جب کہ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ دریائے دجلہ تھا۔ دریائے فرات کے کنارے کشتی تھی اس پر سوار ہوئے کشتی ہچکولے کھانے لگی ملاحوں نے کہا کہ ہمارا تجربہ ہے کہ جب کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگ کر آتا ہے تب کشتی کی کیفیت اس طرح ہوتی ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ غلام میں ہوں کسی کو یقین نہ آیا کیوں کہ شکل غلاموں والی نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں نورانی، خوب صورت، بارعب چہرہ ہے اور یہ تفسیر بھی کرتے ہیں کہ کشتی میں سواریاں زیادہ تھیں اگر ایک سواری کو دریا میں ڈال دیا جائے تو باقیوں کی جان بچ سکتی ہے۔

﴿فَسَاهَمَ﴾ اس کے لیے قرعہ اندازی ہوئی یونس علیہ السلام کا نام نکلا کشتی والوں نے ان کو دریا میں ڈال دیا ﴿فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ﴾ [سورۃ الصافات] "پس لقمہ بنا لیا ان کو ایک مچھلی نے۔" اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ یہ تیری خوراک نہیں ہیں تیرا پیٹ ان کے لیے جیل خانہ ہے۔ مچھلی کے پیٹ میں کتنے دن رہے؟ مختلف تفسیریں ہیں تین دن، آٹھ دن، بیس دن یا چالیس دن۔ مچھلی کے پیٹ

میں یونس علیہ السلام نے عاجزی اور انکساری کے ساتھ دعا کی ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ "نہیں کوئی معبود سوائے تیرے تیری ذات پاک ہے بے شک میں ہی قصور واروں میں سے ہوں۔" ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ﴾[سورۃ الانبیاء] "پس ہم نے اس کی بات کو سن لیا اور ہم نے اس کو نجات دی غم سے۔" اور سورت صٰفّٰت میں فرمایا کہ اگر یہ دعا نہ کرتے ﴿لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴾ "البتہ ٹھہرتے وہ اس مچھلی کے پیٹ میں لوگوں کے دوبارہ اٹھنے کے دن تک۔" یعنی دنیا کی طرف آنا نصیب نہ ہوتا اور یہ بھی فرمایا ﴿وَ كَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾[الانبیاء:۸۸] "اور اسی طرح ہم نجات دیتے ہیں ایمان والوں کو۔"

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا پڑھنے سے مصیبت ٹل جاتی ہے ؟

یہ آیت کریمہ صدیوں سے لوگوں کے تجربہ میں ہے کہ جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو پڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ مشکل حل فرمادیتے ہیں۔ اور حدیث پاک میں ہے دَعْوَةُ الْمَكْرُوْبِ دَعْوَةُ ذِي النُّوْنِ پریشان آدمی وہ دعا کرے جو مچھلی کے پیٹ والے پیغمبر نے کی تھی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ اب رہا یہ سوال کہ کتنی دفعہ پڑھنی ہے؟ تو یاد رکھنا! ہر دعا کا اصل گر اخلاص ہے۔ اخلاص کے ساتھ ایک دفعہ پڑھنے سے بھی اثر ہوتا ہے ویسے تم زبردستی سو مرتبہ بھی گٹھلی گراؤ تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ کسی بزرگ نے کسی وقت اس کا سوالاکھ مرتبہ ورد کیا اور اس کا کام ہو گیا اب لوگوں نے سوالاکھ کو پکڑا ہوا ہے بچوں اور عورتوں کو اکٹھا کرتے ہیں ان کے آگے گٹھلیاں رکھ دیتے ہیں اور ادھر چائے کی دیگ رکھ دیتے ہیں ان کا دھیان ادھر ہوتا ہے اور گٹھلی پر گٹھلی گراتے جاتے ہیں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اخلاص کے ساتھ پڑھو تو ایک دفعہ پڑھنا بھی کافی ہے اور اگر اخلاص نہیں ہے تو سارا دن پڑھنے سے بھی کچھ نہیں ہوگا۔

تو خیر اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا اس نے ان کو اُگل دیا کمزور ہیں کہ کئی دن خوراک بھی نہیں ملی اور تازہ ہوا بھی نہ ملی بڑے پریشان ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے بیل دار درخت اُگا کے سائے کا انتظام فرمایا۔ سورت صٰفّٰت میں ہے ﴿وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴾ اور اُگایا ہم نے ان کے اوپر ایک بیل دار درخت جیسے کدو کے بڑے بڑے پتے ہوتے ہیں تاکہ ان کو دھوپ میں تکلیف نہ ہو۔ ادھر ہرنی کا بچہ گم ہو گیا تھا وہ اپنے بچے کو تلاش کرتی پھرتی تھی حضرت یونس علیہ السلام ملے تو اس نے سمجھا کہ میرا بچہ یہاں ہے قریب آئی انھوں نے لیٹے لیٹے ہرنی کا دودھ پیا تازہ ہوا بھی لگی بدن میں قوت آئی اُٹھ کر چل پڑے۔

ایک قافلے والوں کے پاس اپنا بچہ دیکھا ان کو کہا کہ یہ میرا بچہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم اس کے وارث کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ فرمایا وارث تو میں ہوں یہ میرا بیٹا ہے نہر میں گر گیا تھا انھوں نے کہا کہ یہ نہر میں بہتا جا رہا تھا ہم نے اس کو نہر سے نکال لیا۔ فرمایا میرے ایک بیٹے کو بھیڑیا لے گیا تھا وہ کہنے لگے کہ فلاں علاقے والوں سے معلوم ہوا ہے کہ ایک چرواہے نے بھیڑیے سے بچہ چھڑوایا ہے اور وہ بچہ ان لوگوں کے پاس ہے۔ وہاں گئے تو دوسرا بچہ بھی مل گیا بڑی خوشی ہوئی غم کافی کم ہو گیا۔

آگے جارہے تھے تو دیکھا جنھوں نے بیوی چھینی تھی وہ قافلے والے ان کی بیوی لے کر آرہے ہیں۔ وہ رب تعالیٰ کے فرشتے تھے انھوں نے کہا لو تمہارا امتحان ہوگیا ہے بیوی لے جاؤ میں جبرئیل ہوں، یہ میکائیل ہے، یہ اسرافیل ہے، ہم خدا کے فرشتے جنسی خواہشات سے بالکل پاک ہیں۔ بیوی بچے مل گئے بڑی خوشی ہوئی۔ ادھر قوم نے جب خدا کے عذاب کے آثار دیکھے تو من الحیث القوم سب نے توبہ کی روئے گڑگڑائے ان کو روتا دیکھ کر جانور بھی رونے لگے اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور عذاب ٹال دیا۔ اب انھوں نے یونس علیہ السلام کی تلاش شروع کی کہ کہاں ہیں مل جائیں تو ہم ان کی بیعت کریں۔ یونس علیہ السلام واپس آگئے قوم کو بڑی خوشی ہوئی قوم نے کہا حضرت! رب تعالیٰ کا عذاب آچکا تھا ہم نے توبہ کی اللہ تعالیٰ نے عذاب ٹال دیا۔ ہم آپ کی تلاش میں تھے اب آپ ہمیں مسلمان بنائیں۔ یہ اس واقعہ کا خلاصہ ہے جو حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے ساتھ پیش آیا۔

اس کا ذکر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ﴾ پس کیوں نہ ہوئی کوئی بستی کہ ایمان لاتی پھر نفع پہنچاتا اس کو اس کا ایمان مگر یونس علیہ السلام کی قوم جس وقت وہ قوم ایمان لائی تو دور کر دیا ہم نے ان سے رسوائی والا عذاب دنیا کی زندگی میں اور ہم نے ان کو فائدہ دیا ایک وقت تک۔

اللہ تعالیٰ کسی کو ایمان پر مجبور نہیں کرتے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ﴾ اور اگر چاہے تیرا رب ﴿لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا﴾ البتہ ایمان لائیں جو بھی ہیں زمین میں سب کے سب کہ اللہ تعالیٰ سب کو ایمان پر مجبور کر دے جیسا کہ فرشتوں میں کفر کا مادہ ہی نہیں رکھا۔ رب تعالیٰ نے ان کو ایمان پر مجبور کیا ہوا ہے اسی طرح انسانوں اور جنوں کو بھی مجبور کر سکتا ہے کہ یہ کفر کر ہی نہ سکیں۔ مگر ایسا کرتا نہیں ہے کیوں کہ پھر امتحان ختم ہو جاتا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو پیدا کرنے کے بعد ان کو اختیار دیا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف: ۲۹] "پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔" اپنی مرضی سے مجبور نہیں۔

﴿اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ﴾ کیا پس آپ لوگوں کو مجبور کر سکتے ہیں ﴿حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ یہاں تک کہ وہ ہو جائیں مومن۔ ایمان پر مجبور کرنا آپ کا کام نہیں ہے آپ کا کام ہے حق پہنچا دینا۔ ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ اور نہیں ہے کسی نفس کو اختیار کہ وہ ایمان لائے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مراد یہ ہے کہ جب اپنی مرضی سے ایمان کی طرف قدم اٹھائے گا تو اللہ تعالیٰ توفیق عطا کرے گا اور اگر قدم نہیں اٹھائے گا تو رب تعالیٰ زبردستی توفیق نہیں دیتا۔ تو انھوں نے ایمان کی طرف قدم نہیں اٹھایا کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں ﴿وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ ڈالتا ہے گندگی ان لوگوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے عقل سے کام نہیں لیتے۔ ان کے ذہن گندے، ان کے دل گندے اور ان کے بدن روحانی طور پر گندے ہیں۔

﴿قُلِ انْظُرُوْا﴾ آپ فرما دیں دیکھو ﴿مَاذَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کیا کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ قدرت کی نشانیاں ہیں سورج دیکھو، چاند دیکھو، ستارے دیکھو، آسمان کی بلندی دیکھو، زمین کی بناوٹ دیکھو، پہاڑوں کو دیکھو، دریا کو دیکھو، درخت دیکھو، پھول دیکھو، ہر شے رب تعالیٰ کی قدرت کی نشانی اور دلیل ہے ﴿وَمَا تُغْنِى الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ﴾ اور نہیں فائدہ

دیتیں نشانیاں اور ڈرانے والے ﴿عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ان لوگوں کو جو ایمان نہیں لاتے۔ جو ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں وہاں نشانیاں کیا کریں گی اور ڈرانے والے کیا کریں گے۔

کئی دفعہ سن چکے ہو کہ مکہ کے مشرکوں نے کہا کہ یہ چاند دو ٹکڑے ہو جائے تو ہم مان لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا۔ ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ تجھے بھی دو نظر آ رہے ہیں؟ وہ کہتا ہاں! لیکن ایک بھی ایمان نہیں لایا۔ ستائیسویں پارے میں ہے ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ "قریب آ گئی ہے قیامت اور پھٹ گیا ہے چاند ﴿وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا﴾ اور اگر دیکھیں یہ لوگ کوئی نشانی تو اعتراض کرتے ہیں ﴿وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ اور کہتے کہ یہ جادو ہے جو مسلسل چلا آ رہا ہے ﴿وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْا اَهْوَآءَهُمْ﴾ اور جھٹلایا انھوں نے اور پیروی کی اپنی خواہشات کی۔" مطلب یہ ہے کہ جادو کہہ کر ٹال دیا اس ضد کا کیا علاج ہے؟

﴿فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ﴾ پس یہ نہیں انتظار کرتے ﴿اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ﴾ مگر ان لوگوں کے دنوں کی طرح ﴿خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ جو گزرے ہیں ان سے پہلے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم، حضرت ہود علیہ السلام کی قوم، حضرت صالح علیہ السلام کی قوم، حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کہ یہ اس انتظار میں ہیں کہ ان قوموں کی طرح عذاب آئے تو پھر مانیں گے ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿فَانْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ﴾ پس تم انتظار کرو بے شک میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ دیکھتا ہوں تمھارا کیا حشر ہوتا ہے۔ ﴿ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا﴾ پھر ہم نجات دیتے ہیں اپنے رسولوں کو ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور ان کو جو ایمان لائے ﴿كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اسی طرح لازم ہے ہمارے اوپر کہ ہم نجات دیتے ہیں ایمان والوں کو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے انسانو! ﴿اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ﴾ اگر ہو تم شک میں ﴿مِّنْ دِيْنِيْ﴾ میرے دین کے بارے میں ﴿فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ﴾ پس میں نہیں عبادت کروں گا ان کی ﴿تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ سے ورے ورے ﴿وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ﴾ اور لیکن میں عبادت کروں گا اللہ تعالیٰ کی ﴿الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ﴾ جو تمھیں وفات دیتا ہے ﴿وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ہو جاؤں میں ایمان والوں میں سے ﴿وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ﴾ اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ قائم رکھیں اپنے چہرے کو ﴿لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا﴾ دین کے لیے یکسو ہو کر ﴿وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور ہرگز نہ ہوں آپ شرک کرنے والوں میں سے ﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور نہ پکار اللہ تعالیٰ سے ورے ورے ﴿مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ﴾ اس مخلوق کو کہ وہ نہ نفع پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان ﴿فَاِنْ فَعَلْتَ﴾ پس بالفرض اگر آپ نے ایسا کیا ﴿فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ پس

بے شک آپ اس وقت ناانصافی کرنے والوں میں سے ہوں گے ﴿وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ﴾ اور اگر پہنچائے اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی تکلیف ﴿فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ﴾ پس نہیں کوئی دور کرنے والا مگر اللہ تعالیٰ ہی ﴿وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ﴾ اور اگر وہ ارادہ کرے آپ کے ساتھ بھلائی کا ﴿فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ پس کوئی نہیں رد کرنے والا اس کے فضل کو ﴿یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ﴾ پہنچاتا ہے وہ اپنا فضل جس کو چاہتا ہے ﴿مِنْ عِبَادِهٖ﴾ اپنے بندوں میں سے ﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ﴾ اور وہ بخشنے والا مہربان ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ﴾ اے انسانو! ﴿قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ تحقیق آچکا ہے تمھارے پاس حق تمھارے رب کی طرف سے ﴿فَمَنِ اهْتَدٰى﴾ پس جس نے ہدایت حاصل کی ﴿فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ﴾ پس پختہ بات ہے اس نے ہدایت حاصل کی اپنے نفس کے لیے ﴿وَمَنْ ضَلَّ﴾ اور جو گمراہ ہوا ﴿فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا﴾ پس پختہ بات ہے کہ وہ گمراہ ہوا ہے اپنے نفس کے بُرے کے لیے ﴿وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ﴾ اور نہیں ہوں میں تم پر وکیل ﴿وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤى اِلَیْكَ﴾ اور پیروی کریں اس چیز کی جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف ﴿وَاصْبِرْ﴾ اور آپ صبر کریں ﴿حَتّٰى یَحْكُمَ اللّٰهُ﴾ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے ﴿وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ﴾ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

شرک کی تفہیم کے بغیر توحید سمجھ نہیں آتی!

دین نام ہے عقائد، عبادات اور احکام کا۔ اور تمام عقائد، عبادات اور اعمال میں سب سے بڑی اور اصل شے توحید ہے اور توحید سمجھ نہیں آسکتی جب تک شرک نہ سمجھ آئے۔ عربی کا مقولہ ہے وَ بِضِدِّهَا تَتَبَیَّنُ الْاَشْیَآءُ "اپنی ضد کے ساتھ چیزیں واضح ہوتی ہیں۔" چیز کی حقیقت تب سمجھ آئے گی جب اس کی ضد سمجھ آئے گی۔ روشنی کی قدر تب سمجھ آئے گی جب رات کی تاریکی سامنے آئے گی، میٹھی چیز کو نہیں سمجھ سکتا جب تک اس کے سامنے کڑوی نہ ہو۔ تو توحید کی حقیقت سمجھ نہیں آسکتی جب تک شرک کی حقیقت سمجھ نہ آئے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جتنے پیغمبر تشریف لائے ہیں سب کا پہلا سبق ہی یہاں سے شروع ہوا ہے ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ "اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔" اور پیغمبروں نے اس مسئلے کی وجہ سے جتنی تکلیفیں برداشت کی ہیں اور جتنی پریشانیاں اٹھائی ہیں اتنی اور کسی مسئلے میں نہیں اُٹھائیں۔

اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ﴾ اے نبی کریم ﷺ! آپ کہہ دیں اے انسانو! کالے ہو، گورے ہو، عربی ہو، عجمی ہو جہاں کہیں بھی رہتے ہو ﴿اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ﴾ اگر ہو تم شک میں میرے دین کے بارے میں تو اس کو دور کرلو ﴿فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ پس میں نہیں عبادت کروں گا ان کی جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ سے ورے ورے۔ غیر اللہ کی عبادت تم کرتے ہو میں نہیں کروں گا ﴿وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ﴾ اور لیکن میں اللہ تعالیٰ کی

عبادت کروں گا ﴿الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ﴾ جو تمھیں وفات دیتا ہے۔ یعنی جس کے قبضے میں موت وحیات ہے اس رب کے سوا میں کسی کی عبادت نہیں کروں گا۔

اقسامِ عبادت:

اصولی طور پر عبادت کی تین قسمیں ہیں۔ ① زبانی عبادت ② بدنی عبادت اور ③ مالی عبادت۔

جن کا ہم ہر نماز میں اقرار کرتے ہیں اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَ الصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبٰتُ. اَلتَّحِیَّاتُ کا معنی ہے زبانی عبادتیں، صَلَوٰتٌ کا معنی ہے بدنی عبادتیں، طَیِّبٰتٌ کا معنی ہے مالی عبادتیں۔ زبانی عبادتیں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، بدنی عبادتیں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور مالی عبادتیں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سورتا پکارنا، حاجت روا، مشکل کشا سمجھنا، فریادرس سمجھنا، زبانی عبادت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ نماز، روزہ، سجدہ، رکوع، بدنی عبادت ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ نذرونیاز، چڑھاوا، یہ مالی عبادت ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ بعض لوگ جہالت کی وجہ سے اس کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ نماز پڑھنے کے بعد شروع کر دیا یا غوث اعظم دستگیر نماز پڑھی اور پھر قبر کے آگے سجدے میں گر گیا۔ بھئی! نماز پڑھنے کا کیا فائدہ؟ نماز میں تو اقرار کرتا ہے کہ ساری عبادتیں رب تعالیٰ کے لیے ہیں اور نذر مانتا ہے غیر اللہ کے لیے، دیگیں دیتا ہے بزرگوں کے نام کی تو وعدہ جو تو نے نماز کے اندر کیا ہے اس کو تو توڑ دیا ہے۔

تو فرمایا کہ سن لو میں اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت نہیں کروں گا۔ لیکن اس رب کی عبادت کرتا رہوں گا جو تمھیں موت دیتا ہے، جس کے قبضے میں موت وحیات ہے ﴿وَاُمِرْتُ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے ﴿اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ کہ ہو جاؤں میں ایمان والوں میں سے اور مجھے اس کا حکم ہے کہ ﴿وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا﴾ اور یہ کہ قائم رکھو اپنے چہرے کو دین کے لیے یکسو ہو کر۔ مطلب یہ ہے کہ صرف دین پر چلو۔ ایسا نہیں کہ آدھا تیتر آدھا بٹیر کہ کچھ کام دین کے کر لیے اور کچھ رسمیں کر لیں، کچھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر لی اور کچھ قبروں کی پوجا بلکہ صرف رب کے دین پر چلیں۔ یہ آپ ﷺ کو خطاب کر کے رب نے ہمیں سمجھایا ہے۔

﴿وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ اور ہرگز نہ ہوں آپ شرک کرنے والوں میں سے۔ نبی اور شرک جمع ہونے کا تصور بھی نہیں۔ آگ اور پانی تو جمع ہو سکتے ہیں لیکن نبی اور شرک جمع نہیں ہو سکتے۔ لیکن سمجھانے کی خاطر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَ لَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَ اِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ [زمر: ۶۵] "اور البتہ تحقیق حکم دیا جا چکا ہے آپ کو اور آپ سے اگلوں کو کہ اگر تو نے شرک کیا تو اکارت جائیں گے تیرے عمل اور تو ہو جائے گا نقصان اٹھانے والوں میں سے۔" اور عموماً شرک ہے غیر اللہ کو سورتا پکارنا اور غیر اللہ سے مرادیں مانگنا۔ فرمایا ﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور نہ پکار اللہ تعالیٰ سے ورے ورے ﴿مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ﴾ اس مخلوق کو کہ وہ نہ نفع پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان۔ نافع بھی رب تعالیٰ کی صفت

ہے اور ضارّ بھی رب تعالیٰ کی صفت ہے۔ نفع بھی وہی پہنچاتا ہے اور ضرر بھی وہی پہنچاتا ہے۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جن کو داتا گنج بخش کہتے ہیں بخارا کے علاقے کے تھے چالیس ہزار ہندوان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں۔ ان کی کتاب ہے "کشف المحجوب" اصل فارسی زبان میں ہے چونکہ حضرت کی زبان فارسی تھی۔ اس کا بہت سے لوگوں نے اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس میں حضرت نے اپنے مریدوں اور شاگردوں کو سبق دیا ہے۔ فرماتے ہیں یاد رکھنا! اللہ تعالیٰ کی ذات کے بغیر نہ کوئی گنج بخش ہے اور نہ کوئی رنج بخش ہے۔ یعنی نفع بھی کوئی نہیں دے سکتا اور نقصان بھی کوئی نہیں دے سکتا۔ لیکن لوگ ان کو گنج بخش کہتے ہیں خزانے دینے والا، لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ اگر حضرت کے اختیار میں ہوتا تو قبر سے نکل کر ان کے منہ پر طمانچے مار کر سرخ کر دیتے اور حال یہ ہے کہ آج اگر کوئی اس کے خلاف بات کرے تو یہ سراپا احتجاج بن جاتے ہیں۔

چنانچہ جب چالیس من خالص دودھ کے ساتھ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کو غسل دیا گیا تو سابق کمانڈر انچیف اسلم بیگ کی بیوی جو علی گڑھ کی پڑھی ہوئی تھی اور وہ علاقہ عقیدے کے لحاظ سے بڑا صاف ستھرا تھا۔ اس بیچاری نے کہا کہ یہ جو تم نے اسراف کیا ہے کہ چالیس من دودھ کے ساتھ قبر کو دھویا ہے یہ دودھ غرباء مساکین کو کیوں نہیں دیا کہ ان کو فائدہ ہوتا تو سارے بدعتی بھڑوں کی طرح اس کے پیچھے پڑ گئے کہ اسلم بیگ کی بیوی مرتد ہوگئی ہے اور اس کا نکاح ٹوٹ گیا ہے، لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ حالانکہ اس بیچاری نے صحیح کہا تھا۔ اندازہ لگاؤ لوگوں کے عقیدے کتنے گندے ہو گئے ہیں بس ذرا سی کوئی تکلیف ہو تو کہتے ہیں وہاں دیگ پہنچاؤ۔ یاد رکھنا! اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے نام کی نذر و نیاز بالکل حرام ہے اور دینے والا کافر اور مرتد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ فَاِنْ فَعَلْتَ ﴾ پس بالفرض اگر آپ نے ایسا کیا ﴿ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ پس بے شک آپ اس وقت ناانصافی کرنے والوں میں سے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دکھ درد، دور نہیں کر سکتا

فرمایا سبق یاد رکھنا! ﴿ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ ﴾ اور اگر پہنچائے اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی تکلیف ﴿ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ﴾ پس کوئی نہیں دور کرنے والا مگر اللہ تعالیٰ ہی۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی دور نہیں کر سکتا ﴿ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ ﴾ اور اگر وہ ارادہ کرے آپ کے ساتھ بھلائی کا ﴿ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ﴾ پس کوئی نہیں رد کرنے والا اس کے فضل کو۔ ترمذی شریف وغیرہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار تھا آپ نے مجھے فرمایا اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کر و اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے گا اور جب بھی تو سوال کرے تو اللہ تعالیٰ سے کر اور جب تو مدد طلب کرے تو اللہ تعالیٰ سے کر اور جان لے کہ اگر سب لوگ جمع ہو کر تجھے کوئی نفع دینا چاہیں تو نہیں دے سکتے سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے مقدر کر دیا ہے اور اگر سب تجھے نقصان پہنچانے پر جمع ہو جائیں تو تجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ

نے تیرے مقدر کر دیا ہے، قلم لکھ چکے ہیں اور رجسٹر خشک ہو چکے ہیں۔ [مشکوۃ باب التوکل والصبر]

لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنی حاجات میں صرف اللہ تعالیٰ کو پکارے ﴿یُصِیۡبُ بِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ﴾ پہنچاتا ہے وہ اپنا فضل جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے ﴿وَهُوَ الۡغَفُوۡرُ﴾ اور وہ بخشنے والا ہے۔ انسان قاعدے کے مطابق سچے دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ بخش دے گا ﴿الرَّحِیۡمُ﴾ وہ رحم کرنے والا ہے۔

﴿قُلۡ﴾ آپ کہہ دیں ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ﴾ اے انسانو! ﴿قَدۡ جَآءَكُمُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ﴾ تحقیق آ چکا ہے حق تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے ﴿فَمَنِ اهۡتَدٰی﴾ پس جس نے ہدایت حاصل کی ﴿فَاِنَّمَا یَهۡتَدِیۡ لِنَفۡسِهٖ﴾ پس پختہ بات ہے اس نے ہدایت حاصل کی اپنے نفس کے لیے کہ اس کا فائدہ اُسی کو ہوگا ﴿وَمَنۡ ضَلَّ﴾ اور جو گمراہ ہوا ﴿فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیۡهَا﴾ پس پختہ بات ہے کہ وہ گمراہ ہوا ہے اپنے نفس کے برے کے لیے کہ اس کی گمراہی اس کے نفس پر ہوگی ﴿وَمَاۤ اَنَا عَلَیۡكُمۡ بِوَكِیۡلٍ﴾ اور نہیں ہوں میں تم پر وکیل کہ زبردستی تمھیں کفر، شرک سے ہٹاؤں اور ہدایت پر مجبور کروں یہ میرا کام نہیں ہے۔

مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ﴿وَاتَّبِعۡ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡكَ﴾ اور پیروی کریں اس چیز کی جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف۔ اس پیروی میں تکلیفیں بھی آئیں گی اور آئی بھی ہیں لیکن ﴿وَاصۡبِرۡ﴾ اور آپ صبر کریں۔ مخالفت ہوگی، لڑائی جھگڑے ہوں گے، گالیاں ہوں گی، ماریں گے، (سختیاں برداشت کرنا ہوں گی)، ہجرت بھی کرنی پڑے گی۔ حق کہنا آسان بات نہیں ہے حق پر قائم رہنا بڑی مشکل بات ہے۔ مشہور مقولہ ہے کہ حق پر رہنا ایسے ہے جیسے: کَجَمۡرَۃٍ عَلَی النَّارِ "آگ کا جلتا ہوا انگارا ہاتھ میں۔" جیسے اس کی تکلیف ہوتی ہے حق پر قائم رہنے کو بھی اسی طرح سمجھو اور حدیث کے الفاظ ہیں: كَالۡقَابِضِ عَلَى الۡجَمۡرَةِ "جیسے انگارا پکڑنے والا۔" برادری کی طرف سے، بیوی کی طرف سے، محلے والوں کی طرف سے اور دوسرے لوگوں کی طرف سے طعنے ہوں گے۔

تو فرمایا صبر کرو ﴿حَتّٰی یَحۡكُمَ اللّٰهُ﴾ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ ﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوۡرِهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكٰفِرُوۡنَ﴾ [سورۃ صف] "اور اللہ تعالیٰ پورا کرنے والا ہے اپنے نور کو اگرچہ کافر اس کو ناپسند کریں۔" کڑھتے رہیں ﴿وَهُوَ خَیۡرُ الۡحٰكِمِیۡنَ﴾ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم ہے ظاہر، باطن کو جانتا ہے۔ اس سے بہتر فیصلہ کون کر سکتا ہے؟ باقی لوگوں کے فیصلے ظاہری ہوتے ہیں ان کا علم محدود ہوتا ہے اُنھوں نے اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو کون پہنچ سکتا ہے۔

آج بتاریخ ۱۶ ذی قعدہ بروز ہفتہ ۱۴۲۹ھ بمطابق ۱۵ نومبر ۲۰۰۸ء یہ سورۃ مکمل ہوئی۔ بتوفیق اللہ تعالیٰ وعونہٖ

(مولانا) محمد نواز بلوچ

مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس، جناح روڈ گوجرانوالا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوْرَةُ هُوْدٍ مَّكِّيَّةٌ

پارہ ⟸ یَعْتَذِرُوْنَ ، وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ

۱۱ ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ﴾ یہ کتاب ہے اس کی آیات کو محکم کیا گیا ہے ﴿ثُمَّ فُصِّلَتْ﴾ پھر تفصیل کی گئی ہے ﴿مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ﴾ حکمت والے اور خبردار کی طرف سے ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ﴾ کہ نہ عبادت کرو تم مگر صرف اللہ تعالیٰ کی ﴿اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ﴾ بے شک میں تمھارے لیے اللہ کی طرف سے ڈرانے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں ﴿وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ﴾ اور یہ کہ تم معافی مانگو اپنے پروردگار سے ﴿ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ﴾ پھر اس کی طرف رجوع کرو ﴿يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا﴾ وہ فائدہ پہنچائے گا تم کو اچھا فائدہ ﴿اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ایک مدت مقرر تک ﴿وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ﴾ اور دے گا ہر فضیلت والے کو اس کی فضیلت ﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ اور اگر تم پھر جاؤ گے ﴿فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ﴾ تو بے شک میں تم پر خوف کرتا ہوں ﴿عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ﴾ بڑے دن کے عذاب کا ﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ﴾ اللہ ہی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿اَلَآ﴾ خبردار ﴿اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ﴾ بے شک وہ دُہرا کرتے ہیں اپنے سینوں کو ﴿لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ﴾ تاکہ چھپ جائیں اس سے اَلَا خبردار ﴿حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ﴾ جس وقت وہ پہنتے ہیں اپنے کپڑے ﴿يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ﴾ جانتا ہے وہ جس کو وہ چھپاتے ہیں ﴿وَمَا يُعْلِنُوْنَ﴾ اور جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں ﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ بے شک وہ جانتا ہے دلوں کے رازوں کو۔

سورۂ ہود کی وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام سورۂ ہود ہے کیوں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہود علیہ السلام کا ذکر اور ان کی قوم کی تباہی کا ذکر ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے اکاون [۵۱] سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کے دس رکوع اور ایک سو تیئس [۱۲۳] آیات ہیں۔

حروف مقطعات کی بحث

﴿الٓرٰ﴾ حروف مقطعات میں سے ہے اور قرآن کریم کی انتیس [۲۹] سورتیں ہیں جن کے شروع میں یہ کلمات ہیں۔ جیسے: الٓمّٓ، حٰمٓ، طٰهٰ، یٰسٓ، حٰمٓعسٓقٓ وغیرہ۔ ان کے متعلق پہلے کئی مرتبہ بات ہو چکی ہے کہ یہ مخفف ہیں یعنی کسی لفظ سے ایک

حرف نکال کر اختصار کے ساتھ ذکر کرنا اور اس طرح کا استعمال ہر زبان میں ہوتا ہے۔ جیسے: ڈی سی، ڈپٹی کمشنر کا مخفف ہے، اے سی اسسٹنٹ کمشنر کا مخفف ہے۔تو "الف" اللہ سے مخفف ہے جو اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے جَلَّ جَلَالُہٗ۔ "لام" لطیف کا مخفف ہے باریک بین، اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اور "را" رحمٰن، رحیم اور رؤوف کا مخفف بھی ہوسکتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔

﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ﴾ یہ کتاب ہے اس کی آیات کو محکم کیا گیا ہے۔ یعنی جو مضامین آیات میں ہیں وہ بڑے ٹھوس، بڑے مضبوط اور اٹل ہیں اور ﴿اُحْكِمَتْ﴾ کا یہ معنیٰ بھی کیا گیا ہے کہ اس کی آیتیں حکمت والی، دانش و دانائی والی بنائی گئی ہیں یعنی اس میں جو کچھ ہے نرا مغز ہی مغز ہے اس میں کوئی چھلکا نہیں ہے دانائی ہی دانائی ہے ﴿ثُمَّ فُصِّلَتْ﴾ پھر تفصیل کی گئی ہے ان آیتوں کی یعنی تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں ﴿مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ﴾ حکمت والے اور خبردار کی طرف سے۔ حکیم خبیر اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں اس سے بڑا حکمت والا کوئی نہیں ہے اور اس سے بڑا خبردار بھی کوئی نہیں ہے۔

تمام پیغمبروں کا پہلا سبق توحید ہے

اس کتاب، قرآن پاک کا پہلا سبق کیا ہے ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ﴾ کہ نہ عبادت کرو تم مگر صرف اللہ تعالیٰ کی۔ تمام پیغمبروں کا سبق اس جملے سے شروع ہوتا تھا ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ "اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔" کوئی حاجت روا نہیں ہے، کوئی مشکل کشا نہیں ہے، کوئی فریادرس اور دست گیر نہیں ہے، نفع دینے والا اور نقصان پہنچانے والا رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ گزشتہ درس میں پڑھ چکے ہو ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ تمھیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں ہے ﴿وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔" لہٰذا عبادت صرف اس کی کرو چاہے بدنی عبادت ہو، چاہے زبانی ہو یا مالی ہو۔ رکوع اسی کے لیے، سجدہ اسی کے لیے، نذر و نیاز بھی اسی کے لیے کیوں کہ یہ سب عبادتیں ہیں۔

حد سے زیادہ جھکنے کی بھی اجازت نہیں

آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ حضرت! ہم آپس میں کبھی دیر سے ملتے ہیں تو ہم معانقہ یعنی گلے لگ کے مل سکتے ہیں؟ فرمایا ہاں! مل سکتے ہو۔ حضرت! کیا اس کے ساتھ مصافحہ بھی کر سکتے ہیں؟ فرمایا ہاں! کر سکتے ہو اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باقاعدہ باب قائم کیا ہے المصافحة بِالْيَدَيْنِ کہ مصافحہ دو ہاتھوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ حضرت! جب ہم ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات کریں تو جھک بھی سکتے ہیں؟ فرمایا لَا نہیں جھکنا نہیں جھکنے سے رکوع کی حالت ہو جائے گی اور رکوع رب تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ سجدہ بھی رب تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہے نہ زندہ کے لیے نہ مردہ کے لیے۔

حضرت قیس ابن سعد رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں محکمہ پولیس کے انچارج تھے یوں سمجھو کہ آئی، جی پولیس

تھے۔ عراق کے علاقہ حیرہ میں بڑی منڈی لگتی تھی جس طرح ہانگ کانگ وغیرہ دنیا کی مشہور منڈیاں ہیں۔ اُنھوں نے دیکھا کہ لوگ اپنے پادریوں اور چودھریوں اور بزرگوں کو سجدہ کرتے ہیں۔ انھوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کی یارسول اللہ (ﷺ)! میں نے حیرہ کے علاقہ میں دیکھا ہے کہ لوگ اپنے بڑوں کو سجدہ کرتے ہیں تو ہم آپ کو سجدہ نہ کیا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بتلاؤ کہ اگر میری وفات ہو جائے اور مجھے قبر میں دفنا دیا جائے تو کیا تم میری قبر پر سجدہ کرو گے؟ قَالَ لَا حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ نہیں! قبر پر سجدہ نہیں کریں گے۔ فرمایا اسی طرح زندگی میں بھی سجدہ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے معاملہ واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا سجدہ نہ زندہ کے لیے جائز ہے، نہ قبر پر سجدہ کرنا جائز ہے۔

﴿اِنَّنِیْ لَکُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ﴾ بے شک میں تمھارے لیے اللہ کی طرف سے ڈرانے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں۔ اگر تم رب تعالیٰ کی مخالفت کرو گے تو دنیا میں بھی عذاب آئے گا اور آخرت میں بھی اور قبر میں بھی عذاب ہوگا اور اگر تم فرماں برداری کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمھیں دنیا میں بھی آرام دے گا قبر میں بھی راحت ہوگی اور آخرت میں بھی۔ اور میں تمھیں یہ سبق دیتا ہوں ﴿وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ﴾ اور یہ کہ تم معافی مانگو اپنے پروردگار سے۔

استغفار مطلوب ہے

آنحضرت ﷺ امت کی تعلیم کی خاطر دن میں ستر ستر مرتبہ، سو سو مرتبہ استغفار کرتے تھے۔ ((اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ)) اور مختصر لفظ کہہ لو اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ۔ صرف زبان سے نہیں بلکہ دل سے۔ جب تک آدمی سچے دل سے معافی نہ مانگے محض استغفر اللہ! استغفر اللہ! کہنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے کہ دل میں برائی کے پورے ارادے ہوں اور زبان سے استغفار۔ سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو۔ انسان گنہگار اور خطا کار ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے میں نماز پڑھتا ہوں، روزے رکھتا ہوں، حج کرتا ہوں، زکوٰۃ دیتا ہوں، قربانی کرتا ہوں تو بڑا نیک پاک ہوں۔ ان کاموں کے باوجود انسان گنہگار ہے کوئی نہ کوئی گناہ اس سے ہو جاتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا رہے ﴿ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ﴾ پھر اس کی طرف رجوع کرو۔ معافی کے بعد نیکیاں کرو یعنی توبہ سے پہلے کی زندگی اور بعد کی زندگی میں فرق ہونا چاہیے۔ جو کام پہلے کرتے تھے اب نہیں کرنے چاہئیں۔

﴿یُمَتِّعْکُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا﴾ وہ فائدہ پہنچائے گا تم کو اچھا فائدہ پہنچانا ﴿اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی﴾ ایک مدت مقرر تک۔ جو وقت تمھاری موت کا لکھا ہوا ہے اس وقت تک اللہ تعالیٰ تمھیں پاک صاف ستھری زندگی عطا فرمائے گا ﴿وَّیُؤْتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ﴾ اور دے گا ہر فضیلت والے کو اس کی فضیلت کا اجر۔ نماز، روزے کا اجر دے گا، قرآن شریف پڑھتا ہے، درود شریف پڑھتا ہے اس کا اجر دے گا، تعلیم دیتا ہے، تبلیغ کرتا ہے اس کا اجر ملے گا، اچھی بات کرتا ہے، بُرائی سے منع کرتا ہے اس کا اجر ملے گا۔ مختصر یہ کہ ہر نیکی کا اللہ تعالیٰ اجر دے گا۔

﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ اور اگر تم پھر جاؤ گے، روگردانی کرو گے ﴿فَاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ﴾ تو بے شک میں تم پر خوف کرتا ہوں ﴿عَذَابَ یَوْمٍ كَبِیْرٍ﴾ بڑے دن کے عذاب کا۔ وہ بڑے دن کا عذاب مرنے کے بعد ہوگا۔ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُهٗ "جو مرا تحقیق اس کی قیامت قائم ہوگئی۔" مجرم کو مرنے کے بعد جو سزا شروع ہوگی وہ کبھی ختم نہیں ہوگی۔ پہلے قبر میں، پھر حشر میں، پھر پل صراط پر گزرتے ہوئے، پھر دوزخ میں ہوگی اور قیامت کا دن جس میں حساب کتاب ہوگا وہ پچاس ہزار سال کا ہوگا۔ ﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ﴾ اللہ ہی کی طرف تمھارا لوٹنا ہے ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ رب تعالیٰ کے پاس جانے میں شک نہ کرو کہ کس طرح جائیں گے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس ذات نے تمھیں حقیر نطفے سے پیدا کیا اس کے لیے تمھیں دوبارہ کھڑا کرنا قیامت والے دن کوئی مشکل نہیں ہے۔ اگلی آیت کریمہ کی دو تفسیریں ہیں اور دونوں حدیث میں موجود ہیں۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب قضائے حاجت کے لیے بیٹھتے تھے تو سینے کو خوب جھکا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب کی خاطر کہ اللہ تعالیٰ سے ہمیں شرم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ غلو فی الدین ہے۔ انسان، انسان ہے پیشاب پاخانہ کرنا ہے، غسل کرتے وقت بھی ننگا ہونا ہے۔ اسی طرح عورتوں کے ساتھ اختلاط کے وقت بھی ستر کھلنا ہے لہٰذا اتنا سکڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلَآ اِنَّهُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ﴾ خبردار بے شک وہ دُہرا کرتے ہیں اپنے سینوں کو ﴿لِیَسْتَخْفُوْا مِنْهُ﴾ تاکہ چھپ جائیں اس سے۔ اللہ تعالیٰ سے کون سی چیز چھپ سکتی ہے ﴿اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَهُمْ﴾ خبردار جس وقت وہ پہنتے ہیں اپنے کپڑے ﴿یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ﴾ جانتا ہے وہ جس کو وہ چھپاتے ہیں۔ لہٰذا طبعی ضرورت کے وقت کپڑے اُتارنے میں کوئی گناہ نہیں ہے ﴿وَمَا یُعْلِنُوْنَ﴾ اور جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں اس کو بھی جانتا ہے۔

منافقوں پر جب کوئی ذمہ داری پڑتی ہے تو سکڑ جاتے ہیں

اور دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ منافق بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتے تھے۔ جب ان کے مطلب کی بات ہوتی تو بڑے خوش ہو کر بیٹھتے اور جب ان پر کوئی ذمہ داری اور بوجھ پڑتا کہ جہاد کا حکم ہوتا یا چندے کی اپیل ہوتی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ فلاں آدمی کی امداد کرو تو اس وقت اپنے سینوں کو دُہرا کرتے چھپنے کے لیے۔ بھئی! رب تعالیٰ سے کوئی چھپ سکتا ہے؟ وہ تو سب کچھ جانتا ہے۔ جس کو مخفی کرتے ہیں اس کو بھی جانتا ہے اور جس کو ظاہر کرتے ہیں اس کو بھی جانتا ہے ﴿اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ بے شک وہ جانتا ہے دلوں کے رازوں کو۔ بندوں کے خیالات کو بھی رب جانتا ہے خالق جو ہوا، اس پر کوئی شے مخفی نہیں۔ لہٰذا اپنی ضرورت کے وقت تم ننگے ہو سکتے ہو۔ غسل کے وقت، قضائے حاجت کے وقت اور دیگر ضروریات کے وقت۔ دین میں غلو کرنا بری بات ہے۔

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ﴾ اور نہیں ہے کوئی جان دار چیز زمین میں ﴿اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اس کا رزق ﴿وَیَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا﴾ اور وہ جانتا ہے اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو ﴿وَمُسْتَوْدَعَهَا﴾ اور اس کے سونپنے کی جگہ کو ﴿كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ﴾ ہر چیز کھلی کتاب میں درج ہے ﴿وَهُوَ الَّذِیْ﴾ اور وہ وہی ذات ہے ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ﴿فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ﴾ چھ دنوں میں ﴿وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ﴾ اور اس کا عرش پانی پر تھا ﴿لِیَبْلُوَكُمْ﴾ تاکہ امتحان لے تمھارا ﴿اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ کہ کون تم میں سے زیادہ اچھا عمل کرنے والا ہے ﴿وَلَئِنْ قُلْتَ﴾ اور البتہ اگر آپ ان سے کہتے ﴿اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ﴾ کہ بے شک تم کھڑے کیے جاؤ گے ﴿مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ﴾ مرنے کے بعد ﴿لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا﴾ البتہ ضرور کہیں گے وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو ﴿وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ﴾ اور البتہ اگر ہم مؤخر کر دیں ان سے عذاب کو ﴿اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ﴾ ایک مدت تک جو گنی ہوئی ہے ﴿لَّیَقُوْلُنَّ﴾ البتہ ضرور کہیں گے ﴿مَا یَحْبِسُهٗ﴾ کس چیز نے روکا ہے عذاب کو ﴿اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْهِمْ﴾ خبردار جس دن آئے گا ﴿لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ﴾ نہیں پھیرا جائے گا ان سے ﴿وَحَاقَ بِهِمْ﴾ اور گھیر لے گی ان کو ﴿مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ وہ چیز جس کے ساتھ وہ مذاق کرتے تھے۔

رزاق صرف اللہ تعالیٰ ہے

گزشتہ درس میں تم نے سنا کہ نفع، نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے سوا کسی کے اختیار میں نہ نفع ہے نہ نقصان ہے اور یہ بھی تم نے سنا کہ دلوں کے راز بھی بجز پروردگار کے کوئی نہیں جانتا۔ اور آج کے سبق میں ہے کہ رزّاق بھی صرف وہی ہے۔ رزّاق اور رازق یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں۔ رزق دینے والا صرف پروردگار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ﴾۔ دَبَّ یَدُبُّ کا معنیٰ ہے حرکت کرنا۔ تو معنیٰ ہوگا اور نہیں ہے کوئی جان دار چیز جو حرکت کرتی ہے زمین میں چاہے وہ انسان ہوں یا جنات، حیوانات ہوں یا حشرات الارض، کیڑے مکوڑے ہوں۔ یہ سب دابہ کے تحت ہیں۔ تو لازمی معنیٰ ہے جو جان دار چیز ہے ﴿اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اس کا رزق۔ حیوانات انسان کی بہ نسبت بہت زیادہ کھاتے ہیں ان کو بھی رزق اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور وقت پر دیتا ہے۔ کیڑے مکوڑوں، چرند پرند سب کو رزق رب ہی دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے منتظم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی شاہی عطا فرمائی تھی اور بڑے نظم و ضبط کے ساتھ کام چلاتے تھے۔ ان کی فوج میں انسان بھی تھے، جنات بھی تھے اور پرندے بھی تھے۔ یہ قرآن پاک میں

ہے۔ بڑے معقول انداز سے حکومت کرتے تھے۔ قریب سمندر میں بڑی بڑی مچھلیاں تھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنے حسن انتظام پر بڑا ناز تھا کہ الحمدللہ! میرا انتظام بہت اچھا ہے اور واقعی اچھا ہوتا تھا۔ ایک دن عرض کیا کہ اے پروردگار! یہ قریب سمندر میں جو مچھلیاں ہیں میں ان کو ایک وقت کا کھانا کھلانا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے سلیمان (علیہ السلام)! اپنا کام کرو اس بات کے پیچھے مت پڑو۔ عرض کیا نہیں میرا شوق ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ پھر شوق پورا کرلو۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ساری فوج کو لگا کر سمندر کے کنارے چٹائیاں بچھوا کر ہر قسم کے کھانوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ دل میں بڑے خوش تھے کہ میں نے بڑا انتظام کیا ہے کوئی کتنا کھالے گا دَآبَّةٌ مِّنَ الْبَحْرِ سمندر میں سے ایک مچھلی نکل کر سارا کھا گئی اور کہنے لگی اور لاؤ۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اور تو نہیں ہے۔ مچھلی نے کہا اے پروردگار! آج تو نے مخلوق کے حوالے کیا ہے میں بھوکی رہی ہوں۔

تو رب، رب ہے۔ وہی ساری مخلوق کو کھلاتا اور پلاتا ہے۔ دو تین دن ہوئے ہیں اخبار میں خبر آئی تھی کہ کسی سمندر میں بہت بڑی مچھلی نظر آئی ہے اس علاقے سے گزرنے والے جہازوں کے مالکوں کو حکومتوں نے خبردار کیا ہے کہ احتیاط سے گزرو کہ یہ کہیں جہاز کو نہ ڈبو دے۔ بھائی! رب تعالیٰ کی بڑی بڑی مخلوق ہے۔ اس وقت معاشی نظام کا جو کنٹرول کرنے والے ہیں وہ بلا وجہ پریشان ہیں اور شیخ چلی کی طرح کہانیاں سوچتے رہتے ہیں کہ دس سال بعد انسان اتنے ہو جائیں گے اور پچاس سال بعد اتنے ہو جائیں گے تو وہ کیا کھائیں گے؟ بھائی! تمھیں کیا فکر ہے رزق تو رب تعالیٰ کے ذمے ہے۔ آج سے پچاس سال پہلے تین ارب تھے وہ بھی کھاتے تھے اور اس وقت چھ ارب ہیں رب ان کو بھی دے رہا ہے۔ پچاس سال بعد بارہ ارب بھی ہو گئے اور عذابوں اور لڑائی جھگڑوں سے بچ گئے تو رب ان کو بھی دے گا۔

عالم اسباب میں رب تعالیٰ نے اسباب پیدا کیے ہیں۔ پہلے زمین تھوڑی کاشت ہوتی تھی پیداوار بھی کم ہوتی تھی اب زمین زیادہ کاشت ہوتی ہے اور پیداوار بھی زیادہ ہوتی ہے۔ جیسے جیسے مخلوق بڑھتی جائے گی ویسے ویسے اللہ تعالیٰ اسباب بڑھاتا جائے گا اس کی تمھیں فکر نہیں ہونی چاہیے۔ ہاں! البتہ اللہ تعالیٰ نے مکلّف مخلوق کو پابند بنایا ہے کہ روزی کمانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارو، دینا اللہ تعالیٰ نے ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا﴾ اور وہ جانتا ہے اس جان دار کے مستقر کو کہ اس نے جہاں رات کو ٹھہرنا ہے ﴿وَمُسْتَوْدَعَهَا﴾ اور اس کے سونپے جانے کی جگہ کو کہ وہ کہاں دفن کیا جائے گا ﴿كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ ہر چیز کھلی کتاب میں درج ہے۔ کھلی کتاب کا نام لوح محفوظ ہے۔ جب سے کائنات پیدا ہوئی ہے اس وقت سے لے کر دخولِ جنت اور نار تک سب کچھ لوح محفوظ میں درج ہے۔ لوح کا معنی تختی، وہ ایک تختی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے سب کچھ لکھا ہوا ہے اور لوحِ محفوظ میں جو کچھ درج ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم کا کروڑ در کروڑ واں حصہ بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ رب تعالیٰ کا علم ازلی ہے، ابدی ہے۔ مخلوق کی پیدائش سے پہلے بھی رب تعالیٰ کا علم تھا دخولِ جنت اور نار کے بعد نہ ختم ہونے والی زندگی جو لوحِ محفوظ میں درج نہیں رب تعالیٰ کو اس کا بھی علم ہے۔ تو لوحِ محفوظ اللہ تعالیٰ کے علم کا تھوڑا سا حصہ ہے ﴿وَهُوَ الَّذِيْ﴾ اور اللہ تعالیٰ وہی ذات ہے ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾

جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ﴿فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ چھ دنوں میں۔

آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کرنے کی حکمت؟

چھ دنوں سے مراد چھ دنوں کا وقفہ ہے کیوں کہ دن تو نام ہے سورج کے طلوع اور غروب ہونے کا اور اس وقت نہ سورج تھا نہ اس کا طلوع اور غروب ہوتا تھا، نہ آسمان تھا نہ زمین تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت۔ اللہ تعالیٰ ایک آن میں سب کچھ کر سکتا ہے لیکن اس کے باوجود چھ دنوں میں پیدا کیا۔ مخلوق کو بتانے کے لیے کہ تمھارے کام بھی تدریجی یعنی آہستہ آہستہ ہونے چاہئیں۔ ﴿وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ﴾ اور تھا اس کا عرش پانی پر۔ مستدرکِ حاکم حدیث کی کتاب ہے اس میں یہ روایت ہے کہ پوچھنے والے نے مفسر قرآن حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ پانی کس چیز پر تھا؟ انھوں نے فرمایا عَلَى الرِّيْحِ ہوا پر تھا۔ ہوا کس چیز پر تھی؟ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سب سے بڑی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟

اس میں اختلاف ہے کہ اَوَّلُ الْمَخْلُوْقِ کیا چیز ہے یعنی سب سے پہلے کون سی چیز پیدا ہوئی ہے؟ تو مختلف قسم کی روایتیں آئی ہیں۔ میں نے اپنی کتاب "تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین" میں اس پر کافی بحث کی ہے۔ ایک روایت میں ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلُ "اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا ہے۔" لیکن یہ روایت جعلی ہے صحیح نہیں ہے۔ اور ایک روایت میں ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَرْشُ "سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا کیا۔" اس روایت پر بھی محدثین کلام کرتے ہیں کہ اس کی سند صحیح نہیں ہے اور ایک روایت میں ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُوْرِهٖ "سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کے فیض کے ساتھ تیرے نبی کی روح کو پیدا کیا۔" نور سے مراد روح ہے۔ لیکن فنی لحاظ سے اس روایت کا بھی ثبوت نہیں ہے۔

مولانا سید سلمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری جلد میں غیر مستند روایات کا باب قائم کیا ہے۔ اس میں ان روایات کے متعلق فرمایا ہے کہ کوئی روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ صحیح روایت ابوداؤد اور ترمذی شریف میں ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ "سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم تقدیر کو پیدا فرمایا ہے۔" جس کے ساتھ سب تقدیریں لکھی گئیں۔ اُصولی اعتبار سے یہ روایت صحیح ہے۔ باقی اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے جس میں نور کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کے فیض کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو پیدا کیا ہے کیوں کہ رب تعالیٰ کے نور سے تو کوئی شے نہیں نکلی۔ تو علماء اس کے بھی قائل ہیں کہ ارواح میں سے سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک پیدا ہوئی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ﴿لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ تاکہ امتحان لے تمھارا کہ کون تم میں سے اچھا عمل کرنے والا ہے۔ یوں سمجھو کہ آسمان اور زمین ایک کالج، یونیورسٹی ہے، مدرسہ اور مکتب ہے۔ اس میں تم نے کیا تعلیم

حاصل کی ہے؟ ایک ایک لمحے کو غنیمت سمجھو السَّاعَةُ لِلطَّاعَةِ یہ وقت نیکی کے لیے ہے۔ جتنی نیکی کر سکتے ہو ایک دوسرے سے بڑھ کر کرلو۔ ﴿وَلَئِنْ قُلْتَ﴾ اور البتہ اگر آپ ان سے کہتے ﴿إِنَّكُمْ مَبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ﴾ کہ بے شک تم کھڑے کیے جاؤ گے مرنے کے بعد ﴿لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ البتہ ضرور کہیں گے وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ﴾۔ هٰذَآ کا مُشَارٌ اِلَیہ قرآن کریم ہے۔ نہیں ہے یہ قرآن کریم مگر کھلا جادو کہ اس قرآن میں جو کچھ ہے جادو ہے اور هٰذَآ کا مُشَارٌ اِلَیہ بعث بعد الموت بھی ہے۔ پھر مطلب یہ بنے گا کہ مرنے کے بعد اُٹھنا یہ جادو کی بات ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ﴾ [المومنون: ۳۷] "ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَعْدُودَةٍ﴾ اور البتہ اگر ہم مؤخر کر دیں ان سے عذاب کو ایک مدت تک جو گنی ہوئی ہے۔

لفظ اُمت کے تین معانی ہیں

اُمت کے تین معانی ہیں۔ ایک معنیٰ ہے گروہ۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ "تم سب گروہوں سے بہتر گروہ ہو کیونکہ تمھیں نکالا گیا ہے پیدا کیا گیا ہے لوگوں کے لیے ﴿تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ [آل عمران: ۱۱۰] لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔" اور دوسرا معنیٰ پیشوا کا ہے ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا﴾ [النحل: ۱۲۰] "بے شک ابراہیم علیہ السلام پیشوا تھے اطاعت کرنے والے اللہ تعالیٰ کے لیے یکسو ہو کر۔" اور تیسرا معنیٰ ہے کہ البتہ ہم ان سے عذاب مؤخر کر دیں گے ﴿إِلَىٰ أُمَّةٍ مَعْدُودَةٍ﴾ ایک مدت تک جو گنی گئی ہے۔ ﴿لَيَقُولُنَّ﴾ البتہ ضرور کہیں گے ﴿مَا يَحْبِسُهُ﴾ کس چیز نے روکا ہے عذاب کو۔ عذاب کیوں نہیں آتا؟ ﴿أَلَا﴾ خبردار ﴿يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ﴾ جس دن آئے گا وہ ان کے پاس نہیں پھیرا جائے گا ان سے۔ فرعون کے پاس عذاب آیا تو اس کو غرق کر کے چھوڑا، قوم عاد و ثمود کو نیست و نابود کیا، قوم لوط اور دوسری قوموں کو ہلاک کیا۔ ان کے پاس بھی عذاب آئے گا تو بچ نہیں سکیں گے ﴿وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ﴾ اور گھیرے گی ان کو وہ چیز جس کے ساتھ وہ مذاق کرتے تھے۔ جب عذاب آئے گا تو وہ ان کو گھیرلے گا اور ان سے ہٹایا نہیں جاسکے گا۔

~~~

﴿وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً﴾ اور البتہ اگر ہم چکھائیں انسان کو اپنی طرف سے رحمت ﴿ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ﴾ پھر ہم اس سے چھین لیں وہ رحمت ﴿إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ﴾ بے شک وہ البتہ نا امید ہو جاتا ہے ناشکری کرتا ہے ﴿وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ﴾ اور البتہ اگر ہم اس کو چکھائیں نعمت ﴿بَعْدَ ضَرَّاءَ﴾ تکلیف کے بعد ﴿مَسَّتْهُ﴾ جو اس کو پہنچی ہے ﴿لَيَقُولَنَّ﴾ البتہ ضرور کہے گا وہ ﴿ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي﴾ دور ہو گئی ہیں مجھ سے تکلیفیں ﴿إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ﴾ بے شک وہ اترانے والا اور شیخی بگھارنے والا ہوتا ہے ﴿إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا﴾ مگر وہ لوگ جنھوں نے صبر کیا ﴿وَ
~~~

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور اچھے عمل کیے ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ﴾ انھی لوگوں کے لیے بخشش ہے اور بڑا اجر ہے ﴿فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ﴾ پس شاید کہ آپ چھوڑنے والے ہیں ﴿بَعْضَ مَا یُوْحٰۤى اِلَیْكَ﴾ بعض وہ چیز جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے ﴿وَ ضَآىِٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ﴾ اور تنگ ہوتا ہے اس کی وجہ سے آپ کا سینہ ﴿اَنْ یَّقُوْلُوْا﴾ کہ یہ لوگ کہتے ہیں ﴿لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ كَنْزٌ﴾ کیوں نہیں اتارا گیا اس پر خزانہ ﴿اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ﴾ یا کیوں نہیں آیا اس کے ساتھ فرشتہ ﴿اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِیْرٌ﴾ پختہ بات ہے کہ آپ ڈرانے والے ہیں ﴿وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کا کارساز ہے ﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ﴾ کیا یہ کہتے ہیں ﴿افْتَرٰىهُ﴾ یہ قرآن اس نے گھڑ لیا ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ﴾ پس لاؤ دس سورتیں اس جیسی گھڑی ہوئی ﴿وَّ ادْعُوْا﴾ اور بلالو ﴿مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ جس کو تم طاقت رکھتے ہو اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے (کے سوا) ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ﴾ پس اگر وہ جواب نہ دے سکیں ﴿فَاعْلَمُوْۤا﴾ پس تم جان لو ﴿اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ﴾ بے شک یہ قرآن اتارا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ﴿وَ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ اور یہ کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر صرف وہی ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ پس کیا تم مسلمان ہونے والے ہو۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کا مقام تمام انسانوں سے ممتاز اور الگ ہے۔ ان سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے والا اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اور کوئی نہیں ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد اپنے اپنے دور میں ان کے صحابی بڑے شکر گزار تھے۔

اللہ تعالیٰ کا عام انسانوں سے شکوہ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کا شکوہ کیا ہے اور حالات بیان فرمائے ہیں ﴿وَ لَىِٕنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً﴾ اور اگر ہم چکھائیں انسان کو اپنی طرف سے رحمت۔ اولاد بھی رحمت ہے اور جائز طریقے سے جو مال حاصل کیا گیا ہے وہ بھی رحمت ہے، دنیا کی ترقی اور جائز اقتدار بھی رحمت ہے۔ اسی طرح کاشت کار کی فصل خوب ہوتی ہے، جانور پھلتے پھولتے ہیں یہ رحمت ہے۔ تو رحمت کی بہت سی اقسام ہیں ﴿ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ﴾ پھر ہم اس سے چھین لیں وہ رحمت ﴿اِنَّهٗ لَیَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ﴾ بے شک البتہ وہ نا اُمید ہو جاتا ہے ناشکری کرتا ہے۔ جو رب رحمتیں کرتا ہے وہ چھین بھی سکتا ہے نا اُمید اور ناشکرا ہونا کیسا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امید ہونا بڑے گناہوں میں سے ہے۔

ارشادِ ربانی ہے ﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ [زمر: ۵۳] "نا اُمید نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے۔" رحمت چھن جانے کے بعد جب انسان کہتا ہے کہ مجھے کیا ملا تھا یہ ناشکری کا لفظ ہے۔ کیوں کہ اس کو تو ملا تھا اور اس کے پاس تھا لیکن اب رب تعالیٰ نے اس سے چھین لیا تو اس کو یوں کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا میرے اوپر احسان تھا اب میں رب تعالیٰ کی طرف سے آزمائش میں

ہوں مجھ سے کوئی گناہ ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ انعام اٹھالیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے پھر دے گا۔ ایسا جملہ نہ بولے جس سے پہلی نعمتوں کی ناقدری ہو کیوں کہ رب تعالیٰ کی نعمتیں کھاتا اور استعمال کرتا رہا ہے، فائدہ اُٹھاتا رہا ہے ان کی ناشکری کرنا گناہ کی بات ہے۔

خوشی غمی میں خدا کو نہیں بھولنا چاہیے

فرمایا ﴿وَلَئِنْ أَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ﴾ اور البتہ اگر ہم اس کو چکھائیں نعمت تکلیف کے بعد ﴿مَسَّتْهُ﴾ جو تکلیف اس کو پہنچی ہے اس سے پہلے، دولت آگئی، نعمت آگئی ﴿لَيَقُوْلَنَّ﴾ البتہ ضرور کہے گا وہ ﴿ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ﴾ دور ہوگئی ہیں مجھ سے تکلیفیں اور تکلیفیں دور ہونے کے بعد عموماً لوگ غافل ہو جاتے ہیں ﴿إِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ﴾ بے شک وہ اترانے والا اور شیخی بگھارنے والا ہوتا ہے۔ ان نعمتوں پر جو رب تعالیٰ نے دی ہیں اور شیخی بگھارتا ہے کہ میرے پاس یہ ہے وہ ہے۔ کچھ زبان سے ادا کرتا ہے اور کچھ دل سے ادا کرتا ہے حالانکہ جس وقت راحت و آرام آئے تو رب تعالیٰ کو نہیں بھولنا چاہیے۔ دہلی کا آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر شاعر بھی تھا اس نے بڑی خوب صورت بات کہی ہے: ؎

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا ، ہو وہ کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی ، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

جو عیش کے وقت رب تعالیٰ کو بھول جائے اور طیش اور غصے کی حالت میں خدا کو یاد نہ رکھے وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ انسان وہ ہے جو عیش اور طیش دونوں حالتوں میں رب تعالیٰ کو یاد رکھے۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ تکلیف کے وقت اس کی دعائیں قبول ہوں اس کو راحت کے وقت رب تعالیٰ کو یاد کرنا چاہیے۔ مطلب پرست نہیں ہونا چاہیے کہ جب تکلیف آئے تو رب رب کرے اور جب راحت آئے تو لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ باغی ہو جائیں زمین میں۔ کیوں کہ مال آجانے کے بعد اکثر لوگ سرکش ہو جاتے ہیں۔

سب سے زیادہ تکالیف انبیاء کرام علیہم السلام کو آئی ہیں

﴿إِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا﴾ مگر وہ لوگ جنھوں نے صبر کیا تکلیفوں پر۔ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا حضرت! یہ بتلائیں کہ اَيُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَاءً "انسانوں میں سب سے زیادہ تکلیفیں کن کو پیش آتی ہیں قَالَ الْاَنْبِيَآءُ اَلْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ سب سے زیادہ تکلیفیں اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو پیش آئی ہیں پھر ان کو جو درجے میں ان کے قریب ہوتے ہیں پھر ان کو جو درجے میں ان کے قریب ہوتے ہیں يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلٰى قَدْرِ دِيْنِهٖ" جو آدمی جتنا دین دار ہوتا ہے اتنا ہی اس کا امتحان ہوتا ہے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دین میں بڑے پختہ تھے ان کے امتحان بھی اتنے ہی سخت تھے آج ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ حضرت خباب بن اَرت رضی اللہ عنہ کا مالک اُمیہ بن خلف بڑا ظالم آدمی تھا۔ جیسے: ہمارے ہاں کیکر کے درخت کا کوئلہ دیر تک سلگتا

رہتا ہے عرب میں ایک لکڑی ہوتی تھی جس کا نام غضا نہ تھا اس کا کوئلہ بھی دیر تک سلگتا رہتا تھا۔ یہ ظالم اس لکڑی کے کوئلے سلگا کر حضرت خباب بن اُرت رضی اللہ عنہ کا کرتہ اُتار کر پیٹھ کے بل کوئلوں پر لٹا دیتا تھا اور خود سینے پر چڑھ کر کھڑا ہو جاتا تھا اور کہتا تھا کلمہ چھوڑ دو۔ حضرت خباب فرماتے کلمہ چھوڑنے والی شے نہیں ہے۔ ایسے لوگ بھی تھے کہ ان کو ناف تک زمین میں گاڑ کر چیر دیا گیا مگر انھوں نے کلمہ نہیں چھوڑا۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ دو ٹکڑے ہو جاتا تھا مگر دین نہیں چھوڑتا تھا۔ ایمان والوں پر یہاں تک ظلم کیا گیا کہ لوہے کی کنگھیوں کے ساتھ ان کے گوشت کو ہڈیوں تک رگوں سمیت نوچ لیا گیا مگر انھوں نے ایمان نہیں چھوڑا۔ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے ہمارا ایمان اور دین بڑا کمزور ہے اس لیے ہماری آزمائش بھی بڑی نہیں ہوتی۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مگر وہ لوگ جنھوں نے صبر کیا ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور اچھے عمل کیے ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ﴾ انھی لوگوں کے لیے بخشش ہے ﴿وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ﴾ اور بڑا اجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔

مشرک کو توحید سے چڑ ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس دور میں مبعوث ہوئے ہیں اس وقت ہر طرف کفر ہی کفر تھا اور وہ لوگ کفر میں بڑے پکے تھے۔ ان کے لیے سب سے کڑوا مسئلہ توحید کا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو وہ بگڑ جاتے۔ سورت صٰٓفّٰت میں ہے ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ "وہ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں تو وہ غرور کرتے تھے۔" بگڑ جاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاجت روا، مشکل کشا، فریاد رس نہیں ہے، کوئی دست گیر نہیں اور کہتے تھے ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ [ص: ۵] "کیا اس پیغمبر نے اتنے الٰہوں کا ایک الٰہ بنا دیا ہے یہ تو بڑی تعجب کی بات ہے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ﴾ پس شاید کہ آپ چھوڑنے والے ہیں بعض وہ چیز جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے ﴿وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ﴾ اور تنگ ہوتا ہے اس کی وجہ سے آپ کا سینہ۔ یعنی جو مشکل چیزیں ہیں ان کو نہ آپ نے چھوڑا اور نہ چھوڑنے کا ارادہ کیا مگر امکان تو ہے کہ آپ چھوڑ دیں ﴿اَنْ يَّقُوْلُوْا﴾ کہ یہ لوگ کہتے ہیں ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ﴾ کیوں نہیں اتارا گیا اس پر خزانہ۔ اگر یہ نبی ہے تو ﴿اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ﴾ یا کیوں نہیں آیا اس کے ساتھ فرشتہ۔

دیکھو! آج صوبے کا وزیر اعلیٰ یا گورنر سڑک پر سے گزرے تو آگے پیچھے پولیس ہوتی ہے، راستہ صاف کرتی ہے کہ لوگو ہٹو! گورنر صاحب آ رہے ہیں، وزیر اعلیٰ صاحب آ رہے ہیں اور یہ رب کا نائب ہے نہ اس کے پاس کوئی خزانہ ہے، نہ باغات ہیں، نہ سونے کی کوٹھی ہے، نہ کوئی فرشتہ گن مین ہے اور کہتا ہے کہ میں رب تعالیٰ کا نائب ہوں اس کے احکام اس کی مخلوق تک پہنچاتا ہوں۔ یہ کیسے نبی بن گیا؟ اس طرح کے طعنے دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ﴾ پختہ بات ہے کہ آپ ڈرانے والے ہیں رب کے عذاب سے۔ خدائی

صفات آپ میں نہیں ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کسی کو دی ہیں نافع، ضار اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ ﴿وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ﴾ "اور اگر پہنچائے اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پس کوئی نہیں دور کر سکتا اس تکلیف کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ﴿وَ اِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ [یونس: ۱۰۷] اگر اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو کوئی اس کے فضل کو رد نہیں کر سکتا۔" یہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ذریعے آنحضرت ﷺ سے اعلان کروایا ﴿لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا﴾ [سورۃ جن] "میرے اختیار میں نہیں تمھارا ضرر اور نہ بھلائی۔" خدائی اختیارات اللہ تعالیٰ نے رتی برابر بھی کسی کو نہیں دیئے۔ اگر دینے ہوتے تو مخلوق میں سب سے بہتر کہ جس جیسی شخصیت ہوئی ہے نہ ہوگی آنحضرت ﷺ کو دیتا لیکن آپ کو بھی نہیں دیئے بلکہ ان سے اعلان کروایا کہ میں نہ اپنے نفع نقصان کا مالک ہوں اور نہ تمھارے نفع نقصان کا مالک ہوں۔ تو اور کون ہے جس کو خدائی اختیارات مل گئے ہیں؟ ﴿وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کا کارساز ہے، کام بنانے والا اور محافظ ہے۔

مشرکوں کا شوشہ کہ یہ قرآن خود بناتا ہے کا جواب

﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ﴾ کیا یہ کہتے ہیں ﴿افْتَرٰىهُ﴾ یہ قرآن اس نے گھڑ لیا ہے۔ اس کے جواب میں قرآن پاک میں تین قسم کے چیلنج موجود ہیں۔ ایک پندرھویں پارے میں ہے ﴿قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا﴾ "آپ کہہ دیں اگر اکٹھے ہو جائیں انسان اور جنات سارے اس بات پر کہ وہ لائیں اس قرآن کے مثل تو نہیں لاسکیں گے اس کی مثل اگرچہ بعض ان کے بعض کے مددگار رہوں۔" اگر میں اکیلا بنا کر لاسکتا ہوں تو تم سارے اکٹھے ہو کر زور لگاؤ اور بناؤ، لاؤ اور نہیں بنا سکو گے تو سمجھ جاؤ کہ یہ میرا بنایا ہوا بھی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس لیے اس جیسا کوئی نہیں بنا سکتا۔

اور دوسرا چیلنج اس مقام پر ہے۔ فرمایا ﴿قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ﴾ آپ کہہ دیں پس لاؤ دس سورتیں اس جیسی گھڑی ہوئی۔ قرآن پاک کی کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں ایک سو چار تمھیں معاف۔ وہاں تھا کہ سارے انسانوں اور جنوں کو ساتھ ملا لو اور یہاں فرمایا ﴿وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور بلا لو جس کو تم طاقت رکھتے ہو اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے۔ فرشتوں کو ساتھ ملا لو، انسانوں اور جنوں کو ساتھ ملا لو ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ اگر ہو تم سچے۔ تم ساری مخلوق مل کر بھی قرآن کریم کی دس سورتوں جیسی سورتیں نہ لاسکو تو پھر یہ اعتراض کرنا کہ اس نے اپنی طرف سے بنایا ہے کتنے ظلم کی بات ہے؟ اور تیسرا چیلنج پہلے پارے میں ہے ﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ "پس لاؤ تم ایک چھوٹی سی سورت قرآن جیسی۔" قرآن پاک کی چھوٹی سورتیں تین ہیں سورۃ العصر، سورۃ الکوثر اور سورۃ النصر، ان کی تین تین آیتیں ہیں۔ تم ایسی کوئی سورت لے آؤ۔

فرمایا ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ﴾ "پس اگر تم نہ کر سکو

اور ہرگز نہ کر سکو گے پس بچو اس آگ سے جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے۔" قرآن کریم کے اس چیلنج کو آج تک کسی نے قبول نہیں کیا حالاں کہ اس وقت بڑے فصیح و بلیغ لوگ موجود تھے۔ سحبان وائل ایک شخص گزرا ہے اس کی فصاحت و بلاغت لوگوں میں مشہور تھی۔ وہ ایک سال تک کسی مجمع میں گفتگو کرتا تو کوئی لفظ دوبارہ زبان پر نہ لاتا اور اگر وہی مضمون دوبارہ بیان کرنا ہوتا تو اس کو دوسرے الفاظ اور نئی عبارت سے ادا کرتا۔ لیکن یہ لوگ بھی چیلنج قبول نہیں کر سکے۔

تو ﴿فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ﴾ پس اگر وہ جواب نہ دے سکیں ﴿فَاعْلَمُوْٓا﴾ پس تم جان لو ﴿اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ﴾ بے شک یہ قرآن اُتارا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق، یہ کسی کا گھڑا ہوا نہیں ہے اور جس مسئلے سے یہ چڑھتے ہیں وہ بھی سن لو ﴿وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ اور یہ کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر صرف وہی اللہ تعالیٰ۔ اس کے سوا نہ کوئی معبود، نہ کوئی مسجود، نہ کوئی نذر و نیاز کے لائق، نہ کوئی حاجت روا، نہ کوئی مشکل کشا، نہ کوئی فریادرس، نہ کوئی دست گیر، نہ کوئی نفع نقصان کا مالک، نہ عزت، ذلت کسی کے اختیار میں ﴿وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ﴾ [آل عمران: ۲۶] "اور تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہے ذلیل کرتا ہے تیرے ہاتھ میں خیر ہے۔"

﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ پس کیا تم مسلمان ہونے والے ہو، فرماں برداری کرو گے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کا کام ہے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا، اس کے عذاب سے ڈرانا اور راحت کی خوش خبری دینا آگے تمھاری مرضی ہے اسلام لاؤ یا نہ لاؤ۔

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ جو شخص ارادہ کرتا ہے دنیا کی زندگی کا ﴿وَزِيْنَتَهَا﴾ اور اس کی زیب و زینت کا ﴿نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا﴾ ہم ان کو پورا پورا دیتے ہیں ان کے اعمال اس میں ﴿وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ﴾ اور ان کو اس میں کوئی نقصان نہیں ہوتا ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ﴾ یہ وہ لوگ ہیں ﴿لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ نہیں ہے ان کے لیے آخرت میں ﴿اِلَّا النَّارُ﴾ مگر آگ ﴿وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا﴾ اور اکارت ہو جائے گا جو انھوں نے کیا ہے ﴿وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور باطل ہو جائے گی وہ چیز جو وہ کیا کرتے تھے ﴿اَفَمَنْ كَانَ عَلٰي بَيِّنَةٍ﴾ کیا پس وہ شخص جو واضح دلیل پر ہے ﴿مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ اپنے رب کی طرف سے ﴿وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ﴾ اور اس کے ساتھ لگا ہوا ہے ایک گواہ اس (اللہ) کی طرف سے ﴿وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً﴾ اور اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تھی راہنمائی کرنے والی اور رحمت ﴿اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ یہی لوگ ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ﴾ اور جو شخص انکار کرے گا اس کا گروہوں میں ﴿فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ﴾ پس آگ اس کے وعدے کی جگہ ہے ﴿فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ﴾ پس نہ ہو تو شک میں قرآن کے بارے میں ﴿اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ﴾

بیشک یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی﴾ اور کون ہے زیادہ ظالم اس شخص سے جس نے افترا باندھا ﴿عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا ﴿اُولٰٓئِكَ یُعْرَضُوْنَ عَلٰی رَبِّهِمْ﴾ یہ لوگ پیش کیے جائیں گے اپنے رب کے سامنے ﴿وَیَقُوْلُ الْاَشْهَادُ﴾ اور کہیں گے گواہ ﴿هٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ﴾ کہ یہ وہی لوگ ہیں ﴿كَذَبُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ﴾ جنھوں نے جھوٹ بولا اپنے رب پر ﴿اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ﴾ خبردار اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ظالموں پر ﴿الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ وہ جو روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾ اور تلاش کرتے ہیں اس راستے میں کجی ﴿وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ اور وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں۔

جو دنیا چاہے اللہ تعالیٰ اسے دنیا دے دیتے ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ کا نظام یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں ترقی کرنا چاہے اور جتنی کرنا چاہے اللہ تعالیٰ اس کو دنیا کی ترقی دے دیتے ہیں۔ دیکھو! پہنچنے والے چاند تک پہنچ گئے ہیں اور اب زہرہ ستارے تک پہنچنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ سمندر کی تہہ تک پہنچے ہیں، زمین کے پیٹ سے بہت کچھ نکالا ہے اور نکالیں گے، فضا میں اُڑتے پھرتے ہیں جس کا مقصد صرف دنیا ہے۔ وہ دنیا میں جتنی ترقی کرنا چاہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم اس کو دیں گے اور جو شخص آخرت کے بارے میں ارادہ کرے گا اس کو آخرت ملے گی۔ جو جس طرح کی محنت کرے گا اسی طرح کا اس کو پھل ملے گا۔

﴿مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا﴾ جو شخص ارادہ کرتا ہے دنیا کی زندگی کا کہ وہ دنیا میں کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے ﴿وَزِیْنَتَهَا﴾ اور دنیا کی زیب وزینت کا ﴿نُوَفِّ اِلَیْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِیْهَا﴾ ہم ان کو پورا پورا دیتے ہیں ان کے اعمال دنیا میں، جو محنت کریں گے اس کا پھل ملے گا ﴿وَهُمْ فِیْهَا لَا یُبْخَسُوْنَ﴾ اور ان کو اس دنیا میں مجموعی لحاظ سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ انفرادی طور پر کسی وقت کچھ خسارہ ہو تو وہ بات الگ ہے ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ﴾ یہ وہ لوگ ہیں ﴿لَیْسَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ﴾ نہیں ہے ان کے لیے آخرت میں مگر آگ ہی کیونکہ آخرت کے لیے انھوں نے کچھ نہیں کیا آخرت میں ان کے لیے آگ ہی آگ ہے اور کچھ نہیں ﴿وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْهَا﴾ اور اکارت ہو جائیں گے جو انھوں نے کیا ہے دنیا میں نیکی کا کام آخرت کے لیے۔ کیوں کہ ایمان نہیں ہے اور ایمان کے بغیر بڑی سے بڑی نیکی کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ حالانکہ کافر بھی بڑے بڑے نیکی کے کام کرتے ہیں رفاہی اداروں کے ذریعے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچاتے ہیں، ہسپتال بناتے ہیں، لوگوں کے علاج کراتے ہیں، یتیم خانے بھی بنائے ہوئے ہیں اگر کسی علاقے میں قحط پڑ جائے یا زلزلہ آ جائے تو فوراً وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ ان معاملات میں وہ مسلمانوں سے آگے ہیں مگر چونکہ ایمان کی دولت سے محروم ہیں اس لیے ان کی کوئی نیکی آخرت میں مفید نہیں ہوگی ﴿وَبٰطِلٌ مَّا

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور باطل ہو جائے گی وہ چیز جو وہ کماتے تھے۔ جو عمل بھی انھوں نے نیکی کا کیا وہ سب کا سب باطل ہو جائے گا کیونکہ ایمان تمام اعمال کی بنیاد ہے۔

قبولِ عمل کی تین شرائط

اور یہ بات تم کئی مرتبہ سن چکے ہو کہ عمل کی قبولیت کے لیے تین بنیادی شرطیں ہیں۔

① ......ایمان ② ......اخلاص ③ ......اتباعِ سنت

ان کے بغیر عمل کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ کیا پس وہ شخص جو واضح دلیل پر ہے اپنے رب کی طرف سے۔ اس شخصیت سے مراد آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ ﴿وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ﴾ اور اس کے ساتھ لگا ہوا ہے ایک گواہ اس اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ گواہ سے کیا مراد ہے؟ ایک یہ کہ قرآن پاک مراد ہے جو بڑی فصیح اور بلیغ کتاب ہے۔ یہ آپ ﷺ کی صداقت کی دلیل ہے۔ اور کل کے سبق میں تم پڑھ چکے ہو کہ اگر یہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے تو تم اس جیسی دس سورتیں بنا لاؤ۔ لیکن یہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے تو پھر یہ قرآن پیغمبر علیہ السلام کی صداقت کی دلیل ہے۔

اور یہ تفسیر بھی کرتے ہیں کہ شاہد سے مراد دوسرے معجزے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات گرامی کی صداقت کے لیے صادر فرمائے۔ جیسے: چاند دو ٹکڑے ہوا، درخت چل کر آئے، لوگوں نے آنکھوں سے دیکھا، تھوڑا کھانا زیادہ ہوا، تھوڑا پانی زیادہ ہو گیا اور بہت سارے معجزات تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کی نبوت پر واضح دلائل تھے۔ تو فرمایا کہ اس کی گواہی دینے والی چیزیں بھی ساتھ موجود ہیں ﴿وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى﴾ اور اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تھی تورات ﴿اِمَامًا وَّرَحْمَةً﴾ راہنمائی کرنے والی لوگوں کی اور رحمت تھی۔

قرآن کریم کے بعد تورات کا مقام ہے

ہزار ہا سال تک لوگ تورات پر عمل کرتے رہے۔ تمام آسمانی کتابوں میں قرآن کریم کے بعد تورات کا مقام بہت بلند ہے۔ بے شمار اللہ کے پیغمبر تورات کے مطابق عمل کرتے رہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی اصل کتاب توریت ہی تھی انجیل کو اس کا تکملہ اور ضمیمہ سمجھو۔ لیکن تورات میں یہودیوں نے بڑی تحریفات کی ہیں جیسے: آج کل اہلِ بدعت نے دین کا نقشہ بدل کے رکھ دیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب ان کی اصلاح شروع کی تو عوام، خواص، مولوی، پیر بگڑ گئے کہ یہ ہمارے دین میں رخنہ پیدا کرتا ہے۔ انھوں نے دین کی شکل وہ بنائی ہوئی تھی جس طرح آج کل بدعتیوں نے بنائی ہوئی ہے۔ ان کے خلاف بھی کوئی لفظ کہو تو بھڑوں کی طرح پیچھے پڑ جاتے ہیں جس طرح یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیچھے پڑ گئے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے معصوم پیغمبر کو سولی پر چڑھانے کی بھی کوششیں کیں کہ یہ ہمارے دین کو بگاڑتا ہے۔ حالانکہ جو کچھ یہ اہلِ بدعت کرتے ہیں وہ

سب بدعت اور گناہ ہے۔ بے شک قرآن اور حدیث پر ان کو پرکھ لو اور پھر حنفی ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور جو کرتے ہیں وہ سب بدعات ہیں۔

بدعت کی سب سے زیادہ تردید فقہ حنفی میں ہے

میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ فقہ حنفی میں جتنی شرک و بدعت کی تردید ہے اتنی اور کسی فقہ میں نہیں ہے۔ البحرالرائق فقہ حنفی کی بڑی کتاب ہے۔ اس کے مصنف ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ اتنے بڑے مرتبے کے آدمی تھے کہ ان کو ابوحنیفہ ثانی کہتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ لوگ شب برأت اور دیگر مواقع پر مساجد میں ضرورت سے زیادہ روشنی کرتے ہیں یہ سب بدعت اور گناہ ہے۔

تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب اصلاح شروع کی تو سب ان کے مخالف ہو گئے حتیٰ کہ ان کو سولی پر لٹکانے کی تیاری کی لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت فرمائی۔ سورۂ نساء آیت نمبر ۱۵۸ میں ہے ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ "بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا۔" ﴿اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ یہی لوگ ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں یعنی جو لوگ صحیح طریقے سے تورات کو مانتے ہیں وہ قرآن پر بھی ایمان لاتے ہیں اور آخری پیغمبر پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ اور نویں پارے میں تم پڑھ چکے ہو ﴿الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ﴾ "پاتے ہیں اس پیغمبر کو لکھا ہوا تورات اور انجیل میں۔" اور پہلے پارے میں ہے ﴿وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ "اور تھے اس سے پہلے وہ کافر فتح مانگتے۔" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا کرتے تھے کہ اے پروردگار! نبی آخر الزمان کے وسیلے اور طفیل سے ہمیں فتح عطا فرما ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ﴾ "پس جب آپ تشریف لائے اور انھوں نے پہچان لیا تو انکار کر دیا۔" اس ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ﴾ اور جو شخص انکار کرے گا اس کا گروہوں میں سے جو عرب کی سرزمین پر رہتے ہیں ﴿فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ﴾ پس آگ اس کے وعدے کی جگہ ہے، اس کا ٹھکانا ہے۔ اے مخاطب! ﴿فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ﴾ پس نہ ہو تو قرآن کے بارے میں شک کرنے والوں میں سے۔ قطعاً کوئی شک نہ کرنا اے سننے والے! ﴿اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ﴾ بے شک یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔ اس کا پڑھنا ثواب، اس کا سمجھنا ثواب، اس کو ہاتھ لگانا ثواب، اس کو دیکھنا ثواب، قرآن پاک کی ایک آیت بغیر ترجمے کے پڑھنے کا ثواب سو نفل پڑھنے سے زیادہ ثواب ہے اور ترجمے کے ساتھ پڑھنے کا ثواب ہزار نفل پڑھنے سے زیادہ ہے۔ مگر ہم نے اس کتاب کی قدر نہیں کی ہم نے اس کو تیجے کے لیے رکھا ہوا ہے کہ کوئی مر جائے تو وہاں پڑھ لو یا قسم اٹھانے کے لیے رکھا ہوا ہے۔

اگر قرآن اُجرت لے کر پڑھا جائے تو ثواب نہیں پہنچتا

اور یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ اگر بغیر اجرت کے پڑھو گے تو اس کا تو ثواب پہنچے گا اور اگر کسی کو چائے کی پیالی بھی پلاؤ گے

تو کچھ ثواب نہیں ہوگا بلکہ تم بھی گنہگار ہو گے اور وہ پڑھنے والا بھی گنہگار ہوگا بلا معاوضہ پڑھ کر ثواب بخشو یہ جائز ہے۔ بلکہ ہر مسلمان کا اخلاقی فریضہ ہے کہ جب کوئی مسلمان فوت ہو جائے تو تین دفعہ سورت اخلاص پڑھ کر بخشے رب تعالیٰ پورے قرآن کا ثواب دیتے ہیں اور تین دفعہ پڑھنے پر تین منٹ بھی نہیں لگتے اور طریقہ یہ ہے کہ تین دفعہ سورت اخلاص پڑھ کر کہو اے پروردگار! اس کا ثواب فلاں کو پہنچا دے اس کو پورے قرآن کا ثواب پہنچ جائے گا۔

تو قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور ہمارے لیے ہدایت نامہ ہے اور نری رحمت ہے ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ﴾ اور کون ہے زیادہ ظالم اس شخص سے ﴿افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ جس نے افترا باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا کہ اللہ تعالیٰ کے شریک بنائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کی کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور کسی نے کہا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، جہلائے عرب نے کہا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اس کے بعد پھر اپنے متعلق دعویٰ کر دیا ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ [مائدہ:۱۸] "ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔" یہ سب اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے ﴿اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ﴾ یہ لوگ پیش کیے جائیں گے اپنے رب کے سامنے قیامت والے دن ﴿وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ﴾ شاہد کی جمع ہے۔ اور کہیں گے گواہ ﴿هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ﴾ یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے جھوٹ بولا اپنے رب پر۔ یہ گواہ کون ہوں گے۔

گواہی دینے والوں کی تشریح

(۱)...... اللہ تعالیٰ کے پیغمبر گواہ ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا﴾ [فتح:۸] "بے شک بھیجا ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا۔"

(۲)...... وہ فرشتے مراد ہیں جو اعمال لکھتے ہیں۔ (۳)...... شاہد سے مراد اعضاء بھی ہیں۔

وہ اس طرح کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ مشرکوں سے کہیں گے تمھارے وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے تو وہ اپنے شرک کا انکار کریں گے اور کہیں گے ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ [انعام:۲۳] "قسم ہے اللہ کی جو ہمارا پروردگار ہے نہیں تھے ہم شرک کرنے والے۔" ان کے انکار کے بعد اللہ تعالیٰ ان کی زبانوں پر مہر لگا دیں گے۔ سورت یٰسین میں ہے ﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ [۶۵] "آج ہم مہر لگا دیں گے ان کے مونہوں پر اور کلام کریں گے ہمارے سامنے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں جو کچھ وہ کماتے تھے۔" اور سورت حٰمٓ السجدۃ آیت نمبر ۲۰ میں ہے ﴿شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ "گواہی دیں گے ان پر ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے اس چیز کی جو وہ کرتے تھے۔" تو آدمی کے اعضاء بولیں گے ﴿وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا﴾ "وہ کہیں گے تم کیوں گواہی دیتے ہو ہمارے خلاف ﴿قَالُوْٓا﴾ اعضاء کہیں گے ﴿اَنْطَقَنَا

اللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ ﴾ ہم کو بلوایا ہے اس اللہ نے جس نے ہر چیز کو بلوایا ہے۔" اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ تو سب گواہی دیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے۔

ظالموں کے اوصاف

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ﴾ خبردار اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ظالموں پر۔ ظالم ہیں کون؟ تو اس مقام پر ظالموں کی تین صفتیں بیان فرمائی ہیں۔

پہلی صفت: ﴿ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ﴾ وہ جو روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے۔ قولاً روکیں یا فعلاً یہ ظالم ہیں۔

دوسری صفت: ﴿ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ﴾ اور تلاش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں کجی۔

نفاذِ اسلام میں حکمران سب سے بڑی رکاوٹ

کہ نام اسلام کا ہو مگر ہو ان کی مرضی جس طرح آج کل کا حکمران طبقہ ہے اور صرف پاکستان کا نہیں بلکہ تقریباً پچاس اسلامی ملک ہیں سب کے حکمران مجرم ہیں اور اسلامی نظام نافذ کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ کرسی اقتدار ان کے پاس ہے ان کو اسلام ان کی مرضی کا چاہیے۔ اندازہ لگاؤ شریعت کورٹ نے فیصلہ کیا تھا کہ سود حرام ہے۔ کیوں کہ نص قطعی ہے ﴿ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ [بقرہ: ۲۷۵] "اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔" اور اس کی حرمت پر احادیث متواترہ اور اجماع امت موجود ہے۔ اب ہماری حکومت نے یہ کیا ہے کہ سپریم کورٹ میں کیس دائر کیا ہے کہ شریعت کورٹ کے فیصلہ کو منسوخ کرو۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن کا حکم منسوخ کرو۔ پھر بزرگوں سے اپنی مرضی کا بیان دلواتے ہیں۔ چنانچہ پچھلے دنوں محترم ابن سبیل صاحب (امام کعبہ) تشریف لائے تھے۔ بڑے اچھے آدمی ہیں مگر ان کے بیان پر حیرانی ہوئی کہ انھوں نے یہ بیان کیوں دیا ہے؟ ان سے حکومت نے یہ بیان دلوایا کہ پاکستان میں سود کافی سالوں سے چلا آ رہا ہے بٹن دبانے سے تو ختم نہیں ہوگا۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ تجھے کیا مصیبت پڑی ایسا بیان دینے کی؟ تم اپنا موقف پیش کرو کہ اس کو جلد ختم کرو مگر جو حضرات باہر سے تشریف لاتے ہیں یہ ان کو مجبور کر کے اپنی مرضی کے مطابق اُلٹے سیدھے بیان دلواتے ہیں کیونکہ صراطِ مستقیم ان کو موافق نہیں ہے۔

تیسری صفت: ﴿ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴾ اور وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ چاہے عقیدے کے لحاظ سے منکر ہوں اور چاہے عقیدے کے لحاظ سے انکار نہ بھی کریں مگر تیاری تو بالکل نہیں ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ یہ لوگ ہیں عاجز نہیں کر سکتے زمین میں ﴿وَ مَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ﴾ اور نہیں ہے ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حمایتی ﴿يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ﴾ دگنا کیا جائے گا ان کے لیے عذاب ﴿مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ﴾ وہ نہیں طاقت رکھتے سننے کی ﴿وَ مَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ﴾ اور نہیں تھے وہ دیکھتے ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ یہی لوگ ہیں جنھوں نے نقصان میں ڈالا اپنی جانوں کو ﴿وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ اور گم ہو جائے گی ان سے وہ چیز جو وہ افتراء کرتے تھے ﴿لَا جَرَمَ﴾ ضرور بالضرور ﴿اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ بے شک وہ آخرت میں ﴿هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ﴾ بہت نقصان اٹھانے والے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ﴿وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے انھوں نے اچھے ﴿وَ اَخْبَتُوْٓا﴾ اور جھکے وہ ﴿اِلٰى رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کی طرف ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ﴾ یہی لوگ جنت والے ہیں ﴿هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ وہ اس جنت میں ہمیشہ رہیں گے ﴿مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ﴾ مثال دونوں گروہوں کی ﴿كَالْاَعْمٰى وَ الْاَصَمِّ﴾ جیسے اندھا اور بہرا ﴿وَ الْبَصِيْرِ وَ السَّمِيْعِ﴾ اور دیکھنے والا اور سننے والا ﴿هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا﴾ کیا یہ دونوں برابر ہیں مثال میں ﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ کیا پس تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا﴾ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے رسول بنا کر نوح علیہ السلام کو ﴿اِلٰى قَوْمِهٖٓ﴾ ان کی قوم کی طرف ﴿اِنِّيْ لَكُمْ﴾ بے شک میں تمھارے لیے ﴿نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ ڈرانے والا ہوں کھول کر ﴿اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ﴾ یہ کہ نہ عبادت کرو تم مگر اللہ تعالیٰ کی ﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ﴾ بے شک میں خوف کھاتا ہوں تم پر ﴿عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ﴾ دردناک دن کے عذاب سے ﴿فَقَالَ الْمَلَاُ﴾ پس کہا سرداروں نے ﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ جنھوں نے کفر کیا تھا ﴿مِنْ قَوْمِهٖ﴾ ان کی قوم میں سے ﴿مَا نَرٰىكَ﴾ ہم نہیں دیکھتے آپ کو ﴿اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا﴾ مگر اپنے جیسا انسان ﴿وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ﴾ اور ہم نہیں دیکھتے آپ کو کہ آپ کی پیروی کی ہو ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا﴾ مگر وہ لوگ جو ہم میں سے کمی ہیں ﴿بَادِيَ الرَّاْيِ﴾ سرسری رائے والے ﴿وَ مَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ﴾ اور نہیں دیکھتے ہم تمھارے لیے اپنے اوپر کوئی فضیلت ﴿بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ﴾ بلکہ ہم خیال کرتے ہیں تمھیں جھوٹا ﴿قَالَ﴾ کہا نوح علیہ السلام نے ﴿يٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم ﴿اَرَءَيْتُمْ﴾ بتاؤ تم ﴿اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ﴾ اگر ہوں میں واضح دلیل پر اپنے رب کی طرف سے ﴿وَ اٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ﴾ اور دی اس نے مجھے رحمت اپنی طرف سے ﴿فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ﴾ اور وہ مخفی ہو گئی تم پر ﴿اَنُلْزِمُكُمُوْهَا﴾ کیا ہم لازم کر دیں گے تم پر ﴿وَ اَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ﴾ حالانکہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو۔

اس سے پہلے اس بات کا ذکر تھا کہ ظالم وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں کجی تلاش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ یہ لوگ ہیں عاجز نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ کو زمین میں۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے زلزلہ لے آئے، سیلاب لے آئے اور کوئی عذاب بھیج کر تباہ کر دے۔ جن علاقوں میں سیلاب آیا ہے ان کو جا کر دیکھو کس طرح ان کا کچومر نکلا ہے ﴿وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ﴾ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان کا حمایتی۔ اللہ تعالیٰ سے ورے کوئی ساز گار نہیں ہے، کوئی مددگار نہیں ہے ان کی کون مدد کرے گا؟ ﴿يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ﴾ دگنا کیا جائے گا ان کے لیے عذاب قیامت والے دن، اس لیے کہ وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کے راستے سے رکے اور دوسروں کو بھی روکا ﴿مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ﴾ وہ طاقت نہیں رکھتے حق بات سننے کی ﴿وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ﴾ اور نہیں تھے وہ دیکھتے حق کی نشانیوں کو۔ اب دیکھو! زلزلہ آیا ہے چاہیے تو یہ تھا کہ صدر، وزیر اعظم توبہ کرتے اور ساری قوم توبہ کرتی لیکن کوئی ٹس سے مس تک نہیں ہوا۔ نہ حکمران، نہ قوم سب کا پرنالا وہیں ہے جہاں تھا۔ اللہ تعالیٰ نافرمانیوں سے بچائے اور نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔

قیامت والے دن مشرک پچھتائیں گے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں اور کجی تلاش کرتے ہیں اور آخرت کے منکر ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ یہی لوگ ہیں جنھوں نے نقصان میں ڈالا اپنی جانوں کو ﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ اور گم ہو جائے گی ان سے وہ چیز جو وہ افتراء کرتے تھے۔ آج تو کہتے ہیں ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [سورۃ یونس] "یہ تو ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے پاس۔" اور کہتے ہیں کہ ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ [زمر:۳] "ہم نہیں عبادت کرتے ان کی مگر اس لیے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب دلائیں گے۔" مگر قیامت والے دن کوئی ان کے کام نہیں آئے گا ان کے سارے دعوے اور گمان کافور ہو جائیں گے ﴿لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ ضرور بالضرور بے شک وہ آخرت میں ﴿هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ﴾ بہت زیادہ نقصان اُٹھانے والے ہیں۔

آج تو یہ لوگ دنیا کے نشے میں مدہوش ہیں اس لیے ان کو نفع، نقصان کا کوئی احساس نہیں ہو رہا جب دنیا کا نشہ اُترے گا تو پھر معلوم ہوگا کہ ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا۔ اس کو تم اس طرح سمجھو کہ ڈاکٹر آپریشن کے وقت یا تو سارے جسم کو بے ہوش کرتے ہیں یا اس جگہ کو سُن کرتے ہیں جہاں سے آپریشن کرنا ہوتا ہے۔ پھر آدمی کو کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ کیا ہو رہا ہے؟ جب وہ نشہ اُترتا ہے تو درد شروع ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ میرا بازو کٹ گیا ہے یا ٹانگ کٹ گئی ہے یا پیٹ چاک کیا ہے۔ دنیا کی محبت کا نشہ اس سے بہت زیادہ ہے۔ جس وقت عزرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے جان نکالیں گے تو معلوم ہوگا کہ میں کیا کرتا رہا ہوں۔ اس کے بعد جب قبر میں اندھے اور بہرے فرشتے ہتھوڑوں سے پٹائی کریں گے تو معلوم ہوگا کہ کیا نقصان کر کے آیا ہوں۔ پھر حشر والے دن پتا چلے گا کہ نقصان کر کے آیا ہوں یا نفع کما کے لایا ہوں۔

قرآن کریم کا طریقہ کار ہے کہ اگر مجرموں کی سزا کا ذکر کرتا ہے تو اس کے برعکس مومنوں کی جزا کا بھی ذکر کرتا ہے کیوں کہ بِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ "چیزیں اپنی ضد سے واضح ہوتی ہیں۔" دونوں چیزیں سامنے ہوں تو پھر حقیقت کھلتی ہے کہ نیکی کیا ہے بدی کیا ہے، ایمان کیا ہے کفر کیا ہے، جنت کیا ہے دوزخ کیا ہے، راحت کیا ہے آرام کیا ہے۔

کافروں کے ذکر کے بعد اب اللہ تعالیٰ مومنوں کا اجمالاً ذکر کرتے ہیں ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کیے انھوں نے اچھے۔ یعنی محض مومن ہونے کے دعوے دار ہی نہیں بلکہ ساتھ ساتھ عمل بھی کرتے ہیں ﴿وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ﴾ اور جھکے وہ اپنے رب کی طرف۔ ہر وقت ان کا اپنے رب کے ساتھ تعلق ہے، نمازوں میں، روزوں میں، اللہ تعالیٰ کے ذکر میں، حلال، حرام کی تمیز کرنے میں رب تعالیٰ کا حکم دیکھتے ہیں ﴿أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ﴾ یہی لوگ جنت والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جنت میں داخل ہونے کے بعد ﴿هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ وہ اس جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کا تقابل ایک مثال کے ذریعے کیا ہے۔ فرمایا ﴿مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ﴾ مثال دونوں گروہوں کی جیسے اندھا اور بہرا اس کے مقابلے میں ﴿وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ﴾ اور دیکھنے والا اور سننے والا ﴿هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا﴾ کیا یہ دونوں برابر ہیں مثال میں۔ ایک اندھا ہے اور ایک دیکھنے والا ہے، ایک بہرا ہے اور ایک سننے والا ہے۔ کیا یہ برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! اسی طرح تم سمجھ لو کہ مومن اور کافر بھی برابر نہیں ہو سکتے ﴿أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾ کیا پس تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے کئی واقعات ذکر فرمائے ہیں۔ نوح علیہ السلام کا، ہود علیہ السلام کا، صالح علیہ السلام کا، ابراہیم علیہ السلام کا، لوط علیہ السلام کا، شعیب علیہ السلام کا کہ ایک طرف حق والے ہیں اور دوسری طرف باطل والے ہیں ان واقعات کے ضمن میں حق والوں کا نتیجہ دیکھ لو اور باطل والوں کا حشر دیکھ لو۔ ارشادِ ربانی ہے ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ﴾ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے رسول بنا کر نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف۔

"مفتاح السعادہ" تاریخ کی کتاب ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ نوح علیہ السلام کا نام عبدالغفار تھا قوم کی حالت پر نوحہ کرتے کرتے نوح پڑ گیا۔ ان کے والد کا نام نمط تھا اور وہ بھی پیغمبر تھے۔ نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال قوم کو تبلیغ کی۔ چنانچہ سورۃ عنکبوت میں ہے ﴿فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا﴾ "پس ٹھہرے وہ ان کے درمیان ایک ہزار سال سے پچاس سال کم۔" اور دعوت دیتے رہے۔ سورت نوح میں ہے ﴿إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا﴾ "میں نے اپنی قوم کو رات دن دعوت دی۔" ہر رات تبلیغ کرتے تھے اور ہر دن تبلیغ کرتے تھے۔ اور آیت نمبر ۸-۹ میں ہے ﴿ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ۝﴾ "پھر بے شک میں نے ان کو برملا دعوت دی پھر میں نے ان کو علی الاعلان دعوت دی اور میں نے ان کو پوشیدہ طور پر بھی دعوت دی۔" اگلے رکوع میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ ﴿وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ﴾ "اور نہیں ایمان لائے اس

کے ساتھ مگر بہت تھوڑے لوگ۔"

حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھیوں کی تعداد

کسی تفسیر میں اسی [۸۰] کا ذکر آتا ہے، کسی میں بیاسی [۸۲] کا، کسی میں چوراسی [۸۴] کسی میں نوے [۹۰]، کسی میں چورانوے [۹۴]، سو [۱۰۰] کی تعداد بھی پوری نہیں ہوتی۔ پھر افسوس کی بات ہے کہ نوح علیہ السلام کی بیوی جس کا نام واعلہ تھا وہ بھی ایمان نہیں لائی اور بیٹا جس کا نام جان اور لقب کنعان تھا وہ بھی ایمان نہیں لایا۔ باقی تین بیٹے حام، سام اور یافث مومن تھے رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اور بیٹی کوئی نہیں تھی انھی تین بیٹوں سے آگے نسل چلی ہے۔ سورت صٰفّٰت آیت نمبر ۷۷ میں ہے ﴿وَ جَعَلْنَا ذُرِّیَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِیْنَ﴾ "اور کر دیا ہم نے ان کی اولاد کو ہی باقی رہنے والے۔" نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا ﴿اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ بے شک میں تمھارے لیے ڈرانے والا ہوں کھول کر۔ لگی لپٹی گول مول بات نہیں کرتا کہ میں تمھیں اندھیرے میں رکھوں۔ کیوں کہ بات کھلی اور صاف ہو تو پھر ہی سمجھ آتی ہے اور سب سے پہلی بات جو میں نے تمھارے سامنے کرنی ہے وہ یہ ہے ﴿اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ﴾ یہ کہ نہ عبادت کرو تم مگر اللہ تعالیٰ کی۔

تمام پیغمبروں کا پہلا سبق توحید

اور دنیا میں جتنے بھی پیغمبر تشریف لائے ہیں ان کا پہلا سبق یہی تھا ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ "اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو نہیں ہے تمھارے لیے اس کے سوا کوئی معبود۔" نہ کوئی حاجت روا، نہ کوئی مشکل کشا، نہ کوئی فریادرس، نہ کوئی دست گیر، نہ کوئی خالق، نہ کوئی رازق، نہ کوئی مقنن، قانون بنانے والا، نہ کوئی حاضر نہ کوئی ناظر، نہ کوئی مختار، نہ کوئی عالم الغیب، ان سب خوبیوں کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ تمام پیغمبروں اور ولیوں نے توحید کا ہی سبق دیا ہے۔ بزرگوں کی کتابیں پڑھو تو معلوم ہو کہ انھوں نے کیا تعلیم دی ہے۔

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ علیہ کی دو کتابیں مشہور ہیں ایک "غنیۃ الطالبین" بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ان کی نہیں ہے۔ وہ غلط کہتے ہیں بلکہ یہ انھی کی کتاب ہے اور دوسری ہے "فُتُوح الغیب" یہ عربی زبان میں تھی اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے مولانا حکیم محمد صادق مرحوم کو انھوں نے اس کا اُردو ترجمہ کیا ہے اور میرا مشورہ اس میں شامل ہے۔ اس کتاب میں توحید کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اس کو ضرور پڑھو۔ حضرت کے ایک بیٹے کا نام عبدالرزاق رحمہ اللہ علیہ تھا۔ یہ بڑے اکابر محدثین میں سے تھے اور ایک کا نام عبدالوہاب تھا۔ یہ اتنے بڑے عالم تو نہیں تھے مگر ولی کامل کے بیٹے اور بڑے پارسا آدمی تھے۔ آخری مقالے میں لکھا ہے کہ حضرت کی وفات کے وقت ان کے پاس موجود تھے کہنے لگے ابا جی! دنیا سے جا رہے ہو مجھے کوئی وصیت کر دو۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ علیہ نے ان کی طرف غور سے دیکھا اور فرمایا اَلتَّوْحِیْد، اَلتَّوْحِیْد، اَلتَّوْحِیْد۔ اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک سمجھنا، اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک سمجھنا، اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک سمجھنا۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ بزرگوں نے کیا تعلیم

دی ہے۔تو انبیائے کرام علیہم السلام کا پہلا سبق ہی یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے بھی یہی سبق دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو ﴿اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ﴾ بے شک میں خوف کھاتا ہوں تم پر دردناک دن کے عذاب کا ﴿فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ﴾ پس کہا سرداروں نے جنھوں نے کفر کیا تھا ان کی قوم میں سے۔یعنی نوح علیہ السلام کی قوم کے بڑے لوگوں نے ان کا جواب دیا ﴿مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا﴾ ہم نہیں دیکھتے تمھیں مگر اپنے جیسا انسان کہ ہماری طرح کھاتے پیتے ہو، لباس پہنتے ہو، بازاروں میں چلتے پھرتے ہو، بیوی بچے رکھتے ہو، یہ نبوت کا دعویٰ کیسے کر رہے ہو۔کفار مشرکین ہمیشہ اس غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں کہ انسان نبی نہیں بن سکتا منصب رسالت کے لیے کوئی فرشتہ، نوری مخلوق ہونی چاہیے۔

کفار، مشرکین بشر کو نبوت کی اصل نہیں سمجھتے

چنانچہ سورۂ قمر میں ہے ﴿فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗ﴾ "کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے میں سے ایک انسان کے پیچھے لگ جائیں۔اگر ایسا کریں گے تو ﴿اِنَّآ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ﴾ ہم اس وقت گمراہی اور دیوانگی میں پڑ جائیں گے۔" تو بشر کا نبی بننا بڑا عجیب سمجھتے تھے اور اس مسئلے میں پرانے زمانے کے کافر اور موجودہ دور کے بدعتی برابر ہیں۔وہ بشر مانتے تھے اور نبوت کا انکار کرتے تھے جب کہ یہ نبی مانتے ہیں اور بشریت کا انکار کرتے ہیں اور بنی نوع انسان سے نکال کر نوری مخلوق میں داخل کر دیا ہے اور پھر خود ہی نُوْرٌ مِّنْ نُوْرِ اللهِ کا عقیدہ بنالیا ہے۔وہ بھی گمراہ تھے اور یہ بھی گمراہ ہیں۔جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کرتا ہے وہ کافر ہے۔

تو نوح علیہ السلام کی قوم نے کہا کہ ہم تجھے اپنے جیسا انسان دیکھتے ہیں تو نبی کیسے بن گیا؟ اور دوسرا اعتراض یہ کیا کہ ﴿وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا﴾ اور ہم نہیں دیکھتے آپ کو کہ آپ کی پیروی کی ہو مگر وہ لوگ جو ہم میں سے کمی ہیں، رزیل لوگ ہیں۔اگر آپ کا اتباع امیر کبیر لوگ کرتے تو ہم آپ کے دعوے پر غور کر سکتے تھے مگر آپ کے متبعین تو کمی کمین لوگ ہیں لہٰذا ہم اعلیٰ خاندان والے تمھاری نبوت کو تسلیم نہیں کرتے اور صرف رزیل لوگ ہی نہیں بلکہ ﴿بَادِیَ الرَّاْیِ﴾ سرسری رائے والے ہیں۔کسی پختہ رائے کے مالک نہیں ہیں لہٰذا ایسے کمزور لوگوں نے جس کو نبی مانا ہو ہم اسے نبی ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔عموماً لوگوں نے مال و دولت، عہدہ اور حسب نسب ہی کو کمال کی بنیاد سمجھا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کمال اور کامیابی کا معیار ایمان اور نیکی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللهَ یُعْطِی الدُّنْیَا مَنْ یُّحِبُّ وَمَنْ لَّا یُحِبُّ "بے شک اللہ تعالیٰ دنیا اسے بھی دیتا ہے جس کے ساتھ محبت کرتا ہے اور اُسے بھی دیتا ہے جس کے ساتھ محبت نہیں کرتا وَلَا یُعْطِی الدِّیْنَ اِلَّا مَنْ یُّحِبُّ اور دین نہیں دیتا مگر اس کو جس کے ساتھ محبت کرتا ہے وَفِیْ رِوَایَةٍ وَلَا یُعْطِی الْاِیْمَانَ

﴿اِلَّا مَنۡ یُّحِبُّ﴾ اور ایک روایت میں ہے اور ایمان نہیں دیتا مگر اس کو جس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ تو اصل کمال تو ایمان اور دین ہے۔" اور مشرکین نے نوح علیہ السلام کو یہ بھی کہا ﴿وَ مَا نَرٰی لَکُمۡ عَلَیۡنَا مِنۡ فَضۡلٍ﴾ اور نہیں دیکھتے ہم تمھارے لیے اپنے اُوپر کوئی فضیلت۔ تم ہم سے کسی طرح بھی بہتر نہیں ہو، نہ مال و دولت کے اعتبار سے، نہ نوکر چاکر اور جائیداد کے اعتبار سے ﴿بَلۡ نَظُنُّکُمۡ کٰذِبِیۡنَ﴾ بلکہ ہم خیال کرتے ہیں تمھیں جھوٹا۔ ہمارے نزدیک تمھارا دعویٰ نبوت درست نہیں ہے۔ ﴿قَالَ﴾ نوح علیہ السلام نے فرمایا قوم کے اعتراضات کے جواب میں ﴿یٰقَوۡمِ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کُنۡتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ﴾ اے میری قوم! بتاؤ تم اگر ہوں میں واضح دلیل پر اپنے رب کی طرف سے ﴿وَ اٰتٰىنِیۡ رَحۡمَۃً مِّنۡ عِنۡدِہٖ﴾ اور دی اس نے مجھے رحمت اپنی طرف سے۔

ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نبی وحی الٰہی کی وجہ سے ہمیشہ واضح راستے پر ہوتا ہے اور خصوصی رحمت یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نبوت کے عظیم عہدے پر سرفراز فرمایا ہے۔ اور یہ سب سے بڑا انعام خداوندی ہے اور بہت بڑی فضیلت ہے جسے اللہ تعالیٰ عطا کر دے۔ فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر یہ انعامات ہوئے ہوں اور یقیناً ہوئے ہیں ﴿فَعُمِّیَتۡ عَلَیۡکُمۡ﴾ اور یہ چیز تم پر مخفی ہوگئی ہو۔ ظاہر ہے کہ جس کا عقیدہ فاسد اور عمل باطل ہے تو اس کے اندر باطنی روشنی ہی موجود نہیں ہے جس کے ذریعے وہ ان انعاماتِ الٰہی کا مشاہدہ کر سکے۔ اس میں وہ صلاحیت ہی موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے اسے کمالاتِ نبوت نظر آ سکیں اور وہ نبی کے مرتبہ کو پہچان سکے۔

فرمایا اگر تم میرے واضح راستے اور مجھ پر ہونے والی خصوصی رحمت کا ادراک نہ کرو ﴿اَنُلۡزِمُکُمُوۡہَا وَ اَنۡتُمۡ لَہَا کٰرِہُوۡنَ﴾ کیا ہم لازم کر دیں گے تم پر حالانکہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو۔ یعنی تم خدا کی ہدایت اور اس کی رحمت کو پسند ہی نہیں کرتے تو ہم کیسے زبردستی تمھیں چمٹا دیں۔ اللہ تعالیٰ زبردستی کسی کو ہدایت نہیں دیتا۔ جو نیت اور ارادہ کرے اور طالب ہو اسے دیتا ہے۔

﴿وَ یٰقَوۡمِ﴾ اور اے میری قوم ﴿لَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ مَالًا﴾ میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی مال ﴿اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ﴾ نہیں ہے میری مزدوری مگر اللہ تعالیٰ کے ذمے ﴿وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ اور نہیں میں دھکیلنے والا ان لوگوں کو جو ایمان لائے ﴿اِنَّہُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّہِمۡ﴾ بے شک وہ ملنے والے ہیں اپنے پروردگار سے ﴿وَ لٰکِنِّیۡۤ اَرٰىکُمۡ﴾ اور لیکن میں تم کو دیکھتا ہوں ﴿قَوۡمًا تَجۡہَلُوۡنَ﴾ تم لوگ جاہل ہو ﴿وَ یٰقَوۡمِ مَنۡ یَّنۡصُرُنِیۡ مِنَ اللّٰہِ﴾ اور اے میری قوم کون میری مدد کرے گا اللہ تعالیٰ کے سامنے ﴿اِنۡ طَرَدۡتُّہُمۡ﴾ اگر میں نے ان کو دھکیل دیا ﴿اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ﴾ کیا پس تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ﴿وَ لَاۤ اَقُوۡلُ لَکُمۡ﴾ اور میں نہیں کہتا تم سے ﴿عِنۡدِیۡ خَزَآئِنُ اللّٰہِ﴾ کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں ﴿وَ لَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ﴾ اور نہیں جانتا میں غیب ﴿وَ لَاۤ اَقُوۡلُ اِنِّیۡ مَلَکٌ﴾ اور میں نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں ﴿وَّ لَاۤ اَقُوۡلُ لِلَّذِیۡنَ﴾ اور میں نہیں کہتا ان لوگوں کو ﴿تَزۡدَرِیۡۤ اَعۡیُنُکُمۡ﴾ جنھیں تمھاری

آنکھیں حقیر سمجھتی ہیں ﴿لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا﴾ کہ ان کو ہرگز نہیں دے گا اللہ تعالیٰ خیر ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو ان کے نفسوں (دلوں) میں ہے ﴿اِنِّيْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ بے شک میں اس وقت البتہ ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤں گا ﴿قَالُوْا يٰنُوْحُ﴾ کہا نوح علیہ السلام کی قوم نے ﴿قَدْ جٰدَلْتَنَا﴾ اے نوح تو نے جھگڑا کیا ہے ہمارے ساتھ ﴿فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا﴾ پس بہت زیادہ جھگڑا کیا ہے ﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ﴾ پس لے آ تو ہمارے پاس وہ چیز جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے ﴿اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہے تو سچوں میں سے ﴿قَالَ﴾ فرمایا نوح علیہ السلام نے ﴿اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ بے شک لائے گا اس کو تمھارے پاس اللہ تعالیٰ ﴿اِنْ شَآءَ﴾ اگر وہ چاہے ﴿وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ﴾ اور تم اس کو عاجز نہیں کر سکتے ﴿وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْۤ﴾ اور نہیں فائدہ دے گی تمھیں میری نصیحت ﴿اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ﴾ جو میں چاہوں کہ تم کو نصیحت کروں ﴿اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ﴾ اگر ہے اللہ تعالیٰ چاہتا ﴿اَنْ يُّغْوِيَكُمْ﴾ کہ تمھیں گمراہ کر دے ﴿هُوَ رَبُّكُمْ﴾ وہی تمہارا رب ہے ﴿وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ﴾ کیا یہ کہتے ہیں کہ گھڑ لایا ہے یہ اس قرآن کو ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿اِنِ افْتَرَيْتُهٗ﴾ اگر میں نے اس کو گھڑا ہے ﴿فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ﴾ پس مجھ ہی پر ہے میرا گناہ ﴿وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ﴾ اور میں بری ہوں ان گناہوں سے جن کا تم ارتکاب کرتے ہو۔

پیغمبر کی مزدوری اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے؟

اس سے پچھلی آیت کریمہ میں تھا کہ میں تمھیں زبردستی ہدایت نہیں دے سکتا کہ تمھارے جی (دل) ناپسند کرتے ہوں۔ اور اگر تمھارے ذہن میں یہ بات ہو کہ میں اس تبلیغ سے کوئی مالی فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہوں تو یہ بات بھی تم ذہن سے نکال دو ﴿وَيٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا﴾ اور اے میری قوم! میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی مال کہ میں جو تمھیں خدا کا پیغام پہنچا رہا ہوں اور تمھاری جو خیر خواہی کر رہا ہوں اس کا میں تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا ﴿اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ﴾ نہیں ہے میری مزدوری مگر اللہ تعالیٰ کے ذمے۔ جس مالک کی خوشنودی اور رضا کے لیے فریضہ تبلیغ انجام دے رہا ہوں میرا معاوضہ اسی کے پاس ہے اور وہی سب سے بہتر اجر ہوگا۔

ہر دور کے وڈیروں نے غرباء کو اچھا نہیں سمجھا؟

ہر نبی کے دور میں اس وقت کے سرداروں اور چودھریوں نے یہ بات کہی کہ تمھارے پیچھے لگنے والے (اتباع کرنے والے) غریب لوگ ہیں ان کی موجودگی میں ہم تمھاری مجلس میں نہیں بیٹھ سکتے۔ لہٰذا ان کمی (نیچ) لوگوں کو اپنی مجلس سے ہٹاؤ یہ

کیونکہ ان کے برابر بیٹھنے سے ہماری ہتک ہوتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کا جواب دیا ﴿وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور نہیں میں دھکیلنے والا ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں۔ ان کو میں اپنی مجلس سے اس لیے اٹھا دوں کہ بڑے لوگ میری بات سنیں، یہ نہیں ہوسکتا۔ یہی مطالبہ مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا کہ ہم آپ کی بات سننے کے لیے آئے ہیں مگر ہماری شرط یہ ہے کہ آپ ان کی قسم کے لوگوں حضرت صہیب، حضرت بلال، حضرت خباب بن ارت، حضرت عمار، حضرت یاسر، حضرت ابوفکیہہ، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم کو اپنی مجلس سے اٹھا دیں۔ لیکن رب تعالیٰ کی رحمت نے یہ گوارا نہ کیا اور فرمایا ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ﴾ "اور مجلس سے دھکیل کر نہ نکال ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو پہلے پہر اور پچھلے پہر ﴿یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا۔" تو نوح علیہ السلام نے غرباء کو مجلس سے نکالنے سے انکار کر دیا کہ میں ان لوگوں کو مجلس سے نکالنے والا نہیں ہوں جو ایمان لا چکے ہیں ﴿اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ﴾ بے شک وہ ملنے والے ہیں اپنے پروردگار سے۔ وہ اگرچہ غریب ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ مقبول ہیں ﴿وَلٰكِنِّیْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ﴾ اور لیکن میں تم کو دیکھتا ہوں تم لوگ جاہل ہو۔ کہ اس قسم کے بے ہودہ مطالبات پیش کرتے ہو۔ اہل ایمان کو حقیر سمجھنا جہالت کی بات ہے۔ ہاتھ سے کام کرنا تو قابل قدر بات ہے۔ عربی کا مقولہ ہے اَلْكَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰهِ "کمائی کرنے والا تو اللہ تعالیٰ کا پیارا ہے۔" ان کو حقیر سمجھنا حماقت ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ﴿وَیٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ﴾ اور اے میری قوم کون میری مدد کرے گا اللہ تعالیٰ کے سامنے اگر میں نے ان کو دھکیل دیا کہ قیامت والے دن پروردگار نے فرمایا کہ تو نے ان اہل ایمان کو مجلس سے کیوں اٹھایا تھا؟ تو میری جگہ کون جواب دے گا؟ ﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ کیا پس تم نصیحت نہیں حاصل کرتے۔

ہر زمانے کے مشرکوں نے پیغمبروں پر یہ بھی اعتراض کیا کہ تم تو ہمارے جیسے انسان ہو تم پیغمبر کس طرح بن گئے؟ نہ تیرے پاس کوئی مال و دولت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے کہلوایا ﴿وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ﴾ اور میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور مجھے حکم ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا راستہ دکھاؤں میں نے تو مال اور خزانوں کا دعویٰ ہی نہیں کیا۔ خزانوں کا مالک تو صرف اللہ تعالیٰ ہے ﴿وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ﴾ اور نہیں جانتا میں غیب۔ غیب دان صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی غیب دان نہیں ہے ﴿وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ﴾ اور میں نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں کہ کھانے پینے، پہننے اور بیوی بچوں سے پاک ہوں بلکہ مجھے تو تمام لوازماتِ بشریت کی ضرورت ہے۔

﴿وَلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْٓ اَعْیُنُكُمْ﴾ اور میں نہیں کہتا ان لوگوں کو جنھیں تمھاری آنکھیں حقیر سمجھتی ہیں ﴿لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا﴾ کہ ان کو ہرگز نہیں دے گا اللہ تعالیٰ خیر۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی دولت سے نوازا ہے تو وہ ان کو بہتری اور کامیابی عطا کرے گا ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو ان کے نفسوں (دلوں) میں ہے۔ اخلاص ہے، نفاق ہے، ان کی نیت کھوٹی ہے، کھری ہے، یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور اس کا بدلہ بھی اسی نے دینا ہے میری اس معاملہ میں کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ ہم نے تو ظاہر کو دیکھنا ہے کہ وہ نیکی اور تقویٰ سے آراستہ ہے تو وہ ہمارا ساتھی ہے ہم اسے اپنی مجلس سے نہیں اٹھائیں

گے اگر میں اس خیال سے غرباء کو اپنی مجلس سے نکال دوں کہ اس طرح امیر لوگ ایمان لے آئیں گے تو ایسا کرنے میں ﴿اِنِّیْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ بے شک میں اس وقت ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔ امیری اور غریبی کا تعلق ایمان کے ساتھ نہیں ہے۔ جو ایمان قبول کرے گا وہ فیض حاصل کرے گا خواہ غریب ہی کیوں نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ آدمی ہو گا اور جو ایمان قبول نہیں کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مردود ہے چاہے کتنا مال دار ہی کیوں نہ ہو۔

حدیث پاک میں آتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا اسے بھی دیتا ہے جس کے ساتھ محبت کرتا ہے اور اسے بھی دیتا ہے جس کے ساتھ محبت نہیں کرتا اور دین نہیں دیتا مگر اس کو جس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا معیار ایمان ہے، دین ہے، دنیا نہیں ہے۔ تو یہ غریب ایمان دار ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہیں اگر میں ان کو اپنی مجلس سے نکالوں گا تو ظالم ہو جاؤں گا لہٰذا میں ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

مشرک شرک چھوڑنے کی بجائے عذاب کو ترجیح دیتے ہیں

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو طوفان آنے سے پہلے ساڑھے نو سو سال تبلیغ فرمائی۔ صبح اور شام، تنہائی میں بھی اور اجتماعات میں بھی، ظاہراً بھی اور سراً بھی قوم کو سمجھانے کی کوشش کی مگر قوم نے جواب دیا ﴿قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا﴾ کہا نوح علیہ السلام کی قوم نے اے نوح! تو نے جھگڑا کیا ہے ہمارے ساتھ یعنی بحث و تکرار کی ہے ﴿فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا﴾ پس بہت زیادہ جھگڑا کیا ہے یعنی جھگڑے کو طول دیا ہے۔ ہمیں تبلیغ کرتے کرتے صدیاں گزر گئی ہیں اب ہم ایسی باتوں کو مزید سننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اب یہ بحث بند ہونی چاہیے اور حتمی بات کرو ﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ﴾ پس لے آ تو ہمارے پاس وہ چیز جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے یعنی جس عذاب سے تم ہمیں ڈراتے رہتے ہو وہ لے آؤ ﴿اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ اگر ہے تو سچوں میں سے۔ کہ قیامت آنے والی ہے اور عذاب نازل ہونے والا ہے۔ ہم تمھاری خالی دھمکیوں سے مرعوب ہونے والے نہیں ہیں۔ اندازہ لگاؤ کہ ان کی طبیعتیں کس قدر مسخ ہو چکی تھیں کہ خدا کے عذاب کا خود مطالبہ کرتے ہیں۔

مشرکین مکہ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی قسم کا مطالبہ کیا تھا ﴿اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ﴾ "جب کہا انھوں نے اے اللہ! اگر یہ بات حق ہے تیری طرف سے ہے ﴿فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ تو پھر برسا دے ہم پر پتھر آسمان کی طرف سے ﴿اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ [سورۃ الانفال: ۳۲] یا لے آ ہمارے پاس کوئی دردناک عذاب۔" اور سورت شعراء آیت نمبر ۱۸۷ میں ہے ﴿فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ "پس گرا ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا اگر ہے تو سچوں میں سے۔" غرضیکہ ضد اور ہٹ دھرمی تمام مشرکین کا قدیم شیوہ ہے۔

قوم کے عذاب کے مطالبے پر نوح علیہ السلام نے فرمایا ﴿قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ﴾ فرمایا بے شک لائے گا اس کو تمھارے پاس اللہ تعالیٰ اگر وہ چاہے گا، یہ چیز میرے اختیار میں نہیں ہے ﴿وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر

سکتے۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے تم اس سے بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتے۔ جب اس کا عذاب آئے گا تو وہ ٹالا نہیں جائے گا۔ جب بھی کسی پیغمبر کی قوم نے اس قسم کا مطالبہ کیا تو ہر نبی نے یہی جواب دیا کہ یہ چیز ہمارے اختیار میں نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ ہمارا کام تو اللہ تعالیٰ کے احکام وفرامین کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے۔

نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ بھی فرمایا ﴿وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ﴾ اور نہیں فائدہ دے گی تمھیں میری نصیحت جو میں چاہوں کہ تم کو نصیحت کروں یعنی مزید۔ کیوں کہ اس سے پہلے ساڑھے نو سو سال تو نصیحت کرتے رہے ﴿اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ﴾ اگر ہے اللہ تعالیٰ چاہتا کہ تمھیں گمراہ کر دے۔ ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کوئی وعظ، تبلیغ اور نصیحت مفید نہیں ہوسکتی۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ جو لوگ ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں، عناد اور تعصب سے کام لیتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے نہ جبراً وہ کسی کو گمراہ کرتا ہے اور نہ جبراً ہدایت دیتا ہے۔ بلکہ ہدایت اور گمراہی کے اسباب انسان خود پیدا کرتا ہے۔

تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ میری نصیحت تم پر کارگر ثابت نہیں ہوسکتی اگر اللہ تعالیٰ ہی تمھیں گمراہی میں مبتلا رکھنا چاہتا ہے۔ گمراہ کر دے ﴿هُوَ رَبُّكُمْ﴾ وہی تمھارا رب ہے۔ سارا اختیار اسی کے ہاتھ میں ہے کسی کو ہدایت دے یا گمراہ رکھے ضابطہ کے مطابق۔ پھر تم ہدایت پر ہو یا ضلالت پر ﴿وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ کافر یہ الزام بھی لگاتے تھے کہ یہ قرآن خود گھڑ لایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ﴾ کیا یہ کہتے ہیں کہ یہ گھڑ لایا ہے اس قرآن کو ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ﴾ اگر میں نے اس کو گھڑا ہے پس مجھ پر ہی ہے میرا گناہ۔ اس کا گناہ میرے اوپر ہوگا میں ہی اس کا ذمہ دار ہوں اور میں ہی اس کا خمیازہ بھگتوں گا ﴿وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ﴾ اور میں بری ہوں ان گناہوں سے جن کا تم ارتکاب کرتے ہو۔ تمھارے گناہوں کا حساب میں نے نہیں دینا تم نے اپنے گناہوں کا حساب خود دینا ہے۔

اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں نقل کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیت کریمہ کا تعلق نوح علیہ السلام ہی کے ساتھ ہے۔ گزشتہ درس میں گزر چکا ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم نے نوح علیہ السلام کو کہا تھا ﴿بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ﴾ "بلکہ ہم تجھے جھوٹا خیال کرتے ہیں۔" تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح (علیہ السلام)! آپ کہہ دیں اگر تم اسے افترا سمجھتے ہو تو اس جرم کا ذمہ دار میں ہی ہوں اور حق کی تکذیب کر کے جن جرائم کا ارتکاب تم کر رہے ہو اس کے ذمہ دار تم ہو گے میں ان سے بری الذمہ ہوں۔

اور دوسری تفسیر یہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کا شکوہ کیا ہے۔ نزول قرآن کے زمانے میں مشرکین کا بھی یہی حال تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا تھا۔ وہ بھی کہتے تھے کہ یہ قرآن مجید محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے یہ خدا کا کلام نہیں ہے۔ یہ مضمون اس سورت میں بھی اور سورت یونس اور بقرہ میں بھی گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مشرکین کو چیلنج کیا کہ اگر تم اس قرآن کو خود ساختہ سمجھتے ہو اور اسے انسانی کلام سے تعبیر کرتے ہو تو پھر تم بھی آخر انسان ہو اس جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا لاؤ۔ مگر قرآن نے خود واضح کر دیا کہ وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکیں گے۔ سارے انسان اور جن مل کر بھی

قرآن پاک کی نظیر لانا چاہیں تو کامیاب نہیں ہو سکتے۔ فرمایا اگر تم ایسا نہ کر سکو ﴿فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ﴾ [البقرۃ: ۲۴] ”تو دوزخ کی آگ سے ڈر جاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔“ بات سمجھانے کا یہ نہایت ہی حکیمانہ انداز ہے کہ اگر میں نے کوئی جرم کیا ہے تو اس کا میں ذمہ دار ہوں اور تم اپنے گناہوں کے خود ذمہ دار ہو گے میرا اس میں کوئی دخل نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے نبی کی طرف سے اس قسم کا جواب حق پرستی کو ظاہر کرتا ہے۔ مگر ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

﴿وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ﴾ اور وحی کی گئی نوح علیہ السلام کی طرف ﴿اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ﴾ کہ بے شک ہرگز نہیں ایمان لائیں گے آپ کی قوم میں سے ﴿اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ﴾ مگر وہ جو ایمان لا چکے ہیں ﴿فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ﴾ پس آپ غمگین نہ ہوں ان کاموں پر جو وہ کر رہے ہیں ﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا﴾ اور تیار کر کشتی ہمارے سامنے ﴿وَوَحْیِنَا﴾ اور ہمارے حکم سے ﴿وَلَا تُخَاطِبْنِیْ﴾ اور میرے ساتھ بات نہ کرنا ﴿فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا﴾ ان لوگوں کے بارے میں جنھوں نے ظلم کیا ہے ﴿اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ﴾ بے شک وہ غرق کیے جائیں گے ﴿وَیَصْنَعُ الْفُلْكَ﴾ اور وہ بناتے تھے کشتی ﴿وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ﴾ اور جب بھی گزرتا تھا ان پر کوئی گروہ ﴿مِّنْ قَوْمِهٖ﴾ ان کی قوم کا ﴿سَخِرُوْا مِنْهُ﴾ تو ٹھٹھا کرتے تھے ﴿قَالَ﴾ فرمایا نوح علیہ السلام نے ﴿اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا﴾ اگر تم ٹھٹھا کرتے ہو ہمارے ساتھ ﴿فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ﴾ پس بے شک ہم بھی تمھاری ہنسی اُڑائیں گے ﴿كَمَا تَسْخَرُوْنَ﴾ جس طرح تم ہنسی اُڑاتے ہو ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب تم جان لو گے ﴿مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ﴾ کہ کس کے پاس آتا ہے عذاب ﴿یُّخْزِیْهِ﴾ جو رسوا کرے ﴿وَیَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ﴾ اور کس پر لازم ہوتا ہے دائمی عذاب ﴿حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا﴾ یہاں تک کہ جب آیا ہمارا حکم ﴿وَفَارَ التَّنُّوْرُ﴾ اور جوش مارا تندور نے ﴿قُلْنَا﴾ کہا ہم نے ﴿احْمِلْ فِیْهَا﴾ سوار کر اس کشتی میں ﴿مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ﴾ ہر قسم کے جوڑے کو ﴿وَاَهْلَكَ﴾ اور اپنے گھر والوں کو ﴿اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ﴾ مگر وہ کہ جن پر پہلے بات طے ہو چکی ہے ﴿وَمَنْ اٰمَنَ﴾ اور جو ایمان لائے ﴿وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ﴾ اور نہیں ایمان لائے ان پر مگر بہت تھوڑے۔

پچھلے سبق میں تم پڑھ اور سن چکے ہو کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے کہا اے نوح (علیہ السلام)! تو نے ہمارے ساتھ بڑا جھگڑا کیا ہے، انتہا ہو گئی ہے ﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ ”پس لے آ تو ہمارے پاس وہ عذاب جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے اگر ہے تو سچوں میں سے۔“ آگے اس عذاب کا ذکر ہے جس کے لیے وہ جلدی کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاُوْحِیَ

اِلٰی نُوْحٍ﴾ اور وحی کی گئی نوح علیہ السلام کی طرف اور ان پر یہ بات بھی واضح کر دی گئی کہ ﴿اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ﴾ کہ بے شک ہرگز نہیں ایمان لائیں گے آپ کی قوم میں سے مگر وہ جو ایمان لا چکے ہیں۔ اسی یا بیاسی افراد، ان کے علاوہ اور کوئی ایمان نہیں لائے گا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے بڑی تکلیفیں برداشت کیں

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کرنے میں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں بڑی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ جب نوح علیہ السلام اپنی قوم کو خدا کا پیغام پہنچاتے تو وہ آپ علیہ السلام کو مارنا پیٹنا شروع کر دیتے۔

ایک دفعہ آپ تبلیغ کر رہے تھے کہ ایک بوڑھے آدمی نے اُٹھ کر آپ کا گلا دبا دیا۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بعض اوقات آپ کو اَدھ مُوا کر کے کسی نمدے میں لپیٹ کر کہیں پھینک دیتے اور سمجھتے کہ اب آپ کی جان نہیں بچ سکتی۔ مگر دوسرے دن پھر نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا پیغام سناتے ہوئے دیکھتے۔ ایک دفعہ لاٹھی کے سہارے چلنے والے ایک بوڑھے آدمی نے اپنے جوان بیٹے سے کہا کہ اس بوڑھے دیوانے (نوح علیہ السلام) کی باتوں میں نہ آنا۔ بیٹے نے وہی لاٹھی باپ کے ہاتھ سے لے کر نوح علیہ السلام کے سر پر اس زور سے ماری کہ آپ لہولہان ہو گئے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کرنے کے بعد جب ہوش میں آتے تو یہی دعا کرتے رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ" خداوند کریم میری اس قوم کو معاف کر دے کہ یہ نادان ہیں۔"

پھر جب حالات زیادہ سنگین ہو گئے، زمین ظلم سے بھر گئی اور اللہ تعالیٰ نے آگاہ بھی فرما دیا کہ جو ایمان لا چکے ہیں ان کے علاوہ کوئی ایمان نہیں لائے گا تو نوح علیہ السلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا ﴿فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ﴾ پس آپ غمگین نہ ہوں ان کاموں پر جو وہ کر رہے ہیں۔ اب انصاف کا وقت قریب آ چکا ہے ان سے انتقام لیا جائے گا۔ اس پر نوح علیہ السلام نے دعا کی ﴿اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ﴾ [سورۃ قمر: ۱۰] "بے شک میں عاجز ہوں پس میرا بدلہ لے۔" اور سورت نوح میں بھی آپ علیہ السلام کی دعا مذکور ہے ﴿وَ قَالَ نُوْحٌ﴾ "اور کہا نوح علیہ السلام نے ﴿رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا﴾ اے میرے پروردگار! نہ چھوڑ زمین پر کافروں کا ایک گھر بسنے والا۔" کیوں کہ ان میں اب کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ دعا نوح علیہ السلام نے اس وقت کی جب اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی بتا دیا کہ اب کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ﴿وَ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا﴾ اور تیار کر کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے وَوَحْیِنَا اور ہمارے حکم سے۔

اس کشتی کی بہت سی تفصیلات تورات اور قرآن کریم کی تفسیروں میں ملتی ہیں۔ یہ کشتی اتنی بڑی تھی کہ تمام مومن مرد، عورتیں اور دیگر جان دار اس میں سوار ہو گئے۔ توریت کے مطابق نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ گوکھر کی لکڑی سے کشتی تیار کرو۔ عام تفسیروں والے ساگوان کی لکڑی کا ذکر کرتے ہیں جو کہ بہت مضبوط ہوتی ہے۔ ممکن ہے گوکھر اور ساگوان ایک ہی درخت کے دو

نام ہوں۔

پیمائش کشتی نوح علیہ السلام:

محققین کی تحقیق کے مطابق کشتی تین سو ہاتھ لمبی پچاس ہاتھ چوڑی تیس ہاتھ بلند تھی۔اس کی تین منزلیں تھیں۔ایک منزل پر جانور تھے، دوسری پر سامان اور تیسری پر انسان سوار ہوئے۔لمبائی چوڑائی کے اعتبار سے یہ کشتی اتنی بڑی تھی جتنا بڑا پاکستانی جہاز سفینہ حجاج تھا۔ یہ جہاز جرمنی کا بنا ہوا تھا جرمنی فوج اسے نقل وحمل کے لیے استعمال کرتی رہی جب پاکستان کی تحویل میں آیا تو یہ حاجیوں کی نقل وحمل کے لیے کراچی اور جدہ کے درمیان چلتا رہا۔ کچھ عرصہ قبل اسے ناقابل استعمال قرار دے کر ضائع کر دیا گیا ہے۔اس بحری جہاز کی گیارہ منزلیں تھیں جب کہ کشتی کی تین منزلیں تھیں۔ بہرحال اس کشتی میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھڑکیاں اور روشن دان بھی بنائے گئے۔ بہرحال کشتی تیار ہوگئی اور پھر اس کے ساتھ دو واقعات پیش آئے جن کا ذکر آگے آئے گا جو اللہ تعالیٰ کے علم اور حکمت کے مطابق تھے۔اس کشتی کو اللہ تعالیٰ نے پچھلوں کے لیے باعث عبرت بنا دیا اور یہ ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میرے اہل بیت کی مثال کشتی جیسی ہے اور میرے صحابہ کی مثال ستاروں جیسی ہے۔ ان دونوں گروہوں کو نظرانداز نہ کرو۔ اہل بیت کی کشتی پر سوار ہو جاؤ یعنی اہل بیت کے ساتھ مل جاؤ۔ جیسا کہ نوح علیہ السلام کی امت کے مومن آپ کے ساتھ سوار ہو کر مل گئے تھے اور جس طرح تاریکی میں ستاروں سے راہنمائی حاصل کی جاتی ہے اسی طرح تم میرے صحابہ سے راہنمائی حاصل کرو۔

پھر نوح علیہ السلام کو حکم ہوا ﴿وَ لَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا﴾ اور میرے ساتھ بات نہ کرنا ان لوگوں کے بارے میں جنھوں نے ظلم کیا ہے۔آپ کی نبوت ورسالت کو تسلیم نہیں کیا اور آپ کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ ظالم لوگ ہیں کفر، شرک میں مبتلا ہیں ان کے متعلق مجھ سے کوئی سفارش نہ کرنا ﴿اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ﴾ بے شک وہ غرق کیے جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ﴿وَ یَصْنَعُ الْفُلْكَ﴾ اور نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کشتی بناتے تھے اور اس دوران میں ﴿وَ كُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ﴾ اور جب بھی گزرتا تھا ان پر کوئی گروہ ان کی قوم کا ﴿سَخِرُوْا مِنْهُ﴾ تو ٹھٹھا کرتے تھے کہ دیکھو! پیغمبر سے بڑھئی بن گئے۔ کبھی نوح علیہ السلام سے پوچھتے کہ یہ کیا بناتے ہو؟ نوح علیہ السلام فرماتے کہ ایک گھر بناتا ہوں جو پانی پر چلے گا اور ڈوبنے سے بچائے گا۔ وہ سن کر ہنسی اُڑاتے کہ خشک زمین پر ڈوبنے کا بچاؤ کر رہے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام فرماتے کر لو مذاق جب غوطے کھاؤ گے اور تمھارے ہوش وحواس اُڑے ہوئے ہوں گے، چیخو گے، چلاؤ گے، ایک دوسرے کو بلاؤ گے اس وقت ہم بھی تمھارے ساتھ مسخرہ کریں گے کہ کیا حال ہے، کیا بنا ہے؟

﴿قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا﴾ فرمایا نوح علیہ السلام نے اگر تم ٹھٹھا کرتے ہو ہمارے ساتھ ﴿فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ﴾ پس

بے شک ہم بھی تمھاری ہنسی اڑائیں گے جس طرح تم ہنسی اُڑاتے ہو۔ پس تم نادان ہو وہ وقت تمھاری آنکھوں کے سامنے نہیں ہے جو رب تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے وحی کے مطابق کہ وہ بڑا مشکل وقت ہوگا کوئی کسی کا رشتہ دار نہیں بنے گا ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب تم جان لوگے ﴿مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ﴾ کہ کس کے پاس آتا ہے عذاب جو رسوا کرے ﴿وَ یَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ﴾ اور کس پر لازم ہوتا ہے دائمی عذاب۔ یہ مادہ جب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے آئے تو معنیٰ ہوتا ہے واجب اور لازم ہونا اور اگر حَلَّ یَحُلُّ نَصَرَ سے آئے تو معنیٰ ہوتا ہے اترنا۔ اور یہاں ضَرَبَ سے ہے لازم اور واجب ہونے کے معنیٰ میں۔ اور وہ عذاب ایسا دائمی ہوگا کہ کبھی ختم نہیں ہوگا دنیا میں پھر برزخ میں، قبر میں پھر میدان حشر میں پھر پل صراط سے گزرتے وقت پھر دوزخ میں۔ ﴿حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا﴾ یہاں تک کہ جب آیا ہمارا حکم ﴿وَ فَارَ التَّنُّوْرُ﴾ اور جوش مارا تندور نے، اُبلا تندور۔

عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ شاگرد ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے۔ وہ فرماتے ہیں کہ تنور سے مراد وَجْهُ الْاَرْض سطح زمین ہے۔ اور عربی میں تنور کے معنیٰ سطح زمین کے بھی آتے ہیں لیکن یہ تفسیر غلط ہے۔ صحیح تفسیر وہ ہے جو جمہور کرتے ہیں کہ تنور سے مراد وہی تنور ہے جس میں لوگ روٹیاں پکاتے ہیں۔ عربی میں بھی اس کو تنور کہتے ہیں، فارسی میں بھی اس کو تنور کہتے ہیں، اردو پنجابی میں بھی اور پشتو میں بھی اس کو تنور کہتے ہیں۔ یہ تَوَارُدُ الْاَلْسِنَہ ہے۔ مختلف زبانوں میں یہ لفظ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ علامت مقرر کی گئی تھی کہ تمھارے گھر میں جو تندور ہے اس سے جب پانی اُبلنا شروع ہو تو تم سامان کشتی کے اوپر چڑھانا شروع کر دینا۔ چنانچہ جب وہ وقت آیا کہ تنور نے جوش مارا ﴿قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا﴾ کہا ہم نے نوح علیہ السلام کو سوار کر اس کشتی میں۔

یہاں ایک گرائمر کا مسئلہ سمجھ لیں وہ یہ کہ ھا ضمیر مؤنث کی ہے اور فُلْك کا لفظ مذکر ہے۔ تو راجع مرجع کے درمیان مطابقت نہیں ہے اس کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں ھا ضمیر سفینہ کی نسبت سے ہے یعنی فلک سفینہ کی تاویل میں ہے۔ سوار کریں آپ اس سفینہ میں ﴿مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ﴾ ہر قسم کے جوڑے کو۔ ﴿زَوْجَیْنِ﴾ کے بعد ﴿اثْنَیْنِ﴾ کے لفظ کا اضافہ اس لیے کیا کہ اگر ﴿اثْنَیْنِ﴾ کا لفظ نہ لاتے تو ﴿زَوْجَیْنِ﴾ کا معنیٰ چار ہوتا کیوں کہ زوج کا معنیٰ جفت ہے تو ﴿زَوْجَیْنِ﴾ دو جفت ہوئے۔ تو جفت کا معنیٰ چار ہوگا حالانکہ چار مراد نہیں ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ دوسرے کو ساتھ ملا کر زوج بنانے والا۔ اس لیے اثنین کا لفظ بڑھا کر واضح کیا کہ دو مراد ہیں نر اور مادہ کہ ہر نوع کا نر مادہ سوار کر لیں۔ چنانچہ تفسیروں میں موجود ہے کہ کتا کتی سوار کیے گئے، بلا بلی، چوہا چوہی سوار کیے گئے، خنزیر نر مادہ سوار کیے گئے، گھوڑا گھوڑی، گدھا گدھی، بکرا بکری وغیرہ نر مادہ سوار کیے گئے لیکن نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان کو جو مشرک تھا سوار نہیں کیا گیا۔ انسان جب انسان ہوتا ہے تو تمام مخلوق سے بہتر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ﴾ [سورت بینہ: ۷] "بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کیے اچھے یہ لوگ بہترین مخلوق ہیں۔" اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سے بہتر ہیں۔ انسان انسان ہو تو اشرف المخلوقات بن جاتا ہے۔ انسان انسانیت اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بڑی فضیلت دی ہے ﴿وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ﴾ [بنی اسرائیل: ۷۰] "اور البتہ تحقیق ہم نے عزت بخشی ہے اولاد آدم کو۔" اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو بڑی فضیلت دی ہے لیکن جب

انسان انسانیت سے گر جاتا ہے تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ﴾ [بینہ: ۶] "بے شک وہ لوگ جو کافر ہیں اہل کتاب اور مشرکوں میں سے ان کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس میں رہیں گے یہ لوگ تمام مخلوق میں بدتر ہیں۔" کتے، بلے چوہے، خنزیر سے بھی بدتر ہیں کہ ان کو تو کشتی میں جگہ مل گئی مگر نوح علیہ السلام کے بیٹے کو جگہ نہ ملی کہ وہ انسانیت سے گر چکا تھا۔

کشتی نوح علیہ السلام میں کتنے آدمی سوار تھے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ﴾ اور اپنے گھر والوں کو بھی سوار کر مگر وہ کہ جن پر بات پہلے طے ہو چکی ہے۔ وہ کنعان نوح علیہ السلام کا بیٹا اور نوح علیہ السلام کی بیوی اور دیگر عزیز۔ ﴿وَ مَنْ اٰمَنَ﴾ اور جو ایمان لائے ان کو بھی سوار کر۔ کتاب مقدس کے حصہ مکاشفہ، ملاکی حبقوق میں لکھا ہے کہ کشتی میں نوح علیہ السلام کے علاوہ صرف سات آدمی تھے تین ان کے بیٹے اور چار بہوئیں۔

لیکن قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے اور تفسیریں بھی بتلاتی ہیں کہ صرف سات آدمی نہیں تھے بلکہ اور بھی تھے کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کشتی میں سوار کر ﴿اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ﴾ اپنے اہل کو مگر وہ جن پر بات طے ہو چکی ہے ان کو نہیں ﴿وَ مَنْ اٰمَنَ﴾ اور ان کو بھی سوار کر جو ایمان لائے ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کے بیٹوں اور بہوؤں کے علاوہ بھی کچھ لوگ تھے۔ اور تفسیروں میں یہ لفظ بھی آئے ہیں رِجَالٌ وَ نِسَآءٌ وَ صِبْیَانٌ مرد بھی، عورتیں بھی تھیں، بچے بھی تھے۔ اور یہ بھی تم پڑھ چکے ہو کہ نوح علیہ السلام کے مخالفین نے طعنہ دیا ﴿وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ﴾ "اور ہم نہیں دیکھتے کہ تیرا اتباع کیا ہو مگر ان لوگوں نے جو ہم میں رذیل ہیں سرسری رائے والے ہیں۔" اگر تمھاری بات صحیح ہوتی تو ہم سرداروں کو سمجھ نہ آتی۔ ان کو کمی کہہ کر توہین کی۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ پیغمبر اشراف قوم میں سے ہوتے ہیں تا کہ کوئی یہ طعنہ نہ دے کہ ہم نیچ قوم کے آدمی کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ تو ﴿اَرَاذِلُنَا﴾ کا جملہ بھی بتا رہا ہے کہ کچھ اور لوگ بھی تھے کہ جن کی تعداد کسی معتبر تفسیر میں اسی سے زیادہ نہیں ملتی۔ یہ ساڑھے نو سو سال کی کمائی تھی ان کو ضائع نہیں کرنا تھا اگر ہمارا مال ضائع ہو جائے تو ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ اتنی دیر کی محنت تھی جو ضائع ہو گئی۔

بدر کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز پڑھ کے سرخ رنگ کے خیمے میں داخل ہوئے جو چمڑے کا تھا اور ان الفاظ کے ساتھ دعا کرتے رہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عَهْدَكَ وَ وَعْدَكَ "اے اللہ میں تیرے عہد اور وعدے کا سوال کرتا ہوں کہ یہ میری پندرہ سال کی کمائی ہے۔" تیرہ [۱۳] سال مکہ کے اور تقریباً دو سال مدینہ منورہ کے۔ اگر یہ ہلاک ہو گئے لَنْ تُعْبَدَ بَعْدَ الْیَوْمَ "تیری خالص عبادت آج کے بعد نہیں ہوگی۔" یہی تو میری کمائی ہے۔ تین سو بارہ یہ اور تیرھواں میں ہوں بار بار دعا اور زاری کرتے رہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خیمے سے باہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آہ و زاری

سنتے رہے۔ اندر جا کے کہنے لگے حضرت بس کرو! بڑی زاری کی ہے ان شاء اللہ آپ کی دعا قبول ہوگی۔ آپ ﷺ خیمے سے باہر تشریف لائے یہ آیت کریمہ آپ ﷺ کی زبان مبارک پر تھی ﴿ سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴾ [قمر:۴۵] "عنقریب شکست ہوگی کافروں کی جماعت کو اور یہ پیٹھ پھیر جائیں گے۔" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴾ اور نہیں ایمان لائے ان پر مگر بہت تھوڑے۔ میں نے عرض کیا کہ اسّی سے زیادہ تعداد کسی معتبر تفسیر میں میری نظر سے نہیں گزری۔

﴿ وَقَالَ ﴾ اور فرمایا نوح علیہ السلام نے ﴿ ارْكَبُوْا فِیْهَا ﴾ سوار ہو جاؤ اس کشتی میں ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ﴾ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا ﴿ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ بے شک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے ﴿ وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ ﴾ اور وہ کشتی ان کو لے کر چل رہی تھی ﴿ فِیْ مَوْجٍ ﴾ موجوں کے اندر ﴿ كَالْجِبَالِ ﴾ جیسے پہاڑ ہوتے ہیں ﴿ وَنَادٰی نُوْحُ ﹰ ابْنَهٗ ﴾ اور پکارا نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو ﴿ وَ كَانَ فِیْ مَعْزِلٍ ﴾ اور تھا وہ الگ جگہ میں ﴿ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا ﴾ اے پیارے بیٹے سوار ہو جا ہمارے ساتھ ﴿ وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ ﴾ اور نہ ہو تو کافروں کے ساتھ ﴿ قَالَ ﴾ اس نے کہا ﴿ سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ ﴾ عنقریب میں پناہ پکڑوں گا پہاڑ کی طرف ﴿ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ ﴾ وہ پہاڑ مجھے بچا لے گا پانی سے ﴿ قَالَ ﴾ فرمایا نوح علیہ السلام نے ﴿ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ﴾ نہیں ہے کوئی بچانے والا آج کے دن اللہ تعالیٰ کے حکم سے ﴿ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ﴾ مگر وہ جس پر رحم کیا اس نے ﴿ وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ ﴾ اور حائل ہوگئیں ان کے درمیان موجیں ﴿ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ ﴾ پس ہو گیا وہ غرق ہونے والوں میں سے ﴿ وَقِیْلَ ﴾ اور کہا گیا ﴿ یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ ﴾ اے زمین نگل لے تو اپنے پانی کو ﴿ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ ﴾ اور اے آسمان اب تم تھم جاؤ ﴿ وَغِیْضَ الْمَآءُ ﴾ اور خشک کر دیا گیا پانی ﴿ وَ قُضِیَ الْاَمْرُ ﴾ اور فیصلہ کر دیا گیا معاملے کا ﴿ وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ ﴾ اور جا ٹکی وہ کشتی جودی پہاڑ پر ﴿ وَ قِیْلَ ﴾ اور کہا گیا ﴿ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ دوری ہوئی ظالم قوم کے لیے ﴿ وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ ﴾ اور پکارا نوح علیہ السلام نے اپنے رب کو ﴿ فَقَالَ رَبِّ ﴾ پس کہا اے میرے رب ﴿ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ ﴾ بے شک میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے ﴿ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ ﴾ اور بے شک وعدہ تیرا سچا ہے ﴿ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ﴾ اور تو سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہے۔

نوح علیہ السلام اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں۔ انھوں نے ساڑھے نو سو سال قوم کو تبلیغ کی۔ رات کو، دن کو، مجلس میں، تنہائی میں، بلند اور آہستہ، ہر طریقہ سے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیغام آیا کہ تمھاری قوم میں سے جو ایمان لا چکے ہیں بس یہی مومن رہیں گے اور کوئی ایمان نہیں لائے گا تو پھر حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے گزارش کی کہ ان کا

بیڑا غرق کر دے ﴿رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا﴾ "نہ چھوڑ زمین پر کافروں کا کوئی گھر بسنے والا۔" پھر انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کشتی تیار کی جس کی لمبائی تین سو ہاتھ اور چوڑائی پچاس ہاتھ اور بلندی تیس ہاتھ تھی (اور ہاتھ ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے)۔ کشتی کی تین منزلیں تھیں۔ ایک میں انسان، ایک میں حیوانات اور ایک میں ساز وسامان تھا۔ جب کشتی میں سب کچھ رکھ لیا گیا ﴿وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا﴾ اور فرمایا نوح علیہ السلام نے سوار ہو جاؤ کشتی میں ﴿بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا﴾ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا۔

ہر اچھا کام بسم اللہ سے شروع کرنا چاہیے

حدیث پاک میں آتا ہے: ((كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ لَمْ يُبْدَءْ بِبِسْمِ اللّٰهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ بِذِكْرِ اللّٰهِ فَهُوَ اَقْطَعُ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَبْتَرُ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَجْزَمُ اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ "ہر ذی شان کام جو بسم اللہ کے ساتھ شروع نہ کیا جائے اور ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ تو وہ کام ختم ہونے والا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ کام دم بریدہ ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ کام بیمار ہے۔" تو آدمی جو بھی اچھا کام شروع کرے بسم اللہ سے شروع کرے۔ وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھے، کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھے غرضیکہ کوئی بھی اچھا کام کرے اس سے پہلے بسم اللہ پڑھے۔ پھر یہ سوال ہے کہ بسم اللہ پوری پڑھنی ہے یا صرف بسم اللہ کافی ہے؟ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ "شرح النقایہ" میں لکھتے ہیں کہ وضو سے پہلے اگر صرف بسم اللہ کا جملہ کہہ دے تو کافی ہے وَاَعْلَاهُ بِالنَّعْتَيْنِ اور بہتر یہ ہے کہ ساتھ الرحمن الرحیم کی دونوں صفتیں بھی ملائے۔

اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب "مسوّیٰ" میں لکھتے ہیں کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ وضو سے پہلے اور ہر اچھے کام سے پہلے پوری بسم اللہ پڑھے تو بہتر ہے اور اگر صرف بسم اللہ کہہ لے تو بھی کافی ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اگر آدمی شروع میں بھول گیا درمیان میں یاد آیا تو اس وقت پڑھے بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ "پہلے بھی اللہ تعالیٰ کا نام اور آخر میں بھی اسی کا نام ہے۔" لیکن برے کام سے پہلے پڑھنا کفر کا باعث ہے۔ "شرح فقہ اکبر" میں ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص شراب پیتے وقت یا زنا کرتے وقت بسم اللہ پڑھے تو کافر ہو جائے گا، کسی کو ناحق قتل کرتے وقت بسم اللہ پڑھے تو کافر ہو جائے گا کیوں کہ بسم اللہ کا مقام تو اچھے کام ہیں اس نے بری جگہ میں پڑھ کر شریعت کی وضع کو تبدیل کیا ہے۔

ایک عورت بچے سمیت غرق ہو گئی مگر کشتی نوح میں سوار نہ ہوئی

تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا سوار ہو جاؤ کشتی میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہے اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا ﴿اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے جس کے متعلق فرماتے ہیں ((بِاِسْنَادٍ لَا بَأْسَ بِهٖ)) یعنی اصول حدیث کے اعتبار سے یہ روایت صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت

نوح علیہ السلام نے جس وقت اپنے ساتھی سوار کر لیے اور خود بھی سوار ہو گئے تو وہاں ایک نوجوان عورت تھی جس کی عمر بیس اکیس سال ہو گی اس کے پاس ایک خوب صورت لڑکا تھا جس کو اس نے چھاتی کے ساتھ لگایا ہوا تھا۔ اس کو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا بیٹی اپنے اوپر بھی رحم کر اور اس بچے پر بھی رحم کر کلمہ پڑھ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نوح نبی اللہ اور کشتی پر سوار ہو جا۔ اس نے کہا تمھارا کلمہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

طوفان آیا بچے کو دودھ پلا رہی تھی پانی اس کی چھاتی سے اوپر چلا گیا اس نے بچے کو کندھے پر بٹھا لیا پانی کندھے سے اوپر چڑھا تو اس نے بچے کو سر پر بٹھا لیا جب اس نے دیکھا کہ پانی سر سے بھی اوپر چڑھ رہا ہے تو اس کو ہاتھوں کے پنجوں پر اٹھا لیا۔ ان کے دیکھتے دیکھتے خود بھی سیلاب کی نذر ہو گئی اور بچہ بھی مگر حق کو قبول نہیں کیا دھڑا نہیں چھوڑا۔ ضد اور دھڑے بندی بہت بری چیز ہے آدمی بات کو صحیح سمجھتے ہوئے بھی نہیں مانتا۔ جس طرح تم لوگ رسم و رواج میں پھنسے ہوئے ہو اور اچھی طرح سمجھتے بھی ہو کہ یہ غلط کام ہیں مگر چھوڑتے نہیں ہو کہتے ہو کہ ناک کدھر لے جائیں۔ ناک کی خاطر یہ سارے کام کرتے ہو۔ میں کہتا ہوں کہ سو جہاد سے بڑھ کر ہے ایسی دھڑے بازی سے نکلنا۔

﴿وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ﴾ اور وہ کشتی ان کو لے کر چل رہی تھی ﴿فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ﴾ موجوں کے اندر جیسے پہاڑ ہوتے ہیں۔ خود ہم نے تجربہ کیا ہے کہ بعض دفعہ سمندر میں اتنی بڑی موج اٹھتی ہے کہ جہاز کی دوسری طرف کچھ نظر نہیں آتا۔ ﴿وَنَادٰى نُوْحُ ابْنَهٗ﴾ اور پکارا نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان کو ﴿وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ﴾ اور تھا وہ الگ جگہ میں۔ اس کی بیوی بھی کشتی میں سوار تھی کیوں کہ وہ مومنہ تھی لیکن وہ ضد پر اڑا ہوا تھا۔

ضد اور تکبر انسان کو تباہ کر دیتا ہے

باپ کی آواز نے بھی اس پر کچھ اثر نہ کیا کیوں کہ جب بدبختی انسان پر غالب آ جاتی ہے تو پھر کچھ نہیں ہو سکتا۔ عجیب منظر تھا سارے کافر اس وقت موت کے منہ میں تھے مگر اس نے ضد نہیں چھوڑی، ضد ضد ہے۔ ابوجہل کو زخمی تو معوذ اور معاذ انصاری نوجوانوں نے کیا تھا رضی اللہ عنہما لیکن مرا نہیں تھا موت کی کشمکش میں تھا۔ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ جب اس کا سر کاٹنے لگے تو کہنے لگا کہ میرا سر ذرا نیچے سے کاٹنا کہ سردار کا سر بڑا نظر آئے۔ تکبر ابھی تک نہیں گیا حالانکہ اس وقت آدمی دنیا کو بھول جاتا ہے۔

تو نوح علیہ السلام نے بیٹے کو بلایا ﴿يٰبُنَيَّ﴾ گرائمر والے اس یا کو یائے تصغیر کہتے ہیں۔ شفقت کے لیے آتی ہے۔ پنجابی میں اس کا ترجمہ ہوگا اے میری پتری! اور اردو میں ترجمہ ہوگا اے میرے پیارے بیٹے! باپ باپ ہوتا ہے باپ کی شفقت دیکھو اور بیٹے کا جواب سنو ﴿ارْكَبْ مَّعَنَا﴾ سوار ہو جا ہمارے ساتھ تو کلمہ پڑھ کر ایمان قبول کر کے ﴿وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور نہ ہو تو کافروں کے ساتھ۔ صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

اصحاب کہف میں چھ نوجوان تو وہ تھے جو بادشاہ کے شر سے بچنے کے لیے چلے تھے ساتواں راستے میں چرواہا مل گیا۔

جب یہ چلے تو چرواہے کا کتا بھی ساتھ چل پڑا ساتھیوں نے کہا کتے کو رہنے دو اس کو دیکھ کر دوسرے کتے بھونکیں گے ہمارا راز فاش ہو جائے گا حالانکہ ہم چھپ چھپا کے جا رہے ہیں۔ کتے کے مالک اور دوسرے ساتھیوں نے بھی پتھر اٹھائے کتے کو مارنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کتے کو قوتِ گویائی عطا فرمائی۔ کہنے لگا جس رب کی عبادت کے لیے تم جا رہے ہو میں بھی اسی کے لیے جا رہا ہوں میں تمھیں کچھ نہیں کہتا مجھے ساتھ جانے دو۔ شیخ سعدی اصحاب کہف کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

پسر نوح با بداں نشست خاندان نبوتش گم شد

سگِ اصحاب کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت مردم شد

"نوح علیہ السلام کا بیٹا بروں کی صحبت میں رہا اس کی نبوت کا خاندان گم ہو گیا۔ اصحاب کہف کے کتے نے چند دن نیکوں کی پیروی کی آدمی ہو گیا۔"

تیرہ قسم کے جانور جنت میں جائیں گے:

امام ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے فقیہ گزرے ہیں۔ فقہائے کرام ان کو ابو حنیفہ ثانی کہتے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب "الاشباہ والنظائر" میں لکھا ہے کہ تیرہ [۱۳] قسم کے جانور جنت میں جائیں گے ان میں ایک اصحاب کہف کا کتا اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی، سلیمان علیہ السلام کے ساتھ گفتگو کرنے والا ہدہد بھی ہے۔ لیکن نوح علیہ السلام کا بیٹا بروں کے ساتھ بیٹھا بری مجلس اختیار کی خاندانِ نبوت گم کر بیٹھا دنیا بھی گئی آخرت بھی گئی۔ بعض تفسیروں میں ہے کہ بلعم باعور کی شکل میں اصحابِ کہف کا کتا جنت میں جائے گا۔ بلعم باعور ایک آدمی تھا اس کا نام تو قرآن کریم میں نہیں ہے لیکن اس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ اچھے آدمیوں کا اچھا اثر ہوتا ہے اور برے آدمیوں کا برا اثر ہوتا ہے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ کسی آدمی کے متعلق معلوم کرنا ہو کہ کیسا ہے تو کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں فَلْيَنْظُرْ مَنْ يُّخَالِلْ فَاِنَّ الْمَرْءَ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ یہ دیکھو کہ اس کی سوسائٹی کیسی ہے؟ کیسے آدمیوں میں اُٹھتا بیٹھتا ہے کیوں کہ آدمی اپنے دوست کے نظریے پر ہوتا ہے۔ یہ ابوداؤد شریف کی روایت ہے۔

تو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور تو کافروں کے ساتھ نہ ہو۔ ﴿قَالَ﴾ کنعان بیٹے نے مغرورانہ انداز میں کہا ﴿سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ﴾ عنقریب میں پناہ پکڑوں گا پہاڑ کی طرف ﴿یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ﴾ وہ پہاڑ مجھے بچالے گا پانی سے۔ اُونچے اُونچے پہاڑ ہیں کسی پر چڑھ جاؤں پانی میرا کیا بگاڑے گا ﴿قَالَ﴾ نوح علیہ السلام نے فرمایا ﴿لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ نہیں ہے کوئی بچانے والا آج کے دن اللہ تعالیٰ کے حکم سے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ﴿اِلَّا مَنْ رَّحِمَ﴾ مگر وہ جس پر رحم کرے گا اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ رحم اسی پر کرے گا جو کلمہ پڑھ کر کشتی میں میرے ساتھ سوار ہو جائے گا۔ نوح علیہ السلام کا کلمہ تھا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نوح نجی اللّٰه۔ لیکن اس نے کوئی بات نہ سنی طوفان آیا نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھ سوار ساتھی دیکھ رہے تھے ﴿وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ﴾ اور حائل ہو گئیں باپ بیٹے کے درمیان موجیں ﴿فَکَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ﴾ پس ہو گیا وہ غرق ہونے

والوں میں سے۔ جو نافرمان لوگ غرق ہوئے ان میں نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان بھی تھا۔ جب کام پورا ہو گیا تورات میں ہے کہ وہ کشتی چھ ماہ سترہ دن چلتی رہی سترھویں دن اس پہاڑی پر رکی جس کا نام آگے آرہا ہے۔

﴿وَ قِیْلَ﴾ اور کہا گیا ﴿یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ﴾ اے زمین نگل لے تو اپنے پانی کو ﴿وَ یٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ﴾ اور اے آسمان اب تو تھم جا بارش روک لے۔ جب سیلاب برپا ہوا آسمان سے موسلا دھار بارش شروع ہو گئی تھی جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تو وہ بارش رک گئی ﴿وَ غِیْضَ الْمَآءُ﴾ اور خشک کر دیا گیا پانی۔ سارے علاقے کا تو نہیں جہاں کشتی جا کر ٹھہری تھی وہاں پانی خشک ہو گیا ﴿وَ قُضِیَ الْاَمْرُ﴾ اور فیصلہ کر دیا گیا معاملے کا۔ جس قوم کو تباہ کرنا تھا وہ سب کے سب تباہ ہو گئے۔

قِصَصُ النَّبِیِّیْن ایک کتاب ہے۔ اس میں رطب و یابس ہر قسم کے قصے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ عوج ابن عنق نامی ایک آدمی تھا اس کا قد تین ہزار تین سو بتیس گز (۳۳۳۲) تھا۔ اس کے صرف ٹخنوں تک پانی آیا تھا وہ مچھلیاں پکڑتا اور سورج پر رکھ کر بھون کر کھاتا تھا۔ یہ سب خرافات ہیں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ سب غرق ہو گئے تھے سوائے کشتی کے سواروں کے۔ ﴿وَ اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِیِّ﴾ اور جا لگی وہ کشتی جودی پہاڑ پر۔

جودی پہاڑ عراق کے صوبہ موصل میں ہے اور تورات میں اس پہاڑی کا نام ارارات ہے۔ کہتے ہیں کہ سطح سمندر سے تقریباً سترہ ہزار [۱۶۸۵۴] فٹ کی بلندی پر ہے۔ جیسے کارگل کا علاقہ ہے۔ اور قرآن کریم میں اس پہاڑ کا نام جودی ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ اَدْرَكَهَا اَوَائِلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ "اس کشتی کا ڈھانچا اس امت کے ابتدائی افراد نے بھی دیکھا ہے۔" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے افراد صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ اور تبع تابعین میں سے بعض حضرات نے اس کشتی کا ڈھانچا دیکھا ہے اور بعض سیاحوں نے اس پر کتابیں بھی لکھی ہیں اور جو کچھ قرآن کریم نے بتلایا ہے اس کی تائید کی ہے۔ اور تورات میں ہے کہ ساتویں مہینے کی سترہ تاریخ کو یہ کشتی پہاڑ پر جا لگی گویا کہ یہ چھ ماہ سترہ دن کشتی میں رہے۔

﴿وَ قِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ اور کہا گیا دوری ہوئی ظالم قوم کے لیے۔ یہاں نسبت بھی کام نہ آئی ﴿وَ نَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ﴾ اور پکارا نوح علیہ السلام نے اپنے رب کو۔ یہ غرق ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ جب نوح علیہ السلام کشتی پر سوار ہونے لگے اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا سوار ہو جاؤ کشتی میں اس کا چلنا بھی اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہے اور اس کا لنگر انداز ہونا بھی اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہے۔ ساتھی سوار ہو گئے تو بیٹے کو کہا ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ ہو، وہ نہ مانا۔ جب بچے کی طرف سے ناامید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے آگے درخواست کی ﴿فَقَالَ رَبِّ﴾ پس کہا اے میرے رب ﴿اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ﴾ بے شک میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور بے شک وعدہ تیرا سچا ہے۔ قرآن پاک میں دوسرے مقام پر مذکور ہے کہ ہم تجھے بھی بچائیں گے اور تیرے اہل کو بھی۔ اس وعدے کو نوح علیہ السلام یاد کروا رہے تھے کہ اے پروردگار! آپ نے فرمایا تھا کہ میں تمھیں اور تمھاری اہل کو نجات دوں گا۔ اے پروردگار! میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے وہ نافرمان ہے مگر آپ قادر مطلق ہیں دلوں کو پھیرنے پر قادر ہیں آپ ہی اس کے دل کو پھیر دیں کہ یہ کلمہ پڑھ کر کشتی میں سوار ہو جائے ﴿وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ﴾ اور

بے شک تیرا وعدہ سچا ہے ﴿وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ﴾ اور تو سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہے۔ جتنے فیصلہ کرنے والے ہیں ان سب میں بڑا فیصلہ کرنے والا تو ہے اس کے دل کو پھیر دے۔ زندگی رہی تو کل جواب سنو گے۔

﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ﴾ اے نوح بے شک یہ بیٹا تیرے اہل میں سے نہیں ہے ﴿اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾ بے شک اس کے عمل اچھے نہیں ہیں ﴿فَلَا تَسْئَلْنِ﴾ پس نہ سوال کر مجھ سے ﴿مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ اس چیز کا جس کا آپ کو علم نہیں ہے ﴿اِنِّيْۤ اَعِظُكَ﴾ بے شک میں تجھے نصیحت کرتا ہوں ﴿اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ اس بات کی کہ نہ ہو جائیں آپ جاہلوں میں سے ﴿قَالَ﴾ عرض کیا نوح علیہ السلام نے ﴿رَبِّ اِنِّيْۤ اَعُوْذُ بِكَ﴾ اے میرے رب بے شک میں آپ کی پناہ لیتا ہوں آپ کی مدد کے ساتھ ﴿اَنْ اَسْئَلَكَ﴾ یہ کہ میں سوال کروں آپ سے ﴿مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ اس چیز کا جس کا مجھے علم نہیں ہے ﴿وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِيْ﴾ اور اگر آپ مجھے نہیں بخشیں گے ﴿وَ تَرْحَمْنِيْۤ﴾ اور مجھ پر رحم نہیں کریں گے ﴿اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ تو ہو جاؤں گا میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ﴿قِيْلَ﴾ کہا گیا (اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوح علیہ السلام کو) ﴿يٰنُوْحُ اهْبِطْ﴾ اے نوح (علیہ السلام) اُتر جاؤ نیچے ﴿بِسَلٰمٍ مِّنَّا﴾ سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے ﴿وَ بَرَكٰتٍ عَلَيْكَ﴾ اور برکتوں کے ساتھ جو تجھ پر ہیں ﴿وَ عَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ﴾ اور ان خاندانوں پر بھی جو تیرے ساتھ ہیں ﴿وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ﴾ اور کچھ امتیں ایسی ہیں جن کو ہم فائدہ پہنچائیں گے ﴿ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ پھر پہنچے گا ان کو ہماری طرف سے درد ناک عذاب ﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ﴾ یہ نوح علیہ السلام کا واقعہ غیب کی خبروں میں سے ہے ﴿نُوْحِيْهَاۤ اِلَيْكَ﴾ ہم وحی کرتے ہیں اس واقعہ کی آپ کی طرف ﴿مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ﴾ آپ اس واقعہ کو نہیں جانتے تھے ﴿وَ لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا﴾ اور نہ آپ کی قوم جانتی تھی اس سے پہلے ﴿فَاصْبِرْ﴾ پس آپ صبر کریں ﴿اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ بے شک اچھا انجام پرہیز گاروں کے لیے ہے۔

پچھلے سبق میں آپ نے پڑھا اور سنا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے مومن ساتھیوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہوتے وقت اپنے بیٹے کنعان کو کہا کہ کلمہ پڑھ کر مومن ہو کر ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا۔ کیوں کہ کشتی میں سوار ہونے کے لیے ایمان شرط ہے مکلف مخلوق کے لیے۔ اس نے مغرورانہ انداز میں کہا کہ پانی میرا کیا بگاڑے گا میں پہاڑ کی چوٹی پر چلا جاؤں گا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ آج اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی نہیں بچانے والا مگر وہی جس پر اللہ تعالیٰ رحم کرے اور اللہ تعالیٰ رحم اس پر کرے گا جو کلمہ پڑھ کر میرے ساتھ کشتی میں سوار ہو گا۔ لیکن وہ ضد پہ اُڑ گیا اور دوسرے غرق ہونے والوں کے ساتھ غرق ہو

گیا۔ غرقابی سے پہلے نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی پروردگار! تیرا وعدہ تھا کہ میں تجھے بھی بچاؤں گا اور تیرے اہل کو بھی بچاؤں گا اور یہ میرا بیٹا میری اہل میں سے ہے۔ اور تیرا وعدہ سچا ہے تو سب فیصلہ کرنے والوں میں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ جواب میں ﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ﴾ اے نوح بے شک یہ بیٹا تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔ بیٹا تو ہے لیکن اہل میں سے نہیں ہے۔ کیوں نہیں؟ ﴿اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ﴾ بے شک اس کے عمل اچھے نہیں ہیں۔ یہ کام اچھے نہیں کرتا یہ کفر پر چلتا ہے۔

پیغمبر کا اہل وہی ہے جو پیغمبر کا اتباع کرتا ہے

معلوم ہوا کہ پیغمبر کا اہل وہ ہوتا ہے جو اس کا کلمہ پڑھ کر اس کے دین پر چلے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ نوح علیہ السلام کو لوگوں نے طعنہ دیا تھا ﴿هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ﴾ " آپ کے ساتھ تو کمزور اور گھٹیا لوگ ہیں۔" تفسیروں میں ہے کہ کوئی لوہار تھا، کوئی بڑھئی تھا، کوئی موچی تھا، یہ تو نوح علیہ السلام کے اہل بن گئے مگر بیٹا کنعان اہل نہ بن سکا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو صحیح العقیدہ مسلمان ہے کُلُّ مُؤْمِنٍ تَقِیٍّ نَقِیٍّ اہل میں داخل ہے چاہے وہ کسی قوم کے ساتھ تعلق رکھتا ہو۔ اور ہم درود شریف پڑھتے ہیں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ تو اس میں آل کے تحت سارے آجاتے ہیں اور ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل میں سے ہو اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے ہو مگر اس کے کام اچھے نہیں ہیں تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل میں شامل نہیں ہے۔

چھ قسم کے آدمیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے

حدیث پاک میں آتا ہے چھ قسم کے آدمی ہیں جن پر میں لعنت بھیجتا ہوں اور خدا نے بھی ان کو ملعون قرار دیا ہے۔ اور ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے۔

① پہلا کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا۔

② دوسرا تقدیر الٰہی کو جھٹلانے والا۔

③ تیسرا وہ شخص جو زبردستی غلبہ پانے کی بنا پر ایسے شخص کو معزز بنائے جس کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کر رکھا ہو اور اس شخص کو ذلیل کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت اور عظمت کی دولت سے نوازا ہو۔

④ چوتھا وہ شخص جو اس چیز کو حلال جانے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہو۔

⑤ پانچواں وہ جو میری اولاد میں سے ہو اور اس چیز کو حلال جانے جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہے۔

⑥ چھٹا وہ شخص جو میری سنت کو چھوڑ دے۔ [مشکوۃ، باب الایمان بالقدر]

تو وہ شخص جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال جانتا ہے وہ آپ کے دین پر نہیں چل رہا۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی ذمہ داری تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے چوکیدار ہوتے اور دین کی امانت کی

حفاظت کرتے۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال تو چھوڑا نہیں تو دین کی حفاظت کا فریضہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد پر زیادہ آتا ہے کہ وہ اس امانت کی حفاظت کریں۔ اور گھر کا چوکیدار اگر چور بن جائے تو وہ بڑا مجرم ہے۔ اس لیے فرمایا کہ میں اس پر بھی لعنت بھیجتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ پس نہ سوال کر مجھ سے اس چیز کا جس کا آپ کو علم نہیں ہے ﴿اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ بے شک میں تجھے نصیحت کرتا ہوں اس بات کی کہ نہ ہو جائیں تم جاہلوں میں سے۔ اللہ اکبر، اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا اندازہ لگاؤ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی اس حال میں کہ نہ دن دیکھا نہ رات، نہ صبح نہ شام اور پھر تبلیغ میں جھڑکیاں بھی کھائیں اور مار بھی برداشت کی۔ رب تعالیٰ جلال میں آئے ہیں تو فرمایا ﴿فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ پس نہ سوال کر مجھ سے اس چیز کا جس کا تجھے علم نہیں ہے بے شک میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں میں سے نہ ہو جائے۔

اور ہمارا حال یہ ہے کہ ایک آدمی نے دو دن نماز پڑھی تیسرے دن آسمان کی طرف دیکھنے لگ گیا۔ لوگوں نے پوچھا آسمان کی طرف کیوں دیکھتا ہے؟ کہنے لگا دیکھ رہا ہوں کہ میں نے دو دن نماز پڑھی ہے مجھ پر وحی کیوں نہیں آئی۔ دو دن نماز پڑھتے ہیں تو تیسرے دن وحی کے منتظر ہو جاتے ہیں کہ ہم پر رب کی رحمت کیوں نہیں آتی۔ ہمیں رب تعالیٰ کی عظمت کا علم ہی نہیں ہے۔ نوح علیہ السلام کو بیٹے کا معاملہ بھول گیا اپنی فکر پڑ گئی ﴿قَالَ﴾ عرض کیا نوح علیہ السلام نے ﴿رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ اے میرے رب! بے شک میں آپ کی پناہ لیتا ہوں آپ کی مدد کے ساتھ یہ کہ میں سوال کروں آپ سے اس چیز کا جس کا مجھے علم نہیں ہے مجھے معاف کر دے۔ رب رب ہے وہ چاہے تو چیونٹی کی دعا قبول کر لے اور نہ چاہے تو نوح علیہ السلام جیسے پیغمبر کی دعا قبول نہ کرے۔

قبول کرنے پہ آئے تو چیونٹی کی قبول کر لے، نہ کرے تو پیغمبر کی نہ کرے

حدیث پاک میں آتا ہے کہ بارشیں نہ ہوئیں خشک سالی کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دور تھا انھوں نے اپنے ساتھیوں میں اعلان کیا کہ فلاں وقت فلاں میدان میں نماز استسقاء کے لیے جمع ہونا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے۔ کافی ساتھی میدان میں پہلے پہنچ گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام تشریف لے جا رہے تھے کہ دیکھا کہ ایک چیونٹی اُلٹی پڑی ہوئی ہے ٹانگیں آسمان کی طرف کیے ہوئے اور دعا کر رہی ہے کہ اے پروردگار! بارش نہ ہونے کی وجہ سے ہم بھی تنگ ہیں رحمت نازل فرما۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ساتھیوں سے فرمایا کہ واپس گھروں میں جلدی پہنچ جاؤ ورنہ بھیگ جاؤ گے رب تعالیٰ نے چیونٹی کی دعا قبول کر لی ہے۔ رب تعالیٰ کی مرضی ہے جس کی چاہے دعا قبول کرے اور جس کی چاہے قبول نہ کرے۔ ساری قبول کرے اس کی مرضی ہے کسی کی بھی قبول نہ کرے اس کی مرضی ہے وہ کسی کا پابند نہیں ہے۔

مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی کے جنوب مغرب کی طرف ایک چھوٹی سی مسجد ہے اس کا نام ہے اِجابہ۔ اس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دعائیں مانگی تھیں رب تعالیٰ نے دو قبول فرمائیں اور تیسری منظور نہ فرمائی۔ ایک دعا یہ تھی کہ اے پروردگار! میری ساری کی ساری امت کسی آسمانی آفت میں ختم نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے منظور ہے کہ ساری امت کسی سیلاب زلزلے میں یا کسی آسمانی آفت میں ختم نہیں ہوگی۔ دوسری دعا کہ میری اُمت کو کافر نہ ختم کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ساری دنیا کے کافر جمع ہو کر بھی مسلمانوں کے وجود کو ختم نہیں کر سکتے۔ تیسری دعا: اے پروردگار مسلمان آپس میں نہ لڑیں۔ فرمایا یہ منظور نہیں ہے۔ اس کی حکمت رب تعالیٰ جانتا ہے۔ دعا قبول کرنا رب تعالیٰ کا کام ہے ساری مخلوق اس کے سامنے عاجز ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے کہا ﴿ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِيْ ﴾ اور اگر آپ مجھے نہیں بخشیں گے ﴿ وَ تَرْحَمْنِيْٓ ﴾ اور رحم نہیں کریں گے ﴿ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ تو ہو جاؤں گا میں نقصان اٹھانے والوں میں سے۔ کل تم پڑھ اور سن چکے ہو کہ کشتی جودی پہاڑ جس کا نام تو رات میں ارارات ہے پر جا لگی۔ جس وقت پانی اُتر گیا ﴿ قِيْلَ ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا گیا ﴿ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا ﴾ اے نوح علیہ السلام! اتر جاؤ نیچے سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے ﴿ وَ بَرَكٰتٍ عَلَيْكَ ﴾ اور برکتوں کے ساتھ جو تجھ پر ہیں ﴿ وَ عَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ﴾ اور ان خاندانوں پر بھی جو تیرے ساتھ ہیں۔ اب پانی خشک ہو گیا ہے اپنا کام کرو جو تم نے کرنا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کل عمر چودہ سو سال تھی۔ چالیس سال نبوت سے پہلے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی، اس کے بعد بھی عرصہ دراز تک زندہ رہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ اتنی عمر میں بھی ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال سیاہ رہے۔ پہلا شخص جس کی ڈاڑھی اور سر کے بال سفید ہونے شروع ہوئے ہیں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ہزار سال تھی بال کالے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی عمر سات سو ستتر (۷۷۷) سال تھی بال کالے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر چودہ سو سال تھی بال کالے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب سفید بال دیکھے تو تعجب کیا اے پروردگار! یہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ وقار اور عزت ہے۔ عرض کیا زِدْنِيْ وَقَارًا اے پروردگار! میری عزت اور بڑھا دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک دو سو سال تھی۔

﴿ وَ اُمَمٌ ﴾ اور کچھ امتیں ایسی ہیں ﴿ سَنُمَتِّعُهُمْ ﴾ جن کو ہم فائدہ پہنچائیں گے ﴿ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ پھر پہنچے گا ان کو ہماری طرف سے دردناک عذاب۔ کفر، شرک کی وجہ سے، نافرمانی اور اللہ تعالیٰ کے احکام ٹھکرانے کی وجہ سے سزا ہوگی۔ یہ نوح علیہ السلام کا واقعہ رب تعالیٰ نے بیان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ ﴾ یہ واقعہ غیب کی خبروں میں سے ہے ﴿ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ﴾ ہم وحی کرتے ہیں اس واقعہ کی آپ کی طرف، بذریعہ وحی آپ کو بتایا ہے ﴿ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ ﴾ آپ اس واقعہ کو نہیں جانتے تھے ﴿ وَ لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ﴾ اور نہ آپ کی قوم جانتی تھی اس سے پہلے یعنی ہمارے بتلانے سے پہلے۔ بات سمجھ لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کے اس واقعہ کو ہمارے بتلانے سے پہلے نہ آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم جانتی تھی۔

غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا

لیکن غلط کار لوگوں نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو پیدا ہوتے ہی سارا غیب حاصل ہو گیا تھا۔ بھائی سوال یہ ہے کہ، اگر سارا غیب حاصل ہو گیا تھا تو وحی بھیجنے کی کیا ضرورت تھی، قرآن نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیوں کہ قرآن بھی تو غیب تھا یہ کیوں اُترا اور کس پر اُترا؟ حالانکہ قرآن کریم آپ ﷺ کی پیدائش سے چالیس سال بعد نازل ہوا جس میں رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اس واقعہ کو اس سے پہلے نہ آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم جانتی تھی۔ لوگوں نے خود کہانیاں بنائی ہوئی ہیں خدا پناہ۔

تو یاد رکھنا! اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی عالم الغیب نہیں ہے، نہ کوئی حاضر ناظر ہے، نہ کوئی مختار کل ہے، نہ کوئی دستگیر ہے، نہ فریادرس ہے، نہ حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ یہ فروعی مسائل نہیں ہیں بلکہ بنیادی عقائد ہیں۔ اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والا قطعاً مسلمان نہیں ہے چاہے کلمہ پڑھے، چاہے نمازیں پڑھے، چاہے روزے رکھے۔ ﴿فَاصْبِرْ﴾ پس آپ صبر کریں۔ جس طرح نوح علیہ السلام نے قوم کے اذیت دینے پر صبر کیا آپ بھی صبر کریں۔ نوح علیہ السلام کا واقعہ آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لیے نقل کیا ہے۔ ﴿اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ بے شک اچھا انجام پرہیز گاروں کے لیے ہے۔ پرہیز گاروں کو ہی اللہ تعالیٰ فتح اور کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ باطل پر چلنے والے تباہ و برباد ہوتے ہیں۔

﴿وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا﴾ اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود (علیہ السلام) کو بھیجا ﴿قَالَ﴾ انھوں نے کہا ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ نہیں ہے تمھارے لیے کوئی معبود اس کے سوا ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ﴾ نہیں ہو تم مگر افتراء باندھنے والے ﴿يٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم ﴿لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾ میں نہیں سوال کرتا تم سے اس پر کسی معاوضے کا ﴿اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ﴾ نہیں ہے میرا معاوضہ مگر اس ذات پر جس نے مجھے پیدا کیا ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا پس تم سمجھتے نہیں ﴿وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ﴾ اور اے میری قوم اپنے رب سے بخشش طلب کرو ﴿ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ﴾ پھر اس کی طرف رجوع کرو ﴿يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا﴾ اور وہ چھوڑے گا تمھارے اوپر آسمان کو بارش برسانے والا ﴿وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ﴾ اور زیادہ کرے گا تمھارے لیے قوت کو تمھاری قوت کے ساتھ ﴿وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ﴾ اور نہ پھرو تم جرم کرتے ہوئے ﴿قَالُوْا﴾ کہا انھوں نے ﴿يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ﴾ اے ہود (علیہ السلام)! نہیں لائے تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل ﴿وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْۤ اٰلِهَتِنَا﴾ اور نہیں ہم چھوڑنے والے اپنے معبودوں کو ﴿عَنْ قَوْلِكَ﴾ تیری بات کی وجہ سے ﴿وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور نہیں ہم تیرے اوپر ایمان لانے والے ﴿اِنْ نَّقُوْلُ﴾ ہم نہیں کہتے ﴿اِلَّا

اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ﴾ مگر تکلیف پہنچائی ہے تجھے ہمارے خداؤں میں سے بعض نے ﴿قَالَ﴾ فرمایا ہود علیہ السلام نے ﴿اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ﴾ بے شک میں گواہ بناتا ہوں اللہ تعالیٰ کو ﴿وَاشْهَدُوْٓا﴾ اور تم بھی گواہ بن جاؤ ﴿اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ بے شک میں بیزار ہوں اس چیز سے جو تم شرک کرتے ہو ﴿مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ سے ورے ورے ﴿فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا﴾ پس تم سب کرلو تدبیر میرے خلاف ﴿ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ﴾ پھر تم مہلت نہ دو ﴿اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ﴾ بے شک میں نے بھروسا کیا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پر جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے ﴿مَا مِنْ دَآبَّةٍ﴾ نہیں ہے کوئی جان دار چیز ﴿اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا﴾ مگر وہ پکڑنے والا ہے اس کی پیشانی کو ﴿اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ بے شک میرا رب سیدھے راستے پر ہے۔

اس سے پہلے دو رکوعوں میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی غرقابی کا ذکر تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے نو سو پچاس سال تبلیغ کی لیکن وہ لوگ ضد سے باز نہیں آئے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کو سیلاب میں تباہ کیا۔ نوح علیہ السلام کے بعد جو قوم دنیا میں آئی اس قوم کا نام عاد ہے۔ عاد نوح علیہ السلام کا پڑپوتا تھا۔ شجرہ نسب اس طرح ہے: عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔ اس کی آگے نسل چلی۔ اس قوم کے علاقے کے متعلق تاریخ والے بتلاتے ہیں کہ ایک طرف نجران دوسری طرف عُمان تیسری طرف مغربی یمن اور چوتھی طرف حَضرَ مَوت ہے اس کے درمیان کا علاقہ تھا۔ آج کل کے جغرافیہ میں ربع خالی دھمآ بھی کہتے ہیں، ریتلا علاقہ ہے۔ عاد قوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اس کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا﴾ اَیْ اَرْسَلْنَا اِلٰى عَادٍ اور ہم نے عاد قوم کی طرف ان کے بھائی ہود علیہ السلام کو بھیجا۔ بھائی اس لیے فرمایا کہ وہ قوم کے ایک فرد تھے۔ جس طرح اس ملک میں ہندو بھی ہیں، سکھ بھی ہیں، عیسائی بھی ہیں، یہودی بھی ہیں، پارسی وغیرہ بھی ہیں۔ تو برادرانِ وطن ہونے میں تو سارے شامل ہیں۔ ﴿قَالَ﴾ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمھارے لیے کوئی معبود اس کے سوا۔ تمام پیغمبروں کا سبق اسی جملہ سے شروع ہوتا ہے۔ یہی سبق حضرت نوح علیہ السلام نے دیا تھا اور یہی سبق حضرت ہود علیہ السلام نے دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمھارا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ الٰہ کا معنیٰ ہے معبود، عبادت کے قابل، خالق۔ الٰہ کا معنیٰ حاجت روا، مشکل کشا، فریاد رس، دست گیر، مالک، مُقنّن، قانون ساز۔ اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوق کے لیے قانون بنانے کا اختیار کسی کو نہیں ہے بنائے گا تو ظالم ہوگا خلافِ شرع ہوگا۔

﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ﴾ نہیں ہو تم مگر افتراء باندھنے والے۔ تم نے اللہ تعالیٰ کے سوا جو معبود بنائے اور گھڑے ہوئے ہیں وہ نرا افترا اور جھوٹ ہے ﴿یٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا﴾ اے میری قوم! میں نہیں سوال کرتا تم سے اس پر کسی معاوضے کا۔ یہ تبلیغ تمھیں للہ فی للہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتا ہوں تم سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرتا اگر تم کسی غلط فہمی میں مبتلا

ہوتو میرا یہ اعلان سن لو ﴿اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ﴾ نہیں ہے میرا معاوضہ مگر اس ذات پر جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ جس نے مجھے پیدا کیا ہے وہ مجھے اس کا اجر وثواب اور معاوضہ دے گا میں تم سے کوئی چیز لینے کا روادار نہیں ہوں ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا پس تم سمجھتے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمھاری اصلاح کے لیے بھیجا ہے اور تم سے کچھ لینا بھی نہیں ہے اور تمھیں میں عقائد کی اصلاح کی دعوت دے رہا ہوں کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کرو اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ نہ ذات میں اور نہ صفات میں، نہ افعال میں۔ یہ میری سیدھی سادھی اور موٹی موٹی باتیں تمھیں سمجھ نہیں آتیں۔

دیکھو! یہاں اگر کچھ عرصہ بارش نہ ہوتو کنوئیں خشک ہو جاتے ہیں نہروں میں پانی کم ہو جاتا ہے اور جہاں تین سال تک بارش نہ ہو اس علاقے کا کیا حال ہوگا۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم پر خشک سالی آئی تین سال تک بارشیں نہ ہوئیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانی کے چشمے خشک ہو گئے، درخت تک خشک ہو گئے، لوگوں نے تنگ ہونا شروع کر دیا اور ہوا کے بگولے چلنے لگے تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا ﴿وَیٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ﴾ اور اے میری قوم! اپنے رب سے بخشش طلب کرو، کفر شرک سے معافی مانگو ﴿ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ﴾ پھر اس کی طرف رجوع کرو اس کی بندگی اور عبادت کرو ﴿یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا﴾ اور وہ چھوڑے گا تمھارے اوپر آسمان کو بارش برسانے والا یعنی لگا تار بارش ہوگی۔ یہ بات سن کر کچھ عرصہ تو خاموش رہے پھر انھوں نے کہا کہ اگر تیری وجہ سے بارش ہونی ہے کہ ہم تیرا کلمہ پڑھ لیں تیری باتیں سنیں اور ان پر عمل کریں تو بارش آئے گی تو ہمیں ایک قطرے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ ضد کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ ان کے علاقہ کا نام احقاف تھا جس کا ذکر چھبیسویں پارے میں ہے۔ چنانچہ تین سال تک مسلسل بارش نہ ہوئی اس کے بعد بادل کا ایک ٹکڑا نظر آیا بڑے خوش ہوئے، بھنگڑا ڈالا اور کہنے لگے ﴿هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا﴾ "یہ بادل ہے ہم پر بارش برسائے گا۔" ترمذی شریف صحاح ستہ میں سے ہے۔ اس میں روایت ہے کہ بادل سے آواز آئی:

رِمَادًا رِمَادًا لَا تَذَرْ مِنْ عَادٍ اَحَدًا.

"ان کو راکھ اور خاک کر کے رکھ دے کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑنا۔"

لیکن انھوں نے اس سے کوئی سبق حاصل نہ کیا۔ وہ بادل جب ان کے قریب آیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں سے تند و تیز ہوا نکلی ان کو اُٹھا اُٹھا کر زمین پر دے مارا۔ حالانکہ ان کے بڑے لمبے لمبے قد تھے اور بڑی قوت والے تھے۔ کہتے تھے ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ [حم سجدہ: ۱۵] "ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟" ہوا نے اٹھا اٹھا کر کسی کو ایک میل پھینکا کسی کو دو میل پھینکا۔ لاشیں اس طرح پڑی تھیں ﴿کَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ﴾ [قمر: ۲۰] "جیسا کہ وہ تنے ہیں اکھڑی ہوئی کھجوروں کے۔" ایک شخص بھی زندہ نہ بچا۔ دیکھو! نوح کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے پانی میں تباہ کیا حالانکہ پانی جاندار چیزوں کی حیات کا ذریعہ ہے۔ مگر وہ حد سے بڑھا تو عذاب بن گیا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعے تباہ کیا۔ حالانکہ ہوا وہ ہے جس کو آدمی خود کھینچ کر اندر لے جاتا ہے اس کی وجہ سے حیات ہے۔ درختوں اور پودوں پر بھی اس کا اثر ہے لیکن وہی جب حد سے بڑھی تو عذاب بن گئی۔

تو حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ توبہ کرو اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو وہ بارش برسائے گا ﴿وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ﴾ اور زیادہ کرے گا تمھارے لیے قوت کو تمھاری قوت کے ساتھ۔ پہلے جو کچھ تمھارے پاس ہے وہ بھی رہے گا اور مزید بھی دے گا۔ بارشیں ہوں گی فصلوں اور پھلوں کی فراوانی ہوگی ﴿وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ﴾ اور نہ پھر وتم جرم کرتے ہوئے، حق کی طرف پشت نہ کرو۔ ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ﴾ اے ہود (علیہ السلام)! نہیں لائے تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل۔ بھائی واضح دلیل کیا ہے؟ تم کسے واضح دلیل کہتے ہو؟ وہ فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں اور یہ پروگرام لے کر آیا ہوں کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔ کتنی واضح بات ہے مگر نہ ماننا ہو تو کہتے ہیں ہمیں تیری باتیں سمجھ نہیں آتیں۔

کہنے لگے اور سن لو! ﴿وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْۤ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ﴾ اور نہیں ہم چھوڑنے والے اپنے معبودوں کو تیری بات کی وجہ سے۔ تم ہمارے خداؤں سے پھیرتے اور ہٹاتے ہو۔ ہم نہیں مانیں گے اور صاف لفظوں میں سن لو ﴿وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور نہیں ہم تیرے اوپر ایمان لانے والے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کتنے پیارے الفاظ سے سمجھاتے ہیں ﴿وَيٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم! اور یہ کہتے ہیں کہ ہمیں تمھاری بات سمجھ نہیں آتی اور ہم تیرے کہنے کی وجہ سے اپنے خداؤں کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور نہ ہی ہم تیرے اوپر ایمان لائیں گے۔ بلکہ الٹی بات ﴿اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ﴾ ہم نہیں کہتے مگر تکلیف پہنچائی ہے تجھے ہمارے خداؤں میں سے بعض نے۔ آپ پاگلوں والی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں (نعوذ باللہ تعالیٰ) کہ ہمارے خداؤں کی توہین کرتے ہیں یہ ہمارے خداؤں نے تجھے پاگل بنا دیا ہے، تیری مت ماری گئی ہے۔ ہر مجلس میں کہتے ہو ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ نہ تیرے لیے کوئی غمی ہے نہ خوشی ہے۔ تجھے صرف ایک ہی رٹ یاد ہے اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کوئی مشکل کشا نہیں ہے۔

﴿قَالَ﴾ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا ﴿اِنِّيْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ﴾ بے شک میں گواہ بناتا ہوں اللہ تعالیٰ کو ﴿وَاشْهَدُوْۤا﴾ اور تم بھی گواہ بن جاؤ ﴿اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ بے شک میں بیزار ہوں اس چیز سے جو تم شرک کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے میں ان سب سے بیزار ہوں ﴿مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ سے ورے ورے ﴿فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا﴾ پس تم سب مل کر کرلو تدبیر میرے خلاف ﴿ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ﴾ پھر تم مہلت نہ دو۔ تم اپنے خداؤں کے ساتھ مل کر جو میرا بگاڑ سکتے ہو بگاڑ لو۔ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا ﴿اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ﴾ بے شک میں نے بھروسا کیا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پر جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے۔ کیوں کہ حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ تھوڑے سے آدمی تھے اور حق والے ہمیشہ تھوڑے ہوتے ہیں۔

ایک موقع پر مکے والوں نے کہا تھا کہ لوگوں سے رائے لے لیتے ہیں جس طرف لوگ زیادہ ہوں ان کی بات مان لینی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اکثریت کی بات نہیں ماننی اکثریت تو گمراہوں کی ہے ﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ [انعام: ۱۱۶] "اور اگر آپ اطاعت کریں ان لوگوں کی جو اکثر ہیں زمین میں تو بہکا دیں گے آپ کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے۔" لیکن حق حق ہوتا ہے چاہے آدمی تھوڑے ہوں۔

کئی دفعہ سن چکے ہو بخاری شریف، مسلم شریف، ابوعوانہ میں حدیث ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ایسے پیغمبر بھی آئیں گے کہ ان کے ساتھ چار آدمی ہوں گے اور ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے ساتھ تین آدمی ہوں گے اور ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے ساتھ دو آدمی ہوں گے اور ایسے پیغمبر بھی ہوں گے کہ یَجِیْءُ النَّبِیُّ وَلَیْسَ مَعَهٗ اَحَدٌ "پیغمبر آئے گا اور اس کے ساتھ ایک اُمتی بھی نہیں ہوگا۔" گھر کے افراد بھی ساتھ نہیں ہوں گے۔ لیکن اس کے باوجود کامیاب اور جنھوں نے نہیں مانا وہ ناکام اور نامراد۔ تو حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا میرا بھروسا اللہ تعالیٰ پر ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے۔ رب تو سب کا مشترکہ ہے۔ اور رب وہ ہے ﴿مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا﴾ نہیں ہے کوئی جان دار چیز مگر وہ پکڑنے والا ہے اس کی پیشانی کو۔ سب کے سب رب تعالیٰ کے قبضے میں ہیں کوئی چیز اس کی ملکیت اور تصرف سے خارج نہیں ہے۔ اور میری قوم یاد رکھو! ﴿اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ بے شک میرا رب سیدھے راستے پر ہے۔ صراط مستقیم پر چلو گے تو تمھیں رب ملے گا اس کی رضا اور خوش نودی حاصل ہوگی۔ مزید بات آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ پس اگر تم اعراض کرو گے ﴿فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَیْكُمْ﴾ پس تحقیق میں پہنچا چکا ہوں وہ بات جو میں دے کر بھیجا گیا تھا تمھاری طرف ﴿وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ﴾ اور جانشین بنائے گا میرا رب کسی قوم کو تمھارے سوا ﴿وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْــٴًـا﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکو گے ﴿اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ﴾ بے شک میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے ﴿وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا﴾ اور جس وقت آیا ہمارا حکم ﴿نَجَّیْنَا هُوْدًا﴾ ہم نے نجات دی ہود علیہ السلام کو ﴿وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ﴿بِرَحْمَةٍ مِّنَّا﴾ اپنی مہربانی کے ساتھ ﴿وَنَجَّیْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ﴾ اور نجات دی ہم نے ان کو گاڑھے عذاب سے ﴿وَتِلْكَ عَادٌ﴾ اور یہ عاد ہیں ﴿جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ﴾ جنھوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا ﴿وَعَصَوْا رُسُلَهٗ﴾ اور انھوں نے نافرمانی کی اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی ﴿وَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ﴾ اور انھوں نے پیروی کی ہر جبر کرنے والے سرکش کے حکم کی ﴿وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً﴾ اور لگا دی گئی پیچھے اس دنیا میں لعنت ﴿وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ اور قیامت والے دن بھی ﴿اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ﴾ خبردار بے شک قوم عاد نے اپنے رب کے احکام کا انکار کیا ﴿اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ﴾ خبردار بربادی ہوئی عاد کے لیے جو ہود علیہ السلام کی قوم تھی۔

ہود علیہ السلام نے بھی وہی پروگرام پیش کیا جو نوح علیہ السلام نے پیش کیا؟

اس سے پہلے دو رکوعوں میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر تھا کہ نوح علیہ السلام کی قوم نے جب نافرمانی کی تو

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس قوم کو تباہ کر دیا اور تباہ ہونے والوں میں نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی تھا۔ باپ اور پیغمبر کی نسبت بھی کچھ کام نہ آسکی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے پورا زور لگایا مگر وہ ضد پر اڑا رہا کفر سے باز نہیں آیا اور تباہ ہونے والوں کے ساتھ تباہ ہو گیا۔

اس رکوع میں حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر ہوا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ہود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا عاد قوم کی طرف۔ یہ بڑی ڈیل ڈول والی اور قد آور قوم تھی۔ سورہ شعراء آیت نمبر ۱۳۰ میں اس قوم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ﴾ "اور جب تم کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو گرفت کرتے ہو ظلم کے ساتھ۔" کہ کچومر نکال دیتے ہو۔ اور للکارتے اور نعرہ مارتے تھے ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ [حٰم سجدہ: ۱۵] "ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہے۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ طاقت ور ہے۔ رب تعالیٰ سب سے بڑا طاقت ور ہے مگر جس وقت کسی قوم میں غرور اور گھمنڈ آجائے تو اس کا دماغی توازن قائم نہیں رہتا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے بھی وہی سبق پیش کیا جو ان سے پہلے نوح علیہ السلام نے پیش کیا تھا ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ "اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔" یہ جو بزرگوں کے بت بنا کر ان کی تم پوجا کرتے ہو اور سمجھتے ہو کہ یہ بھی عبادت کے لائق ہیں یہ سب تمھارا افتراء ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام قوم کو سمجھاتے رہے پھر آخر میں فرمایا ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ پس اگر تم اعراض کرو گے ﴿فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَيْكُمْ﴾ پس میں پہنچا چکا ہوں وہ بات جو میں دے کر بھیجا گیا تھا تمھاری طرف۔

پیغمبر کا کام پیغام پہنچانا ہے منوانا نہیں

پیغمبر کا کام ہے حق کی بات پہنچا دینا۔ منوانا پیغمبر کے فریضہ میں داخل نہیں ہے۔ پہلے پارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ﴾ [سورۃ البقرہ: ۱۱۹] "بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا اور آپ سے دوزخیوں کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا۔" یہ اللہ تعالیٰ نے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے۔ کہ قیامت والے دن آپ سے یہ سوال نہیں ہوگا کہ یہ دوزخ میں کیوں گئے ہیں۔ کیوں؟ یہ سوال دو وجہ سے ہو سکتا تھا ایک یہ کہ پیغمبر تبلیغ نہ کرتے اور تبلیغ نہ کرنے کی وجہ سے لوگ دوزخ میں چلے جاتے تو اس کوتاہی کی وجہ سے سوال ہوتا کہ انھوں نے فریضہ ادا نہیں کیا۔ اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی پیغمبر فریضہ ادا نہ کرے خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال نہیں ہوگا کہ یہ دوزخ میں کیوں گئے ہیں؟ اور دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ہدایت دینا پیغمبر کے اختیار میں ہوتا اور وہ اختیار کو استعمال نہ کرتے اور لوگوں کو ہدایت نہ دیتے تو پھر سوال ہو سکتا تھا کہ تم نے ان کو ہدایت کیوں نہیں دی؟ اور ہدایت دینا رب تعالیٰ کا کام ہے پیغمبر کا کام نہیں ہے۔ سورۃ القصص آیت نمبر ۵۶ میں ہے ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ "اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کے ساتھ آپ کی محبت ہے اور لیکن اللہ تعالیٰ

ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔"

کیا حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے قابیل پر زور نہیں لگایا کہ اپنے بھائی کو ناحق قتل نہ کر؟ پیغمبر تھے سب انسانوں کی اصل تھے مگر بیٹا قابیل نہیں مانا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے زور لگایا اپنے بیٹے کنعان پر مگر وہ نہیں مانا، حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی بیوی پر زور لگایا مگر نہیں مانی، حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی بیوی کو سمجھایا مگر نہیں مانی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر کو سمجھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن نہیں مانا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مہربان چچا ابو طالب کو منانے کی انتہائی کوشش کی مگر نہیں مانے۔ کیوں کہ ہدایت دینا پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہے ہدایت دینا صرف رب تعالیٰ کا کام ہے۔ پیغمبر کا کام بات کو پہنچا دینا ہے۔ سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶۷ میں ہے ﴿يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ﴾ "اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر آپ پہنچا دیں جو احکام نازل کیے گئے ہیں آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی طرف سے ﴿وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے رسالت کا حق ہی ادا نہیں کیا۔"

یہاں پر ہود علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ پس اگر تم اعراض کرو گے تو پس تحقیق میں پہنچا چکا ہوں وہ احکامات جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں تمھاری طرف۔ اس میں میں نے کوئی کمی بیشی نہیں کی اور یاد رکھو ﴿وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ﴾ اور جانشین بنائے گا میرا رب کسی قوم کو تمھارے سوا۔ تمھیں تباہ و برباد کر کے کسی اور قوم کو لا کر یہاں آباد کرے گا ﴿وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکو گے۔ بھائی مخلوق رب تعالیٰ کا کیا بگاڑ سکتی ہے؟ مخلوق میں سے بڑی سے بڑی ہستی بھی رب کا کیا بگاڑ سکتی ہے؟ نفع نقصان کا اختیار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام نَافِع ہے، نفع دینے والا۔ اور ایک نام ضَارّ، ضرر دینے والا۔ نفع دینا بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں اور ضرر دور کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ گیارھواں پارہ سورت یونس میں ﴿وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ﴾ "اور اگر پہنچائے تجھ کو اللہ تعالیٰ ضرر تو کوئی اس کو ہٹانے والا نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور اگر پہنچائے تجھ کو بھلائی تو کوئی پھیرنے والا نہیں اس کے فضل کو۔"

اور یاد رکھو! ﴿إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ﴾ بے شک میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔ ہر چیز کی حفاظت کرنے والا صرف میرا رب ہے۔ میری حفاظت بھی کرے گا میرے ساتھیوں کی حفاظت بھی کرے گا ہمارے ایمان کی بھی حفاظت کرے گا۔ ہمیں تمھاری دھمکیوں کا کوئی خوف نہیں ہے۔ ﴿وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا﴾ اور جس وقت آیا ہمارا حکم ﴿نَجَّيْنَا هُودًا﴾ ہم نے نجات دی ہود علیہ السلام کو ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ﴾ اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو بھی نجات دی ﴿بِرَحْمَةٍ مِّنَّا﴾ اپنی مہربانی کے ساتھ۔

عاد قوم نے ضد کی انتہا کر دی:

کچھ تفصیل پہلے تم سن چکے ہو کہ ان کا علاقہ احقاف تھا یہ بحرین، نجران، عمان، حضرموت کے درمیان کا وسیع علاقہ

ہے۔ تقریباً تین سال مسلسل بارش نہ ہوئی خشک علاقہ تھا، کنوؤں کا پانی خشک ہو گیا، چشمے خشک ہو گئے، درخت جھلس گئے، جانور بھوک پیاس سے مرنے لگے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم! توبہ کرو، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو ﴿یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا﴾ "چھوڑ دے گا اللہ تعالیٰ آسمان کو تمھارے اوپر بارش برسانے والا" لگا تار بارش برسائے گا۔ قوم نے بیک زبان ہو کر کہا کہ اے ہود (علیہ السلام)! اگر تیری وجہ سے بارش ہونی ہے تو ہمیں ایک قطرے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ پھر اس طرح ہوا کہ ایک ٹکڑا بادل کا ان کی آبادیوں کی طرف آیا۔ بڑے خوش ہوئے ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے، مبارک ہو بادل آ گیا۔ اس بادل میں سے آواز آئی:

رِمَادًا رِمَادًا لَا تَذَرْ مِنْ عَادٍ اَحَدًا۔

"ان کو راکھ کر دو ان میں سے ایک آدمی کو بھی نہ چھوڑو، کوئی زندہ نہ بچے۔"

وہ بادل جب بالکل سروں کے قریب آ گیا تو اس میں سے ایسی تیز و تند ہوا نکلی کہ اس نے بڑی بڑی لاشوں کو اٹھا کر میلوں دور پھینک دیا رب تعالیٰ کی قدرت کہ ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھی بھی وہیں تھے ان کو کچھ نہیں ہوا۔ مجرموں کو چھوڑا نہیں اور ان کو چھیڑا نہیں۔ اسی کا ذکر ہے کہ جس وقت ہمارا حکم آیا، عذاب آیا تو ہم نے ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی اپنے فضل سے ﴿وَ نَجَّیْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ﴾ اور نجات دی ہم نے ان کو گاڑھے عذاب سے، سخت عذاب سے۔ باد صرصر، تند ہوا سے نجات دی ﴿وَ تِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ﴾ اور یہ عاد ہیں جنھوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا۔ چوں کہ یہ بستیاں مکہ والوں کے راستے میں تھیں وہ تاجر پیشہ لوگ تھے، شام جاتے، یمن جاتے، عراق جاتے تجارت کے لیے۔ اس زمانے میں آمدورفت پر کوئی پابندی نہیں ہوتی تھی جو جہاں چاہے جائے اور آئے۔ یہ مصیبتیں تو اب پڑی ہیں جب لوگوں کی شرارتیں بڑھی ہیں تو ہر حکومت نے پابندی لگا دی کہ پاسپورٹ اور ویزے کے بغیر کوئی آ جا نہیں سکتا۔ تو یہ عرب کے لوگ ان علاقوں میں آتے جاتے تھے ان کی عمارتیں دیکھ کر حیران ہوتے تھے کہ اتنی بڑی بڑی عمارتیں ہیں۔ ان کی طرف اشارہ کر کے رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ جو آثار تمھیں نظر آتے ہیں یہاں قوم عاد رہتی تھی۔ اپنے رب کی آیات کا انھوں نے انکار کیا ﴿وَ عَصَوْا رُسُلَهٗ﴾ اور انھوں نے نافرمانی کی اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی، رُسُل رسول کی جمع ہے۔

بظاہر سوال پیدا ہوتا ہے کہ نافرمانی تو انھوں نے ایک پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کی کی ہے کیوں کہ حضرت ہود علیہ السلام کے زمانے میں اور کوئی پیغمبر نہیں تھا اور رب تعالیٰ نے جمع کا صیغہ بولا ہے کہ انھوں نے رسولوں کی نافرمانی کی ہے۔ اس کے متعلق مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ایک پیغمبر کی نافرمانی سب پیغمبروں کی نافرمانی ہے کیوں کہ پیغمبروں کی دعوت مشترک ہے۔ جب حضرت ہود علیہ السلام کی نافرمانی کی تو سب پیغمبروں کی نافرمانی کی اس لیے کہ سب کا سبق ایک تھا ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾۔

﴿وَ اتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ﴾ اور انھوں نے پیروی کی ہر جبر کرنے والے سرکش کے حکم کی۔ عنید ضدی کو کہتے

نہیں۔ جو حق کے ساتھ ٹکرانے والا ضدی اور عناد رکھنے والا تھا اس کی بات مان لی مگر اللہ تعالیٰ کے معصوم پیغمبر کی بات نہ مانی ﴿وَ اُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً﴾ اور لگا دی گئی ان کے پیچھے اس دنیا میں لعنت۔ دنیا میں ملعون ہوئے۔ عذاب بھی رب تعالیٰ کی لعنت ہے۔ ﴿وَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ اور قیامت والے دن بھی جب وہ اٹھیں گے تو ملعون ہی ہوں گے۔ رب تعالیٰ کی لعنت آئی تو ان پر عذاب آیا پھر وہ عذاب ختم ہونے میں نہیں آئے گا۔ برزخ قبر میں عذاب، میدان حشر میں عذاب، پھر پل صراط کا عذاب، پھر دوزخ کا عذاب، لعنت ان کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ ﴿اَلَاۤ﴾ خبردار ﴿اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ﴾ بے شک قوم عاد نے اپنے رب کے احکام کا انکار کیا ﴿اَلَا﴾ خبردار ﴿بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ﴾ بربادی ہوئی عاد قوم کے لیے جو ہود علیہ السلام کی قوم تھی۔ بُعْد کا لغوی معنیٰ دوری ہے۔ مطلب بنے گا دوری ہوئی تباہی ہوئی قوم عاد کی۔ ان کا نام ونشان مٹ گیا اور اللہ تعالیٰ کا پیغمبر اور اس کے مومن ساتھی وہیں پھرتے رہے اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں۔

﴿وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا﴾ اور (بھیجا ہم نے) ثمود قوم کی طرف ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو ﴿قَالَ﴾ فرمایا انھوں نے ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمھارے لیے کوئی معبود اس کے سوا ﴿هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ اسی نے پیدا کیا تمھیں زمین سے ﴿وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا﴾ اور اسی نے تمھیں آباد کیا اس زمین میں ﴿فَاسْتَغْفِرُوْهُ﴾ پس تم اس سے بخشش طلب کرو ﴿ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ﴾ پھر رجوع کرو تم اس کی طرف ﴿اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ﴾ بے شک میرا رب قریب ہے قبول کرنے والا ہے ﴿قَالُوْا﴾ کہا انھوں نے ﴿یٰصٰلِحُ﴾ اے صالح علیہ السلام ﴿قَدْ كُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ﴾ تحقیق تھا تو ہمارے درمیان اُمید کیا گیا اس سے پہلے ﴿اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ﴾ کیا آپ ہمیں منع کرتے ہیں اس بات سے کہ ہم عبادت کریں ﴿مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا﴾ جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا ﴿وَ اِنَّنَا لَفِیْ شَكٍّ﴾ اور بے شک ہم شک میں ہیں ﴿مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ﴾ اس چیز کے بارے میں جس چیز کی طرف آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں ﴿مُرِیْبٍ﴾ وہ شک ہمیں اضطراب میں ڈالتا ہے ﴿قَالَ﴾ فرمایا صالح علیہ السلام نے ﴿یٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم ﴿اَرَءَیْتُمْ﴾ بتلاؤ تم ﴿اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ﴾ اگر ہوں میں واضح دلیل پر اپنے رب کی طرف سے ﴿وَ اٰتٰىنِیْ مِنْهُ رَحْمَةً﴾ اور اس نے دی ہو مجھے رحمت اپنی طرف سے ﴿فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ﴾ پس کون میری مدد کرے گا اللہ تعالیٰ کے سامنے ﴿اِنْ عَصَیْتُهٗ﴾ اگر میں نے اس کی نافرمانی کی ﴿فَمَا تَزِیْدُوْنَنِیْ غَیْرَ تَخْسِیْرٍ﴾ پس نہیں زیادہ کرو گے تم میرے لیے سوائے نقصان کے ﴿وَ یٰقَوْمِ﴾ اور اے میری قوم ﴿هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ کی اونٹنی ہے ﴿لَكُمْ اٰیَةً﴾ تمھارے لیے نشانی ہے

﴿ فَذَرُوْهَا ﴾ پس اس کو چھوڑ دو ﴿ تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ ﴾ کھائے اللہ تعالیٰ کی زمین میں ﴿ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ ﴾ اور نہ تم اس کو ہاتھ لگاؤ تکلیف پہنچانے کے لیے ﴿ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴾ پس پکڑے گا تمھیں قریبی عذاب ﴿ فَعَقَرُوْهَا ﴾ پس اُنھوں نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دیں ﴿ فَقَالَ ﴾ پس فرمایا ﴿ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ﴾ فائدہ اٹھالو اپنے گھروں میں تین دن ﴿ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴾ یہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں کیا جائے گا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی نافرمان اور مجرم قوم کے بعد دوسرے نمبر پر دنیا میں عاد قوم آئی تھی جس کی طرف اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا۔ اس قوم نے بھی حضرت ہود علیہ السلام کی نافرمانی کی حق کو ٹھکرایا، اللہ تعالیٰ کے احکامات کی مخالفت کی، توحید نہ مانی شرک کو نہ چھوڑا، اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو تباہ کر دیا۔ تیسرے نمبر پر قوم ثمود ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ﴾ اور بھیجا ہم نے ثمود قوم کی طرف ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو۔ بھائی کا معنیٰ پہلے میں نے سمجھایا ہے کہ برادری کے ایک فرد تھے اس لیے بھائی کہا ہے۔ جیسے: ہم کہتے ہیں برادرانِ وطن اور برادرانِ وطن میں ہندو، سکھ، عیسائی اور پارسی سارے آتے ہیں۔ ورنہ یہ پیغمبر اور مومن ہیں قوم کافر ہے۔ اس معنیٰ میں بھائی نہیں ہیں۔ ﴿ قَالَ ﴾ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا ﴿ يٰقَوْمِ ﴾ اے میری قوم! ﴿ اعْبُدُوا اللّٰهَ ﴾ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾ نہیں ہے تمھارے لیے اس کے سوا کوئی معبود۔

عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ

تمام پیغمبروں کی دعوت اور تبلیغ کا پہلا سبق یہی ہوتا تھا کہ عبادت اللہ تعالیٰ کی کرو چاہے بدنی ہو، زبانی ہو یا مالی ہو۔ تمام عبادتوں کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کے سوا کوئی قانون بنانے والا نہیں ہے، نہ کوئی رزق دینے والا ہے، نہ کوئی اولاد دینے والا ہے، نہ کوئی سکھ دینے والا ہے، نہ کوئی دکھ دینے والا ہے، نہ کوئی نفع پہنچانے والا ہے، نہ کوئی نقصان پہنچانے والا ہے۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے اگر مخلوق میں سے کسی کو یہ اختیارات ملتے تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملتے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ اختیارات آپ کو بھی نہیں دیے۔

کئی دفعہ سن چکے ہو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ﴿ قُلْ ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دو اعلان کر دو ﴿ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴾ [جن: ۲۱] "بے شک میں نہیں مالک تمھارے لیے نقصان اور نفع کا۔" جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی نفع، نقصان کے مالک نہیں ہیں تو اور کون ہو سکتا ہے؟ اور سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۸۸ میں ہے ﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ﴾ "اے پیغمبر آپ کہہ دیجیے۔ میں نہیں ہوں مالک اپنے نفس کے لیے نفع نقصان کا۔" خدا کی مخلوق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی ہستی کوئی نہیں ہے تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نفع، نقصان کا اختیار حاصل نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی ہستی مخلوق میں کون ہے جس کو خدائی اختیارات حاصل ہو گئے ہیں؟ خدائی اختیارات صرف اللہ تعالیٰ

کے پاس ہیں۔

﴿هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ اسی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تمھیں زمین سے۔ زمین سے پیدا کرنے کا ایک مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا کہ زمین کے مختلف حصوں سے مٹی لے کر اس کا خمیر کیا، اس سے آدم علیہ السلام کا ڈھانچا بنایا ﴿خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ [آل عمران: ۵۹] " آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا پھر فرمایا ہو جا پس وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ہو گیا۔" اور اس سے آگے نسل چلی۔ تو اصل تمھاری خاک ہے۔ اور یہ معنیٰ بھی بیان کرتے ہیں کہ انسان جو رزق کھاتا ہے اناج پھل وغیرہ وہ زمین سے پیدا ہوتا ہے اور اس رزق سے خون پیدا ہوتا ہے اسی خون کو رب تعالیٰ مادہ تولید بنا دیتا ہے اسی سے آگے نسل چلتی ہے۔ تو اب بھی پیدائش زمین سے ہوئی ﴿وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا﴾ اور اسی نے تمھیں آباد کیا اس زمین میں ﴿فَاسْتَغْفِرُوْهُ﴾ پس تم اس سے بخشش طلب کرو اس سے معافی مانگو۔ انسان کو ہر وقت اپنے آپ کو گنہگار سمجھنا چاہیے اور معافی مانگتے رہنا چاہیے۔

بہترین گناہ گار توبہ کرنے والے ہیں

حدیث پاک میں آتا ہے ((كُلُّكُمْ خَطَّاءُوْنَ وَ خَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ اَلتَّوَّابُوْنَ))۔" تم سب کے سب خطا کار ہو (سوائے پیغمبروں کے) کوئی گناہوں سے معصوم نہیں ہے اور گناہگاروں میں بہترین وہ ہیں جو معافی مانگتے ہیں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کی تعلیم کی خاطر دن میں سو سو مرتبہ استغفار فرماتے تھے تاکہ امت کو استغفار کا سبق معلوم ہو جائے۔

﴿ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ﴾ پھر رجوع کرو تم اس رب کی طرف۔ اس کی فرماں برداری اور عبادت کرو گناہوں سے معافی مانگی ہے تو دوبارہ نہ کرو۔ یہ کوئی توبہ نہیں ہے کہ زبان سے توبہ توبہ اور ساتھ ساتھ گناہ بھی چلتے رہیں ﴿اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ﴾ بے شک میرا رب قریب ہے دعا قبول کرنے والا ہے۔ کتنا قریب ہے؟ فرمایا ﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ [سورۃ ق: ۱۶] " ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔" اور اللہ تعالیٰ کے سوا دعا بھی کوئی قبول نہیں کر سکتا۔ یہ بات حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو حجر کے علاقہ میں سمجھائی۔ حجر، بحرین اور سعودیہ کے درمیان میں ہے۔ کہا انھوں نے ﴿قَالُوْا﴾ لوگوں نے جواب دیا ﴿يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ﴾ اے صالح (علیہ السلام)! تحقیق تھا تو ہمارے درمیان امید کیا گیا اس تبلیغ سے پہلے۔ ہمیں تو اُمید تھی کہ آپ مستعد آدمی ہیں اب ہم اگر دس بتوں کی پوجا کرتے ہیں تو آپ بیس بتوں کی پوجا کرائیں گے۔ اگر ہم نے دس بت خانے بنائے ہیں تو آپ بیس بنا کر دیں گے لیکن آپ نے تو ہماری اُمیدوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ کہ ﴿اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا﴾ کیا آپ ہمیں منع کرتے ہیں اس بات سے کہ ہم عبادت کریں جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا ﴿وَ اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ﴾ اور بے شک ہم شک میں ہیں اس چیز کے بارے میں جس چیز کی طرف آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں۔ ہمیں تمھاری بات سمجھ نہیں آتی کہ الٰہ ایک ہو ﴿مُرِيْبٍ﴾ یہ ہمیں شک اور تردد میں ڈالتا ہے لہٰذا ہم ماننے

کے لیے تیار نہیں ہیں۔

﴿قَالَ﴾ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا ﴿يٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم ﴿اَرَءَيْتُمْ﴾ بتلاؤ تم ﴿اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ﴾ اگر ہوں میں واضح دلیل پر اپنے رب کی طرف سے ﴿وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً﴾ اور اس نے دی ہو مجھے رحمت اپنی طرف سے، ہدایت، ایمان، تقویٰ، نیکی۔ فرمایا ان حالات میں ﴿فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ﴾ پس کون میری مدد کرے گا اللہ تعالیٰ کے سامنے اگر میں نے اس کی نافرمانی کی ﴿فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ﴾ پس نہیں زیادہ کرو گے تم میرے لیے سوائے نقصان کے۔ مطلب یہ ہے کہ میں توحید کا سبق چھوڑ دوں اور تمھاری شرکیہ رسومات کی تردید کرنے کی بجائے خود کرنے لگ جاؤں تو مجھے نقصان کے سوا کیا حاصل ہوگا۔ لہٰذا نہ میں پیغام الٰہی پہنچانے سے باز آسکتا ہوں اور نہ تمھاری غلط بات کے پیچھے لگ سکتا ہوں۔

مکان ضرورت کے مطابق بنانا چاہیے

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے چٹانیں تراش کر اندر مکان بنائے ہوئے تھے کیوں کہ انھوں نے سنا ہوا تھا کہ جب زلزلہ آتا ہے تو مکان گر جاتے ہیں اور دیوار میں اینٹ پتھر علیحدہ علیحدہ ہوں تو دیوار کے گرنے کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔ اور چٹان اندر سے کرید کرید کر مکان بنایا جائے تو وہاں کون سی دیوار پھٹے گی۔ چٹانوں کو تراشنے کا ذکر سورت اعراف آیت نمبر ۷۴ میں ہے ﴿وَتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا﴾ "اور تراشتے ہو پہاڑوں میں گھروں کو۔" ان چٹانوں میں انھوں نے بڑے بڑے کمرے بنائے ہوئے تھے۔ ہال کمرہ، ناچ کمرہ، مہمان خانہ، غسل خانہ، باورچی خانہ وغیرہ۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کے اس عمل پر بھی تنقید کی کہ اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے ہو ایسا نہ کرو ضرورت کے مطابق مکان بناؤ۔ یہ جو تم مکان بنانے پر ستر ستر سال، اسی اسی سال اور سو سو سال لگا دیتے ہو زندگی تمھاری ان چیزوں میں صرف ہو رہی ہے۔ دیکھو! مکان بھی انسان کی ضرورت ہے اس سے شریعت نہیں روکتی مگر اپنی ضرورت کے مطابق بناؤ۔ خیر انھوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی بات کو تسلیم نہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ کا پیغمبر اپنی ڈیوٹی دیتا رہا یہاں تک کہ وہ صالح علیہ السلام کی تبلیغ سے تنگ آ کر کہنے لگے کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں تو ہماری فرمائش کو پورا کرو، ہم تمھاری باتیں مان لیں گے۔

قوم ثمود کا مطالبہ کہ اونٹنی پتھر سے پیدا ہو اور ہو بھی گابھن

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟ ایک بہت بڑی چٹان تھی اس کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے کہ اس چٹان سے اونٹنی نکلے اور ساتھ ہی بچہ جَن (جنم) دے۔ عادتاً تو اس فرمائش کے پورے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ پتھروں اور چٹانوں سے اونٹنی پیدا ہو اور پھر فوراً بچہ بھی جَن دے اور یہ بھی انھوں نے کہا کہ اس اونٹنی کے بال بڑے گھنے اور خوب صورت ہوں۔ چنانچہ اس کے لیے دن مقرر کیا گیا شہروں اور دیہات میں ڈھنڈورا پیٹا گیا کہ آؤ بھئی! فلاں دن پتھر سے اونٹنی پیدا ہونی ہے، مذاق اُڑاتے تھے۔ مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے اور جوان اکٹھے ہوئے عجیب قسم کا منظر تھا ایک میلہ لگا

ہوا تھا۔ اشارہ کیا کہ اس چٹان سے اُونٹنی نکلے سب نے آنکھوں کے ساتھ دیکھا اسی چٹان سے اُونٹنی نکلی اور ساتھ ہی بچہ بھی جن دیا۔ اس کا ذکر ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا﴿ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً ﴾ اور اے میری قوم یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے تمھارے لیے نشانی ہے۔ پتھروں میں سے کہاں اُونٹنیاں نکلتی ہیں یہ تو رب تعالیٰ نے تمھیں نشانی دکھائی ہے۔ ﴿ فَذَرُوْهَا ﴾ پس اس کو چھوڑ دو ﴿ تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ ﴾ کھائے چارا اللہ تعالیٰ کی زمین میں ﴿ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ ﴾ اور نہ تم اس کو ہاتھ لگاؤ تکلیف پہنچانے کے لیے ویسے برکت کے لیے ہاتھ لگا سکتے ہو، مالش کرو خدمت کرو لیکن تکلیف پہنچانے کے لیے ہاتھ نہ لگاؤ ﴿ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴾ پس پکڑے گا تمھیں قریبی عذاب۔

منہ مانگی نشانی دیکھنے کے باوجود کوئی مسلمان نہ ہوا :

اتنی بڑی نشانی دیکھی لیکن کسی تفسیر یا تاریخ کی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا کہ ان مجرموں میں سے کوئی ایمان لایا ہو حالانکہ الحمدللہ! تفسیر اور تاریخ کی کافی کتابیں دیکھی ہیں۔ جیسے قریش مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ اگر چاند دو ٹکڑے ہو جائے تو ہم مان جائیں گے۔ چودھویں رات کا چاند تھا دو ٹکڑے ہوا قرآن پاک میں اس کا ذکر ہے ﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴾ "قریب آگئی ہے قیامت اور پھٹ گیا ہے چاند۔" لیکن کوئی نہ مانا۔ کہنے لگے ﴿ سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴾ "یہ جادو ہے مضبوط جادو۔" اس ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ تو فرمایا کہ اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا۔ سورت نمل آیت نمبر ۴۸ میں ہے ﴿ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴾ "اور تھے شہر میں نو شخص جو فساد کرتے تھے زمین میں اور نہیں اصلاح کرتے تھے۔" یہ تو اس علاقے کے بدمعاش اور غنڈے تھے ان کے سردار کا نام تھا قدار ابن سالف۔ اس کا سر چھوٹا اور بلی کی طرح آنکھیں تھیں شیطانوں کا پیر تھا۔ ہر ڈاکے اور قتل میں یہ شریک ہوتے تھے۔

ایک عورت تھی جس کا نام تھا عنیزہ بنت غَنَم۔ اس کے پاس بھیڑ بکریاں، گائیں اور اونٹ بہت تھے اس کو جانوروں کے پانی پلانے میں دقت پیش آتی تھی۔ سورت شعراء آیت نمبر ۱۵۵ میں ہے ﴿ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴾ "حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا یہ اونٹنی ہے اس کے لیے پانی پینے کی باری ہے اور تمھارے لیے بھی پانی پینے کی باری ہے ایک مقرر دن پر۔" ایک دن تمھارے جانور پئیں گے اور ایک دن یہ اونٹنی پیے گی تمھارا کوئی جانور نہیں پیے گا۔ عنیزہ کے جانور بہت زیادہ تھے۔ اوباش قسم کی عورت تھی خاوند فوت ہو چکا تھا جوان سال اس کی بیٹیاں تھیں۔ اس نے قدار ابن سالف کے ساتھ ساز باز کیا کہ میرے جانور پیاسے رہ جاتے ہیں تم درمیان سے اس اُونٹنی کو ختم کر دو تا کہ وہ پانی کی باری بھی ہمیں مل جائے۔

حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ :

قدار نے اپنے غنڈوں کے ساتھ مشورہ کیا جس کا ذکر سورۃ النمل آیت نمبر ۴۹ میں ہے ﴿ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ

اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴾ " کہا انھوں نے قسمیں کھاؤ اللہ تعالیٰ کے نام کی کہ ہم رات کے وقت صالح علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو حملہ کر کے ہلاک کر دیں گے۔ ہم کہیں گے ان کے دعوے دار سے کہ ہم نہیں حاضر ہوئے ان کے اہل کے ہلاک ہونے کے وقت اور ہم سچے ہیں۔" یعنی انھوں نے مشورہ کیا کہ رات کو حملہ کر کے صالح علیہ السلام کو بمع اہل خانہ کے ہلاک کر دیں پھر ہم قسم اٹھا کر کہیں گے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ کس نے مارا ہے۔ پھر اونٹنی کو ہلاک کر دیں گے۔ پھر مشورہ تبدیل کر لیا کہ پہلے اُونٹنی کو مارو پھر صالح علیہ السلام کو۔ اس کا ذکر ہے۔

﴿فَعَقَرُوْهَا﴾ پس انھوں نے اُونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دیں ﴿فَقَالَ﴾ پس حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا ﴿تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ﴾ فائدہ اٹھا لو تم اپنے گھروں میں تین دن۔ مثلاً: بدھ والے دن اُنھوں نے اُونٹنی کی ٹانگیں کاٹیں حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کل جمعرات ہے پرسوں جمعہ ہے چوتھ (ترسوں) ہفتہ ہے۔ ان تین دنوں تک تمھیں مہلت ہے۔ اور یہ بھی تفسیروں میں آتا ہے کہ فرمایا کل تمھاری شکلیں پیلی ہوں گی پرسوں سرخ ہوں گی پھر کالی ہو جائیں گی۔ یہ سب کچھ تمھیں نظر آئے گا بہتر ہے توبہ کر لو۔ کہنے لگے اگر تیری وجہ سے بچتے ہیں تو پھر موت ہی بہتر ہے۔ فرمایا فائدہ اٹھا لو اپنے گھروں میں تین دن ﴿ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ﴾ یہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں کیا جائے گا۔ باقی آئندہ آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا﴾ پس جب آیا ہمارا حکم ﴿نَجَّيْنَا صٰلِحًا﴾ ہم نے نجات دی صالح علیہ السلام کو ﴿وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے تھے ان کے ساتھ ﴿بِرَحْمَةٍ مِّنَّا﴾ اپنی رحمت کے ساتھ ﴿وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِىٕذٍ﴾ اور اس دن کی رسوائی سے ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ﴾ بے شک تیرا رب وہ قوی ہے غالب ہے ﴿وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ﴾ اور پکڑا ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا ایک چیخ نے ﴿فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ﴾ پس ہو گئے وہ اپنے گھروں میں ﴿جٰثِمِيْنَ﴾ گھٹنوں کے بل گرنے والے ﴿كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا﴾ گویا کہ وہ ان گھروں میں آباد ہی نہیں ہوئے ﴿اَلَآ﴾ خبردار ﴿اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ﴾ بے شک قوم ثمود نے اپنے رب کے احکامات کی نافرمانی کی ﴿اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ﴾ خبردار دوری ہے قوم ثمود کے لیے ﴿وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ﴾ اور البتہ تحقیق آئے ہمارے بھیجے ہوئے ﴿اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى﴾ ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوش خبری لے کر ﴿قَالُوْا سَلٰمًا﴾ انھوں نے کہا سلام ﴿قَالَ سَلٰمٌ﴾ ابراہیم علیہ السلام نے بھی کہا سلام ﴿فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ﴾ پس نہ ٹھہرے کہ لے آئے بچھڑا بھنا ہوا ﴿فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ﴾ پس جب دیکھا ابراہیم علیہ السلام نے ان کے ہاتھوں کو ﴿لَا تَصِلُ اِلَيْهِ﴾ کہ نہیں پہنچتے اس کی طرف ﴿نَكِرَهُمْ﴾ تو اوپرا (اجنبی) سمجھا ان کو ﴿وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً﴾ اور محسوس کیا ان کی طرف سے خوف

﴿قَالُوْا لَا تَخَفْ﴾ انھوں نے کہا خوف نہ کرو ﴿اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ﴾ ہم بھیجے گئے ہیں لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف ﴿وَامْرَاَتُهٗ قَآىِٕمَةٌ﴾ اور ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کھڑی تھی ﴿فَضَحِكَتْ﴾ پس وہ ہنس پڑی ﴿فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ﴾ پس ہم نے اس کو خوش خبری دی اسحاق علیہ السلام کی ﴿وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ﴾ اور اسحاق علیہ السلام کے بعد یعقوب علیہ السلام کی۔

گزشتہ درس میں تم سن چکے ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حجر کے علاقے میں قوم ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ اُنھوں نے اپنی قوم کو کافی عرصہ تک تبلیغ کی۔ تفسیروں میں آتا ہے کہ ان پر تقریباً چار ہزار آدمی ایمان لائے باقی کوئی ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوا بلکہ فرمائشی معجزے طلب کرنے پر لگے رہے۔ بالآخر یہ مطالبہ کیا کہ چٹان سے اُونٹنی پیدا ہو اس کے جسم پر بال گھنے اور خوب صورت ہوں اور اس سے جوان قسم کا بچہ بھی پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی فرمائش کو پورا کیا۔ چٹان سے اُونٹنی نکلی اور اس نے بچہ بھی جَن دیا لیکن ان مشرکوں، نافرمانوں اور مجرموں میں سے کوئی بھی ایمان نہ لایا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کو تکلیف نہ دینا مگر ان ظالموں نے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ تمھیں تین دن کی مہلت ہے۔ توبہ استغفار کرو، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو لیکن وہ اس کے لیے بھی تیار نہ ہوئے۔ ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ پھر کیا ہوا؟

قوم صالح کی تباہی کا ذکر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا﴾ پس جب آیا ہمارا حکم مراد عذاب ہے کہ جب ہمارا عذاب آیا ﴿نَجَّیْنَا صٰلِحًا﴾ نجات دی ہم نے صالح علیہ السلام کو ﴿وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ "اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے تھے ان کے ساتھ۔" جن کی تعداد تقریباً چار ہزار تفسیروں میں بتائی گئی ہے۔ ﴿بِرَحْمَةٍ مِّنَّا﴾ اپنی رحمت کے ساتھ ان کو نجات دی ﴿وَمِنْ خِزْیِ یَوْمِىِٕذٍ﴾ اور اس دن کی رسوائی سے بھی جو عذاب آنے کے بعد ہوئی ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ﴾ بے شک تیرا رب وہ قوی ہے غالب ہے۔ آگے عذاب کی شکل کا بیان ہے کہ وہ عذاب کس شکل میں آیا ﴿وَاَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ﴾ اور پکڑا ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا ایک چیخ نے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک ڈراؤنی سی آواز نکالی اس سے سارے مجرم ہلاک ہو گئے جہاں جہاں بھی تھے ایک نفس بھی نہ بچا لیکن نہ حضرت صالح علیہ السلام کو کچھ ہوا اور نہ ان کے ساتھیوں کو حالانکہ وہ بھی وہیں تھے۔ یہ رب تعالیٰ کی قدرت ہی ہے کہ جگہ ایک ہو بعض عذاب میں مبتلا ہوں اور بعض کو کچھ بھی نہ ہو۔ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو آواز نے کچھ نہ کہا اور جو مجرم تھے ان کو چھوڑا نہیں۔

﴿فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ﴾ پس ہو گئے وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل پڑنے والے۔ جس طرح ہم التحیات میں بیٹھتے ہیں یہ انسان کی عاجزی کی حالت ہے۔ اس طرح گھٹنوں کے بل گر کر تباہ و برباد ہو گئے ﴿كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا﴾ گویا کہ

وہ ان گھروں میں آباد ہی نہیں ہوئے۔ ایسے تباہ ہوئے کہ ان کے نام ونشان مٹ گئے۔ حالانکہ ان گھروں میں چہل پہل ہوتی تھی عورتیں، مرد، چھوٹے بڑے، بوڑھے اور بچوں کا میلہ لگا ہوتا تھا اور اب ان گھروں میں کوئی آواز ہی نہیں ہے۔ ﴿اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ﴾ خبردار بے شک قوم ثمود نے اپنے رب کے احکامات کی نافرمانی کی۔ گویا ان کی تباہی کا سبب اور علت رب کی نافرمانی اور پیغمبروں کی نافرمانی ہے۔ ﴿اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ﴾ خبردار! دوری ہے قوم ثمود کے لیے دنیا سے۔ اور لازمی معنیٰ کرتے ہیں ہلاکت اور بربادی ہوئی قوم ثمود کی۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دور آیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آبائی وطن ؟

حضرت ابراہیم کی علیہ السلام کی پیدائش عراق کے شہر کُوثیٰ بروزن طوبیٰ میں ہوئی۔ یہ اس وقت کلدانی حکومت کا دارالخلافہ تھا۔ آج کل کے جغرافیہ میں اس کا نام اُر ہے۔ اس وقت کے بادشاہ کا نام نمرود بن کنعان تھا جو بڑا ظالم اور جابر بادشاہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرصہ دراز تک تبلیغ کی مگر اپنی بیوی سارہ علیہا السلام جو چچازاد بہن بھی تھی اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے سوا کسی نے ساتھ نہ دیا اور یہ بھی یاد رکھنا! کہ پیغمبر پیدائشی طور پر موحد ہوتا ہے ایک لحہ کے لیے بھی شرک نہیں کرتا۔ البتہ تبلیغ کا کام اس وقت شروع کرتا ہے جب رب تعالیٰ کی طرف سے نبوت کا تاج پہنایا جاتا ہے۔ تو اس عرصہ دراز میں بڑی بڑی آزمائشیں آئیں یہاں تک کہ آگ کا بھٹہ (الاؤ) تیار کیا گیا۔ کپڑے اُتار کر رسیوں میں جکڑ کر اس میں ڈال دیا گیا۔ تماشائیوں کا بہت بڑا مجمع تھا انتظار میں تھے کہ دیکھو اب سر پھٹے ٹھاہ! ہوگی اور ہمارے کلیجے ٹھنڈے ہوں گے۔ لیکن ارشاد خداوندی ہے ﴿قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ﴾ [انبیاء: ۶۹] "ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا ابراہیم علیہ السلام پر۔" رب تعالیٰ کی قدرت کہ وہ آگ جس کے شعلے آسمان تک بلند ہو رہے تھے اس نے ابراہیم علیہ السلام کے جسم کے ایک بال کو بھی نہیں چھیڑا صرف وہ رسیاں جلا دیں جن کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام کو باندھا گیا تھا۔ یہ سارا منظر دیکھ کر بھی کوئی ایمان نہ لایا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ محدث بھی ہیں، مفسر اور فقیہ بھی۔ وہ اپنی تفسیر اور اپنی کتاب "البدایہ والنہایہ" میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر نے اس وقت یہ الفاظ کہے تھے نِعْمَ الرَّبُّ رَبُّكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ "اے ابراہیم تیرا رب بہت اچھا رب ہے۔" لیکن ایمان پھر بھی نہیں لایا۔ اس کے بعد یہاں سے ہجرت کر کے شام تشریف لے گئے۔ راستے میں بھی بڑی تکلیفیں آئیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو سُدُوم کے علاقہ میں نبی مقرر فرمایا جہاں آج کل آب سیاہ بحیرہ مردار ہے۔ یہ دس میل کا رقبہ ہے جہاں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم تباہ ہوئی تھی۔

دمشق میں ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی آمد ؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام دمشق میں اپنی اہلیہ حضرت سارہ علیہا السلام کے ہمراہ اپنے گھر تشریف فرما تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمانوں کی شکل میں فرشتے آئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کا نام تفسیروں میں آتا

ہے۔کل تعداد کتنی تھی؟ تین تھے، چھ تھے، دس تھے بارہ فرشتے بھی لکھے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بڑی عمر والے آدمیوں کی شکل میں معزز مہمانوں کی طرح آئے سلام کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا۔ گھر بیوی کے علاوہ کوئی نہیں تھا لہٰذا بیوی سے کہا مسالا تیار کرو آگ جلاؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے موٹا تازہ بچھڑا ذبح کیا، کھال اتاری گوشت بنا کر بیوی کو دیا کہ اس کو روسٹ کرو۔ حَنِيْذ کا معنیٰ ایسا بھونا ہوا کہ اس میں پانی بالکل نہ ہو اور ایک معنیٰ گھی میں تلا ہوا بھی کرتے ہیں دو معانی ہیں۔ اس واقعہ کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى﴾ اور البتہ تحقیق آئے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوش خبری لے کر۔ اس خوشخبری کا ذکر آگے آئے گا ﴿قَالُوْا سَلٰمًا﴾ انھوں نے کہا سلام۔ اور مسئلہ یہی ہے کہ آنے والا سلام کرے بڑا ہو یا چھوٹا ہو یہ آنے والے کا فریضہ ہے۔

سلام کرنے کی ترغیب وترتیب ؟

بخاری شریف میں حدیث آتی ہے سوار پیدل کو سلام کرے، جو کھڑا ہے بیٹھنے والے کو سلام کرے، چلنے والا ہے وہ کھڑے ہوئے کو سلام کرے، چھوٹا بڑے کو سلام کرے، تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کو سلام کریں۔ ایک طرف سے دس آدمی آرہے ہیں اور دوسری طرف سے دو آرہے ہیں تو یہ دو آدمی دس آدمیوں کو سلام کریں۔ لیکن اگر جہالت کی وجہ سے اس مسئلے کو نہیں سمجھتا جیسا کہ ہمارا زمانہ دینی مسائل کے اعتبار سے جہالت میں ڈوبا ہوا ہے تو پھر دین دار آدمی کو خود سلام کر لینا چاہیے تاکہ اجر ضائع نہ کرے۔

السلام علیکم کہے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس نیکیاں ملیں گی ایک صغیرہ گناہ جھڑ جائے گا اور ایک درجہ بلند ہو جائے گا۔ اسی طرح وعلیکم السلام کہنے والے کو بھی دس نیکیاں ملیں گی ایک گناہ جھڑ جائے گا اور ایک درجہ بلند ہو جائے گا خود بخود۔ اور اگر ساتھ ورحمۃ اللہ کہا تو بیس نیکیاں ملیں گی اور اگر ساتھ وبرکاتہ کہا تو تیس نیکیاں ملیں گی اور اگر ساتھ ومغفرتہ بھی کہا تو چالیس نیکیاں ملیں گی۔ ابوداؤد شریف اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "ادب المفرد" میں پانچواں لفظ وَطَيِّبٰتُ صَلَاتُهٗ بھی ہے۔ چوں کہ الگ الگ جملے ہیں لہٰذا ہر ہر جملے کی دس دس نیکیاں علیحدہ علیحدہ ہیں۔

جن موقعوں پر سلام کرنا منع ہے ؟

لیکن اگر قرآن وحدیث کا درس ہو رہا ہے یا وعظ ہو رہا ہو، جمعہ اور عید کا خطبہ ہو رہا ہو پھر سلام نہیں کہنا۔ بلکہ ان صورتوں میں اگر کہے گا تو کہنے والا گناہ گار ہو گا لہٰذا خاموشی سے آکر بیٹھ جائے۔ فرشتے چوں کہ باہر سے آئے تھے اس لیے انھوں نے سلام کیا ﴿قَالَ سَلٰمٌ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ ﴿فَمَا لَبِثَ﴾ پس نہیں ٹھہرے ابراہیم ... ﴿اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ﴾ کہ لے آئے بچھڑا بھنا ہوا ڈش میں رکھ کر۔ اب بھنا تلا ہوا بچھڑا سامنے رکھا ہوا ہے فرشتے ایک

دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں مگر کھانے کی طرف ہاتھ کسی کا نہیں بڑھتا ﴿فَلَمَّا رَآ اَیْدِیَهُمْ﴾ پس جب دیکھا ابراہیم علیہ السلام نے ان کے ہاتھوں کو ﴿لَا تَصِلُ اِلَیْهِ﴾ کہ نہیں پہنچتے اس بچھڑے کے گوشت کی طرف ﴿نَكِرَهُمْ﴾ تو ان کو اوپرا یعنی اجنبی سمجھا۔

کہتے ہیں کہ اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ چور، ڈاکو، اغواء کرنے والے اس گھر سے کھانا نہیں کھاتے تھے جن کو نقصان پہنچانا ہوتا تھا کہ یہ نمک حرامی ہے کہ ان کا کھانا بھی کھائیں اور پھر ان کی چوری بھی کریں۔ مگر آج کل کے ڈاکو، توبہ توبہ! پہلے پوچھتے ہیں کہ بتلاؤ کھانے کی چیزیں کہاں کہاں پڑی ہیں؟ کھانے پینے کے بعد کہتے ہیں بتاؤ چابیاں کہاں ہیں؟ ہمارے حوالے کرو اور بتلاؤ کہ پیسے اور زیورات کہاں ہیں؟ کہ جرأت پیدا ہوگئی ہے۔ خدا پناہ! کسی کی جان محفوظ نہیں نہ عزت محفوظ ہے۔ اور کہیں بھی محفوظ نہیں ہے نہ گھر میں نہ سفر میں۔

اور یاد رکھو! یہ سب کچھ ناقص نظام کا حصہ ہے اگر اسلام نافذ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کسی کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ اس وقت بچپن اسلامی ملک کہلاتے ہیں۔ ان میں سے صرف طالبان کے علاقے میں مکمل اسلامی قانون نافذ ہے اور اس کا ثمرہ سب لوگوں کے سامنے ہے کہ وہاں کے لوگوں کو امن حاصل ہے، نہ چوری ہے، نہ ڈاکا ہے، نہ قتل ہے۔ غیر ملکی صحافی بھی جب اس ملک میں آتے ہیں تو اقرار کرتے ہیں کہ وہاں نہایت امن و سکون ہے۔ کیوں کہ قانونِ خداوندی نافذ ہے اور دوسرے ملکوں میں بدامنی کی وجہ سے نظام کی خرابی ہے کہ یہ نظام لوگوں نے بنائے ہیں اپنے مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے کہ میرا کاروبار کیسے بچتا ہے، میری زمین کیسے بچتی ہے، میری آمدنی پر زد تو نہیں پڑتی۔ ہر ایک اپنا فائدہ سوچتا ہے۔ اور طالبان کو قانون بنانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کیوں کہ ان کے سامنے قرآن و سنت ہے ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابیں موجود ہیں۔ یہ اسلامی قانون ہے۔ اور ان کے جتنے افسر ہیں سب علماء ہیں اور خدا کا بڑا فضل یہ ہے کہ دیوبندی مسلک کے ہیں ہمارے مدارس سے پڑھ کے گئے ہیں۔ اسی وجہ سے طاہر القادری جیسے لوگ مخالفت کرتے ہیں کہ ہم طالبان کی جمہوریت کو نہیں مانتے۔ بھائی وہ تو دین ہے جمہوریت نہیں ہے۔ یہ کہو کہ ہم دین نہیں مانتے دیوبندیوں کی حکومت نہیں مانتے۔ کھل کر کہو، بات سب کو سمجھ آئے چکر دے کر باتیں کرنے کا کیا معنیٰ؟

﴿وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً﴾ اور محسوس کیا ان کی طرف سے خوف کہ یہ لوگ کھانا نہیں کھا رہے لگتا ہے اچھے ارادے سے نہیں آئے۔ مذہبی مخالف ہیں یا کوئی اور بات ہے۔ فرشتے سمجھ گئے کہ ﴿قَالُوْا لَا تَخَفْ﴾ انھوں نے کہا خوف نہ کرو ﴿اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰی قَوْمِ لُوْطٍ﴾ ہم بھیجے گئے ہیں لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف۔

پیغمبر غیب دان نہیں ہوتا

• اب بات سمجھیں۔ اہلِ بدعت کہتے ہیں کہ پیغمبر علم غیب رکھتے ہیں اور حاضر ناظر بھی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر ابراہیم علیہ السلام عالم الغیب ہوتے تو ان کو یہ معلوم نہ ہوتا کہ یہ فرشتے ہیں؟ اور اگر حاضر ناظر ہوتے تو معلوم ہوتا کہ فلاں جگہ سے فلاں

فلاں راستے سے آئے ہیں بچھڑا ذبح کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی؟ کہ فرشتے تو کچھ کھاتے پیتے ہی نہیں ہیں ان کے لیے بچھڑا ذبح کرنے اور پھر ان سے خوف کھانے کی کیا ضرورت تھی؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو انسان سمجھا اور ان کی مہمانی کے لیے بچھڑا ذبح کیا۔ علم غیب اور حاضر و ناظر کی نفی کے لیے یہی دلیل کافی ہے اگر کوئی سمجھے۔ حالانکہ سارا قرآن بھرا پڑا ہے دلائل سے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے اور نہ کوئی حاضر و ناظر ہے۔ ﴿وَامْرَاَتُهٗ قَآىِٕمَةٌ﴾ اور ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کھڑی تھی اس انتظار میں کہ اور گوشت منگوائیں گے تو پکڑا دوں گی۔ جس وقت انھوں نے کہا کہ ہم تو فرشتے ہیں ﴿فَضَحِكَتْ﴾ اہلیہ محترمہ ہنس پڑیں کہ ہمارے ساتھ کیا بنا ہے۔ یہ تو فرشتے ہیں جو نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، نہ پیشاب پاخانہ کرتے ہیں، نہ ان میں جنسی خواہشات ہیں نہ سوتے ہیں، نہ تھکتے ہیں، نہ سوتے ہیں خوراک ان کی سبحان اللہ ہے۔ تو وہ ہنس پڑی کہ ہم نے کیا سمجھا اور نکلا کیا۔ جد الانبیاء کی بیوی جو اولیاء کی سردار ہیں وہ بھی نہیں جانتی لیکن ٹکے ٹکے کے ملنگ کہتے ہیں کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

یاد رکھنا! عقیدہ بڑی قیمتی چیز ہے اس کو محفوظ رکھنا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بغیر نہ کوئی عالم الغیب ہے، نہ کوئی حاضر و ناظر ہے، نہ کوئی مختار کل ہے، نہ کوئی دستگیر ہے، نہ کوئی حاجت روا اور نہ کوئی مشکل کشا ہے، نہ کوئی فریاد رس اور نہ کوئی مُقنن، قانون ساز ہے۔ قانون ساز صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ [یوسف:۶۷] "نہیں ہے حکم مگر اللہ تعالیٰ کے لیے۔"

﴿فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ﴾ پس ہم نے اس عورت کو خوش خبری دی اسحاق علیہ السلام کی۔ اے بی بی! تجھے اللہ تعالیٰ بیٹا دے گا اور نام بھی اللہ تعالیٰ نے خود رکھا اسحاق علیہ السلام ﴿وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ﴾ اور اسحاق علیہ السلام کے بعد یعقوب علیہ السلام کی خوش خبری دی۔ یعنی آپ کی زندگی میں اسحاق علیہ السلام جوان ہوں گے شادی کریں گے شادی کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو بیٹا دے گا اور اس بیٹے کا نام بھی اللہ تعالیٰ نے خود یعقوب (علیہ السلام) رکھا۔ یہ سب کچھ ہوا زندگی رہی تو آئندہ وضاحت آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿قَالَتْ﴾ وہ کہنے لگی ﴿يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ﴾ ہائے افسوس مجھ پر کیا میں بچہ جنوں گی ﴿وَاَنَا عَجُوْزٌ﴾ حالانکہ میں بوڑھی ہوں ﴿وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا﴾ اور یہ میرا خاوند بھی بوڑھا ہے ﴿اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ﴾ بے شک یہ تو البتہ عجیب چیز ہے ﴿قَالُوْٓا﴾ وہ کہنے لگے ﴿اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ کیا تو تعجب کرتی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم پر ﴿رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ﴾ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں ﴿عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ﴾ تم پر ہوں اے گھر والو ﴿اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾ بے شک وہ تعریفوں اور بزرگی والا ہے ﴿فَلَمَّا ذَهَبَ﴾ پس جب چلا گیا ﴿عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ﴾ ابراہیم علیہ السلام سے خوف ﴿وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى﴾ اور آگئی ان کے پاس خوش خبری ﴿يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ﴾ تکرار کرنے لگے ہمارے ساتھ قوم لوط کے بارے میں ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ﴾ بے شک ابراہیم علیہ السلام بڑے بردبار، آہ و زاری

کرنے والے، رجوع کرنے والے تھے ﴿یٰۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا﴾ اے ابراہیم علیہ السلام اعراض کریں اس سے ﴿اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ﴾ بے شک شان یہ ہے تحقیق تیرے رب کا حکم آچکا ہے ﴿وَ اِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ﴾ اور بے شک ان لوگوں کے پاس آنے والا ہے ﴿عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ﴾ ایسا عذاب جس کو لوٹایا نہیں جا سکتا۔

فرشتوں اور جنات کو مختلف شکلیں بدلنے کا اختیار

گزشتہ آیات میں یہ بیان ہوا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے معزز مہمانوں کی شکل میں تشریف لائے۔ جن میں حضرت جبرائیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کا ذکر تفسیروں میں صراحت کے ساتھ آتا ہے۔ یہ فرشتوں کی اچھی خاصی جماعت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ جس کی شکل اختیار کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کبھی حضرت دحیہ ابن خلیفہ کلبی کی شکل میں تشریف لاتے۔ دیکھنے والے انسان ہی سمجھتے تھے حالانکہ جبرئیل علیہ السلام ہوتے تھے۔ جنات کو بھی اللہ تعالیٰ نے مختلف شکلیں اختیار کرنے کا اختیار دیا ہے۔ جن انسان کی شکل میں بھی آ سکتا ہے، گدھے اور چڑیا کی شکل میں بھی آ سکتا ہے، سانپ کی شکل بھی اختیار کر سکتا ہے۔ لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے اختیار نہیں دیا کہ وہ اپنی شکل بدل سکیں۔

بہر حال فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس معزز اور محترم بڑی عمر والے انسانوں کی شکل میں تشریف لائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھران کی اہلیہ حضرت سارہ علیہا السلام کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا چوں کہ مہمان زیادہ تھے مرغی سے کام نہیں چل سکتا تھا ایک بچھڑا پالا ہوا تھا اس کو ذبح کر کے گوشت بنا کر روسٹ کرا کے مہمانوں کے سامنے رکھ دیا۔ حدیث پاک میں آتا ہے: "جو آدمی اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے پس چاہیے کہ وہ مہمان کی عزت کرے۔" مہمان کی عزت کرنا ایمان کا حصہ ہے اور پیغمبر سے بڑا مومن کوئی نہیں ہو سکتا۔ لیکن مہمانوں نے کھانا چکھا تک نہیں تو ابراہیم علیہ السلام حیران ہوئے کہ یہ کھاتے کیوں نہیں؟ بالآخر فرشتے بول پڑے کہ ہم تو فرشتے ہیں اور قوم لوط علیہ السلام کی قوم کی تباہی کے لیے بھیجے گئے ہیں اور جاتے جاتے تمھیں خوشخبری بھی سنانی تھی کہ اللہ تعالیٰ تمھیں بیٹا اسحاق علیہ السلام عطا فرمائیں گے اور پوتا یعقوب علیہ السلام بھی۔ تم اپنی آنکھوں سے بیٹے کو اور پوتے کو بھی دیکھو گے۔

اللہ تعالیٰ جب چاہے اولاد عطا کردے

﴿قَالَتْ﴾ وہ کہنے لگی ہائے افسوس مجھ پر ﴿یٰوَیْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ﴾ کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں۔ تفسیروں میں لکھا ہے کہ اس وقت حضرت سارہ علیہا السلام کی عمر ایک کم سو سال تھی اور ہمارے ہاں ننانوے سال کی بیبیاں لاٹھی لے کر بھی نہیں چل سکتیں۔ ﴿وَ هٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا﴾ اور یہ میرا خاوند بھی بوڑھا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت ایک سو بیس سال

تھی۔ مطلب یہ ہے کہ میں بھی بوڑھی میرا خاوند بھی بوڑھا ہم تو اولاد کے قابل نہیں ہیں ﴿اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ﴾ بے شک یہ تو البتہ عجیب چیز ہے کہ بوڑھوں کے گھر بچہ پیدا ہو۔ ظاہری حالات کے مطابق تو بات ایسی ہی تھی ﴿قَالُوْۤا﴾ فرشتے کہنے لگے ﴿اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ کیا تو تعجب کرتی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم پر ﴿رَحْمَتُ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو ﴿وَبَرَكٰتُهٗ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی برکتیں ہوں ﴿عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ﴾ تم پر اے گھر والو ﴿اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ﴾ بے شک وہ تعریفوں والا اور بزرگ ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے چاہے جوانی میں اولاد دے دے چاہے بڑھاپے میں دے دے، چاہے نہ جوانی میں دے نہ بڑھاپے میں دے۔

سورت مریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے ﴿اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا﴾ "جب پکارا زکریا علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارنا آہستہ ﴿قَالَ﴾ کہا ﴿رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ﴾ اے میرے پروردگار! بے شک میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں ﴿وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا﴾ اور بھڑک اٹھا ہے سر سفیدی سے ﴿وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآىِٕكَ رَبِّ شَقِیًّا﴾ اور نہیں ہوں میں تجھ سے دعا کرنے میں اے میرے رب محروم۔" اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور خوش خبری دی ﴿یٰزَكَرِیَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ﹰاسْمُهٗ یَحْیٰى﴾ "اے زکریا علیہ السلام ہم خوش خبری دیتے ہیں تمھیں لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ہوگا ﴿لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا﴾ نہیں بنایا ہم نے اس کے لیے اس سے پہلے کوئی ہم نام ﴿قَالَ﴾ کہا زکریا علیہ السلام نے ﴿رَبِّ اَنّٰى یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ﴾ اے پروردگار کیسے ہوگا میرے لیے لڑکا ﴿وَّكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا﴾ اور میری عورت بانجھ ہے۔" سو سال ان کی عمر تھی ﴿وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِیًّا﴾ "اور بے شک میں پہنچ گیا ہوں بڑھاپے کے انتہائی درجے کو۔" جب میں چلتا ہوں تو کمر ٹیڑھی ہوتی ہے۔ ایک سو بیس سال ان کی عمر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ مجھ پر آسان ہے۔ عرض کیا پروردگار میرے لیے کوئی نشانی بنا دے جس سے میں سمجھوں کہ میری بیوی حاملہ ہو گئی ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا﴾ "تیرے لیے نشانی یہ ہے کہ تو نہ کلام کرے گا لوگوں کے ساتھ تین دن تک صحیح سلامت۔" تسبیحات کر سکیں گے، نماز پڑھ سکیں گے، خدا کا ذکر کر سکیں گے لیکن لوگوں کے ساتھ گفتگو نہیں کر سکو گے اور زبان ہوگی بھی ٹھیک ٹھاک۔ لیکن جب لوگوں کے ساتھ گفتگو کرو گے تو زبان نہیں چلے گی۔ تو رب جب دینے پہ آئے دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو یحییٰ علیہ السلام عطا فرمائے۔

تو فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ حضرت سارہ علیہا السلام کو کہا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر تعجب کرتی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں تم پر ہوں اے گھر والو! اہل بیت کا اولین مصداق بیوی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر اس وقت بیوی کے علاوہ کوئی نہیں تھا فرشتوں نے ان کو اہل بیت کہا۔ اور ہماری زبان میں بھی اہل بیوی کو کہتے ہیں۔ مثلاً: دو دوست ملتے ہیں تو پوچھتے ہیں اہل وعیال کا کیا حال ہے؟ تو اہل بیوی اور عیال بچے۔ اور اگر کسی نے نئی شادی کی ہے تو اس سے دوست پوچھتے ہیں گھر والوں کا کیا حال ہے؟ اب دیکھو! کل تو اس کی شادی ہوئی ہے راتوں رات تو بچہ نہیں ہو جائے گا۔ تو گھر والوں سے مراد بیوی ہے۔ اصل اہل کا مصداق بیوی ہے پھر اس کے تحت اولاد بھی آتی ہے۔

﴿فَلَمَّا ذَهَبَ﴾ پس جب چلا گیا ﴿عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ﴾ ابراہیم علیہ السلام سے خوف۔ کیوں کہ پہلے تو فرشتوں کے کھانا نہ کھانے کی وجہ سے پریشان تھے کہ کیوں نہیں کھاتے؟ لگتا ہے کسی اچھے ارادے سے نہیں آئے۔ مگر جب فرشتوں نے اپنی پوزیشن واضح کر دی کہ ہم فرشتے ہیں اور لوط علیہ السلام کی قوم کی تباہی کے لیے بھیجے گئے ہیں اور تمھیں خوش خبری سنا کر جانا ہے ﴿وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى﴾ اور آ گئی ان کے پاس خوش خبری بیٹے کی اور پوتے کی بھی اپنی زندگی میں اور نام بھی اللہ تعالیٰ نے خود تجویز کیے، اسحاق علیہ السلام اور ان کے بعد یعقوب علیہ السلام۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا۔ اسرائیل عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ اسراء کا معنیٰ عبد اور ایل کا معنیٰ ہے اللہ، تو اسرائیل کا لفظی معنیٰ ہوا عبداللہ۔ پھر آگے ان کی نسل چلی۔ یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے حضرت یوسف بھی ان کے بیٹے ہیں۔ یہ سارے بنی اسرائیل کہلائے۔ یہ دنیا کی ذہین ترین اور ضدی قوم ہے۔ تو جب خوف ختم ہو گیا اور خوش خبری بھی مل گئی اور معلوم ہو گیا کہ یہ فرشتے ہیں اور ایک مہم کے لیے آئے ہیں ﴿يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ﴾ تکرار کرنے لگے ہمارے ساتھ قوم لوط کے بارے میں۔

اور سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۳۲ میں ہے ﴿قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا﴾ "کہا ابراہیم علیہ السلام نے اس بستی میں میرے بھتیجے لوط علیہ السلام بھی رہتے ہیں۔" لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے بھائی کا نام حاران ابن آزر، حا حلوے والی کے ساتھ لکھتے ہیں اور لاہور والی ہا کے ساتھ بھی لکھتے ہیں۔ ﴿قَالُوْا﴾ "فرشتوں نے کہا ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا﴾ ہم خوب جانتے ہیں اس میں رہنے والوں کو ﴿لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ﴾ ہم ضرور بچا لیں گے اس کو اور اس کے گھر والوں کو ﴿اِلَّا امْرَاَتَهٗ﴾ سوائے اس کی بیوی کے ﴿كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ﴾ کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔" یہ ہے مطلب تکرار اور جھگڑے کا کہ تم بنی سدوم کی تباہی کے لیے جا رہے ہو تو میرے بھتیجے لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کا کیا بنے گا؟ جس کے متعلق فرشتوں نے وضاحت کر دی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ﴾ بے شک ابراہیم علیہ السلام بڑے بردبار، بکثرت آہ و زاری کرنے والے، بکثرت رجوع کرنے والے تھے۔ جتنا کوئی رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرے گا اتنا ہی اس کو رب تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا۔

ہمیں نماز میں لطف کیوں نہیں آتا؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں نماز میں لطف نہیں آتا، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے ہماری توجہ نہیں ہوتی۔ بھائی! لطف آئے یا نہ آئے، توجہ رہے یا نہ رہے کرتے جاؤ۔ رب تعالیٰ نے جو فریضہ مقرر کیا ہے جو کام ذمے لگایا ہے کرتے رہو کسی نہ کسی وقت دل کے تالے کھل جائیں گے۔ لطف بھی آئے گا توجہ بھی حاصل ہو جائے گی۔ تمھارا کام ہے وضو کرو اور وقت پر نماز پڑھو۔ نماز میں مختلف خیالات بھی آتے رہتے ہیں اور یہ مسئلہ میں کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا بے حد انعام و احسان ہے کہ جو وساوس اور خیالات آتے ہیں ان پر شرعاً کوئی گرفت نہیں ہے اگر گرفت ہوتی تو ہماری تمھاری کوئی خیر نہیں تھی۔ کوئی بندہ وساوس اور خیالات سے بچا ہوا نہیں ہے لیکن یہ ان وساوس اور خیالات کی بات ہے جو از خود آئیں بندہ قصداً نہ لائے۔ خود بخود

خیال آجانے سے نماز فاسد نہیں ہوگی البتہ بندے کو کوشش کرنی چاہیے کہ نماز میں خیال نہ آئے توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف رہے نفس نماز قبول ہو جائے گی۔ اور حسن قبول اس وقت ہوگا جب پوری توجہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے کہا ﴿ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ﴾ اے ابراہیم علیہ السلام ان باتوں سے اعراض کریں۔ آپ ان کی فکر نہ کریں لوط علیہ السلام بھی بچ جائیں گے اور جو مومن ہیں وہ بھی بچ جائیں گے ہم بخوبی جانتے ہیں کہ ان پر کوئی زد نہیں پڑے گی ﴿ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ تحقیق تیرے رب کا حکم آچکا ہے قوم لوط کی تباہی کا ﴿ وَ اِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ ﴾ اور بے شک ان لوگوں کے پاس آنے والا ہے ایسا عذاب جس کو لوٹایا نہیں جا سکتا۔ اس عذاب کا ذکر آئندہ آئے گا۔

﴿ وَ لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا ﴾ اور جب آئے ہمارے بھیجے ہوئے لوط علیہ السلام کے پاس ﴿ سِیْٓءَ بِهِمْ ﴾ پریشان کر دیئے گئے ان کی وجہ سے ﴿ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا ﴾ اور تنگ ہوا ان کی وجہ سے دل ان کا ﴿ وَّ قَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ﴾ اور فرمایا یہ دن بڑا مشکل ہے ﴿ وَ جَآءَهٗ قَوْمُهٗ ﴾ اور آئی ان کے پاس ان کی قوم ﴿ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ ﴾ دوڑتی ہوئی تیزی کے ساتھ ان کی طرف ﴿ وَ مِنْ قَبْلُ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ﴾ اور اس سے پہلے وہ بُرے عمل کرتے تھے ﴿ قَالَ یٰقَوْمِ ﴾ فرمایا اے میری قوم ﴿ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیْ ﴾ یہ میری بیٹیاں ہیں ﴿ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ ﴾ وہ تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ ہیں ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ پس تم ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿ وَ لَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ ﴾ اور مجھے رسوا نہ کرو میرے مہمانوں کے بارے میں ﴿ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ ﴾ کیا نہیں ہے تم میں کوئی سمجھ دار آدمی ﴿ قَالُوْا ﴾ کہنے لگے وہ ﴿ لَقَدْ عَلِمْتَ ﴾ البتہ تحقیق آپ جانتے ہیں ﴿ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ﴾ نہیں ہے ہمیں آپ کی بیٹیوں کے بارے میں کوئی شوق ﴿ وَ اِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ ﴾ اور بے شک آپ جانتے ہیں جو ہم ارادہ کرتے ہیں ﴿ قَالَ ﴾ فرمایا ﴿ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً ﴾ کاش مجھے تمھارے مقابلے میں قوت حاصل ہوتی ﴿ اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ ﴾ یا میں پناہ پکڑتا ایسے بازو کی طرف جو سخت ہو ﴿ قَالُوْا ﴾ بولے مہمان ﴿ یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ ﴾ اے لوط علیہ السلام بے شک ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں ﴿ لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْكَ ﴾ یہ ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے تجھ تک ﴿ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ ﴾ پس آپ چلیں اپنے اہل والوں کو لے کر ﴿ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ ﴾ رات کے حصے میں ﴿ وَ لَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ ﴾ اور نہ پلٹ کر دیکھے تم میں سے کوئی ایک ﴿ اِلَّا امْرَاَتَكَ ﴾ مگر آپ کی بیوی ﴿ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ پہنچے گا اس کو ﴿ مَاۤ اَصَابَهُمْ ﴾ وہ عذاب جو پہنچے گا ان کو ﴿ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ﴾ بے شک ان کے وعدے کا وقت صبح ہے

﴿اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ﴾ کیا صبح قریب نہیں ہے ﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا﴾ پس جس وقت آیا ہمارا حکم ﴿جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا﴾ کر دیا ہم نے ان کے اوپر والے حصے کو نیچے ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ مَّنْضُوْدٍ﴾ اور برسائے ہم نے ان پر پتھر کنکر کے کونے والے تہہ بہ تہہ (لگاتار) ﴿مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ﴾ نشان لگائے ہوئے تیرے رب کی طرف سے ﴿وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ﴾ اور نہیں ہے یہ ظالموں سے دور۔

فرشتوں کی آمد پر لوط علیہ السلام کا پریشان ہونا

یہ تم نے سنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے معزز مہمانوں کی شکل میں آئے۔ وہی فرشتے جو ابراہیم علیہ السلام کے پاس کوئی ساٹھ سال کا لگتا تھا، کوئی پچاس سال کا، کوئی چالیس سال کا، لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو نو عمر لڑکوں کی صورت میں۔ کوئی گیارہ سال کا، کوئی دس سال کا، کوئی بارہ سال کا، بڑے خوب صورت بچوں کی شکل میں۔

رب تعالیٰ اس کا ذکر فرماتے ہیں ﴿وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا﴾ اور جب آئے ہمارے بھیجے ہوئے لوط علیہ السلام کے پاس ﴿سِیْٓءَ بِهِمْ﴾ پریشان کر دیے گئے ان کی وجہ سے ﴿وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا﴾ اور تنگ ہوا ان کو دیکھنے کی وجہ سے دل ان کا ﴿وَّقَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ﴾ اور فرمایا یہ دن بڑا مشکل ہے۔ کیوں کہ قوم لونڈے باز تھی بلکہ بڑوں کو بھی نہیں چھوڑتے تھے۔ اس لیے لوط علیہ السلام پریشان ہوئے کہ جب قوم دیکھے گی کہ میرے گھر خوب صورت بچے آئے ہوئے ہیں تو وہ یقیناً بدمعاشی کے لیے آئے گی تو میری بڑی بے عزتی ہوگی کہ میرے مہمان ہیں۔ دن کا وقت تھا لوگ بھی دیکھ رہے تھے ایک دوسرے کو آوازیں دیں کہ بڑے خوب صورت لڑکے آئے ہوئے ہیں۔ ﴿وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ﴾ اور آئی لوط علیہ السلام کے پاس ان کی قوم ﴿یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ﴾ دوڑتی ہوئی تیزی کے ساتھ ان کی طرف۔ اور حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی بے جا نہیں تھی کیوں کہ ﴿وَمِنْ قَبْلُ﴾ اور اس سے پہلے ﴿كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ﴾ وہ بُرے کام کرتے تھے۔ اتنے بے حیا تھے کہ مجلس میں ایک دوسرے کے سامنے بدمعاشی کرتے تھے۔

سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۲۹ میں ہے ﴿وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ﴾ "اور تم کرتے ہو اپنی مجلسوں میں بری بات۔" اتنے بے حیا تھے۔ اور جب بندے میں حیا نہ ہو تو ایمان نہیں رہ سکتا۔ حدیث پاک میں آتا ہے: اَلْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ "حیا ایمان کا ایک حصہ ہے۔" "لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا حَیَاءَ لَهٗ" "اس آدمی کا ایمان نہیں ہے جس میں حیا نہیں ہے۔"

﴿قَالَ﴾ لوط علیہ السلام نے فرمایا ﴿یٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم! سب بدمعاش اکٹھے ہو کر آ گئے ہو ﴿هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ﴾ یہ میری بیٹیاں ہیں وہ تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ ہیں ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ﴾ اور مجھے رسوا نہ کرو میرے مہمانوں کے بارے میں۔ قوم کو برائی سے بچانے کے لیے اور مہمانوں کی تکریم کے لیے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے بیٹیوں کی پیش کش کر دی۔ ﴿هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ﴾ کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کی دو یا تین بیٹیاں تھیں بیٹا کوئی نہیں تھا تو یہ قربانی سرداروں کے سامنے پیش کی کہ تم جو قوم کے سردار ہو ایک ایک سردار میری بیٹی

کے ساتھ نکاح کر لے اور نکاح کے بعد اپنی قوم پر کنٹرول کر دتا کہ میرے مہمانوں کی عزت محفوظ رہے۔ بڑی قربانی ہے۔

ہجرت کے تیسرے سال تک کافروں کے ساتھ رشتہ ناتا جائز تھا

اب رہا یہ سوال کہ قوم تو کافر تھی ان کو رشتہ دینے کا کیا مطلب؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت مومن اور کافر کا رشتہ جائز تھا۔ خود حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی جس کا نام واعلہ تھا، کافرہ تھی اور اسلام میں بھی تقریباً سولہ سال تک یہی مسئلہ رہا ہے۔ تیرہ سال مکی زندگی اور تین سال مدنی زندگی میں کہ مومن اور کافر کا آپس میں نکاح جائز تھا۔ ہجرت کے تیسرے سال جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ "اور مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں ﴿وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ﴾ اور البتہ مومن لونڈی بہتر ہے مشرکہ عورت سے چاہے وہ تمھیں کتنی اچھی لگے ﴿وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا﴾ اور نہ نکاح کرو مسلمان عورتوں کا مشرکوں کے ساتھ یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں ﴿وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ﴾ اور البتہ مومن غلام ﴿خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ﴾ بہتر ہے مشرک سے ﴿وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ﴾ [البقرہ: ۲۲۱] چاہے وہ تمھیں اچھا معلوم ہو۔" تو مومن کافر کے رشتے والا حکم ہجرت کے تیسرے سال منسوخ ہوا۔

پیغمبر قوم کی باپ کی طرح اصلاح کرتا ہے

دوسری تفسیر یہ ہے کہ لوط علیہ السلام نے اپنی حقیقی بیٹیوں کی بات نہیں کی بلکہ قوم کی بیٹیوں کے متعلق فرمایا۔ کیوں کہ پیغمبر قوم کا روحانی باپ ہوتا ہے اس لیے فرمایا کہ یہ قوم کی جو بیٹیاں ہیں میری ہی بیٹیاں ہیں جائز طریقے سے ان کے ساتھ نکاح کر واور اپنی خواہش کو پورا کرو۔ تو روحانی باپ کی حیثیت سے یہ بات فرمائی۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو یہودیوں نے گھیر لیا۔ کہنے لگے تمھارا نبی بھی کیسا ہے کہ تمھیں بتلاتا ہے کہ پیشاب ایسے کرو، پاخانہ اس طرح کرو، یہ کرو، وہ کرو بھلا یہ باتیں بتلانے کی ہیں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ معمر صحابی تھے۔ صحیح قول کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کو اڑھائی سو سال عمر عطا فرمائی تھی۔ ان کی صحت بڑی اچھی تھی دیکھنے والا یہی سمجھتا کہ ساٹھ پینسٹھ سال کے پیٹے میں ہوں گے۔ انھوں نے یہودیوں کو خوب سنائیں۔ فرمایا ہاں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتلایا ہے کہ پیشاب بائیں ہاتھ سے خشک کرنا ہے، شرم گاہ کو دایاں ہاتھ نہیں لگانا، استنجا کوئلے اور لید کے ساتھ نہیں کرنا، گوبر اور ہڈی کے ساتھ نہیں کرنا اور جس وقت قضائے حاجت کے لیے بیٹھنا ہے تو قبلے کی طرف منہ نہیں کرنا اور قبلے کی طرف پیٹھ بھی نہیں کرنی۔ یہ چیزیں ہمیں پیغمبر نے بتلائی ہیں۔ ان میں کون سا کام گناہ کا ہے؟ حضرت نے ان کو خوب لتاڑا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ کہنے لگے حضرت! آج یہودیوں نے مجھ پر یہ اعتراض کیا تھا میں نے اس کا یہ یہ جواب دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جواب ٹھیک ہے ((اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ بِمِثْلِ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ)) "بے شک میں اُمت کے لیے ایسے ہی ہوں جیسے باپ اولاد کے لیے ہوتا ہے۔"

تو حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا مجھے مہمانوں کے بارے میں رسوانہ کرو ﴿اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ﴾ کیا نہیں ہے تم میں کوئی سمجھ دار آدمی جو بات کو سمجھ لے۔ اب قوم کا جواب سنو! ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے وہ ﴿لَقَدْ عَلِمْتَ﴾ البتہ تحقیق آپ جانتے ہیں ﴿مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ﴾ نہیں ہے ہمیں آپ کی بیٹیوں کے بارے میں کوئی شوق، کوئی رغبت نہیں ہے ﴿وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ﴾ اور بے شک آپ البتہ جانتے ہیں جو ہم چاہتے ہیں جو ہمارا ارادہ ہے۔ ہم نے اپنا ارادہ پورا کرنا ہے لڑکیاں پیش کر کے ہمارے ارادے میں رکاوٹ ڈالتے ہو۔ اس موقع پر ﴿قَالَ﴾ فرمایا حضرت لوط علیہ السلام نے ﴿لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً﴾ کاش کہ مجھے تمھارے مقابلے میں قوت حاصل ہوتی تو میں تمھیں بتلاتا کہ تم بدمعاشی کس طرح کرتے ہو۔

بدمعاشیاں صرف وعظوں سے ختم نہیں ہوتیں

اور یاد رکھنا! بدمعاشیاں، خرابیاں، گناہ نرے وعظوں سے ختم نہیں ہوتے ان کے ختم کرنے کے لیے قوت بھی چاہیے۔ جیسے: طالبان کو رب تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کرے وہ طاقت ہمیں بھی پاکستان میں حاصل ہو جائے۔ محض وعظ تو ساٹھ سالوں سے میں بھی کر رہا ہوں لیکن معاشرے نے اس کا کتنا اثر لیا ہے؟ کتنے عامل بنے ہیں؟ وہاں جا کر دیکھو ان کو شکلیں اور صورتیں اسلام کے مطابق ہیں اور تم بھی وہاں ڈاڑھی کے بغیر جا کر دیکھو تمھارا کیا حشر ہوتا ہے۔ پہلے قدم پر ہی تمھیں گرفتار کر لیں گے۔ لیکن تم ہو کہ ایک کان سے سنتے ہو اور دوسرے سے نکال دیتے ہو۔ حق کے نفاذ کے لیے قوت بھی چاہیے۔ فرمایا ﴿اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ﴾ یا میں پناہ پکڑتا ایسے بازو کی طرف جو سخت ہو، ایسے گروہ کی طرف جو قوی ہوتا۔ کاش! میرا بھی کوئی معاون گروہ ہوتا تو میں تمھیں بتلاتا کہ تم کس طرح بدمعاشی کرتے ہو۔

اہل بدعت کی تردید

اب دیکھو! اہل بدعت کہتے ہیں کہ پیغمبر ہر جگہ حاضر و ناظر بھی ہیں اور عالم الغیب بھی۔ اگر حضرت لوط علیہ السلام عالم الغیب ہوتے اور جانتے ہوتے کہ یہ فرشتے ہیں تو اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت تھی اور اتنی منتیں اور بیٹیاں قربان کرنے کی کیا ضرورت تھی اور اگر حاضر و ناظر ہوتے تو سمجھ جاتے کہ یہ وہی فرشتے ہیں جو تایا جی ابراہیم علیہ السلام کے پاس بیٹھے تھے۔ لہٰذا یاد رکھنا! عالم الغیب اور حاضر و ناظر کا عقیدہ نبیوں اور ولیوں کے بارے میں کافرانہ اور مشرکانہ ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام جب قوم کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے فرشتے سن رہے تھے۔ جب دیکھا کہ پیغمبر کی پریشانی انتہا کو پہنچ گئی ہے ﴿قَالُوْا﴾ فرشتے بولے ﴿یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ﴾ اے لوط علیہ السلام! بے شک ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں ﴿لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْكَ﴾ یہ ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے آپ تک ﴿فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ﴾ پس آپ چلیں اپنے اہل والوں کو لے کر ﴿بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ﴾ رات کے حصے میں۔ کہتے ہیں کہ یہ مہمان جب آئے تھے تو ظہر کا وقت تھا بعض کہتے ہیں عصر کا وقت تھا۔ بحث و تکرار میں کافی وقت گزر گیا جب رات آئی تو فرشتوں نے کہا آپ اپنے اہل کو جو تیرے ماننے والے ہیں ساتھ لے کر چلے جائیں۔ ﴿وَلَا

﴿يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ﴾ اور نہ پلٹ کر دیکھے تم میں سے کوئی ایک ﴿اِلَّا امْرَاَتَكَ﴾ مگر آپ کی بیوی کہ اس کو نہیں لے جانا۔ وہ کفر میں سخت تھی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ دو یا تین بیٹیاں تھیں اُنھوں نے ماں کی بات نہیں مانی وہ باپ کے عقیدے پر تھیں۔ فرمایا ﴿اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ پہنچے گا اس کو وہ عذاب جو پہنچے گا اس قوم کو۔ جو عذاب آپ کی قوم پر آئے گا وہ آپ کی بیوی پر بھی آئے گا۔ کب آئے گا؟ ﴿اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ﴾ بے شک اُن کے وعدے کا وقت صبح ہے۔ یہ وقت اللہ تعالیٰ اس لیے دے رہے ہیں کہ آپ یہاں سے چلے جائیں کیوں کہ سارے علاقے کو الٹا کر دینا ہے۔ جب تم یہاں سے چلے جاؤ گے پھر کارروائی ہوگی ﴿اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ﴾ کیا صبح قریب نہیں ہے؟

قوم لوط پر چار قسم کے عذاب آئے

اس قوم پر چار قسم کے عذاب آئے ہیں اور چاروں قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ پہلا عذاب: ﴿فَطَمَسْنَاۤ اَعْيُنَهُمْ﴾ [قمر: ۳۷] "پس مٹا دیں ہم نے ان کی آنکھیں۔" فرشتوں کو چھیڑنے کے لیے آگے بڑھے اللہ تعالیٰ نے ساری قوم کو اندھا کر دیا۔ دوسرا عذاب اسی مقام پر مذکور ہے "اور برسائے ہم نے ان پر پتھر کونے والے تہہ بہ تہہ۔"

تیسرے عذاب کا ذکر سورۃ الحجر آیت نمبر ۷۳ میں ہے ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ﴾ "پس پکڑا ان کو ایک چیخ نے سورج نکلتے وقت۔" حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک ڈراؤنی آواز نکالی جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے۔

اور چوتھا عذاب: ﴿جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا﴾ "کر دیا ہم نے ان کے اوپر والے حصے کو نیچے۔" حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وہ دس میل کا علاقہ اپنے پَر پر اُٹھا کر پھینک دیا۔

آج کل کے جغرافیہ میں اس کا نام بحرِ میت ہے۔ چھ میل کے علاقہ میں پانی ہے اس میں کوئی بھی جان دار چیز نہیں ہے حالاں کہ تھوڑا سا پانی بھی ہو اس میں کیڑے مکوڑے، مینڈک، مچھلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مگر وہاں کوئی شے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا﴾ پس جس وقت آیا ہمارا حکم ﴿جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا﴾ کر دیا ہم نے ان کے اوپر والے حصے کو نیچے۔ زمین کے بالائی حصے کو نچلا کر دیا۔ نیچے والے کو اوپر اور اوپر والے کو نیچے ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ﴾ اور برسائے ہم نے ان پر پتھر کنکر کے کونے والے تہہ بہ تہہ ﴿مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ﴾ نشان لگائے ہوئے تیرے رب کی طرف سے ﴿وَمَا هِيَ﴾، ﴿هِيَ﴾ کی ضمیر اس علاقے کی طرف لوٹ رہی ہے ﴿مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ﴾ اور نہیں ہے وہ علاقہ ان مکے والے ظالموں سے دور۔ کیوں کہ جب یہ تجارت کے لیے شام جاتے تھے تو وہاں سے گزر کر جاتے تھے۔

اور دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ ﴿هِيَ﴾ کی ضمیر راجع ہے پتھروں کی طرف۔ تو معنیٰ ہوگا کہ اور نہیں ہیں وہ پتھر ان مکے والے ظالموں سے دور۔ جیسے ان پر پتھر برسائے گئے ان پر بھی برس سکتے ہیں۔ وہ قادرِ مطلق ذات ہے جو چاہے کرے، پتھر برسائے، ہوا تیز کر دے، پانی کا سیلاب بھیج دے، زلزلہ طاری کر دے، آسمانی بجلی گرا دے۔ کل، پرسوں کے اخبار میں

پڑھا ہے ہندوستان میں واجپائی کے جلسہ میں آسمانی بجلی گری جس سے اکیس بائیس آدمی موقع پر مر گئے بہت سارے زخمی ہوئے، جلسہ درہم برہم ہوگیا۔ یہ سارا کچھ دیکھ کر بھی ان لوگوں پر کچھ اثر نہیں ہوا۔

کہلاتے مسلمان ہیں کرتے خلاف قرآن ہیں

ترکی میں دیکھو! مسلمان کہلانے والے بے ایمانوں نے پردے پر باقاعدہ پابندی لگائی ہے۔ جن علاقوں میں یہ خبیث رہتے ہیں وہاں زلزلے آتے ہیں۔ رب تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ ہو رہی ہے مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً لوگوں کو آگاہ کرتے رہتے ہیں مگر لوگ آگاہ نہیں ہوتے۔ دیکھو! کہلاتے مسلمان ہیں اور حکم قرآن کریم کے خلاف دیتے ہیں۔ پردے کے متعلق سورت احزاب آیت نمبر ۵۹ میں واضح حکم ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ "اے نبی کریم ﷺ! آپ کہہ دیں اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مومنوں کی عورتوں سے کہ وہ نیچے لٹکا لیا کریں اپنی چادریں۔" مطلب یہ ہے کہ پردہ کریں۔ کتنا واضح حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ ان بے ایمانوں کو تباہ کرے۔ مسلمان کہلاتے ہیں اور قرآن کریم کی مخالفت کرتے ہیں۔ تو فرمایا کہ وہ پتھر ان ظالموں سے بھی دور نہیں۔ رب چاہے تو ان پر بھی برسا سکتا ہے۔

﴿وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا﴾ اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو (ہم نے رسول بنا کر بھیجا) ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ نہیں ہے تمھارے لیے کوئی معبود اس کے سوا ﴿وَ لَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَ الْمِيْزَانَ﴾ اور نہ کمی کرو ماپ اور تول میں ﴿اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ﴾ بے شک میں دیکھتا تم کو خیر کے ساتھ ﴿وَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ﴾ اور بے شک میں خوف کرتا ہوں تم پر ﴿عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ﴾ گھیرنے والے دن کے عذاب کا ﴿وَ يٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ اور اے میری قوم پورا کرو ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ ﴿وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ﴾ اور کم نہ دو لوگوں کو ان کی چیزیں ﴿وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ اور نہ پھرو زمین میں فساد مچاتے ہوئے ﴿بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ کا چھوڑا ہوا بہتر ہے تمھارے لیے ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اگر ہو تم مومن ﴿وَ مَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ﴾ اور نہیں ہوں میں تم پر کوئی نگران ﴿قَالُوْا﴾ کہا انھوں نے ﴿يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ﴾ اے شعیب علیہ السلام کیا تیری نماز تجھے یہ حکم دیتی ہے ﴿اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ﴾ تاکہ ہم چھوڑ دیں ان کو جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا ﴿اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا﴾ یا یہ کہ ہم کریں اپنے مالوں میں ﴿مَا نَشٰٓؤُا﴾ جو ہم چاہیں ﴿اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ﴾ بے شک آپ

تحمل کرنے والے سمجھ دار ہیں۔

جن قوموں کو اللہ تعالیٰ نے نافرمانی کے وجہ سے تباہ کیا ان میں سے چند کا ذکر تم سن چکے ہو۔ جیسے نوح علیہ السلام کی قوم، حضرت ہود علیہ السلام کی قوم، حضرت صالح علیہ السلام کی قوم، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کہ یہ قومیں نافرمانی، بغاوت اور سرکشی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔اب آگے نمبر آیا قوم مدین کا۔

قومِ مدین کے حالات

یہ مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا نام ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا ذکر تو قرآن پاک میں ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام جو بڑے تھے اور قربانی بھی انھی کی تھی اور دوسرے حضرت اسحاق علیہ السلام یہ چھوٹے تھے اور ان کے بیٹے تھے حضرت یعقوب علیہ السلام جن کا لقب اسرائیل تھا اور ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ ان کی نسل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک چار ہزار پیغمبر تشریف لائے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔لیکن تورات اور تاریخ کی کتابوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین اور بیٹوں کا بھی ذکر ہے، حضرت مدین، حضرت مدائن اور حضرت قیدار رحمہم اللہ تعالیٰ۔ جو حضرت مدین کی اولاد ہے وہ قوم مدین کہلاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا﴾ اور مدین قوم کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو ہم نے رسول بنا کر بھیجا۔ بھائی اس لیے کہا کہ وہ اسی قوم کے ایک فرد اور اسی شہر کے رہنے والے تھے جس کا نام مدین تھا۔ جیسے سننے میں آتا ہے کہ گکھڑ کسی قوم کا نام تھا اس قوم کے نام پر یہ گکھڑ مشہور ہو گیا۔ اسی طرح مدین شہر کا نام بھی تھا اور قوم کا نام بھی اور ان کو اصحاب الایکہ بھی کہا گیا ہے۔ کیوں کہ مدین شہر کے حدود اربعہ میں جنگلات تھے درمیان میں یہ بہت بڑا وسیع شہر تھا یعنی وہ لوگ جو جنگلات میں رہتے ہیں۔ اس دور میں مدین بین الاقوامی منڈی تھی۔ لوگ دور دراز سے آکر وہاں سودا بیچتے اور خریدتے تھے.

خطیب الانبیاء حضرت شعیب علیہ السلام اپنے دور میں بڑے فصیح اور بلیغ تھے اور نماز بڑی دل جمعی کے ساتھ پڑھتے تھے۔

نماز اطمینان کے ساتھ پڑھنی چاہیے

اسی صفحے پر آ رہا ہے کہ لوگوں نے اطمینان کے ساتھ نماز پڑھنے کا طعنہ بھی دیا اور یاد رکھنا! نماز صحیح معنیٰ میں وہی نماز ہے جس میں رکوع، قومہ، سجدہ اور جلسہ وغیرہ اطمینان کے ساتھ ہوں۔ کئی دفعہ سن چکے ہو کہ صحابی رسول حضرت خلّاد بن رافع رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جلدی جلدی نماز پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا: صَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ "پھر نماز پڑھ تیری نماز نہیں ہوئی۔" انھوں نے دوبارہ اسی طرح پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز پڑھ تیری نماز نہیں ہوئی۔ وہ تیسری دفعہ پھر پڑھ کر آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ "پھر نماز پڑھ تیری نماز نہیں ہوئی۔" کہنے لگے حضرت! میرے ماں باپ آپ پر قربان مجھے جو ڈھنگ اور طریقہ آتا تھا میں نے اس طرح پڑھی ہے اب آپ مجھے

بتائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہایت اطمینان کے ساتھ رکوع کر، سر اٹھا، اطمینان کے ساتھ قومہ کر، اطمینان کے ساتھ سجدہ کر، اطمینان کے ساتھ جلسہ کر غرضیکہ اطمینان کے ساتھ نماز پڑھنے کا طریقہ بتلایا۔

عجیب بات ہے کہ صحابی رسول کی نماز جلدی جلدی پڑھنے سے مسجد نبوی میں نہ ہو جہاں ایک نماز پڑھنے کا ثواب صحیح روایات کے مطابق ایک ہزار نماز کے برابر ہے اور مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے ثواب کے برابر ملتا ہے بشرطے کہ نماز ہو۔ تو بغیر اطمینان کے نماز پڑھنے سے ہماری تمھاری نماز کس طرح ہو جائے گی۔

﴿قَالَ﴾ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمھارے لیے کوئی معبود اس کے سوا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی عبادت کے لائق ہے نہ کوئی مشکل کشا ہے، نہ کوئی حاجت روا ہے، نہ کوئی فریاد رس ہے، نہ کوئی دستگیر ہے، نہ کوئی مقنن قانون ساز ہے، مخلوق بھی اسی کی، حکم بھی اسی کا، جو کچھ کرتا ہے رب کرتا ہے رب تعالیٰ کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

قوم مدین شرک کے علاوہ ناپ تول کی کمی میں مبتلا تھی

بہر حال مدین چوں کہ مشہور اور بڑی منڈی تھی وہاں بڑا وسیع کاروبار ہوتا تھا لوگ دور دراز سے آتے اناج وغیرہ خریدتے اور بیچتے تھے۔ ان لوگوں نے ڈبل (دو طرح کے) پیمانے اور باٹ بنائے ہوئے تھے۔ لیتے وقت اور پیمانہ اور باٹ ہوتا اور دیتے وقت اور پیمانہ اور باٹ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے تنقید کی۔ فرمایا ﴿وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ﴾ مکیال کا معنیٰ پیمانہ اور میزان کا معنیٰ ترازو۔ معنیٰ ہوگا اور نہ کمی کرو ماپ اور تول میں۔ اور مکیال اور میزان مصدر بھی آتے ہیں۔ پھر مکیال کا معنیٰ ہوگا ناپنا اور میزان کا معنیٰ ہوگا تولنا۔ تو مطلب بنے گا ناپنے اور تولنے میں کمی نہ کرو۔

﴿اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ﴾ بے شک میں دیکھتا تم کو خیر وعافیت کے ساتھ کہ آدمی کمزور وغریب ہو وہ داؤ فریب کرے تو آدمی کہتا ہے چلو کمزور اور غریب آدمی تھا اس لیے داؤ لگایا۔ تم صاحبِ حیثیت ہو وسیع پیمانے پر تمھارا کاروبار ہے پھر تم ایسی خساست کرتے ہو کہ لیتے وقت پورا لیتے ہو اور دیتے وقت کمی کرتے ہو۔ اچھے بھلے آسودہ حال ہوتے ہوئے ایسی حرکت کرتے ہو ﴿وَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ﴾ اور بے شک میں تم پر خوف کرتا ہوں گھیرنے والے دن کے عذاب کا۔ جس دن کا عذاب تم سب کو گھیر لے گا اور مجرموں میں سے کوئی بچے گا نہیں ﴿وَيٰقَوْمِ﴾ اور اے میری قوم! ﴿اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ پورا کرو ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ ﴿وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ﴾ اور کم نہ دو لوگوں کو ان کی چیزیں۔ جتنی چیز کی ان سے رقم لی ہے اتنی ہی چیز ان کو دو ڈنڈی نہ مارو۔ مثلاً: رقم تولی ہے ایک سیر کی اور دو اس کو تین پاؤ چودہ چھٹانک۔ اس طرح نہ کرو پوری چیز دو۔

مسئلہ اچھی طرح سمجھ لو کہ بیع نام ہے ایجاب وقبول کا۔ مثلاً: ایک آدمی نے کہا کہ میں تمھیں یہ چیز ایک سیر ایک

روپے کی دوں گا اور لینے والے نے کہا ٹھیک ہے مجھے قبول ہے تو یہ بیع ہو گئی۔ روپیہ بیچنے والے کا اور وہ چیز ایک سیر خریدنے والے کی ہو گئی۔ اب اگر دینے والا وہ چیز پوری سیر نہیں دیتا تو اس نے اس کا حق مارا ہے۔ اور حق العبد وہ چیز ہے کہ کروڑ مرتبہ توبہ کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتا جب تک صاحبِ حق خود نہ معاف کرے۔ اسی طرح باٹ کی بجائے پیمانے کے ساتھ کوئی چیز بیچتا ہے کہ مثلاً: کہتا ہے کہ ایک ٹوپہ پانچ روپے کا دوں گا اور خریدنے والا کہتا ہے ٹھیک ہے! اور یہ پورا ٹوپہ نہیں دیتا تو اس نے اُس کا حق مارا ہے جس کی معافی نہیں ہے۔

یا جس چیز کا سودا کیا ہے وہ نہیں دیتا مثلاً: سودا ہوا کہ فلاں چیز جس کی نوع یہ ہو گی جنس وہ ہو گی رنگ یہ ہو گا اور اب یہ اس کو اس نوع یا اس جنس یا اس رنگ کی چیز نہیں دیتا تو اس نے اس کا حق مارا ہے، اس کے ساتھ دھوکا کیا ہے اور اس کی کمائی حلال کی نہیں ہو گی۔ جو جنس اور جو نوع اور رنگ کہا ہے اس کے مطابق ہونی چاہیے اگر ہیرا پھیری کرے گا تو کمائی حرام ہو جائے گی۔ اور آج جو حالات ہیں وہ سب کے سامنے ہیں۔ سارے کا سارا معاشرہ ہی بگڑا ہوا ہے۔ الا ماشاء اللہ بہت کم لوگ ہیں جو دیانت داری کے ساتھ خرید و فروخت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح طریقے سے ہم سے نیکی نہیں ہوتی کیوں کہ خوراک کا بھی انسان کی نیکی پر اثر پڑتا ہے۔

ایک لقمہ حرام کا کھانے سے چالیس دن دعا قبول نہیں ہوتی

اور کئی دفعہ تم یہ حدیث سن چکے ہو کہ حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ ایک لقمہ حرام کا کھا لے تو چالیس دن دعا کی قبولیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ ہمارا تو خیر سے پیٹ ہی حرام سے بھرا ہوا ہے۔ اور مسلم وغیرہ میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ دور دراز سے حج کے لیے جاتے ہیں۔ سر پراگندہ، پاؤں غبار آلود ہوتے ہیں، تکالیف اٹھا کر کعبۃ اللہ پہنچتے ہیں، کعبے کا طواف کرتے ہیں، غلاف پکڑ کے دعائیں کرتے ہیں یا رب! یا رب! میرے گناہ معاف کر دے اور حال یہ ہے کہ مَاْ کَلُہٗ حَرَامٌ وَ مَشْرَبُہٗ حَرَامٌ وَ مَلْبَسُہٗ حَرَامٌ " کھانا اس کا حرام کا، پینا اس کا حرام کا، کپڑے اس کے حرام کے، فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لَہٗ پس کہاں سے اس کی دعا قبول ہو گی۔" یاد رکھنا! رزق حلال سے نیکی پر اثر پڑتا ہے۔

ان میں ایک خرابی اور بھی تھی جس کی تفصیل یہاں نہیں ہے۔ آٹھویں پارے میں اس کی تفصیل ہے کہ ان کے اردگرد جو جنگلات تھے ان میں ڈاکو رہتے تھے اور تاجروں میں ان کے ایجنٹ ہوتے تھے جو ان کو اطلاع کرتے تھے کہ کون سے قافلے والوں نے سونا، چاندی اور قیمتی سامان خریدا ہے۔ وہ ڈاکو قافلوں کو لوٹ لیتے تھے باہر سے آنے والوں کو بھی لوٹ لیتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا ﴿وَلَا تَقْعُدُوْا بِکُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ﴾ [الاعراف:۸۶] "اور نہ بیٹھو ہر راستے پر کہ ڈراتے ہو تم لوگوں کو۔" ڈاکے ڈالتے ہو اس طرح نہ کرو۔ وسیع جنگلات تھے لوٹ کر جنگلات میں چلے جاتے تھے

کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا تھا ڈاکے بھی ڈالتے تھے اور ساتھ ساتھ حضرت شعیب علیہ السلام کی مخالفت بھی کرتے تھے۔ لوگوں کو کہتے تھے وہاں ایک بابا ہوگا اس حلیہ کا، اس شکل کا، اس کے پاس نہ جانا۔ فرمایا ﴿وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ "اور روکتے ہو اللہ تعالیٰ کے راستے سے۔"

حضرت شعیب علیہ السلام کے معجزے کا ذکر

حضرت شعیب علیہ السلام خطیب الانبیاء تھے۔ بڑے فصیح اور بلیغ تھے اور پھر پیغمبر کی زبان تو پیغمبر کی زبان ہے لیکن ضدی نہ ماننے والے کا کوئی علاج نہیں ہے۔ "بدائع الظہور فی وقائع الدھور" نایاب تھی اب مردان کے ایک کتب خانے والوں نے طبع کروائی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو کہا کہ آپ کہتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے تو ہمیں کوئی نشانی دکھاؤ۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ تم کون سی نشانی چاہتے ہو؟ کہنے لگے کہ ہم جن بتوں کی پوجا کرتے ہیں یہ بول کر تیری اور تیرے دعوے کی تصدیق کریں تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا آؤ چلیں تمھارے بتوں کے پاس۔ وہاں جا کر حضرت شعیب علیہ السلام نے بتوں سے دو سوال کیے مَنْ رَّبُّكَ تمھارا رب کون ہے؟ وَمَنْ اَنَا اور میں کون ہوں؟ بتوں نے جواب دیا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اور ساری مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ زمین کو، آسمانوں کو، انسانوں کو، حیوانوں کو پیدا کیا ہے۔ ہم پتھر اور لکڑی ہیں ہمیں بھی پیدا کرنے والا وہی ہے وَاَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَنَبِيُّهٗ اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبی ہیں۔ قوم نے کہا کہ بڑا جادوگر ہے بتوں پر بھی اس کا جادو چل گیا اور ایک آدمی بھی ایمان نہ لایا۔ اب اس کا بھی دنیا میں کوئی علاج ہے؟

﴿وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ اور نہ پھرو زمین میں فساد مچاتے ہوئے۔ نہ ڈاکے ڈالو اور نہ کمی کر کے لوگوں کو لوٹو ﴿بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کا چھوڑا ہوا بہتر ہے تمھارے لیے اگر ہو تم مومن۔ لوگوں کا حق دے کر جو باقی تمھارے پاس رہے اس میں برکت ہے۔ اور یاد رکھو! ﴿وَمَا اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ﴾ اور نہیں ہوں میں تم پر کوئی نگران کہ ہر وقت تمھیں دیکھتا رہوں کہ تم کون سے پیمانے اور ترازو سے لیتے ہو اور کون سے پیمانے اور ترازو سے دیتے ہو۔ یہ رب تعالیٰ کا معاملہ ہے وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ ﴿قَالُوْا يٰشُعَيْبُ﴾ ان لوگوں نے کہا اے شعیب علیہ السلام! ﴿اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ﴾ کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے ﴿اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا﴾ کہ ہم چھوڑ دیں ان کو جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا۔ یہ لمبی لمبی جو اطمینان کے ساتھ تم نماز پڑھتے ہو یہ تمھیں حکم دیتی ہے کہ ہم باپ دادا کا طریقہ چھوڑ دیں۔ نماز کا طعنہ دیا ﴿اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا﴾ یا یہ کہ ہم کریں اپنے مالوں میں جو ہم چاہیں۔ مال ہمارے ہیں یا تمھارے ہیں؟ آگے استہزاء کے طور پر کہا ﴿اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ﴾ بے شک آپ تحمل کرنے والے سمجھ دار ہیں۔

تمام مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ استہزاء ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی کمزور آدمی کو کہے آؤ پہلوان جی! تم تو پھونک مار

کر کراچی کے سمندر میں پھینک دو یا کسی شرارتی آدمی کو کوئی کہے آؤ حضرت جی! یہ شرارتی آدمی کو حضرت کہنا مذاق ہے۔ اور کمزور کو پہلوان کہنا بھی مذاق ہے۔ اسی طرح انھوں نے بھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سے مذاق کیا۔

﴿قَالَ يٰقَوْمِ﴾ فرمایا شعیب علیہ السلام نے اے میری قوم ﴿اَرَءَيْتُمْ﴾ بتلاؤ ﴿اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ﴾ اگر ہوں میں واضح دلیل پر اپنے رب کی طرف سے ﴿وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا﴾ اور اس اللہ نے مجھے روزی دی اپنی طرف سے اچھی روزی ﴿وَمَآ اُرِيْدُ﴾ اور میں نہیں ارادہ کرتا ﴿اَنْ اُخَالِفَكُمْ﴾ اس بات کا کہ میں مخالفت کروں تمہاری ﴿اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ﴾ ان چیزوں کی طرف جن سے میں تمھیں منع کرتا ہوں ﴿اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ﴾ نہیں ارادہ کرتا میں مگر اصلاح کا ﴿مَا اسْتَطَعْتُ﴾ جتنی میں توفیق رکھتا ہوں ﴿وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ اور نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ ﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ﴾ اسی پر میں نے بھروسا کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں ﴿وَيٰقَوْمِ﴾ اور اے میری قوم ﴿لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ﴾ نہ برانگیختہ کرے تمھیں میرے ساتھ اختلاف رکھنا ﴿اَنْ يُّصِيْبَكُمْ﴾ اس بات پر کہ پہنچے تمھیں ﴿مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ﴾ اس کے مثل جو پہنچا نوح علیہ السلام کی قوم کو ﴿اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ﴾ یا ہود علیہ السلام کی قوم کو ﴿اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ﴾ یا صالح علیہ السلام کی قوم کو ﴿وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ﴾ اور نہیں ہے لوط علیہ السلام کی قوم تم سے دور ﴿وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ﴾ اور معافی مانگو اپنے رب سے ﴿ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ﴾ پھر اس کی طرف رجوع کرو ﴿اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ﴾ بے شک میرا رب مہربان ہے محبت کرنے والا ہے ﴿قَالُوْا يٰشُعَيْبُ﴾ کہنے لگے اے شعیب علیہ السلام ﴿مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ﴾ ہم نہیں سمجھتے بہت سی وہ باتیں جو تم کرتے ہو ﴿وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا﴾ اور بے شک البتہ ہم دیکھتے ہیں تجھے اپنے اندر کمزور ﴿وَلَوْلَا رَهْطُكَ﴾ اور اگر نہ ہوتی تیری برادری ﴿لَرَجَمْنٰكَ﴾ تو ہم تجھے سنگسار کر دیتے ﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ﴾ اور نہیں ہے تو ہمیں کوئی پیارا ﴿قَالَ يٰقَوْمِ﴾ فرمایا شعیب علیہ السلام نے اے میری قوم ﴿اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ کیا میری برادری تمھیں زیادہ عزیز ہے اللہ تعالیٰ سے ﴿وَاتَّخَذْتُمُوْهُ﴾ اور بنالیا ہے تم نے اللہ تعالیٰ کو ﴿وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا﴾ اپنی پشتوں کے پیچھے ﴿اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ﴾ بے شک میرا رب جو تم عمل کرتے ہو گھیرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبروں کی تبلیغ اور دین کی نشر و اشاعت کا ذکر اور نافرمان قوموں کی تباہی اور بربادی کا ذکر مسلسل چلا آرہا ہے۔ اسی سلسلے میں شعیب علیہ السلام کے متعلق کچھ بیان ہوا تھا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کے سامنے اُصولی طور

پر تین باتیں رکھی تھیں۔

پہلی بات کہ عبادت اللہ تعالیٰ کی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ دوسری بات کہ ناپ تول میں کمی نہ کرو اور تیسری بات زمین میں فساد نہ مچاؤ۔ ساری باتیں سچی اور حق تھیں مگر قوم نے مذاق اڑایا ﴿لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ﴾ کہہ کر کہ تو بڑا تحمل کرنے والا سمجھ دار آدمی ہے۔ یہ ان کا پیغمبر کو کہنا ایسے ہی تھا جیسے میں نے کہا تھا کہ کسی کمزور آدمی کو کہیں آؤ پہلوان جی ! یا شرارتی آدمی کو کہیں حضرت صاحب تشریف رکھو۔ یہ ان کے ساتھ مذاق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قَالَ﴾ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا ﴿یٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم ﴿اَرَءَیْتُمْ﴾ بتلاؤ ﴿اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ﴾ اگر ہوں میں واضح دلیل پر اپنے رب کی طرف سے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ میں تمھیں توحید کا سبق دیتا ہوں اور یہ فطری چیز ہے اور تمھیں سمجھ نہیں آتی۔ پھر تم نے مطالبہ کیا کہ یہ ہمارے بت بولیں اور تیرا اقرار کریں کہ جو کچھ شعیب علیہ السلام کہہ رہے ہیں حق اور سچ ہے۔ تو بدائع الظہور کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے بتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا مَنْ رَّبُّكُمْ وَ مَنْ اَنَا "تمھارا رب کون ہے اور میں کون ہوں؟" بتوں نے بول کر کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے جو ساری کائنات کا خالق ہے۔ وَ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ نَبِیُّهٗ "اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبی ہیں۔" اتنی واضح دلیل بھی میں تم کو دے چکا ہوں مگر تم ہو کہ ضد پر اڑے ہوئے ہو۔

﴿وَ رَزَقَنِیْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا﴾ اور اس اللہ نے مجھے روزی دی ہے اپنی طرف سے اچھی روزی۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت اور رسالت کا رزق عطا فرمایا ہے۔ یعنی رزق سے مراد روحانی رزق ہے۔ اور یہ مفہوم بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی دو بیٹیاں تھیں بیٹا کوئی نہیں تھا۔ بھیڑ بکریاں رکھی ہوئی تھیں خود بوڑھے تھے بیٹیاں ہی بھیڑ بکریاں چراتی تھیں ان کا دودھ پی کر گزارا کر لیتے تھے۔ لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو کہا کہ ہماری بات مان لو تو تم بھی ایسے ہی کھلا کھاؤ پیو گے جس طرح ہم کھاتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی طرف سے اچھا رزق عطا فرمایا ہے حلال وطیب، جس سے میرا گزارا چل رہا ہے۔ ﴿وَ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ﴾ اور میں نہیں ارادہ کرتا یہ کہ تمھاری مخالفت کروں ﴿اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ﴾ ان چیزوں کی طرف جن سے میں تمھیں منع کرتا ہوں۔ وہ میں خود بھی نہیں کرتا ایسا نہیں ہے کہ تمھیں تو ان سے منع کروں اور خود کروں تاکہ تم کہو کہ کہتا کیا ہے اور کرتا کیا ہے۔

کامل جو کہتے ہیں وہی کچھ کرتے ہیں

مثلاً: میں تمھیں کہتا ہوں کہ رب تعالیٰ کا شریک نہ بناؤ اور خود بھی کسی کو اس کا شریک نہیں بناتا۔ تمھیں کہتا ہوں کہ رب تعالیٰ کی عبادت کرو خود بھی اس کی عبادت کرتا ہوں۔ تمھیں کہتا ہوں کہ پورا ناپ تول کرو ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میرے پاس ناپ تول والی کوئی شے ہی نہیں ہے اور اگر کسی وقت ناپ تول کر دیتا بھی ہوں تو پورے ناپ تول

کے ساتھ دیتا ہوں اور کسی قسم کے فساد کا قائل نہیں ہوں۔ تو جو باتیں میں تمھیں کہتا ہوں خود بھی اس کا پابند ہوں ﴿اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ﴾ نہیں ارادہ کرتا مگر اصلاح کا جتنی میں توفیق رکھتا ہوں۔

اصلاح بین الناس بڑی چیز ہے۔ لوگوں کی خدمت کرنا، اتحاد و اتفاق پیدا کرنا، عقائد اور اعمال کی اصلاح کی کوشش کرنا۔ دنیا میں خدمتِ خلق کے نام پر بڑی بڑی کمیٹیاں بنی ہوئی ہیں مگر کام صفر ہے صرف اپنے مقصد کو پورا کرتے ہیں۔ ﴿وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ﴾ اور نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ۔ جتنی مجھے اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے میں اس کے مطابق کام کرتا ہوں ﴿عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ﴾ اسی اللہ تعالیٰ کی ذات پر میرا بھروسا ہے ﴿وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ﴾ اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔ ظاہری اور باطنی طور پر اس کے ساتھ میرا ربط ہے اور اسی کے ساتھ میرا تعلق ہے۔ ﴿وَیٰقَوْمِ﴾ اور اے میری قوم ﴿لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شِقَاقِیْٓ﴾ نہ برانگیختہ کرے، نہ اُبھارے تمھیں میرے ساتھ اختلاف رکھنا ﴿اَنْ یُّصِیْبَکُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ﴾ اس بات پر کہ پہنچے تمھیں اس کے مثل عذاب جو پہنچا نوح علیہ السلام کی قوم کو۔

کون سی قوم کون سے عذاب میں ہلاک ہوئی؟

نوح علیہ السلام کی قوم سیلاب کی شکل میں تباہ ہوئی ان کی تباہی کا ذکر اسی پارے میں چند رکوع پہلے تم سن چکے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نبی کی مخالفت کرنا اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔ اُنھوں نے مخالفت کی تباہ ہوئے کہیں تم میری مخالفت کر کے تباہ نہ ہو جاؤ ﴿اَوْ قَوْمَ ھُوْدٍ﴾ یا ہود علیہ السلام کی قوم کو کہ ان پر تند و تیز ہوا کا عذاب آیا تھا جس سے سب مجرم تباہ و برباد ہو گئے ﴿اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ﴾ یا صالح علیہ السلام کی قوم کو کہ ان پر زلزلہ بھی آیا تھا اور صیحہ کہ جبرئیل علیہ السلام نے ایک ڈراؤنی آواز نکالی جس سے ان کی کلیجے پھٹ گئے۔ اس طرح کا عذاب تم پر نہ آ جائے۔ ﴿وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْکُمْ بِبَعِیْدٍ﴾ اور نہیں ہے لوط علیہ السلام کی قوم تم سے دور۔ رقبے کے لحاظ سے بھی دور نہیں ہے کہ مدین بحرمیت کے قریب تھا اور زمانے کے لحاظ سے بھی وہ تم سے دور نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر پتھر برسائے ان کو اَندھا کیا اور ان پر آواز بھی مسلط کی اور اس علاقے کو اُلٹا کر دیا۔ ان قوموں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی مخالفت کی، توحید کا انکار کیا تباہ و برباد ہو گئے کہیں تم بھی ان کی طرح برباد نہ ہو جاؤ۔

پیغمبر کے علاوہ اصولی طور پر کوئی معصوم نہیں

﴿وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ﴾ اور اپنے رب سے مغفرت طلب کرو معافی مانگو۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے سوا ہر بندہ گنہگار ہے۔ اُصولی طور پر کوئی بھی گناہوں سے معصوم نہیں ہے۔ اگر کوئی آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ میں گنہگار نہیں ہوں تو یہ خیال کرنا خود گناہ ہے۔ ہم ہر وقت گنہگار ہیں، ہماری آنکھیں گنہگار، ہمارے کان گنہگار، ہمارے اعضاء گنہگار، ہماری ساری زندگی گناہوں میں گزری ہے لہٰذا ہر وقت اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کی تعلیم کی خاطر دن میں سو سو دفعہ استغفار کرتے تھے۔ کبھی ایک مجلس میں ستر ستر مرتبہ استغفار کرتے تھے۔ ﴿ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ﴾ پھر اسی کی طرف رجوع کرو۔ جن گناہوں

سے توبہ کی ہے دوبارہ نہ کرو اور نیکی کے کاموں کی طرف رجوع کرو۔ وہ توبہ کوئی توبہ نہیں ہے کہ زبان سے توبہ توبہ اور عملاً اس کی خلاف ورزی، یہ نرا دھوکا ہے۔ اپنے رب کی طرف رجوع کرو سچے دل سے توبہ کرو ﴿اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ﴾ بے شک میرا رب مہربان ہے محبت کرنے والا ہے۔ اس کی مہربانی کا اندازہ لگاؤ کہ مشرک رب تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں رب تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں کوئی کہتا ہے عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، کوئی کہتا ہے عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، ملحد رب کا انکار کرتے ہیں پھر بھی وہ ان کو رزق دیتا ہے اور اولاد دیتا ہے اور بہت کچھ دیتا ہے **وَدُوْدٌ** محبت کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بڑی محبت کرتا ہے بشرطیکہ اس بندے کی طرف سے بھی کچھ طلب ہو یک طرفہ کام نہیں چلتا۔

﴿قَالُوْا یٰشُعَیْبُ﴾ کہنے لگے اے شعیب (علیہ السلام) ﴿مَا نَفْقَهُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ﴾ ہم نہیں سمجھتے بہت سی وہ باتیں جو تم کرتے ہو۔ پہلے گزر چکا ہے کہ کہتے تھے کہ یہ تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقے کو چھوڑ دیں اور اپنے مالوں میں اپنی مرضی سے تصرف نہ کریں۔ مال ہمارے ہیں یا تمھارے ہیں؟ یہ تیری باتیں ہمیں سمجھ نہیں آتیں کہ اکیلا رب سارا نظام چلا رہا ہے۔ کیا ہمارے باپ دادا بے وقوف تھے جو اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کی پوجا کرتے تھے۔ نہ سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم مانتے ہی نہیں ہیں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کو پیغمبر کی بات سمجھ نہیں آتی تھی۔

سورۃ ابراہیم میں ہے ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ﴾ "اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان میں تاکہ وہ بیان کرے ان کے لیے۔" جتنے بھی پیغمبر آئے قومی زبان میں آئے ہیں تاکہ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں ان کی بولی سمجھ نہیں آتی اور پیغمبر سے زیادہ فصیح و بلیغ بھی کوئی نہیں ہوتا ان سے زیادہ بہتر انداز میں سمجھا بھی کوئی نہیں سکتا۔ ان ساری باتوں کے ہوتے ہوئے کوئی کہے بات سمجھ نہیں آتی تو اس کا صاف مطلب یہ ہے میں نہیں مانتا ہوں۔ ﴿وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْنَا ضَعِیْفًا﴾ اور بے شک البتہ ہم دیکھتے ہیں تجھے اپنے اندر کمزور۔ تیرا بھائی بیٹا کوئی نہیں صرف دو بیٹیاں ہیں ﴿وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ﴾ اور اگر نہ ہوتی تیری برادری جن کے ساتھ ہمارا کچھ میل جول ہے تو تجھے ہم سنگ سار کر دیتے یعنی پتھر مار مار کے بالکل ختم کر دیتے۔ چوں کہ برادری کے لوگوں کا ایک دوسرے کے ساتھ تعارف ہوتا ہے تعلقات ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ایک دوسرے کی رعایت ہوتی ہے ان کی حیا ہمیں روکتی ہے ﴿وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْنَا بِعَزِیْزٍ﴾ اور نہیں ہے تو ہمیں کوئی پیارا، نہ سخت۔ تیری کوئی قدر نہیں ہے تیری برادری کے چند افراد کا خیال ہے۔

﴿قَالَ یٰقَوْمِ﴾ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم ﴿اَرَهْطِیْۤ اَعَزُّ عَلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ کیا میری برادری زیادہ عزیز ہے تمھیں اللہ تعالیٰ سے کہ ان کا خیال رکھتے ہو اور اللہ تعالیٰ کا خیال نہیں رکھتے ﴿وَاتَّخَذْتُمُوْهُ﴾ اور بنا لیا ہے تم نے اللہ تعالیٰ کو ﴿وَرَآءَكُمْ ظِهْرِیًّا﴾ اپنی پشتوں کے پیچھے۔ رب تعالیٰ کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ جس نے تمھیں پیدا کیا ہے، تمھیں رزق دیتا ہے، جس نے تمھیں اولاد دی ہے اس کو تم نے بالکل بھلا دیا ہے ﴿اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ﴾ بے شک میرا رب جو تم عمل کرتے ہو گھیرنے والا ہے۔ علم کے لحاظ سے بھی اور قدرت کے لحاظ سے بھی۔ تمھارا سب کچھ اس کے علم اور قدرت کے

احاطہ میں ہے۔

﴿وَيٰقَوْمِ﴾ اور اے میری قوم ﴿اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ﴾ عمل کرو تم اپنے طریقے پر بے شک میں بھی عمل کرنے والا ہوں ﴿سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ عن قریب تم جان لوگے ﴿مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ﴾ اس کو جس پر عذاب آئے گا ایسا ﴿يُّخْزِيْهِ﴾ جو اس کو رسوا کرے گا ﴿وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ﴾ اور وہ شخص جو جھوٹا ہے ﴿وَارْتَقِبُوْٓا﴾ اور انتظار کرو تم ﴿اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ﴾ بے شک میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں ﴿وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا﴾ اور جب آیا ہمارا حکم ﴿نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ نجات دی ہم نے شعیب علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ﴿بِرَحْمَةٍ مِّنَّا﴾ اپنی مہربانی کے ساتھ ﴿وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ﴾ اور پکڑا ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا تھا چیخ نے ﴿فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ﴾ پس ہو گئے وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل بیٹھنے والے ﴿كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا﴾ گویا کہ وہ ان گھروں میں آباد ہی نہیں ہوئے ﴿اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ﴾ خبردار دوری ہوئی مدین قوم کے لیے ﴿كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ﴾ جیسا کہ دور ہوئی قوم ثمود ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا﴾ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر ﴿وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ اور کھلی سند دے کر ﴿اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ﴾ فرعون اور اس کی جماعت کی طرف ﴿فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ﴾ پس انھوں نے پیروی کی فرعون کے حکم کی ﴿وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ﴾ اور نہیں تھا فرعون کا حکم درست ﴿يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ آگے آگے ہو گا وہ اپنی قوم سے قیامت کے دن ﴿فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ﴾ پس داخل کرے گا وہ ان کو آگ میں ﴿وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ﴾ اور بُرا ہے وہ گھاٹ اُتارے جانے کا ﴿وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً﴾ اور پیچھے لگا دی گئی ان کے اس دنیا میں لعنت ﴿وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ اور قیامت والے دن بھی ﴿بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ﴾ برا ہے تحفہ جو ان کو دیا گیا ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى﴾ یہ ہیں بستیوں کی خبروں سے ﴿نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ﴾ ہم بیان کرتے ہیں ان کو آپ پر ﴿مِنْهَا قَآىِٕمٌ وَّحَصِيْدٌ﴾ بعض ان میں سے قائم ہیں اور بعض ان میں سے کٹی ہوئی ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر چلا آ رہا ہے کہ ان کی قوم نے ان کی تبلیغ سے اُکتا کر کہا کہ اگر تیری برادری نہ ہوتی کہ جن کے ساتھ ہمارے تعلقات اور میل جول ہے تو ہم تمھیں پتھر مار مار کے ختم کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے فرمایا کہ تم میری برادری کا خیال کرتے ہو اور رب تعالیٰ کو تم نے پس پشت ڈال دیا ہے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے۔ شعیب علیہ السلام نے

یہ بھی فرمایا﴿ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ﴾ اور اے میری قوم! قوم کا انداز دیکھو اور پیغمبر کا بیان دیکھو۔ پھر بھی فرمایا اے میری قوم! عمل کرو تم اپنے طریقے پر ﴿ اِنِّیْ عَامِلٌ ﴾ بے شک میں بھی عمل کرنے والا ہوں۔ جب تم نے میری بات ماننی سننی نہیں ہے تو پھر جو چاہو کرتے پھرو لیکن میں اپنے طریقے پر عمل کرتا رہوں گا۔

لیکن یاد رکھنا! ﴿ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴾ عنقریب تم جان لوگے ﴿ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ ﴾ اس کو جس پر عذاب آئے گا ایسا جو اس کو رسوا کرے گا ﴿ وَ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ ﴾ اور اس کو بھی جان لو جو جھوٹا ہے۔ کون سچا ہے، کون فرماں بردار ہے اور کون نافرمان ہے، کون عذاب کا مستحق ہے اور کون نجات کا؟ ﴿ وَ ارْتَقِبُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴾ اور انتظار کرو تم بے شک میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں ﴿ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا ﴾ اور جب آیا ہمارا حکم۔ مدین کی کافی آبادی تھی اور اس علاقے کی مرکزی منڈی تھی۔ وہاں مقامی لوگ بھی ہوتے تھے اور بیرونی بھی۔

قوم شعیب علیہ السلام کی تباہی کا ذکر

تفسیروں میں لکھا ہے کہ ایک دن ایسا ہوا کہ انتہائی شدید گرمی پھیلی کہ لوگوں کے سانس رکنے لگ گئے۔ مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان، مسافر اور مقامی سب پریشان ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ حضرت شعیب علیہ السلام، ان کے گھر والوں اور ایمان والوں کو کچھ نہ ہوا حالاں کہ وہ بھی وہیں موجود تھے۔ لیکن مجرم پریشان ہو گئے اور گھر سے باہر نکل آئے کہ کھلی ہوا لگے گی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ ایک گہرے بادل کا ٹکڑا آیا۔ چند آدمی اس کے نیچے جا کر کھڑے ہوئے تو ان کا سانس کچھ ٹھیک ہو گیا۔ انھوں نے دوسروں کو بھی آواز دی کہ ادھر آ جاؤ یہاں سکون ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس دوران میں گھنٹہ گزرا یا دو گھنٹے بہرحال سب مجرم وہاں اکٹھے ہو گئے اور بڑے خوش ہوئے کہ یہاں ہمارا سانس آسانی سے آ جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ اس بادل سے آگ برسی اور ساتھ ڈراؤنی آواز آئی جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور وہ سب جل مر گئے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا نتیجہ بہت سخت ہوتا ہے۔

فرمایا جب ہمارا حکم آیا کہ بادل کی صورت میں آگ برسی، سب تباہ ہو گئے۔ ﴿ نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ﴾ نجات دی ہم نے شعیب علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ﴿ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ﴾ اپنی مہربانی کے ساتھ ﴿ وَ اَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ ﴾ اور پکڑا ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا تھا چیخ نے۔ پہلے ڈراؤنی آواز آئی جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے پھر آگ برسی ﴿ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴾ پس ہو گئے وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل بیٹھنے والے۔ جو باہر تھے وہ وہاں تباہ ہوئے اور جو گھروں میں تھے وہ وہاں گھٹنوں کے بل گر کر تباہ ہوئے۔ ایسے محسوس ہوتا تھا ﴿ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ﴾ گویا کہ وہ کبھی ان گھروں میں آباد ہی نہیں ہوئے۔ وہ گھر جہاں ہر وقت چہل پہل تھی، بھنگڑے اور ناچ گانے تھے، رنگا رنگ باتیں تھیں وہاں اب کسی کا نام و نشان نہیں ہے۔ ﴿ اَلَا ﴾ خبردار ﴿ بُعْدًا لِّمَدْيَنَ ﴾ دوری ہوئی مدین قوم کی اللہ تعالیٰ کی رحمت

سے ﴿ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴾ جیسے دور ہوئی ثمود قوم رب کی رحمت سے اور ان پر پھٹکار پڑی۔ یہاں تک تو حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی تباہی کا ذکر تھا۔

آگے موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کا ذکر ہے۔ اور شاید آپس میں ربط یہ ہو کہ موسیٰ علیہ السلام نے شعیب علیہ السلام کی بڑی بیٹی صفورا رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کیا تھا جس کا ذکر سورۃ القصص میں آتا ہے۔ تو شعیب علیہ السلام سُسر ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام داماد۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا﴾ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے رسول بنا کر موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر۔ وہ نو معجزے جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ ایک عصا مبارک کہ ڈالتے تو اژدہا بن جاتا تھا، ہاتھ گریبان میں ڈالتے تھے تو سورج کی طرح روشن ہو جاتا تھا اور ان کے علاوہ اس قوم کی نافرمانی کی وجہ سے ان پر قحط سالی مسلط کی گئی۔ پھلوں میں کمی ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ان پر مینڈک مسلط کیے، خون کا عذاب مسلط ہوا کہ کھانا سالن پکاتے خون بن جاتا، پانی خون بن جاتا، دودھ خون بن جاتا، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جوئیں مسلط فرمائیں۔ ایک کو اُتارتے چار اور چمٹ جاتیں۔ ہر وقت خارش کرتے رہتے۔ وقفے وقفے سے ان پر یہ عذاب آئے مگر انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ چھوڑی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ نہ دیا البتہ جادوگر ایمان لے آئے۔ ﴿وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ اور کھلی سند دے کر بھیجا ﴿اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡئِهٖ﴾ فرعون اور اس کی جماعت کی طرف۔

لفظ فرعون کی تشریح

مصر کی زبان میں صدر کو فرعون کہتے تھے۔ جس طرح ہم بادشاہ کو صدر کہتے ہیں۔ روم کے بادشاہ کو قیصر کہتے تھے اور ایران کے بادشاہ کا لقب کسریٰ ہوتا تھا۔ فراعنہ مصر بہت سارے آئے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا جو فرعون تھا اس کا نام ولید ابن مصعب بن ریان تھا۔ بڑا ہوشیار اور چالاک آدمی تھا جیسے آج کل ہمارے لیڈر ہیں۔ یہ بالکل فرعونی صفت پر ہیں اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ، عوام کے ساتھ کچھ اور خواص کے ساتھ کچھ، بالکل فرعونی مزاج کے ہیں۔ فرعون بڑا ہوشیار، بڑا شاطر، حق کو ختم کرنے والا اور حق والوں کا بڑا دشمن تھا۔

﴿فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ﴾ پس ان لوگوں نے پیروی کی فرعون کے حکم کی۔ حکومت اور اقتدار اس کے پاس تھا اس لیے لوگوں نے اس کی اتباع اور پیروی کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ مَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ﴾ اور فرعون کا حکم درست نہیں تھا۔ لیکن دنیاداروں اور دولت مندوں نے فرعون ہی کا دامن پکڑا۔ سرداری اس کی آخرت میں بھی قائم رہے گی۔ کیسے؟ فرمایا ﴿يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ آگے آگے ہوگا وہ اپنی قوم سے قیامت والے دن۔ آگے فرعون ہوگا اس کے پیچھے ہامان پھر قارون اور دوسرے افسر ﴿فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ﴾ پس وہ داخل کرے گا ان کو آگ میں۔ یہاں بھی آگے چلتا تھا وہاں بھی آگے آگے چلے گا۔

﴿وَ بِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ﴾ اور بُرا ہے وہ گھاٹ اُتارے جانے کا۔

ورد کا معنیٰ ہے پانی کا چشمہ اور مورود کہتے ہیں اس جگہ کو جہاں پیاسے جانوروں کو پانی پلانے کے لیے اُتارا جاتا ہے۔ تو

جانور پانی کے چشمے پر جب جاتے ہیں تو آگے پیچھے لائن لگی ہوتی ہے۔ جس طرح جانوروں کے لیے وہ چشمہ گھاٹ ہے اسی طرح فرعونیوں کے لیے دوزخ گھاٹ ہوگا جس میں وہ اُتارے جائیں گے۔ ﴿وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً﴾ اور پیچھے لگا دی گئی ان کے اس دنیا میں لعنت کہ دنیا میں لوگ جب اس کا نام لیتے ہیں تو اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ آج بھی اس کی لاش مصر کے عجائب گھر میں پڑی ہوئی ہے لوگ اس کو دیکھ کر عبرت حاصل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ وہ لعنتی تھا جو اپنے آپ کو رب الاعلیٰ کہتا تھا ﴿وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ اور قیامت والے دن بھی لعنت اس کا پیچھا کرے گی ﴿بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ﴾۔ رفد کا معنیٰ عطیہ اور تحفہ ہے مَرْفود کا معنیٰ جس کو تحفہ دیا گیا۔ تو معنیٰ ہوگا بُرا ہے تحفہ جو اُن کو دیا گیا۔ دنیا کا تحفہ بھی لعنت اور آخرت کا تحفہ بھی لعنت جو اس کی گردن پر پڑا ہوگا۔

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰی﴾ یہ ہیں بستیوں کی خبروں سے۔ یہ جو مذکورہ واقعات ہیں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا، حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا، حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا، حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا اور اسی طرح فرعون کا، یہ بستیوں کی خبروں میں سے کچھ ہیں۔ مِنْ تبعیضیہ ہے۔ ﴿نَقُصُّهٗ عَلَیْكَ﴾ ہم بیان کرتے ہیں ان کو آپ پر کہ نافرمانوں کے ساتھ رب تعالیٰ نے کیا سلوک کیا۔ ﴿مِنْهَا قَآىِٕمٌ﴾ بعض ان میں سے قائم ہیں۔ قوم ثمود نے پتھروں کو تراش کر جو مکان بنائے تھے وہ آج بھی موجود ہیں۔ جو لوگ سیر کرنے کے لیے جاتے ہیں وہ دیکھتے ہیں چٹانوں میں بڑے بڑے کمرے بنے ہوئے ہیں مگر رہنے والا کوئی نہیں ہے۔ ﴿وَّحَصِیْدٌ﴾ اور بعض ان میں سے کٹی ہوئی ہیں جیسے کھیتی کو کاٹ دیتے ہیں اسی طرح کچھ بستیاں تباہ و برباد ہو گئی ہیں۔ ان قوموں سے عبرت حاصل کرو۔

﴿وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے نہیں ظلم کیا ان پر ﴿وَلٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ﴾ اور لیکن انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ﴿فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ﴾ پس نہیں کفایت دی ان کو ان کے معبودوں نے ﴿الَّتِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ جن کو وہ پکارتے تھے اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿مِنْ شَیْءٍ﴾ کچھ بھی ﴿لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ﴾ جب آ گیا تیرے رب کا حکم ﴿وَمَا زَادُوْهُمْ غَیْرَ تَتْبِیْبٍ﴾ نہ زیادہ کیا انھوں نے ان کے لیے سوائے ہلاکت کے ﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ﴾ اور اسی طرح ہے تیرے رب کا پکڑنا ﴿اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰی﴾ جس وقت وہ پکڑتا ہے بستیوں کو ﴿وَهِیَ ظَالِمَةٌ﴾ اس حال میں کہ ان بستیوں میں رہنے والے ظلم کرنے والے ہوتے ہیں ﴿اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ﴾ بے شک اس کی پکڑ دردناک ہے سخت ہے ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً﴾ بے شک اس میں نشانی ہے ﴿لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ﴾ اس شخص کے لیے جو خوف کھاتا ہے آخرت کے عذاب سے ﴿ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ﴾ وہ دن ایسا ہے کہ جمع کیے جائیں گے اس کے لیے لوگ ﴿وَذٰلِكَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ﴾ اور وہ دن ہے کہ جس میں حاضری دی جائے گی ﴿وَمَا

﴿نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ﴾ اور ہم نہیں اس کو مؤخر کرتے مگر ایک وقت مقرر کے لیے ﴿یَوْمَ یَاْتِ﴾ جس دن آئے گا وہ دن ﴿لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ نہیں کلام کرے گا کوئی نفس مگر اس کی اجازت سے ﴿فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ﴾ پس بعض ان میں سے بد بخت ہوں گے اور بعض ان میں نیک بخت ﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا﴾ پس بہر حال وہ لوگ جو بد بخت ہیں ﴿فَفِی النَّارِ﴾ پس دوزخ میں ہوں گے ﴿لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ﴾ ان کے لیے اس میں گدھے کی آواز ہوگی پہلی اور پچھلی ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ رہیں گے اس دوزخ میں ہمیشہ ﴿مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ﴾ جب تک کہ آسمان اور زمین ہوں گے ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ مگر جو تیرا رب چاہے ﴿اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ﴾ بے شک تیرا رب کرنے والا ہے وہ جو وہ چاہے ﴿وَ اَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا﴾ اور بہر حال وہ لوگ جو نیک بخت ہیں ﴿فَفِی الْجَنَّةِ﴾ وہ جنت میں ہوں گے ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ رہیں گے وہ اس جنت میں ہمیشہ ﴿مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ﴾ جب تک آسمان اور زمین ہوں گے ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ مگر وہ جو تیرا رب چاہے ﴿عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ﴾ یہ ایسا عطیہ ہے جو منقطع نہیں ہوگا ﴿فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ﴾ پس نہ ہوں آپ شک میں ﴿مِّمَّا یَعْبُدُ هٰۤؤُلَآءِ﴾ اس چیز کے بارے میں جن کی یہ عبادت کرتے ہیں ﴿مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ﴾ یہ لوگ نہیں عبادت کرتے مگر ایسے ہی جیسے ان کے باپ دادا عبادت کرتے تھے اس سے پہلے ﴿وَ اِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ﴾ اور بے شک ہم ان کو پورا پورا دیں گے ان کا حصہ ﴿غَیْرَ مَنْقُوْصٍ﴾ جو کم نہیں کیا جائے گا۔

حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کی قوموں کی تباہی کا ذکر تم نے سنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے نہیں ظلم کیا ان پر جن کو ہم نے تباہ و برباد کیا ہم نے ان پر کوئی ظلم وزیادتی نہیں کی ﴿وَ لٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ﴾ اور لیکن اُنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کی کہ رب تعالیٰ کی توحید کا انکار کیا، پیغمبروں کی نافرمانی کی ان کے احکامات کو تسلیم نہیں کیا، نیکی اختیار نہیں کی، بدی کو نہیں چھوڑا جس کے نتیجہ میں یہ سب کچھ ہوا۔ تو رب تعالیٰ نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی اُنھوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا، اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو معبود بنایا۔

پھر جب رب تعالیٰ نے ان کو پکڑا تو ﴿فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ﴾ پس نہیں کفایت کی، نہیں کام آئے ان کے الٰہ ﴿الَّتِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ جن کو وہ پکارتے تھے اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے (کے سوا)۔ جن کو انھوں نے مشکل کشا، حاجت روا، فریادرس، دست گیر بنا رکھا تھا وہ بھی ان کو عذاب سے نہ بچا سکے ﴿مِنْ شَیْءٍ﴾ کچھ بھی ﴿لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ﴾ جب آ گیا تیرے ب کا حکم۔ رب تعالیٰ کی گرفت اور سزا آئی عذاب آیا تو ان کا کوئی الٰہ میدان میں نہ آیا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کس کے پاس قدرت ہے؟ اس کے سوا کون الٰہ ہے؟ ﴿وَ مَا زَادُوْهُمْ غَیْرَ تَتْبِیْبٍ﴾ اور نہ زیادہ کیا ان کے لیے ہلاکت کے سوا۔ ان کے الٰہ ان کی

ہلاکت کا سبب بنے بچاؤ کا سبب نہ بنے۔ یہ واقعات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى﴾ اور اسی طرح ہے تیرے رب کا پکڑنا اے مخاطب جس وقت وہ پکڑتا ہے بستیوں کو ﴿وَهِيَ ظَالِمَةٌ﴾ اس حال میں کہ ان بستیوں میں رہنے والے ظلم کرنے والے ہوتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ مجھے ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا

ترمذی شریف، ابوداؤد شریف اور مسند احمد میں روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا حضرت! آپ وقت سے پہلے بوڑھے ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیس کے قریب بال سفید ہو گئے تھے۔ کچھ نیچے والے ہونٹ مبارک کے پاس اور کچھ دونوں کنپٹیوں میں اور کچھ سر مبارک میں۔ بیس سے زیادہ سفید نہیں تھے لیکن اٹھتے بیٹھتے کمزوری محسوس ہوتی تھی۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ حضرت! آپ وقت سے پہلے بوڑھے ہو گئے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((شَيَّبَتْنِي هُوْدُ وَ اَخَوَاتُهَا)) "مجھے سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔" اب سوال یہ ہے کہ سورت ہود میں کون سی ایسی چیز ہے جس نے آپ کو بوڑھا کر دیا؟ تو اس کے متعلق مولانا حسین علی صاحب واں بھچراں ضلع میانوالی جو تفسیر میں شاگرد تھے حضرت مولانا مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے جو ہندوستان میں اپنے دور میں سب سے بڑے مفسر قرآن تھے۔ جنھوں نے سہارن پور میں مدرسہ مظاہر العلوم قائم کیا تھا اور حدیث میں شاگرد تھے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے۔

آیتِ ہود، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بوڑھا ہونے کا سبب

حضرت فرماتے ہیں کہ یہ جو آیت ہے ﴿وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى﴾ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوڑھا کر دیا تھا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجرموں کی ہلاکت کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا اور اسی طرح ہے پکڑنا تیرے رب کا جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو اور ان بستیوں کے رہنے والے ظلم کرنے والے ہوتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اس آیتِ کریمہ کو پڑھتے تھے تو خیال کرتے تھے کہ میری اُمت میں بھی گنہگار ہوں گے تو وہ بھی تباہ ہوں گے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پریشان اور مغموم ہوتے تھے اور غم اور پریشانی آدمی کو جلد بوڑھا کر دیتی ہے اور غم اور پریشانی نہ ہو اور آدمی کھاتا پیتا ہو تو جلدی بوڑھا نہیں ہوتا۔ تو حضرت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی پریشانی کی وجہ سے جلدی بوڑھے ہوئے۔

جب کہ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ سورت ہود کی آیت ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ﴾ "پس آپ سیدھے رہیں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جنھوں نے تیرے اوپر ایمان لا کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا ﴿وَلَا تَطْغَوْا﴾ اور حد سے آگے نہ بڑھو۔" اس آیت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پریشان تھے کہ آیا میری اُمت، میری قوم حق پر ڈٹ سکتی ہے یا نہیں۔ تو اس پریشانی نے آپ کو جلدی بوڑھا کر دیا۔

﴿اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾ بے شک اس کا پکڑنا دردناک ہے سخت ہے ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً﴾ بے شک ان قوموں

کے ذکر میں نشانی ہے ﴿لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ﴾ اس شخص کے لیے جوخوف کھاتا ہے آخرت کے عذاب سے۔ جورب دنیا میں عذاب دیتا ہے وہی آخرت میں بھی دے گا اور وہ آخرت کیا ہے؟ ﴿ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ﴾ وہ دن ایسا ہے کہ جمع کیے جائیں گے اس کے لیے لوگ۔ ساری کائنات، انسان، جن، فرشتے اور خدا کی ساری مخلوق میدان محشر میں جمع ہوگی ﴿وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ﴾ اور وہ دن ہے کہ جس میں حاضری دی جائے گی۔ حاضری کا دن ہے سب کو وہاں حاضر ہونا پڑے گا کوئی متنفس وہاں سے غیر حاضر نہیں ہوگا ﴿وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ﴾ اور ہم نہیں اس کو مؤخر کرتے مگر ایک وقت مقرر کے لیے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہم نے قیامت کب برپا کرنی ہے۔

﴿يَوْمَ يَاْتِ﴾ جس دن آئے گا وہ دن ﴿لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ نہیں کلام کرے گا کوئی مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر وہاں کوئی نہیں بول سکے گا ﴿فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ﴾ پس بعض ان میں سے بدبخت ہوں گے اور بعض ان میں نیک بخت۔ مومن بھی ہوں گے، کافر بھی ہوں گے، سچے بھی ہوں گے، جھوٹے بھی ہوں گے۔ ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا﴾ پس بہرحال وہ لوگ جو بدبخت ہیں ﴿فَفِي النَّارِ﴾ پس وہ دوزخ میں ہوں گے اللہ تعالیٰ بچائے۔ آج اس دنیا کی آگ میں لوہا پگھل جاتا ہے، تانبا پگھل جاتا ہے، بعض پتھر جل جاتے ہیں اور وہ آگ اس سے انہتر گنا تیز ہوگی۔ اگر اس آگ میں ڈال کر مارنا مقصود ہوتو ایک شعلہ کافی ہے لیکن رب تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى﴾ [اعلیٰ: ۱۳] "نہ مرے گا اس دوزخ میں اور نہ ہی وہ زندہ رہے گا۔" کیوں کہ اگر مار دیا جائے تو پھر سزا کون بھگتے گا۔ خود کافر مشرک دوزخ میں مرنے والے کہیں گے ﴿يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ﴾ [الحاقہ: ۲۷] "کاش کہ موت مجھے ختم ہی کر دیتی۔" اور سورت زُخرف آیت نمبر ۷۷ میں ہے دوزخ کے انچارج فرشتہ مالک کو کہیں گے ﴿يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾ "اے مالک علیہ السلام! چاہیے کہ فیصلہ کر دے ہم پر تمھارا رب۔ ہمیں فنا کر دے ﴿قَالَ﴾ وہ کہے گا ﴿اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ﴾ بے شک تم رہنے والے ہو اسی مقام میں۔" اللہ تعالیٰ بچائے اور محفوظ رکھے جہنم میں لے جانے والے اعمال سے۔

﴿لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ﴾ ان کے لیے اس میں گدھے کی آواز ہوگی پہلی اور پچھلی۔ زَفیر گدھے کی اس آواز کو کہتے ہیں جو شروع میں زور سے نکالتا ہے اور ﴿شَهِيْقٌ﴾ گدھے کی وہ آواز جو آخر میں مدھم سی ہوتی ہے۔ اور گدھے کی آواز سے اس لیے تشبیہ دی کہ ﴿اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ﴾ [لقمان: ۱۹] "سب سے بُری آواز گدھے کی آواز ہے۔" حضرت لقمان حکیم نے اپنے پیارے بیٹے ساران کو بہت سی نصیحتیں کی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ بیٹا بلاضرورت اُونچی نہ بولو۔ اگر اونچا بولنا کوئی زیادہ فضیلت ہوتی گدھا بڑا فاضل ہوتا حالاں کہ سب آوازوں میں بُری آواز گدھے کی ہے۔ تو جہنمی گدھے کی طرح آوازیں نکالیں گے اور چیخیں گے ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ﴿مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ جب تک کہ آسمان اور زمین ہوں گے۔ یہاں ایک بات سمجھ لیں کہ اس وقت جو زمین اور آسمان ہیں یہ فانی ہے۔

سورۃ ابراہیم آیت نمبر ۴۸ میں ہے ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ﴾ "جس دن تبدیل کی جائے گی

زمین اس کے علاوہ دوسری زمین کے ساتھ اور یہ آسمان بھی بدل دیئے جائیں گے۔" اور اس زمین کی جگہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی زمین آجائے گی اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے آسمان آجائیں گے اور جب تک وہ زمین اور آسمان قائم رہیں گے یہ دوزخ میں رہیں گے اور انھوں نے فنا ہونا نہیں ہے۔ ﴿اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ﴾ مگر جو تیرا رب چاہے۔ رب تعالیٰ قادر ہے فنا کرنے پر مگر فنا کرے گا نہیں۔ کرسکنا اور چیز ہے اور کرنا اور چیز ہے، دونوں میں فرق ہے۔

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا غلط نظریات سے رجوع کرنا

ہندوستان میں بہت بڑے مؤرخ گزرے ہیں سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ، یہ علامہ شبلی نعمانی کے شاگرد تھے۔ پہلے ان کے نظریات ٹھیک نہیں تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی معراج کے منکر تھے اور خلود فی النار کے بھی منکر تھے۔ کہتے تھے کہ دوزخ ہمیشہ نہیں رہے گی اور کئی مسائل تھے جو انھوں نے "سیرت النبی" کی پہلی جلدوں میں پہلے ایڈیشنوں میں لکھے تھے۔ دوزخ کے فنا ہونے پر بھی انھوں نے چودہ دلائل پیش کیے۔ ان کو خیال آیا کہ کسی کامل پیر کی طرف رجوع کروں اور ان کے ہاتھ پر بیعت کروں اور یہ بات سمجھ لیں کہ بیعت نہ فرض ہے، نہ واجب ہے، نہ سنت مؤکدہ ہے بلکہ مستحب ہے۔ اور بیعت کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی ذہنی انتشار سے بچ جاتا ہے۔ ہمارے تمام بزرگوں میں پیر و مرید گزرے ہیں۔

تو انھوں نے حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت بڑے کھرے آدمی تھے فرمایا میں تیرے جیسے مُلْحِد اور زندیق کو مرید نہیں بناتا۔ یہ لفظ سید سلیمان ندوی کو بڑے چبھے کہ مجھے ملحد اور زندیق کہا ہے حالاں کہ لوگ میرا لوہا مانتے ہیں اور تھے بھی بڑے مؤرخ اور ادیب۔ پھر خط لکھا کہ حضرت! آپ نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے کہ مجھے ملحد اور زندیق کہا ہے۔ حضرت نے جواب لکھا اور چند مسائل کی نشاندہی فرمائی کہ آپ کے یہ نظریات قرآن مجید کے بالکل خلاف ہیں میرے پاس آکر سمجھو یا مجھے سمجھاؤ۔ آج کل کا کوئی غلام احمد قادیانی یا غلام احمد پرویز جیسا ہوتا یا ان کا کوئی شطونگڑا ہوتا تو کہتا میں آدمی ہوں وہ بھی آدمی ہے، میں مولوی ہوں وہ بھی مولوی ہے، مجھے اس کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر وہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے شبہات پیش کیے۔ حضرت نے سب کے جوابات دیے۔

فرمایا دیکھو! دوزخ کا ہمیشہ نہ رہنا تُو یہاں سے ثابت کرتا ہے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے جب تک زمین و آسمان ہیں مگر جو تیرا رب چاہے۔ تو فرمایا پہلی بات تو یہ ہے کہ زمین و آسمان سے دنیا کے زمین و آسمان مراد نہیں ہیں بلکہ اگلے جہان کے زمین و آسمان مراد ہیں جو ختم اور فنا نہیں ہوں گے اور ﴿اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے قدرت کا اظہار فرمایا ہے یہ نہیں فرمایا کہ فنا ہو جائیں گے۔ کرنے اور کرسکنے میں بڑا فرق ہے۔ اسی طرح معراج جسمانی کے متعلق بھی سمجھایا، سمجھ گئے اور اپنے غلط نظریات سے توبہ کی اور استغفار کیا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وعدہ کرو کہ آئندہ جو

"سیرت النبی" کی جلدیں طبع ہوں گی ان سے یہ مسائل نکال کر صحیح مسائل لکھو گے اور اپنی غلطیوں کا اظہار کرو گے اور اپنے رسالے "معارف" میں جاتے ہی بیان دو گے کہ میں اپنے نظریات سے باز آ گیا ہوں۔

چنانچہ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالے "معارف" میں تحریر لکھ دی کہ میں نے اپنے غلط نظریات سے توبہ کر لی ہے اور "سیرۃ النبی" سے بھی وہ مسائل نکال دیئے۔ اس وقت جو ایڈیشن ہیں ان میں وہ غلط مسائل نہیں ہیں اور سیرت کی کتابوں میں یہ بڑی مستند کتاب ہے۔ پہلی دو جلدیں مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی ہیں ان میں کچھ غلطیاں تھیں سید سلیمان ندوی نے ان کی اصلاح کی ہے۔ آگے تیسری، چوتھی، پانچویں اور چھٹی جلد نہایت مبسوط ہیں۔ یہ سید سلیمان ندوی نے لکھی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بارے میں اس سے زیادہ مستند ذخیرہ کوئی نہیں ہے۔ یہ نیک لوگ تھے غلطی کا اعتراف کرنے والے تھے۔ پھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو بیعت بھی کیا اور خلافت بھی دی اور پاکستان بنانے میں بھی ان کا بڑا دخل تھا۔

﴿اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ﴾ بے شک تیرا رب کرنے والا ہے وہ جو وہ چاہے۔ وہ جو ارادہ کرے اس کو کوئی روک نہیں سکتا ﴿وَ اَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ﴾ اور بہرحال وہ لوگ جو نیک بخت ہیں وہ جنت میں ہوں گے ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے ﴿مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ﴾ جب تک آسمان اور زمین ہوں گے ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ مگر وہ جو تیرا رب چاہے منقطع کر سکتا ہے مگر کرے گا نہیں ﴿عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ﴾ یہ ایسا عطیہ ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ وہ ایسی ہمیشہ کی زندگی ہے جس کا آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ سو سال نہیں، ہزار سال نہیں، لاکھ سال نہیں، کروڑ سال نہیں، ارب کھرب سال نہیں، وہ نہ ختم ہونے والی زندگی ہے اس کو سوچتے سوچتے ہمارے دماغ فیل ہو جائیں گے۔ ﴿فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ﴾ پس اے مخاطب نہ ہو تو شک میں ﴿مِّمَّا یَعْبُدُ هٰۤؤُلَآءِ﴾ اس چیز کے بارے میں جن کی یہ عبادت کرتے ہیں مکے والے۔

ان ظالموں نے کعبۃ اللہ کی بیرونی دیواروں پر تین سو ساٹھ بت نصب کیے ہوئے تھے جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بھی بت تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کا بھی بت تھا اور ہُبل حضرت ہابیل رحمہ اللہ کا مجسمہ تھا، آدم علیہ السلام کا مظلوم بیٹا جو قابیل کے ہاتھوں شہید ہوا تھا۔ یہ لوگ اُن کی پوجا کرتے تھے، لات، منات، عزیٰ کی پوجا کرتے تھے۔ فرمایا جن کی یہ پوجا کرتے ہیں اس میں آپ شک نہ کریں ﴿مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ﴾ یہ لوگ نہیں عبادت کرتے مگر ایسے ہی جیسے ان کے باپ دادا عبادت کرتے تھے اس سے پہلے تو ان کو ان کے خداؤں نے عذاب سے نہیں بچایا ان کو بھی نہیں بچا سکتے۔ آج ہی تم نے پڑھا ہے ﴿فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمْ﴾ "پس نہ کام آئے ان کے خدا۔" ﴿وَ اِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ﴾ اور بے شک ہم ان کو پورا پورا دیں گے ان کا حصہ ﴿غَیْرَ مَنْقُوْصٍ﴾ جو کم نہیں کیا جائے گا۔ سزا پوری پوری دیں گے دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ اللہ تعالیٰ بچائے اور محفوظ رکھے۔

﴿وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ﴾ اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب ﴿فَاخْتُلِفَ فِیْهِ﴾ پس اختلاف کیا گیا اس میں ﴿وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ﴾ اور اگر نہ ہوتا ایک فیصلہ جو طے ہو چکا تھا تیرے رب کی طرف سے ﴿لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ﴾ البتہ فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان ﴿وَ اِنَّهُمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ﴾ اور بے شک وہ لوگ اس قرآن کے بارے میں شک میں ﴿مُرِیْبٍ﴾ جو ان کو تردد میں ڈالتا ہے ﴿وَ اِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَیُوَفِّیَنَّهُمْ رَبُّكَ﴾ اور بے شک سب کے سب البتہ پورا دے گا ان کو تیرا پروردگار ﴿اَعْمَالَهُمْ﴾ ان کے اعمال کا صلہ ﴿اِنَّهٗ بِمَا یَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ﴾ بے شک وہ جو عمل کرتے ہیں خبردار ہے ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ﴾ پس آپ ڈٹ کر رہیں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے ﴿وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ﴾ اور وہ لوگ بھی جنھوں نے توبہ کی آپ کے ساتھ ﴿وَ لَا تَطْغَوْا﴾ اور حد سے آگے نہ بڑھو ﴿اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾ بے شک جو کچھ بھی تم عمل کرتے ہو دیکھنے والا ہے ﴿وَ لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا﴾ اور نہ جھکو ان لوگوں کی طرف جنھوں نے ظلم کیا ﴿فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾ پس چھوئے گی تم کو آگ ﴿وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِیَآءَ﴾ اور نہیں ہوگا تمھارے لیے اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے کوئی ساز گار ﴿ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ﴾ پھر تمھاری مدد نہیں کی جائے گی ﴿وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ﴾ اور قائم کرو نماز کو ﴿طَرَفَیِ النَّهَارِ﴾ دن کے دونوں طرفوں میں ﴿وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ﴾ اور رات کی گھڑیوں میں ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ﴾ بے شک نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو ﴿ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِیْنَ﴾ یہ نصیحت ہے نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے ﴿وَ اصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ اور صبر کریں پس بے شک اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا اجر نیکی کرنے والوں کا۔

بہت سارے پیغمبروں اور ان کی قوموں کے حالات بیان ہوئے۔ اور اس سے پہلے رکوع میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر تھا اب اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ﴾ اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات۔ آسمانی کتابوں میں قرآن کریم کے بعد تورات کا درجہ بہت بلند ہے۔ ہزاروں انبیاء، بزرگ، علماء، مشائخ اس پر عمل کرتے آئے ہیں لیکن ﴿فَاخْتُلِفَ فِیْهِ﴾ پس اختلاف کیا گیا اس میں۔

بہ اعتبار مردم شماری عرب میں یہود کی حیثیت

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو جو کتاب دی گئی تورات، اختلاف کرنے والوں نے اس میں بھی اختلاف کیا، ماننے والوں نے مانا اور نہ ماننے والوں نے نہ مانا اور خصوصیت کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام اور تورات کا ذکر اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ عرب میں مردم شماری کے لحاظ سے مشرکین کے بعد یہود کا نمبر تھا۔ خیبر سارا ان کا تھا اور مدینہ طیبہ میں ان کی

اکثریت تھی اور مقامات پر بھی آباد تھے اور عربی لوگ یہودیوں سے تورات سنتے اور عربی ترجمہ کرتے تھے کیوں کہ تورات کی اصل زبان عبرانی تھی۔ تو نہ ماننے والوں نے تو تورات کو بھی نہیں مانا۔

﴿وَ لَوۡلَا کَلِمَۃٌ﴾ اور اگر نہ ہوتا ایک فیصلہ ﴿سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّکَ﴾ جو طے ہو چکا تھا تیرے رب کی طرف سے کہ ہر قوم کی تباہی اور ہلاکت کا ایک وقت مقرر ہے۔ اگر پہلے سے یہ طے نہ ہوا ہوتا تو ﴿لَقُضِیَ بَیۡنَہُمۡ﴾ البتہ فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان جن لوگوں نے اختلاف کیا تھا کہ فوراً ان کو تباہ کر دیا جاتا۔ لیکن رب تعالیٰ کا پہلا فیصلہ قطعی ہے کہ فلاں وقت فلاں قوم کو تباہ کیا جائے گا ﴿وَ اِنَّہُمۡ﴾ اور بے شک یہ عرب لوگ ﴿لَفِیۡ شَکٍّ مِّنۡہُ﴾۔ منہ کی ضمیر قرآن کی طرف لوٹتی ہے۔ قرآن شریف میں شک کرتے ہیں ﴿مُرِیۡبٍ﴾ ایسا شک جوان کو تردد میں ڈالتا ہے۔ لہٰذا آپ اس بات کی پروا نہ کریں، تورات میں لوگوں نے اختلاف کیا اور قرآن کے بارے میں شک کرتے ہیں۔ آپ کا کام ہے سنانا، منوانا آپ کا فریضہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تو شک نہیں ہے ﴿الٓمّٓ ۚ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚۖ فِیۡہِ﴾ ”یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔“ لیکن اگر مزاج بگڑ جائے تو بھینگے کو دو دو چیزیں نظر آتی ہیں۔ اور صفراء کا غلبہ ہو تو چینی اور شہد بھی کڑوا لگتا ہے حالانکہ دونوں کتنے میٹھے ہیں، مگر کھانے والے کا مزاج بگڑا ہوا ہے۔

غلام جیلانی برق کا مزاج بگڑا ایک اسلام اسے دو نظر آتے تھے۔ اس نے کتاب لکھی ”دو اسلام“ کہ ایک اسلام وہ ہے جو ہم مانتے ہیں اور ایک مولویوں کا بنایا ہوا ہے، دو قرآن ہیں، ایک قرآن ہم مانتے ہیں ایک مولویوں کا بنایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایت دی آخر میں توبہ کر کے مرا لیکن وہ فتنے فساد کی کتابیں چھوڑ گیا۔ ابھی گردن اس کی صاف نہیں ہوئی کیوں کہ اس کا فریضہ تھا کہ اعلان کرتا، تحریری طور پر لوگوں کو بتاتا کہ میری یہ سب کتابیں کنڈم ہیں ان پر کوئی عمل نہ کرے۔ اب حال یہ ہے کہ منکرین حدیث اس کی کتابیں طبع کراتے ہیں، بیچتے ہیں اور لوگوں کے عقائد خراب کرتے ہیں، اس کی کتابوں سے بدستور گناہ پھیل رہا ہے۔

تو جس وقت آدمی کا مزاج بگڑ جائے تو صحیح چیز نظر نہیں آتی ہے۔ تورات تو اللہ تعالیٰ کی کتاب تھی لیکن اختلاف کرنے والوں نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے۔ ﴿وَ اِنَّ کُلًّا لَّمَّا لَیُوَفِّیَنَّہُمۡ رَبُّکَ﴾ اور بے شک سب کے سب البتہ پورا پورا دے گا ان کو تیرا پروردگار ﴿اَعۡمَالَہُمۡ﴾ ان کے اعمال کا صلہ۔ جو لوگ عربی سے واقف ہیں ان کے لیے عرض کر رہا ہوں کہ ﴿کُلًّا﴾ مضاف ہے اور اس کے اوپر جو تنوین ہے وہ مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے کُلَّ الۡخَلَائِقِ سب کی سب مخلوق۔ اور لَمَّا اصل میں لِمَنۡ مَا تھا پھر مَنۡ کی نون کا میم میں ادغام کیا لِمَّا پھر لام کے کسرے کو فتح سے بدل دیا الف کی وجہ سے تو لَمَّا بن گیا۔ تو معنیٰ ہوا کہ بے شک سب کی سب مخلوق البتہ وہ ہے کہ ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

﴿فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ﴾ ”جس نے ذرہ برابر نیکی کی اس کو دیکھ لے گا ﴿وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ﴾ اور جو ذرہ برابر بھی برائی کرے گا اس کو دیکھ لے گا۔“ عمل کا نتیجہ ضرور ملے گا۔ ﴿اِنَّہٗ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ﴾ بے شک وہ جو عمل کرتے ہیں

خبردار ہے۔ مخلوق جو بھی عمل کرتی ہے رب تعالیٰ کو خبر ہے۔

بہت ساری قوموں کے حالات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ اے نبی کریم ﷺ! پس آپ ڈٹ کر رہیں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم رہو، رسالت پر قائم رہو اور اللہ تعالیٰ کے احکامات پہنچانے پر آپ قائم اور ڈٹ کر رہیں۔ ﴿وَمَنْ تَابَ مَعَكَ اور وہ بھی جنھوں نے کفر، شرک سے توبہ کر کے آپ کا ساتھ دیا وہ بھی ڈٹ کر رہیں۔ پہلے گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ حضرت! آپ وقت سے پہلے بوڑھے ہو گئے ہیں آپ کے بدن میں کمزوری آگئی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((شَيَّبَتْنِي هُوْدُ وَ اَخَوَاتُهَا)) "سورت ہود اور اس جیسی سورتوں کے مضامین نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔"

تو سورت ہود میں وہ کون سا مضمون ہے جس نے آپ ﷺ کو بوڑھا کیا؟ تو ایک تو اس آیت کی وجہ سے کہ ﴿وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى﴾ "اور اسی طرح تیرے رب کا پکڑنا جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے۔" اس آیت سے آپ ﷺ پریشان تھے کہ میری اُمت بھی یہ جرائم کرے گی اور سزا ہو گی۔ اور دوسری یہ آیت کریمہ ہے کہ "ڈٹ کر رہو جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ جنھوں نے توبہ کر کے آپ کے ساتھ ایمان قبول کیا ہے وہ بھی ڈٹے رہیں۔" اس پر آپ پریشان تھے کہ خدا جانے امت ڈٹ کر رہ سکتی ہے یا نہیں۔ لیکن الحمدللہ! اُمت نے ڈٹ کر دکھایا اور ہر میدان میں کفر کا مقابلہ کیا اور دشمنان اسلام کی سرکوبی کی، اللہ اور اس کے رسول کے اعتماد پر پورے اترے کہ دنیا آپ ﷺ کے ساتھیوں کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔

آدمی کو حق پر ڈٹ جانا چاہیے لوٹا نہیں ہونا چاہیے

اور یاد رکھنا! کہ حق کی بات کو پکڑنا اور پھر اس پر ڈٹ جانا بڑی بات ہے اور آدمی کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ یہ نہیں کہ آدمی لوٹے کی طرح پھرتا رہے، صبح کوئی عقیدہ اور شام کو کوئی عقیدہ۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ ڈٹنا حق پر ہے غلط چیز پر ڈٹنا اچھی بات نہیں ہے۔ اور آج تو حال یہ ہے کہ حق پر ڈٹنا تو بعد کی بات ہے کسی کو اس بات کی بھی پروا نہیں ہے کہ میں صحیح عقیدے پر چل رہا ہوں یا نہیں۔ اس کا احساس ہو کہ کہیں میرا عقیدہ ہی غلط نہ ہو کسی سے پوچھ لوں اور عقیدے کی درستی کے لیے قرآن سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے۔

دین سمجھنے کے لیے کوئی تیار نہیں

اور میں یہ بات دعوے سے کہتا ہوں کہ اگر کوئی آدمی قرآن پاک کا لفظی ترجمہ پڑھ لے تو وہ کبھی کفر، شرک اور بدعت میں مبتلا نہیں ہو گا۔ کوتاہی تو اپنی ہے کہ کوئی حقیقت معلوم کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہے اور اپنی کوتاہی مولویوں کے ذمہ لگا دیتے ہیں کہ ایک مولوی یہ کہتا ہے دوسرا مولوی یہ کہتا ہے، ہم کس کی مانیں کدھر جائیں؟ بھئی! تم کسی مولوی کی نہ مانو خود قرآن مجید پڑھو

اور سمجھو کہ قرآن کریم کیا کہتا ہے؟ اس پر عمل کرو مولویوں کا بہانہ بنا کر گمراہی میں نہ پڑے رہو۔ اور حکومت بھی اسلام کے عدم نفاذ کا ذمہ دار مولویوں کو ٹھہراتی ہے کہ مولوی فرقہ واریت پھیلاتے ہیں، کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے، ہم کس کا اسلام نافذ کریں؟ بھئی! سوال یہ ہے کہ تم تو یہ بہانہ بناتے ہو لیکن مسلمانوں کے پچاس سے زیادہ ملک ہیں ان میں وہ ملک بھی ہیں جن میں کوئی فرقہ واریت نہیں ہے، خطیب کو اوپر سے لکھا ہوا خطبہ ملتا ہے وہ پڑھ کے سنا دیتا ہے تو ان ملکوں میں شریعت نافذ کیوں نہیں ہوتی؟ وہاں تو کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مولویوں کا جھگڑا نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ تو ایک بہانہ ہے اصل خرابی حکمران طبقے کا بے دین ہونا ہے۔ جس اسلامی ملک کو دیکھو! حکمران بے دین اور عیاش ہیں اپنی بے دینیوں پر زد نہیں آنے دیتے۔ ان کے بے دین ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ختم نبوت والوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ شناختی کارڈ میں مذہب کے خانے کا اضافہ کیا جائے تاکہ کوئی مرزائی حج پر نہ جا سکے، یہ کافر ہوتے ہوئے چلے جاتے ہیں کیونکہ پتا نہیں چل سکتا۔ حکومت نے وعدہ کر لیا مذہب کے خانے کے اضافے کا، قادیانیوں نے عیسائیوں کو استعمال کیا وہ سڑکوں پر نکل آئے کہ اس طرح ہمیں الگ کیا جا رہا ہے۔ حکومت نے شناختی کارڈ سے مذہب کا خانہ ہی ختم کر دیا۔ جب یہ مطالبہ ہوا تھا مسلمانوں کی آبادی ساڑھے گیارہ کروڑ تھی اور عیسائی صرف گیارہ لاکھ تھے اور مرزائی کل ایک لاکھ چار ہزار تھے۔ کتنے ظلم کی بات ہے کہ گیارہ لاکھ کی بات تو معتبر ہو، ایک لاکھ چار ہزار کی آواز موثر ہو اور ساڑھے گیارہ کروڑ کی آواز کی کوئی حیثیت نہ ہو۔ یہ حکمرانوں کے بے دین ہونے کا ثبوت ہے خدا ان کا بیڑا غرق کرے۔ سود کے خلاف شریعت کورٹ نے فیصلہ دیا کہ سود حرام ہے لیکن وزیر اعظم نواز شریف کا بیان آیا کہ ہم اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کریں گے، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

حالاں کہ شریعت کورٹ کی عدالت خود حکومت نے بنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑا رحمٰن اور رحیم ہے میں حیران ہوں کہ ان پر عذاب کیوں نہیں آتا؟ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی اور ان کو بھی جنھوں نے کفر شرک سے توبہ کر کے آپ کا ساتھ دیا یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ڈٹ کر رہنے کا حکم دیا کہ موقف میں لچک نہ آئے اور فرمایا ﴿وَلَا تَطْغَوْا﴾ اور حد سے آگے نہ بڑھو، اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف سرکشی نہ کرو ﴿إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ بے شک جو کچھ بھی تم عمل کرتے ہو دیکھنے والا ہے۔ یہ آیت کریمہ اچھی طرح یاد رکھنا۔

﴿وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا﴾ اور نہ جھکو ان لوگوں کی طرف جنھوں نے ظلم کیا یعنی جو پارٹی شریعت کے خلاف ہو ان کی طرف مائل نہ ہو ﴿فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾ پس چھوئے گی تم کو آگ۔ کیوں کہ ظالموں کی طرف مائل ہونے کا مطلب یہ کہ تمھارا قارورہ ان کے ساتھ ملتا ہے۔ بڑی حیرانی کی بات ہے کہ آج لوگوں نے مفت و مفت دوزخ خریدی ہوئی ہے کہ ظالموں کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔ وہ ظلم کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے اور یہ ظلم کے ساتھ تعاون اور ان کے ساتھ میل جول رکھنے کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے۔ ﴿وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ﴾ اور نہیں ہوگا تمھارے لیے اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے کوئی ... مدد گار،

مددگار کوئی نہیں ہوگا اور یہ بھی یاد رکھو ﴿ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ﴾ پھر تمھاری مدد نہیں کی جائے گی۔ جب اللہ تعالیٰ پکڑے گا تو کوئی مددگار نہیں ہوگا لہٰذا حق کا ساتھ دو اور جو ذہنی طور پر ظالم ہیں ان کا ساتھ نہ دو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں غم نہ کر اور پریشان نہ ہو ﴿وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ﴾ اور قائم کرو نماز کو دن کے دونوں طرفوں میں۔ مثلاً: فجر کی نماز ہے پَو پھٹنے کے بعد اور ظہر اور عصر کی نماز ہے غروب آفتاب سے پہلے ﴿وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ﴾ اور رات کی گھڑیوں میں زُلَفًا زُلْفَةٌ کی جمع ہے، رات کا حصہ۔ معنیٰ ہوگا اور رات کی گھڑیوں میں۔ جیسے مغرب اور عشاء کی نماز ہوئی کیوں کہ ضابطہ ہے ایک طرف دھیان کرنے سے دوسری طرف کے صدمے میں کمی آتی ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا کہ نفلی نمازوں میں تہجد کی بڑی فضیلت ہے۔ اور تہجد کی نماز دو رکعتیں بھی ہیں، چار رکعتیں بھی ہیں، چھ رکعتیں بھی ہیں اور آٹھ رکعتیں بھی ہیں اور بارہ رکعتیں بھی ہیں اور آج کل ساڑھے پانچ بجے تک تہجد کا وقت ہے۔ (یہ جنوری کے مہینے کی بات ہے۔ مرتب)

آج کل لوگ آخرت سے بے پروا ہو گئے ہیں

آج کل لوگوں میں آخرت کی تیاری کی فکر ختم ہو گئی ہے الا ماشاء اللہ۔ اور پہلے یہ ہوتا تھا کہ جس آدمی کے سر کا یا ڈاڑھی کا بال سفید ہو جاتا تو اس کو آخرت کی فکر زیادہ ہو جاتی تھی اور آج کل کے ہمارے بوڑھے تاش کھیلتے ہیں اور کئی ایسے کھیل کھیلتے ہیں جن کا مجھے نام بھی نہیں آتا۔ بلکہ چھوٹے چھوٹے بچے کہتے ہیں گول ہو گیا۔ مجھے آج تک گول کا مفہوم سمجھ نہیں آیا کیوں کہ دلچسپی ہی نہیں ہے۔ ساتھیو! آخرت کو کبھی نہ بھولو! فرض نمازوں کے ساتھ ساتھ نفلی نمازیں پڑھو اور خصوصاً تہجد کی نماز نہیں چھوڑنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ﴾ بے شک نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو، مٹا دیتی ہیں برائیوں کو۔ دیکھو! وضو کی برکت سے صغیرہ گناہ ہاتھ پاؤں آنکھوں سے جھڑ جاتے ہیں، مسجد کی طرف آنے سے ایک ایک قدم کے بدلے دس دس نیکیاں ملتی ہیں ایک ایک صغیرہ گناہ جھڑ جاتا ہے آٹومیٹک (خود بخود) اور ایک درجہ بلند ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس ارادے سے چلو کہ قرآن حدیث کا درس بھی سننا ہے تو پھر ہر ہر قدم پر سات سات سو نیکیاں ملتی ہیں ﴿وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ "اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے بڑھا دے۔" کیوں کہ یہ فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔ ﴿ذٰلِكَ ذِكْرٰی لِلذّٰكِرِیْنَ﴾ یہ نصیحت ہے نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے۔ اور اگر کوئی قبول نہ کرے اور اکڑ جائے تو اس کا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ آگے اللہ تعالیٰ آپ کو تسلی دیتے ہیں کہ یہ کافر آپ کا مذاق اُڑاتے ہیں اور وعظ کرنے پر برا بھلا کہتے ہیں ﴿وَاصْبِرْ﴾ اور صبر کریں ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا اجر نیکی کرنے والوں کا۔ تمھیں اللہ تعالیٰ اجر دے گا، بدلہ دے گا اور درجات بلند فرمائے گا۔

﴿فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ﴾ پس کیوں نہیں ہوئے ان جماعتوں میں سے ﴿مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ جو تم سے پہلے گزری ہیں ﴿أُولُوْا بَقِيَّةٍ﴾ فضیلت والے لوگ ﴿يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ﴾ جو منع کرتے زمین میں فساد سے ﴿إِلَّا قَلِيْلًا﴾ مگر بہت تھوڑے ﴿مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ﴾ ان میں سے جن کو ہم نے نجات دی ﴿وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ﴾ اور پیروی کی ان لوگوں نے ﴿ظَلَمُوْا﴾ جنھوں نے ظلم کیا ﴿مَا اُتْرِفُوْا فِيْهِ﴾ اس چیز کی جس میں ان کو خوش حالی دی گئی تھی ﴿وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ﴾ اور تھے وہ مجرم ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ﴾ اور نہیں ہے تیرا رب ﴿لِيُهْلِكَ الْقُرٰى﴾ کہ ہلاک کردے بستیوں کو ﴿بِظُلْمٍ﴾ ظلم کی وجہ سے ﴿وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ﴾ جب کہ وہاں کے رہنے والے اصلاح کرتے ہوں ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ﴾ اور اگر چاہے تیرا رب ﴿لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ تو البتہ کردے لوگوں کو ایک گروہ ﴿وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ﴾ اور ہمیشہ رہیں گے یہ مختلف ﴿إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ﴾ مگر وہ جس پر تیرا رب رحم کرے گا ﴿وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ﴾ اور اسی واسطے ان کو پیدا کیا رب نے ﴿وَتَمَّتْ﴾ اور مکمل ہو چکا ﴿كَلِمَةُ رَبِّكَ﴾ فیصلہ تیرے رب کا ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ﴾ البتہ میں ضرور بھروں گا جہنم کو ﴿مِنَ الْجِنَّةِ﴾ جنات سے ﴿وَالنَّاسِ﴾ اور انسانوں سے ﴿اَجْمَعِيْنَ﴾ اکٹھے ہوں گے ﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ﴾ اور ہر خبر ہم بیان کرتے ہیں آپ پر ﴿مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ﴾ رسولوں کی خبروں سے ﴿مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ﴾ جس کے ذریعے ہم آپ کے دل کو ثابت رکھتے ہیں ﴿وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ﴾ اور آیا آپ کے پاس ان خبروں میں سے حق ﴿وَمَوْعِظَةٌ﴾ اور نصیحت ﴿وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور یاد دہانی مومنوں کے لیے ﴿وَقُلْ﴾ اور آپ کہہ دیں ﴿لِّلَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں سے ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ جو ایمان نہیں لاتے ﴿اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ﴾ عمل کرو تم اپنے طریقہ پر ﴿اِنَّا عٰمِلُوْنَ﴾ بے شک ہم بھی عمل کرنے والے ہیں ﴿وَانْتَظِرُوْا﴾ اور انتظار کرو تم ﴿اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ﴾ بے شک ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں ﴿وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے غیب آسمانوں کا اور زمین کا ﴿وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ﴾ اور اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سارے معاملات ﴿فَاعْبُدْهُ﴾ پس اسی کی عبادت کر ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ﴾ اور اسی پر بھروسا کر ﴿وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور نہیں تیرا پروردگار غافل ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔

نہی عن المنکر نہ کرنے والوں کی مذمت:

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلی قوموں کے ان لوگوں کی برائی بیان فرمائی ہے جو پڑھے لکھے اور نیک تھے۔ اخلاقی

حالت بھی ان کی کچھ اچھی تھی لیکن دوسرے لوگوں کو فساد فی الارض سے منع نہیں کرتے تھے۔ حالاں کہ ان کا فریضہ تھا امر بالمعروف نہی عن المنکر کرنا لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ خود نیک ہونا بے شک اچھی بات ہے مگر اس سے خداوند عزیز کا عذاب نہیں ٹلتا، عذاب ٹلتا ہے مصلح ہونے کی وجہ سے جس کا ذکر اگلی آیت کریمہ میں آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ پس کیوں نہ ہوئے ان جماعتوں میں سے جو تم سے پہلے گزری ہیں ﴿اُولُوْا بَقِيَّةٍ﴾ فضیلت والے لوگ، جو ان میں صاحب فضیلت، صاحب علم اور سمجھ دار لوگ تھے ﴿يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ﴾ جو منع کرتے زمین میں فساد سے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی برائی بیان فرمائی ہے کہ جو صاحب علم، صاحب فضیلت اور سمجھ دار تھے انھوں نے لوگوں کو فساد فی الارض سے منع کیوں نہیں کیا؟ حالاں کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر ان کا فریضہ تھا ﴿اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ﴾ مگر بہت تھوڑے ان میں سے جن کو ہم نے نجات دی کہ انھوں نے امر بالمعروف نہی عن المنکر کیا، لوگوں کو فساد فی الارض سے منع کیا۔ تو امر بالمعروف نہی عن المنکر کرنا عذاب سے نجات کا سبب ہے، محض نیک ہونا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچاتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بستی تھی جس میں گناہ بہت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس بستی کو ﴿وَمَنْ فِيْهَا﴾ اور جو اس میں ہیں سب کو تباہ کر دو۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سوال کیا اے پروردگار! بِمَنْ فِيْهَا اس بستی میں رہنے والے تمام کو عذاب میں مبتلا کر دوں؟ فرمایا ہاں! سب کو۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار! اس بستی میں تیرا ایک ایسا بندہ ہے لَمْ يَعْصِيْكَ قَطُّ طَرْفَةَ عَيْنٍ جس نے آپ کی کبھی نافرمانی نہیں کی پلک جھپکنے کے برابر، کیا اس کا گھر بھی تباہ کر دوں؟ فرمایا ہاں! بے شک وہ خود تو نیک ہے لیکن وہ لوگوں کو نیکی کا سبق نہیں دیتا اور برائی سے منع نہیں کرتا وَ لَمْ يَتَغَيَّرْ وَجْهُهٗ اور برائی دیکھ کر اس کا چہرہ متغیر نہیں ہوتا۔ برائی دیکھ کر اس کے ماتھے پر بل نہیں پڑتے لہٰذا اس کو بھی ساتھ ہلاک کر دے۔ تو نجات کا سبب مُصْلِح ہے اصلاح کرنے والا، نیک ہونا عذاب سے نہیں بچاتا۔

تو فرمایا کہ صاحب فضیلت، صاحب علم اور سمجھ دار لوگوں نے فساد فی الارض سے منع نہیں کیا ﴿وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ اور پیروی کی ان لوگوں نے جنھوں نے ظلم کیا ﴿مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ﴾ اس چیز کی جس میں ان کو خوش حالی دی گئی۔ مال، دولت، اقتدار، باغ، کوٹھیوں کے پیچھے پڑے رہے ان کی ساری زندگی دنیا کی ترقی میں گزر گئی۔ حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَا بْتَغٰى ثَالِثًا "اگر ابن آدم کو دو بڑے وسیع میدان سونے کے بھرے ہوئے مل جائیں تو یہ تیسرے میدان کی تلاش میں پڑے گا دو پر قناعت نہیں کرے گا۔" اور فرمایا وَ لَا يَمْلَاُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ "بندے کے پیٹ کو قبر کی مٹی ہی پُر کر سکتی ہے۔" اور کوئی شے اس کے پیٹ کو بھرتی نہیں ہے۔

تو فرمایا وہ لوگ جو مال و دولت کے پیچھے پڑے رہے ﴿وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ﴾ اور تھے وہ مجرم۔ آگے اللہ تعالیٰ ایک ضابطہ بیان فرماتے ہیں ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ﴾ اور نہیں ہے تیرا رب کہ ہلاک کر دے بستیوں کو ظلم کی وجہ سے

﴿وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ﴾ جب کہ وہاں کے رہنے والے اصلاح کرتے ہوں۔ یعنی ان بستیوں میں ظلم بھی ہے گناہ بھی ہیں لیکن وہاں کے باشندے اصلاح بھی کرتے ہوں برائیوں سے لوگوں کو روکتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک نہیں کرتا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مُصلح کا وجود اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مانع ہے۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ حضرت! اَنُهْلِكُ وَ فِيْنَا صَالِحُوْنَ "کہ ہم ہلاک ہو جائیں گے اس حال میں کہ ہم میں نیک لوگ بھی ہوں قَالَ نَعَمْ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہاں اِذَا كَثُرَ الْخُبْثُ جب گناہ اور جرائم زیادہ ہو جائیں۔" یعنی محض نیک ہونا عذاب کو نہیں ٹالتا مُصلح کا وجود عذاب کو ٹالتا ہے۔

صَالِحٌ کا معنیٰ ہے خود نیک ہونا اور مُصْلِحٌ کا معنیٰ ہے دوسروں کو نیکی کا سبق دینے والا اور برائی سے روکنے والا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو نیکی اور بدی کا اختیار ہونا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ﴾ اور اگر چاہے تیرا رب ﴿لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ تو البتہ کر دے لوگوں کو ایک گروہ۔ بدی کا مادہ ہی نکال دے فرشتہ صفت بنا دے کہ فرشتوں میں جنسی خواہشات ہی نہیں ہیں نہ وہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، نہ ان میں نر مادہ ہے، نہ لڑتے جھگڑتے ہیں۔ رب تعالیٰ چاہے تو ایسا کر سکتا ہے وہ قادر مطلق ہے۔ اور معاذ اللہ تعالیٰ اگر وہ چاہے تو تمام انسانوں کو کافر بنا دے لیکن ﴿وَ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ﴾ اور ہمیشہ رہیں گے یہ مختلف۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنات میں خیر اور شر کی قوت رکھی ہے اور سمجھ دی ہے اور خیر اور شر کی قوت کو اختیار کرنے کا اختیار دیا ہے کہ اپنی مرضی سے خیر کا راستہ اختیار کریں یا شر کا راستہ اختیار کریں۔

﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف:۲۹] "پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔" ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ [النساء:۱۱۵] "ہم پھیر دیں گے اسی طرف جس طرف اس نے رخ کیا ہے۔" یعنی جس طرف وہ آدمی چلے گا ہم اس کو اسی طرف چلا دیں گے، جبر نہیں ہے۔ اور اگر انسان میں نیکی بدی کا مادہ نہ ہوتا تو پھر تو فرشتہ ہوتا لہٰذا انسان نیکی بدی کے لحاظ سے مختلف رہیں گے ﴿اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ﴾ مگر وہ جس پر تیرا رب رحم کرے گا وہ حق کے ساتھ اختلاف نہیں کرے گا اور رب تعالیٰ کی مہربانی اسی پر ہوتی ہے جو رب کی طرف آئے۔ چنانچہ سورت عنکبوت آیت نمبر ۶۹ میں ہے ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ "اور وہ لوگ جو کوشش کریں ہماری طرف آنے کی ہم ان کو اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں۔" اور بخلاف اس کے ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ "پس جب وہ ٹیڑھے چلے تو ہم نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔" [صف:۵] مطلب یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے احکام سے پیٹھ پھیر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی پیٹھ سیدھی نہیں کرتے۔ مختصر یہ کہ انسان اپنے ارادے اور مشیت میں مختار ہے۔

﴿وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ﴾ اور اسی واسطے ان کو پیدا کیا رب نے کہ اپنی مرضی سے ایمان لائیں اور اپنی مرضی سے کفر اختیار

کریں، اپنی مرضی سے نیکی بدی کریں ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ﴾ اور مکمل ہو چکا فیصلہ تیرے رب کا۔ وہ فیصلہ یہ ہے ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ البتہ میں ضرور بھروں گا جہنم کو جنات سے اور انسانوں سے اکٹھے ہوں گے وہاں اکٹھے ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سارے جہنم کے ایک ہی خانے میں ہوں گے بلکہ اپنے اعمال کے مطابق جہنم کے مختلف درجوں میں ہوں گے۔ جس طرح ریل گاڑی میں مختلف درجے ہوتے ہیں کوئی فرسٹ کلاس میں ہے، کوئی سیکنڈ کلاس میں، کوئی تھرڈ کلاس میں ہوتا ہے۔ بعض ملحد یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جنات آگ سے پیدا ہوئے ہیں۔ سورۃ الحجر آیت نمبر ۲۷ میں ہے ﴿وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ﴾ "اور جنوں کو ہم نے پیدا کیا اس سے پہلے آگ کی لو سے۔" اور دوزخ میں بھی آگ ہی ہے تو آگ کو آگ سے کیا تکلیف ہوگی۔ لیکن ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیوں کہ آگ آگ میں فرق ہے۔

چنانچہ بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت ہے کہ جہنم کے ایک طبقے نے دوسرے طبقے کی شکایت کی کہ اے پروردگار! اس طبقے کو میرے سے کچھ دور کر دے کہ مجھے اس کی حرارت اور گرمی کھا گئی ہے۔ یعنی جہنم کا ایک طبقہ دوسرے طبقے سے نالاں ہے۔ جب دوزخ کی آگ میں اتنا فرق ہے کہ ایک طبقہ دوسرے طبقے سے پناہ لیتا ہے تو جنات تو دنیا کی آگ سے پیدا ہوئے ہیں اور جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے اُنہتر گنا زیادہ تیز ہے۔ دنیا کی آگ کی اس کے سامنے کیا حیثیت ہے کہ اس سے پیدا ہونے والے جنات کو اس سے تکلیف نہ ہوگی۔ ایسی باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جنھوں نے دین کو سمجھا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ﴾ اور ہر خبر ہم بیان کرتے ہیں آپ پر رسولوں کی خبروں سے وہ جس کے ذریعے ہم آپ کے دل کو ثابت رکھتے ہیں۔ بات اچھی طرح سمجھ لیں۔ مطلقاً ہر خبر نہیں بلکہ ہر وہ خبر کہ جس خبر کے ذریعے سے ہم تیرے دل کو ثابت رکھتے ہیں وہ ہم بیان کرتے ہیں۔

اور کل کے سبق میں تم پڑھ چکے ہو ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ﴾ "اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب پھر اس میں اختلاف کیا گیا۔" اب یہ خبر کہ موسیٰ علیہ السلام کی کتاب میں اختلاف کیا گیا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں سنائی تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہو کہ اگر اس وقت یہ لوگ قرآن کو نہیں مانتے اور صاف لفظوں میں کہتے ہیں کہ ہم نہ قرآن کو مانتے ہیں اور نہ تیری باتوں کو تو آپ پریشان نہ ہوں پہلی کتابوں کے بارے میں بھی لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی پہلے پیغمبروں نے بھی ہجرت کی، بکریاں چرائی اور ماریں کھائی، بڑا کچھ ہوا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا ہے۔

پیغمبروں نے تمام تکالیف برداشت کر کے توحید کا سبق دیا

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو توحید کا سبق دیا تو مشرکوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا

مارا کہ سارا بدن زخمی ہو گیا۔ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور کہنے لگے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پروانہ کریں وہ درخت جو کنارے پر کھڑا ہے اس کو اشارہ کر دو وہ تمھاری طرف آ جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا وہ درخت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ غم سے ہٹائی جائے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت کو اشارہ کیا تو وہ اپنی جگہ پر چلا گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کافروں نے انتہائی ظلم کیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے واقعات سنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی۔ باقی پیغمبروں کی ہر ہر خبر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دی۔

چنانچہ تم چھٹے پارے میں پڑھ چکے ہو ارشاد ربانی ہے ﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ﴾ [نساء: ۱۶۴] "اور ہم نے ایسے رسول بھیجے جن کا حال ہم نے آپ پر بیان کیا ہے اس سے پہلے اور ایسے رسول بھی بھیجے جن کے حالات ہم نے بیان نہیں کیے آپ پر۔" اور سورت مومن آیت نمبر ۷۸ میں فرمایا ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ﴾ "اور البتہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلے بہت رسول بھیجے ان میں سے بعض کے احوال ہم نے آپ کو بتائے اور بعض کے احوال ہم نے آپ کو نہیں بتائے۔"

تو بدعتیوں کا یہ دعویٰ کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا علم دے دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں بس اتنا فرق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم عطائی ہے۔ یہ فرق کر کے خوش ہو جاتے ہیں کہ ہم مشرک نہیں بنے کہ اللہ تعالیٰ کے علم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں فرق کر دیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا علم دیا ہی نہیں ہے۔ بعض پیغمبروں کے واقعات ہم نے آپ کو بتائے ہیں اور بعض کے واقعات نہیں بتائے عطا ہی نہیں کیے۔ اور سورہ یٰسین میں ہے ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ﴾ "اور نہیں سکھایا نہیں عطا کیا ہم نے اس پیغمبر کو شعر کہنا اور نہ ہی لائق ہے اس کے لیے۔" اس کے بعد عطائی کہاں سے آ جائے گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے تو دیا ہی نہیں ہے۔ یاد رکھنا! یہ سب بدعتیوں کے ڈھکوسلے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا علم عطا کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ﴾ اور آیا آپ کے پاس ان خبروں میں سے حق ﴿وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور نصیحت اور یاد دہانی مومنوں کے لیے۔ آپ مومنوں کو سنا کر یاد دہانی کرائیں۔ ﴿وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ اور آپ کہہ دیں ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لائے آپ کی نبوت پر، اللہ تعالیٰ کی توحید پر ﴿اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ﴾ عمل کرو تم اپنے طریقہ پر ﴿اِنَّا عٰمِلُوْنَ﴾ بے شک ہم بھی عمل کرنے والے ہیں اپنے طریقے پر ﴿وَانْتَظِرُوْا﴾ اور تم انتظار کرو ﴿اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ﴾ بے شک ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں کہ کامیابی کس کو حاصل ہوتی ہے اور عذاب میں کون مبتلا ہوتا ہے۔ کون بچتا ہے اور کون تباہ ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر کافر کہتے تھے کہ تم نے جو عذاب لانا ہے ہمیں بتاؤ وہ کب آئے گا۔ اس کے جواب میں فرمایا ﴿وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے غیب آسمانوں اور زمین کا، وہ جانتا ہے کہ اس نے تم پر عذاب کب نازل کرنا ہے مجھے جتنی بات رب تعالیٰ بتاتے ہیں میں تمھیں بتا دیتا ہوں۔ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

﴿وَ اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ﴾ اور اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سارے معاملات۔ اس نے اپنے خدائی اختیارات میں سے تو ایک رتی بھی کسی کو نہیں دی۔ ﴿فَاعْبُدْهُ﴾ پس اسی کی عبادت کر ﴿وَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ﴾ اور اسی پر بھروسا کر ﴿وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور نہیں تیرا پروردگار غافل ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔ تمھاری نیکی بدی سب رب تعالیٰ کے علم میں ہے۔

آج بتاریخ ۹ صفر المظفر بروز جمعرات ۱۴۳۰ھ بمطابق ۵ رفروری ۲۰۰۹ء
یہ سورۃ مکمل ہوئی۔

بتوفیق اللہ تعالیٰ وعونہٖ

(مولانا) محمد نواز بلوچ

مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس، جناح روڈ گوجرانوالا